امداد الاحکام

امداد الفتاویٰ کا تکملہ جو سنہ ۱۳۴۴ھ کے بعد کے فتاویٰ پر مشتمل ہے

تالیف

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

زیر نگرانی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی

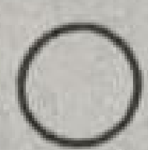
ترتیب و تصحیح

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی

صدر دار العلوم کراچی

مکتبہ دار العلوم کراچی

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ



اِمْدَادُ الاَحْکام

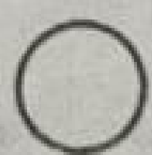
امداد الفتاویٰ کا تکملہ جو ۱۳۴۰ھ کے بعد کے تقریباً سوا دو ہزار
فتاویٰ پر مشتمل ہے،

تالیف

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ و حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ

زیر نگرانی و رہنمائی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ



ناشر

مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴



نام کتاب : امداد الاحکام جلد دوم
تالیف : حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
تبویب : مولانا محمود اشرف عثمانی ۔ مولانا رفیع اللہ عثمانی
ترتیب و مقدمہ : مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب صدر دار العلوم کراچی
زیر ہدایت : مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رح
کتابت : محمد عیسیٰ سربازی ۔ حسین احمد نجیب
طباعت : شکیل پرنٹنگ پریس کراچی



ناشر : مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴

ملنے کے پتے

- مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف کراچی ۱۴
- دار الاشاعت، ایم ۔ اے جناح روڈ کراچی
- ادارہ اسلامیات، ۱۹۰ ۔ انار کلی لاہور

فہرست مضامین "امداد الاحکام" جلد دوم

کتاب الزکوٰۃ

باب الاعتکاف

کتابُ الحج!

فصل فیمن یفرض علیہ الحج

فصل فی الاحرام وما ہو محذور فیہ

فصل فی القران والتمتع

فصل فی الوصیۃ بالحج والحج عن الغیر

فصل فی المحرمات

فصل فی الانکحۃ الفاسدۃ

فصل فی الاولیاء والاکفاء

باب الوکالۃ بالنکاح!



امدادُ الاحکام جلد دوم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کتابُ الزکوٰۃ

پیشگی زکوٰۃ اگر زائد ادا کر دیجائے تو اس کا حکم

سوال (۱) اگر پیشگی زکوٰۃ غلطی سے زائد ادا کر دی جائے تو اسے آئندہ سالوں میں محسوب کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً دس ہزار کی مالیت کا اندازہ کر کے سال حال اور ایک سال آئندہ کی زکوٰۃ ادا کر دی، اور بعد میں حساب کے جانچ کرنے سے معلوم ہوا کہ اصل مالیت آٹھ ہی ہزار کی ہے، تو یہ جو دو ہزار سال حال اور دو ہزار سال آئندہ کی جملہ چار ہزار کی زکوٰۃ غلطی سے پیشگی ادا ہو گئی ہے یہ اس کے بعد کے سال میں وضع کی جا سکتی ہے؟

الجواب: وضع کی جا سکتی ہے، قال فی العالمگیریۃ: رجل لہ اربع مائۃ درھم فظن ان عندہ خمسمائۃ فادی زکوٰۃ خمسمائۃ ثم علم، فلہ ان یحسب الزیادۃ للسنۃ الثانیۃ اھ (ص ۱۱۳ ج ۱) ۲۶ ربیع الثانی ۴۰ھ۔

وکیلِ زکوٰۃ کا زکوٰۃ کی رقم میں خیانت کرنا

سوال (۲) ایک شخص کو وکیل بنایا کہ وہ رقمِ زکوٰۃ اپنی ماں کو لے جا کر دیدے، اس نے درمیان میں خیانت کی، کہ کچھ رقم خود صرف کر ڈالی، اور کچھ اپنی ماں کو دیدی وہ شخص خود بھی مصرف زکوٰۃ ہے، مگر اس کو وکیل بنایا گیا تھا مالک نہیں بنایا گیا تھا اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا بقدر خیانت پھر ادا کرنا پڑے گی؟

الجواب: اگر وکیل خود بھی فقیر ہے جب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہو گی، البتہ جس قدر اس نے اپنی ماں کو دیدیا ہے اس قدر زکوٰۃ ادا ہو گئی، باقی کا ضمان وکیل سے لے سکتے ہیں، قال فی الدر: ولو خلط زکوٰۃ موکلیہ ضمن وللوکیل ان یدفع لولدہ الفقیر وزوجتہ (الفقیرۃ) لا لنفسہ الا اذا قال ربھا ضعھا حیث شئت اھ قال فی الشامیۃ: وھذا حیث لو یأمرہ بالدفع، اذ لو خالف ففیہ قولان اھ (ص ۱۷ ج ۲) ۲۶ ربیع الثانی ۴۰ھ۔

کسی مسافر کو زادِ راہ کے واسطے کچھ رقم بطور زکوٰۃ دی، اگر وہ مسافر رقم واپس کردے تو کیا زکوٰۃ ادا ہوجائے گی

سوال (۳) ایک مسافر کہ جس نے بطورِ قرض زادِ راہ مانگا مگر میں نے یہ کہہ کر دیا کہ یہ قرض نہیں ہے تم واپس کرنا اور بہ نیت زکوٰۃ اُسے دیدیا اور وہ بحالتِ قیام بھی مصرفِ زکوٰۃ ہے، اب وہ روپیہ واپس کرنا چاہتا ہے، اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں؟

الجواب، ادا ہوگئی۔

(بقیہ سوال) اگر ادا ہوگئی تو اس کا واپس کیا ہوا روپیہ کیا کیا جائے؟

الجواب: بہتر یہ ہے کہ وہ روپیہ واپس نہ لیا جائے، اور اگر لے لیا ہے تو افضل یہ ہے کہ اس کو صدقہ کردیا جائے، اور اگر خود بھی رکھ لیں تو جائز ہے۔

دلیل الجواب: ماذکرہ فی الدر بقولہ وتسقط الزکوٰۃ عن موہوب لہ فی نصاب مرجوع فیہ مطلقا سواء رجع بقضاء اوغیرہ بعد الحول لورود الاستحقاق علی عین الموہوب ولذا لارجوع بعد ہلاکہ، قید بہ زای بقولہ عن موہوب لہ) لانہ لازکوٰۃ علی الواہب اتفاقاً لعدم الملک اھ قال الشامی (قولہ اتفاقاً لعدم الملک) لان ملک الواہب انقطع بالہبۃ واشار بقولہ اتفاقاً الی ان فی سقوطھا عن الموہوب لہ خلافا لان زفرؒ یقول بعدمہ ان رجع الواہب بلا قضاء لانہ لما ابطل ملکہ باختیارہ صار ذلک کہبۃ جدیدۃ وکمستہلک، قلنا بل ھو غیر مختار لانہ لو امتنع عن الرد اجبر بالقضاء فصار کانہ ہلک، شرح درر البحار اھ، ص ۵۹ ج ۲، قلت: واما فی الصورۃ المسئولۃ فلاشک فی کون رد الموہوب لہ ہبۃ جدیدۃ لانہ لاجبر علیہ من الواہب فیسقط الزکوٰۃ عن الواہب قطعا الا انہ ینبغی للواہب ان لایقبل ھذا الرد لماورد فی الصحیح عن عمر رضی اللہ عنہ انہ حمل رجلا علی فرس فی سبیل اللہ ثم راٰہ یباع فی السوق فاراد شراءہ فنھاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک وقال: لاتعد فی صدقتک اھ، واللہ اعلم۔

۲۰ رمضان ۱۳۴۱ھ

مدیون بدَین مہر پر وجوبِ زکوٰۃ کا حکم

سوال (۴) اگر کسی کے ذمہ اب تک دَینِ مہر باقی ہے تو اس پر احکام نصاب عائد ہوتے ہیں یا نہیں، دراں حالیکہ علاقے دَینِ مہر سے زیادہ مالیت کے موجود ہوں؟

الجواب: احکامِ نصاب دو قسم کے ہیں، ایک وجوبِ زکوٰۃ، دوسری جوازِ اخذ مالِ زکوٰۃ، وجوبِ زکوٰۃ تو محض علاقہ کے موجود ہونے سے نہیں ہوتا، جب تک چاندی یا سونا بقدرِ نصاب موجود نہ ہو، اور اُس پر حولانِ حول نہ ہو، یا مالِ تجارت نہ ہو، ہاں علاقے کی پیداوار پر عشر ہوگا اگر یہ خود کاشت کرتا ہے، پس اگر اس شخص کے پاس چاندی یا سونا یا مالِ تجارت بقدرِ نصاب فاضل از حوائج اصلیہ ضروریہ موجود ہو، اور اس پر سال بھی گذر جائے، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور دَینِ مہر وجوبِ زکوٰۃ سے اس وقت مانع ہے جبکہ اس رقم کو دَینِ مہر میں ادا کرنے کی نیت ہو، اور اگر مہر میں ادا کرنے کی نیت نہیں تو زکوٰۃ واجب ہوگی، اور صورتِ اوّل میں بھی قدرِ مالیتِ مہر سے زائد رقم میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر وہ نصاب کو پہونچ جائے، اور زکوٰۃ لینے کا جواز اس وقت ہے جبکہ زمین کی آمدنی اس کے اہل وعیال کے نفقہ قوت کو سال بھر کے لئے کافی نہ ہوتی ہو مگر سوال کرنا جائز نہیں، کوئی خود دیدے تو لینا جائز ہوگا، اور اگر آمدنی نفقہ سالانہ کے لئے کافی ہے تو زکوٰۃ کا روپیہ لینا اس شخص کو جائز نہیں، اسی طرح صدقۂ فطر وچرمِ قربانی کا حکم ہے، قال فی العالمگیریۃ ولو کان لہ ضیعۃ تساوی ثلثۃ آلاف ولا تخرج ما یکفی لہ ولعیالہ اختلفوا فیہ قال محمد بن مقاتل: یجوز لہ اخذ الزکوٰۃ اھ (ص ۱۲۲ ج ۱) وفیہ ذکر البزدوی فی شرح الجامع الکبیر قال مشائخنا رحمہم اللہ فی رجل علیہ مہر مؤجل لامرأتہ وھو لا یرید اداءہ لا یجعل مانعاً من الزکوٰۃ لعدم المطالبۃ بہ عادۃ وانہ حسن ایضاً ھکذا فی جواھر الفتاوی اھ (ص ۱۱۱ ج ۱)۔ ۲۵ر شعبان ۱۳۴۲ھ۔

مال مخلوط بالحرام پر وجوبِ زکوٰۃ کا حکم

سوال (۵) ایک شخص ہے جس کو دس ہزار روپے سالانہ آمدنی تو جائز مثلاً زمین کے اناج وغیرہ سے اور پانچ ہزار سالانہ مشکوک ذرائع سے، مثلاً لاٹری وجُوا و گھوڑ دوڑ کے انعام و رشوت سے آتا ہے، تو کیا یہ شخص اگر اپنے نوکروں کو تنخواہ دے گا، تو ملازم لوگوں کی آمدنی جائز ہے یا کہ نہیں، اور زکوٰۃ اس کو دس ہزار روپے پر دینا چاہئے یا کہ پندرہ ہزار پر، جس میں کہ پانچ ہزار مشکوک رقم ہے؟

الجواب: گھوڑ دوڑ کے انعام میں جو رقم اس کو ملتی ہے اس کو تو مطلقاً حرام نہیں کہا جا سکتا، بلکہ اس کی بعض صورتیں حلال بھی ہیں، البتہ جُوا اور سود و رشوت سے جو رقم آتی ہے وہ حرام ہے، اور اس کو اگر جائز آمدنی سے مخلوط نہیں کرتا تو اس پر زکوٰۃ

نہیں بلکہ اصلی مالکوں کو واپس کرنا لازم ہے، اور اگر حلال آمدنی سے اُس کو مخلوط کر دیا ہے اور دونوں میں تمیز نہیں ہو سکتی تو زکوٰۃ مجموعہ پر فرض ہو گی، اور اصل مالکوں کو مال کا واپس کرنا بھی لازم ہے، اور ملازموں کو اس حرام آمدنی سے عدم خلط کی حالت میں تو تنخواہ لینا جائز نہیں اور حلال آمدنی کے ساتھ خلط کی صورت میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔

قال فی الدر: ولو خلط السلطان المال المعصوم بمالہ ملکہ فتجب فیہ الزکوٰۃ ویورث عنہ لان الخلط استھلاک اذا لم یمکن تمییزہ الخ قال الشامی قولہ بمالہ متعلق بخلط واما لو خلطہ بمغصوب اٰخر فلا زکوٰۃ فیہ کما یذکرہ فی قولہ کما لو کان الکل خبیثا اھ (ص ۳۹ ج ۲) قلت ظھر بذلک انہ لا یملک شیئا بخلط مال القمار والربوٰا مالم یخلط بمالہ و قال فی قاضی خان ان کان غالب مال المھدی من الحلال لا بأس بان یقبل الھدیۃ ویاکل مالم یتبیّن عندہ انہ حرام لانّ اموال الناس لا تخلو عن قلیل حرام فیعتبر الغالب کما مرّ فی ص۱۸۲ من ھذا الجزو الملقب بالقال المضبوط (تتمۃ الکلام علی الجواب) فی حکم المال المخلوط، قال فی الدّر وجاز اخذ دَین علی کافر من ثمن خمر لصحۃ بیعہ بخلاف دَین علی المسلم لبطلانہ الّا اذا وکل ذمیًّا ببیعہ فیجوز عندہٗ خلافًا لھما وعلیٰ ھذا لومات مسلم وترک ثمن خمر باعہ مسلم لا یحلّ لورثتہ کما بسطہ الزّیلعی، وفی الاشباہ: الحرمۃ تنتقل مع العلم الّا للوارث الّا اذا علم ربّہ قلت و مرّ فی البیع الفاسد لکن فی المجتبیٰ مات وکسبہ حرام فالمیراث حلال ثم رمز وقال لا نأخذ بھذہ الرّوایۃ اھ قال الشامی تحت قولہ کما بسطہ الزّیلعی الخ حیث قال لانّہ کالمغصوب وقال فی النھایۃ قال بعض مشائخنا کسب المغنیّۃ کالمغصوب لم یحلّ اخذہ وعلیٰ ھذا قالوا لومات الرّجل وکسبہ من بیع الباذق اوالظلم اواخذہ الرّشوۃ یتورع الورثۃ ولا یأخذون منہ شیئًا وھو اولیٰ بھم ویردّونھا علیٰ اربابھا ان عرفوھم والّا تصدّقوا بھا لانّ سبیل الکسب الخبیث التّصدّق اذا تعذّر الرّدّ علیٰ صاحبہ اھ وتحت قولہ فی الاشباہ الخ قال الشیخ عبد الوھاب الشعرانی فی کتاب المنن

وَمَا نقل عن بعض الحنفیۃ من ان الحرام لایتعدی الی ذمتین سألت عنہ الشھاب بن الشلبیؒ (الحنفی) فقال ھو محمول علی ما اذا لم یعلم بذلک اما من رأی المکاس یأخذ من احد شیئا من المکس ثم یعطیہ آخر ثم یأخذہ من ذلک الآخر فھو حرام اھ وفی الذخیرۃ سئل ابو جعفر عمن اکتسب مالہ من امر السلطان والغرامات المحرمۃ وغیر ذلک ھل یحل لمن عرف ذلک ان یأکل من طعامہ قال احب الیَّ فی دینہ ان لا یأکل ویسعہ حکما ان لم یکن غصبا و رشوۃ اھ وفی الخانیۃ: امرأۃ زوجھا فی ارض الجور اذا اکلت من طعامہ ذلک ولم یکن عینہ غصبا او اشتری طعاما او کسوۃ من مال اصلہ لیس بطیب فھی فی سعۃ من ذلک والاثم علی الزوج اھ حموی و تحت قولہ وھو حرام مطلقا علی الورثۃ الخ ای سواء علموا اربابہ اولا فإن علموا اربابہ ردوہ علیھم والا تصدقوا بہ کما قدمناہ آنفا عن الزیلعی اقول ولا یشکل ذلک بما قدمناہ آنفا عن الذخیرۃ والخانیۃ لان الطعام او الکسوۃ لیس عین المال الحرام فانہ اذا اشتری بہ شیئا یحل اکلہ علی تفصیل تقدم فی کتاب الغصب بخلاف ما ترکہ میراثا فانہ عین المال الحرام وان ملکہ بالقبض والخلط عند الامام فانہ لا یحل لہ التصرف فیہ قبل اداء ضمانہ وکذا الوارثہ فی الدیانۃ لا الحکم فلا یجوز لوصی لقاصر التصدق بہ ویضمنہ القاصر اذا بلغ تأمل اھ (ص ۳۸۰ ج ۵) وفی الدر فی باب الغصب فان غصب وغیر المغصوب فزال اسمہ واعظم منافعہ ای اکثر مقاصدہ او اختلط المغصوب بملک الغاصب بحیث یمتنع امتیازہ کاختلاط برہ ببرہ او یمکن بحرج کبرہ بشعیرہ ضمنہ وملکہ بلا حل انتفاع قبل اداء ضمانہ ای رضا مالکہ باداء او ابراء او تضمین قاض و القیاس حلہ وھو روایۃ فلو غصب طعاما فمضغہ حتی صار مستھلکا یبتلعہ حلالا فی روایۃ وحراما علی المعتمد حسما لمادۃ الفساد اھ قال الشامی

ع قلت ھذا مبنی علی قولھما لا علی قولہ کما یظھر ۱۲ منہ قلت نعم یفتی بالحرمۃ فی حق الغاصب وھو کاف لحسم مادۃ الفساد واما فی حق غیرہ فالافتاء بالحل ارفق لدفع الحرج کما سیأتی ۱۲

تحت قوله وهو رواية الخ جعلها فی الخلاصة وغيرها قول الامام والاستحسان قولهما وفی البزازية وكان الامام نجم الدين النسفیؒ ينكران يكون هذا قول الامام ويقول اجمع المحققون من اصحابنا انه لا يملكه الا باحدى الامور الثلثة وقالوا جميعًا الفتوىٰ علىٰ قولهما اه قلت: ما قاله المحققون مخالف لعامة المتون كما مر فتدبر، ثم رأيت بعضهم نقل ان العلامة قاسم تعقبه اه (ص ۱۸۷ ج ۵) قلت وقد ذكر الشامیؒ قبل ذلك فی (ص ۱۸۶ ج ۵) ومافاده كلامه اى كلام المصنف من ان الملك فی المغصوب ثابت قبل اداء الضمان وانما المتوقف علىٰ اداء الضمان الحل هو ما فی عامة المتون اه ثم ردّ علىٰ صاحب النوازل فی توقيفه الملك ايضًا عليه وفی الدر فی باب البيع الفاسد الحرام ينتقل فلو دخل بامان واخذ مال حربي بلا رضاه و اخرجه الينا ملكه وصح بيعه لكن لا يطيب له ولا للمشتری منه بخلاف البيع الفاسد فانه لا يطيب له لفساد عقده ويطيب للمشتری منه لصحة عقده وفی حظر الاشباه الحرمة تتعدى مع العلم بها الا فی حق الوارث وقيده فی الظهيرية بان لا يعلم ارباب الاموال وسنحققه ثمه اه قال الشامی وفی منية المفتی مات رجل ويعلم وارثه ان اباه كان يكسب من حيث لا يحل ولكن لا يعلم الطالب بعينه ليرد عليه حل له الارث والافضل ان يتورع ويتصدق بنية خصماء ابيه اه وكذا لا يحل اذا علم عين الغصب مثلا وان لم يعلم مالكه لما فی البزازية: اخذ مورثه رشوة اوظلمًا ان علم ذلك بعينه لا يحل له اخذه والا فله اخذه حكمًا اما فی الديانة فيتصدق به بنية ارضاء الخصماء اه والحاصل انه ان علم ارباب الاموال وجب رده عليهم والا فان علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه وان كان مالًا مختلطًا مجتمعًا من الحرام ولا يعلم اربابه ولا شيئًا منه بعينه حل له حكمًا والاحسن ديانة

عه اى بالاداء او الابراء او تضمين قاض قلت ومقتضاه ان لا يجب على الخالط الزكوٰة بعد الخلط وقد صرح اصحاب المتون بخلافه كما ذكرناه ۱۲ منه

التنزہ عنہ اھ (ص ۲۰۱ ج ۴) قلت ومفادہ ان الحرمۃ انما تتعدی الی الغیر اذا
علم شیئًا بعینہ حرامًا وعلم ربہ والا فیحل لہ اخذہ والتورع التنزہ عنہ
وھذا ھو الذی قلتہ فی المختلط ویؤیدہ ما فی قاضی خان: ان کان غالب مال
المھدی حلالًا لا بأس بان یقبل الھدیۃ ویأکل مالم یتبین عندہ انہ
حرام لان اموال الناس لا تخلوعن قلیل حرام فیعتبر الغالب اھ قیل لیس فیہ
تصریح بالخلط قلت قولہ لان اموال الناس لا تخلوعن قلیل حرام یشعر
بالخلط والا لقال لان احدًا لا یخلوعن کسب حرام وایضًا فالحکم یدور
مع العلۃ وھی فی المسئلۃ المذکورۃ دفع الحرج ولا یخفی کثرۃ اختلاط اموال
الناس بقلیل حرام وفی الافتاء بحرمۃ اخذھا حرج عظیم فیعتبر الغالب
مطلقًا سواء کان قلیل الحرام مخلوطًا او غیر مخلوط وفی الدر ولو خلط السلطان
المال المعصوم بمالہ ملکہ فتجب الزکوٰۃ فیہ ویورث عنہ لان الخلط استھلاک اذا
لم یمکن تمییزہ عند ابی حنیفۃؒ وقولہ ارفق اذ قل ما یخلو مال عن غصب اھ (ص ۲۹ ج ۲) قلت وفی
قولہ دلالۃ علی انتفاء الحرمۃ عن الاخذ اذا اخذ المال المختلط بالحرام بحیث لا یمکن تمییزہ
والا فلا رفق بالناس مع بقاء الحرمۃ وفی الھندیۃ: ولا یجوز قبول ھدیۃ
امراء الجور لان الغالب فی مالھم الحرمۃ الا اذا علم ان اکثر مالہ حلال
بان کان صاحب زرع او تجارۃ فلا بأس بہ لان اموال الناس لا تخلو عن
قلیل حرام فالمعتبر الغالب وکذا اکل طعامھم کذا فی الاختیار (ص ۲۲۸ ج ۴)
وحملہ علی غیر المخلوط بعید وکیف یقال ان مقتضاہ ان اموال الناس الغیر
المخلوطۃ لا تخلو عن قلیل حرام ای والمخلوطۃ تخلو عنہ کلا فان التفسیر
بھذا المعنی لا یقبلہ احد، وفیہ ایضًا قال الفقیہ ابو اللیث: اختلف الناس
فی اخذ الجائزۃ من السلطان قال بعضھم یجوز ما لم یعلم انہ یعطیہ
من حرام قال محمدؒ: وبہ نأخذ مالم یعرف شیئًا حرامًا بعینہ وھو قول
ابی حنیفۃؒ واصحابہ کذا فی الظھیریۃ وفیہ ایضًا ولا ینبغی للناس ان
یأکلوا من اطعمۃ الظلمۃ لتقبیح الامر علیھم وزجرھم عما یرتکبون وان کان
یحل کذا فی الغرائب اھ وفیہ ایضًا لو ان فقیرًا یأخذ جائزۃ السلطان

مع علمہ ان السلطان یأخذھا غصبًا ایحل لہ قال ان خلط ذلک بدراھم اخریٰ فانہ لابأس بہ وان دفع عین المغصوب من غیر خلط لم یجز قال الفقیہ و ھذا الجواب خرج علیٰ قیاس قول ابی حنیفۃ لان من اصلہ ان الدراھم المغصوبۃ من اناس متیٰ خلط البعض بالبعض فقد ملکھا الغاصب ووجب علیہ مثل ماغصب وقالا لایملک تلک الدراھم وھی علیٰ ملک صاحبھا فلایحل لہ الاخذ کذا فی الحاوی اھ (ص ۲۲۸ ج ۶)۔

وحاصل الکلام ان خلط دراھم الغیر بمالہ بحیث لایمکن التمییز بینھا سبب الملک عند الامام فیملک الغاصب ولایحل لہ الانتفاع بھا قبل الضمان بالامور الثلثۃ فی روایۃ ویحل قبلہ فی روایۃ والمعتمد فی حق الغاصب الافتاء بالروایۃ الاولیٰ ای لایجوز لہ الانتفاع بھا قبل الاداء واما فی حق الغیر فینبغی الافتاء لہ بالحل والجواز فی قبول الھدیۃ واکل الطعام والبیع والشراء معہ اذا کان غالب مالہ حلالًا ولم یعرف شیئًا بعینہ حرامًا لان اموال الناس لاتخلو عن قلیل حرام فالمعتبر الغالب وفی الافتاء بخلاف ذلک حرج عظیم علی الامۃ والحرج مدفوع والمتورع ماجور، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۸ ر ج ۲ سنہ ۴۵ ھ

احقر اشرف علی جو ان روایات کے مجموعہ سے سمجھا ہے جس سے سب روایات عملاً جمع ہو جاتی ہیں یہ ہے کہ حرام غیر مخلوط تو یقیناً حرام ہے، اور اس میں جہاں حل کا حکم کیا گیا ہے، مراد اس سے حرمتِ خاصہ کی نفی ہے، یعنی جو حرمت بِلکِ غیر ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، اور نفیِ خاص سے نفیِ عام لازم نہیں، اور مخلوط میں یہ تفصیل ہے کہ جہاں خلط یقینی نہ ہو، محض بناء برعادۃ عامہ مظنون ہو وہاں غالب کا اعتبار ہے، اور جہاں خلط یقینی ہو وہاں خالط کے لئے تو مطلقاً حرام ہے، گو حرام قلیل ہو، اور غیر خالط کے لئے اگر وہ غیر مضطر ہے یعنی بچ سکتا ہے بدون حرج، غلبۂ حلال کے وقت قضاءً حلال اور دیانۃً حرام ہے، اور مضطر کے لئے جو بچنے سے حرج میں داخل ہو جاوے غلبۂ حلال کے وقت گنجائش ہے دیانۃً بھی۔

۹ ر ج ۲ سنہ ۴۵ ھ

حکم ادائے زکوٰۃ بصورت سپردگی وکیل

سوال (٦) کیا زکوٰۃ دینے والا جب زکوٰۃ کا روپیہ کسی شخص کو تقسیم کرنے کے واسطے دیدے یا بذریعہ منی آرڈر وغیرہ کے بھیجدے، پھر بھی وہ اس بات کا ذمہ دار رہتا ہے کہ جس شخص کو روپیہ تقسیم کرنے کو دیا ہے وہ اس کو مستحق لوگوں کو دے گا، اور جائز مصرف میں صرف کرے گا؟

الجواب: قاعدہ یہ ہے کہ محض وکیل کو دیدینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، جب تک کہ وکیل اس کو مستحقین میں صرف نہ کردے، پس اگر وکیل ثقہ معتبر، دیندار ہے جس پر اطمینان ہے کہ وہ مستحقین ہی میں صرف کرے گا، غیر مستحقین کو نہ دے گا، اس وکیل کو رقم دیکر مؤکل اپنے کو فرض زکوٰۃ سے سبکدوش سمجھ سکتا ہے، ہاں اگر بعد میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ وکیل نے مستحقین کو نہیں دیا بلکہ غیر مستحقین کو دیا ہے، اور وکیل بھی دیتے وقت اُن کو غیر مستحق جانتا تھا، تو اس صورت میں مؤکل کو زکوٰۃ دوبارہ دینا پڑے گی، لیکن جب وکیل معتبر دیندار ثقہ ہے تو مؤکل کے ذمہ یہ تحقیق واجب نہیں، ہاں اگر بعد میں خود معلوم ہوجائے کہ وکیل نے بے موقعہ صرف کیا، تو اب آئندہ اس وکیل کو ثقہ نہ سمجھے اور گذشتہ زکوٰۃ جو اس نے بے موقع صرف کی ہے دوبارہ ادا کرے، واللہ اعلم۔ ٢ ؍ رجب ۴۵ھ

ادائے زکوٰۃ بلفظ قرض اور اس میں رجوع کی ایک صورت کا حکم

سوال (٧) زید نے عمرو سے کہا کہ ہمیں دس روپے قرض دو، ہم چند روز میں ادا کردیں گے، عمرو نے خیال کیا بیچارہ زید غریب ہی، اور مستحق زکوٰۃ ہے مگر غیرت مانع ہو رہی ہے، اس نے دس روپے زکوٰۃ کے دیدیئے، زکوٰۃ کی نیت سے اور بریٔ الذمہ ہوگیا، مگر سوال یہ ہے کہ زید بعد میں اگر دس روپے لاکر عمرو کو دے کہ لو بھائی آپ کے دس روپے، تو عمرو کو لینے جائز ہیں، یا نہیں؟ (جبکہ یہ بھی خطرہ ہو کہ اگر نہ لوں گا تو زید بگڑے گا، اور کہے گا کہ کیا تم نے ہمیں ایسا گمان کیا تھا اور کوئی سبیل بھی زید کے سمجھانے کی نہ ہو) اور اگر جائز ہے تو پھر اس دس روپے کو اور کسی غریب مستحق زکوٰۃ کو دینے ضروری ہوں گے یا کہ عمرو کو اپنے کام میں لانے جائز ہیں؟

الجواب: اگر زید نے عمرو کو روپے دیتے ہوئے یہ کہہ دیا تھا کہ یہ روپیہ قرض مت سمجھنا، بلکہ تمھاری ملک ہیں تم کو ویسے ہی ہبۃً بلا قرض دیتا ہوں (گو یہ نہ کہا ہو کہ زکوٰۃ دیتا ہوں) تب تو زید پر سے زکوٰۃ ساقط ہوگئی، اور اس صورت میں عمرو اگر اس کو دس روپے دے گا تو یہ ہبہ مستأنفہ ہوگا، اس کا لینا جائز ہے، مگر خلاف اولیٰ ہے،

اور لے لینے کے بعد صدقہ کردینا بہتر ہے احترازاً عن صورۃ العود فی الصدقۃ، اور اگر زید نے عمرو سے اس کے سوالِ قرض کے بعد یہ نہیں کہا کہ یہ روپیہ قرض نہیں بلکہ ہبہ ہیں تو زکوٰۃ بوجہ نیتِ زکوٰۃ کے اس صورت میں بھی ادا ہوگئی، لیکن اس رقم کو عمرو سے واپس لینا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ بالکل عود فی الصّدقہ ہے، عمرو اس رقم کو اپنے اوپر قرض سمجھکر واپس کررہا ہے، اور زید کی نیت قرض دینے کی نہ تھی، تو اب زید کو اس کی واپسی کا کچھ حق نہیں بخلاف صورتِ اُولیٰ کے کہ وہاں عمرو کو بوقتِ عطاء یہ معلوم ہوگیا تھا کہ یہ رقم قرض نہیں، پس صورتِ ثانیہ میں اگر زید نے اس رقم کو واپس لے لیا تو لازم ہے کہ اس کو پھر کسی حیلہ سے عمرو ہی کو واپس کردے، ورنہ اداءِ زکوٰۃ میں شبہ رہیگا، قال فی الشامیۃ تحت قول الدر: وشرط صحۃ ادائہا نیۃ مقارنۃ لہ ای للاداء مانصہ اشار الی انہ لااعتبار للتسمیۃ فلو سماہا ہبۃً اوقرضًا تجزیہ علی الاصح اھ (ص ۱۶ ج ۲)، قلت ای وراعی مع تسمیتہ قرضًا حقیقۃ معنی التصدّق بالنیّہ ولم یرجع علی الفقیر امالورجع علیہ بما ادّی فالحکم عدم جواز الرّجوع لاخذہ ملک الغیر وشبہۃ عدم سقوط الزکوٰۃ عنہ لورجع علی الفقیر، واللہ تعالیٰ اعلم۔

قال الشامی فی مسئلۃ تصادق الدائن والمدیون علی ان لادین علیہ یستردہ الدافع ولیس للمدیون ان یأخذہ زیلعی اھ ثم قال ناقلاً عن النھر: ان اطلاق مسئلۃ التصادق محمول علی ما اذا کان الوفاء بغیر امر المدیون اما لوکان بامرہ فینبغی ان یرجع علی المدیون الخ قال وھو ملخص من کلام الفتح لکن قولہ فینبغی ان یرجع علی المدیون لیس فی عبارۃ الفتح وھو سبق قلم لان ھذا اذا لم ینو بالدفع الزکوٰۃ کما قدّمناہ والکلام الاٰن فیما اذا نواھا وحینئذ لارجوع لہ ای للدافع علی احد لوقوعہ زکوٰۃ اھ (ص ۱۰۰ ج ۲)۔

زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس مال سے کوئی تجارت نہیں کی ویسا ہی پڑا رہا تو دوسرے سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

سوال (۸) زکوٰۃ جس مال کی دیدی گئی ہے اور اس مال سے کوئی تجارت وغیرہ نہیں کی وہ بدستور موجود ہے تو اب دوسرے سال یا آئندہ اس مال پر کیا پھر زکوٰۃ دی جاوے گی یا نہیں؟

الجواب: جب تک یہ رقم مقدارِ نصاب یا اس سے زائد رہے گی اس وقت تک

ہر سال اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، ہاں جب زکوٰۃ ادا کرتے کرتے مقدارِ نصاب سے کم رہ جائے پھر سال پورا ہونے سے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، مگر یہ کہ سال پورا ہونے سے پہلے کچھ اور رقم اس میں مل کر نصاب کامل ہو جاوے، تو پھر زکوٰۃ واجب ہوگی، وعلیٰ ہذا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ ۴۴ھ

بذریعہ نوٹ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم

سوال (۹) بدون سیم وزر خالص کے نوٹ اور گلٹ کی اکنّی دونّی چونّی اور تانبہ کے پیسہ سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ نوٹ مال نہیں ہے بلکہ سندِ مال کی اور محض حوالہ ہے، یعنی سرکار کے جو ذمہ جو قرضہ ہے اس کے وصول کرنیکا، اور زکوٰۃ مال کی تملیک سے ادا ہوتی ہے، بدونِ تملیکِ مال ادا نہیں ہوتی، اور فقط وصولِ قرض کا وکیل بنانے سے وکیل مالک نہیں ہو جاتا، بلکہ جب وصول کرلے اور قبضہ کرلے اس وقت مالک ہوتا ہے، اس لئے نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، لیکن جسکو زکوٰۃ میں نوٹ دیئے گئے ہیں اگر وہ اُن کے بدلے میں کسی سے روپیہ وغیرہ لے تو ادا ہو جاوے گی، اور اگر اس نے یعنی جس کو زکوٰۃ میں نوٹ دیئے گئے تھے کسی کو قرض یا ادائیگیِ قرض میں نوٹ ہی دیدیئے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، فی تنویر الابصار متن الدر المختار ہی تملیک جزء مال عینہ الشارع الخ اور بعد توکیل بالقبض قبضِ دین سے ادائے زکوٰۃ کی روایت صفحہ آئندہ میں درج ہے، باقی اکنّی دونّی وغیرہ سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، کیونکہ زکوٰۃ خلافِ جنس سے ادا کرنا جائز ہے جس چیز پر زکوٰۃ واجب ہے اس کی قیمت کا چالیسواں حصہ ان سکوں سے دیدیا جاوے، کما فی الشامی ص۴۷ ج۲، تحت قول الدر (والمعتبر وزنہما اداء ووجوبا) واجمعوا علی انہ لو ادی من خلاف جنسہ اعتبرت القیمۃ، واللہ اعلم، احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۶ شوال ۴۳ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۱۶ شوال ۴۳ھ

کیا منی آرڈر کے ذریعہ زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟

سوال (۱۰) ڈاکخانہ کے ذریعہ زکوٰۃ کا روپیہ کسی مستحق کے پاس بھیجنے کی صورت میں جو روپیہ ڈاک خانہ میں داخل کیا جاتا ہے، وہ روپیہ مستحق کو نہیں ملتا بلکہ اس کے عوض میں دوسرا روپیہ ملتا ہے تو اس طرح پر زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: فی الدر المختار (تملیک الدین ممن لیس علیہ الدین

بالملل (الا) فی ثلاث حوالۃ ووصیۃ و (اذا سلط) ای سلط المملک غیر المدیون (علی قبضہ) ای الدین (فیصح حینئذ ومنہ ما لو وھبت من ابنھا ما علی ابیہ فالمعتمد الصحۃ للتسلیط، وقال الشامی تحت (قولہ علی قبضہ) و حینئذ یصیر وکیلا فی القبض عن الآمر ثم اصیلا فی القبض لنفسہ ومقتضاہ صحۃ عزلہ عن التسلیط قبل القبض واذا قبض بدل الدراھم دنانیر صح لانہ صار الحق للموھوب لہ فملک للاستبدال واذا نوی فی ذلک التصدق بالزکوٰۃ اجزأہ کما فی الاشباہ (شامی ج ۲ ص ۷۹۵)۔

اس میں تصریح ہے کہ اگر کسی شخص کو اپنا قرض وصول کرنے کے لئے کہہ دیا جاوے تو وہ شخص وکیل بالقبض ہو جاتا ہے، اور جب وہ وصول کرے گا تو مؤکل کی طرف سے وکیل اور اپنی طرف سے اصیل ہو کر وصول کرے گا، اور اگر وہ درہم کی جگہ دینار وصول کرلے تب بھی صحیح ہے، پس جب ڈاک خانہ داخل شدہ روپے کو بعینہ نہیں پہونچاتا تو وہ اس کے ذمہ قرض ہو جاتا ہے، اور مرسل الیہ وکیل عن الآمر اور اصیل عن نفسہ ہونیکی حیثیت سے اس کو وصول کرتا ہے، تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے، اور زکوٰۃ کی نیت روانگی منی آرڈر کے وقت کر چکا تھا، اس لئے زکوٰۃ ادا ہو گئی، دوبارہ یعنی وقت قبض نیت ادائیگی زکوٰۃ کی ضرورت نہیں ہے، (کما ہو مصرح فی قولہ واذا نوی من ذلک التصدق بالزکوٰۃ اجزأہ) واللہ اعلم، البتہ اگر ڈاک خانہ سے مرسل الیہ کو نوٹ وصول ہوئے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، بلکہ ان کے بدلہ میں روپیہ وغیرہ جب کسی سے لے گا تب ادا ہو گی، کما مر فی الجواب عن السوال الاول، احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۶ شوال ۴۳ھ، الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۱۶ شوال ۴۳ھ

ایک شخص پر کئی سالوں کی زکوٰۃ واجب تھی بعد میں مال ضائع ہو کر وہ مقروض ہو گیا، تو سنینِ گذشتہ کی زکوٰۃ اس پر واجب رہیگی یا نہیں۔

سوال (۱۱) ایک شخص کے ذمہ پر کئی سال کی زکوٰۃ ادا کرنی واجب تھی، اس شخص نے اپنے مال کو جس کی زکوٰۃ واجب تھی تجارت میں لگایا، تجارت میں نقصان ہوا یعنی خسارہ آیا، اور تجارت کے باعث وہ مقروض ہو گیا، تو اس صورت میں اس شخص کے ذمہ سے زکوٰۃ معاف ہو گئی یا واجب رہی؟ بہشتی زیور کے تیسرے حصہ میں زکوٰۃ کے بیان میں اس طرح لکھا ہے، کسی کے مال پر پورا سال گذر گیا، لیکن ابھی زکوٰۃ نہیں نکالی تھی کہ سارا مال چوری ہو گیا، یا اور کسی طرح جاتا رہا، تو زکوٰۃ بھی معاف ہو گئی،

زکوٰۃ کے بیان کے ختم کے دو مسئلوں سے پیشتر یہ مسئلہ ہے۔

الجواب: فی الدر المختار والتوی بعد القرض والاعارۃ واستبدال مال التجارۃ بمال التجارۃ ھلاک ویعتبر مال التجارۃ والسائمۃ بالسائمۃ استھلاک وفی الشامی تحت قولہ (ویعتبر مال التجارۃ الخ) تتمۃ وحکم النقود مثل مال التجارۃ ففی الفتح رجل لہ الف حال حولھا فاشتری بھا عیناً للتجارۃ فمات اوعروضاً للتجارۃ فھلک بطلت عنہ زکوٰۃ الالف ولو کان العبد للخدمۃ لم تسقط بموتہ وتمامہ فیہ (ص ۳۳ ج ۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں (یعنی جبکہ ایسے مال کو تجارت میں لگایا جس میں زکوٰۃ واجب تھی، اور اس تجارت میں خسارہ ہوا تو) زکوٰۃ ساقط ہوگئی، البتہ اگر تجارت میں بیع وشراء غبنِ فاحش کے ساتھ کی ہو تو غبن کی مقدار ساقط نہ ہوگی، کمافی الشامی (صفحہ مذکورہ) عن البدائع وان حابی بمالا یتغابن فیہ ضمن قدر زکوٰۃ المحاباۃ الخ

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، ۲۶ رجب ۴۴ھ، الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۲۹ رجب ۴۴ھ

ایک شخص اللہ واسطے محتاج کو ماہانہ رقم دیتا ہو شعبان اور رمضان کے مہینہ میں، اگر زکوٰۃ کی نیت سے رقم دیدے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں

سوال (۱۲) ایک محتاج شخص کو عمرو پانچ روپیہ ماہوار بلا کسی محنت واحسان کے لِلّٰہ دیا کرتا ہے، عمرو پر دس روپیہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، ماہِ شعبان ورمضان شریف میں پانچ روپے دیتے وقت ادائگیِ زکوٰۃ کی نیت کرلیتا ہے، کیا اس صورت سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

الجواب: ہاں زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، زکوٰۃ دینے کے لئے یہ زبان سے کہنا ضروری نہیں، کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے، واللہ اعلم، ۱۱ر شعبان ۴۵ھ۔

نوٹ سے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم

سوال (۱۳) ۱۔ زکوٰۃ یا عشر ادا کرنے کے لئے نوٹ اگر فقیر کو دیا جائے تو زکوٰۃ یا عشر ادا ہوجائے گا یا نہیں؟

۲۔ اگر نوٹ زکوٰۃ میں دینا جائز نہیں تو جولاعلمی کی وجہ سے زکوٰۃ میں نوٹ دیئے جاچکے ہیں جن کی تعداد بھی معلوم اور یاد نہیں اس کا کیا حکم ہے؟ وہ زکوٰۃ یا عشر ادا ہوا یا نہیں؟

الجواب: اصل یہ ہو کہ نوٹ خود مال نہیں ہے، بلکہ سند مال ہے، اس لئے اس کے دینے سے زکوٰۃ اس وقت تک ادا نہ ہوگی جب تک فقیر اس کو بھنا کر اس کی رقم پر

قبضہ نہ کرے یا اس سے کوئی شے خرید کر اس شے پر قبضہ نہ کرلے، اگر اس نوٹ کو بُھنا کر روپیہ پر قبضہ نہ کیا اور نہ اس سے کوئی شے خرید کر قبضہ میں کی بلکہ بعینہ وہی نوٹ کسی کو اپنے قرضہ میں دیدیا یا نوٹ اس کے پاس سے گم ہوگیا، یا وہ اس نے کسی کو ہبہ کردیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیونکہ فقیر کے قبضہ میں مال نہیں پہنچا۔

۲ ۔ گذشتہ کے متعلق دو صورتیں ہیں، ایک تو تحقیق: کہ جسقدر بدون تعب شدید کے تحقیق ہوسکے، دریافت کرکے معلوم کیا جائے کہ جن لوگوں کو زکوٰۃ میں نوٹ دیا گیا تھا انھوں نے اس کو کس طرح صرف کیا، دوسرے تحری کہ جس مقدار کے متعلق تحقیق دشوار ہو اس کے متعلق یہ سوچا جائے کہ عادۃً لتنے آدمیوں میں جن کو ہم نے نوٹ دیئے ہیں ایسے آدمی کتنے ہوں گے جنھوں نے نوٹ کو ہم سے لیتے ہی اپنے قرضہ میں دیدیا ہوگا، یا صدقہ کردیا ہوگا، یا کسی کو ہبہ کردیا ہوگا، اس کو سوچا جائے، اندازہ سے اگر کوئی مقدار ذہن میں آئے تو جو مقدار راجح اور غالب ہو اس کے موافق زکوٰۃ کا اعادہ کردیا جائے، اور اس انداز میں اپنے دو چار احباب سے امداد لینے کا مضائقہ نہیں، واللہ اعلم۔ ۱۲ر رمضان شریف ۴۵ھ

حکم زکوٰۃ بر منافع کارخانہ

سوال (۱۴) میرے یہاں جو کارخانہ ہے اس میں ہڈی کی پسائی ہوتی ہے، اور چکی سے آٹا پیسا جاتا ہے، ہڈی کی فروختگی پر اور چکی کی پسائی پر زکوٰۃ پوری قیمت ہڈی اور پوری قیمت چکی کی پسائی پر ہوگی یا قیمتِ خرید ہڈی اور خرچہ تیل اور تنخواہِ ملازماں غرضکہ کُل اخراجات مجریٰ ہوکر منافع پر ہوگی؟ جواب سے مطلع فرمایا جائے۔ خاکسار حسین علی خان

الجواب: ہڈی کی فروختگی پر زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ختم سال سے پہلے واجب نہیں ہوتی، حولانِ حول (سال تمام) ہونے پر واجب ہوتی ہے، پس سال تمام ہونے کے بعد دیکھا جائے کہ اسوقت کتنا مال موجود ہے، اور کتنی رقم موجود اور کتنے لوگوں کے ذمہ چڑھی ہوئی ہے، پس ختم سال پر جتنی ہڈی موجود ہو اور جتنی رقم باقی ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، اور اس کا چالیسواں حصہ نکال دیا جاوے، اور درمیان سال میں جتنی رقم تنخواہِ ملازماں اور صرفہ تیل وغیرہ میں خرچ ہوچکی یا جو اپنی ذاتی ضروریات میں صرف ہوگئی یا قرضہ میں دی گئی اُس پر زکوٰۃ نہیں، زکوٰۃ صرف اُس سرمایہ پر ہے جو اُس دن موجود ہو جس دن سال ختم ہوا، اور اس کے ساتھ وہ رقم بھی ملائی جائے گی جو کارخانہ کے منافع سے جمع ہو یا خریداروں کے ذمہ قرض ہو، اور پسائی آٹا میں چونکہ آناج وغلہ

دوسروں کا ہوتا ہے، اپنا سرمایہ نہیں ہوتا، اس میں زکوٰۃ کی صورت یہ ہے کہ ختم سال پر پسائی آٹا کی جو رقم موجود ہو یا پسوانے والوں کے ذمہ ہو اُس کا چالیسواں حصہ نکال دیا جائے اور جو رقم خرچ ہو گئی اس پر زکوٰۃ نہیں۔

یہ جواب حضرت مولانا کا فرمودہ ہے، والسّلام۔ ۱۷ رجب سنہ ۴۶ھ

امانتِ زکوٰۃ بطور قرض دینے کا حکم

سوال (۱۵) زید کے پاس بکر کے زکوٰۃ کے روپے ہیں، اور اس کو زکوٰۃ کی ادائیگی کا وکیل بنایا ہے، چنانچہ حسبِ موقع ومحل اُس زکوٰۃ کی امانت کو فقراء ومساکین پر تقسیم کرتا ہے، اور کبھی کوئی حاجت مند اگر قرض مانگتا ہے تو قرض کی نیت سے اس کو دیدیتا ہے، اور واپسی پر پھر اس روپیہ کو زکوٰۃ کے مد میں رکھ دیتا ہے، اور اس قرض کے ثواب کو بھی بکر کو بخش دیتا ہے، چونکہ زید کو معلوم ہے کہ بکر میرے اس تصرف کو بخوشی اجازت دیدے گا، اس لئے ایسا کرتا ہے، تو ایسی صورت میں یہ تصرفِ اقراض زکوٰۃ کے روپے میں جائز ہے یا نہیں، یا صریحی اجازت کی ضرورت ہوگی؟ ایسے تصرّف کے بعد تدارک کی کیا صورت ہوگی، آیا بکر کو اطلاع دینا کافی ہوگا؟

الجواب: زکوٰۃ کی رقم کو بمدِ قرض استعمال کرنا چونکہ غرض معطی کے خلاف ہے اس لئے اس کا ایک ثمرہ تو یہ ہوگا کہ درصورتِ ضیاعِ رقم کے وکیل قرض دینے کی صورت میں اس رقم کا ضامن ہوگا، اور اگر وہ قرض نہ دیتا بلکہ اس رقم کو بجنسہٖ محفوظ رکھتا ضامن نہ ہوتا، دوسرے اس میں احتیاط کے بھی خلاف ہے، کہ بدون صریح اجازت مؤکّل کے اس کے خلاف تصرّف کیا جائے، پس لازم ہے کہ وکیل ماضی ومستقبل دونوں کے متعلق مؤکّل کو اطلاع کرے، اور اجازت حاصل کرے، اور جب بکر کو معلوم ہے کہ زید اُس کے اس تصرّف کو بخوشی قبول کرے گا تو اطلاع کرنے میں کیا حرج ہے، واللہ اعلم، ۱۲ شعبان سنہ ۴۶ھ

ختمِ سال پر جتنی رقم ہو سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی

سوال (۱۶) بندہ صاحبِ نصاب تمام سال رہا، اور بندہ زکوٰۃ کا حساب ہر سال ۲۸ شعبان کو کرتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ بندہ نے اپنی زمین اجارہ پر ۸ ذیقعدہ میں بعوض مبلغ ۵۰۰ پانچسو روپے دی اور یہ وعدہ جانبین سے ہوا کہ فصل کٹنے کے بعد یعنی آئندہ ذیقعدہ میں مبلغ ۵۰۰ روپے دوں گا، کیونکہ ہمارے یہاں اسی طرح اجارہ پر دیتے ہیں، اس مدت سے قبل نہ میں مانگ سکتا ہوں نہ وہ دیتا ہے اب جبکہ بندہ ۲۸ شعبان کو زکوٰۃ کا حساب کرے گا، تو جس قدر روپیہ زیور ہونگے اس کے

ساتھ اجارہ کی اجرت کے روپے پانچ سو کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں ؟

الجواب : ختم سال پر زکوٰۃ اسی رقم کی واجب ہوتی ہے جو ختمِ سال پر اُس شخص کے پاس ہو، اور دین قوی پر زکوٰۃ واجب ہے، مگر بعد وصول کم از کم چالیس درہم کے ادا واجب ہوتی ہے، اور دین مؤجل جس کی اجل ختمِ سال سے متجاوز ہو اس کے مطالبہ کا قبل از اجل حق نہیں، نہ اُس پر قبضہ ہے، اس لئے وہ اس رقم کے ساتھ شمار کرنا واجب نہیں، جس کی زکوٰۃ ختمِ سال پر واجب الاداء ہے، لیکن اس رقم کی زکوٰۃ بھی قبل الوصول دیدی جاوے تو ادا ہو جائے گی، اور اسی میں سہولت ہے، ورنہ بعد وصول کے ادا کرنا واجب ہے۔

۲۰ رمضان المبارک سنہ ۲۶ھ

دَین محیط مانعِ وجوب زکوٰۃ ہے

سوال (۱۷) میری جائداد تقریباً ڈیڑھ ہزار کی ہے، اس پر بارہ سو روپے قرضہ ہے، اور جائداد میں اپنی دخلی رہن کر چکا ہوں، اس کا منافع مجھے کچھ نہیں ملتا، اور سود بھی دینا نہیں پڑتا، میرے پاس تقریباً چار سو ساڑھے چار سو روپیہ کا زیور طلائی ونقرئی ہے، ایسی صورت میں مجھ پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب : صورتِ مسئولہ میں قرض کی وجہ سے زیور پر زکوٰۃ واجب نہیں، قال فی الدر مع الشامیۃ یصرف الدین اولا الی مال الزکوٰۃ لا الی غیرہ ولو من جنس الدین خلافاً لزفرؒ اھ واللہ اعلم، ۲۵ شوال سنہ ۲۶ھ

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال (۱۸) زید محکمۂ تعلیم میں ملازم ہے، اس کے ایک نابالغ لڑکی ہے، جس کی ماں مر چکی ہے، زید نے مرتے وقت لڑکی کی ماں سے مہر معاف نہ کرایا تھا، بعد میں حساب کر کے جملہ حقداروں کو مہر دیا گیا، چونکہ لڑکی کے حصہ کا مہر زیادہ تھا اور زید کی طاقت سے باہر تھا، کہ ایک دم سے ادا کر سکے، لہٰذا اس نے ایک ماہوار رقم کے ذریعہ سے ادا کرنے کا ارادہ کیا! پھر یہ خیال کر کے کہ روپے کی کافی حفاظت نہ ہو سکے گی اس نے اپنی تنخواہ سے پراویڈنٹ فنڈ کٹوانا شروع کر دیا، یعنی وہ ماہوار رقم جو سرکار ہر ماہ میں تنخواہ سے کاٹ لیتی ہے، اور اس پر سود دیتی ہے، اور سرکار میں لکھ دیا کہ اگر زید کی موت واقع ہو جائے تو یہ کل رقم جو جمع ہو زید کی لڑکی کو دی جائے، اور اگر لڑکی اُس وقت بھی نابالغ ہو تو ولی کے ذریعہ سے دی جاوے، چنانچہ اب وہ رقم ماہ بماہ جمع ہوتے ہوتے ایک خاصی تعداد میں ہو چکی ہے، مگر ابھی بہت دنوں تک اسی طرح

جمع ہونا چاہئے، تین سال سے یہ رقم جمع ہو رہی ہے، اور سود اور اصل دونوں مل کر اس میں ماہ بماہ اضافہ ہو رہا ہے، اب تک کچھ خیال نہ کیا گیا، مگر اب یکایک خیال آیا کہ زکوٰۃ نہیں دی گئی، لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ زکوٰۃ اس مال پر واجب ہے یا نہیں، اور یہ کہ اصل ہی پر زکوٰۃ ہوگی یا سود اور اصل دونوں پر، اگر زکوٰۃ واجب ہو تو اس کا طریقہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ آئندہ جو رقم ماہوار جمع ہوئی ہے اس میں سے زکوٰۃ بھرے کا روپیہ نکال کر زکوٰۃ ادا کر دی جائے اور بقیہ جمع کر دیا جائے، کیونکہ جو روپیہ جمع ہو چکا ہے اس میں سے واپس ملنا فی الحال بہت مشکل ہے، یا اگر کوئی اور طریقہ ادائیگی کا ہو تو اس سے مطلع کیا جائے، زید یہ بھی سمجھتا ہے کہ جو کچھ اصل روپیہ جمع ہو رہا ہے اتنا ہی مہر کے قرضہ سے وضع ہو رہا ہے، باقی جو سود ملتا ہے وہ نابالغہ کے مال پر ہے، اور مہر کے قرضہ میں وضع نہیں ہو سکتا، کیا زید کا یہ خیال صحیح ہے، جواب باصواب سے مطلع فرمایا جاوے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں یہ رقم ابھی زید کی ملک میں نہیں آئی، اس لئے بھی ادائِ زکوٰۃ واجب نہیں، ہاں یہ رقم چونکہ گورنمنٹ کے ذمہ دَین ہے، اور یہ دَین ضعیف ہے اس لئے ادائِ زکوٰۃ بعد قبضِ مال و حَولانِ حَول کے واجب ہوگا، ہاں اگر مال پر زید نے اپنی زندگی ہی میں قبضہ کر لیا اور وقت قبضہ کے اس کے پاس پہلے سے نصاب موجود ہو تو اس کے ساتھ ملا کر سب کی زکوٰۃ دیدے، یعنی جس وقت نصاب سابق کا سال پورا ہوا اسی وقت اس رقم کی بھی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، اور اگر زندگی میں قبضہ نہ ہوا تو زید کے ذمہ اس کے متعلق وصیت کرنا لازم نہیں اور نہ وارث کے ذمہ گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ہے،

قال الشامی مقتضی ما مرّ من ان الدین القوی والمتوسط لا یجب اداء زکوٰته الا بعد القبض ان المورث لو مات بعد سنین قبل قبضه لا یلزمه الایصاء باخراج الزکوٰة عند قبضه لانه لم یجب علیه الاداء فی حیاته رای فکان کما اذا مات قبل الحول ۱۲) ولا علی المورث ایضا لانه لا یملکه الا بعد موت مورثه فابتداء حوله من وقت الموت وفیه ایضا عن المحیط ان اجرة دار التجارة او عبد التجارة علی الروایة الاولی من الدین الضعیف (لان المنفعة لیست بمال حقیقة فصار کالمهر) وعلی ظاهر الروایة من المتوسط (لان المنافع مال حقیقة لکنها لیست بمحل لوجوب الزکوٰة لانها لا تصلح

نصاباً اذلا تبقی سنة) ووقع فی البحر عن الفتح انه کالقوی فی صحیح الروایة ثم رأیت فی الولوالجیة التصریح بان فیه ثلاث روایات اھ (ص ۷، ۵۰۸، ۲۲)۔
قلت: وهذا انما هو فی اجرة دار التجارة وعبد التجارة واما اجرة الحر فینبغی ان تکون کالمهر بلا خلاف لان منافع الحر لیست بمال حقیقة وعلیٰ هذا فهی من الضعیف لا تجب فیه الاداء الا بعد القبض وحولان الحول ....

واللہ اعلم۔

تتمہ: اور اس رقم میں جو بطور فنڈ کے وضع کرائی گئی ہے بعد وصول کے صرف اصل تنخواہ پر زکوٰۃ واجب ہی، اور سود کی رقم کو بتمامہ صدقہ کردیا جاوے، اور یہ تصدق زید پر واجب ہے، لڑکی پر واجب نہیں، جبکہ اس کے قرض میں اصل اور سود کو ملا کر دیا جاوے، فقط۔ ۴ ذیقعدہ ۴۶ھ

نابالغ کے نکاح میں والدین نے زوجہ کو زیور چڑھایا، بلوغ کے دس بارہ سال بعد والدین نے کہا کہ زیور ہم تمھیں ہبہ کرچکے ہیں تو اس پر زکوٰۃ کب سے واجب ہوگی، زمانۂ بلوغ سے یا علم بالہبہ سے

سوال (۱۹) زید نابالغ کا نکاح ہوا، اس کے والدین نے بیوی کو زیور چڑھایا، بعدہٗ زید بالغ ہوا اور بلوغت سے دس بارہ سال کے بعد والدین سے یہ کہا کہ میں علیحدہ ہوتا ہوں، اور یہ زیور جو تم نے میری زوجہ کو دیا تھا واپس لیلو، والدین نے کہا کہ یہ زیور تو ہم تمہیں ہبہ کرچکے ہیں، چڑھانے کے ہی وقت سے، مگر زید کو اس ہبہ کا علم نہ تھا، صورت ہذا میں زید پر زکوٰۃ اس وقت سے ہے کہ جب سے اُسے ہبہ کا علم ہوا ہے، یا اُس وقت سے جبکہ والدین نے زیور چڑھایا ہے، اور بے علمی کے زمانے کی قربانی کی قضا ہی یا نہیں، زید کے والدین اپنے مال سے کبھی کبھی زید کی طرف سے قربانی کرتے تھے، اگر زید پر قربانی واجب ہوئی ہو تو یہ قربانی جو والدین زید کی طرف سے کرتے تھے زید کی قضا، قربانی میں مجزی ہوسکتی ہے یا نہیں، اگر قربانی واجب ہوئی تو ہر سال کتنے دام نکالنے چاہئیں؟

الجواب: زید پر اس زیور کی زکوٰۃ وقت بلوغ سے ہے، زمانۂ قبل بلوغ کی زکوٰۃ واجب نہیں، اور وہ بھی اس شرط پر واجب ہے کہ زید والدین کے قول کو سچا سمجھتا ہو اور اگر گمان غالب یہ ہو کہ اس وقت انھوں نے مجھے شرما کر یا اور کسی وجہ سے یہ بات کہدی ہے تو زید پر اس زیور کی زکوٰۃ اُس وقت سے واجب ہے جس وقت سے اس کو ہبہ کا علم ہوا،

خدا سے معاملہ ہے، اس لئے زید بلا وجہ والدین پر بدگمانی نہ کرے، ہاں اگر واقعی کسی وجہ سے گمان غالب ان کے قول کے خلاف ہو جاوے تو گمان غالب پر عمل کرنا جائز ہے، اور یہی حکم تفصیل کے ساتھ قربانی کا ہے، اور قربانی کی قضا متوسط بکری کی قیمت صدقہ کرنے سے ہوتی ہے، ہمارے یہاں تو پانچ چھ روپے متوسط بکری کی قیمت ہے، زید اپنے یہاں کا نرخ بھی دیکھ لے، اگر اس کے یہاں اس سے کم یا زائد ہو تو اسی جگہ کا نرخ معتبر ہے، پس ہر سال کی طرف سے ایک متوسط بکری کی قیمت مساکین و غرباء کو صدقہ کر دی جائے، اور صدقہ میں اپنے خاندان کے غرباء کو مقدم کرنا چاہئے، نانا، نانی، دادا دادی، باپ، ماں، اولاد، میاں بیوی کے سوا اور سب قرابت داروں کو زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز ہے، واللہ اعلم، ۶ ررمضان ۴۷ھ

موٹر اگر تجارت کے لئے نہ ہو اس پر زکوٰۃ نہیں، البتہ اس سے حاصل شدہ کرایہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی

سوال (۲۰) زید کے پاس تعدادی چار ہزار روپیہ نقد ہے، جس میں سے اس نے دو ہزار دے کر مبلغ چار ہزار روپے کا موٹر کرایہ پر چلانے کے واسطے خرید کیا، اور کمپنی کا دو ہزار روپیہ اس پر قرض رہا، خریدنے کے بعد پانچ مہینہ موٹر چلا اور بذریعہ کرایہ مبلغ پانچ سو روپیہ وصول ہوا، اب زید کا زکوٰۃ نکالنے کا سال پورا ہو گیا، اور حال یہ ہے کہ زید دو ہزار روپے موٹر کی قیمت میں دے چکا ہے اور دو ہزار نقد پاس موجود ہیں، مگر دو ہی ہزار کا کمپنی کا قرضدار ہے، اور مبلغ پانچسو روپے منافع موٹر کا موجود ہے، تو اب کمپنی کے قرض کو جدا کر کے صرف پانچسو روپیہ جو منافع موٹر کے ہیں اُن کی زکوٰۃ ادا کرے، یا دو ہزار جو گھر میں ہیں اُن کو بھی ملا کر زکوٰۃ دے، یا اُس منافع اور اُن دو ہزار کو جو گھر میں ہیں اور ان دو ہزار کو جو قیمت موٹر میں دے چکا کُل ساڑھے چار ہزار کی زکوٰۃ نکالے، ہر سہ صورت میں کون صورت اختیار کرے، اور یہ موٹر مالِ تجارت مانا جائے گا یا آلۂ تجارت؟ بیّنوا توجروا، فقط۔

الجواب: زید کے ذمہ صرف پانچسو روپے کی زکوٰۃ واجب ہے، جو منافع میں وصول ہوئے، موٹر پر، اور دو ہزار جمع پر زکوٰۃ واجب نہیں، یہ موٹر مالِ تجارت نہیں بلکہ مثل مکان کرایہ کے ہے، ولا زکوٰۃ فیہ الا فی المنافع، اور دو ہزار جمع فاضل عن الدین نہیں، فلا زکوٰۃ فیہ ایضاً، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۳ ررمضان ۴۷ھ

بیوی صاحبِ نصاب ہو تو زکوٰۃ و قربانی اسی پر واجب ہوگی، شوہر پر واجب نہیں اور یہ کہ بیوی کو شوہر کی خدمت کا معاوضہ لینا جائز نہیں

سوال (۲۱) کسی عورت کو مہر کے عوض سَو تولے

چاندی یا سونے کے زیورات ملے، اس کے سوا اور کچھ مال اس کے پاس نہیں، اب اس پر زکوٰۃ و قربانی واجب ہے تو کیونکر ادا کرے، کیا زیورات بیچ کردے گی یا اس کے شوہر کو اپنی بیوی کی طرف سے ادا کرنا لازم ہوگا، کیونکہ عورت مرد کے لئے ایک نوکرنی کا کام بھی انجام دیتی ہے، لیکن اجرت کے لئے کوئی عقد نہیں، یوں ہی شوہر کی رضاجوئی کے لئے اپنی غیر متعلق کام تک کو بھی انجام دیتی ہے، اس صورت میں اگر شوہر اپنی بیوی کی طرف سے زکوٰۃ یا قربانی نہ دے تو مواخذہ عورت پر ہوگا یا مرد پر؟

الجواب: زکوٰۃ و قربانی عورت پر واجب ہے، اس کی طرف سے مرد پر ادا کرنا واجب نہیں، اور عورت کو شوہر سے اپنی خدمت کا معاوضہ لینا بھی جائز نہیں، کیونکہ خدمت زوج طاعت ہے اور طاعت کی اجرت لینا حرام ہے، الاما استثناہ الفقہاء للضرورۃ البتہ عورت اپنے مہر کا زوج سے مطالبہ کرسکتی ہے، اگر مرد مہر بھی نہ دے تو عورت زیور بیچکر زکوٰۃ و قربانی ادا کرے، فقط۔ ۲۹ ربیع الآخر ۴۸ھ

زکوٰۃ یکمشت کے بجائے سال بھر میں تھوڑی تھوڑی ادا کرنا

سوال (۲۲) زید صاحبِ نصاب ہے، اور بجائے سال تمام پر حساب کرکے کُل رقم زکوٰۃ یکمشت ادا کرنے کے دورانِ سال میں اپنی سہولت کے لئے وقتاً فوقتاً تھوڑی تھوڑی رقم علی الحساب شروع سال سے ادا کرتا رہتا ہے، ختم سال پر حساب سے اگر کمی رہتی ہے تو اس کو پورا کردیتا ہے، اور اگر زیادتی ہوجاتی ہے تو اس کو آئندہ سال کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں درج کرلیتا ہے، اور ختم سال پر حساب کے وقت اس پچھلی زیادتی کو اس سال کی ادائیگی میں شمار کرلیتا ہے، اسی طرح آئندہ بھی، دریافت طلب یہ ہے کہ یہ عمل شرعاً جائز ہے یا نہیں اور زکوٰۃ ادا ہوتی یا نہیں؟

الجواب: یہ صورت بھی جائز ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ سال تمام پر اس سال کی کُل زائد زکوٰۃ ادا کردی جائے، کیونکہ موت و حیات کا اعتبار نہیں، اگر مرضِ موت میں مبتلا ہوگیا تو وہ رقم جو زکوٰۃ کے لئے الگ رکھی ہے ورثہ کی ملک ہوجائے گی، پھر وہ کیا خبر دیں یا نہ دیں۔

۲۰ جمادی الاوّل ۴۸ھ

بذریعہ منی آرڈر زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے یا نہیں

سوال (۲۳) زکوٰۃ بذریعہ منی آرڈر ارسال کرنے میں بڑی دشواری ہوتی ہے، کہ ڈاک خانہ اس کا پابند نہیں ہے کہ وہاں روپیہ ہی ادا کرے بلکہ اکثر نوٹ ہی ادا کئے جاتے ہیں، اور نوٹ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اگر قواعد فقہیہ سے

قطع نظر کر کے منشاء شارع پر نظر کی جائے تو نوٹ سے زکوٰۃ علیٰ وجہ الکمال ادا ہونا چاہئے، ایک تو اس لئے کہ نوٹ میں بھی اغناءِ مساکین حاصل ہے، بلکہ بعض اعتبارات سے یہ روپیہ سے بھی انفع ہے، روپیہ میں تو کھرا کھوٹا بھی ہے، اور پھر کھرے میں آواز بے آواز اور آواز دار میں گِھسا اور بے گِھسا بھی دیکھا جاتا ہے، اور نوٹ پھٹا چٹا میلا کچیلا ہر طرح کا آسانی سے چل جاتا ہے، پھر جس شخص نے نوٹ ہی پائے ہوں یا حولانِ حول کے وقت اُس کے پاس نوٹ ہی ہوں تو وہ اور بھی زیادہ اس کا مستحق ہے کہ نوٹوں میں سے نوٹ ہی زکوٰۃ میں دیدے،

الجواب من حضرت حکیم الامت مد فیضہم: نص کے ہوتے ہوئے ہم لوگوں کا قیاس کافی نہیں، اور پھر قیاس بھی حقیقی قیاس نہیں، جس میں علتِ جامعہ سے حکم متعدی ہوتا ہے، یہاں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حکمت ہے، اور حکمت سے حکم کا تعدیہ نہیں ہوتا، وجہ یہ کہ حکمت حکم پر مرتب ہوتی ہے، اور علت پر حکم مرتب ہوتا ہے، سو اوّل حکم کا تحقق ہونا چاہئے، اس میں حکمتیں نکالی جا سکتی ہیں، اور حکم ہے زکوٰۃ کا، اور زکوٰۃ کا محل مال ہے اور نوٹ مال نہیں سندِ مال ہے، اور منی آرڈر سے ادا ہونے کی صرف یہ صورت ہے کہ کسی اور شخص کے پاس بھیجدے کہ وہ اُس کے روپے بھُنا کر مسکین کو دیدے، فقط۔

اس کے بعد اُن کا دوسرا خط آیا جس کا جواب جامع امداد الاحکام نے تحریر فرمایا جو مع جواب کے ذیل میں مذکور ہے:۔

خط

دراصل ابتلائے عام کی وجہ سے حیلہ کی ضرورت ہے، بذریعہ منی آرڈر دوسرے کے نام سے بھیجنے میں اوّل تو مسکین کی دل شکنی اور اس دوسرے شخص کی بددیانتی کا احتمال ہے، سوائے اس کے کہ روپے کا پارسل کیا جائے، دوسرے اگر زکوٰۃ اس طرح ادا ہو سکتی ہے کہ زید نے ایک رقعہ عمر کو لکھدیا کہ حامل ہٰذا کو اتنا روپیہ ہمارے حساب میں دیدیا جاوے، اور اسے یہ ہدایت کی کہ تم ہمارے جس ایجنٹ یا وکیل یا نمائندہ کو چاہو یہ رقعہ دکھلا کے اتنے روپے لے لینا اور زید نے اپنی جگہ پر یہ نیت کر لی کہ جو کچھ دلا رہا ہوں یہ زکوٰۃ ہے، اگر اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے تو پھر نوٹ بھی اسی طرح کی سندِ حوالہ ہے، اب اسی نوٹ سے وہ مسکین جو روپیہ وصول کرے وہ زکوٰۃ ہے یا جو دوسری اشیاء حاصل کریں وہ بھی زکوٰۃ ہیں، یہ نوٹ خود زکوٰۃ نہیں؟

الجواب من جامع امداد الاحکام: آپ نے جو صورت بیان کی ہو اس میں بھی محض رقعہ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، جب تک وہ شخص کسی ایجنٹ سے روپیہ وصول نہ کرے، اور اگر ایجنٹ نے اس کو روپے نہ دیئے، بلکہ کاغذ ہی دیدیا کہ فلاں سے لے لو جب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، جب تک وہ روپیہ وصول نہ کرے، اور اگر فقیر نے تاجر کا رقعہ کسی کو اپنے قرض میں دیدیا کہ تم فلاں ایجنٹ سے اپنا قرض یہ رقعہ دکھلا کر وصول کر لو تو زکوٰۃ بالکل ادا نہ ہوگی، پس یہ صورت مسئلہ نوٹ کے خلاف حکم نہیں رکھتی، بلکہ جو احکام اس کے ہیں وہی اس کے ہیں، اور نوٹ سے زکوٰۃ کا ادا نہ ہونا صرف اس صورت میں ہے جبکہ فقیر بعینہ اس نوٹ کو اپنے قرض میں دیدے یا ہبہ کردے، یا اس سے چوری ہو جائے یا چھوڑ کر مر جائے، اور اگر اس کے روپے وصول کر کے اپنے قبضہ میں لائے، یا اس سے سودا خرید کر اپنی ملک میں لے آئے، تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، پس دشواری کچھ نہیں، صرف اتنی ضرورت ہی کہ مرسل الیہ کو کوپن میں تنبیہ کردی جائے کہ پوسٹ مین سے نوٹ نہ لے، اور اگر لے تو نوٹ کو بعینہ اپنے قرض وغیرہ میں نہ دے، بلکہ روپیہ حاصل کر کے قرض ادا کرے، یا جمع رکھے۔

مقدار فرض سے زائد زکوٰۃ ادا کی تو وہ آئندہ سال زکوٰۃ میں محسوب ہو سکتی ہے یا نہیں

سوال (۲۴) یہ امر دریافت طلب ہے کہ دورانِ سال میں وقتاً فوقتاً زکوٰۃ تقسیم کی جاتی ہے، اور سال تمام پر حساب پورا کر دیا جاتا ہے، اگر زکوٰۃ امسال مقدارِ فرض سے زائد تقسیم ہو جائے تو اس زائد رقم تقسیم شدہ کو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں مجرا و محسوب کر دیا جائے یا نہیں؟

الجواب: مقدار واجب سے زائد جو رقم زکوٰۃ میں دی گئی ہے وہ آئندہ سال کی زکوٰۃ میں محسوب ہو سکتی ہے، کما فی الشامی ص ۴۲ ج ۲: وفی الولوالجیۃ: لو کانت عندہ اربعمائۃ درھم فادی زکوٰۃ خمسمائۃ ظاناً انھا کذلک کان لہ ان یحسب الزیادۃ للسنۃ الثانیۃ لانہ امکن ان تجعل الزیادۃ تعجیلا اھ

احقر عبدالکریم عفی عنہ ۲۴ صفر ۴۵ھ۔ الجواب صحیح ظفر احمد ۲۵ صفر ۴۵ھ۔

نصاب زکوٰۃ کی تحقیق

سوال (۲۵) صاحب زکوٰۃ فریضہ کس کو کہتے ہیں، اور اس پر کب زکوٰۃ کا حکم دیا جائے گا، کہتے ہیں کہ اگر اس کے پاس دو سو درہم ہوں تو اس کو

نصاب کہتے ہیں اور اس پر پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہی، لیکن یہ یقینی نہیں معلوم ہوا کہ درہم کی کیا قیمت ہی، پھر بعض علماء سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۹ یا ۴۰ یا ۵۰ یا ۵۲ ہو یا اس قدر کی چاندی ہو تو صاحب نصاب ہے، اور پھر ایک روپیہ چار آنہ زکوٰۃ واجب ہے، سکہ مروجہ سے ایک روپیہ[1] چار آنہ ہے، اور درہموں سے پانچ درہم، نہ معلوم درہم سکہ مروجہ انگریزی سے کتنے بھر ہوتا ہے، اور اختلاف مابین علمائے کرام میں کیوں ہے، صحیح قول بالآخر مفتیٰ بہ کون ہے، حساب سے الگ الگ کر کے صورت بتلائی جائے، جو کہ ذہن نشین علی الفور ہو، ایسا ہی سونے کے بارے میں جب دریافت کیا جاتا ہے، کہ سونے پر کس قدر زکوٰۃ واجب ہے؟ تو جواب دیا جاتا ہے کہ بیس مثقال سونے پر نصف مثقال، پھر عدم فہم پر فرماتے ہیں کہ سات مثقال دس درہم کا ہوتا ہے، بلکہ دوسری جگہ ہے کہ فی کل اربعۃ مثاقیل قیراطان، لہٰذا دونوں شقوں کو لکھ دیا جائے کہ پہلی صورت سے کیا مراد ہے؟ اور ثانی سے کیا، وجہ اختلاف کیا ہے؟ حساب کی صورت میں ملا کر تحریر فرمائیے کہ بیس مثقال انگریزی تول کے حساب سے کس قدر ہوگا اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ بیس مثقال ساڑھے سات تولہ کا وزن ہوتا ہے، اور اس میں ۲ ماشہ[2] اڑھائی رتی زکوٰۃ نکلتا ہے یہ کس حساب کی بناء پر ہے، خلاصۂ حساب صحیح صحیح تحریر فرما کر ممنون و مشکور فرمایا جائے، نیز یہ بھی تحریر کیجئے کہ جتنا وزن زکوٰۃ کا سونا نکلے بعینہ وہی سونا مخرج زکوٰۃ دیا جائے یا اس کی قیمت دی جائے؟ مدلل اور مصرح جواب تحریر فرمایا جائے؟ بینوا بالدلیل وتوجروا عنداللہ الاجر الجزیل من جناب رب الجلیل۔

الجواب: حساب مذکورۂ بالا کی رُو سے صاحب مظاہر حق وغیرہ علمائے کرام کے نزدیک چاندی کا نصاب باون[52] تولہ چھ ماشہ ہی ہمارے اکابر اسی پر فتویٰ دیتے ہیں، دوسرے اقوال کی بناء وہی اختلاف فی الوزن ہے۔

نوٹ (۱):۔ سونے چاندی میں وزن کا اعتبار ہے، قیمت معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ ہر زمانہ میں بدلتی رہتی ہے، البتہ وزن کے اعتبار سے حساب کر کے پھر اس کی قیمت وقتیہ ادا کر دے تو یہ جائز ہے۔

نوٹ (۲):۔ قولِ فقہاء فی کل اربعۃ مثاقیل قیراطان، محض تمثیل کے طور پر ہے،

---

[1] صحیح حساب سے ایک روپیہ پانچ آنہ ہوتے ہیں ۱۲ مجیب۔ [2] صحیح یہ ہی کہ ۲ ماشہ ۲ رتی زکوٰۃ نکلتی ہی ۱۲ مجیب۔

یا بیس مثقال سے زائد کا حساب ہے، اس سے یہ مقصود نہیں کہ فقط چار مثقال میں زکوٰۃ واجب ہے۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم، ۱۳ر جمادی الاولیٰ ۴۸ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۱۳ر جمادی الاولیٰ ۴۸ھ۔

مسئلہ وجوبِ زکوٰۃ

سوال (۲۶) فرض کیا زید کے پاس سو روپے ہیں، اس نے سال کے آخر میں جب یہ دیکھا کہ یہ سو روپے اس کے خرچ سے بچ رہا ہے، تو اس نے ڈھائی روپے زکوٰۃ دیدی، لیکن یہی ساڑھے ستانوے روپے جو اُسی سو روپے میں ڈھائی روپے زکوٰۃ دینے کے بعد بچا ہے پھر سال تمام کے اخراجات کے بعد بچ گیا تو کیا اس ساڑھے ستانوے روپے کی بھی زکوٰۃ دی جاوے یا وہی اڑھائی روپے جو سو روپے کی زکوٰۃ تھا، اس رقم کے لئے کافی تھا، غرض یہ ہے کہ وہی سو روپیہ کی رقم رکھی ہے، نہ اُس میں شامل کوئی رقم کی گئی، نہ اس میں سے کوئی رقم لی، اس کی زکوٰۃ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: دو روپیہ آٹھ آنہ تو ایک سال کی زکوٰۃ ہے، دوسرے سال اگر یہ روپیہ رہ گیا تو اس کی زکوٰۃ دوبارہ دینی پڑے گی، اسی طرح آئندہ بھی ہر سال موجودہ رقم کا چالیسواں حصہ دینا چاہئے جب تک کہ مقدارِ نصاب رہی، اور جب مقدارِ نصاب نہ رہی تب واجب نہ رہے گی۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ، ۱۷ر جمادی الاولیٰ ۴۸ھ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ، ۱۸ر جمادی الاولیٰ ۴۸ھ۔

پراویڈنٹ فنڈ پر وجوبِ زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال (۲۷) زید سرکاری ملازم ہے، اس کی تنخواہ سے بیس روپے ماہوار سرکار کاٹ لیا کرتی ہے، وہ رقم اس کی جو بیس روپے ماہوار سے سرکار میں جمع ہو رہی ہے بعد پنشن یکمشت سرکار ادا کرے گی، تو ایسی رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں زکوٰۃ اس وقت واجب نہیں، بلکہ یہ رقم جب اس کے قبضہ میں آجائے اور حولانِ حول ہو جائے تو — زکوٰۃ واجب[ؔ] ہوگی، قال قاضی خان: اذا آجر دارہ او عبدہ بمأتی درھم لا تجب الزکوٰۃ مالم یحل الحول بعد

ؔ اور اگر اس پر اس رقم کے آنے سے پہلے بھی زکوٰۃ واجب ہی تو اس رقم کے وصول ہونے کے بعد جب پہلے مال کا سال تمام ہو اسی وقت اُس سب رقم کی زکوٰۃ بھی اس کے ساتھ دی جاتے ۱۲

القبض، وفی قول ابی حنیفہؒ فان کانت الدار او العبد للتجارۃ وقبض اربعین درھما بعد الحول کان علیہ درھم بحکم الحول الماضی قبل القبض الخ (ص ۱۲۱/۲) قلت واذا لم یکن علیہ زکوٰۃ فی اجرۃ الدار و العبد الا اذا کانا للتجارۃ فاجرۃ نفسہ اولی فان الحر لیس بمال - احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۷ ارجمادی الاولیٰ ۴۸ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ، ۱۸ جمادی الاولیٰ ۴۸ھ۔

بنک کا دیوالہ نکل جائے تو اس میں جمع کردہ روپے پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں

سوال (۲۸) زید نے کچھ روپیہ بنک میں جمع کیا، بنک کا دیوالہ نکل گیا، بنک سے روپیہ ملنے کی امید بھی ہے، اور اسی قدر ناامیدی بھی، کیونکہ پتہ نہیں کہ روپیہ ملے بھی کہ نہ ملے، یا کچھ ملے اور کچھ نہ ملے، ایسی صورت میں کیا جمع کنندہ پر زکوٰۃ واجب ہے؟

الجواب: اس روپے کی زکوٰۃ واجب رہے گی، مگر سر دست ادا کرنا لازم نہیں، بلکہ ۱۰/۸ دس روپے آٹھ آنہ کی وصولی کے بعد وصول شدہ رقم کی سب گذشتہ برسوں کے متعلق زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی، احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۷ ارجمادی الاولیٰ ۴۸ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ، ۱۸ جمادی الاولیٰ ۴۸ھ۔

مسئلہ وجوب زکوٰۃ

سوال (۲۹) زید کے پاس دس ہزار روپے کی مالیت کی زمین ہے، اور اس زمین کا کچھ حصہ بعوض پانچ ہزار رہن ہے، اور شخص مذکور کے پاس پانچسو روپے کی مالیت کا زیور ہے، آیا اس زیور پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: اس زیور پر زکوٰۃ واجب ہے، عبد الکریم عفا عنہ، ۷ ج ۲ ۴۸ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ، ۷ جمادی الثانیہ ۴۸ھ۔

مہر مؤجل مانع وجوب زکوٰۃ ہے یا نہیں

سوال (۳۰) زید کے پاس پانچسو روپے کا زیور ہے، اور ایکہزار روپیہ اس کی زوجہ کا مہر اس کے ذمہ واجب الادا ہے، آیا اس زیور پر مرد کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب: اگر باوجود مہر مؤجل ہونے کے یہ شخص فی الحال ادا کرنے کی فکر میں ہے تب تو اس زیور پر زکوٰۃ واجب نہیں، ورنہ واجب ہے، کما فی العالمگیریۃ وذکر البزودی فی شرح الجامع الصغیر قال مشائخنا فی رجل علیہ دین مؤجل لامرأتہ وھو لا یریدہ اداءہ رای فی الحال) لا یجعل مانعا من الزکوٰۃ لعدم المطالبۃ فی

العادۃ انہ حسن ایضاً ھکذا فی جواھر الفتاویٰ فقط۔ عبدالکریم عفاعنہ ۷ رج ۲ ۴۸ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفاعنہ ۷ رجمادی الثانیہ ۴۸ھ۔

قرض پر وجوبِ زکوٰۃ کی ایک صورت کا حکم

سوال (۳۱) کسی کے پاس کچھ روپیہ تھا جس پر وہ زکوٰۃ نکالا کرتا تھا اب وہ روپیہ دوسرے شخص کو قرض دیدیا، اب وہ مقروض کہتا ہے کہ مجھ سے نقد روپیہ نہیں ادا ہو سکتا، بلکہ اس کے عوض کچھ جائداد مجھ سے لکھالو اور اس کو بھی ادائیگی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، ایسی صورت میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اس صورت میں مدیون منکر تو نہیں ہی بلکہ قرض کا مقر ہے، اور جائداد رقم قرض کے عوض دینے کو تیار ہے، اس لئے قرض دینے والے کے ذمہ سے سنین ماضیہ کی زکوٰۃ ساقط نہیں، ہاں جب جائداد لے لے گا تو آئندہ زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

واستبدال مال التجارۃ بمال التجارۃ ھلاک وبغیر مال التجارۃ استھلاک، قال الشامی تشمل مالو استبدلہ بعوض مالیس بمال اصلا او بعوض ھو مال لکنہ لیس بمال الزکوٰۃ بان باعہ بعبد الخدمۃ او ثیاب البذلۃ فیضمن الزکوٰۃ فی ذلک کلہ لانہ استھلاک اھ (شامی ۳۳ ج ۲)۔

مثل سوال مذکور

سوال (۳۲) کسی شخص کے ذمہ کچھ روپیہ باقی ہے، اور وہ کہتا ہی کہ ایک دم روپیہ نہیں ادا ہو سکتا ہی، بلکہ دفعہ دفعہ ادا کریں گے، اور دفعہ دفعہ کرنے سے روپیہ اس قدر نہیں ہوتا ہے کہ جس کی زکوٰۃ فرض ہی، بلکہ کل روپیہ جو اس کے ذمہ ہی یکمشت ادا کرنے سے زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے، تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب: جب اس قرض میں سے گیارہ روپے چار آنہ وصول ہوں خواہ یکمشت یا تدریجاً تو اس گیارہ روپے چار آنہ کی زکوٰۃ یعنی چالیسواں حصہ دینا واجب ہوگا، اور جتنے برسوں کے بعد وصول ہوا ہو سب کی طرف سے اس گیارہ روپے چار آنہ کی زکوٰۃ واجب ہی، اس کے بعد پھر جب کبھی گیارہ روپے چار آنہ وصول ہوں تو اس کا بھی یہی حکم ہے، جب تک پورے گیارہ روپے چار آنے پر قبضہ نہ ہو اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں، قال الشامی فاذا قبض ذلک کلہ او اربعین درھما منہ بانقطاع ذلک من اجرۃ الدار تجب زکوٰتہ لما مضی من السنین والناس عنہ غافلون (ص ۵۶ ج ۲) کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ ۲۵ رجب ۴۸ھ۔ الجواب صحیح، ظفر احمد عفاعنہ ۵ رشعبان ۴۸ھ۔

زکوٰۃ کی رقم اور دیگر سامان دینے کی نیت سے علیحدہ رکھا تھا، مگر اپنے مال کے ساتھ زکوٰۃ کا مال بھی چوری ہو گیا تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں

سوال (۳۳) زید نے اپنے مال کی زکوٰۃ نکالی، اور اس زکوٰۃ کے پیسے سے کچھ تو مستحقین زکوٰۃ پر خرچ کیا، اور کچھ کپڑے مستحقین کے واسطے خرید کر رکھ لئے، اور پھر بھی کچھ نقد باقی رہ گئے تھے کہ اس کے ہاں چوری ہوئی، چوری میں زکوٰۃ کے پیسے اور کپڑے اور اس کا اپنا مال بھی چوری ہو گیا، سوال یہ ہے کہ زکوٰۃ سے سبکدوش ہوا یا نہیں، اگر نہیں تو کس طریقہ سے ادا کرے، بینوا بالصواب توجروا بالثواب؟

الجواب: اگر فقط وہ مال چوری ہوتا جو کہ زکوٰۃ کی نیت سے الگ رکھا ہوا تھا تب تو زکوٰۃ سے سبکدوشی نہ ہوتی، لیکن جب دوسرا مال بھی چوری ہو گیا ہے تو اس مال مسروقہ کی زکوٰۃ معاف ہو گئی ہے، البتہ اگر کچھ مال صاحبِ واقعہ کے پاس باقی رہ گیا ہو تو اس باقی کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے، کما فی الدر المختار ولا یخرج عن العہدۃ بالعزل بل بالاداء للفقراء وقال الشامی فلو ضاعت لا تسقط عنہ الزکوٰۃ الخ (ص ۱۸ ج ۲) ولا فی ہالک بعد وجوبہا ومنع الساعی فی الاصح لتعلقہا بالعین لا بالذمۃ وان ہلک سقط حظہ فقط واللہ اعلم، ۱۴ رجب سنہ ۴۵ھ۔

حکم وجوب زکوٰۃ در زیورات

سوال (۳۴) کسی عورت کے پاس دو سو تولہ کے زیورات ہیں، اس کے ہاتھ پیر کان اور گلے میں مدام باون تولہ سے زائد رہتا ہے، اور یہ اس کی ضروریات میں سے ہے، اس کو پورے زیورات کی زکوٰۃ دینی ہو گی، یا ما بقیہ زیور کی دینی ہو گی کتاب کا حوالہ از رئے عنایت تحریر فرمائیے؟ آپ کی اصلاح تحریر ادلہ ہو گا۔

الجواب: اس عورت کے تمام زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے، ان پر بھی جو رکھے رہتے ہیں اور ان پر بھی جو استعمال میں رہتے ہیں، صرح بہ فی الدر وغیرہ من المتون والشروح، واللہ تعالیٰ اعلم۔　۷ ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۸ھ۔

مسئلہ زکوٰۃ

سوال (۳۵) گورنمنٹ نے بعض فوجی پنشنر اشخاص کو مربعہ جات (اراضی جو نہر کے پانی سے سیراب ہو) بطور عطیہ کے عطا کئے ہیں، جن پر مطالبہ مال آبیانہ ششماہی لگتا رہتا ہے، علاوہ ازیں یہ شرط ٹھہرائی گئی کہ عرصہ پانچ سال تک مع معاملہ کچھ رقم بطور مالکانہ ادا کرنی پڑے گی، اس وقت معینہ کے بعد مبلغ گیارہ صد روپیہ قیمت فی مربعہ ادا کرنے کے ہر شخص مالک مربعہ بن سکتا ہے، اور وہ مالکانہ بند ہو جائیگا اور ساتھ یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ مالک نہیں بننا چاہتا تو مالکانہ

بدستور ادا کرتا رہے، جبراً قیمت نہیں لی جائیگی، اب جس شخص کے پاس قیمت مربعہ قبل از عطیہ موجود ہے اور اس نے اس نیت سے رکھی ہوئی ہے کہ قیمت مربعہ ادا کر کے مالکِ مربعہ بنوں گا اس پر بعد گذرنے سال کے زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: ہاں اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ وہ قرض سے فارغ ہے، گورنمنٹ کی رقم اس پر قرض نہیں، جبکہ یہ خود مختار ہے کہ اس رقبہ کا مالک بنے یا نہ بنے اور اس زمین کو خریدے یا نہ خریدے، تو عقد کا تحقق نہ ہوا، اور نہ ثمن اس کے ذمّہ لازم ہوا، واللہ اعلم۔

۱۰ ذیقعدہ ۴۸ھ

قرض ہر حال میں مانعِ وجوبِ زکوٰۃ ہے

سوال (۳۶) ایک شخص نے چار ہزار روپے میں ایک زمین خریدی، جس کی ادا دس قسطوں میں قرار پائی ہے، ایک قسط وہ ادا کر چکا اور زمین پر قابض ہو گیا، دوسری قسط کے لئے ما ۵ ؎۲۵ روپیہ اس کے پاس رکھا ہے، جس پر حولانِ حول ہو چکا ہے، تو اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں، اور زمین کا قرض مانع وجوبِ زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: اس رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں، قرض بہر حال مانعِ وجوب زکوٰۃ ہے، خواہ زمین کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے، اور خواہ اس کی ادا بالاقساط مشروط ہو یا بلا اقساط، واللہ اعلم، ۱۳ ذی الحجہ ۴۸ھ۔

مسوّدہ زکوٰۃ بل کے بارے میں ایک استفتاء

سوال (۳۷) حضرت حکیم الامۃ دام مجدہم کی خدمت میں ایک سوال اس مضمون کا آیا تھا کہ تنظیم زکوٰۃ کے لئے مرکزی اسمبلی میں زکوٰۃ بل پیش کرنے کا ارادہ ہے جس کا مسودہ ارسالِ خدمت ہے، شرعی نقطۂ نظر سے اس مسودے کے متعلق جو رائے ہو اس سے مطلع فرمایا جائے، اس کا جواب حضرت کے ایماء سے یہ دیا گیا:۔

الجواب: مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مسوّدۂ زکوٰۃ بل دیکھا گیا، آپ کی نیت کے نیک ہونے اور خیر خواہی پر مبنی ہونے میں شبہ نہیں، مگر ہم اس بل کی تائید سے بوجوہِ چند معذور ہیں:۔

الف: کافر گورنمنٹ کے ذریعہ سے شرائعِ اسلام کی ترقی جب طلب کی جاتی ہے بجائے ترقی کے تنزل ہی ہوتا ہے، وقف بل، اور خلع بل کی نظائر سامنے ہیں، کہ ان دونوں سے بجائے فائدہ کے شرعی حیثیت سے نقصان ہی ہوا۔

ب ؛ چونکہ قانون کا پاس کرنا صرف مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اکثریت کے ہاتھ میں ہے، اس لئے جس صورت سے بل پیش کیا جاتا ہے اس سے بدتر صورت میں پاس ہوتا ہے، چنانچہ خلع بل جس صورت سے پاس ہوا ہے وہ سب کے سامنے ہے کہ حاکم مسلم کی شرط جو اس بل کی جان تھی حذف کر دی گئی، اور سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ خود مسلمان ہی بوجہ جہل کے مخالف ہو جاتے ہیں، اور احکام شرع میں رائے زنی کرتے ہیں، کہ اس قید کی کیا ضرورت ہے؟

ج ؛ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ میں خلیفۃ المسلمین و امیر المؤمنین کو بھی جبر کا حق نہیں، یہ بل ان میں بھی جبر کا حق دیتا ہے۔

د ؛ اموالِ ظاہرہ میں خلیفہ و امام کو حقِ جبر ضرور حاصل ہے، مگر اس کو عشر یا ربع عشر سے زیادہ مسلمانوں سے وصول کرنے کا حق نہیں، یہاں کافر حکومت پہلے ہی سے زمینوں پر لگان اور تجارتوں پر ٹیکس وصول کر رہی ہے، اور اب کانگریسی حکومت رات دن مسلمانوں کو پیسنے کی فکر میں لگی ہوئی ہے، اگر اس کو عشر اور ربع عشر کے وصول کا حق بھی دیدیا گیا اور اس کی تشخیص بھی اس کے ہی ہاتھ میں رکھی گئی، جیسا کہ بل میں ظاہر کیا گیا ہے تو مسلم مزارعین اور مسلم تجار پر وہ جتنا بار ڈالیں گے ظاہر ہے۔

ہ ؛ زکوٰۃ کی رقوم میں سے ۵ فی صد گورنمنٹ کے عاملین کے لئے رکھا گیا ہے، جس میں کچھ تصریح نہیں کہ وہ عاملین مسلمان ہی ہوں گے، یا مسلم و غیر مسلم دونوں ہو سکتے ہیں، شقِ ثانی میں یہ حصہ زکوٰۃ کا غیر مصرف میں جائے گا۔

و ؛ زکوٰۃ کا ۲۰ فی صد دیگر اغراض کے لئے رکھا گیا ہے اس کی کوئی تشریح نہیں کی گئی، کہ کن مصارف میں صرف ہوگا، صرف کرنے والے مسلمان بھی ہوں گے تو مسائل سے ناواقف ہوں گے نہ معلوم کہاں کہاں صرف کریں اور مسلمانوں کی زکوٰۃ برباد ہو، اس طرح ۱۰ فی صد بطور سرمایہ محفوظ رکھا گیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ زکوٰۃ دینے والوں کی پوری زکوٰۃ ہر سال ادا نہ ہوگی، بلکہ اس کا کچھ ادا سے رہ جائے گا۔

ز ؛ افسر مشخص کا مسلم ہونا تو بل میں مصرح ہے، مگر اس کے فیصلہ کی اپیل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے یہاں رکھی گئی ہے، جس کا مسلم ہونا شرط نہیں کیا گیا، اگر وہ غیر مسلم ہوا تو اس کے فیصلہ سے زکوٰۃ کا جو حشر ہوگا ظاہر ہے۔

ح ؛ انجمنوں کے اور ان کے بیت المال کے معائنہ کے لئے جو انسپکٹر اور ان انسپکٹروں کے

تقرر کا اختیار گورنمنٹ کو دیا گیا ہے، اس میں بھی یہ تصریح نہیں کہ وہ انسپکٹر مسلم ہوں گے یا غیر مسلم بھی ہوسکتے ہیں، شقِ ثانی میں اُن کی تنخواہ جو زکوٰۃ کی مد سے دی جائے گی، وہ محض برباد ہوگی، اور کافروں کو مسلمانوں کی زکوٰۃ اور بیت المال پر جو حق تصرف ہوگا وہ جدا رہا، اس سے آئندہ جو کچھ خرابیاں پیدا ہوں گی وہ احکامِ وقت کے حالات سے باخبر طبقہ پر مخفی نہیں۔

ط : وزیرِ اوقاف اور افسر شخص اگر نام کا مسلمان ہوا اور عقیدۃً قادیانی یا اور کسی فرقہ کا ہوا (جو عامۂ مسلمین کے نزدیک مسلمان نہیں بلکہ مرتد ہیں) اور پورے مسائل سے سب ہی ناواقف ہوں گے، تو اس کے برائے نام اسلام سے بجائے نفع کے ضرر کا اندیشہ ہے، اس خطرہ سے حفاظت کی کیا سبیل ہے؟

ی : خلیفۂ اسلام جو عاملین کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر کرتا ہے، چونکہ خلیفہ تمام مسلمانوں کا نائب ہے جن میں فقراء بھی داخل ہیں تو خلیفہ یا اس کے عاملین کے ہاتھ میں زکوٰۃ پہونچتے ہی اربابِ اموال کے ذمہ سے ادا ہوجاتی ہے، گویا فقراء کے ہاتھ میں پہنچ گئی مگر حاکم غیر مسلم یعنی غیر مسلم گورنمنٹ کا شرعاً یہ حکم نہیں اس کے یا اس کے عاملین کے قبضہ میں زکوٰۃ پہونچنے سے فوراً ادا ہونا شرعاً باطل ہے، پس اگر کوئی شخص زکوٰۃ ادا کرکے مرگیا، اور اس کی زکوٰۃ ابھی تک مصرف میں صرف نہ ہوئی تھی تو وہ رقم ورثہ کی طرف منتقل ہوکر ترکہ میں داخل ہوگی، اور اس کو مصارفِ زکوٰۃ میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا، اس کا کوئی حل اس بل میں نہیں۔

الغرض جب تک باقاعدہ اسلامی حکومت نہ ہو زکوٰۃ کا انتظام غیر مسلم حکومت کے ذریعہ سے نہیں کیا جاسکتا، اس کی واحد صورت یہی ہے کہ گورنمنٹ مسلمانوں کو اجازت دے کہ وہ اپنا ایک حاکم مسلم مقرر کرلیں جس پر گورنمنٹ کا ویسا ہی اقتدار ہو جیسا والیانِ ریاست پر ہوتا ہے، اندرونی نظم ونسق میں وہ بالکل آزاد ہو، پھر حاکم مسلم زکوٰۃ کو قاعدۂ شرعیہ کے موافق وصول کرے تو یہ صورت جائز ہے۔

آپ نے اس بل کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے ہندوؤں کے کھاتہ پن کا تذکرہ کیا ہے، مگر ہندوؤں کا کھاتہ پن گورنمنٹ کے قانون کی طاقت سے نہیں چل رہا بلکہ خود ہندوؤں کی قومی طاقت سے چل رہا ہے، اگر مسلمان بھی اپنے یہاں کوئی خیراتی فنڈ ایسا قائم

کریں جو قومی طاقت سے چلے تو یہ ایک مفید صورت ہو گی، اور ہم خوشی کے ساتھ اس کی تائید کریں گے۔

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں اس وقت دس فی صد زکوٰۃ دینے والے ہوں گے مگر غالباً یہی اوسط نماز پڑھنے والوں کا ہے، تو کیا کل کو نماز کے لئے بھی کوئی قانون بنوایا جائے گا، اور غالباً حج کرنے والے تو اس سے بھی بہت کم ہوں گے، تو کیا حج کیواسطے قانون بنوایا جائے گا؟ اگر نہیں تو زکوٰۃ ہی کے لئے قانون بنوانے کی کیا ضرورت ہے؟

دراصل ضرورت اس کی ہے کہ مسلمانوں کو احکامِ دین سے واقف کیا جائے، مذہبی تعلیم کو عام طور سے رواج دیا جائے، تبلیغ کی طرف پوری توجہ کی جائے، مسلمانوں کو نماز اور زکوٰۃ، روزہ اور حج اور تمام احکام کی ضرورت سے مطلع کیا جائے، ایسی انجمنیں قائم کی جائیں جن کا فریضہ تبلیغِ احکام ہو، جن کا کام مسلمانوں میں مذہبی روح پیدا کرنا ہو، جس دن قوم میں مذہبی بیداری پیدا ہو جائے گی وہ ہندوؤں کے کھاتہ پُن سے بہتر نظام قائم کرے گی، اور اگر مذہب اور احکامِ مذہب سے یہی غفلت رہی جو اس وقت ہے تو زکوٰۃ بل بھی کچھ مفید نہ ہو گا، بلکہ بجائے مصارفِ خیر کے گورنمنٹ کا عملہ اور افسر مشخص یا وزیر اوقاف کا خاندان اس بیت المال کو لقمۂ تر سمجھ کر ہضم کر جائے گا، اور مسلمان دیکھتے کے دیکھتے رہ جائینگے، جس چیز کی ضرورت ہو کہ مسلمانوں کو حقیقی معنی میں مسلمان بنایا جائے، اور اس کی سہل صورت یہ تھی کہ مسلمانوں کا اونچا طبقہ جو علمی اور مالی اعتبار سے بڑا ہے وہ دین کی طرف توجہ کرتا، خود دیندار بنتا اور دوسروں کے لئے نمونہ ہوتا، جس سے اعلیٰ درجہ کی تنظیم ہو جاتی، اس سے تو سب دُور بھاگتے ہیں اور بجائے اس کے اپنی عبادات تک گورنمنٹ کے ہاتھ میں دیتے جارہے ہیں جس کا انجام نہایت ہی خراب ہے، ظفر احمد والسلام۔

بابُ زکوٰۃ مال التجارۃ

کتبِ تجارت میں زکوٰۃ کا حکم

سوال (۱) میں نے دو سو پچپن روپے خرچ کر کے ۱۵۵۵ کتاب چھپوائیں اور فروخت کے لئے دُکان دار کے پاس رکھدیں (ابھی میرے ہاتھ میں زر و پیسہ کچھ بھی نہیں) ختم سال پر مجھ کو ۴۵۵ روپے ملیں گے، پھر یہی ۴۵۵ روپے بھی دوسری بار کتاب چھاپنے میں خرچ کیا جائے گا، میرا کچھ اور مال و متاع نہیں ہے، پس مجھ پر زکوٰۃ واجب

ہے یا نہیں؟

الجواب: آپ پر زکوٰۃ واجب ہے، اور مالِ تجارت کی زکوٰۃ کے لئے روپیہ پیسہ ہاتھ میں ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ مالِ تجارت کا موجود ہونا اور اس پر سال گذرنا شرط ہے، پس جب وہ ۱۰۰۰ کتابیں آپ کے پاس موجود ہیں، اور اُن پر سال گذر گیا تو انہی ایک ہزار میں سے ۲۵ عدد کتابیں زکوٰۃ میں نکال دی جائیں، یا ۲۵ کتابوں کی قیمت دیدی جائے، جو آسان ہو اور انفع للفقراء ہو، واللہ اعلم، ۱۲؍رمضان ۴۵ھ۔

بابُ صَدقۃ السَّوائِم

بکریوں کی زکوٰۃ کا حکم و نیز سرکاری اور زمیندار کی زمین میں اُن کے چرانے کا حکم

سوال (۱) ایک شخص رئیس کے پاس کچھ بکریاں بھی ہیں، اور اس کی زمین میں اس کے نوکر چراتے ہیں، ان میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: بکریاں اگر چالیس یا اس سے زیادہ ہوں تو سال گذر جانے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر بکریاں محض کھانے کے واسطے نہیں پالتا بلکہ اصل مقصود مال کا بڑھانا ہے، گو طبعاً کبھی کھا بھی لیتا ہو جس کا مفصل بیان کتبِ فقہ میں موجود ہے، خواہ وہ اپنی زمین میں چراتا ہو یا سرکاری زمین میں یا زمیندار کی زمین میں، سب صورتیں برابر ہیں، البتہ اگر چالیس سے کم ہوں تو زکوٰۃ واجب نہیں۔

سوال ۲ ایک شخص کے پاس بکریاں ہیں، دو سو، مگر زمین نہیں، ایک جنگل، سرکاری زمین میں یا زمینداروں کی زمین میں چرا کر لاتا ہے، بازار میں دودھ بیچکر گذر کرتا ہے، اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: سرکاری اور زمیندار کی زمین میں چرانا درست ہے، بشرطیکہ کھیتوں اور درختوں کا نقصان نہ کرے، خودرو گھاس یا پتے چرائے، اور جس شخص کے پاس دو سو بکریاں ہیں اور وہ دودھ بیچکر گذارا کرتا ہے اس کا مقصود بکریوں کے پالنے سے کیا ہے، آیا صرف دودھ بیچنے ہی کے واسطے بکریاں پالتا ہے، یا مقصود مال کا بڑھانا ہے، اور بکریوں سے بچے لینا اور تبعاً دودھ سے بھی نفع حاصل کر لیتا ہے، ان دونوں باتوں میں سے جو مقصود ہو اس کو واضح لکھا جائے تو جواب دیا جائے گا۔

سوال ۳ ؛ چند زمیندار آپس میں ایک دوسرے کی زمین میں ڈنگر بکریاں چرا لیتے ہیں آپس کی رضامندی سے عام رواج سے یہ کیسا ہے ؟

الجواب ؛ جائز ہے، بشرطیکہ کھیتوں اور درختوں کا نقصان نہ کرے، ۱۸ رمضان ۴۲ھ

علوفہ اور تجارتی مواشی پر وجوب زکوٰۃ کا حکم

سوال (۲) زید کے پاس ایک سو علوفہ بھینسیں ہیں، جن کا دودھ فروخت کرتا رہتا ہے، اور جب کبھی ان بھینسوں میں سے کسی بھینس کا دودھ کم ہوجاتا ہے تو معاً بھینس کا خسارہ برداشت کرتے ہوئے اگرچہ چار سو کی بھی ہو تب بھی ایک سو یا کچھ کم و بیش سے قصابوں کو فروخت کردی جاتی ہے، اور فوراً اگر اس کی جگہ پر دوسری بھینس خرید کرکے ایک سو کی تعداد پوری کرلی جاتی ہے، چھ یا سات ماہ کے بعد ہر ایک بھینس کا دودھ کم ہوجانا لابدی امر ہے، اور دودھ کم ہونے پر اسے فروخت کردینا اور اس کے قائم مقام دوسری رکھ چھوڑنا بھی ضروری ہے، غرض کہ کامل سال کسی بھینس پر بھی نہیں گذرتا ہی بلکہ مرقومہ بالاصورت سے فروخت ہوتی رہتی ہیں اور نئی آتی رہتی ہیں۔

زید روزانہ اپنا حساب اس طور سے کرتا رہتا ہے کہ روزانہ جس قدر آمدنی ہوتی ہے اس میں سے خرچ شدہ رقم کے علاوہ ہر ایک بھینس کے عوض میں ایک روپیہ کاٹتا رہتا ہے، اور اسی ایک روپے کے عوض میں بھینس کو روزانہ ایک روپیہ کم قیمت کی سمجھتا رہتا ہے مثلاً ایک روز دودھ مالا عصہ روپیہ کا فروخت ہوا تو ان میں سے نئو خرچ کے نکال دیئے اور ایک سو روپے ہر ایک بھینس کی قیمت میں سے ایک ایک کاٹا ہوا الگ خرچ میں لیا گیا تو گویا کُل مالا روپے خرچ ہو کر ۲۵ عصہ سالم بچے، ان کو اس روز کا نفع تصور کرتے ہوئے حساب میں لاتا ہے، اور بھینس کی قیمت میں سے کم کرنے کی مثال یہ ہے کہ مثلاً تین سو روپے کی ایک بھینس دودھ فروخت کرنے کے لئے آج خریدی، تو آج ہی سے اس کی قیمت میں سے ایک روپیہ کم کرتے ہوئے وہ بھینس مالا ۲۹۹ کی تصور کی گئی، علیٰ ہذا القیاس ایک روپیہ روزانہ اس کی قیمت میں سے کم سمجھتا رہا، حتیٰ کہ دوسو دنوں کے بعد دوسو روپے کم تصور کرتے ہوئے بھینس صرف ۵۰ کی تصور کی گئی، اور دودھ کم ہونے پر ۵۰ روپے میں قصاب کو فروخت کیگئی اور اپنے دل کو طفل تسلی کے طور پر یوں سمجھا لیا کہ ڈھائی سو کی بھینس گویا ڈھائی سو ہی میں فروخت کی گئی، اب جو اس کی جگہ پر نئی بھینس خریدی جائے گی اس کے لئے پچاس روپے تو یہ بھینس کی قیمت کے وصول شدہ موجود ہیں، اور دو سو ایک ایک روپیہ روزانہ قیمت میں

کم کئے ہوئے اور آمد میں سے کاٹ کر خرچ میں لئے ہوئے موجود ہیں. تو اس صورت سے کاٹنے سے کیا علوفہ بھینس تجارت کی بن جاتی ہے؟ بینوا، توجروا۔

ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ دودھ فروخت کرنے کی وجہ سے یہ کُل علوفہ بھینسیں مالِ تجارت بن چکیں، فلہٰذا اُن پر زکوٰۃ واجب ہے، حالانکہ متون میں سے کسی کتاب سے بھی علوفہ پر زکوٰۃ ثابت نہیں ہے، بلکہ تمام میں نفی موجود ہے، صاحبِ درمختار وجوبِ زکوٰۃ کے لئے نیتِ تجارت کو شرط قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، ولا فی العوامل والعلوفۃ مالم تکن العلوفۃ للتجارۃ، جلد دوم۔

صاحب ہدایہ علوفہ پر عدمِ وجوبِ زکوٰۃ کی علت بایں طور تحریر فرماتے ہیں کہ لان فی العلوفۃ تراکم المؤنۃ، صورتِ مسئولہ میں تو ہجوم مؤنت و نفقات کا یہ عالم ہے کہ طویلہ کا کرایہ الگ دیا جاتا ہے اور بھینسوں کی خدمت کے لئے جو نوکر رکھے جاتے ہیں ان کو تنخواہیں الگ دی جاتی ہیں، اور دونوں وقت صبح و شام بھینسوں کو چارہ بانٹا الگ دیا جاتا ہے، فقہاء نے چوپاؤں میں علتِ وجوبِ زکوٰۃ نمو کو قرار دی ہے، کہ نما خواہ حقیقۃً ہو خواہ حکماً، لیکن زید کی نیت اپنی موجودہ بھینسوں کے متعلق بھی اور آئندہ جو خرید کرے گا اُن کے بارے میں بھی یہ ہوتی ہے کہ جب کبھی کسی بھینس کا دودھ کم ہو جائے گا تو خسارہ برداشت کرتے ہوئے چار سو۴۰۰ کی بھینس بھی سو یا سوا سو تک قصابوں کو فروخت کر ڈالوں گا، تو اس صورت میں بایں طور نیت کرنے سے نما نہ تو حقیقی پایا گیا، اور نہ حکمی، پھر کیا یہ نیت وجوبِ زکوٰۃ کے لئے مؤثر ثابت ہو گی یا لغو جائے گی؟

حضرت مولانا مولوی مفتی محمد حسین صاحب صدر المدرس مدرسۃ راندیر تحریر فرماتے ہیں کہ صورتِ مسئولہ میں زکوٰۃ واجب نہیں، درمختار کی یہ عبارت اس کے لئے شاہد ہے کہ ولو نوی التجارۃ بعد العقد او اشتریٰ شیئاً للقنیۃ ناویاً انہ ان وجد ربحاً باعہ لا زکوٰۃ علیہ، جلد دوم قبیل باب السائمۃ۔

لیکن مولوی صاحب موصوف اسے تسلیم نہیں کرتے، براہِ کرم ان تمام امور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جواب مع حوالہ کتب محقق ومدلل تحریر فرماتے ہوئے عند اللہ ماجور ہوں۔

سوال ۲، جوہرۃ نیرہ مطبوعہ خیریہ جلد اوّل صفحہ ۱۲۰ میں سائمہ کے متعلق قولہ والسائمۃ الخ کے تحت میں درج ہے کہ لان اصحاب السوائم قد لا یجدون بدامن

ان یعلفوا سوائمھم فی بعض الاوقات فیجعل الاقل تابعاً للاکثر ثم ھذا الذی ذکرہ من الاسامۃ فی حق ایجاب زکوٰۃ السوائم انما یصح ان لو کانت الاسامۃ للدر والنسل اما اذا کانت للتجارۃ او للحمل والرکوب فلا تجب فیھا الزکوٰۃ اصلا، یہ عبارت کسی اور کتاب میں نہیں ہے، فلہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ عبارت صحیح ہے یا غلط؟ بینوا توجروا۔

الجواب وھو الموفق للصواب: یہ بات تو ظاہر ہے کہ جب وہ بھینسیں علوفہ ہیں تو اُن پر زکوٰۃ سوائم واجب نہیں، اور درمختار کی عبارت ولا فی العوامل وعلوفہ میں زکوٰۃ سوائم ہی کی نفی ہے، ونیز جوہرہ نیرہ کی عبارت مرقومہ بالا یعنی اما اذا کانت للتجارۃ او للحمل والرکوب فلا تجب فیھا الزکوٰۃ اصلا، میں زکوٰۃ سوائم ہی کی نفی ہے، اور درمختار کی عبارتِ مذکورہ ولو نوی التجارۃ بعد العقد الخ سے معلوم ہوا کہ اگر فروخت کرنے کا حتمی قصد نہیں ہے تو علوفہ میں زکوٰۃِ تجارت بھی واجب نہیں۔

اب رہی یہ بات کہ زید کی نیت مذکورہ فی السوال حتمی نیت ہے یا نہیں اور دودھ فروخت کرنا بھی تجارتِ مواشی ہے یا نہیں، سو بظاہر یہ نیت بیع مواشی کی حتمی نہیں اور نہ تجارتِ لبن کو تجارتِ مواشی کہہ سکتے ہیں، لہٰذا زکوٰۃِ تجارت ان بھینسوں پر نہ ہوگی، واللہ اعلم۔

عبدالکریم عفی عنہ۔ ۱۹ ذی الحجہ ۴۳ھ

باب العشر والخراج

مسجد کی زمین پر عشر کا حکم

سوال (۱) کیا وقف زمین متعلق مسجد پر عشر ہے؟

الجواب: زمین وقف متعلق مسجد پر بھی عشر ہے، قال فی العالمگیریۃ وکذا ملک الارض لیس بشرط للوجوب لوجوبہ فی الاراضی الموقوفۃ اھ (ص ۱۹۱ ج ۱)۔

۲۶ ربیع الثانی ۴۴ھ۔

زمین عشری اور خراجی کی تعریف اور بعض زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کی تحقیق

سوال (۲) ۱ زمین عشری کی تعریف کیا ہے اور زمین خراجی کس کو کہتے ہیں، اور دوسرے سوال میں جو جزئیات مرقوم ہیں وہ عشری ہیں یا خراجی؟

۲ ، لاخراج بازیافتی اس زمین کو کہتے ہیں جو نصاریٰ کے تسلط کے قبل لاخراج تھی،

اور اس میں خزانہ وغیرہ دینا نہیں پڑتا تھا، جب اُن کا غلبہ ہوا اور مالک زمین لاخراج ہونیکا کوئی ثبوت نہ دے سکا تو سرکار نے کچھ خزانہ وٹیکس مقرر کر کے مالک زمین کو وہ زمین واپس کردیتے ہیں

۳، نیا باد اس زمین کو کہتے ہیں جسکو رعایا نے گورنمنٹ سے میعادی اجازت لیکر آباد کیا، اور جو خزانہ سرکار نے اس پر مقرر کیا وہ ادا کرتا ہے، اور جب میعادِ اجازت ختم ہوجاتی ہے گورنمنٹ خزانہ وغیرہ بڑھا دیتی ہے، اگر وہ لوگ زیادتی کو قبول کریں تو زمین ان کے پاس بحالہٖ رہتی ہے، ورنہ جو اس پر راضی ہو اس کو دیدیتے ہیں۔

۴ طرف دوسری قسم کی زمین والوں سے سرکار نے بوجہ ضرورت کے ایک روپیہ خزانہ کے مقابلہ میں دس روپے لیکر انھیں قائمی بندوبستی دیا، اور اُن سے وعدہ کیا کہ میں اُس زمین کو تم لوگوں سے لے کر دوسروں کو نہ دوں گا۔

۵ ؛ دررعایتی اس زمین کو کہتے ہیں جسکو زمینداروں نے سرکار سے خزانہ پر بندوبستی کر کے رعایا کو میعادی بندوبستی دیا بعض سے کچھ نذر وغیرہ لے کر بعض کو یوں ہی مثلاً ۹ سال کے لئے بندوبستی دیا اور ان سے وعدہ کیا میں یہ زمین تم لوگوں سے واپس نہ کروں گا، لیکن زمیندار اگر ان سے واپس کرنا چاہیں رعایا کو رکھنے کی کچھ قدرت نہیں۔

۶ ؛ زمین خراجی میں جو غلہ ایک سال کی خورد پوش سے زائد پیدا ہوتا ہو اس کی زکوٰۃ دینا واجب ہے یا نہیں، بر تقدیر اوّل اس کا حکم مالِ تجارت کی طرح ہے یا نہیں ؟

الجواب ؛ (۱) الارض العشریۃ مافتحہا المسلمون عنوۃ وقسموھا بین الغانمین او اسلم اھلہا برضاھم واقروا علیہا ولم یملکہا کافر منذ فتحوھا الی الاٰن، والخراجیۃ مافتحوھا صلحا واقرّ اھلہا علیہا او کانت عشریۃ فملکہا کافر فی وقت۔

(۲) یہ زمین عشری ہے، (۳) یہ زمین خراجی ہے (۴) یہ بھی خراجی ہے، (۵) اگر وہ زمین پہلے سے مسلمانوں ہی کے قبضہ میں تھی تو عشری اور اگر کسی وقت بعد قبضہ اہلِ اسلام کے کسی کافر کی ملک میں آچکی ہے تو خراجی ہے، اور اگر مسلمانوں کے قبضہ میں اس وقت ہے اور پہلے کسی کافر کے قبضہ میں آنا معلوم نہیں تب بھی عشری ہے، (۶) زمین خراجی یا عشری کی پیداوار زائد میں زکوٰۃ نہیں البتہ پیداوار کو فروخت کر کے جو رقم جمع کی جاوے، اگر وہ ضرورت اصلیہ سے فاضل ہو تو بعد حولانِ حول کے اس میں زکوٰۃ ہوگی۔ ۸ ؍ رجب ۱۳۴۱ھ۔

انگریزی حکومت کو مالگذاری دینے سے عُشر ادا نہ ہوگا

سوال (۳) زمینداری میں یہ ہو کہ چالیسواں حصہ غلّہ سے زکوٰۃ دیا جاتا ہے، عشر نہیں دیا جاتا ہے، صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ جب کہ اس زمین کی مالگذاری (جیسا کہ اس زمانہ میں ہے) اگر نہ دی جاوے اُس وقت عشر ہوگا، اس وقت زمین کی ہم گورنمنٹ کو مالگذاری دیتے ہیں، تو اس وقت میں عشر یا چالیسواں حصّہ ساقط ہو جانا چاہئے، کچھ زکوٰۃ نہ آنا چاہئے؟

الجواب: انگریزوں کو مالگذاری دینے سے عشر ادا نہ ہوگا، اگر زمین عشری ہے تو عشر کا ادا کرنا لازم ہے، زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ نہیں بلکہ عُشر ہی واجب ہے، ۸ رجب ۴۱ھ۔

ارضِ حربی میں عُشر و خراج کا واجب نہ ہونا

سوال (۴) ایک شخص کے پاس ہزار بیگہ زمین ہے، اور چھ آنہ بیگہ سرکار میں بھرتا ہے، باقی پھر کچھ کاشت کرتا ہے، کچھ دوسرے لوگوں کو ۵ء بیگہ مال لے کر دیتا ہے، وہ اس میں کھیتی کرتے ہیں، کچھ تہائی چوتھائی حصّہ بٹائی پر دیتا ہے، وہ لوگ کاشت کرتے ہیں، اگر نہر کا پانی دیتے ہیں تو اس کا الگ مال دیتے ہیں، کنویں کا دیتے ہیں تو خود دیتے ہیں، بعض بارش کے پانی سے کھیتی کرتے ہیں، اب سوال یہ ہو کہ جس کی زمین ہے وہ کیا زکوٰۃ نکالے یا نہیں، اور نکالے تو کس قدر نکالے، دسواں یا بیسواں یا چالیسواں، روپیہ سے یا جنس سے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ انگریزی میں جو زمیندار ہیں اُن پر زکوٰۃ فرض نہیں، یہ مسئلہ کیسے ہی اور جو لوگ دوسرے زمیندار کی زمین لے کر کھیتی بیچتے ہیں، بتفصیل مذکور الصدر تو ان پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس قدر اور روپیہ سے یا جنس سے؟

الجواب: قال فی ردّ المحتار تحت قول الدر فی تعریف الرکاز وجده مسلم او ذمیّ فی ارض خراجیّة او عشریة ما نصّه قال فی فتح القدیر قید بالخراجیة والعشریة لیخرج الدار فانه لا شیٔ فیها لکن ورد علیه الارض التی لا وظیفة فیها کالمفازة اذ یقتضی انّه لا شیٔ فی الماخوذ منها ولیس کذلک فالصّواب ان لا یجعل ذلک لقصد الاحتراز واقول یمکن الجواب بانّ المراد بالعشریة والخراجیة ما تکون وظیفتهما العشر والخراج سواء کانت بید احد، ولا فتشمل المفازة وغیرها بدلیل ما قدمناه عن الخانیة من ارض الجبل عشریة فیکون المراد الاحتراز بها عن دار الحرب ویدلّ علیه انّه فی متن درر البحار عبر بمعدن غیر الحرب فعلم انّ المراد معدن ارضنا ولهذا قال القهستانی بعد قوله فی ارض خراج او عشر

الاخصر فی ارضنا سواء کانت جبلاً او سهلاً مواتا او ملکا واحترز به عن داره وارضه وارض الحرب اھ ثم رأیت عین ما قلته فی شرح الشیخ اسمعیل حیث قال ویحتمل ان یکون احترازا عما وجد فی دار الحرب فان ارضها لیست ارض خراج او عشر اھ (ص ۲، ۲۷ ج ۲) وفی العالمگیریة ثم هذه الدار ای دار الاسلام ۱۲) اذا صارت دار الحرب لو افتحها الامام ثم جاء اهلها قبل القسمة اخذوها بغیر شیء وبعد القسمة بالقیمة ولو افتحها الامام عادت الی الحکم الاول الخراجی یصیر خراجیا والعشری یصیر عشریا اھ (ص ۱۴۶ ج ۳) قلت فیه دلالة علی ان ارض الاسلام اذا صارت دار الحرب لا تبقی خراجیة ولا عشریة دل علیه قوله عادت الی الحکم الاول فافهم۔

ان عبارات کا مقتضی یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان کی زمین نہ خراجی ہے نہ عشری، پس نہ زمیندار پر زمین کی پیداوار میں کچھ واجب ہے، نہ کاشتکار پر، وایضاً تؤیدہ ما فی رد المحتار (ص ۳۸۷ ج ۳) تحت قول الدر کما یمنع لو وضع علیه (ای علی الحربی المستامن) الخراج بان الزم به واخذ منه عند حلول وقته لان خراج الارض کخراج الرأس اھ ونصه: ای فی انه اذا التزمه صار ملتزما المقام فی دارنا، بحر، دل علی اختصاص الخراج بدارنا کالجزیة، قال الشامی ناقلاً عن السرخسی ولا یترک ان یخرج الی داره لان خراج الارض لا یجب الا علی من هو من اهل دار الاسلام اھ (ص ۳۸۷ ج ۳) ۱۸ر رمضان ۴۲ھ۔

ہندوستان کی زمینوں پر عشر واجب ہے یا کیا

سوال (۵) اس ملک کی پیداوار پر عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: روایاتِ فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دار الحرب میں عُشر واجب نہیں، لیکن اس ملک کے دار الحرب ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ عُشر دیا جاوے، واللہ اعلم، احقر عبد الکریم عفا اللہ عنہ ۸ر ۲ر ۴۴ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۸ر ربیع الثانی ۴۴ھ۔

وجوبِ عشر و خراج کی ایک صورت کا حکم

سوال (۶) بندہ کے یہاں ۲۰ر شعبان کو دس بیس من روئی پک کر آئی اور نصف سے زائد ابھی کھیت میں کچی ہے، وہ ۲۰ر رمضان تک تمام آجائے گی، تو ۲۸ر شعبان کو اگر زکوٰۃ کا حساب لگائے تو اس رُوئی پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، یا

اس کی قیمت کا اندازہ کرکے دینا واجب ہے یا نہیں، اور اگر زکوٰۃ واجب ہوگی تو جس قدر مکان میں آگئی اسی قدر پر واجب ہوگی یا جو بچی ہے اس پر بھی دینا ہوگا؟

الجواب، یہ روئی تجارتی ہے، یا تجارتی نہیں، اگر اپنی زمین کی پیداوار ہے تو اس پر حولانِ حول واجب نہیں، بلکہ جب پیداوار حاصل ہوجائے اُسی وقت عُشر یا خراج واجب ہے، اگر زمین عشری ہے یا خراجی، اور اگر تجارتی ہے تو سوال واضح لکھا جائے، ۲۰ر رمضان ۴۶ھ۔

حکومت کے لگان سے عُشر ادا نہیں ہوتا

سوال (۷) ہمارے علاقہ کی زمین صرف بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہے کوئی نہر وغیرہ نہیں، لہٰذا گورنمنٹ کی طرف سے آبیانہ وغیرہ کچھ نہیں لگتا صرف مطالبۂ مال یعنی زرِ لگان بحساب مقررہ گورنمنٹ ہر ششماہی لگ جاتا ہے، کیا یہ زرِ لگان عُشر میں سے منہا کرلیا جاسکتا ہے، یا عشر پورا الگ دیا جائے اور گورنمنٹ کو مطالبہ الگ؟

الجواب، گورنمنٹ کے زرِ لگان سے عُشر نہیں ادا ہوسکتا، ۱۰ر ذیقعدہ ۴۸ھ۔

کچی فصل کی کٹائی میں عُشر ہے یا نہیں

سوال (۸) ہمارے یہاں بہت فصل کچی کاٹ لی جاتی ہے، مثلاً جوار، نخود وغیرہ اور دانہ اُن سے نہیں حاصل ہوتا، ایسی سبز کاٹی ہوئی فصل پر عشر ہے یا نہیں؟

الجواب، امام صاحبؒ کے نزدیک اس پر بھی عُشر ہے، جتنا کاٹا جائے اس کا دسواں حصہ نکال دیا جائے، ۱۰ر ذیقعدہ ۴۸ھ۔

باب صدقۃ الفطر

صدقۂ فطر کی ادائیگی میں دوسرے شہر کے بھاؤ کا اعتبار نہیں

سوال (۱) جہاں گیہوں نہ ملے اور آٹا نہایت گراں قیمت ہو تو اگر دوسرا کسی اور شہر کے گیہوں کے بھاؤ سے صدقہ فطر ادا کرے تو جائز ہوگا یا نہ؟

الجواب، دوسرے شہر کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا، اگر گیہوں نہ ملے تو ایک صاع جَو کی قیمت ادا کردے، اور اگر کچھ نہ ملے تو تجار سے پوچھے کہ اگر یہاں گیہوں اس وقت ہوتا تو اس کا کیا بھاؤ ہوتا، اس کے حساب سے قیمت ادا کرے، واللہ اعلم، ۲۲ر رمضان ۴۰ھ۔

صدقۂ فطر غیر منصوص چیزوں میں قیمت کا اعتبار ہے مقدار کا نہیں

سوال (۲) چاول فطرہ میں گیہوں جو کی قیمت کے حساب سے دیا جائے گا یا ہر ایک کی مقدار مشروع کے حساب سے دیا جائے

چاول کا اصل کہیں ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب: فطرہ میں چاول دینا جائز ہے، مگر وزن اس کا مقرر نہیں، بلکہ نصف صاع گندم کی جو قیمت ہو اتنی قیمت کے چاول دیوے یا قیمت ہی دیدے، کما فی الدر المختار ص ۱۲۲ ج ۲ ومالم ینص علیہ کذرۃ وخبز یعتبر فیہ القیمۃ فقط۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۰ ارشوال ۴۳ھ الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۰ ارشوال ۴۳ھ

چاول اور دھان سے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم

سوال (۳) ہمارے ملک بنگالہ میں گیہوں نہیں ہے، دھان ہے، اور چاول ہے، اگر کسی نے روزہ کا فطرہ چاول سے یا دھان سے ادا کرنا چاہا تو ادا کرسکتا ہے یا نہیں، اور اگر ادا کرسکتا ہے تو کس طور پر حساب لگانا پڑے گا، گیہوں چار آنہ سیر اور چاول پونے تین آنہ سیر اور دھان دو آنہ سیر ہے، امید قوی ہے کہ ابد الآباد کے لئے ایک خلاصہ حکم فرماکر اطمینان فرمادیں؟

الجواب: نصف صاع گندم وغیرہ یا ایک صاع جو وغیرہ کی جو قیمت ہو اس قیمت کے جتنے چاول یا دھان آتے ہوں اتنے دیئے جادیں، فی الدر المختار مع الشامی ج ۲ ص ۱۲۲: ومالم ینص علیہ کذرۃ وخبز یعتبر فیہ القیمۃ اھ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۱ رشوال ۴۳ھ۔

صدقۂ فطر میں موضع مال کی قیمت کا اعتبار ہوگا یا صدقہ ادا کرنے کی جگہ کا

سوال (۴) ایک آدمی تھانہ بھون میں رہتا ہے، اور یہاں کے گیہوں سیر چھ آنہ کرکے خرید کرتا ہے، اور شہر مرادآباد میں تاجر لوگ گیہوں چار آنہ کرکے خرید کرتا ہے، اس تقدیر پر جو آدمی تھانہ بھون کا رہنے والا ہے وہ اگر مرادآباد کے بھاؤ سے فطرہ ادا کرے تو ادا ہوگا یا نہیں، یا تھانہ بھون کے بھاؤ سے دینا ہوگا؟

الجواب: قیمت صدقۂ فطر میں قیاس علی الزکوٰۃ کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ موضع مال کی قیمت کا اعتبار ہو قال فی الدر ویقوم فی البلد الذی فیہ المال ولو فی مفازۃ ففی اقرب المواضع الیہ اھ (ص ۳۵ ج ۲) وفیہ ایضا صدقۃ الفطر کالزکوٰۃ فی المصارف وفی کل حال الا فی جواز الدفع الی الذمی وعدم سقوطہا بہلاک المال وقد مر اھ (ص ۱۲۷ ج ۲) اور اس فرق پر نظر کی جائے کہ زکوٰۃ کا سبب وجوب مال ہے، اس لئے موضع مال معتبر ہوا) اور صدقۂ فطر کا سبب وجوب راس ہے تو اس کا مقتضا یہ ہے کہ صدقۂ فطر

میں اُس جگہ کی قیمت کا اعتبار کیا جاوے جہاں متصدق وقت ادائے صدقہ فطر کے موجود ہے، والثانی راجح عندی نظراً الی العلۃ ولم ارہ صریحا فلیراجع، واللہ اعلم، ۲۴ رجب ۴۵ھ۔

ایک شخص ایک مسکین کو صدقہ فطر دے یا کئی مسکینوں کو دینا بھی جائز ہے

سوال (۵) فتاویٰ امدادیہ میں ہے: وجاز دفع کل شخص فطرتہ الی مسکین علی المذھب کما جاز دفع صدقۃ جماعۃ الی مسکین واحد بلا خلاف، اور عالمگیریہ جلد اوّل کتاب الزکوٰۃ میں ہے کہ ویجب دفع صدقۃ فطر کل شخص الی مسکین واحد حتی لو فرقہ علی مسکینین او اکثر لم یجز ویجوز دفع ما یجب علی الجماعۃ الی مسکین واحد کذا فی التبیین ص ۱۲۴ ج ۱، پس ان دونوں قول میں کس کا قول مرجح ہے، اور کس پر عمل کرے، ادلۂ شرعیہ سے ارشاد فرماویں؟

الجواب: قال فی الدر وجاز دفع کل شخص فطرتہ الی مسکین او مساکین علی ما علیہ الاکثر وبہ جزم فی الولوالجیۃ والخانیۃ والبدائع والمحیط وتبعھم الزیلعی فی الظہار من غیر ذکر خلاف وصححہ فی البرھان فکان ھو المذھب کتفریق الزکوٰۃ والامر فی حدیث اغنوھم للندب فیفید الاولویۃ کما دفع صدقۃ جماعۃ الی مسکین واحد بلا خلاف یعتد بہ اھ ص ۱۵۱ ج ۲۔

اس سے معلوم ہوا کہ فتاویٰ امدادیہ میں جو لکھا ہے وہی صحیح ہے، اور عالمگیریہ میں جو ایک شخص کا صدقۂ فطر ایک ہی مسکین کو دینا واجب اور تفریق کو غیر جائز لکھا ہے وہ قولِ ضعیف پر مبنی ہے، ہاں عمل میں اَولیٰ وہی ہے جو عالمگیریہ میں ہے، گو اس کے خلاف بھی جائز ہے، واللہ اعلم۔

۲۲ رجمادی الثانیہ ۴۶ھ۔

جس جگہ گندم اور دوسری منصوص اشیاء موجود نہ ہوں وہاں صدقۂ فطر ادا کرنیکا طریقہ

سوال (۶) دریں دیار بر ہما زراعت گندم نیست، اگر بعوض گندم قیمتش دادہ شود، پس قیمتِ گندم وغیرہ منصوص علیہ کدام جا کردہ صدقۂ فطر دادہ شود، از روئے مہربانی رفع اشتباہ فرمایند؟

الجواب: والمعتبر فی الزکوٰۃ مکان المال وفی الوصیۃ مکان الموصی وفی الفطرۃ مکان المؤدی عند محمد وھو الاصح "در" بل صرح فی النہایۃ والعنایۃ بانہ ظاہر الروایۃ وھو المذھب کما فی البحر، شامی (ص ۱۱۲ ج ۲) وفی الدر ایضا ولو فی مفازۃ ففی اقرب الامصار الیہ، فتح (ص ۳۵ ج ۲)۔

جس شہر میں گندم نہ ہو اگر وہاں جَو (شعیر) موجود ہو یا اور کوئی منصوص تو صدقۂ فطر ایک صاع جو کی یا دوسرے منصوص کی قیمت سے ادا کیا جائے، اگر گندم اور جَو وغیرہ منصوص نہ ہوں تو اس شہر سے قریب تر شہر جو ایسا ہو جس میں گندم وجو موجود ہوں تو اس قریب تر شہر میں نصف صاع گندم یا ایک صاع جو کی قیمت جو کچھ ہو اس سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۷ ذیقعدہ ۴۷ھ

وزنِ صاع کی تحقیق

سوال (۷) صدقہ فطر جو کہ ہر شخص کے ذمہ نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو وغیرہ واجب بتلایا جاتا ہے، مگر یہ یقینی نہیں بتلایا جاتا کہ نصف صاع یا ایک صاع انگریزی تول کے حساب سے جو کہ اسّی تولہ کا ہوتا ہے، کیا ہونا چاہئے؟ بعض کہتے ہیں کہ احناف کے نزدیک ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے، مگر یہ معلوم نہیں کہ رطل کتنے وزن کا ہوتا ہے، اور کیا قیمت رکھتا ہے؟ بعض کا قول ہے کہ صاع انگریزی تول کے حساب سے ساڑھے تین سیر یا تین سیر دس چھٹانک کا ہوتا ہے، اور نصف صاع ایک سیر تیرہ چھٹانک یا ساڑھے بارہ چھٹانک یا ساڑھے نو چھٹانک یا دو سیر پختہ بتاتے ہیں، اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ صاع اور نصف صاع کو حساب کی شکل میں لا کر بالتفصیل تحریر فرمایا جاوے تاکہ یقینی طور پر صاع اور نصف صاع کی بابت معلوم ہو جاوے کہ وہ اسّی تولہ کے حساب سے کتنے کا ہوتا ہے، بیّنوا؟

الجواب: درمختار میں صاع کا وزن ایک ہزار چالیس درہم لکھا ہے، اور درہم کے بارے میں اختلاف ہے، لیکن شرح وقایہ میں دس درہم کو سات مثقال کے برابر لکھا ہے اور مثقال کا صحیح وزن بقول غیاث اللغات ۴.۵ ماشہ ہے، پس درہم ۳ ماشہ $\frac{1}{5}$ ۱ رتی کا ہوا، (مظاہر حق میں بھی درہم کا یہی وزن لیا ہے) اور صاع دو سو تہتر تولہ کا ہوا، جیسا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے اپنی بیاض میں درج کر دیا ہے، اب اُن کے سیر ہر شخص اپنے علاقہ کے مطابق کر سکتا ہے، اسّی کے حساب سے نصف صاع پونے دو سیر کا ہوتا ہے، اور ہمارے علمائے کرام کا یہی قول ہے، مگر احتیاطاً پورے دو سیر ادا کرنے کے لئے فرمادیا کرتے ہیں، اسّی پر عمل کرنا چاہئے، اور دوسرے اقوال جو صاع کے متعلق ہیں ان کی بنا، درہم کے وزن

ف خاصکر اس وجہ سے کہ مذکور وزن ماش یا مسور کا ہے یعنی جس برتن میں دو سو تہتر ۲۷۳ تولہ مسور سماتی ہو اس میں گیہوں بھر کر دینا چاہئے اور ظاہر ہے کہ گیہوں کا وزن اور ماش و مسور کا وزن متفاوت ہے، ف

ف و نیز گیہوں خود ہلکی و بھاری ہوتی ہے، پس احتیاط دو سیر میں ہے تاکہ یقیناً صدقۂ فطر ادا ہو جاوے ۱۲ منہ

میں اور خود صاع کے وزن میں (کہ وہ کتنے درہم کا ہے) اختلاف ہوتا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

فائدۂ عظیمہ: حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے پاس ایک مُد تھا جس کی سند حضرت زید بن ثابتؓ تک مسلسل ہی کہ حضرت زیدؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُد سے ناپ کر وہ مُد بنایا تھا، اُس مُد کو حضرت مولانا تھانوی مدظلہم العالی نے دو مرتبہ بھر کر وزن کیا تو اسّی کے سیر سے پونے دو سیر ہوا تھا، جو حساب مذکورہ بالا کے مطابق ہے، والحمد للہ علیٰ ذلک حمداً کثیراً کثیراً۔

نوٹ: نصف صاع ۶ ماشہ ۱۳۶ تولہ کا ہوا، اور چونکہ روپیہ ۱۱ ماشہ کا ہوتا ہی، اس واسطے ۲ رتی ۸ ماشہ تولہ کا اضافہ کر کے روپیوں کے حساب سے نصف صاع ۲ رتی ۲ ماشہ ۱۴۲ روپیہ بھر ہوتا ہے، کتبہ الاحقر عبد الکریم، ۱۳ر جمادی الاولیٰ ۴۸ھ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۱۳ر جمادی الاولیٰ ۴۸ھ۔

فطرہ اور چرم قربانی کی قیمت میں تملیک شرط ہے

سوال (۸) میرے محلہ والے لوگ اکثر قرضدار ہیں اور بعضے توانگر نہیں ہیں، اس لئے چاہتا ہوں کہ اپنے محلّہ کی قربانیوں کے چمڑے اور روزوں کے فطرے ایک جگہ جمع کر کے ایک تحویل بنا کے اس کے روپے سے محلہ والوں کو نفع پہونچاؤں، خواہ نسیئۃً بیع کے طریقہ پر خواہ قرض حسنہ کی روش پر تاکہ محلہ والے لوگ سودی قرض سے بچیں، شرعاً یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ صورت جائز نہیں ہی، کیونکہ چرم قربانی کی قیمت اور صدقۂ فطر کا بطور تملیک دینا ضروری ہے، اور صورت مذکورہ فی السوال میں تملیک مفقود ہے، کما لایخفی، واللہ اعلم، احقر عبد الکریم عفا عنہ، ۱۵ر رمضان ۴۸ھ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔

تحقیق مقدار صدقۂ فطر

سوال (۹) مقدار صدقۂ فطر بحساب بنگالہ کہ از دوازدہ ماشہ تولہ واز پنج تولہ چھٹانک واز شانزدہ چھٹانک یا ہشتاد تولہ سیر باشد چیست؟

الجواب: تقدیرش موقوف بر تحقیق صاع است، لما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ادّوا صدقا تکم الخ ودراں اختلاف کثیر است، لیکن بقول فقہائے محققین وزن صاع ۱۰۴۰ درم است، (ہکذا فی الدر المختار وغیرہ)، وده درم ازاں ہا وزن ہفت مثقال (ہکذا فی الدر وشرح الوقایہ وغیرہما) ومثقال بقول صحیح چہار ونیم ماشہ (ہکذا فی الغیاث)

پس از ۵۴۰ ادرم مبلغ ۳۲۷۶ ماشہ وبحساب مسئول از یک صاع ۲۷۳ تولہ باشد، (چنانچہ در بیاض یعقوبی ومظاہر حق ہمیں حساب موجود است) وصدقۂ فطر نصف صاع از گندم یک سیر ویازدہ چھٹانک یک تولہ شش ماشہ گردید (بوقتیکہ تولہ بوزن بارہ ماشہ گرفتہ شود) (چنانچہ در بیاض یعقوبی ومظاہر حق ہمیں حساب موجود است) لیکن علمائے کرام یک سیر دوازدہ چھٹانک بلکہ برائے مزید احتیاط دو سیر ہم فرمودہ اند، واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم، احقر عبد الکریم عفی عنہ، ۲۵ر شوال المکرم ۴۸ھ، الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ۔

غیر منصوص اشیاء سے صدقہ فطر ادا کرنے میں قیمت کا اعتبار ہے مقدار کا نہیں

سوال (۱۰) آفتابِ دولت سراج ملّت جناب حکیم الامت دام ظلہ۔ السلام علیکم، بعد تمنائے قدمبوسی عرض خدمتِ اقدس یہ ہے کہ فدوی کو بوجہ کم علمی ذیل کے مسئلوں میں نہایت شک پیدا ہوا، لہٰذا امید واثق ہے کہ جواب بالمراد عطا فرما کر فلاح دارین بخشیں گے۔

(۱) صدقۂ فطر گیہوں اور جو وغیرہ وغیرہ کے علاوہ چاول جو ہمارے ملک میں خاص غلہ ہے سال بسال انگریزی تول سے ڈھائی سیر بمقابل نصف صاع دینے سے ادا ہوگا یا نہ، یا ہندوستان سے گیہوں کا بھاؤ سال بسال دریافت کرکے اس کی قیمت کے مقابل جتنے سیر چاول آئے دینا ہوگا، یہاں کے بعض عالم یہ بتلاتے ہیں کہ جس ملک میں جس غلہ کا زیادہ تر رواج ہے، اور اسی سے اوقات بسری ہوتی ہے، مذکورہ بالا مقدار پر دینے سے ادا ہوگا، اگر ہو یہ ہمارے مذہب میں ہے یا نہ، مگر یہاں کی اصلی خوراک صرف چاول ہے۔

الجواب: قال فی الدر: وفی الفطرۃ مکان المؤدی عند محمد وھو الاصح اھ وفیہ ایضا وما لم ینص علیہ کذرۃ وخبز یعتبر فیہ القیمۃ اھ (ص ۱۲۲ ج ۲) جس ملک میں چاول کا رواج زیادہ ہو وہاں چاول کا نصف صاع ادا کرنے سے صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا، بلکہ نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا ایک صاع چھوارہ کی قیمت ادا کرنے سے صدقۂ فطر ادا ہوگا، اور گیہوں کی ہندوستانی قیمت سال بہ سال معلوم کرنا معتبر نہیں، بلکہ بنگال ہی میں نصف صاع گیہوں کی جو قیمت ہو اس کا لحاظ لازم ہوگا پس یا تو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا ایک صاع چھوارہ ادا کیا جائے، یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت نقد یا اس قیمت کے برابر چاول ادا کئے جائیں۔

سوال (۲)، کتاب صدقۂ فطر میں جو ایک صاع مذکور ہے چاول اس کے مقابل

میں دو چند دینے سے انگریزی تول سے اس کی مقدار کتنی ہوگی ؟

الجواب ؛ اس سوال کی حاجت کیا ہے ، نصف صاع کا وزن پونے دو سیر ہے ، اشی کے سیر سے اس کا دوچند خود معلوم کر لیا جائے ، لیکن اگر ایک صاع چاول بھی نصف صاع گیہوں کی یا ایک صاع جَو وچھوارہ کی قیمت کو نہ پہونچے تو صدقہ فطر ادا نہ ہوگا ، ۷ ، ذیقعدہ ۴۸ھ

صدقہ فطر وصول کرنے کی غرض سے کمیٹیاں قائم کرنا

سوال (۱۱) بعض لوگ کوشش کر رہے ہیں کہ جابجا کمیٹیاں قائم کر کے لوگوں سے صدقۃ الفطر وصول کریں ، اور اس کی تقسیم کا انتظام کمیٹیاں کریں ، آیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں ، ؟

الجواب ؛ آجکل کمیٹیوں کی جو حالت ہے اس سے یہ امید نہیں کہ صدقۃ الفطر کو صحیح طور پر مصارف میں صرف کیا جائے گا ، نیز یہ بھی اندیشہ ہے کہ کمیٹی والے مسلمانوں سے صدقۃ الفطر جبراً وصول کریں گے ، حالانکہ اس میں جبر کا کسی کو حق نہیں ، اس لئے یہ صورت درست نہیں ، ہر شخص جہاں چاہے اور جسکو چاہے اپنا صدقہ دے ، یہی بہتر ہے ، واللہ اعلم بالصواب

ظفر احمد عفا عنہ ۲۴ ر ج ۲ سنہ ۵۸ھ ، الجواب عین الصواب ، اشرف علی عفی عنہ ۲۹ ر ج ۲ سنہ ۵۸ھ

باب المصارف

سَو بیگھہ زمین کے مالک کو عیال دار ہونے کی صورت میں زکوٰۃ لینے کا حکم

سوال (۱) زید غریب ہے مسکین ہے ، مگر اس کی دختر مرحومہ کا زرِ مہر مثلاً ہزار دو ہزار روپے زید کے داماد کے ذمّہ واجب ہے ، جو کہ نالش کرنے پر ممکن ہے وصول ہو جائیں اور ممکن ہے وصول نہ ہو سکیں مگر زید کا عزم نالش کر کے وصول کرنے کا ہے معاف کرنے کا نہیں ہے ۔

اور ایسے ہی بکر مفلس خستہ حال عیال دار ہے مگر اس کے نام ایک موضع ویران شدہ میں آراضی زرعی ہزار بیگہ ہے ، جو کہ موضع ویران ہو جانے سے محض بیکار پڑی ہے ، کچھ آمد نہیں ، البتہ فروخت کرے تو کئی ہزار مل سکتے ہیں ، تو ایسے دونوں شخصوں کو زکوٰۃ کا مال شرعاً جائز ہے یا نہیں ، جواب باصواب معہ دستخط مرحمت فرما دیں ؟

الجواب ؛ صورتِ مسئولہ میں ان دونوں شخصوں کو زکوٰۃ لینا جائز ہے ، مگر جس کے پاس افتادہ زمین ہے اس کو لازم ہے کہ اس کو فروخت کرنے کی کوشش کرے ، اور جب تک خریدار نہ پیدا ہو زکوٰۃ کا مال لے سکتا ہے ، قال فی الدر منہ مالو کان مالہ مؤجلاً او

على غائب او معسر او جاحد ولو له بينة في الاصح اھ قال الشامي وفي الفتح دفع الى فقيرة لها دين مهر على زوجها يبلغ نصابا وهو موسر بحيث لو طلبت اعطاها لا يجوز وان كان لا يعطي لو طلبت جاز اھ ص ۹۹ ج ۲ ذكر في الفتاوى في من له حوانيت ودور للغلة لكن غلتها لا تكفيه ولعياله انه فقير ويحل له اخذ الصدقة عند محمد وعند ابي يوسف لا يحل اھ ص ۱۰۳ ج ۲ شامي و لو كان له ضيعة تساوي ثلثة الاف ولا تخرج ما يكفي له ولعياله اختلفوا فيه قال محمد بن مقاتل يجوز له اخذ الزكوة عالمگیریہ ص ۱۲۲ ج ۱، ۲۲ ر ۱ سنہ ۴۰ھ -

تراویح سنانے والے کو اجرت میں رقم دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

سوال (۲) میرے ملکوں میں بعض حافظ بعض مسجدوں میں باجرت تراویح میں قرآن سناتے ہیں، اور بعض کو بعد ختم کے للّٰہ وغیرہ کہہ کر دیتے ہیں، ایسے مُلک میں جو حافظ اجرت وشبہ اجرت کو ناجائز بتلاتے ہیں اگر اس کو مصلیوں نے صدقۂ فطر و زکوٰۃ کہہ کر کچھ روپیہ پیسہ دیں، لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جو حافظ اجرت پر قرآن سُناتے ہیں اُن کو زکوٰۃ و فطرہ دینے سے واجب ذمہ سے ساقط نہ ہوگا، کیونکہ مالِ زکوٰۃ و فطرہ کا تصدّق و تملیک مجاناً ضروری ہے، اور یہاں اجرت میں دیا گیا، البتہ جو حفاظ باجرت نہیں سُناتے، بلکہ اجرت وشبہ اجرت کو ناجائز سمجھتے ہیں اگر وہ فقیر ہوں صاحبِ نصاب نہ ہوں ان کو زکوٰۃ و فطرہ کا روپیہ دینا جائز ہے، مگر یہ تصریح کر دینی چاہیئے کہ یہ تم کو اجرت میں نہیں دیا گیا نہ تمہارا کچھ حق تھا، محض غریب سمجھ کر دیا گیا ہے، نیز جب ان حفاظ کے پاس قدر نصاب رقم جمع ہو جاوے اس کے بعد ان کو زکوٰۃ و فطرہ نہ دیا جاوے، ورنہ واجب ادا نہ ہوگا، الا ان یکون مدیونا بقدر ما یحیط بمالہ فیصح فافہم، ۳ رشعبان سنہ ھ -

بیوی، شوہر، باپ، بیٹے کو صدقہ ونذر دینا جائز نہیں

سوال (۳) معروض اینکہ حضور فیض گنجور دریں دیار در مسئلۂ مذکور اختلاف افتاد، ولہذا بخدمتِ حضور عرض کنم تا کہ از ہمگنان تنازع برخیزد وحق ظہور شود اقتداء ہمگناں بر رائے حضور ند، جناب از روئے مہربانی مسئلہ مرقومۃ الذیل را بیان فرمودہ فیصلہ کنند کہ اگر زوج محتاج باشد زوجہ صدقہ نذر زوج خود را دادن جائز است یا نہ، یا بالعکس، اگر پدر محتاج باشد پسر پدر خود را صدقہ، نذر دادن جائز است یا نہ یا بالعکس مسئلہ نذر فتاوی عزیزی از مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلویؒ جلد دوم صفحہ ۱۰۶

مرقوم است ومجموعہ فتاویٰ جلد دوم ص ۲۹۹ وجلد سوم ص ۳ ۱۲ از مولانا عبد الحیٔ صاحب مرقوم است وبہشتی زیور حصہ سوم ص ۶۳ مرقوم است لیکن ہمگناں راازیں کتب مسئلہ مذکور بتصریح در فہم نمی آید لاجرم بخدمت حضور عرض نمایم، زیادہ والسلام۔

الجواب: فی العالمگیریۃ (ص ۱۲۱ ج ۱) ولا یدفع الی اصلہ وان علا وفرعہ وان سفل کذا فی الکافی ولا یدفع الی امرأتہ للاشتراک فی المنافع عادۃ ولا تدفع المرأۃ الی زوجہا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کذا فی الھدایۃ وھکذا فی الدر وقال الشامی تحت قول الدر مصرف الزکوٰۃ الخ وھو مصرف لصدقۃ الفطر والکفارۃ والنذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبۃ کما فی القہستانی، پس زوج وزوجہ وپدر وپسر را صدقہ نذر دادن جائز نیست، فقط

کتبہ عبد الکریم عفی عنہ ۸ جمادی الاول ۴۳ھ — الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔

زکوٰۃ کے روپیہ سے ضیافت کر کے فقیروں کو کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

سوال (۴) زکوٰۃ کے روپے سے اگر ضیافت کر کے فقیروں کو کھلا دیوے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: فقیروں کو کھانا کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، البتہ اگر ان کو کھانا بطور مِلک دیدیا جاوے تو ادا[۱] ہو جاوے گی، کما فی الشامی (ص ۳ ج ۲) فلو اطعم یتیماً ناویاً للزکوٰۃ لایجزیہ الا اذا دفع الیہ المطعوم الخ کتبہ الاحقر عبد الکریم ۸ جمادی الاولی ۴۳ھ۔

کافر کو زکوٰۃ ودیگر صدقات واجبہ دینے کے متعلق "بہشتی زیور" کے مسئلہ پر شبہ کا جواب

سوال (۵) بہشتی زیور مدلل ومکمل جلد سوم صفحہ ۴۴ مسئلہ نمبر ۸ میں بحوالہ درمختار ص۶۷ ج۲ مرقوم ہے کہ زکوٰۃ کا پیسہ کسی کافر کو دینا درست نہیں، مسلمان ہی کو دیوے، اور زکوٰۃ اور عشر اور صدقۂ فطر اور نذر اور کفارہ کے سوا اور خیر خیرات کا کافر کو بھی دینا درست ہے، درمختار میں دیکھا گیا تو یہ عبارت ملتی ہے۔

وجاز دفع غیرھا وغیر العشر والخراج الیہ ای الذمی ولو واجباً کنذر وکفارۃ وفطرۃ خلافاً للثانی وبقولہ یفتی حاوی القدسی، اور شامی میں خلافاً للثانی کے تحت مرقوم ہے: حیث قال ان دفع سائر الصدقات الواجبۃ الیہ

[۱] بقدر اس کھانے کے قیمت کے خواہ اس کی تیاری میں لاگت کم لگی ہو یا زیادہ ۱۲ از حضرت مولانا مدظلہم العالی۔

لایجوز اعتبارا بالزکوٰۃ وصرح فی الھدایۃ وغیرھا بان ھذا روایۃ عن الثانی و ظاھرہ ان قولہ المشھور کقولھما اور بقولہ یفتی کے تحت میں ہے الذی فی حاشیۃ الرملی عن الحاوی وبقولہ ناخذ قلت ولکن کلام الھدایۃ وغیرھا یفید ترجیح قولھما وعلیہ المتون، ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ سے صرف ایک روایت ہے، کہ نذر و کفارہ و دیگر صدقات واجبہ کافر کو دینا جائز نہیں ہے، مگر طرفین کے نزدیک اور خود امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جیسا کہ وہو روایۃ عنہ سے ظاہر ہے، زکوٰۃ کے علاوہ باقی تمام صدقات واجبہ اور نافلہ کا دینا جائز ہے۔

اور بہشتی زیور کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ وصدقات واجبہ کے سوا کا دینا جائز ہے، اور صدقات واجبہ نہیں دے سکتا، اب شبہ یہ ہو رہا ہے کہ متون اور طرفین رحمہما اللہ کے خلاف بہشتی زیور میں کیوں درج ہوا، کیا کوئی دوسری دلیل ان سب دلائل پر فوقیت رکھنے والی موجود ہے، اگر موجود تھی تو کیوں نہیں درج فرمائی گئی، اور اگر نہیں موجود ہے تو یہ دلائل کیوں نظر انداز کر دیئے گئے، امید کہ شافی جواب سے تشفی بخشی جاوے؟

الجواب: چونکہ امام ابو یوسفؒ کی وہ روایت مفتیٰ بہ ہے جس میں نذر و کفارہ کو زکوٰۃ کے حکم میں داخل کیا ہے، (چنانچہ سوال میں بقولہ یفتی وبقولہ ناخذ خود نقل کیا ہے) پس اس بناء پر بہشتی زیور میں نذر و کفارہ کو زکوٰۃ کے ساتھ درج کیا ہے، باقی رہی یہ بات کہ متون کے خلاف کیوں لکھا، اس کا جواب یہ ہے کہ متون کے خلاف اگر فتویٰ کی تصریح موجود ہو تو فتوے پر عمل کیا جاوے گا، کما فی الشامی (ص ۴۷، ج ۱) اما لو ذکرت مسئلۃ فی المتون ولم یصرحوا بتصحیحھا بل صرحوا بتصحیح مقابلھا فقد افاد العلامۃ قاسم ترجیح الثانی لانہ تصحیح صریح ومافی المتون تصحیح التزامی والتصحیح الصریح مقدم علی التصحیح الالتزامی، اور ہم کو فقہاء کی تصریح کے بعد وجہ تلاش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، لیکن ان کی تصریح بالفتوی کے بعد اس کے کہنے کی جرأت ہو سکتی ہے، کہ امام ابو یوسفؒ کی روایت میں احتیاط ہی، اس لئے وہی مفتیٰ بہ ہے، کافر کو نذر وغیرہ دے کر ادا ہونا محتمل ہے، کما ہو الظاہر، بلکہ ہندوستان میں تو طرفینؒ کے قول کو لے کر بھی نذر وغیرہ صدقات واجبہ نہ دینا چاہیئے، کیونکہ طرفین کے نزدیک بھی ہر کافر کو دینا جائز نہیں، بلکہ ذمی کی قید ہے، جیسا کہ سوال کی عبارت میں موجود ہے، (نیز در مختار ہی میں عبارت مذکورہ فی السوال کے بعد ہے: واما

واما الحربی ولو مستامنا فجمیع الصدقات لا تجوز له اتفاقا بحر عن الغایہ (شامی ص ۱۰۸ ج ۲) اور ہندوستان کے کفار کا ذمی ہونا مختلف فیہ ہے، ہٰذا ما سنح لی واللہ اعلم بالصواب، کتبہ الاحقر عبدالکریم ۶ رمضان المبارک ۴۲ھ۔

زکوٰۃ اپنے لڑکے کو دینے سے ادا نہیں ہوتی

سوال (۶) خالد اپنے مال کی زکوٰۃ خود نکالتا ہے اس زکوٰۃ کا پیسہ سے اپنے لڑکے کے لئے کتابیں خرید دیتا ہے، آیا یہ کوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں، اور یہ لڑکا حقیقی اور شامل حال ہو، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، کیونکہ اولاد و والدین و زوجین زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہیں، واللہ اعلم، ۲۱ شعبان ۴۵ھ۔

جس شخص پر قربانی واجب ہو مگر زکوٰۃ واجب نہ ہو وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں

سوال (۷) بندہ کے اسباب مکان کی رُو سے قربانی تو واجب ہے، اور بوجہ نہ جمع ہونے روپیہ کے زکوٰۃ واجب نہیں، اب میرے پاس جاڑے کا لحاف نہیں ہے، جو کچھ روپیہ حساب کا ہے وہ اگر لحاف میں خرچ کیا جاوے تو ضروری خرچ میں تنگی ہوگی، اب مدرسہ میں جو لحاف بطور زکوٰۃ آئے ہیں بندہ کو لینا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب، جو شخص صاحب نصاب زکوٰۃ نہ ہو مگر صاحب نصاب صدقۃ الفطر و قربانی ہو اس کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں، قال فی الدر فی بیان نصاب صدقۃ الفطر و بہ ای بھذا النصاب تحرم الصدقۃ کما مر وتجب الاضحیۃ اھ (ص ۱۰۷ ج ۲) قال الشامی قولہ تحرم الصدقۃ ای الواجبۃ اما النافلۃ فانما یحرم علیہ سوالہا واذا کان النصاب لمن کو رمستغرقا بحاجتہ فلا تحرم علیہ الصدقۃ ولا یجب بہ ما بعدھا اھ قلت ولٰکن السوال یفید فراغ النصاب عن الحاجۃ لقول السائل انہ ممن تجب علیہ الاضحیۃ وھی لا تجب الا علی الذی عندہ نصاب غیر نام فارغ عن الحاجۃ الاصلیۃ فلا یجوز للسائل ان یاخذ مال الزکوٰۃ، واللہ اعلم، ۱۸ جمادی الاولیٰ ۴۶ھ۔

ایضاً ایضاً ایضاً

سوال (۸) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، گذارش ہے کہ بندہ پر بوجہ اسباب مکان کے اضحیہ اور صدقۃ الفطر تو واجب ہے، لیکن بوجہ نہ ہونے نصاب نامی کے زکوٰۃ واجب نہیں، اور اس وقت مسافری کی حالت میں دفعیہ جاڑے کے واسطے

لحاف کی ضرورت ہی، اور اگر اپنے پاس سے خرچ دے کر تیار کرالیا جاوے تو آئندہ ضروری خرچوں میں تنگی کا احتمال ہے، پس اس صورت میں مدرسہ میں جو لحاف بمد زکوٰۃ آئے ہیں، بندہ کو لینا جائز ہوگا، والسلام،

الجواب: ہاں اس صورت میں بوجہ ابن السبیل ہونے کے آپ کو زکوٰۃ کی چیز لینا جائز ہے، لیکن سوال کرنا جائز نہیں، بدون سوال کے مل جائے تو جائز ہے، اور اگر مالِ زکوٰۃ تقسیم کرنے والا یہ کہہ کہ جسکو حاجت ہو وہ درخواست پیش کرے خواہ آپ سے کہے یا عام طور پر خانقاہ والوں سے کیا جائے تو اس صورت میں حاجت کی اطلاع کرنا سوال میں داخل نہیں، پس اطلاع کر دینا جائز ہے، واللہ اعلم، ۱۸ر جمادی الاولیٰ ۴۶ھ۔

الاحتیاط اللازم فی التصدق علیٰ بنی ہاشم (نام دیگر) والقول الخاتم فی حرمۃ الزکوٰۃ علےٰ بنی ہاشم

السوال (۹) ما قولکم دام ظلکم فی رجل اعطی زکوٰۃ مالہ سنین عدیدۃ لبنی ہاشم عارفاً ایاھم وھو یظن انھم من مصارف الزکوٰۃ فھل یجب علیہ ان یعید ما دفعہ الیھم بعد ما علم انہ لا یجوز لھم دفع الزکوٰۃ ام کیف الامر وھل ترون دفع الزکوٰۃ الی بنی ہاشم فی زماننا ھذا بناء علی روایۃ ابی عصمۃ رحمہ اللہ؟ فانہ لا تخفی علی سیادتکم الحالۃ البائسۃ اللتی نزلت بالمسلمین عامۃ و ببنی ہاشم خاصۃ بالدیار الھندیۃ والناس لا یکادون ان یتوجھوا الیھم بما یسد فاقتھم بید ان البعض ممن یخاف اللہ سبحانہ تکاد نفسہ ان تسمح بدفع بعض الصدقات الواجبۃ ھذا وللہ الفضل والمنۃ ولرسولہ ثم لکم۔

الجواب عن مسئلۃ الصدقۃ علیٰ بنی ہاشم

اقول لا یخفی علی فضیلتکم ان مذھب ائمتنا الثلثۃ تحریم الصدقۃ علی بنی ہاشم مطلقاً فریضتھا ونافلتھا الا ما کانت بطریق الھدیۃ والھبۃ کما ذکرہ الطحاوی رح فی شرح الآثار وقواہ بالدلائل النقلیۃ والنظریۃ ثم قال فلما حرم علی بنی ہاشم اخذ الصدقات المفروضات حرم علیھم اخذ الصدقات غیر المفروضات ھذا ھو النظر فی ھذا الباب وھو قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمھم اللہ (ص ۳۰۱ ج ۱) قال المحقق ابن الھمام فی الفتح

وهو رای تحریم الصدقة علیهم مطلقاً ۱۲ منہ) الموافق للعمومات فوجب اعتباره فلا یدفع الیهم النافلة الا علی وجه الهبة مع الادب وخفض الجناح تکرمة لاهل بیت رسول الله صلی الله علیه وسلم (ص ۲۱۲ ج ۲) ولکن المشائخ توسعوا فی ذلک وقالوا لجواز النافلة لهم واجابوا عن العمومات بانها وان کانت عامة لفظاً کقوله صلی الله علیه وسلم انا آل محمد لا ناکل الصدقة وفی روایة انا اهل بیت قد نهینا ان ناکل الصدقة وفی لفظ ان آل محمد لا یحل لهم الصدقة ولکنهم مخصوصة معنی بدلیل ما اخرجه مسلم من روایة عبد المطلب بن ربیعة مرفوعاً ان هذه الصدقات انما هی اوساخ الناس وانها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد الحدیث ففیه ما یشعر بعلة حرمة الصدقة علیهم وهی کونها من اوساخ الناس والمال لیس بنجس وانما یتدنس خلافاً القیاس باسقاط الفرض ضرورة انه صار مطهراً بالنص وهو قوله تعالی خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزکیهم بها لا یقال ان الصدقة النافلة مطهرة ایضاً لانا نقول لا دلیل علی کونها مطهرة بل یجوز ان تکون محسنة مزنیة مجلیة والتحسین والتزیین والجلاء محله بعد التطهیر فلا یلزم منه تدنس ما یحصل به ذلک فیبقی ما وراءه علی ما یقتضیه القیاس من الطهارة الاصلیة فان الثابت خلاف القیاس یقتصر علی مورده والنص وهو قوله من اوساخ الناس ورد فی المکتوبة خاصة کما هو ظاهر حدیث عبد المطلب بن ربیعة فیجوز ما سوی الزکوٰة ونحوها من الواجبات لبنی هاشم وهذه التوسعة التی وسع بها المشائخ علی بنی هاشم هی غایة ما یصار الیه ولا یتصور عندنا الزیادة

ف ویرد علیه ان حرمة الصدقة علی بنی هاشم کحرمتها علی النبی صلی الله علیه وسلم سواء بسواء کما هو ظاهر النصوص ولیس فیها ما یفید الفرق ولا یخفی انها کانت محرمة علی النبی صلی الله علیه وسلم مطلقاً یدل علیه حدیث سلمان انه اتی النبی صلی الله علیه وسلم بصدقته حین قدم المدینة فردها علیه وقال انا لا ناکل الصدقة وکان سلمان عبداً ممن لا یجب علیه الزکوٰة وقد صح انه صلی الله علیه وسلم اذا علم بشیء انه صدقة امسک عنه مطلقاً ولم یسئل انه صدقة من زکوٰة او غیر ذلک فتأمل ۱۲ ظ

علیہ واما ما رواہ ابوعصمۃ عن الامام واشار الیہ الطحاوی ایضاً انہ یجوز دفع سائر الصدقات الیہم فی زمانہ لان عوضہا وھو خمس الخمس لم یصل الیہم الخ کما فی رد المحتار (ص ۱۰۶ ج ۲) فھو ضعیف روایۃ ودرایۃ لایجوز الاخذ بہ اصلا اما ضعفہ روایۃ فلان اباعصمۃ ضعیف رواہ ابن المبارک وغیرہ بالکذب والوضع واما ضعفہ درایۃً فلان مبناہ علی کون خمس الخمس لبنی ہاشم عوضا عن تحریم الصدقۃ علیہم فان کان قالہ الامام بالرائ قلنا ھذا تعلیل بمعارض النص فان حدیث عبدالمطلب بن ربیعہ عند مسلم دال علی ان علۃ التحریم کون الصدقات من اوساخ الناس وان قالہ بالنص فلابد لہ من نص یدل علی کون ذلک عوض عن ھذا ولم یرد نص صحیح بذلک اصلا فیما علمناہ واما اللفظ الذی رواہ صاحب الھدایۃ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یابنی ہاشم ان اللہ تعالیٰ حرم علیکم غسالۃ الناس واوساخہم وعوضکم منہا بخمس الخمس فغریب جداً کما صرح بہ الزیلعیؒ وانما الصحیح ما اخرجہ مسلم بلفظ ان ھذہ الصدقات انما ھی اوساخ الناس وانہا لا تحل لمحمد ولا لآل محمد ولیس فیہ ما زادہ فی الھدایۃ من قولہ وعوضکم منہا بخمس الخمس نعم قد رواہ الطبرانی بطریق حنش عن عکرمۃؓ عن ابن عباسؓ وفی آخرہ فقال لہما صلی اللہ علیہ وسلم انہ لا یحل لکم اھل البیت من الصدقات شیٔ وان لکم فی خمس الخمس مایغنیکم انتہی کما فی نصب الرایۃ (ص ۴۱۸ ج ۱) ولکن لیس فیہ دلالۃ علی کون خمس الخمس لبنی ہاشم عوضاً عن تحریم الصدقات علیہم بل یحتمل ان یکون قولہ ان لکم فی خمس الخمس ما یغنیکم تسلیۃ لہما ومعناہ انہ لاحاجۃ لکم الی الصدقات الآن لان لکم فی خمس الخمس ما یغنیکم ولا یجب عموم التسلیۃ ولا ابقاؤھا علی حالہا دائما بل یجوز ان یسلی واحد بشیٔ وآخر بشیٔ وان یکون التسلیۃ فی زمان بشیٔ وفی زمان آخر بشیٔ آخر وذلک لان التسلیۃ لا تکون علۃ للحکم بل المقصود منہا حض المخاطب علی الامتثال وتقویۃ قلبہ لذلک کما لا یخفی۔

وان سلمنا کونہ دالاً علی معنی التعویض فنقول لفظ الطبرانی ھذا لم یصح سندہ لان حنشا متروک ولا یروی عن عکرمۃؓ مولیٰ ابن عباسؓ احد غیرہ

ممن یلقب بحلش کما لا یخفی علی من مارس الاسانید) واسمہ حسین بن قیس ابو علی الرحبی (تقریب) وروی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ حدثنا وکیع ثنا شریک عن خصیف عن مجاھد قال کان اٰل محمد صلی اللہ علیہ وسلم لا تحل لھم الصدقۃ فجعل لھم خمس الخمس ورواہ الطبری فی تفسیرہ ثنا ابن وکیع بہ (سندًا ومتنًا) کما فی نصب الرایۃ وفیہ تائید للفظ الھدایۃ فانہ مشعر بکون خمس الخمس عوضًا عن تحریم الصدقۃ علیھم ولکنہ موقوف علی مجاھد وفی سندہ خصیف وھو صدوق سئ الحفظ خلط بآخرہ ولقائل ان یقول ان حدیث مثلہ حسن فی الدرجۃ الثانیۃ وھو صالح للاحتجاج بہ والاعتذار عن وقفہ ممکن بان معناہ مما لا یدرک بالرای واذا روی التابعی ما لا یدرک بالرای کان فی حکم المرسل المرفوع وھو حجۃ عند الحنفیۃ، تامل، ویرد علیہ ان الاحتجاج بقول مجاھد یقتضی ان یکون سھم ذوی القربی وھو خمس الخمس باقیًا، ویجب علی الامام ان یصرف خمس الخمس من الغنیمۃ علی بنی ھاشم وھذا انما ھو قول الشافعی دون ابی حنیفۃ فعندنا یقسم الخمس علی ثلثۃ اسھم سھم للیتامیٰ وسھم للمساکین وسھم لابن السبیل یدخل فقراء ذوی القربیٰ فیھم ولا یدفع الی اغنیائھم کما صرح بہ فی الھدایۃ (ص ۵۵۶ ج ۲) ولیس لھم خمس الخمس عندنا متعینًا ولو کان ذلک عوضًا عن تحریم الصدقات علیھم لوجب صرفہ الیھم وذلک یقتضی تخمیس القسمۃ لا تثلیثہ وھذا خلاف المشھور من مذھب ابی حنیفۃ وصاحبیہ کما لا یخفی علی من مارس الفقہ واذا کان کذلک فالقول باباحۃ صرف الصدقات الی بنی ھاشم لعدم وصول خمس الخمس الیھم انما یصح لمن قال بتعین حقھم فی خمس الخمس فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبعد وفاتہ کما قال ابن عباس واخذ بہ الشافعی واما من قال ان خمس الخمس لم یکن لبنی ھاشم لا فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا بعد مماتہ وانما ذکر اللہ ذوی القربی فی الآیۃ مع الیتامی والمساکین، بحال فقرھم وحاجتھم فادخلھم مع الفقراء والمساکین وقدم فقراءھم ومساکینھم علی فقراء غیرھم فلا یخرج لھم سھم من الغنیمۃ علی حدۃ بل سھم الفقراء والمساکین یکفیھم ویقدمون علی غیرھم من الفقراء کما مذھب ابی حنیفۃ رح

واصحابه فلا یجوز له القول باباحة صرف الصدقات الی بنی هاشم الآن
لعدم وصول خمس الخمس الیهم ولا یصح منه القول بذلک ابداً الا انه لا یقول
بحقهم فی خمس الخمس فافهم والله تعالیٰ اعلم هذا ما عندنا ولا یخفی ان الاصل
فی المذهب هو الصحیح روایة درایة ولا یجوز الافتاء بالضعیف مع العلم بضعفه
وبعد ذلک فاللازم علی الرجل المسئول عنه اعادة زکوٰة هذه السنین التی انفق
زکوٰتها علی بنی هاشم عارفاً ایاهم، وظنه انهم من مصارف الزکوٰة باطل، فعلیه
ان یعید زکوٰتها وان لم یستطع ذلک لعدم المال فلیعدها بحیلة الاسترداد
من الفقیر والاستیهاب منه وهی لا تخفی علی مثلکم واما ما ذکرتم من الحالة
البائسة التی نزلت بالمسلمین فهی لا تختص ببنی هاشم منهم بل تعمهم وغیرهم
ولو ابحنا لهم الحرام لاجل ذلک فلنبح الربوا والرشوة لغیرهم ایضاً لاجل هذه
الحالة البائسة ولا یجتری علی ذلک احد، والسلام -

فان قیل قال فی البحر عن الحاوی القدسی وعن ابی یوسف: ان الخمس
یصرف لذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل وبه ناخذ اھ فهذا
یقتضی ان الفتویٰ علی الصرف الی الاقرباء الاغنیاء فلیحفظ اھ (ص ۹۱ ج ۵)
وهذا ایؤید روایة ابی عصمة ویدفع الایراد الذی اورد قبل علی الاستدلال
باثر مجاهد بانه یقتضی تخمیس الخمس لا تثلیثه وهذا خلاف مذهب
ابی حنیفة واصحابه وانما هو مذهب الشافعی الخ فان ما رواه الحاوی القدسی
عن ابی یوسفؒ یدل علی بقاء التخمیس فی مذهب الحنفیة ایضاً ولو کان ذلک
خلاف المشهور فلیؤخذ به للضرورة -

- -
- قلت هذا لا یجدی
شیئاً فان ما رواه الحاوی یفید کون خمس الخمس حقاً لبنی هاشم کلهم غنیهم
وفقیرهم فلو کان تحریم الصدقة عوضاً عنه کما یفیده اثر مجاهد للزم جواز
الصدقة علی اغنیاء هم ایضاً اذا لم یصل الیهم خمس الخمس ولم یقل به احد
ولو امعنت النظر لعرفت ان روایة ابی یوسفؒ هذه تفید تحریم الصدقة

علی بنی ھاشم مطلقا لکونھا دالۃ علی ان حقھم فی خمس الخمس باق واثر مجاھد
قد افاد ان علۃ التشریع فی تحریم الصدقۃ علی بنی ھاشم کونھم قد عوضوا منھا
بخمس الخمس فما دام ھذا التشریع باقیا کان الحکم باقیا ولا ینعدم الا بانعدام
التشریع واما بظلم الولاۃ ومنعھم بنی ھاشم عن حقھم فلا ینعدم الحکم بہ اصلا
فان مدار الاحکام انما ھو علی التشریع وعلتہ لا علی افعال الولاۃ والامراء فاذا
کان الشارع قد شرع تحریم الصدقۃ علی ذوی القربیٰ بعلۃ تفویضہ خمس الخمس
لھم عنہ ومنعہ حقھم فیہ وجب ان یبقی حکم التحریم ببقاء حکم ھذا التعویض
لھم وھذا ظاھر جدا، ومبنی ھذا الجواب علی تسلیم ان اثر مجاھد یدل علی
ان کون خمس الخمس لبنی ھاشم علۃ لتحریم الصدقۃ علیھم ولقائل ان یقول
ان اثر مجاھد فیہ بیان حکمۃ ھذا التشریع لا علتہ، والعلۃ انما ھی کون الصدقۃ
من اوساخ الناس وھی المنصوصۃ فی کلام الشارع والحکم انما یدور مع العلل
دون الحکم، واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۲ صفر ۱۳۴۷ھ

رسالہ رفع التشکیک فی دفع الزکوٰۃ بالتملیک
مذاکرہ در مصارفِ زکوٰۃ

سوال (۱۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام
علیٰ رسولہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، **اما بعد** واضح ہو کہ دینی ضروریات
روز بروز بڑھتی جاتی ہیں، اور ان میں سے اکثر کے لئے آمدنیوں کی قلت ہوتی ہے، اور شرعًا
آجکل زکوٰۃ کے سوا کوئی ایسی مد نظر نہیں آتی جس کے ترک پر وعید شدید شرعی سنائی جائے،
اور اس زکوٰۃ میں حضرات فقہائے کرام نے تملیک کی شرط لگائی ہے، جس کی وجہ سے مساجد،
مدارس دینی، تبلیغ واشاعتِ اسلام اور تصنیف وتالیف کتبِ دینیہ کے بہتیرے کام رُک جاتے
ہیں یا جیسے چلنے کی ضرورت ہو ویسے چلنے نہیں پاتے، کیونکہ اُن پر مال زکوٰۃ، فطرہ اور چرم قربانی
خرچ نہیں کئے جاسکتے، اس لئے کہ امور مذکورہ میں تملیک نہیں ہوسکتی، اور ان امورِ مذکورہ میں
تملیک جاری کرنا ہو تو حیلہ کی تلاش کرنا پڑتی ہے، جس کا ثبوت آیات واحادیث اور اقوالِ
سلف سے نہیں ملتاہے، پس امور مذکورہ کا اجراء، یا تو صدقاتِ غیر واجبہ سے کیا جاوے،
جن کے نہ دینے سے مسلمان وعید کے مستحق نہیں ہوسکتے، یا آیات واحادیث کے عموم ہی سے کیوں
نہ ہو، ان امور مذکورہ کو مصارف زکوٰۃ میں داخل کیا جائے۔

مسئلہ بالا کے متعلق ایک عرصہ دراز سے بلکہ زمانہ طالب علمی سے خلجان رہا، اور حضرات شیوخ کرام رح کے افادات سے کچھ کچھ منزل مقصود کا نشان نظر آرہا تھا، بالآخر دو چار سال کے عرصہ میں بعض معزز و محترم خیر خواہ حضرات اس مسئلہ کو چھیڑتے رہے، جس پر فاضل محقق عالی جناب مولانا مولانا محمد عبدالوہاب صدر مدرس جامعہ دار السلام عمر آباد نے آیت "فی سبیل اللہ" کی تعمیم اور چند احادیث سے استدلال فرما کر امور مذکورہ کو مصارفِ زکوٰۃ میں شامل فرمایا، مولانا ممدوح کی تحریر سے خاکسار کے خیالات میں امید و جرأت پیدا ہوئی جس کے بعد خاکسار بغرض استفادہ اپنے ناچیز منتشر خیالات کو حضرات رہنمایانِ دین کی خدمات میں پیش کرتا ہے، جن کے متعلق امید کہ آنحضرات اپنے اپنے تنقیدانہ و تحقیقانہ افادات سے ممنون فرمائیں گے، اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِیِّ السُّؤَالُ۔

جمیع حضرات علمائے کرام پر یہ امر بخوبی روشن ہے کہ امتِ محمدیہ کے پاس مصارفِ زکوٰۃ کی دلیل آیت عظیمہ ذیل ہے:۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِیْلِ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۝

"صدقات صرف فقیروں کے لئے ہیں اور محتاجوں کے لئے اور اُن لوگوں کے لئے جو صدقات پر کام کرتے ہیں اور اُن لوگوں کے لئے جن کی تالیف قبول کی جاوے، اور غلاموں کے آزاد کرنے اور قرضداروں کے قرض ادا کرنے اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کی مدد میں خرچ کئے جاویں، خداوند پاک کی جانب سے یہ حکم ہے، اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے"

(۱) للفقراء کا لام جمیع سلف صالحین کے پاس تملیک کے لئے ہے یا نہ؟ تفاسیر و شروح حدیث کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرف بھی ائمہ کرام کی ایک جماعت گئی ہے کہ لام اس آیت میں تملیک کے لئے نہیں ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رح نے شرح بخاری میں یہ رقم فرمایا ہے کہ:۔

ان اللام فی قولہ تعالیٰ للفقراء لبیان المصرف لا للتملیک اھ	"لام "فقراء" کے شروع میں مصرف بیان کے لئے ہے تملیک کے لئے نہیں"

اور علامہ سیوطیؒ نے اتقان کی کتاب الادوات میں لام کے متعدد معنی جو پندرہ سے زیادہ ہوں گے بیان کئے ہیں، اُن میں سے صرف لام تعلیل کے متعلق حقیقی یا مجازی معنی ہونے کا اختلاف اہلِ لسان سے ذکر کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ باقی معانی حقیقی ہیں۔

اصولِ فقہ کی کتاب "حصول المامول من علم الاصول" مطبوعہ مصر میں لام کے بائیس معنی ذکر کئے ہیں، جن میں سے ہر ایک کی مثال قرآن پاک سے دی گئی ہے۔

اور کتبِ نحو میں عموماً اور شرح جامی میں خصوصاً یوں مرقوم ہے:۔

اللام للاختصاص بملکیۃ او بغیر ملکیۃ،	"لام اختصاص کے لئے آتا ہے خواہ ملکیۃ کے طور پر ہو یا بلاملکیت کے"۔

امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر میں پہلے چار مصرفوں میں لام کے آنے اور بعد کے چار مصرفوں میں فی کے آنے کا فرق یوں بیان فرمایا ہے کہ پہلے چار مصرف والوں کو اپنے حاصل کردہ مال زکوٰۃ میں مالکانہ تصرف کا اختیار ہے اور پچھلے چار مصرف والوں کو اپنے حسبِ منشاء تصرف کا اختیار نہیں، پس لام سے تملیک کی شرط اجتہادی محتمل چیز ہوئی نہ کہ قطعی اور منصوص۔

(۲) فی سبیل اللہ کے معنی میں تعیین اور اس تعیین پر اجماع ہوا ہے یا نہ؟ اگر تعیین اور اس پر اجماع ہو چکا ہے تو کتبِ فقہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شافعیہ کے پاس اغنیاء مجاہدین کو مالِ زکوٰۃ سے دے سکتے ہیں، اور یہ امر حنفیہ کے پاس ناجائز ہے، اور امام ابو یوسفؒ نادار مجاہدین کو ہی مال کی زکوٰۃ دینے کی اجازت دیتے ہیں، اور امام محمدؒ نادار حاجیوں کو بھی مالِ زکوٰۃ سے دیکر حج کرانے کی اجازت اس لفظ فی سبیل اللہ سے نکالتے ہیں۔

اتنے مختلف اقوال کے بعد اگر کوئی یہ کہے کہ ان اقوال و مذاہب کے سوا نیا قول گویا اجماع کے مرکب کا خرق ہے، اس لئے وہ نیا قول ناجائز قرار دیا جائے، تو یہ عرض ہے کہ جن لوگوں نے اس مقام میں اجماع کا ذکر فرمایا ہے وہ اصولی اصطلاحی اجماع نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اجماعِ امّت کا لفظ اس مقام میں کسی نے ذکر کیا ہو، دیکھنے میں نہیں آیا، بلکہ اجماع الجمہور لکھا ہے، اجماع اور جمہور کی اضافت خود اصولی اصطلاحی اجماع ہونے سے انکار کرتی ہے۔

علاوہ بریں امام قفال نے بعض ائمہ سے عام مصارفِ خیر جیسے کہ امور مذکورۃ اوقاف وغیرہ کو فی سبیل اللہ کے معنی میں نقل فرمایا ہے جسکو امام رازیؒ، علامہ بیضاویؒ اور صاحبِ خازن نے اپنی اپنی تفسیروں میں بیان فرمایا ہے اور سب کے الفاظ قریب قریب حسب ذیل ہیں:۔

وقال بعضهم ان اللفظ عام فلا یجوز قصرہ علی الغزاۃ فقط ولهذا اجاز بعض الفقهاء صرف سهم سبیل الله الی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الجسور والحصون وعمارۃ المساجد وغیر ذلك وقال لان قوله تعالی وفی سبیل الله عام فی الکل فلا یختص بصنف دون غیرہ، اھ

"اور کہا بعض علماء نے کہ لفظ عام ہے اس کو صرف مجاہدین پر قصر کرنا جائز نہیں، اسی لئے بعض فقہائے کرام نے "سبیل اللہ" کا حصہ سب نیک کام مثلاً تکفینِ موتی، پلوں اور قلعوں اور مساجد وغیرہ کے بنانے میں خرچ کرنے کو جائز رکھا، اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "فی سبیل اللہ" سب نیک کاموں کو شامل ہے، صرف ایک جماعت کے ساتھ خاص کرنا نہیں چاہیئے"،

اور شرح وقایہ کے حاشیۂ عمدۃ الرعایہ میں حضرت مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی رح نے مصارفِ زکوٰۃ کے مقام میں فقہ کی کتاب بدائع سے نقل فرمایا ہے کہ:۔

وذکر فی البدائع انه یشمل جمیع القُرَب،

"فی سبیل اللہ کا لفظ جمیع نیک مصرفوں کو شامل ہے"،

(۳) امام بخاری رح اپنی جامع صحیح بخاری رح کے "باب العرض فی الزکوٰۃ" میں ابو ہریرہ رض سے ابن جمیل رض، خالد بن ولید رض اور حضرت عباس رض کے منع زکوٰۃ کی توجیہ والی حدیث نقل فرماتے ہیں اور اسی روایت کو "باب والغارمین وفی سبیل اللہ" میں مکرر لائے ہیں، امام بخاری رح کا مدعا امام ابن حجر رح نے فتح الباری میں یوں ذکر فرمایا ہے:۔

واستدل البخاری بقصة خالد علی مشروعیة تحبیس الحیوان والسلاح وان الوقف یجوز بقاءہ تحت ید محتبسه وعلی جواز اخراج العروض فی الزکوٰۃ،

"امام بخاری رح نے حضرت خالد رض کے قصہ سے جانوروں اور ہتھیاروں کے وقف کرنے اور وقف کی ہوئی چیزوں کا واقف کی نگرانی میں رہنے اور زکوٰۃ میں نقد کے عوض متاع کے دینے پر دلیل پکڑی ہے (بہر طور مالِ زکوٰۃ وقف میں دیا گیا"،

پس شروح بخاری رح سے معلوم ہوا کہ امام بخاری رح نے خالد رض کے واقعۂ وقف کو زکوٰۃ میں شمار فرمایا، اور آیت "فی سبیل اللہ" میں تملیک کو غیر ضروری سمجھا جو حضرات احنافِ کرام

کے خلاف ہی، اور وقف منقول کو بھی جائز سمجھا، اور یہ امر فقہائے کوفہ کے مخالف ہے، اور زکوٰۃ میں نقد کے عوض متاع دینا ثابت کیا، جو فقہائے حنفیہؒ کے موافق ہے، جس کو مولانا حافظ احمد علی صاحب حنفی محدث سہارنپوریؒ محشی صحیح بخاری نے اپنے حاشیۂ بخاری میں یوں رقم فرمایا ہے:۔

قال العینی احتج اصحابنا فی جواز دفع القیم فی الزکوٰۃ ولهذا قال ابن رشید وافق البخاری فی هذا المسئلة الحنفیة مع کثرة مخالفته لهم، قال الکرمانی: وفیه دلیل علی صحة وقف المنقول وبه قالت الامة باسرها الا بعض الکوفیین،

"علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ ہمارے حضرات نے زکوٰۃ میں قیمتوں یعنی متاع کو دینا جائز کہا، اور اس پر اس حدیث سے دلیل پکڑی، اور اسی لئے ابن رشید نے کہا کہ بخاریؒ نے اس مسئلہ میں حنفیہ کی موافقت کی، حالانکہ وہ اُن کے اکثر مسائل میں مخالفت کرتے ہیں، علامہ کرمانیؒ نے فرمایا کہ اس حدیث میں منقولات کے وقف کی اجازت ثابت ہوتی ہے جس کی قائل بعض اہل کوفہ کے سوا ساری اُمت ہے"۔

الحاصل امام بخاریؒ کے استدلال کے جواب میں کوئی آیت یا حدیث صریح حضرات مانعین پیش فرما سکتے ہیں؟ رہے مانعین کے احتمالات وہ مجوزین کے پاس ناشی عن الدلیل نہ ہوں، اور مجوزین کی تجویز اُن کے احتمالات کی بہ نسبت واضح ترین اور اقرب الی الدلیل ہو تو امام بخاریؒ کے استدلالات کا قطعی اور تشفی بخش جواب کیا ہوگا؟

مذکورہ بالا معروضہ پیش کرنے کے بعد مجوزین کا مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آیتِ مصارف میں سے سات حصے خاص خاص افراد یا جماعتوں پر خرچ کئے جائیں، اور ایک حصہ عام مصارفِ خیر کے لئے رکھدیا جاوے تاکہ آٹھویں مصرف میں سہولت کے ساتھ امور مذکورہ ادا کئے جائیں، ورنہ تبرعات اور تطوعات اختیاری امور میں جن پر جبر واکراہ نہیں کیا جاسکتا، اور نہ کرنے والوں پر وعید بھی نہیں ہوتی، اور بناءِ مساجد و مدارس دینی اور مصارفِ تبلیغ وغیرہ خدانخواستہ بالکل متروک کئے جائیں گے۔

چونکہ زمانۂ موجودہ میں یہ مسئلہ مہمات مسائل میں سے ہے، لہٰذا بغرض استفادہ یہ امر بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بوقت شدتِ حاجت حضرات فقہائے کرام نے بھی

اپنے امام کے خلاف دوسرے امام کے فتوے پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے، چنانچہ اجرت تعلیم قرآن کی بابت صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ اجرت علی تعلیم القرآن جائز نہیں، مگر متاخرین نے بوجہ ضرورت اجازت دی ہے، تاکہ تعلیم قرآن معدوم نہ ہو، اور اسی طرح مفقود الزوج کے نکاح کا مسئلہ معروف بین العلماء ہے۔

انہی امور کو مدِ نظر رکھ کر حضرت شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں گویا امام بخاریؒ کا مسلک اختیار فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ہے:۔

وعن ابی الاسؓ حملنا النبیؐ صلعم علیٰ اھل الصدقۃ للحج و فی الصحیح واما خالد فانکم تظلمون خالداً وقد احتبس ادرعہ واعتدہ فی سبیل اللہ وفیہ شیئان جواز ان یعطی مکان شیٔ شیئاً اذا کان انفع للفقراء وان الحبس مجزیٔ عن الصدقۃ قلت وعلیٰ ھذا فالحصر فی قولہ تعالیٰ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ اضافی بالنسبۃ الیٰ ماطلبہ المنافقون فی صرفہا فیما یشتہون علیٰ یقتضیہ سیاق الاٰیۃ والسر فی ذلک ان الحاجات غیر محصورۃ ولیس فی بیت المال فی البلاد الخالصۃ للمسلمین غیر الزکوٰۃ کثیر مال فلابد من توسعۃ لتکفی نوائب المدینۃ واللہ اعلم۔

"ابو الاسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صدقہ (زکوٰۃ) کے اونٹوں پر حج کے لئے سوار کرایا، اور صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم خالد پر ظلم کرتے ہو، جو اس سے زکوٰۃ طلب کرتے ہو، حالانکہ اس نے بکتر اور ہتھیار اللہ کی راہ میں وقف کئے ہیں اس حدیث سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں، ایک تو ایک چیز کے عوض دوسری چیز زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں، جبکہ دوسری چیز فقراء کے لئے زیادہ نافع ہو اور یہ کہ وقف صدقہ، زکوٰۃ کے بدلے کافی ہے، میں کہتا ہو (یعنی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں) کہ اس صورت میں حصر فرمان خداوندی اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ کے جملہ میں اضافی ہے، منافقوں کے مطلب کے مقابلہ میں کہ وہ چاہتے تھے کہ ان کی خواہشوں کے مطابق زکوٰۃ کی رقم بیجا خرچ کی جاوے، جیساکہ آیت کی روانی کا مقتضا ہی، اور زکوٰۃ کے مصرف میں وقف کو داخل کرنے میں راز یہ ہے کہ ضروریات بے شمار ہیں، اور مسلمانوں کے خالص شہروں

میں زکوٰۃ کے سوا کوئی معتدبہ مد نہیں ہوتی، لہٰذا ضرور ہوا کہ مصرفِ زکوٰۃ میں وسعت ہو، جو کافی حاجات ہو، جیسا کہ آیت کے نزول کے موقع پر مدینہ مسلمانوں کا خالص شہر تھا واللہ اعلم۔

الجواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ وکفی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، لاسیما علیٰ سیدنا النبی محمد الذی قد افلح من بہ اقتفیٰ، وبسنتہ وسنۃ خلفائہ المھدیین المجتھدین اقتدیٰ وبھا اکتفیٰ، ومن احدث فی امرہ وشرعہ ما لیس منہ واتبع ھواہ فقد خاب وخسر وظلم نفسہ وجفا، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ رؤس اھل الوفاء وافضل الخلق بعد الانبیاء وسادات اھل الصفاء،

امّا بعد، اس سوال کے جواب میں سب سے پہلے میں اُن دلائل کو ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں جن کی بنا پر ائمہ مجتہدین نے زکوٰۃ کی تعریف میں تملیکِ فقیر کی قید بڑھائی، اور بدون اس کے عدمِ ادائے زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے۔

مبحثِ اوّل در دلائلِ رکنیتِ تملیک برائے زکوٰۃ؛

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز کے حکم کے ساتھ جہاں بھی زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے وہاں لفظ ایتاء اختیار فرمایا ہے، اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ، وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ الی قولہ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وقولہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ وغیرھا من الآیات اور لغۃً ایتاء کے معنی اعطاء یعنی تملیک کے ہیں، صاحب بدائع فرماتے ہیں: وقد امر اللہ تعالیٰ الملاک بایتاء الزکوٰۃ لقولہ عزوجل وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ والایتاء ھو التملیک اھ (ص ۳۹ ج ۲)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے مالکانِ (اموال) کو ایتاءِ زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے، اور ایتاء کے معنی مالک بنا دینا ہے، وفی الحدیث المشھور بنی الاسلام علیٰ خمس شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ الحدیث اخرجہ الشیخان والجماعۃ۔

(۲) مصارفِ زکوٰۃ کے متعلق جو آیتِ عظیمہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو صدقات سے تعبیر فرمایا ہے، اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ الآیۃ اور صدقہ اور تصدق

بھی تملیک کو چاہتا ہی، صاحب بدائع فرماتے ہیں، ولذا سمی اللہ تعالیٰ الزکوٰۃ صدقۃ بقولہ انما الصدقات للفقراء والتصدق تملیک اھ (ص ۳۹ ج ۲) اور شرح سیر کبیر للامام محمد بن الحسن میں ہے لان ھذا اجعل ثلث مالہ فی سبیل اللہ علی وجہ الصدقۃ والصدقۃ تملیک من اھل الحاجۃ قال اللہ تعالیٰ انما الصدقات للفقراء الخ (ص ۲۲۴ ج ۳)

اور محمد بن حسن رحمہ اللہ امام عربیت ہیں، اُن کا قول لغت میں حجت ہی، اسی شرح سیر کبیر میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول وقف منقول کے بارہ میں جو ذکر کیا ہے اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کے معنی تملیک ہیں، فاما ابو حنیفۃ رحمہ اللہ فانہ کان لا یجوز الوقف والحبس فی حالۃ الحیوٰۃ فلا یجوز عندہ اذا اوصی بعد موتہ الا ما کان لہ اصل فی الشریعۃ والوصیۃ بالغلۃ لہا اصل فی الشریعۃ فانہ لو اوصی بان یصرف غلۃ بستانہ علی الفقیر فذلک جائز لما یقع فیہ من التملیک فکذلک حبس الاراضی والعبد والدار لیکون غلتہا فی سبیل اللہ یجوز لان فیہ معنی التملیک لان الغلۃ یتصدق بہا علی اھل الحاجۃ ممن یغزو فتصیر ملکا لمن یأخذھا یصنع بہا ما شاء فاما ما لیس فیہ معنی التملیک ولکن فیہ انتفاع بالعین نحو سکنی الدار ورکوب الفرس وقرأۃ المصحف ولبس السلاح وخدمۃ العبید لا اصل فی جوازہ فی الشرع اذا وقع لاقوام مجھولین والمعنی فی ذلک انہ اذا لم یکن فیہ تملیک العین لم یکن صدقۃ اھ (ص ۲۶۳ ج ۴)۔

اس میں صاف تصریح ہے کہ شریعت میں صدقہ بدون تملیک عین کے کوئی اصل نہیں، نیز اس سے پہلے امام ابو یوسف رح کا قول وقف منقول میں اس طرح مذکور ہے:

وکان ابو یوسف رح یقول القیاس ان لا یجوز وقف الاراضی لما فیہ من تعطیل الملک ولا تملیک من احد الا ان الشرع عطل ملکنا عن المساجد لقربۃ تعلقت بہا عائد نفعہا الینا من حیث الثواب فجوزنا فی مثلہ فی وقف الاراضی لانہا من جنس المساجد فانہا تبقی وعائد نفعہا کالمساجد، فاما الاموال المنقولۃ ما وجدنا فیہا قربۃ اوجبہا اللہ تعالیٰ الا قربۃ تقع بتملیک الفقیر فکذلک لا یجوز ایجاب القربۃ من العبد الا علی وجہ التملیک اذ ایجاب العبد معتبر بایجاب اللہ تعالیٰ، اس میں صاف تصریح ہے کہ کوئی قربۃ

مالیہ واجبہ منقولات میں بدونِ تملیک فقیر کے شریعت میں نہیں، اور امام ابو یوسفؒ کے اس دعویٰ میں کوئی کلام نہیں کر سکتا، نہ کسی کو کلام ہے، اور جو لوگ وقفِ منقول کو جائز کرتے ہیں وہ اس کے جواب میں صرف یوں کہیں گے کہ قربتِ نافلہ تو شریعت میں بدونِ تملیک کے واقع ہے، پس ایجاب قربت من العبد کے لئے قربتِ نافلہ کی نظیر کافی ہے، قربت واجبہ کے مثل ہونا لازم نہیں، بہرحال امام ابو یوسفؒ کا یہ ارشاد کہ کوئی قربت مالیہ واجبہ منقولات میں شرعاً بدونِ تملیکِ فقیر نہیں ہے، اس بات کو بتلا رہا ہے کہ صدقہ کے معنی تملیک کے ہیں۔

اور کشاف اصطلاحات الفنون میں ہے الصدقۃ بفتحتین من الصدق سمی بہا عطیۃ یراد بہا المثوبۃ لا التکرمۃ (لان بہا یظہر صدقہ فی العبودیۃ) کما فی جامع الرموز اھ (ص ۸۱۵) اس میں صدقہ کی تفسیر عطیہ سے کی ہے، اور عطیہ میں تملیک ظاہر ہے، کیونکہ عطیہ و ہبہ لغۃً متحد ہیں، اسی لئے فقہاء نے فرمایا ہے، الصدقۃ کالہبۃ فلا تجوز الا مقبوضۃ، کذا فی الدر۔

(۳) حدیث مشہور قصہ بعث معاذ الی الیمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ فان ہم اطاعوا لک بذلک فاخبرہم ان اللہ قد فرض علیہم صدقۃ تؤخذ من اغنیاءہم فترد علی فقرائہم، الحدیث رواہ الشیخان وغیرہما۔

(ترجمہ) "اگر وہ لوگ اس بارہ میں (یعنی نماز کی فرضیت کے بارہ میں) تمہاری اطاعت کرلیں تو اس کے بعد اُن کو خبر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر صدقہ فرض کیا ہے، جو اُن کے اغنیاء سے لیا جائے گا، پھر اُن کے فقراء پر واپس کیا جائے گا"، یہ حدیث بھی اس بات کو بتلاتی ہے کہ زکوٰۃ تملیکِ فقیر ہی کے لئے موضوع ہے۔

اور اسی کے مثل حدیث ضمام بن ثعلبہ میں وارد ہے:۔ قال انشدک اللہ آللہ امرک ان تأخذ ہذہ الصدقۃ من اغنیائنا فتقسمہا فی فقرائنا قال اللّٰہم نعم، الحدیث رواہ الشیخان وغیرہما وہو مشہور ایضاً،

(ترجمہ) "ضمام بن ثعلبہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی عرض کیا کہ میں آپ کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ امر فرمایا ہے کہ آپ یہ صدقہ ہمارے اغنیاء سے لیں، پھر اس کو ہمارے فقراء میں تقسیم فرما دیں؟ حضورؐ نے فرمایا بخدا ہاں (اللہ تعالیٰ ہی نے مجھ کو یہ حکم دیا ہے) یہ حدیث بھی بتلا رہی ہے کہ زکوٰۃ فقراء

میں تقسیم کرنے کے موضوع ہے، اور یہ تقسیم بطور تملیک ہی کے ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

(۴) تعریف زکوٰۃ میں شرعاً تملیک فقیر بالاتفاق معتبر ہے، قال الحافظ فی الفتح قال ابن العربی وتعریفها فی الشرع اعطاء جزء من النصاب الحولی الی فقیر ونحوه غیر هاشمی ولا مطلبی ثم لها رکن وهو الاخلاص وشرط هو السبب وهو ملک النصاب الحولی وشرط من تجب علیه وهو العقل والبلوغ والحریة الخ قال الحافظ وهو جیّد لکن فی شرط من تجب علیه اختلاف اھ (ص ۲۰۷ ج ۳)، قلت: فدل علی ان ما سواه متفق علیه عند الکل، یہ عبارت صاف بتلا رہی ہے کہ زکوٰۃ کی تعریف میں تملیک فقیر اتفاقاً معتبر ہے۔

کشاف اصطلاحات الفنون (ص ۶۲۳) میں ہے: انها فی اللغة النمو الحاصل من برکة الله تعالیٰ وفی الشریعة قدر معیّن من النصاب الحولی یخرجه الحر المسلم المکلف لله تعالیٰ الی الفقیر المسلم الغیر الهاشمی ولا لمولاه مع قطع المنفعة عنه من کل وجه، وفی جامع الرموز ان الزکوٰة فی الشریعة القدر الذی یخرجه الی الفقیر وفی الکرمانی انها فی القدر مجاز شرعاً فانها ایتاء ذلک القدر علیه المحققون کما فی المضمرات انتهی ویؤیده انها توصف بالوجوب وهو من صفات الافعال ویؤید الاول قوله تعالیٰ وآتوا الزکوٰة اذ ایتاء الایتاء محال والاظهر ان الزکوٰة فی الشرع یجیٔ بکلا المعنیین کذا فی البرجندی اھ، اس میں زکوٰۃ کے شرعاً دو معنی بیان کئے ہیں، اور دونوں میں تملیک فقیر معتبر ہے، جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

(۵) مال زکوٰۃ کو ایسے مواقع میں صرف کرنا جن میں تملیک نہ ہو، باتفاق ائمۂ مذاہب وباجماعِ جملہ مجتہدین جائز نہیں، رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ میں تصریح ہے:۔

واتفقوا علی منع الاخراج لبناء مسجد او تکفین میّت اھ (ص ۴۵)

(ترجمہ) "اور علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ زکوٰۃ بناء مسجد اور کفنِ میّت میں صرف کرنا ممنوع ہے"، اور یہ اتفاق صرف ائمۂ اربعہ ہی کا نہیں، بلکہ جملہ ائمۂ مجتہدین کا اتفاق ہے، مثل اوزاعیؒ ومکحولؒ وسفیان ثوریؒ وحسن بصریؒ وغیرہم، کیونکہ صاحب رحمۃ الامۃ نے مقدمہ کتاب میں اس کی تصریح کی ہے کہ جس مسئلہ میں ائمۂ اربعہ کا اتفاق ہو اور

کسی دوسرے کا اختلاف ہو تو میں مخالف کا قول بھی نقل کروں گا، تاکہ مسئلہ کا اختلافی ہونا معلوم ہو جائے، اور یہاں کسی کا اختلاف نقل نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں تمام مجتہدین کا اتفاق ہے، وھذا نصہ اذا کان فی المسئلۃ خلاف لاحد من الائمۃ الاربعۃ اکتفیت بذلک ولا اذکر من خالف فیھا من غیرھم فان لم یکن احد منھم خالف فی تلک المسئلۃ وکان فیھا خلاف لغیرھم احتجت الی ذکر المخالف لیظھر ان فی المسئلۃ خلافاً اھ ص ۲ و ۳)۔

مبحثِ دوم؛ سائل کے جواب سے پہلے میں اس کو بھی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ آیت اِنما الصدقات للفقراء میں حصر حقیقی مقصود ہے کہ زکوٰۃ مفروضہ کے مصارف یہی مصارفِ ثمانیہ ہیں ان کے سوا مصرفِ زکوٰۃ کوئی نہیں۔

دلائل ملاحظہ ہوں:۔

(۱) عن زیاد بن الحرث الصدائی قال اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبایعتہ فاتی رجل فقال اعطنی من الصدقۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لم یرض بحکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات حتی حکم فیھا ھو فجزئھا ثمانیۃ اجزاء فان کنت من تلک الاجزاء لاعطیتک، رواہ ابوداؤد وسکت عنہ وسندہ حسنؑ،

زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے بیعت ہوا، پھر ایک شخص آیا اور کہا یا رسول اللہؐ مجھکو صدقہ (کے مال) میں سے دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صدقات کے بارے میں رسول کے فیصلہ پر راضی ہوئے نہ کسی اور کے، یہاں تک کہ اس کا فیصلہ خود ہی فرمایا ہے، اور صدقہ کو آٹھ حصوں پر تقسیم کیا، پس اگر تو ان آٹھ حصوں میں سے (کسی حصہ میں داخل) ہو تو میں تجھ کو دیدوں گا

(اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے)"

یہ حدیث صاف تصریح کر رہی ہے کہ صرف اموالِ زکوٰۃ انہی مصارفِ ثمانیہ میں منحصر ہے، ان کے سوا اور کسی مصرف میں صرف نہیں کی جا سکتی، اور اس کے بعد کسی دلیل کے

ؑ فیہ عبدالرحمن بن زیاد بن انعم الافریقی وثقہ غیر واحد وتکلم فیہ بعضھم ومثلہ حسن الحدیث وقد حسن لہ الترمذی

بیان کی حاجت نہیں، مگر تائیداً اور دلائل بھی ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۲) امام رازیؒ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں المسئلۃ الاولی، قولہ انما الصدقات للفقراء الآیۃ تدل علی انہ لاحق فی الصدقات لاحد الا لھذہ الاصناف الثمانیۃ و ذلک مجمع علیہ وایضا فلفظۃ انما تفید الحصر ویدل علیہ وجوہ ثم ذکرھا واطال (ص ۴۵۹ ج ۴)۔

تفسیر کبیر ہی میں ص ۴۶۴ ج ۴ میں ہے اتفقوا علی ان مال الزکوٰۃ لا یخرج عن ھذہ الثمانیۃ واختلفوا انہ ھل یجوز وضعہ فی بعض الاصناف فقط وقد سبق ذکر الدلائل المسئلتین اھ، اس میں صاف تصریح ہے کہ مال زکوٰۃ کا ان مصارف ثمانیہ میں منحصر ہونا متفق علیہ اجماعی مسئلہ ہے۔

(۳) صاحب کشافؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں انما الصدقات للفقراء قصر لجنس الصدقات علی الاصناف المعدودۃ وانھا مختصۃ بھا لاتتجاوزھا الی غیرھا کانہ قیل انما ھی لھم لا لغیرھم ونحوہ قولک انما الخلافۃ لقریش ترید لا تتعداھم ولا تکون لغیرھم اھ (ص ۳۸ ج ۲) اس میں بھی صاف تصریح ہے کہ آیت کا مقصود و مطلب یہ ہے کہ جنس صدقات اصنافِ ثمانیہ پر مقتصر اور انہی میں منحصر ہے، ان کے سوا دوسروں کو صدقہ، زکوٰۃ نہیں دیا جاسکتا، اور صاحب کشاف امامِ عربیت ہیں، ان کی تفسیر معانی عربیت میں حجت ہے۔

مبحث سوم فی سبیل اللہ کے معنی میں: چونکہ سائل نے فی سبیل اللہ کے معنی میں تعمیم کی کوشش کی ہے، اس لئے اس پر بھی گفتگو لازم ہے، اس میں کچھ شبہ نہیں کہ لغۃً لفظ فی سبیل اللہ ہر طاعت کو عام ہے، مگر اصطلاحِ قرآن وحدیث میں غزات و مجاہدین کے ساتھ مخصوص ہے، مفسرین کا اس پر اتفاق ہے:۔

(۱) امام رازیؒ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:۔ الصنف السابع قولہ تعالیٰ وفی سبیل اللہ، قال المفسرون یعنی الغزاۃ اھ (ص ۴۶۳ ج ۴) المفسرون جمع معرف باللام ہے جو عموم کے لئے موضوع ہے، مطلب یہ ہے کہ تمام مفسرین نے فی سبیل اللہ کی تفسیر غزاۃ سے کی ہے۔

(۲) امام حافظ انام علامہ طبریؒ نے بھی فی سبیل اللہ کی تفسیر یہی کی ہے اور فرمایا کہ

کہ اہلِ تفسیر کا یہی قول ہے۔

وھذا نصّہ واما قولہ فی سبیل اللہ فانہ یعنی وفی النفقۃ فی نصرۃ دین اللہ وطریقتہ وشریعتہ التی شرعھا لعبادہ بقتال اعداءہ وھو غزوا لکفار وبالذی قلنا فی ذلک قال اھل التاویل ذکر من قال ذلک حدثنی یونس انا ابن وھب قال قال ابن زید فی قولہ وفی سبیل اللہ قال الغازی فی سبیل اللہ اھ (ص ۱۱۴ ج ۱۰)

ثم سرد احادیث عدیدۃ۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ امام ابن جریر طبریؒ اپنی تفسیر میں ہر آیت کے تحت میں علماء قرآن وائمہ تفسیر کے مختلف اقوال بکثرت بیان کرتے ہیں، اور اختلاف نقل کرنے کے بعد کسی ایک معنی کو ترجیح دیا کرتے ہیں، لیکن فی سبیل اللہ کی تفسیر میں انھوں نے بجز غزو کفار کے کچھ نہیں بیان کیا، اور حصر کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے وبالذی قلنا فی ذلک قال اھل التاویل فان تقدیم ماحقہ التاخیر یفید الحصر فتقدیم الجار والمجرور فی قولہ وبالذی قلنا افاد انھم لم یقولوا بغیر ذلک اصلاً، کہ جو تفسیر ہم نے کی ہو ائمہ تفسیر نے بھی صرف یہی تفسیر کی ہے، اس سے یہ بات روشن ہو کہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے، اور اگر کسی کا اختلاف منقول ہے تو وہ ائمہ تفسیر میں سے نہیں ہے، بلکہ علماء حدیث وفقہ میں سے ہوگا۔

اور درمنثور میں جو ابن ابی شیبہ وابن المنذر کے حوالہ سے ابن عباسؓ کا (جو ائمہ تفسیر میں سے ہیں) یہ قول مذکور ہے: انہ کان لایری بأسًا ان یعطی الرّجل من زکوٰتہ فی الحج الخ (ص ۱۵۲ ج ۳) اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ابن عباسؓ نے فی سبیل اللہ کی تفسیر بمعنی عام کی اور حج میں زکوٰۃ دینا اس لئے جائز سمجھا ہے کہ ان کے نزدیک حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہو بلکہ ممکن ہو کہ انھوں نے حاج کو ابن السبیل میں داخل کر کے زکوٰۃ سے اس کی امداد کو جائز سمجھا ہو جیسا کہ مدوّنہ میں مالکؒ سے منقول ہو کہ انھوں نے حاج منقطع کو ابن السبیل میں داخل کر کے مستحقِ زکوٰۃ قرار دیا، وھذا نصّہ قال مالک یعطی من الزکوٰۃ ابن السبیل وان کان غنیًا فی بلدہ قلت فالحاج المنقطع بہ فقال قال مالکؒ ھو ابن السّبیل یعطی من الزکوٰۃ اھ (ص ۲۵۷ ج ۱)۔

اس توجیہ سے میرا مقصود یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کی تفسیر میں ائمہ تفسیر کا اس پر اتفاق ہو کہ مراد غازی ہے، مفسّرین سے اس کا خلاف منقول نہیں، بلکہ سب اس پر متفق ہیں کہ ابن عباسؓ

سے جو منقول ہے وہ اس کے خلاف میں نص نہیں۔

(۳) علامہ امام ابوبکر بن العربی نے احکام القرآن میں امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ مجھے اس میں کسی اختلاف کا علم نہیں ہے کہ فی سبیل اللہ سے آیت صدقات میں صرف غزو جہاد مراد ہے، اس کے بعد امام ابن العربیؒ نے احمدؒ و اسحٰقؒ سے نقل کیا ہے کہ اُن کے نزدیک سبیل اللہ صرف حج ہے، پھر یہ کہا کہ ان کا صحیح قول یہ ہے کہ حج بھی غزو کے ساتھ سبیل اللہ میں داخل ہے اس پر امام ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول قانون شریعت کو توڑتا اور قیاس کی لڑی کو بکھیرتا اور مضبوط گرہ کو کھولتا ہے، اور ہرگز کسی اثر میں یہ وارد نہیں ہوا کہ زکوٰۃ حج میں دی جائے، وھذا نصہ قولہ فی سبیل اللہ قال مالکؒ سُبُل اللہ کثیرۃ ولکنّی لا اعلم خلافا فی ان المراد بسبیل اللہ ھٰھنا الغزو من جملۃ سبیل اللہ الا ما یؤثر عن احمدؒ و اسحٰقؒ فانھما قالا انہ الحج والذی یصح عندی من قولھما ان الحج من جملۃ السبیل مع الغزو لانہ طریق بر فاعطی منہ باسم السبیل وھذا یحل عقد الباب ویخرم قانون الشریعۃ وینثر سلک النظر وما جاء قط باعطاء الزکوٰۃ فی الحج اثر اھ (ص ۳۹۶ ج ۱)۔

امام مالکؒ کا لا اعلم خلافاً فرمانا اس امر کی دلیل ہے کہ سلف صالح اور مشائخ و معاصرین مالکؒ کا طبقہ اس پر متفق تھا کہ فی سبیل اللہ سے مراد غزاۃ ہیں، اور اصولی قاعدہ ہے کہ اجماع لاحق خلاف سابق کو رفع کر دیتا ہے، اور خلاف لاحق اجماع سابق کو منقوض نہیں کر سکتا، پس اگر صحابہؓ میں سے کسی نے (مثل عبداللہ بن عمرؓ) حج کو فی سبیل اللہ میں داخل کیا ہو تو

؎ جملہ شرطیہ کے ساتھ اس کو اس لئے تعبیر کیا گیا کہ عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے جو فی سبیل اللہ میں ادخال حج منقول ہے وہ آیتِ زکوٰۃ کی تفسیر میں نہیں بلکہ وصیت کے باب میں ہے، کہ ایک شخص نے اپنے مال کے متعلق وصیت کی کہ اس کو سبیل اللہ میں صرف کیا جائے تو عبداللہ بن عمرؓ نے حج میں اس کے صرف کو جائز کہا اور فرمایا کہ یہ بھی سبیل اللہ میں سے ہے، کما فی شرح السیر، ص ۲۴۵ ج ۴، اور وصیت کا مبنیٰ عرف عام پر ہے، ممکن ہے عرفِ عام میں سبیل اللہ حج کو عام ہو، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عرفِ شرع میں بھی سبیل اللہ حج کو عام ہے، اور آیتِ قرآن کی تفسیر عرفِ شرع کیساتھ لازم ہے، عرفِ عام کیساتھ صحیح نہیں، پس عبداللہ ابن عمرؓ وغیرہ کے اس قول سے آیتِ مصارف میں فی سبیل اللہ کی تفسیر میں حج کو داخل کرنا صحیح نہیں، اس لئے امام ابن عربیؒ نے احمدؒ و اسحٰقؒ کے قول کو خارمِ قانونِ شریعت کہا، اور درمختار میں محمدؒ کے قول کو قیل سے تعبیر کیا ہے جو

ضعف پر دال ہے ۱۲ منہ

اجماع مابعد سے یہ اختلاف مرتفع ہو جائے گا، اور اس اجماع کو اختلاف لاحق منقوض نہیں کرسکتا۔

(۴) احمد و اسحٰق اور اسی طرح امام محمد بن حسنؒ نے جو فی سبیل اللہ کی تفسیر میں حج کو داخل کیا ہے ہر چند کہ یہ قول ضعیف ہے، اور بقول امام ابن العربی خارم قانونِ شریعت ہے مگر اُن کا بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حج میں زکوٰۃ کا مال بدون تملیک کے دیدیا جائے، کیونکہ باتفاق ائمہ مجتہدین ادار زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے کمامر، بلکہ اُن کا مطلب یہ ہے کہ حاج منقطع کو بطور تملیک کے مالِ زکوٰۃ دینا جائز ہے، کیونکہ وہ بھی فی سبیل اللہ کا فرد ہے، شرح سیر کبیر میں امام محمدؒ کا قول مذکور ہے وان اعطاھا حاجا منقطعا علیٰ وجه الصدقة علیه جاز اھ، اس میں لفظ اعطاء اور علیٰ وجه الصدقة معنی تملیک میں صریح ہے، مگر اسی کے ساتھ امام محمدؒ کو یہ بھی تسلیم ہے کہ فی سبیل اللہ کا اطلاق اصل میں معنی جہاد و غزوہی کے لئے ہے، چنانچہ شرح سیر ہی میں ہے لان کل خیر وطاعة وان کان فی سبیل اللہ ولکن مطلقه یستعمل فی الغزو والجهاد قال اللہ تعالیٰ قاتلوا فی سبیل اللہ والمراد منه الجهاد اھ (ص ۲۲۴ ج ۴) اگر کوئی شخص اپنے ثلث مال کے متعلق وصیت کرے کہ اس کو سبیل اللہ میں صرف کیا جائے تو محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کو محتاج غازی پر صرف کیا جائے یہی افضل ہے، گو حاج منقطع پر بھی صرف کرنا اُن کے نزدیک جائز ہے، شرح سیر میں ہے:

ولکن الافضل ان یعطی المحتاج الذی یخرج فی سبیل اللہ لما بینا ان سبیل اللہ اذا اطلق یراد به الغزو والجهاد دون غیره فکان صرفه الیه اولیٰ الیه اھ (ص ۲۴۵ ج ۴) جب وصیت کے باب میں محمدؒ کا یہ قول ہے حالانکہ اس کا مبنیٰ عرفِ عام پر ہے نہ عرفِ شرع پر تو زکوٰۃ کے بارہ میں آیت مصارف کے جملہ فی سبیل اللہ کی تفسیر تو غازی کے ساتھ یقیناً لازم ہے، کیونکہ عرفِ شرع میں فی سبیل اللہ کا اطلاق جہاد و غزو ہی کے ساتھ خاص ہے، جیساکہ مفسرین کے اتفاق اور امام مالکؒ کے قول لا اعلم فی ذلک خلافاً سے ظاہر ہے، یہ گفتگو بطور تتمیم کلام کے تھی، اصل مقصود اس مقام پر یہ ہے کہ جن ائمہ مجتہدین نے فی سبیل اللہ میں حج کو داخل کیا ہے، اُن کی مراد یہ ہے کہ حاج منقطع کو مالِ زکوٰۃ بطور تملیک کے دیا جائے، بہرحال اس تعمیم کا اثر شرط تملیک پر اصلا عائد نہیں۔

(۵) اسی طرح صاحبِ بدائع نے جو فی سبیل اللہ میں تمام قرب کو داخل کیا ہے انکی

مراد بھی یہی ہے کہ بطور تملیک کے ہر مشغول قربت کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، یہ مراد نہیں کہ بغیر تملیک کے بھی صرف زکوٰۃ جائز ہے، چنانچہ اُن کے الفاظ ملاحظہ ہوں:۔ واما قولہ تعالیٰ وفی سبیل اللہ عبارۃ عن جمیع القرب فیدخل فیہ کل من سعی فی طاعۃ اللہ و سبیل الخیرات اذا کان محتاجاً اھ (ص ۴۵ ج ۲) اس میں قول کل من سعیٰ فی طاعۃ اللہ صاف بتلا رہا ہے کہ صاحب بدائع کی مراد سبیل اللہ کے عموم جمیع قرب سے یہ ہے کہ اس میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو مشغولِ طاعت اور محتاج ہوں، اور یقیناً اُن پر جو کچھ صرف ہوگا تملیکاً ہوگا، پس اس سے یہ سمجھنا کہ صاحب بدائع فی سبیل اللہ میں تکفینِ موتیٰ و بناءِ مساجد وغیرہ کو بھی داخل کرتے ہیں، بالکل غلط ہے، کیونکہ صاحب بدائع نے اس سے پہلے تملیک کے رکنِ زکوٰۃ ہونے کی تصریح کی ہے، اور اس پر یہ حکم متفرع کیا ہے کہ بناء مساجد و رباطات و سقایات و اصلاحِ قناطر و تکفین موتی وغیرہ میں صرف زکوٰۃ بوجہ عدم تملیک کے جائز نہیں وھذا نصہ فرکن الزکوٰۃ ھو اخراج جزء من النصاب الی اللہ تعالیٰ وتسلیم ذلک الیہ بقطع المالک یدہ عنہ بتملیکہ من الفقیر وتسلیمہ الیہ او الی ید من ھو نائب عنہ وھو المصدق الی ان قال وعلیٰ ھذا یخرج صرف الزکوٰۃ الی وجوہ البر من بناء المسجد والرباطات والسقایات واصلاح القناطر وتکفین الموتیٰ ودفنھم انہ لا یجوز لانہ لم یوجد التملیک اصلاً اھ ص ۳۹ ج ۲

ان ابحاثِ ثلاثہ سے فراغت کے بعد میں سائل کے دلائل پر توجہ کرتا ہوں:

(۱) سائل نے سب سے پہلے للفقراء کے لام میں بحث کی ہے، کہ یہ لام ملک کے لئے ہے یا نہ؟ پھر حافظ ابن حجرؒ کا قول فتح الباری سے نقل کیا ہے ان اللام فی قولہ تعالیٰ للفقراء لبیان المصرف لا للتملیک اھ، اس بحث کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک کی شرط اسی پر موقوف ہے کہ لام للفقراء میں ملک کے لئے ہے، اور اس میں اختلاف ہے، لہٰذا زکوٰۃ میں قید تملیک بھی مختلف فیہ ہوگی، مگر اس سے ہر شخص کو جو فقہ

ف اس مقام پر یہ بات قابلِ تنبیہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے یہ قول اپنی طرف سے بیان نہیں کیا، بلکہ امام حسن بصریؒ کے قول کی توجیہ میں بیان فرمایا ہے، پوری عبارت یہ ہے وفیہ مصیر منہ الی ان اللام فی قولہ للفقراء لبیان المصرف لا للتملیک فلو صرف الزکوٰۃ فی صنف واحد کفی اھ، پس نقل میں سائل نے مسامحت کی ہے جس سے اہلِ علم کو احتراز لازم ہے ۱۲ منہ

سے مناسبت رکھتا ہو، سائل کے قصور نظر پر تعجب ہوگا، کیا سائل کو معلوم نہیں کہ ائمہ حنفیہ زکوٰۃ میں تملیک کو رکن کہتے ہیں، اور اس کے ساتھ ہی وہ لام للفقراء کو ملک کے لئے نہیں مانتے اور حافظ ابن حجرؒ کا قول حنفیہ کے عین موافق ہے، ہدایہ میں ہے فهذه جهات الزكوٰة فللمالك ان يدفع الى كل واحد منهم وله ان يقتصر على صنف واحد وقال الشافعي لا يجوز الا ان يصرف الى ثلاثة من كل صنف لان الاضافة بحرف اللام للاستحقاق ولنا ان الاضافة لبيان انهم مصارف لا لاثبات الاستحقاق الى ان قال ولا يبنى بها مسجد ولا يكفن بها ميت لانعدام التمليك وهو الركن اھ، اس میں صاف تصریح ہے کہ لام للفقراء حنفیہ کے نزدیک بیان مصارف کے لئے ہے، استحقاق وملک کے لئے نہیں، مگر پھر بھی وہ تملیک کو زکوٰۃ میں رکن قرار دیتے ہیں، اس سے صاف معلوم ہوا کہ شرطِ تملیک کی دلیل لام للفقراء نہیں بلکہ اس کے علاوہ ہے، جس کا مفصل بیان مبحثِ اول میں گذر چکا، پس سائل کا لام میں گفتگو کرنا محض فضول ولاطائل ہے۔

(۲) اس کے بعد سائل نے فی سبیل اللہ کے معنی میں بحث کی ہے، کہ اس کے معنی میں تعیین اور اس تعیین پر اجماع ہوا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب مبحثِ سوم سے بخوبی واضح ہو چکا ہے، کہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے، اور امام مالکؒ کے زمانہ تک اس میں اختلاف نہ تھا، کہ فی سبیل اللہ سے مراد غازی ہیں، اختلاف ان کے بعد حادث ہوا، اور علماء امت نے اس قول کو کہ فی سبیل اللہ میں حج بھی داخل ہے خام قانون شریعت اور ضعیف کہکر رد کر دیا ہے اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ فی سبیل اللہ میں حج اور جمیع قرب داخل ہیں تو ائمہ مجتہدین میں سے کسی کا یہ قول ہرگز نہیں کہ حج یا جمیع قرب میں بدونِ تملیک کے زکوٰۃ کا دینا جائز ہے، بلکہ جو لوگ حج کو اس میں داخل کرتے ہیں یا جمیع قرب کو عام کہتے ہیں وہ تملیک کی شرط کو ضروری کہتے ہیں، ائمہ اربعہ اور جمیع مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے کہ تملیک رکنِ زکوٰۃ ہے، محمدؒ نے جو حج کو فی سبیل اللہ میں داخل کرتے ہیں اس کی تصریح کی ہے کہ حاج منقطع کو تملیک کے طور پر صدقہ دیا جائے، صاحبِ بدائع نے جمیع قرب کو فی سبیل اللہ میں شامل کیا ہے، مگر تملیک کی شرط کو بار بار ذکر کرتے ہیں، پس یہ بحث بھی سائل کو کچھ مفید نہیں، کیونکہ فی سبیل اللہ کا عموم شرطِ تملیک کی نفی نہیں کرتا، ہاں سائل نے تفسیر کبیر وبیضاوی اور خازن کے حوالہ سے بعض فقہاء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ سہم سبیل اللہ کو تمام وجوہِ خیر مثل تکفینِ موتی و بناء جسور وعمارت مساجد وغیرہ میں صرف کرنا جائز ہے،

کیونکہ لفظ فی سبیل اللہ سب کو عام ہے اھ یہ قول البتہ بظاہر شرط تملیک کی نفی کر رہا ہے اگر سبیل اللہ سے مراد سہم زکوٰۃ ہے مگر یہ قول لغو و باطل ہے، کیونکہ عرفِ شرع میں فی سبیل اللہ جہاد و غزو کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا، اور امام ابو بکر ابن العربی نے جب احمد و اسحٰق کے اس قول کو کہ حج فی سبیل اللہ میں داخل ہے خارمِ قانونِ شریعت اور ناشرِ سلکِ نظر کہہ دیا، حالانکہ حج کو جہاد سے شرعاً مناسبت بھی ہے، کیونکہ حدیث میں عورتوں کے لئے وارد ہے جہادکن الحج کہ تمہارا جہاد حج ہے، تو یہ قول خارمِ قانونِ شریعت کیونکر نہ ہوگا، جس میں حج کے سوا جمیع وجوہِ خیر کو سبیل اللہ میں داخل کیا گیا ہے، پھر یہ کچھ معلوم نہیں کہ یہ بعض فقہاء کون ہیں؟ مقلدین یا مجتہد یا اہلِ ظاہر[عہ] میں سے ہیں؟ اور جب تک قائل معلوم نہ ہو اُس وقت تک کوئی قول مسموع نہیں ہو سکتا، ان

هذا الامر دين فانظر واعمن تأخذون دينكم ولولا الاسناد لقال من شاء ماشاء، مبحث اوّل میں شرط تملیک کی دلیل میں نصِ قرآنی و احادیث مشہورہ و اجماعِ مجتہدین مذکور ہوا ہے، اس کے مقابلہ میں قول مجہول کیونکر مسموع ہو سکتا ہے؟! فقہ میں محض قال بعض الفقہاء یا قال بعضہم سے کام نہیں چل سکتا، جب تک قائل معلوم نہ ہو جیسا حدیث میں روایت مجہول معتبر نہیں اس سے زیادہ فقہ میں مجہول کا قول قابل اعتبار نہیں، فافہم۔

علاوہ ازیں یہ کہ سائل نے تفاسیر کو غور سے دیکھا ہوتا تو اس کو معلوم ہو جاتا کہ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہوا ہے، کہ اس سے صرف زکوٰۃ واجبہ مراد ہے یا اس میں صدقات نافلہ بھی داخل ہیں، بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ اس میں صدقاتِ نافلہ بھی داخل ہیں، تو ممکن ہے کہ یہ بعض فقہاء جو فی سبیل اللہ میں جمیع وجوہِ خیر کو داخل کرتے ہیں وہی ہوں، جو انما الصدقات میں صدقات نافلہ کو بھی داخل کرتے ہیں، اور چونکہ بالاتفاق صدقات نافلہ کا صرف کرنا جمیع وجوہِ خیر میں جائز ہے، مثل تکفینِ موتیٰ و بناءِ مساجد و بناءِ حصون وغیرہ کے، اس لئے وہ اس طرف مضطر ہوئے کہ فی سبیل اللہ کو عام کہیں، مگر اس تعمیم کا حاصل صرف یہ ہوگا کہ صدقاتِ نافلہ کا جمیع وجوہِ خیر میں صرف کرنا جائز ہے، نہ یہ کہ زکوٰۃ واجبہ بھی بدونِ تملیک کے تمام وجوہِ خیر میں صرف ہو سکتی ہے، تفسیر کبیر ملاحظہ ہو، اتفقوا على ان قوله تعالى انما الصدقات دخل فيه الزكوٰة الواجبة لان الزكوٰة الواجبة مسماة بالصدقة قال

[عہ] اور ظاہر ہے کہ مقلد و اہل ظاہر کا خلاف کسی درجہ میں معتبر نہیں ۱۲ منہ

تعالیٰ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وقال علیه السلام لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة واختلفوا فی انه هل تدخل فیه الصدقة النافلة فمنهم من قال تدخل فیها لان لفظ الصدقة مختص بالنافلة فاذا ادخلنا فیه الزکوٰة الواجبة فلا اقل من ان تدخل فیها الصدقة المندوبة وتکون الفائدة ان مصارف جمیع الصدقات لیس الا هؤلاء اه (ص ۴۶۴ ج ۴)

(۳) اس کے بعد سائل نے امام بخاریؒ کے ایک ترجمۃ الباب سے استدلال کیا ہے کہ امام بخاریؒ زکوٰۃ میں تملیک کو واجب نہیں سمجھتے، اور مانعین سے امام بخاریؒ کے استدلال کے جواب میں آیت یا حدیث صریح کا مطالبہ کیا ہے اور قطعی وتشفی بخش جواب مانگا ہے،

مگر میں کہتا ہوں کہ پہلے سائل امام بخاریؒ کا صریح قول تو دکھلائے اس کے بعد ہی اس کے جواب کے لئے آیت یا حدیث صریح وقطعی وتشفی بخش جواب کا مطالبہ کرے، امام بخاریؒ نے صراحۃً کہیں یہ نہیں کہا کہ زکوٰۃ میں تملیک شرط نہیں، انھوں نے تو صرف ایک ترجمۃ الباب قائم کیا ہے، باب العروض فی الزکوٰۃ، جس کے معنی ہیں کہ زکوٰۃ میں متاع و اسباب کا دینا بھی (بجائے نقود کے) جائز ہے یا نہیں، پھر اس باب کے تحت میں چند احادیث لائے ہیں، اب اس ترجمہ کو اور اُن احادیث کو ملا کر جو کچھ مطلب نکالا جائے گا وہ صراحۃً امام بخاریؒ کا قول نہ ہوگا، بلکہ شارحین کا قول ہوگا، کیونکہ یہ بات اہل علم پر ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ کے تراجم ابواب کی مطابقت احادیث باب سے بہت دقیق ہوتی ہے، اور بہت جگہ مطابقت ظاہر میں کچھ نہیں معلوم ہوتی، امام بخاریؒ کے تراجم ابواب چیستان سے کم نہیں، جن کی تطبیق احادیث پر جا بجا نہایت دشوار اور دقیق ہوتی ہے، تو ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ترجمۃ الباب اور احادیث باب میں تطبیق دیتے ہوئے جو وجوہ مختلفہ شارحین بیان کرتے ہیں اُن سے امام بخاریؒ کا مذہب کیونکر متعین ہو سکتا ہے، اور اس کو جزماً امام بخاریؒ کا قول کیونکر کہا جا سکتا ہے۔

اب سنئے، اس مقام پر ترجمۃ الباب یہ قائم کیا گیا ہے، باب العروض فی الزکوٰۃ، اور اس کے تحت میں حضرت خالدؓ کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے واما خالد فقد احتبس ادراعه واعتده فی سبیل الله (کہ جب حضرت خالدؓ سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا گیا اور انھوں نے زکوٰۃ نہ دی اور حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ) خالدؓ نے تو اپنی زرہیں اور سامان سب کا سب اللہ کے راستہ میں وقف کردیا ہے"۔
شارحین نے ترجمہ کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت میں مختلف وجوہ اور متعدد تاویلیں ذکر کی ہیں، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: مطابقة للترجمة من حيث ان ادراع خالدؓ و اعتده من العرض ولولا انه وقفهما لاعطاهما في وجه الزكوٰة، او لما صح منه صرفهما في سبيل الله دخلا في احد مصارف الزكوٰة الثمانية المذكورة في قوله تعالىٰ انما الصدقات للفقراء فلم يبق عليه شئ اھ (ص ۳۴۹ ج ۴)
(ترجمہ) حدیث کی مطابقت ترجمۃ الباب سے اس طرح ہے کہ حضرت خالدؓ کی زرہیں اور سامان عروض کی قسم سے تھا، اور اگر وہ اُن کو وقف نہ کرچکتے تو زکوٰۃ میں انہی کو دیتے، (معلوم ہوا کہ زکوٰۃ میں عروض کا دینا جائز ہے) یا یہ کہ جب حضرت خالدؓ کا زرہ اور سامان کو سبیل اللہ میں صرف کرنا صحیح ہوگیا، تو یہ سامان مصارفِ زکوٰۃ کے ایک مصرف میں داخل ہوگیا، جو آیت صدقات میں مذکور ہیں تو اب اُن کے ذمہ کچھ نہیں رہا، اھ۔

اس میں توجیہ اوّل تو حنفیہ اور جمہور امت کے موافق ہے، اس سے شرط تملیک کا ابطال لازم نہیں آتا، ہاں توجیہ ثانی سے شبہ ہوسکتا ہے کہ وقف ہی سے بدون تملیک کے زکوٰۃ ادا ہوگئی، مگر علامہ عینی کا یہ مطلب ہرگز نہیں، بلکہ اُن کا مطلب یہ ہے کہ زرہ اور سامانِ حرب کو سبیل اللہ میں وقف کردینے سے زکوٰۃ ساقط ہوگئی، کیونکہ مال موقوف محلِ زکوٰۃ نہیں، جیسا کہ صفحہ ۳۹۶ ج ۴ میں تصریح کے ساتھ علامہ عینیؒ نے حدیث خالد ہی کی شرح میں فرمایا ہے وفيه اسقاط الزكوٰة عن الاموال اھ، کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اموال موقوفہ سے زکوٰۃ ساقط کردی جاتی ہے، اور یہ[۵] بات حنفیہ کے موافق ہے کہ

---

[۵] اس مقام پر یہ بات قابلِ تنبیہ ہے کہ سائل نے سوال میں یہ ظاہر کیا ہے کہ قصہ خالدؓ سے بخاری نے زکوٰۃ میں نقد کے عوض متاع دینا ثابت کیا جو فقہائے حنفیہ کے موافق ہے، اس کے بعد سائل نے مولانا احمد علی صاحبؒ محشی بخاری کی عبارت نقل کی ہے، جس سے دیکھنے والوں کو یہ دھوکہ ہوگا کہ حنفیہ نے بھی حدیث خالد سے وہی سمجھا ہے جو بزعمِ سائل امام بخاریؒ نے سمجھا کہ حضرت خالدؓ نے زرہ بکتر کو زکوٰۃ میں نکالا اور ان کو بدون تملیک کے وقف کردیا، حالانکہ حنفیہ نے ادائِ عرض وادائِ قیمت فی الزکوٰۃ کا مسئلہ صرف حدیثِ خالدؓ سے مستنبط نہیں کیا، بلکہ دراصل حدیث معاذؓ و انسؓ سے مستنبط کیا ہے، اور جو عبارت دفع قیم فی الزکوٰۃ کے متعلق سائل نے حاشیۂ بخاری سے نقل کی ہے وہ حاشیہ مولانا احمد علی صاحبؒ نے حدیث معاذؓ ہی پر تحریر کیا ہے، نہ حدیث خالدؓ پر، اور علامہ عینیؒ نے بھی اس مسئلہ کو اولاً (ص ۳۴۸ ج ۴) میں حدیثِ معاذؓ و حدیثِ انسؓ ہی کے تحت میں بیان کیا ہے، سائل کو ایسی صریح مسامحت سے احتراز کلی لازم تھا، ۱۲ منہ

مال وقف منقول میں زکوٰۃ واجب نہیں، جبکہ حولانِ حول سے پہلے وقف کر دیا گیا ہو اور حضرت خالد رضؓ نے حولانِ حول سے پہلے ہی اپنا سامان وقف کر دیا تھا، کیونکہ جب انھوں نے مصدق سے انکار کر دیا (جو حولانِ حول پر زکوٰۃ وصول کیا کرتا ہے) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صیغۂ ماضی کے ساتھ فرمایا کہ خالد رضؓ تو اپنا سامانِ حرب وقف کر چکے ہیں، تم مطالبۂ زکوٰۃ پر اُن پر ظلم کرتے ہو (اور وقف قبل حولانِ حول کی بحث عنقریب مفصل آئے گی)۔

اور ایک توجیہ حافظ ابن حجرؒ نے کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے قصۂ خالد رضؓ سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ زکوٰۃ کے مال کو ہتھیار و آلاتِ حرب کی خرید میں لگانا اور جہاد میں اُن سے مدد کرنا جائز ہے، اس بنا پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضؓ کو اس امر کی اجازت دی کہ وہ اپنے اس حبس کو زکوٰۃ واجبہ کے حساب میں لگالیں اھ (فتح ج ۳ ص ۲۶۴)۔

یہ توجیہ البتہ ظاہر میں شرط تملیک کے غیر ضروری ہونے میں مبنی ہے، گو تاویل کے ساتھ اس کو بھی علامہ عینیؒ کی تاویل ثانی کی طرف راجع کیا جا سکتا ہے۔

اور ایک توجیہ جمہور نے کی ہے انه لو کان نوی باخراجها عن ملکه الزکوٰة عن ماله لان احد الاصناف سبیل الله وهم المجاهدون وهذا یقوله من یجیز اخراج القیم فی الزکوٰة کالحنفیة ومن یجیز التعجیل کالشافعیة ذکرہ الحافظ فی الفتح (ص ۲۶۴ ج ۳) کہ حضرت خالد رضؓ نے ان زرہوں وغیرہ کو اپنی مِلک سے نکالتے ہوئے اپنے مال کی زکوٰۃ کی نیت کی تھی، کیونکہ سبیل اللہ یعنی مجاہدین بھی زکوٰۃ کا ایک مصرف ہے، اور یہ توجیہ وہ لوگ کرتے ہیں جو زکوٰۃ میں قیمت کا ادا کرنا جائز سمجھتے ہیں، جیسے حنفیہ اور زکوٰۃ پیشگی ادا کرنا جائز سمجھتے ہیں، جیسے شافعیہ اھ، اس توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ حضرت خالد رضؓ نے زکوٰۃ میں زرہیں وغیرہ نکالی اور اُن کو جہاد کے واسطے رکھ چھوڑا کہ ضرورت کے وقت مجاہدین کو دیدی جائیں گی، اس توجیہ میں اخراج عن الملک سے مراد عزل ہے، اور حبس سے مراد حبسِ لغوی ہے، وقف مراد نہیں، کیونکہ حنفیہ وشافعیہ کے مذہب پر یہی صورت منطبق ہوسکتی ہے، اور حافظ نے اس کو حنفیہ وشافعیہ کی طرف منسوب کیا ہے، پس ان کے مذہب پر انطباق لازم ہے، علامہ عینیؒ کی عبارت حافظ کی عبارت سے زیادہ واضح ہے، انھوں نے اس میں اتنا اور زیادہ کیا ہے فصرفها فی الحال کصرفها فی المآل اھ کہ زکوٰۃ کا اس وقت صرف کرنا اور بعد میں صرف کرنا برابر ہے، اس کا وہی مطلب ہے کہ حضرت خالد رضؓ نے ان

اشیاء کو زکوٰۃ کی نیت سے الگ کر کے آئندہ مجاہدین پر صرف کرنے کے لئے روک لیا تھا۔

ایک توجیہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے شرح تراجم بخاری میں بیان فرمائی ہے۔

واستدلال المؤلف بقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم واما خالد الخ استدلال ببعض محتملاته بان یقال معناه انه اشتری بمال الزکوٰۃ الادراع والاعبد فوقفها فی سبیل اللہ فقد سقطت زکوٰته واما لو حمل الکلام علی معان اُخر فلا یدل علی الترجمة اھ (ص ۱۱۰)۔

مؤلف کا قصۂ خالدؓ سے استدلال بعض معانی محتملہ سے استدلال ہے، کہ یوں کہا جائے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت خالدؓ نے مالِ زکوٰۃ سے زرہیں اور غلام خرید کر کے ان کو سبیل اللہ میں وقف کر دیا ہے، اس لئے اُن پر سے زکوٰۃ ساقط ہو گئی، اور اگر کلام کو دوسرے معنی پر محمول کیا گیا تو ترجمہ پر دلالت نہ ہوگی۔

میں کہتا ہوں اس کا حاصل وہی ہے جو علامہ عینی کی توجیہ ثانی کا حاصل ہے، کہ خالدؓ نے حولانِ حول سے پہلے زکوٰۃ کے مال سے آلاتِ حرب خرید کر کے وقف کر دیئے ہیں اس لئے زکوٰۃ ساقط ہو گئی، اور اس کو حنفیہ تسلیم کرتے ہیں، جبکہ تمام حول پر نصاب کامل باقی نہ رہے۔

ایک توجیہ ہمارے بعض مشائخِ حدیث نے یہ کی ہے کہ امام بخاریؒ نے زکوٰۃ کو وقف پر قیاس کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ جب عروض کا وقف جائز ہے (جو کہ صدقہ کی ایک قسم ہے) تو زکوٰۃ میں بھی عروض کا دینا جائز ہے، کیونکہ زکوٰۃ بھی صدقہ ہی ہے، جب صدقہ ہونے میں دونوں مساوی ہیں تو عروض کے ساتھ جواز تعلق میں بھی دونوں مساوی ہونگے، اور یہ توجیہ ہمارے نزدیک تمام توجیہات سے اقرب ہے، کیونکہ بقیہ توجیہات کی بنا محض احتمالی امور پر ہے، مثلاً یہ کہ حضرت خالدؓ نے سلاح واعتاد وغیرہ کو زکوٰۃ میں محسوب کر کے وقف کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس حساب کو جائز رکھا۔

یا حضرت خالدؓ نے مالِ زکوٰۃ سے ان اشیاء کو خرید کر وقف کیا تھا، اور ظاہر ہے کہ الفاظِ حدیث میں ان احتمالات پر کوئی دلیل و قرینہ قائم نہیں، نہ حضرت خالدؓ کے حساب لگانے پر نہ حضورؐ کی اجازتِ حساب پر، نہ حضرت خالدؓ کے شراء و بیع پر، حدیث کا مدلول تو صرف اس قدر ہے کہ مصدق نے حضرت خالدؓ سے زکوٰۃ مانگی انھوں نے دینے سے انکار کیا، مصدق نے حضورؐ سے شکایت کی، حضورؐ نے حضرت خالدؓ کی طرف سے یہ عذر بیان کیا

کہ وہ تو اپنا سامانِ حرب زرہ و غلام و سامان وغیرہ سبیل اللہ میں وقف کر چکے ہیں، تم اُن پر مطالبۂ زکوٰۃ سے ظلم کرتے ہو، اس مدلول سے ظاہر صرف اس قدر ہے کہ مصدق نے حضرت خالدؓ کے سامانِ حرب کو بمقدارِ کثیر دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ تجارتی مال ہے (کیونکہ استعمالی اسباب اتنا زیادہ نہیں ہوتا، اور اس کثرت کی دلیل حدیث میں صیغۂ جمع ادراع واعتداعبد ہے) اس لئے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا، حضور ﷺ نے بتلادیا کہ وہ تو اس کو وقف کر چکے ہیں، اس سے امام بخاریؒ نے یہ استدلال کیا کہ جب عروض کا وقف جائز ہے تو زکوٰۃ میں بھی عروض کا دینا جائز ہے۔

امام شوکانیؒ نیل الاوطار میں فرماتے ہیں: ومعنی ذلک انہم طلبوا من خالدؓ زکوٰۃ اعتادہ ظنّاً منہم انہا للتجارۃ (ای لکثرتہا ۱۲) وان الزکوٰۃ فیہا واجبۃ فقال لہم لا زکوٰۃ فیہا علیّ فقالوا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان خالداً منع الزکوٰۃ فقال انکم تظلمونہ لانہ حبسہا ووقفہا فی سبیل اللہ تعالیٰ قبل الحول علیہا فلا زکوٰۃ فیہا اھ (ص ۳۷ ج ۴)۔

اب اتنی توجیہات کے بعد یہ دعویٰ کرنا کہ امام بخاریؒ کی مراد وہی توجیہ ہے جو حافظ ابن حجرؒ نے بیان کی ہے دعویٰ بلا دلیل ہے، اور اس پر یہ تفریع کرنا کہ امام بخاریؒ کا اس قصۂ خالدؓ کے ذکر سے یہ مقصود ہے کہ اداءِ زکوٰۃ میں تملیک شرط نہیں بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔

اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ امام بخاریؒ کا یہ مقصود ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن کا مذہب بھی یہی ہے، کہ زکوٰۃ میں تملیک شرط نہیں، کیونکہ محدثین اپنی کتابوں میں مختلف احادیث مختلف تراجم کے ساتھ بیان کرتے ہیں، اور ان کا مذہب ان میں سے ایک ہوتا ہے، جیسا کہ ترمذی ونسائیؒ نے باب القرآۃ خلف الامام، والرخصۃ فی ترک القرآۃ خلف الامام منعقد کیا ہے، اور دونوں ان کا مذہب نہیں، اسی طرح ممکن ہے کہ امام بخاریؒ نے اس ترجمہ وحدیث سے اس بات پر تنبیہ کی ہو، کہ حدیث خالدؓ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ زکوٰۃ وقف سے بھی ادا ہو سکتی ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام بخاریؒ کا مذہب یہی ہے۔

اب رہا یہ کہ حدیثِ خالدؓ سے یہ مطلب قطعی طور پر حاصل ہوتا ہے یا بطور احتمال کے، تو اس کو شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے واضح کر دیا کہ یہ استدلال بعض محتملات سے

استدلال ہے، اور اصولی قاعدہ ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال، کہ احتمال کے ساتھ استدلال باطل ہے، پھر یہ احتمال اُن دلائل صریحہ کے مقابلہ میں کیا وقعت رکھ سکتا ہے جو مبحث اوّل میں تملیک کی ضرورت پر نصوص قرآنیہ واحادیث مشہورہ واجماع مجتہدین سے بیان کئے گئے ہیں؟

تیسرے ہم یہ کہتے ہیں کہ بعد تسلیم اگر مان لیا جائے کہ امام بخاری کا مذہب وہی ہے جو سائل نے سمجھا ہے تو اس کے بعد وہ یہ ثابت کرے کہ امام بخاری مقلد ہیں، یا مجتہد، اگر مقلد ہیں تو مجتہدین کے اقوال کو چھوڑ کر مقلد کا قول لینا کب جائز ہے؟ خصوصاً جبکہ اُن کا استدلال بھی بوجہ استدلال بالمحتمل ہونے کے باطل ہو، اور اگر مجتہد ہیں تو اُن کا قول ائمۂ مجتہدین سابقین کے خلاف ہے، اور اجماعِ سابق کو خلافِ لاحق منقوض نہیں کر سکتا، بلکہ خلافِ لاحق خود باطل ہے۔

اور کوئی یہ کہے کہ گو حافظ ابن حجرؒ کی توجیہ سے امام بخاریؒ کا مذہب متعین نہیں ہو سکتا مگر خود حافظؒ کے نزدیک تو اس توجیہ کا صحیح ہونا معلوم ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حافظ کا مذہب وہی ہے جو اس توجیہ میں مذکور ہے، کیونکہ شارح کا کام صرف یہ ہے کہ مؤلف کتاب کے قول کی شرح کر دے خواہ وہ شرح شارح کے موافق ہو یا مخالف، اور جب اس سے حافظ کا مذہب متعین نہ ہوا تو اس کا اخذ کرنا جائز نہیں، کیونکہ جس قول کے خلاف خود قائل کا مذہب ہو وہ قول قائل ہی کے نزدیک باطل ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ امام شافعیؒ کے مقلد ہیں، اس لئے یہ توجیہ حافظ کا مذہب ہرگز نہیں، بلکہ اُن کے مذہب کے خلاف اور ان کے نزدیک باطل ہے، نیز اس میں وہ جوابات بھی جاری ہیں جو امام بخاریؒ کے مقلد و مجتہد ہونے کی صورت میں اوپر مذکور ہوئے ہیں۔

اس کے بعد سائل نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت حجۃ اللہ البالغہ سے

ع۵ اس مقام پر یہ امر قابلِ تنبیہ ہے کہ سائل نے عبارت حجۃ اللہ البالغہ کے ترجمہ میں غلطی کی ہے، کیونکہ ترجمہ میں یہ جملہ "جیسا کہ آیت کے نزول کے موقع پر مدینہ مسلمانوں کا خالص شہر تھا" نہ معلوم کس جملہ کا ترجمہ ہے، اور اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ مترجم نے لتکفی نوائب المدینۃ میں "المدینۃ" سے شہر مدینہ مراد لیا ہے، اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے، یہاں نوائب المدینہ سے حوادث البلد مراد ہے، جو ہر بلد کو عام ہے ۱۲ منہ

نقل کی ہے، جس میں شاہ صاحبؒ کا یہ قول ہے کہ حدیثِ خالدؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف زکوٰۃ کی جانب سے کافی ہے، اور یہ کہ آیت صدقات میں حصر اضافی ہے، اور یہ کہ مصارف زکوٰۃ میں توسیع کی ضرورت ہے الخ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے خود شرح تراجم و ابواب میں تصریح کردی ہے کہ حدیثِ خالدؓ میں مختلف احتمالات ہیں، اور امام بخاریؒ کا استدلال حدیثِ خالدؓ سے بطور احتمال کے ماخوذ ہے اھ، اور محتمل سے استدلال باطل ہے، اس لئے شاہ صاحبؒ کا یہ استدلال ساقط ہے، اگر ان کی مراد وہی ہے جو سائل نے اس سے سمجھی ہے، نیز آیت میں حصر کو اضافی کہنا بھی حدیث و اجماع کے خلاف ہے، جس کا مبحثِ دوم میں ذکر ہو چکا۔

دوسرے شاہ صاحبؒ نے شرح تراجم میں جو توجیہ بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مالِ زکوٰۃ کے وقف کرنے سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے، اور حجۃ اللہ البالغہ میں یہ کہا ہے کہ وقف زکوٰۃ کی طرف سے کافی ہے، دونوں میں اختلاف ہے، اور ایک شخص کے مختلف اقوال میں جمع یا ترجیح لازم ہے، پس اول یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ ان دونوں میں سے مقدم و مؤخر کونسا ہے، اگر یہ ثابت نہ ہو سکے تو جمع نہ ہو سکنے کی صورت میں دونوں ساقط ہیں، اور اس کے قول سے احتجاج و استدلال نہیں ہو سکتا خصوصاً جبکہ حضرت شاہ صاحبؒ خود مقلد ہیں، اور اُن کا رُتبہ امام بخاریؒ اور حافظ ابن حجر سے بھی پیچھے ہے، تو اُن کا قول ائمہ مجتہدین کے خلاف مسموع نہیں ہو سکتا۔

نیز حضرت شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں صدقات کی تقسیم اولاً اس طرح کی ہے: والبلاد الخاصة بالمسلمين عمدة ما يتخلص فيها من المال نوعان بازاء نوعين من المصرف، نوع هو المال الذى زالت عنه يد مالكه كتركت الميت لا وارث له وضوال من البهائم لا مالك لها واللقطة

لـه سائل نے شاہ صاحبؒ کی عبارت کا یہ جملہ بھی نقل کیا ہے «وعن ابی الآس حملنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ابل الصدقۃ للحج» اھ اس سے معلوم نہیں سائل کو کیا ثابت کرنا مقصود ہے، اگر یہ مقصود ہے کہ فی سبیل اللہ غزاۃ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ حج بھی اس میں داخل ہے، تو اس کو یہ ثابت کرنا لازم ہے کہ یہ اونٹ جن پر حجاج کو سوار کیا گیا سہم سبیل اللہ کے تھے، سہم ابن السبیل کے نہ تھے، اور اگر یہ مقصود ہے کہ یہ اونٹ زکوٰۃ کے بدون تملیک کے بطور وقف کے استعمال کئے گئے تو اس کو نفیِ تملیک پر دلیل قائم کرنا چاہیے، کیونکہ لفظ حملنا تملیک سے آبی نہیں بلکہ تملیک کے ساتھ بھی اطلاق ہوتا ہے ۱۲ منہ

اخذها اعوان بيت المال وعرفت فلم يعرف لمن هي ومن حقه ان يصرف الى المنافع المشتركة التي مما ليس فيها تمليك لاحد ككري الانهار وبناء القناطر والمساجد وحفر الأبار والعيون وامثال ذلك ونوع هو صدقات المسلمين جمعت في بيت المال ومن حقّه ان يصرف الى ما فيه تمليك لاحد وفي ذلك قوله تعالى انما الصدقات للفقراء الآية (ص ۳۳ و ۳۴ ج ۲) -

جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کے بلادِ خاصّہ میں دو قسم کے اموال دو قسم کے مصرف کے مقابلہ میں ہیں، ایک قسم کا مال تو وہ ہے جس پر سے مالک کا قبضہ زائل ہو گیا، جیسے لاوارثی ترکہ، گم شدہ جانور اور لقطہ وغیرہ، اس کا مصرف تو منافع مشترکہ ہیں جن میں تملیک کسی کی نہیں ہوتی، جیسے بناء مساجد و قناطر اور نہریں اور کنواں اور چشمہ کھودنا وغیرہ۔

اور ایک نوع اموال کی وہ ہے جو مسلمانوں کے صدقات سے بیت المال میں جمع ہوتی ہے، اس کا حق یہ ہے کہ ایسے مصرف میں صرف ہو جس میں کسی کی تملیک ہو، اور آیت انّما الصّدقات للفقراء اسی قسم کے اموال کے متعلق ہے، اھ

اس عبارت کے سیاق سے ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں قانونِ شرعی کی ترجمانی کی گئی ہے، کیونکہ اس سے پہلے یہ جملہ ہے فجعل النبي صلی اللہ علیہ وسلم لكل من هذين سنة وجعل الجباية بحسب المصارف اھ

اور اخیر میں فرمایا ہے کہ اموال کی نوع ثانی کا حق یہ ہے کہ ایسے مصرف میں صرف ہو جس میں کسی کی تملیک ہو، پھر فرمایا کہ آیت انما الصدقات اسی قسم کے اموال کے متعلق ہے،

اس سے صاف عیاں ہے کہ اس مقام پر شاہ صاحبؒ نے اموال و مصارف کی جو تقسیم کی ہے وہ ان کے نزدیک شرعی تقسیم ہے، محض اجتہادی نہیں، کیونکہ خدا اور رسولؐ کی طرف شاہ صاحبؒ نے اس کو منسوب کیا ہے، پس جب حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک اموال کی نوع ثانی کے لئے شرعاً تملیک کا ضروری ہونا متحقق ہے تو اب اُن کے آئندہ کلام کو جو محض استدلالی کلام ہے ایسے معنی پر محمول کرنا جس سے تملیک کا ابطال ہوتا ہو اُن کے کلام کو مختل کرنا اور آخر کلامہ ینقض اوّلہ کا مصداق بنانا ہے، پس لازم ہے کہ آخر کلام کی ایسی توجیہ کی جائے جس سے پہلے کلام کا ابطال نہ ہو، اور وہ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا مقصود آخر کلام سے یہ ہے کہ مالِ زکوٰۃ کا وقف قبل حولانِ حولع جائز ہونا چاہئے،

ع اور چونکہ اس میں بظاہر ابطال زکوٰۃ اور فرار عن الزکوٰۃ ہے جسکو بعض فقہاء نے جائز نہیں سمجھا، اس لئے شاہ صاحبؒ کو اس میں گفتگو کی ضرورت ہوئی ۱۲ منہ

اور اس سے زکوٰۃ ساقط ہوجانا چاہیے، تاکہ زکوٰۃ کے اموال میں وسعت ہوجائے، اور اس صورت میں حصر کو اضافی ان صدقات کے لحاظ سے کہا گیا جو باعتبار اصل کے اموالِ زکوٰۃ تھے، اور باعتبار انتہاء کے اموالِ زکوٰۃ نہیں رہے، ولا کلام فیہ، اس صورت میں کلام میں تعارض نہ رہیگا، اور حاصل یہ ہوگا کہ مالِ زکوٰۃ کو قبل حولانِ حول دوسری نوع کی طرف منتقل کردینا جائز ہے، اور ہم حضرت خالدؓ کے واقعہ کی تاویل میں علامہ شوکانیؒ سے بعینہ یہی نقل کرچکے ہیں کہ انھوں نے قبل حولانِ حول اپنی ادراع واعتاد کو وقف کردیا تھا، اور حضرت شاہ صاحبؒ کا حجۃ اللہ البالغہ میں الحبس یجزی عن الصدقۃ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ وقف قبل حول سے زکوٰۃ ساقط ہوجاتی ہے، اس صورت میں شرح تراجم کی عبارت اور حجۃ اللہ البالغہ کی اول وآخر عبارت میں تعارض نہ رہے گا، اور اجزاء عنہ کا بمعنی سقوط مستعمل ہونا اہلِ علم پر مخفی نہیں، محاورات فقہاء میں اس کے نظائر ملیں گے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بہرحال شاہ صاحبؒ کے مرتبۂ عالیہ پر نظر کرکے اُن کے کلام کی یہ توجیہ کردی گئی ورنہ ان کا کلام واضح بھی ہوتا جب بھی ائمہ کے مقابلہ میں کسی درجہ میں حجت نہ تھا، اور متعارض کلام تو کسی کے مقابلہ میں بھی کافی نہیں۔

وھذا وقت ایفاء ما وعدناہ سابقا من البحث فی کون الوقف قبل الحول مسقطاً للزکاۃ ودلیلہ ما فی الدر ولا زکوٰۃ فی ھالک بعد وجوبھا بخلاف المستھلک بعد الحول لوجود التعدی منہ اھ قال الشامی اما قبلہ لو استھلکہ قبل تمام الحول فلا زکوٰۃ علیہ لعدم الشرط واذا فعل حیلۃ لدفع الوجوب قال ابو یوسفؒ لایکرہ لانہ امتناع عن الوجوب لا ابطال حق الغیر وفی المحیط انہ الاصح وقال محمدؒ یکرہ واختارہ الشیخ حمید الدین الضریرؒ لان فیہ اضرارا بالفقراء وابطال حقہم مآلا اھ (ص ۳۲ ج ۲)۔

قلت: ووقف مال الزکوٰۃ استھلاک فیسقط الزکوٰۃ ان کان قبل الحول ولا یسقطھا بعدہ فافھم۔

تتمہ (۱) سائل نے شروع سوال میں یہ ظاہر کیا ہے کہ مالِ زکوٰۃ، فطرہ، اور چرمِ قربانی (یعنی اس کی قیمت) کو بہت سے مصارف میں بدونِ تملیک کے صرف کرنے کی آجکل ضرورت ہے، اور تملیک جاری کرنا ہو تو حیلہ تلاش کرنا پڑتا ہے جس کا

ثبوت آیات و احادیث و اقوال سلف سے نہیں ملتا ہے الخ اس قول میں سائل نے فقہاء حنفیہ پر درپردہ اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے حیلۂ تملیک ایسا بیان کیا ہے جو شریعت میں کچھ اصل نہیں رکھتا، افسوس سائل کو پہلے کسی فقہی کتاب میں دلیل تلاش کرنے کی مشقت تو برداشت کرنا چاہئے تھی، اس کے بعد ہی یہ بات قلم سے نکالنا زیبا تھی، اس حیلہ کی دلیل تو سائل کو امام بخاریؒ ہی سے معلوم ہوجاتی، جن کے قول مبہم و متشابہ کی تقلید کا اس کو بہت شوق ہو رہا ہے، امام بخاریؒ نے حدیث بریرہؓ کو تقریباً چالیس مقام سے زیادہ میں اعادہ کیا ہے، اور اس سے مسائل کثیرہ مستنبط کئے ہیں، منجملہ اُن کے ایک یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ اگر فقیر کو صدقہ دیا جائے، پھر فقیر وہ صدقہ غنی کو دیدے تو غنی کے لئے جائز ہے، لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو لہا صدقۃ ولنا منہا ھدیۃ (ملاحظہ ہو بخاری، ص ۲۰۲ ج ۱) باب اذا تحولت الصدقۃ) یہی اصل اُس حیلہ کی ہے جو حنفیہ نے تملیکِ زکوٰۃ میں بیان کیا ہے۔

نیز ابوداؤد و ابن ماجہ اور حاکم نے ابوسعید خدریؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:
لا تحل الصدقۃ لغنی الا لخمسۃ لعامل علیہا او لغازٍ عہ فی سبیل اللہ او غنی اشتراھا بمالہ او فقیر تصدق علیہ فاھدی لغنی او غارم وقال الحاکم صحیح علی شرط الشیخین کذا فی العمدۃ للعینی (ص ۳۹۲ ج ۴)۔

اس میں او فقیر تصدق علیہ فاھدی لغنی، اس حیلہ کی دلیل ہے جو تملیکِ زکوٰۃ میں فقہاء نے بیان کیا ہے، اس کا حاصل یہی تو ہے کہ زکوٰۃ فقیر کو دی جاتی ہے پھر وہ اپنی طرف سے غنی کو یا مدرسہ و مسجد میں دیدیتا ہے۔

(۲) اشکل علی البعض عدول تعالیٰ عن اللام الی فی قولہ وفی الرقاب، والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل وعسی ان یتوھم منہ لبعض القاصرین

عہ یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ آیت صدقات میں فی سبیل اللہ سے مراد غزاۃ ہیں، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سبیل اللہ کو غازی کے ساتھ مقید نہ فرماتے، اس قید ہی کی وجہ سے شراحِ حدیث نے اُن روایات کی جن میں فی سبیل اللہ مطلق ہی، غازی کے ساتھ تفسیر کی ہے، ملاحظہ ہو نیل الاوطار" باب فی سبیل اللہ وابن السبیل ۱۲ منہ

ان ظاھرہ یقتضی ان ھؤلاء الاربعۃ لایملکون ما یعطون من الصدقات کالاوائل وان لایکون سھم سبیل اللّٰہ کلہ مقصورًا علی الغزاۃ بل ینفق منہ فیھم شیٔ والباقی فی مصرف اٰخر فنقول قال صاحب الکشاف انہ تعالٰی انما عدل عن اللام الٰی فی فی الاربعۃ الاخیرۃ للایذان بانھم ارسخ فی استحقاق التصدق علیھم ممن سبق ذکرہ لان فی للوعاء فنبہ علی انھم احقاء بان توضع فیھم الصدقات ویجعلوا مظنۃ لھا ومصبا الخ۔

مبلّغین کی تنخواہ میں زکوٰۃ صرف کرنا ضمیمہ سوال مذکور

سوال (۱۱) مبلّغین کی تنخواہ میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مصارفِ ثمانیہ میں وفی سبیل اللّٰہ جو ایک مصرف ہے اس میں طلبۂ علم اور مبلغینِ احکامِ اسلام اور واعظینِ مسلمانان اور فتنۂ ارتداد سے روکنے والے اور حفاظتِ اسلام کرنے والے سب داخل ہیں، ان سب کو زکوٰۃ کا روپیہ دینا خواہ متفرق غیر معین طریق پر دیں یا ماہانہ مقرر کر کے دیں درست ہے، اور زکوٰۃ ادا ہوجاوے گی، بشرطیکہ وہ نصاب کے مالک نہ ہوں، کما فتاویٰ شامی جلد ۲ صفحہ ۶۳ (مصری) میں وقد قال فی البدائع فی سبیل اللّٰہ جمیع القرب فیدخل فیہ کل من سعٰی فی طاعۃ اللّٰہ وسبیل الخیرات اذا کان محتاجًا الخ

اور کما تفسیر مظہری ص ۱۵ سورۃ توبہ میں قلت ولما کان الفقر ماخوذًا من جمیع الاصناف فالاولٰی ان لا یخص سبیل اللّٰہ بالحج ولا بالغزو بل یترک اعم منھما ومن سائر ابواب الخیر فمن انفق مالہ فی طلبۃ العلم صدق انہ انفق فی سبیل اللّٰہ الخ البتہ جو مصارف دیگر تبلیغِ اسلام کے ہیں، مثلاً ڈاک، تار، طباعت وکاغذات وغیرہ، ان میں زکوٰۃ کا روپیہ خرچ نہیں ہوسکتا، کہ کسی کی مِلک میں نہیں آتا، البتہ کسی غریب یا غیر مالکِ نصاب زکوٰۃ کی مِلک پہلے کردیں، اور اس سے ان کاموں میں خرچ کرادیں تو یہ صورت ہوسکتی ہے، کیونکہ زکوٰۃ میں مالک بنادینا شرط ہے بعض اشخاص مہتممینِ مدارس کے پاس زکوٰۃ کا روپیہ بھیجدیتے ہیں، اُن کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مہتمم صاحب محتاجین کو تقسیم کرکے اس کا مالک بنادیں، اور جو مہتمم کسی مدرسہ کا یا کسی نیک کام کا منتظم زکوٰۃ کے روپے مرسلہ کو طلبہ یا غیر طلبہ غیر مالکِ نصاب کی

ملک میں اس روپے کو نہیں کرے گا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

الجواب من الخانقاہ الامدادیہ تھانہ بھون؛ یہ جواب مذکورہ بالا جس میں زکوٰۃ کی رقم کو معاوضۂ تبلیغ وغیرہ میں دینا بھی جائز کیا ہے، صحیح نہیں، اور جس عبارت سے استدلال کیا ہے اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام قرب و طاعات داخل ہیں، رہا یہ کہ ادائے زکوٰۃ کے لئے محل صرف کا قربت وطاعت ہونا کافی ہے، اس کے سوا کچھ شرط نہیں، یہ اس عبارت سے مفہوم نہیں ہوتا، بدائع میں تملیک (بلاعوض) کی قید خود مصرح ہے، اور اس کو رکنِ ادا، زکوٰۃ قرار دیا ہے، اور یہی مطلب تفسیر مظہری کا ہے، کہ طلبۃ العلم پر انفاق کرنا انفاق فی سبیل اللہ میں داخل ہے، یعنی جبکہ یہ انفاق بطریق تملیک بلاعوض کے ہو، ومن اراد البسط فی الدلائل فلیراجع رسالۃ "التنازع التشکیک فی دفع الزکوٰۃ بالتملیک"

قال فی البدائع رکن الزکوٰۃ هو اخراج جزء من النصاب الی اللہ تعالیٰ وتسلیم ذلک الیه بقطع المالک یدہ عنه بتملیک الفقیر وتسلیمه الیه او الی ید من هو نائب عنه والملک للفقیر یثبت من اللہ تعالیٰ وصاحب المال نائب عن اللہ تعالیٰ فی التملیک والتسلیم الی الفقیر بدلیل قوله تعالیٰ الم یعلموا ان اللہ هو یقبل التوبة عن عبادہ ویأخذ الصدقات وقول النبی صلی اللہ علیه وسلم الصدقة تقع فی ید الرحمٰن وقد امر اللہ تعالیٰ بایتاء الزکوٰۃ والایتاء هو التملیک ولذا سمی اللہ تعالیٰ الزکوٰۃ صدقة بقوله انما الصدقات للفقراء والتصدق تملیک ولان الزکوٰۃ عبادۃ والعبادۃ اخلاص العمل بکلیته للہ تعالیٰ ویکون معنی القربة فی الاخراج الی اللہ تعالیٰ بابطال ملکه عنه لا فی التملیک من الفقیر بل التملیک من اللہ تعالیٰ حقیقة وصاحب المال نائب عن اللہ تعالیٰ اھ ص ۳۹ ج ۲، قلت و الاخراج الی اللہ تعالیٰ یقتضی ان یکون التملیک فی الزکوٰۃ بلاعوض وان کان بعوض لم یکن اخراجاً الی اللہ ولم تکن صدقة ولا عبادۃ کما لا یخفی فان الصدقة انما هی تملیک العین من الفقیر مجاناً قال فی الدر والصدقة کالهبة بجامع التبرع لان المقصود فیها الثواب لا العوض اھ ص ۲۹۶ ج ۴۔

(۲) قال فی البدائع واما العاملون علیها فهم الذین نصبهم الامام لجبایة الصدقات واختلف فیما یعطون قال اصحابنا یعطیهم الامام کفایتهم منها وقال الشافعیؒ یعطیهم الثمن لنا ان ما یستحقه العامل انما یستحقه بطریق العمالة لا بطریق الزکوٰة بدلیل انه یعطی وان کان غنیاً بالاجماع ولو کان صدقة لما حلت للغنی دل انه انما یستحقه بعمله لکن علیٰ سبیل الکفایة لا علیٰ سبیل الاجرة، لان الاجرة مجهولة لان قدر الکفایة له ولاعوانه مجهول غیر معلوم وجهالة احد البدلین یمنع جواز الاجارة فدل ان الاستحقاق لیس علیٰ سبیل الاجرة بل علیٰ طریق الکفایة له اھ (ص ۴۴ ج ۲)۔

اس عبارت سے امور ذیل مستفاد ہوئے:۔ (۱) عاملین زکوٰۃ کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ اجرت نہیں بلکہ نفقہ ہے، جیسے زوجہ کا نفقہ زوج پر بوجہ حبس کے لازم ہوتا ہے یا مضارب کا نفقہ مالِ مضاربت میں ہوتا ہے۔

(۲) امام شافعیؒ اس کو زکوٰۃ ہی قرار دیتے ہیں۔

(۳) عاملین وہ ہیں جن کو امام نے زکوٰۃ وصدقات وصول کرنے کے لئے مقرر کیا ہو، اس کے بعد ظاہر ہے کہ مبلّغ یا چندہ وصول کرنے والوں کو عاملین میں داخل نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ وہ امام کے مقرر کردہ نہیں، اور اُن کو زکوٰۃ وصدقات میں سے نہ تنخواہ دیجاسکتی ہے نہ نفقہ، کیونکہ یہ لوگ نہ عاملین میں داخل ہیں نہ اُن پر اُن کو قیاس کیا جا سکتا ہے، کیونکہ خود عاملین کو زکوٰۃ سے حقِ عمالت دینا خلافِ قیاس نص سے ثابت ہوا ہے، اور خلافِ قیاس کا تعدیہ نہیں ہوسکتا، رہا یہ کہ اُن لوگوں کو یہ تنخواہ زکوٰۃ سے بوجہ سبیل اللہ کے مصداق ہونے کے ہے، اس کا جواب اوپر گزر چکا، کہ جو لوگ فی سبیل اللہ کے مصداق ہیں اُن کو زکوٰۃ تملیک بلاعوض کے طور پر دی جائے گی، معاوضہ کی صورت سے نہیں دی جاسکتی۔

قال فی الدر ولو دفعه المعلّم لخلیفته ان کان بحیث یعمل له لو لم یعطه صح والا لا، ص ۱۳ ج ۲ ومثل ذلك فی کتب الفقه کثیر، واللّٰه تعالیٰ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنه ۲۳ شوال ۴۸ھ

بیشک مبلّغ وغیرہ کی تنخواہ میں زکوٰۃ کی رقم وغیرہ خرچ کرنا جائز نہیں، اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اور خرچ کرنے والے پر ضمان آتا ہے، زکوٰۃ کا مصرف زکوٰۃ کو مفت بلاکسی

معاوضہ کے دینا ایسا امر ہے کہ ہمیں اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں، نہ آئندہ کسی کے اختلاف کی توقع، واللہ اعلم، احقر عبد الکریم عفی عنہ ۲۲ر شوال ۴۸ھ۔

وقال الامام ناصر الدین المالکی وثم سر آخر هو اظهر واقرب وذلك ان الاصناف الاربعة الاوائل ملاك لما عساه يدفع اليهم وانما يأخذونه ملكا فكان دخول اللام لائقا بهم واما الاربعة الاواخر فلا يملكون مايصرف نحوهم بل ولا يصرف اليهم ولكن فى مصالح تتعلق بهم فالمال الذى يصرف فى الرقاب انما يتناوله السادة المكاتبون وكذلك الغارمون انما يصرف نصيبهم لارباب ديونهم تخليصا لذممهم لالهم واما سبيل الله فواضح فيه ذلك واما ابن السبيل فكأنه كان مندرجا فى سبيل الله وانما افرد بالذكر تنبيها على خصوصيته اه اى فاته ايضا لايملك مايعطاه بل يصرفه فى الزاد والراحلة معًا فليس نصيبهم مصروفا الى ايديهم حتى يعبر عن ذلك باللام المشعرة بتملكهم لما يصرف نحوهم وانما هم محال لهذا الصرف فقط وايضا فتوهم ان لايكون سهم سبيل الله مصروفا الى الغزاة كله بلفظة فى لايتاتى على مذهب الحنفية الذين لايوجبون تقسيم الصدقات على ثمانية اسهم وكذا كون اللام للملك والعدول عن اللام الى "فى" اشارة الى نفيه وانما يتأتى كل ذلك على مذهب الشافعيه ويجيبون عن هذا التوهم بما ذكرناه فى وجه العدول عن اللام الى "فى" فافهم والله تعالى اعلم، وليكن هذا آخر الكلام ومسك الختام فى مسئلة التمليك فى الزكوة الواجبة فى النقود والعروض والزروع والانعام، وصلى الله تعالى وسلم على خير خلقه سيدنا النبى محمد افضل الصلوٰة وازكى السلام وعلى آله واصحابه البررة الكرام الى يوم القيام، ظفر احمد عفا عنہ، ۳ر صفر ۴۷ھ۔

اولویت صرفِ زکوٰۃ ببلدے کہ مال موجود باشد

سوال (۱۲) ایک شخص سوداگر ہے، وہ اپنے مال کو سوداگری کے لئے مال فروخت کرنے کو آتا ہے، جب مال فروخت ہو جاتا ہے مکان چلا جاتا ہے، وہ شخص صاحبِ زکوٰۃ ہے، وہ شخص زکوٰۃ یہاں والوں کو دے یا اپنے وطن کے لوگوں کو دے؟

الجواب: اس مسئلہ کی نظیر مضارب کا مسئلہ ہے، اور اس میں علامہ شامی نے فلیراجع کہکر تامل ظاہر کیا ہے (ص ۱۲ج ۲) اصل مسئلہ کی یہ ہے کہ زکوٰۃ میں مکانِ مال معتبر ہے، پس اگر اس سوداگر کے مال پر وہیں سال گذر جائے جہاں وہ تجارت کرتا ہے، تو ظاہر ہے کہ اس کے ذمہ اسی جگہ کے فقراء کو زکوٰۃ دینا ہے، اور اگر حولانِ حول وہاں سے وطن واپس آکر ہوا ہے اور مال وطن میں ساتھ ہے تو اس صورت میں ظاہر یہ ہے کہ فقراءِ وطن کو زکوٰۃ دے، فقد اعتبروا یوم الاداء فی تقویم المال فکذا یکون معتبراً ھنالک وھو الظاھر لکون وجوب الاداء بحولان الحول فحیث کان یحول الحول یعتبر مکانہ فان کان حقاً فمن اللہ وان کان باطلاً فمن الشیطان اور اگر حولان حول وطن آکر ہوا مگر مال وطن میں ساتھ نہیں، بلکہ مال جائے تجارت ہی، تو زکوٰۃ مکانِ مال کے فقراء کو دی جاوے، کما ھو مقتضیٰ قولھم المعتبر فی الزکوٰۃ مکان المال فافہم، واللہ تعالیٰ اعلم

۷ رمضان ۴۷ھ

واپسی زکوٰۃ کی ایک صورت کا حکم

سوال (۱۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے قرض رقم طلب کی، اس پر عمرو نے زکوٰۃ کی نیت سے اس کو دام دیتے (اس لئے کہ زید معزز ہونے کی وجہ سے غربت کی حالت میں بھی مانگنا پسند نہیں کرتا) زکوٰۃ تو ادا ہو گئی، مگر چند روز کے بعد زید اُتنی ہی رقم عمر کی خدمت میں لے کر آیا، اور کہتا ہے کہ تمھارے دام لو، اب عمرو اس کو کسی صورت سے سمجھا نہیں سکتا، کہ بھائی ہم نہیں لیتے، اگر یہ کہا جائے تو زید بگڑتا ہے، اور کہتا ہے کہ کیا تم نے مجھے ایسا سمجھا تھا؟ تو ایسی حالت میں اس رقم کو زید سے عمرو لے سکتا ہے؟ اگر لے سکتا ہے تو کون سے قاعدہ سے، ایک صاحب فرماتے ہیں کہ عمرو لے سکتا ہے اور یہ عمرو کے لئے ہبہ ہو جائے گا، کہ ہبہ کی تعریف یہ ہے تملیک العین مجانا اے بلا عوض، اور وہ بلا عوض مالک بنانا یہاں صادق آرہا ہے، اس لئے جائز ہے، ....

دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ یہ تعریف صادق نہیں آتی، کیونکہ یہ زید کا عمرو کو پھر دام دینا یہ تملیک بلا عوض نہیں، بلکہ زید بعوض دَین یہ دے رہا ہے، ورنہ پھر اور زائد یا دوسری شے کیوں نہیں دیتا، وہ اس نیت سے دے رہا ہے کہ اس کا ہم پر دَین ہے، اور اس کو ادا کریں، کس کا قول صحیح ہے اور صحیح جواب مسئلہ کا کیا ہے؟

الجواب: اگر زید نے یہ رقم عمرو کو دیتے ہوئے یہ کہدیا تھا کہ یہ رقم قرض نہیں

بلکہ ہبہ ہو تب تو زید کو عمرو کی دی ہوئی رقم قبول کر لینا جائز ہے، لکون ہذہ ہبۃ مستانفۃ لاعوداً فی الصدقۃ، اور اگر زید نے عمرو کو وہ رقم دیتے ہوئے نفیِ قرض و اثبات ہبہ کی تصریح نہیں کی تھی تو زید کو عمرو سے اس رقم کا لینا جائز نہیں، کیونکہ عمرو ہبہ مستانفہ کی وجہ سے نہیں دے رہا بلکہ محض ادائے قرض کے لئے دے رہا ہے، اور زید کا قرض عمرو پر ہے نہیں، پھر یہ کیونکر اس رقم کو لے سکتا ہے، اور اگر کسی وجہ سے اس وقت عمرو کو نہ سمجھا سکے تو دوسرے وقت کسی حیلہ سے یہ رقم عمرو کو دیدے، واللہ اعلم، وان شئت تفصیل الجواب فاطلب فتوٰی مفصلۃً بارسال اجرۃ النقل والبرید۔ ۱۲ر رمضان ۴۵ھ ظفر احمد عفا عنہ۔

الجواب، صورتِ مذکورہ میں عمرو زید سے زکوٰۃ دی ہوئی واپس نہیں لے سکتا، مگر بسبب ناراض ہونے و بگڑنے زید کے، عمرو سے زید اس وقت تو لے لے، لیکن کوئی اور چیز خرید کر کے بطور تحفہ و ہدیہ کے عمرو کی تملیک کر دے، واللہ اعلم،

اجابہ و کتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسۂ امینیہ دھلی۔

التفسیر؛ نائب مفتی مدرسۂ امینیہ کا یہ لکھنا کہ "لیکن کوئی چیز خرید کر کے بطور تحفہ و ہدیہ عمرو کی تملیک کر دے اھ، یہ صورت ٹھیک نہیں، کیونکہ اس میں اوّل تو عمرو کی رقم میں تصرف بلا اذن لازم آتا ہے، اور چونکہ وہ رقم زید کے پاس امانت ہوگی اور امانت میں بلا اذن تصرف کرنا خیانت ہے، اس لئے یہ تصرف جائز نہیں، دوسرے اس رقم سے خرید کر جو چیز عمرو کو دی جاتی ہے وہ جنسِ حق سے نہ ہوگی، بلکہ غیر جنس سے ہوگی، اور غیر جنس سے ادائِ حق مختلف فیہ ہے، اس لئے یہ صورت درست نہیں، بلکہ بہتر صورت یہ ہے کہ زید اسی رقم کو دوسرے وقت ہدیہ کے طور پر عمرو کو دیدے، اور یہ کہہ دے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ تم کو بچوں کے واسطے کچھ ہدیہ دوں، واللہ اعلم، ظفر احمد ۲۲ر رمضان ۴۷ھ۔

وکیل نے زکوٰۃ کی رقم ہاشمی کو دیدی تو وکیل پر ضمان لازم آئیگا یا نہیں، یا اس کی اطلاع لازم ہی، ضمان لازم نہیں

سوال (۱۴) زید نے بکر کو رقم فدیہ یا زکوٰۃ کے دینے کا وکیل بنایا، اتفاق سے بکر نے اس کو کسی ہاشمی کو دیدیا، اب ظاہر ہے کہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، اس صورت میں بکر کو اپنی طرف سے رقم زکوٰۃ کی ادا کرنی چاہئے، یا صرف اس کی اطلاع دہی زید کو لازم ہوگی، اور زید کو وہ رقم پھر سے ادا کرنی چاہئے، اور اگر وہ ہاشمی یہ معلوم کر کے کہ جو رقم مجھ کو دی گئی ہے زکوٰۃ کی ہے، اور قبل معلوم ہونے کے وہ رقم خرچ بھی

ہوچکی ہے تو وہ رقم خود بکر کو دینا چاہتا ہے اپنی طرف سے تو بکر کو وہ رقم لینا اس ہاشمی سے اور پھر اس کو زکوٰۃ میں دوسرے کو دینا زید کی طرف سے جس کا وہ مؤکل ہے جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اگر بکر کو ہاشمی کا ہاشمی ہونا معلوم نہ تھا نہ اس کا شبہ تھا، یا معلوم تھا مگر مسئلہ معلوم نہ تھا، اس لئے اس کو زکوٰۃ دیدی، تو صورتِ اوّل میں تو زکوٰۃ ادا ہوگئی، اور صورتِ ثانیہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، مگر بکر کے ذمہ ضمان بھی نہیں، بلکہ زید کو اطلاع کردینا کافی ہے، لکون المسئلۃ مختلفاً فیہا فیتعذر بالجہل عنہا ولا یعد متعدیًا، اور اگر ہاشمی ہونا بھی معلوم تھا اور ہاشمی کا مصرف نہ ہونا بھی معلوم تھا تو بکر ضامن ہے، صرف زید کو اطلاع کرنا کافی نہیں، لکونہ خالف امر المؤکل فان التوکیل بصرف الزکوٰۃ وادائہا ینصرف الی اعطائہا محلا قابلاً لہا حتی لو اعطاہا ولدہ ووالدیہ یضمن کذا ہہنا، واللہ اعلم بالصواب۔

اور اگر ہاشمی خوشی سے رقمِ زکوٰۃ واپس کرے لیلی جاوے، ورنہ جبر کا حق نہیں، قال الشامی ولا یسترد منہ لو ظہر انہ عبد او حربی وفی الہاشمی روایتان وہل یطیب لہ فیہ خلاف واذا لم یطب قیل یتصدق وقیل یرد علی المعطی اھ (ص ۱۰۹ ج ۲) ولکن المختار عندنا عدم الاسترداد من الہاشمی ایضاً لکون روایۃ فی المذہب فی جواز اعطائہم الزکوٰۃ وہل یطیب لہ المختار عندنا لا بل یرد علی المعطی، واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۰ ذی الحجہ ۴۲ھ۔

ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے

سوال (۱۵) ہاشمی کو زکوٰۃ دینا اس روایتِ فقہ کی بناء پر کہ "خمس الخمس نہ ملنے کے وقت ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے" آجکل عمل کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: وہ روایت نوادر سے ہے، ظاہر مذہب کے مقابلہ میں قابلِ عمل نہیں ہے، ضرورتِ شدیدہ کے وقت حیلۂ تملیک کے بعد ہاشمی کی خدمت ہوسکتی ہے، واللہ اعلم۔

بغیر اجازت مزکی غیر مصرف میں زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم

سوال (۱۶) آجکل جو سکہ چاندی کا یہاں رائج ہے اس کا وزن دو روپے بھر ہے، اور قیمت ایک روپیہ چھ آنہ ہے، پس جس کے ذمہ سو روپیہ زکوٰۃ کے واجب ہوں اس کی طرف سے ایک سو پینتالیس روپیہ وزن بھر چاندی زکوٰۃ میں صرف کی گئی جس میں دو چار شخص بنی ہاشم یا غنی نکل آویں تو بظاہر تو ادائگی زکوٰۃ یقینی معلوم ہوتی ہے؟

الجواب: بظاہر اس تصرف کی اجازت مزکی سے لینا ضروری ہے، اس کی اجازت بغیر مصرف زکوٰۃ کے علاوہ خرچ کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر مصرف سمجھ کر دیا بعد میں غیر مصرف نکل آیا تو زکوٰۃ ادا ہوگئی، رمضان المبارک ۱۳۴۸ھ۔

مدارس عربیہ میں زکوٰۃ دینے کے متعلق ایک استفتاء مشتمل بر چند سوالات

سوال (۱۷) جو لوگ مدارس اسلامیہ کو چندہ مدّ زکوٰۃ سے دیتے ہیں ان کا مقصد تو صرف یہ ہوتا ہے کہ ادائگی زکوٰۃ سے وہ عند اللہ بری الذمہ ہو جاویں، مدرسہ کی امداد اس سے ہو جائے یا نہ ہو قواعد مدرسہ کے موافق ہو تو فبہا ورنہ ان کو تو اپنی بری الذمگی عند اللہ مقصود ہی، اگر اس کے ساتھ دوسرا دینی فائدہ یعنی امداد مدرسہ میسر ہو جائے تو فبہا ورنہ حصول مقصود مقدم، پس مہتمم مدرسہ کا یہ شرط کرنا کہ اگر طالب علم ایسا ہے یا اس قابلیت کا ہے تو ہم وظیفہ دیں گے ورنہ نہیں کہاں تک درست ہے؟

الجواب: مدرسہ میں غیر زکوٰۃ کی رقم داخل کرنے سے تو مدرسہ کی ملک ہو جاتی ہے پس اس کو قواعد مدرسہ کے موافق ہی صرف کیا جائے گا، اور قواعد میں امداد کے لئے مناسب شرط لگانا مضائقہ نہیں رکھتا، اور زکوٰۃ کی رقم مدرسہ میں داخل کرنے سے گو ملک مدرسہ نہیں ہوتی، مگر مزکی نے جب اس کو طلبہ کو دینے کا وکیل بنایا ہے تو غیر طلبہ کو دینا جائز نہیں بدون اذن الموکل، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مہتمم مدرسہ کو مہتمم ہونے کی وجہ سے وکیل بنایا گیا ہے، اس لئے مجلس شوریٰ وغیرہ کی تجاویز و قواعد کے خلاف مہتمم کو صرف کرنا جائز نہیں، کیونکہ مدرسہ میں زکوٰۃ داخل کرنا ان تمام شرائط کے ماتحت وکیل بنانا ہے جو قواعد مدرسہ کے لحاظ سے مہتمم کے ذمہ عائد ہوں، واللہ اعلم۔

سوال: اگر طالب علم غنی یا کم محنت یا بد خلق یا لعاب ہی مگر مسکین مصرف زکوٰۃ ہے تو مہتمم مدرسہ کو باوجود وکیل ادائے زکوٰۃ ہونے کے ایسے طالب علم کی امداد نہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، مدرسہ سے زکوٰۃ دینے کے لئے صرف مصرف زکوٰۃ ہونا کافی نہیں بلکہ قواعد مدرسہ سے استحقاق ہونے کی بھی ضرورت ہے، اور بدون استحقاق کے اگر مہتمم اپنی مصلحت سے دے تو جائز نہیں، اور مدرسے کی تعلیمی مصلحت سے دے تو جائز ہی جب کہ طالب علم مصرف زکوٰۃ ہے،

سوال: زکوٰۃ دینے والے شخص کو جب کہ معلوم ہے کہ مثلاً زید مصرفِ زکوٰۃ اور مستحق ہے
مگر وہ زید کو دینے سے منع کر کے عمرو کو دلا دے تو کیا حکم ہے، خصوصاً اس صورت میں
کہ عمرو میں کوئی وجہ ترجیح نہیں ہے؟

الجواب: چونکہ زکوٰۃ کی رقم صرف ہونے سے پہلے پہلے معطی کی ملک ہے لہٰذا اس کو
یہ حق حاصل ہے کہ کسی خاص شخص کے دینے سے منع کر دے۔

سوال: زکوٰۃ دینے والے کے وکیل یعنی مہتمم مدرسہ کو اپنے قواعد ممہدہ یا مصالحِ
مدرسہ کی بنا پر رقمِ زکوٰۃ کو روک روک کر خرچ کرنا یعنی دو دو تین تین برس تک مؤخر
کرنا کہاں تک درست ہے، اور ایسی صورت میں مؤکل کی زکوٰۃ وکیل کے قبضہ کرنے کے
ساتھ ہی ادا ہو گئی، یا جب وکیل مصرفِ زکوٰۃ میں خرچ کرے گا اس وقت ادا ہوگی؟

الجواب: جب وکیل مصرف میں خرچ کرے گا ادائے زکوٰۃ کا حکم اُس وقت کیا جائیگا
اور جب مؤکل کی تاخیر میں کوئی مصلحت نہ ہو تو پھر دیر کرنا ٹھیک نہیں، اس لئے بہترین
صورت یہ ہے کہ وکیل اُسی وقت زکوٰۃ ادا کر دے، اور اگر مدرسہ کی ضرورت سے رکھنا پڑے
تو اسی وقت حیلہ تملیک کر کے مدرسہ میں داخل کرے، تاکہ زکوٰۃ فوراً ادا ہو جائے،
اور مدرسہ کی مصلحت بھی فوت نہ ہو، ونیز اس تاخیر میں اور بھی خرابیاں ہیں، اس لئے یہ
صورت کر لینا نہایت ضروری ہے۔

سوال: جس شخص کے ذمہ سو روپے زکوٰۃ کے واجب الادا تھے، اس نے سو روپیہ
کا نوٹ مہتمم مدرسہ کو دیا، کہ یہ مد زکوٰۃ کے ہیں، مہتمم مدرسہ اس کو سونے کے ساتھ بدلے گا کیونکہ
چاندی کے ساتھ بدلنے میں ربوا واقع ہوتا ہے، اب یہ سونا جو اس نوٹ کے عوض میں
آیا ہے اُس شخص کی واجب الادا زکوٰۃ ہے، یا وہی سو روپیہ بھر چاندی، اور جبکہ پھر
اس سونے کو چاندی کے دوسرے مصرف میں خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جس طرح نوٹ کے عوض زائد چاندی لینا جائز نہیں بوجہ لزوم ربا
الفضل، اسی طرح بوجہ تقابض متحقق نہ ہونے کے نوٹ سے سونا لینے میں بھی ربا ہے
یعنی ربا النسیئہ کما ھو مصرح فی العالمگیریۃ وعن الکافی ونصہ علی المحیل دراھم
ودین المحیل دنانیر فاحالہ علی ان یعطیہ الدنانیر او علی ان یعطیہ دراھم
من الدنانیر التی علیہ بطلت اھ، پس نوٹ کے عوض روپیہ ہی لینا چاہئے،

پھر اگر چاہیں تو روپیوں سے سونا لے لیا جاوے، اور اگر اولاً ہی سونا لینا مقصود ہو اور معطی کی طرف سے اس کی اجازت بھی ہو تو یہ حیلہ ہو سکتا ہے، کہ صرّاف سے مثلاً سو روپے قرض لے لے پھر اُن روپیوں سے سونا خرید لے، اور نوٹ خواہ سونا خریدنے سے پیشتر یا بعد صراف کو ادائے قرض میں دیدے، اور سوال ہذا کے جزو اوّل کے متعلق پیشتر معروض ہو چکا ہے کہ یہ تصرّف بدونِ اذن معطی جائز نہیں، واللہ اعلم۔

سوال: چندہ دینے والے جبکہ ہر طرح سے مہتمم کو وکیل و مفوض صراحتاً یا دلالۃً قرار دیتے ہیں، تو پھر جزئیاتِ واقعہ کی صحت کے واسطے ان کے استخراج کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب: کوئی حاجت نہیں۔

السوال: مدرس کو اس کی تنخواہ معینہ کے علاوہ مہتمم مدرسہ اس کے مصرفِ زکوٰۃ ہونے کی صورت میں مدّ زکوٰۃ سے اس کی امداد کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر مدّ میں محض اعانتِ مساکین کی مدنہ ہو جیسا کہ عام طور سے یہاں کے مدارس میں نہیں ہے، تب تو یہ امدادِ مدرس جائز نہیں، اور اگر کوئی مدِّ اعانت مساکین وغیرہ کی موجود ہو تو جائز ہے۔

السوال: جبکہ مہتمم مدرسہ کے پاس مدِّ زکوٰۃ کی رقم مصرفِ زکوٰۃ میں خرچ کرنے کے واسطے موجود ہے، اور یہ بھی بدیہی اور واضح ہے کہ صاحبِ زکوٰۃ کو ادائگی زکوٰۃ سے سبکدوش ہونا اہم ہے، پس طلبا یا مدرسین و متعلقینِ مدرسہ کے علاوہ شخص مستحق مصرفِ زکوٰۃ موجود ہونے پر مہتمم کو اس کی اعانت نہ کرنے کا استحقاق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: اس کی اعانت کرنے کا استحقاق نہیں ہے، الّا آنکہ محض مساکین کی اعانت کی مدّ موجود ہو کما مرّ۔

السوال: اپنے مؤکل سے اجازت حاصل کرنا تو اس وجہ سے غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسکے مؤکل کا اہم مقصد ادائگی زکوٰۃ ہے نہ کہ تخصیص زید یا عمرو، البتہ (استفادہ اعانۃ امر دینی آخر) کو اَولیٰ و انسب سمجھتا ہے۔

الجواب: پیشتر لکھا گیا ہے کہ جو رقم زکوٰۃ مدرسہ میں اعانتِ طلبہ کے لئے داخل ہوگی قواعدِ مدرسہ کے خلاف صرف نہیں ہو سکتی، لکون الوکالۃ مقیدۃ۔

سوال؛ مدارس اسلامیہ میں اکثر ہر طرح کی رقوم مخلوط ہوا کرتی ہیں، البتہ ان کا حساب کتاب دفتروں میں ممیز و مہذب ہوتا ہے، پس اسی قدر ادائگی زکوٰۃ کے واسطے کافی ہے، یا کسی اور احتیاط کی بھی ضرورت ہے؟

الجواب؛ رقوم کا خلط کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ خود زکوٰۃ کی رقمیں جو کئی شخصوں نے دی ہوں ان کو بھی یکجا مخلوط کر دینا جائز نہیں ہے، اور خلط کی صورت میں وکیل ضامن ہو جاتا ہے، اور وکالت ختم ہو چکی، لہذا جب تک صریحًا یا دلالۃً اداکا امر دوبارہ نہ پایا جائے اس وقت تک اس کا ادا کرنا کافی نہیں ہے، البتہ اگر خلط عام طور پر مروّج ہو اور دافع کو بھی اس کا علم ہے تو پھر خلط اور بعد خلط ادا کی گنجائش نکل سکتی ہے بشرطیکہ رقومِ زکوٰۃ ہی کو باہم مخلوط کیا جائے، غیر زکوٰۃ کی رقوم زکوٰۃ کی رقوم سے مخلوط نہ ہوں، کہ اس کی گنجائش نہیں۔

سوال؛ وکیل ادائگیِ زکوٰۃ کے پاس جبکہ زکوٰۃ واجبہ اور صدقاتِ نافلہ ہر طرح کی رقوم کا مجموعہ مخلوط موجود ہے، اور وہ بلا تمیز و تعیین مصرفِ زکوٰۃ و غیر مصرفِ زکوٰۃ پر خرچ کر رہا ہے، مگر ظنِ غالب ہے کہ زکوٰۃ واجبہ کی مقدار مصرفِ زکوٰۃ ہی میں خرچ ہوئی ہے البتہ تحقیق و تمیز تام حاصل ہونا مشکل ہونے کی وجہ سے متروک ہو رہا ہے، تو ایسی صورت میں توسّع کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب، یہ خلط جائز نہیں، کما مر، اور مکمل حساب کرنا ضروری ہے، اور آئندہ رقوم جداگانہ رکھنا لازم ہے، جب سبیل یقینی یعنی حساب لکھا ہوا موجود ہے تو میزانوں کی دشواری ایسی چیز نہیں جس کے باعث غلبۂ ظن کو کافی سمجھا جائے۔

السوال؛ اطفال کو اگر ماہوار رقم مدِ زکوٰۃ سے دی جائے اور ان پر لازم قرار دیا جائے کہ وہ اس رقم سے اپنی ضروریاتِ تعلیم کاغذ قلم دوات وغیرہ خریدیں، تو یہ شرط تملیک لازمہ میں تو مخل نہیں ہوگی؟

الجواب؛ کچھ مخل نہیں۔

السوال؛ جو روپیہ مدِ زکوٰۃ کا لوگ مدرسۂ اسلامیہ میں علوم دینیہ حاصل کرنے والے طلبہ کے واسطے دیتے ہیں، اگر ان طلبہ کو آدھے دن علوم دینیہ و دنیویہ مثل حساب وغیرہ کیلئے مختص کر کر بقیہ آدھے دن میں صنعت و حرفت طلبہ کو سکھلائی جائے اور اس حالت بمقابلہ تعلیم صنعت و حرفت اُن

اطفال کی امداد زکوٰۃ سے کی جائے گی تو ادائگی زکوٰۃ میں تو کوئی حرج واقع نہ ہوگا؟

الجواب: مصرف زکوٰۃ کے واسطے تعلیم دین بلکہ مطلق تعلیم بھی شرط نہیں ہے۔ پس اگر کسی کام کے واسطے چندہ دیا جاوے تو زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی، لیکن جو چندہ تعلیم دینی کے لئے آیا ہو اس کو خرچ نہیں کر سکتے۔

سوال: زمانۂ تعلیم صنعت و حرفت میں جو کام سیکھنے والے طلبا صاحب معمل کا کرتے ہیں اُس کی اجرت کا استحقاق ان طلباء کو ہی یا نہیں؟ اور اگر صاحب معمل اپنی شرائط کی بناء پر کوئی اجرت نہ دے تو وہ عند اللہ مسئول ہوگا یا نہیں؟

الجواب: جب اس کے شرائط میں ہی کہ اجرت نہ ملے گی تو طلبہ کو اجرت کا کوئی استحقاق نہیں، اجرت جب واجب ہوتی ہی کہ عقدِ اجارہ کیا گیا ہو، پس بلا اجارہ بلکہ تصریح عدم اجارہ میں اجرت کا حق کیسے ہو سکتا ہے؟

سوال: انعام میں مدِ زکوٰۃ کی رقم سے کتب یا دیگر ضروریاتِ تعلیم مثل قلم، دوات کاغذ وغیرہ خرید کر طلباء کو دینا، محتاج حیلۂ شرعی کا ہے یا نہیں؟

الجواب: رقمِ زکوٰۃ سے اشیاء خریدنے کے بعد وہ اشیاء مصرفِ زکوٰۃ کو تملیکاً دیدینا کافی ہے، خرید سے پیشتر حیلہ کی حاجت نہیں، مگر معطی زکوٰۃ کا اذن شرط ہے۔

سوال: شریعت نے جو شروط مصرفِ زکوٰۃ ہونے کے ملحوظ فرمائے ہیں ان سے تجاوز کر کے مہتمم مدرسہ کا اپنے مدرسہ کے بعض شرائط کا لحاظ کرنا تجاوز عن حدود اللہ تو نہیں شمار ہوگا، کیونکہ مبنیٰ ان شروطِ زائدہ کا محض مصلحتِ دینی ہے، نہ غرض ذاتی؛ والمجتهد یخطی ویصیب؟

الجواب: تجاوز عن الحدود تو یہ ہے کہ غیر مصرف کو دیدے، اور جو لوگ مصرف ہیں ان میں سے بعض کو دینا، بعض کو نہ دینا اگر بدونِ وجہ ترجیح محض اپنی رائے سے بھی ہو تب بھی مضائقہ نہیں، اور جب ترجیح کی وجہ ہو تو پھر کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا۔

سوال: جو صورت کہ تملیک لفظی وصوری قرار دی گئی، اس میں اگر مملک احکام و مسائل سے واقف ہو مگر رغبۃً فی اللہ کوئی بات اس پر گراں نہیں ہوتی تو یہ تملیک حقیقی متصوّر ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اس حیلۂ معروفہ کو محض لفظی تملیک تو اس بناء پر قرار دیا گیا ہے کہ

دینے والے کی نیت تملیک کی نہیں ہوتی، بلکہ وہ صرف ہیر پھیر کا قصد کرتا ہے، اور مملک لہٗ کے اخلاص سے یہ محذور مرتفع نہیں ہوسکتا، کما لا یخفی۔

سوال: وکیل کے قبضہ کرنے اور اپنے مال میں ملا لینے سے رقم مؤکل کے قبضہ سے نکل جاتی ہے، یا باقی رہتی ہے، غالب گمان ہے کہ نکل جاتی ہے، اور اس حالت میں وکیل مدیون شمار ہوتا ہے، ایسی حالت میں وکیل کو کن امور کی احتیاط اشد ضروری ہے؟

الجواب: بیشک اس صورت میں وکیل مدیون ہے، لیکن پیشتر گذر چکا ہے کہ بعد خلط وکیل کو بلا اذن مستقل (صراحۃً یا دلالۃً) ادائے زکوٰۃ کا اختیار نہیں، پس مؤکل سے دوبارہ اذن لے لینا چاہئے، حررہ احقر عبدالکریم عفی عنہ　رمضان المبارک ۴۸ھ

الاجوبۃ کلہا صحیحۃ، ظفر احمد، ۵ رمضان ۴۸ھ۔

وصیت بالتصدق اور اغنیاء کے لئے ایسے صدقہ کا حکم

سوال (۱۸) ایک شخص نے کہا کہ پچاس من غلہ خیرات کردو، اس کے خدام نے کہا کہ کل کردیں گے، اس پر اس نے کہا کہ اگر میں زندہ نہ رہا تو تم خیرات کردینا، بعد ازاں وہ شخص اسی روز فوت ہوگیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس صدقہ میں سے غنی صاحب نصاب کو دینا اور لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز نہیں ہے، بلکہ صرف فقراء کو دیا جاوے، لما فی الدر المختار (وھی الوصیۃ المطلقۃ) کقولہ ھذا القدر من مالی او ثلث من مالی وصیۃ (لا تحل للغنی) لانہا صدقۃ وھی علی الغنی حرام وان عممت کقولہ یاکل منہا الغنی والفقیر لان اکل الغنی منہا انما یصح بطریق التملیک والتملیک انما یصح لمعین والغنی لا یتعین ولا یحصی (ولو خصصت) الوصیۃ (بہ) ای بالغنی کقولہ ھذا القدر من مالی وصیۃ لزید وھو غنی (او لقوم) اغنیاء (محصورین حلت لہم) لصحۃ تملیکہم قال الشامی تحت قولہ (علی الغنی حرام) ولا یمکن جعلہا ہبۃ لہ بعد موت الموصی بخلاف الصدقۃ علیہ حالا فانہا تجعل ہبۃ لما قالوا ان الصدقۃ علی الغنی ہبۃ والہبۃ للفقیر صدقۃ ط (ص۸۴ ج۵)۔

۲۹ رجب ۵۰ھ۔

صاحب نصاب کے لئے زکوٰۃ صدقہ فطر اور عشر وغیرہ لینے کا حکم

سوال (۱۹) ایں عاصی را از مطالعہ کتب مفہوم گردید کہ ملکیت مبلغ پنجاہ و پنج روپیہ کلدار مانع

از اخذ زکوٰۃ وعُشر غلّہ وصدقہ فطر می شود فیا ضادریں دیار باماماں مساجد حصول ایںہا از اہل محلّہ عرفا جاریست دیگر ہیچ تنخواہ وغیرہ معین است وایں راقم نیز بدیں معاملہ گرفتار است وتا انداز نصاب مذکور زیور ویا نقدی درملکیت خود موجود میدارد برائے حوائج خوانگی از معالجہ بیماری یا برائے تجہیز وتکفین میت از حد ضرورت است بلکہ بانداز نصاب شرعی کاریک مہم نیز بسر انجامی کافی نمیشود وبرسر ضرورت قرضہ ہم میسر نمیشود، پس ازیں قدر مایہ داری لابدی است، دریں امراز روئے شرع شریف بصورت اگر بنظر فیض اثر بظہور آید تحریر کنند کہ بریں عامل شدہ نجات اخروی یابیم دیگر ہیچ حصول درکار امامت میسر نمی شود عند اللہ علاج کافی ونسخہ شافی ارشاد فرمایند ؟

الجواب: قال فی البحر یجوز دفع الزکوٰۃ الیٰ من یملک ما دون النصاب او قدر نصاب غیر نام وہو مستغرق فی الحاجۃ اھ (ص ۲۴۰ ج ۲) لاریب کہ دفع زکوٰۃ ہر کسے راکہ مالکِ نصابِ نامی باشد یا مالکِ نصاب غیر نامی فاضل از حاجتِ اصلیہ باشد روا نیست و ورا اخذ زکوٰۃ ہم جائز نیست، پس ایں چنیں کساں را اخذ زکوٰۃ وصدقات واجبہ نشاید، مگر آنکہ نصابِ نامی را ملک زوجات یا اولاد خود نمایند ونصاب غیر نامی را مستغرق حاجت سازند مثلاً بعوض آں غلّہ برائے خوردن خرید کنند کہ از حوائجِ اصلیہ ہست' واللہ تعالیٰ اعلم۔

وبعد ازاں نیز اخذ زکوٰۃ وعشر وصدقۂ فطر بعوض خدمتِ امامت روا نیست وزکوٰۃ و عشر وصدقۂ فطر از ذمہ اداکنندہ ساقط نخواہد شد، زیراکہ درصدقاتِ واجبہ تملیک فقیر بلا عوض واجب است وامام مسجد اگر صاحبِ نصاب ہم نہ باشد چوں عوض عمل می گیرد اور از زکوٰۃ وعشر وغیرہ دادن بعوض امامت ہرگز روا نیست، ولا حیلۃ لجواز ذلک اصلا۔

۹ محرم الحرام ۱۳۴۹ھ۔

جس کی ماں جولاہن اور باپ سید ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال (۳۰) ایک لڑکی جس کا باپ سیّد اور ماں جولاہن ہے، یہ لڑکی یتیم ہے، صاحبِ نصاب نہیں، بیمار ہے، کیا اس کی مدد مدّ زکوٰۃ سے کی جا سکتی ہے ؟

الجواب: نسب میں شرعاً باپ کا اعتبار ہے، ماں کا اعتبار نہیں، پس یہ لڑکی سیّد زادی ہے، اس کو زکوٰۃ کی رقم بجنسہ نہ دی جائے، بلکہ یہ حیلہ کیا جائے کہ ایک غریب سے جو سیّد نہ کہا جائے کہ تم اپنے پاس سے یا کسی سے قرض لے کر اس سیّد زادی کی اتنی روپیہ سے

امداد کردو تم کو ثواب ہوگا اور ہم تم کو اسی قدر رقم اپنے پاس سے دیدیں گے، پس دنیا میں تمھارا نقصان نہیں اور آخرت میں ثواب ہوگا، جب وہ غریب اس سیدزادی کی امداد اپنے پاس سے یا قرض لے کر کردے، تو اس کو اُس کے بعد زکوٰۃ کی رقم دیدی جائے کہ اس سے تم اپنا قرض ادا کردو یا اپنی رقم کی تلافی کرلو، اس صورت میں سیدزادی کی امداد بھی ہوجائے گی، اور زکوٰۃ ادا ہونے میں شبہ بھی نہ رہے گا، گو بعض علماء نے آجکل سیدوں کو زکوٰۃ دینا ایک روایت کی بناء پر جائز کردیا ہے، مگر احتیاط کے خلاف ہے، کہ فرض کو اختلافِ روایت میں ڈالا جائے، خصوصاً جبکہ حیلہ باسانی ہوسکتا ہے، واللہ اعلم، ۲۷ر محرم سنہ ۴۹ھ۔

کمپنی، اُس کے شیئرز اور مشترک اموالِ تجارت کی زکوٰۃ؛

ریلوے کمپنی کے حصص پر وجوبِ زکوٰۃ کا حکم

سوال (۱) زید نے ریلوے کمپنی کے حصص خریدے اور ٹرام کے بھی خریدے، اور مذکورہ دونوں کمپنیاں کرایہ کا کام کرتی ہیں تو جس قدر روپے سے حصص خریدے ہوں، مثلاً ۲۰۰۰ دو ہزار کو خریدے ہوں، تو دو ہزار پر زکوٰۃ واجب ہوگی، یا اس کی آمدنی پر واجب ہوگی؟

الجواب؛ ریلوے کمپنی وغیرہ کو جو روپیہ دیا جاتا ہے اور اس سے حصص خریدے جاتے ہیں بظاہر اس کی حقیقت یہ ہے کہ کمپنی کو یہ روپیہ قرض دے کر ریلوے کے کارخانہ میں یہ شخص شریک ہوجاتا ہے، اور ریلوے اُس روپے کو اپنے کام میں لگالیتی ہے، اس صورت میں دو ہزار کی رقم جو سائل نے ریلوے کمپنی وغیرہ کو دی ہے، اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اس کے منافع پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، کذا فی حوادث الفتاویٰ لشیخنا، ص ۲۹ واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ر رمضان سنہ ۴۶ھ۔

کتاب الصّوم

افطار میں جلدی کرنا

سوال (۱) الحمد للہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفےٰ، علماء دیارنا درتعیین وقت افطار وصلوٰۃ مغرب مختلف ودو فریق شدند فریق اوّل بمجرد غروب آفتاب از افق حسی وظہور ظلام شرقی حکم بافطار صوم وصلوٰۃ مغرب می کنند بحجت دلائل ذیل حدیث اذا اقبل اللّیل من ھھنا وادبر النھار من ھھنا فقد افطر الصائم، وقول امام محمدؒ فی المؤطا: تعجیل الافطار افضل من تاخیرھا وھو قول ابی حنیفۃؒ والعامۃ، قال شارح المؤطا قولہ "والعامۃ" ای جمہور اھل السنّۃ وبکثرۃ احادیث، دیگر در تاکید تعجیل مغرب واجتناب از تاخیر آں حسب عمل ابن عمرؓ اخر الصّلوٰۃ یومًا الی ان بدا نجم فاعتق رقبتہ کما ذکر فی فتح القدیر ودیگر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کہ امتِ من بخیر باشند مادامیکہ درصلوٰۃ مغرب تاخیر نکنند، فریق ثانی بعد زوال حمرۃ شرقی وبلند شدن سوادِ شرقی تا نصف سما حکم بافطار وغیرہ می نمایند، بدلائل ذیل احتجوا بما رواہ النسائی والطحاوی عن ابی بصرۃ الغفاریؓ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم صلوٰۃ العصر بالمخمص فقال: ان ھذہ الصّلوٰۃ عرضت علیٰ من کان قبلکم وضیعوھا فمن حافظ علیھا منکم اوتی اجرہ کرتین ولاصلوٰۃ بعدھا حتی یطلع الشاھد، والشاھد النجم فقالوا لطلوع النّجم ھو اوّل وقتھا قال الطحاوی وما حاصلہ یتحمل ان یکون الشاھد ھو اللیل، وعلمائے خطۂ پشاور وسرحد داماں برایں متفق شدند کہ ازیں حدیث درضمن لفظ شاہد اختلاف واقع شدہ بعضے از شاہد نجم مراد گرفتہ وبعضے لیل، پس بناء برقاعدۂ اصول عمل باحتیاط کردہ ومعنی شاہد کہ نجم است عمل را برآں قرار دادہ اند واز ہر دو فریق دربارۂ مدعاء خویش رسائل اشاعت یافتہ پس ایں لاشئ از مطالعہ ہر دو رسائل ازجہت کم علمی ونافہمی درتلاطم تحیر وتفکر غوطہ زن ماندہ لہذا بخدمت عالی التماس است کہ از اقوال ودلائل فریقین ہرکدام بسند قوی وبآثار نبوی وصحابۂ کرام مستند باشد بدلائل کتب معتبرہ تسطیر نمودہ باحقر روانہ فرمایند کہ باحجت دلائل کتب جواب مخاصم ازال کردہ شود وبلا سند کتب غیر قبول ونامسموع مخاصم باشد

وبلدہ سکونتی ایں مسجد در موضعی است کہ مغربًا آنجا فاصلہ شش میل جبل واقع است، پس دریںجا چگونہ صورت مغرب باشد؟

الجواب: قال العلامۃ الشامی: والمراد بالغروب زمان غیبوبۃ جرم الشمس بحیث تظہر الظلمۃ فی جہۃ الشرق، وقال صلی اللہ علیہ وسلم "اذا اقبل اللیل من ھٰھنا فقد افطر الصائم" ای اذا وجدت الظلمۃ حسا فی جہۃ المشرق فقد ظہر وقت الفطر او صار مفطرا فی الحکم، لان اللیل لیس ظرفا للصوم وانما ادی بصورۃ الاخبار ترغیبا فی تعجیل الافطار، کما فی فتح الباری اھ ص ۱۳۹ ج ۲ قال الحافظ ابن حجر فی الفتح تحت حدیث ابن ابی اوفی: قال: کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فلما غابت الشمس قال لبعض القوم: یا فلان قم فاجدح لنا فقال یارسول اللہ لو امسیت قال انزل فاجدح لنا قال ان علیک نہارا قال انزل فاجدح لنا الحدیث مانصہ وفی الحدیث ایضا استحباب تعجیل الفطر وانہ لا یجب امساک جزء من اللیل مطلقا بل متی تحقق غروب الشمس حصل الفطر اھ وقال تحت حدیث سہل بن سعدؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لایزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر مانصہ زاد ابوہریرۃؓ فی حدیثہ: "لان الیہود والنصاری یؤخرون" اخرجہ ابوداؤد وابن خزیمۃؒ وغیرھما وتاخیر اھل الکتاب لہ امد وھو ظہور النجم وقد روی ابن حبان والحاکم من حدیث سہل ایضا بلفظ لاتزال امتی علی سنتی مالم تنتظر بفطرھا النجوم الی ان قال: قال ابن دقیق العید: فی ھذا الحدیث رد علی الشیعۃ فی تاخیرھم الفطر الی ظہور النجوم الخ ص۱۲۳ ج۲-

وفی رد المحتار: ان ظاہر مذہب اصحابنا جواز الافطار بالتحری کما نقلہ فی المعراج عن شمس الائمۃ السرخسی لان التحری تفید غلبۃ الظن وھی کالیقین کما تقدم فلو لم یتحر لایحل لہ الفطر لان الاصل بقاء النہار اھ وفی البحر من البزازیۃ: لا یفطر مالم یغلب علی ظنہ الغروب وان اذن المؤذن اھ ص ۱۷۰ ج ۲۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ غروب آفتاب کے تحقق کے بعد معًا افطار و نماز

جائز ہے، بلکہ تعجیل فی الافطار مستحب ہے، بشرطیکہ ظنِ غالب غروب کا ہوجاوے، اور سائل کو تحری وغلبۂ ظن سے افطار کرنا چاہیے، باقی طحاوی ونسائی کی روایت اِن احادیث سے متعارض ہی نہیں کیونکہ ایک دو ستارہ غروب کے ساتھ ہی طلوع ہوجاتا ہے، البتہ اشتباکِ نجوم غروب کے بعد دیر میں ہوتا ہے، اور اشتباکِ نجوم کا انتظار مکروہ ہے، ۲۰ رجب ۱۳۴۱ھ۔

حکم صوم یوم الشک | **سوال (۳)** ما قولکم رحمکم اللہ فی صوم یوم الشک وما الراجح فیہ عندکم۔

الجواب: قلت اخرج الشیخان وغیرھما عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال: لایتقدمن احدکم رمضان بصوم یوم او یومین الا ان یکون رجل کان یصوم صوما فلیصم ذلک الیوم۔ وللترمذی واحمد بلفظ: الا ان یوافق ذلک صوما کان یصومہ احدکم اھ قال الحافظ ابن حجر: قال العلماء معنی الحدیث لا تستقبلوا رمضان بصیام علی نیۃ الاحتیاط لرمضان، ای لایتقدم رمضان بصوم یوم یعد منہ بقصد الاحتیاط لہ فان صومہ مرتبط بالرؤیۃ فلاحاجۃ الی التکلف، و (قیل) الحکمۃ فیہ التقوی بالفطر لرمضان لیدخل فیہ بقوۃ ونشاط وھذا فیہ نظر لان مقتضی الحدیث انہ لو تقدمہ لصیام ثلاثۃ ایام اواربعۃ جاز وسنذکر ما فیہ قریبا وقیل الحکمۃ فیہ خشیۃ اختلاط النفل بالفرض وفیہ نظر ایضا لانہ یجوز لمن لہ عادۃ کما فی الحدیث وقیل لان الحکم علی رمضان بالرؤیۃ فمن تقدمہ بیوم او یومین فقد حاول الطعن فی ھذا الحکم، وھذا ھو المعتمد، ومعنی الاستثناء ان من کان لہ ورد فقد اذن لہ فیہ لانہ اعتادہ والفہ وترک المالوف شدید ولیس ذلک من استقبال رمضان فی شئ، وفیہ رد علی من یری بتقدیم الصوم علی الرؤیۃ کالرافضۃ ورد علی من قال بجواز النفل المطلق وابعد من قال المراد بالنھی التقدم بنیۃ رمضان و استدل بلفظ التقدم لان التقدم علی الشئ بالشئ انما یتحقق اذا کان من جنسہ فعلی ھذا یجوز الصیام بنیۃ النفل المطلق لکن السیاق یابی ھذا التاویل ویدفعہ وفیہ منع انشاء الصوم قبل رمضان اذا کان لاجل الاحتیاط اھ (ص ۱۰۱ ج ۴) ملخصا۔

واخرج الترمذی عن عمار بن یاسر: من صام الیوم الذی یشک فیہ فقد عصی ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم، وقال حسن صحیح والعمل علی ھذا عند اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن بعدھم کرھوا ان یصوم الرجل الیوم الذی یشک فیہ اھ (ص ۹۱ ج ۱) قلت: واخرجہ البخاری تعلیقا ووصلہ اصحاب السنن الاربعۃ واخرجہ ایضا ابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم وقال صحیح علی شرطھما ولم یخرجاہ کذا فی العمدۃ للعینی (ص ۱۹۰ و ۱۹۱ ج ۵) قلت: ولا یخفی انہ موقوف فی حکم المرفوع قال العینی: ان فیہ تفصیلا واختلافا للعلماء فذھب داؤد الی انہ لا یصح صومہ اصلا ولو وافق عادۃ لہ وذھبت طائفۃ الی انہ لا یجوز ان یصام آخر یوم من شعبان تطوعا الا ان یوافق صوما کان یصومہ واخذوا بظاھر ھذا الحدیث روی ذلک عن عمر بن الخطاب رض وعلی رض وعمار رض وحذیفۃ رض وابن مسعود رض ومن التابعین سعید بن المسیب رح والشعبی رح والنخعی رح والحسن رح وابن سیرین رح وھو قول الشافعی رح وکان ابن عباس رض وابوھریرۃ رض یامران بفصل یوم او یومین کما استحبوا ان یفصلوا بین الصلوۃ الفریضۃ والنافلۃ بکلام اوقیام اوتقدم اوتأخر وقال عکرمۃ رض من صام یوم الشک فقد عصی اللہ ورسولہ واجازت طائفۃ صومہ تطوعا وھو قول اللیث والاوزاعی رح وابی حنیفۃ رح واحمد رح واسحق روی عن عائشۃ رض واسماء رض اختھا: انھما کانتا تصومان یوم الشک اھ (ص ۲۰۰ و ۲۰۱ ج ۵) ملخصا، وقال فی الھدایۃ: والمراد بقولہ صلی اللہ وسلم لا تتقدموا رمضان بصوم یوم ولا بصوم یومین الحدیث۔ التقدم بصوم رمضان لانہ یؤدیہ قبل اوانہ ثم ان وافق صوما کان یصومہ فالصوم افضل بالاجماع وکذا اذا صام ثلثۃ ایام من آخر الشھر فصاعدا وان افردہ (ای یوم الشک) فقد قیل الفطر افضل احترازا عن ظاھر النھی (والقائل الفقیہ محمد بن مسلمۃ کذا فی العنایۃ) وقد قیل الصوم افضل اقتداء بعلی رض وعائشۃ رض رضی اللہ عنھما فانھما کانا یصومانہ والمختار ان یصوم المفتی بنفسہ اخذا بالاحتیاط اھ (مع فتح القدیر ص ۲۴۷ ج ۲) قلت: اما تاویل صاحب الھدایہ فی معنی الحدیث فما ابعدہ من السیاق کما قالہ

الحافظ ابن حجر واما استدلالهم بفعل علیؓ فلا یصح فان مذهب علیؓ خلاف ذلک کما مر عن العینیؒ وصرح به فی فتح القدیر نقلاً عن الغایۃ واما بفعل عائشۃ رضی فلا یستقیم ایضاً لان المنقول من قولہا انہا قالت لان اصوم یوماً من شعبان احب الیّ من ان افطر یوماً من رمضان کما فی الفتح وذکرہ العینی ایضاً وصوم یوم الشک بنیۃ کذلک لا یجیزہ اصحابنا قال العلامۃ ابن الہمامؒ والاولیٰ فی التمسک علی الافضلیۃ حدیث السرار اھ (ص ۲۴۷ ج ۲) قلت وحدیث السرار ما اخرجہ الشیخان انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لرجل ہل صمت من سرر شعبان قال لا قال فاذا افطرت فصم یوماً مکانہ وفی لفظ فصم یوماً وسرار الشہر آخرہ کذا ذکرہ ابن الہمام فی الفتح ایضاً (ص ۲۴۵ ج ۲) قلت و لا یخفی ما فیہ فانہ یمکن حمل حدیث السرار علی صوم کان یعتادہ الرجل وبعد ذلک فلا منافاۃ بینہ وبین حدیث النہی عن التقدم علی رمضان ذکرہ الحافظ ابن حجرؒ فی الفتح (ص ۲۰۱ ج ۴) وایضاً فقد قیل السرار وسط الشہر حکاہ ابوداؤد ورجحہ بعضہم ووجہہ بان السرار جمع سرۃ وسرۃ الشیٔ وسطہ، و یؤیدہ الندب الی صیام البیض وہی وسط الشہر (والندب الی صوم یوم النصف من شعبان خاصۃ ۱۲) وانہ لم یرد فی صیام آخر الشہر (من شعبان) ندب بل ورد فیہ نہی خاص اھ قالہ الحافظ ایضاً وبالجملۃ فدلیل من منع عن صوم یوم الشک الا للمعتاد اقویٰ روایۃً ودرایۃً وما ذکرہ اصحابنا فی تاویل الحدیثین ومن استثناء الخواص عن ہذا النہی مجرد تاویل فی معرض النص ہذا ولکنی لا افتی علی کراہتہ للخواص لکونی مقلداً للامام الاعظم ابی حنیفۃؒ واصحابہ ولکن الاولیٰ عندی قول محمد بن سلمۃؒ من الحنفیۃ ان افراد یوم الشک بصومہ خلاف الاولیٰ والفطر فیہ افضل للعوام والخواص جمیعاً خصوصاً وقد قال اصحابنا ان الخروج من خلاف العلماء مستحب وفیہ خلاف کما تری واللہ اعلم، ولا سیما فی ہذا الزمان فان صوم المفتی والقاضی قلما یخفی علی العامۃ کما ہو مشاہد والحنفیۃ انما اجازوہ للخواص بشرط الاخفاء التام عن العوام کما ذکرہ فی فتح القدیر (ص ۲۴۷ و ۲۴۸ ج ۲) وان کان الصوم

بشرط الاخفاء ایضاً خلاف الافضل عندی وبہ قال محمد بن مسلمۃ من اصحابنا وکفٰی بہ لی قدوۃ اذا تأید قولہ بالحدیث وتقوی روایۃ ودرایۃ ھذا واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم، ۳۰ رشعبان ۴۳ھ۔

مسجد میں افطار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **سوال** (۳) مسجد میں روزہ افطار کرنا اس خیال سے کہ اگر افطار کر کے مسجد میں گئے تو جماعت کا کچھ حصہ نہیں ملے گا، افطار سے مطلب یہ ہے کہ افطاری میں کھانا وغیرہ اچھی طرح سے کھالیا جاوے، ورنہ یہ ممکن ہے کہ اگر ایک گھونٹ پانی یا صرف چھوارا وغیرہ کھا کر چلے تو اوّل رکعت میں بخوبی شامل ہو سکتا ہے، اور مسجد والوں سے یہ دشوار ہے کہ وہ اذان وتکبیر میں اس قدر وقفہ کریں کہ گھر کے افطار کرنے والے جماعت کی اوّل رکعت میں شامل ہو جاویں، تو ایسی صورت میں مسجد میں افطار کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ایسی حالت میں افطار مسجد میں کیا جاوے، مگر مسجد کی حد کے اندر نہ کھائیں بلکہ باہر کھائیں، اور باہر کوئی جگہ مناسب نہ ہو تو مسجد ہی میں کھالیں، اور کھانے سے کچھ دیر پہلے اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں آجایا کریں، امام محمدؒ کے نزدیک اعتکاف قدرِ قلیل زمان کا بھی صحیح ہے، قال فی الدر وکرہ اکل ونوم الا لمعتکف الخ قال الشامی فی قولہ اکل ونوم الخ واذا اراد ذلک ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل ویذکر اللہ تعالیٰ بقدر ما نوی اویصلی ثم یفعل ماشاء فتاوی ھندیۃ (ص ۶۹۱ ج ۱) واللہ اعلم، غرۂ رمضان ۴۵ھ۔

ایضاً ایضاً **سوال** (۴) رمضان شریف میں اہلِ محلہ کا بخوفِ ترکِ جماعت نماز مغرب مسجد محلہ میں جمع ہو کر شربت وغیرہ قلیل اشیاء سے روزہ افطار کرنا بلا کراہت جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: مسجد میں اکل وشرب مکروہ ہے، مگر ضرورت کے وقت بلا کراہت جائز ہے، کالمسافر یباح لہ النوم فیہ اور ترکِ جماعت کا اندیشہ بھی عذر ہے، اس لئے اگر مسجد سے باہر کوئی جگہ ایسی نہ ہو جہاں افطار کر سکیں تو مسجد ہی میں افطار کر لینا جائز ہے، بشرطیکہ مسجد کو ملوث نہ کیا جائے، قال علی القاری فی وجہ تاخیر عمرؓ وعثمانؓ الافطار عن الصلوٰۃ انھما کانا فی المسجد وکانا غیر معتکفین ورأیا الاکل والشرب لغیر المعتکف مکروھین (فی المسجد) لکن اطلاق احادیث التعجیل ظاھر فی استثناء حال الافطار (ص ۵۱۳ ج ۲) کوئی کپڑا وغیرہ ایسا بچھا لیا جائے جس سے مسجد کی حفاظت رہے، اور بہتر یہ ہے کہ اس وقت افطار سے کچھ پہلے اعتکاف کی نیت کر کے

مسجد میں داخل ہو، اور امام محمدؒ کے نزدیک اعتکاف ساعت بھی درست ہے، وبہ یفتی، پھر یہ کراہتہ کلیہ مرتفع ہوجاوے گی، واللہ اعلم۔ ۱۷؍ رمضان ۴۵ھ

تفصیل الآثار فی تعجیل الافطار | **سوال** (۵) مؤطا امام مالکؒ میں کتاب الصوم میں ہے:۔

ان عمر بن الخطابؓ وعثمان بن عفان کانا یصلیان المغرب حین ینظران الی اللیل الاسود قبل ان یفطرا ثم یفطر ان بعد الصلوٰۃ وذلک فی رمضان۔

اس پر مسوّیٰ میں شاہ ولی اللہ محدثؒ نے کہا ہے وعلیہ اهل العلم انه یستحب ذلک مالم یقع فی شک الاستثناء التاخیر، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تعجیل فطر پر احادیث کثیرہ موجود خود مؤطا میں یستحب تعجیل الفطر کا ایک باب ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ وحضرت عثمان رضی اللہ عنہ تاخیر کیسے فرماتے تھے؟ اور پھر شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس تاخیر کو مستحب لکھدیا، اگر تاخیر کے شبہ میں نہ پڑے، غالباً شاہ صاحبؒ کا منشا یہ ہے کہ شبہ کی وجہ سے تاخیر نہ کرے، اور بلاشبہ تاخیر کرے تو مستحب ہی، پھر تعجیلِ فطر کا استحباب کہاں رہا؟

الجواب الملقب بتفصیل الآثار فی تعجیل الافطار:

قال الحافظ فی الفتح قال ابن عبد البر احادیث تعجیل الافطار وتاخیر السحور صحاح متواترة وعند[1] عبد الرزاق وغیره باسناد صحیح عن عمرو بن میمون الاودی قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسرع الناس افطارا وابطأهم سحورا واخرج[2] البخاری عن سهل بن سعد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لایزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر، زاد ابوداؤد فی حدیثه واخر والسحور اخرجه احمدؒ وزاد ابوهریرة فی حدیثه لان الیهود والنصاری یؤخرون اخرجه ابوداؤد وابن خزیمة وغیرهما وتاخیر اهل الکتاب له امد وهو ظهور النجم وقد[3] روی ابن حبان والحاکم من حدیث سهل ایضا بلفظ لاتزال امتی علی سنتی مالم تنتظر بفطرها النجوم۔ قال المهلب والحکمة فی ذلک ان لایزاد فی النهار من اللیل ولانه ارفق بالصائم واقوی له علی العبادة واتفق العلماء علی ان محل ذلک اذا تحقق غروب الشمس بالرؤیة او باخبار عدلین وکذا عدل واحد فی الارجح اھ

(ص ۱۷۳ ج ۵) وفیہ دلالۃ علی اتفاق العلماء علی ان التعجیل المذکور فی الحدیث المنوط نفی الخیر بالتاخیر عنہ محلّہ ما اذا تحقق الغروب ثم نبّہ الحافظ فی الصفحۃ المذکورۃ علی ما حدث فی زمانہ من البدعۃ المنکرۃ من ایقاع الاذان الثانی قبل الفجر بنحو ثلث ساعۃ فی رمضان واطفاء المصابیح التی جعلت علامۃ لتحریم الاکل والشرب علی من یرید الصیام زعمًا ممن احدثہ انہ للاحتیاط فی العبادۃ وقد جرہم ذلک الی ان صاروا لا یؤذنون الّا بعد المغرب بدرجۃ لتمکین الوقت زعموا فاخروا الفطر وعجلوا السّحور وخالفوا السّنۃ فلذلک قل عنہم الخیر وکثر فیہم الشّر واللہ المستعان، (ص ۱۷۳ ج ۴) وھو یدلّ علی ان التاخیر بدرجۃ بعد تحقق الغروب خلاف السّنۃ ایضًا وروی مسلم والترمذی والنّسائی من روایۃ ابی عطیّۃ قال[۴] دخلت انا ومسروق علی عائشۃؓ فقلنا یا اُمّ المؤمنین رجلان من اصحاب النّبی صلی اللہ علیہ وسلّم احدھما یعجّل الافطار ویعجّل الصّلوٰۃ والاٰخر یؤخر الافطار ویؤخر الصّلوٰۃ قالت ایہما یعجل الافطار ویعجل الصّلوٰۃ قلنا عبد اللہ بن مسعودؓ قالت ھکذا کان یصنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم والاٰخر ابو موسیٰؓ۔

واخرج[۵] ابو یعلی فی مسندہ عن انس رضی اللہ عنہ قال ما رأیت النّبی صلی اللہ علیہ وسلّم قط صلّی صلوٰۃ المغرب حتی یفطر ولو کان علی شربۃ من ماءٍ واسنادہ جید کذا فی العینی علی البخاری (ص ۲۹۲ ج ۵)

واخرج[۶] البخاری عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اذا اقبل اللّیل من ھٰھنا وادبر النہار من ھٰھنا وغربت الشمس فقد افطر الصّائم اھ وقال ابن خزیمۃ قولہ فقد افطر الصائم لفظ خبر ومعناہ الامر ای فلیفطر الصائم ولو کان المراد فقد صار مفطرًا (کما زعمہ بعضہم) لم یکن للترغیب فی تعجیل الافطار معنی وکان فطر جمیع الصوام واحدًا کذا فی الفتح ایضًا (ص ۱۷۱ ج ۴) وفیہ ایضًا فی باب صوم الوصال واحتجوا للتحریم ای تحریم الوصال بقولہ فی الحدیث المتقدم اذا اقبل اللّیل من ھھنا فقد افطر الصّائم اذ لم یجعل اللّیل محلا سوی

الفطر فالصوم فیہ مخالفۃ لوضعہ کیوم الفطر (ص ۸۰ ا ج ۴)۔
وفیہ ایضاً حدیث بشیر بن الخصاصیۃ اخرجہ احمد والطبرانی وسعید بن منصور وعبد بن حمید وابن ابی حاتم فی تفسیرھما بسند صحیح الی امرأتہ عنہ مرفوعاً صوموا کما امرکم اللہ تعالیٰ اتموا الصیام الی اللیل فاذا کان اللیل فافطروا (ص ۱۷۶ ج ۴) وقال العینی فی العمدۃ: قال ابو عمر فی الاستذکار اجمع العلماء علی انہ اذا حلت صلوٰۃ المغرب فقد حل الفطر للصائم فرضاً وتطوعاً، و اجمعوا علی ان صلوٰۃ المغرب من صلوٰۃ اللیل اھ (ص ۲۶۶ ج ۵) وفی الترغیب للمنذری عن انس رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفطر قبل ان یصلی علی رطبات فان لم تکن حسی حسوات من ماء رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ اھ (۱۸۵) وقال علی القاری فی شرح المشکوٰۃ تحت حدیث لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر: ای ماداموا علی ھذہ السنۃ ویسن تقدیمہ علی الصلوٰۃ للخبر الصحیح بہ وقال التوربشتی: فان فی التعجیل مخالفۃ لاھل الکتاب فانھم یؤخرونہ ثم صار عادۃ لاھل البدعۃ فی ملتنا اھ قال بعض علمائنا: ولو اخر لتأدیب النفس غیر معتقد وجوب التاخیر لم یضرہ ذلک۔ اقول: بل یضرہ حیث یفوتہ السنۃ وتعجیل الافطار بشربۃ ماء لاینافی التأدیب ثم رأیت التوربشتی قال وھذہ الخصلۃ التی لم یرضھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقول یشابہ ھذا التاخیر تقدیم صوم یوم او یومین علی صوم رمضان الی ان قال: ویؤیدہ ما صح ان الصحابۃ کانوا اعجل الناس افطاراً وابطأھم سحوراً (ص ۵۱۰ ج ۲) قلت ومقتضی ھذا الذی ذکرنا کون تقدیم الافطار علی صلوٰۃ المغرب سنتہ وان التاخیر عنہا خلاف السنۃ وما کان خلاف السنۃ وان کان مباحاً فلا یخلو عن کراھۃ ولو تنزیھا لاسیما اذا انضم الی ذلک قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقبل اللیل فافطروا وقولہ اذا اقبل اللیل من ھھنا وادبر النہار من ھھنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم ای فلیفطر۔ واما ما روی بسند صحیح عند مالک فی مؤطاہ وعند محمد بہ ان عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان کانا یصلیان المغرب حین ینظران اللیل

الاسود (ای سواد اولہ) قبل ان یفطر اثم یفطران بعد الصلوٰۃ فی رمضان اھ فلا یحتاج
الی الجواب لکونہ خلاف عمل الرّسول وعامۃ اصحابہ وایضًا لا ندری ہل اخرا
الفطر بعذر او بغیر عذر وقال القاری ھو اما لبیان الجواز اشعارا بان مثل ھذا
التاخیر لا ینافی الامر بالتعجیل او لعدم ما یفطران بہ عندھم قبل الصلوٰۃ او
یحمل الافطار علی التعشی بالطعام لان الافطار المتعارف عندھم ان یتعشوا
بطعامھم کذا فی تعلیق الممجد محصّلاً (ص ۱۸۴) وحاصلہ انھما لم یکونا
یتعشیان قبل الصّلوٰۃ بالطعام ویقتصران علی شربۃ من ماء ونحوہٖ ولم یکن
ذلک الافطار افطارًا متعارفًا بینھم فقال الرّاوی بناء علی ذلک انھما کانا یفطران
بعد الصّلوٰۃ وبالجملۃ ففی الاثر حکایۃ حال لا عموم لھا ویحتمل الوجوہ العدیدۃ
فلا یترک بہ ما ثبت عنہ صلی اللہ وسلم قولاً وفعلاً وامرا وترغیبًا فالحاصل
ان تقدیم الفطر علی صلوٰۃ المغرب ھو السّنۃ وتاخیرہ عنھا خلاف السنۃ ولکن
لا یدخل فی حد الکراھۃ مالم یشتبک النجوم لا یقال ینافی ما قلت قول محمدؒ
فی المؤطا بعد تخریجہ اثر عمرؓ وعثمانؓ ھذا کلہ واسع فمن شاء افطر قبل
الصلوٰۃ ومن شاء افطر بعدھا وکل ذلک لا باس بہ اھ لان قولہ واسع ولا باس
بہ اھ لا ینافی کونہ خلاف السّنۃ فربما یطلق
الفقہاء لا بأس بہ علی ما یکون مکروھًا تنزیھًا وخلاف الاولیٰ کما لا یخفی ولابد
من تقیید قولہ واسع ولا بأس بہ بان لا یبلغ مبلغ اشتباک النجوم کما قید
بہ المحشی۔

واما ما فی رد المحتار عن شرح الجامع لقاضی خان: التعجیل المستحب قبل
اشتباک النجوم اھ (ص ۱۸۳ ج ۲) وھو یفید بظاھرہ ان کل ما کان قبل
اشتباک النجوم فھو من التعجیل المستحب فیعارضہ ما مر عن القاری من
تصریحہ بکون تقدیمہ علی الصّلوٰۃ سنۃ وکون تاخیرہ عنھا خلاف السّنۃ
وتاویلہ فی اثر عمرؓ وعثمانؓ بوجوہ عدیدۃ فکیف یکون ما بعد المغرب الی
اشتباک النجوم کلہ وقتًا مستحبًا التعجیل وقال فی البدائع: ویسن تعجیل
الافطار اذا غربت الشمس، ھکذا روی عن ابی حنیفۃؒ لما روینا من الحدیث

ثلاث من سنن المرسلین و من جملتها تعجیل الافطار و روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لاتزال امتی بخیر مالم ینتظر و لافطار طلوع النجم والتاخیر یؤدی الیہ اھ ای الی الانتظار طلوع النجوم (ص ۱۰۶ ج ۲) وھذا یفید ان التعجیل المسنون المستحب ماکان قبل طلوع النجم ومابعدہ داخل فی التاخیر نعم تاخیرہ الی طلوع النجم لایکرہ کراھۃ التحریم وانما التاخیر المکروہ کذلک ماکان الی اشتباک النجوم لانہ ھوالذی یفضی الی مشابھۃ اھل الکتاب فکانوا یؤخرون الی حد الاشتباک، واللہ اعلم۔

ہمارے نزدیک جوامر تعجیلِ افطار کے متعلق کتب احادیث وفقہ سے منقح ہوا ہے وہ یہ ہے کہ تحققِ غروب کے بعد معاً قبل نماز مغرب افطار کرنا مسنون ہے اور بعد نماز کے افطار کرنا خلافِ سنت ہے، مگر حدِّ اشتباک سے پہلے پہلے افطار کرے تو تاخیر مکروہ میں داخل نہ ہوگا، اور حدِّ اشتباک تک تاخیر مکروہ تحریمی ہے، اور مسوّیٰ کی عبارت کے متعلق بدون کتاب دیکھے ہوئے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، سوال میں اس کی عبارت ناتمام نقل کی گئی ہے، اور وہ بھی پڑھی نہیں گئی اور حضرت عمرؓ وعثمانؓ کے اثر کا جواب چند وجوہ سے دیا گیا ہے، جو عبارتِ عربیہ میں مذکور ہیں، واللہ اعلم، ۱۷ر رمضان ۴۵ھ۔

نیّت معلق سے صوم متحقق نہیں ہوتا تحققِ صوم کے لئے قصدِ جازم شرط ہے۔

سوال (۶) ایک عورت نے رمضان شریف کے قضا روزہ رکھنے کا رات کو ارادہ کیا، یہ عورت رمضان شریف کے علاوہ اور روزہ خواہ وہ رمضان شریف کا قضا شدہ کیوں نہ ہو اپنی ساس سے اجازت لے کر رکھا کرتی تھی اس روز بھی اس نے یہ ارادہ کیا کہ نمازِ صبح کے وقت اپنی ساس سے دریافت کرلوں گی، اگر ساس نے اجازت دی رکھوں گی ورنہ نہیں، لیکن گمان یہی تھا کہ ساس ضرور اجازت دے گی، صبح کی نماز کے وقت دریافت کیا تو ساس نے انکار کردیا، اس عورت نے روزہ نہیں رکھا، دریافت طلب یہ ہے کہ آیا اس روزہ کی قضا رکھنی چاہئے، یا کفارہ دینا پڑے گا اور کفارہ کیا ہوگا، اگر ساٹھ روزے رکھنے کے بجائے ساٹھ آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلادے تو کفارہ ادا ہوجاویگا یا نہیں، ایک بات اور اظہار طلب ہے کہ یہ عورت ہمیشہ اپنی ساس سے روزہ کے متعلق رات کو دریافت کرلیا کرتی تھی، اگر اس نے اجازت دی تو روزہ رکھا ورنہ نہیں، اس روز رات کو دریافت کرنا یاد نہیں رہا تھا، اور صبح کی نماز کے

بعد دریافت کیا تھا جیسا کہ میں پیشتر تحریر کر چکا ہوں۔

الجواب: صورتِ مسئولہ میں نہ قضا واجب ہوئی نہ کفارہ، کیونکہ روزہ کا تحقق ہی نہیں ہوا، تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ روزہ کو توڑ اگیا، کیونکہ تحققِ صوم کے لئے نیت شرط ہے، اور نیت کی حقیقت قصد جازم ہے، جو صورتِ مسئولہ میں نہیں پایا گیا، بلکہ نیت معلق تھی ساس کی اجازت پر اور ایسی نیت سے صوم کا تحقق نہیں ہوتا، پس افسادِ صوم بھی نہیں پایا گیا، قال فی مراقی الفلاح: وحقیقۃ النیۃ قصدہ عازما بقلبہ صوم غد الخ (ص ۳۷۴) وفیہ ایضا واما القسم الثانی وھو ما یشترط لہ تعیین النیۃ وتبییتھا فھو قضاء رمضان وقضاء ما افسدہ من نفل وصوم الکفارات بانواعھا ککفارۃ الیمین وصوم التمتع والقران والنذر المطلق اھ (ص ۳۷٦)۔ ۴ر شعبان سنہ ۴۷ھ

سوال (۷) سحری کے وقت طلوعِ فجر سے قبل اذان دینے اور ایسے اذان کے اعادہ کا حکم۔

حضرت! دیہات میں اکثر لوگ اذان سنکر کھانا پینا بند کرتے ہیں، اور گھڑی بھی ہمیشہ صحیح نہیں رہ سکتی، کیونکہ کوئی بہتر ذریعہ ملانے کا نہیں ہوتا، کبھی کبھی طلوع غروب سے بھی بوجہ ابر ہونے کے نہیں ملا سکتے، تو ایسی حالت میں ان لوگوں کا روزہ ہوگا یا کہ کچھ نقصان پڑے گا، اسی خیال سے کہ لوگ کھانے سے بند ہو جائیں گے اذان صبح صادق سے دس یا پانچ منٹ قبل پڑھنا جائز ہے یا کہ نہیں، کیونکہ دیہات میں کوئی ذریعہ دیگر بند کرنے کا نہیں ہوتا، حکم شرعی سے حضور اطلاع بخشیں؟

الجواب: اگر یہ لوگ اذان کے بھروسہ پر نہ رہتے ہوں، بلکہ اپنے دل کی گواہی کے موافق کھاتے ہوں اور بند کرتے ہوں تو ان کے روزہ میں شبہ نہ ہوگا، اور دل کی گواہی وہ معتبر ہے جو خوفِ خدا کے ساتھ ہو اور وقت کی پہچان بھی ہو، اور اگر اذان کے بھروسہ ہی پر رہتے ہوں تو اُن کے روزوں میں شبہ رہے گا، اگر مؤذن صبح ہونے کے بعد اذان کہتے ہوں اور ایسی حالت میں مؤذن کو یہ جائز ہے کہ اذانِ فجر صبح صادق سے دس پندرہ پہلے کہہ دی جائے، تاکہ لوگ کھانے پینے سے رُک جائیں، مگر صبح صادق ہونے کے بعد اس اذان کا اعادہ کر دیا جائے گو اعادہ زیادہ بلند آواز سے نہ ہو، معمولی ہی آواز سے ہو، قلت وعلی ذلک حملت الحنفیۃ الاذانین فی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الاول کان لمصلحۃ اخری غیر اعلام الوقت وھذہ ایضا مصلحۃ قد مست الحاجۃ الیھا فی القری فان

اھلھا لا یستغنون عن الاکل الا بالاذان، مگر اس کے لئے خاص انتظام کی ضرورت ہی کہ گاؤں کے سربرآوردہ لوگ ایک دو مؤذن اس کام کے لئے مخصوص کردیں ورنہ گڑبڑ ہوگی۔

۲۱ رمضان ۴۷ھ

حکم افطار قبل از اذان

سوال (۸) در رمضان المبارک از اذان و افطار کدام را مقدم نمودن مسنون است در تاخیر نماز از افطار کلام نیست، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم با اصحاب صلعم اولاً افطار کردند یا اذان کردند، دریں بارہ حدیثے صحیح ارشاد فرمایند؟

الجواب: تقدیم افطار قبل از نماز مغرب مسنون است، واما اذان، پس مؤذن قبل اذان افطار کند و غیر مؤذن مع الاذان الا ان یکون عارفاً بالوقت او بفعل المؤذن فلہ ان یقدم الفطر علی الاذان، مگر مراد از افطار شبع بالطعام نیست بلکہ افطار بر تمرہ یا شربۃ ماء ونحوہ، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلث من سنن المرسلین تعجیل الافطار وتاخیر السحور الخ رواہ الطبرانی (زیلعی ص ۴۵۳ ج ۱) ولاشک ان فی الافطار بعد الصلوۃ تاخیرا وما روی عن بعض الصحابۃ انھم کانوا یفطرون بعد المغرب ای بعد الصلوۃ فمحمول علی الشبع ای کان یاکل الطعام بعد المغرب دون تاخیر الفطر مطلقا، واللہ اعلم

۱۶ رمضان ۴۸ھ

فصل فی رؤیۃ الہلال

اگر رویتِ ہلال کی شہادت عید کے دن طلوعِ آفتاب سے قبل مل گئی، تو مجمع کے خیال سے اگلے دن تک تاخیر کرنا صحیح نہیں

سوال (۱) ایک شہر میں انتیس تاریخ رمضان المبارک رُویتِ ہلال نہ ہوئی، تیس تاریخ کی صبح کو فجر کی نماز کے متصل ہی اطول ایام میں رُویت پر شہادت گذری، اور قبول ہونے کے بعد ہی فوراً شہر میں اعلان افطار کا امام شہر کی جانب سے کردیا گیا، اور اس کا بھی اعلان ہوا کہ نماز عیدگاہ میں اپنے مقررہ وقت پر آج ہی پڑھی جائیگی اس اعلان پر بعض حضرات شہر نے امام شہر سے یہ کہا کہ آج نماز کو ملتوی رکھنا چاہئے، کیونکہ کامل اجتماع ساکنانِ شہر و نیز اہل قریات کا آج دشوار ہی، اس کو امام صاحب نے تسلیم کرکے دوبارہ دوسرے روز نماز کی ادائیگی کا اعلان کرایا، چنانچہ عیدگاہ میں نماز دوسرے ہی روز پڑھی گئی، لیکن چند مساجد شہر میں افطار کے روز ہی نمازِ عید وقت پر پڑھ لی، اس پر بہت سے

لوگوں کا اعتراض ہوا کہ یہ امر تفریق بین المسلمین ہے، اور حکم امام کے خلاف ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر اطول ایام میں آفتاب طلوع ہونے کے متصل ہی رویت پر شہادت گذر جائے اور قبول ہونے پر روزہ افطار کرلیا جائے تو نماز عید اسی روز پڑھنا واجب ہے یا امر موہوم عدمِ اجتماعِ کثیر کے احتمال پر ادائگی نماز دوسرے روز پر ملتوی کردی جائے؟ درمختار کتاب الاضحیۃ میں قبیل عبارۃ کرہ تنزیہًا الذبح لیلاً پر صاحبِ شامی تحریر فرماتے ہیں لو شہدوا بعد نصف النہار انہ العاشر جاز لہم ان یضحوا ویخرج الامام من الغد فیصلی بہم العید وان علم فی صدر النہار انہ یوم النحر فشغل الامام عن الخروج او غفل فلم یخرج ولم یأمر احدا ان یصلی بہم فلا ینبغی لاحد ان یضحی حتی یصلی بہم الامام الیٰ ان تزول الشمس فاذا زالت قبل ان یخرج الامام ضحی الناس اھ، یہ عبارت مفید اس معنی کو ہے کہ اگر صدر نہار میں اس امر پر شہادت گذری کہ آج عید کا روز ہے توامام پر واجب ہے کہ اُس ہی روز نماز عید پڑھا دے، اور حدیث سے جو یہ امر ثابت ہے کہ ایسی صورت میں دوسرے روز نماز پڑھی گئی، تو بعض روایت میں تصریح اس امر کی ہے کہ اطلاع رویت کی بعد الزوال ہوئی تھی، اور مذکورہ صورت میں اگر امام عید کی نماز دوسرے روز پڑھنے کا اعلان کرے تو شہر کے لوگوں کو کیا کرنا چاہئے؟ آیا وہ اپنے اپنے محلّوں کی مساجد میں نمازِ عید پڑھ لیں یا دوسرے ہی روز پڑھیں؟ کتبِ فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قولِ راجح پر دوسرے روز عذر کی بناء پر ہے، نماز قضا ہوتی ہے ادا نہیں ہوتی، اور بلا عذر کے نیز ایسے عذر کی بناء پر کہ شرع شریف میں وہ معتد بہ عذر شمار نہ ہو، دوسرے روز نماز پڑھنا صحیح نہیں، بلکہ شغل بما لا یصح میں داخل ہوکر دیگر محظوریوں کو مستلزم ہوتا ہے۔

الجواب: جب فجر کی نماز سے متصل شہادت رویت گذری ہے تو اب محض دیہات والوں یا سُست مزاج شہریوں کے عدم اجتماع کے خیال سے عید الفطر کو اگلے دن کے لئے امام کا مؤخر کرنا جائز نہ تھا، بلکہ یہ تاخیر چونکہ بلا عذر ہوئی ہے اس لئے اگلے دن نماز صحیح نہیں ہوتی، اس صورت میں جن مسلمانوں نے اپنی اپنی مساجد میں نمازِ عید ادا کی اُن کا فعل موافق شرع ہے، ایسا ہی کرنا چاہئے تھا، اور تفریق بین المسلمین اس وقت حرام ہے جبکہ دوسری طرف بھی گنجائش ہو، اور اگر دوسری طرف شریعت کی مخالفت ہو تو حسبِ قدرت اُن سے مفارقت کا اظہار ضروری ہے، قال فی الدّر وتوخر ای صلوٰۃ عید الفطر ۱۲)

بعد ربعہ الی الزوال من الغد فقط، فوقتہا من الثانی کالاول وتکون قضاءً لا اداء اھ وفیہ ایضاً فالعذر ھٰھنا لنفی الکراھۃ وفی الفطر للصحۃ اھ قال الشامی قولہ بعذر ربعہ دخل فیہ ما اذا لم یخرج الامام وما اذا غم الھلال و شھدوا بہ بعد الزوال او قبلہ بحیث لا یمکن جمع الناس اھ (ص ۵۸۷ ج ۱) قلت والمراد بالامام ھو الامام الاعظم او نائبہ فان خلافہ لا یطاق فعدم خروجہ عذر فی حق العامۃ ولو کان ھو آثما واما امام العیدین والجمعۃ فی بلادنا فعدم خروجہ لیس بعذر لان خلافہ لا یضر فاذا لم یخرج بلا عذر و خالف حکم الشریعۃ لا تترک العامۃ صلوٰتھم بل یجتمعون علی امام غیرہ او یصلون فی مساجد مختلفۃ باختلاف المحال، قال فی مراقی الفلاح: وقیل العذر للجواز لا لنفی الکراھۃ فاذا لم یکن عذر لا تصح فی الغد اھ (ص ۳۱۱) ۲۲ صفر ۱۳۴۲ھ

خط اور تار کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟

سوال (۲) رویتِ ہلال میں خط یا تار کا اعتبار ہے یا نہیں فی زماننا جو تاریں موصول ہوتی ہیں ان کے مرسل کا بھی حال عموماً مستور ہی ہوتا ہے، اور بسا اوقات مرسل اہل ہنود نکلتے ہیں، ایسے حال میں کیا حکم ہے؟

الجواب: رویتِ ہلال میں تار بالکل معتبر نہیں، ہاں خط کا چند قیود سے اعتبار کیا جاتا ہے، جس کی تفصیل امداد الفتاویٰ، ص ۱۷۲ جلد اول وصفحہ ۶۴ جلد اول تتمہ امداد الفتاویٰ[۲] میں موجود ہے، اور اس کے ساتھ صفحہ ۱۶ تتمہ مذکور کو بھی ضرور دیکھا جاوے۔

۱۴ رجمادی الثانی ۱۳۴۵ھ

تحقیق رویتِ ہلال درحالتِ غیم وقبولِ شہادت وغیرہ

سوال (۳) احکام الادلۃ فی احکام الاھلۃ اگر ھلالِ رمضان یا شوال در روز غیم یک کس عادل، حُر، عاقل یا دو کس دیدہ پیش عالم ثقہ در قریہ یا مصر گواہی دادند، عالم ثقہ گواہی ایشاں قبول کردہ حکم بصوم یا افطار کرد و در دیگر قری بذریعہ یک مردم یا دو مردم اطلاع داد کہ نزد ما ثبوت ہلال بقواعد شرعیہ شدہ است آیا مردمہائے قریہ را بقول ایں عالم ثقہ صوم و افطار واجب است یا خود بخود از بینندگانِ ہلال شنوند و گواہی قبول کنند یا قبول کردن گواہی عالم ثقہ کافی است، ہرچہ حکم شریعت مطہرہ است بسند کتاب مطلع فرمایند؟

الجواب: فی الدر المختار: وتقبل شھادۃ واحد علی آخر کعبد وانثی ولو علی

مثلهما وقال الشامی (قوله وتقبل شهادة واحد علی آخر) بخلاف الشهادة علی الشهادة فی سائر الاحکام حیث لا تقبل ما لم یشهد علی شهادة کل رجل رجلان او رجل وامرأتان (قوله کعبد وانثی) ای کما تقبل شهادة عبد وانثی (قوله ولو علی مثلهما) افاد بهذا التعمیم قبول شهادتهما علی شهادة حر اوذکر وهو بحث لصاحب النهر وقال ولم ار ه (ص ۱۴۶ ج ۲)۔

(۲) ولا یشترط فی هذه الشهادة لفظ الشهادة ولا الدعوی وحکم الحاکم حتی انه لو شهد عند الحاکم وسمع رجل شهادته عند الحاکم وظاهره العدالة وجب علی السامع ان یصوم ولا یحتاج الی حکم الحاکم (عالمگیریہ ص ۱۲۷ ج ۱)۔

(۳) ثم انما یلزم الصوم علی متاخری الرؤیة اذا ثبت عندهم رؤیة اولئک بطریق موجب حتی لو شهد جماعة ان اهل بلدة قد رأوا هلال رمضان قبلکم بیوم فصاموا وهذا الیوم ثلثون بحسابهم ولم یرهؤلاء الهلال لایباح فطرغد ولا یترک التراویح فی هذه اللیلة لانهم لم یشهدوا بالرؤیة ولا علی شهادة غیرهم وانما حکوا رؤیة غیرهم (عالمگیریة ص ۱۲۸ ج ۱)۔

(۴) فی الدر نعم لو استفاض الخبر فی البلدة الاخری لزمهم علی الصحیح من المذهب مجتبی وغیره وقال الشامی تحت (قوله نعم) قال الرحمتی معنی الاستفاضة ان تأتی من تلک البلدة جماعات متعدد دون کل منهم یخبر عن اهل تلک البلدة انهم صاموا عن رویة لا مجرد الشیوع من غیر علم بمن اشاعه کما قد تشیع اخبار یتحدث بها سائر اهل البلدة ولا یعلم من اشاعها (ص ۱۵۱ ج ۲)۔

(۵) (ولو کانوا ببلدة لا حاکم فیها صاموا بقول ثقة وافطروا باخبار عدلین) مع العلة (للضرورة) وقال الشامی (قوله لا حاکم فیها) ای لا قاضی ولا والی کما فی الفتح (قوله صاموا بقول ثقة) ای افتراضاً لقول المصنف فی شرحه وعلیهم ان یصوموا بقوله اذا کان عدلا ام ط (قوله وافطروا الخ) عبارة غیره لا بأس ان یفطروا۔ والظاهر ان المراد به الوجوب ایضاً والتعبیر بنفی البأس لانه مظنة الحرمة کما فی نفی الجناح فی قوله تعالیٰ "فلا جناح علیکم ان تقصروا من الصلوٰة" ومثله کثیر فی کلامهم فافهم (ص ۱۴۶ ج ۲)۔

(۶) (وشرط للفطر) مع العلة والعدالة (نصاب الشهادة ولفظ اشهد وعدم الحد ف لتعلق نفع العبد الخ ص ۱۴۶ ج ۲، در مختار مع الشامی)۔

(۷) لا یجوز علی شهادة رجل اقل من شهادة رجلین اورجل وامرأتین وکذا علی شهادة المرأة وهذا عندنا کذا فی الخلاصة رجلان شهدا علی شهادة رجلین او علی شهادة قوم جاز عندنا کذا فی فتاویٰ قاضی خاں (عالمگیریه (ص ۲۷۳ ج ۴)۔

(۸) (هی مقبولة) وان کثرت استحساناً قال الشامی تحت قوله وان کثرت) اعنی الشهادة علی شهادة الفروع ثم وثم الخ ص ۶۰۷ ج ۴ شامی۔

(۹) فی الدر المختار (و) هلال (الاضحی) وبقیة الاشهر التسعة (کالفطر) علی المذهب وقال الشامی (قوله والاضحی کالفطر) ای ذوالحجة کشوال فلا یثبت بالغیم الابرجلین اورجل وامرأتین وفی الصحو لابد من زیادة العدد علی ماقدمناه وفی النوادر عن الامام انه کرمضان وصححه فی التحفة والاول ظاهر المذهب وصححه فی الهدایة وشروحها والتبیین فاختلف التصحیح وتأید الاول بانه المذهب بحر (قوله وبقیة الاشهر التسعة) فلا یقبل فیها الا شهادة رجلین اورجل وامرأتین عدول احرار غیر محدود دین کمافی سائر الاحکام عن شرح مختصر الطحاوی للامام الاسبیجابی، وذکر فی الامداد انها فی الصحو کرمضان والفطر ای فلابد من الجمع العظیم ولم یعزه لاحد لکن قال الخیر الرملی الظاهر انه فی الاهلة التسعة، لافرق بین الغیم والصحو فی قبول الرجلین لفقد العلة الموجبة لاشتراط الجمع الکثیر وهی توجه الکل طالبین ویؤیده قوله کمافی سائر الاحکام فلو شهدا فی الصحو بهلال شعبان وثبت بشروط الثبوت الشرعی یثبت رمضان بعد ثلاثین یوماً من شعبان وان کان رمضان فی الصحو لایثبت بخبرهما لان ثبوته حینئذ ضمنی ویغتفر فی الضمنیات مالا یغتفر فی القصدیات اھ (شامی ص ۱۵۲ ج ۲)۔

رویت ہلال رمضان کی شہادت میں ابر وغیرہ کے وقت جس طرح ایک عادل مرد یا عورت کافی ہے، اسی طرح ایک عادل مرد یا عورت اگر یہ شہادت دے کہ فلاں عادل عورت یا مرد نے رویت کی شہادت دی ہے تب بھی رویت ثابت ہوجاتی ہے (جیساکہ روایت ۱ میں ہے) اور رمضان کے لئے شہادت کا لفظ بھی ضروری نہیں، اگر یوں کہہ دے کہ میں نے

چاند دیکھا ہے تب بھی کافی ہے، و نیز قاضی وغیرہ کا حکم بھی شرط نہیں، بلکہ بدون حکم حاکم بھی شہادتِ عادل پر عمل واجب ہی، اور مستور الحال بھی عادل کے حکم میں ہے، (ملاحظہ ہو روایت نمبر ۲) اور ظاہر یہ ہی کہ شہادت علی الشہادت میں بھی لفظ شہادت شرط نہیں، بلکہ یہ خبر دینا ہی کافی ہے کہ فلاں شخص نے رُویتِ ہلال کی شہادت یا خبر دی ہے) اور اگر شہادت کی خبر نہیں دی بلکہ ویسے ہی ذکر کیا کہ فلاں شہر والوں (یا فلاں شخص) نے چاند دیکھا ہے تو رویت ثابت نہیں ہوتی، (جیساکہ روایت نمبر ۳ سے معلوم ہوتا ہے) البتہ اگر کسی جگہ عام طور پر بطریقِ معتبر روزہ رکھا جاوے اور وہاں کی خبر بطریق شہرت پہونچے تو روزہ واجب ہو گیا، اس میں یہ ضروری نہیں کہ شہادت علی الشہادت کے طریق پر کہا جاوی (ملاحظہ ہو روایت نمبر ۴) اور جس طرح ہلال رمضان بدونِ حکم حاکم ثابت ہو جاتا ہی اسی طرح ہلال عید الفطر بھی فقط شہادت سے ثابت ہو جاتا ہے، جبکہ وہاں حاکم وقاضی وغیرہ نہ ہو (روایت نمبر ۵ ملاحظہ ہو) لیکن ھلالِ فطر میں لفظ شہادت ہونا ضروری ہے البتہ اگر شہادت حاکم وقاضی کے ہاں نہیں تو باخبار عدلین سے (معلوم ہوتا ہے کہ) بدون لفظ شہادت بھی رویت ثابت ہو جاتی ہے (لیکن لفظ شہادت کا استعمال کرنے میں احتیاط ہی) و نیز ابر وغیرہ میں ۲ دو شاہد ہونا شرط ہے، (جیسا روایت نمبر ۶ میں ہے) اور ہلالِ فطر میں شہادت علی الشہادت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر ایک گواہ کیلئے نصاب کامل ہو، یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں کہ فلاں شخص نے گواہی دی ہے، اور دوسرے شخص کے لئے بھی، اسی طرح ایک مرد دو عورت یا دو مرد گواہ ہوں، البتہ اگر دو مرد (یا ایک مرد اور ۲ دو عورتیں) یہ گواہی دیں کہ ہمارے سامنے ان دونوں گواہوں نے گواہی دی ہے تب ایک ہی نصاب کافی ہے (ملاحظہ ہو روایت ۷) پس اگر وہ فرستادہ خود بھی شہادت کے وقت موجود تھا تو اس کی خبر معتبر ہے، اور اگر فرستادہ وقتِ شہادت موجود نہ تھا تو جو اُس وقت موجود تھے وہ فرستادہ کے پاس شہادت دیکر بھیجیں (ملاحظہ ہو روایت نمبر ۸) اور فرستادہ رمضان میں ایک مرد یا عورت کافی ہے، اور شوال میں ۲ دو مرد یا ایک مرد دو عورت کی ضرورت ہے، جبکہ دونوں شاہد ولی ان کے سامنے شہادت دی ہو، ورنہ ہر شاہد کی شہادت پر نصاب کامل کی ضرورت ہی، کمامر، اور اگر یہ فرستادہ نہ تو وقتِ شہادتِ رویت موجود ہوا اور نہ اُن کے پاس اس

وقت کے شاہدوں نے شہادت دی بلکہ ویسے ہی بھیجدیا، کہ جا کر رمضان یا شوال کی اطلاع کردو، تو اس سے اُن دیگر اہل قری پر نہ روزہ واجب ہوگا نہ عید جائز ہوگی، کما ہو الظاہر، اور شامی ص ۱۵۰ ج ۲ میں ہے قلت وکذا لو شهدوا برؤية غيرهم وان قاضى تلك المصر امر الناس بصوم رمضان لانه حكاية لفعل القاضى ايضًا وليس بحجة بخلاف قضائه الخ وايضًا فى الصفحة المذكورة قلت ووجه الاستدراك ان هذه الاستفاضة ليس فيها شهادة على قضاء قاض ولا على شهادة لكن لما كانت بمنزلة الخبر المتواتر وقد ثبت بها ان اهل تلك البلدة صاموا يوم كذا لزم العمل بها لان البلدة لا تخلوا عن حاكم شرعى عادة فلا بد من ان يكون صومهم مبنيًا على حكم حاكمهم الشرعى فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور وهى اقوى من الشهادة بان اهل تلك البلدة راؤا الهلال وصاموا لانه تفيد اليقين فلذا لم تقبل الا اذا كانت على الحكم او على شهادة غيرهم لتكون شهادة معتبرة والا فهى مجرد اخبار بخلاف الاستفاضة فانها تفيد اليقين فلا ينافى ما قبله هذا ما ظهر لى فتأمل اھ۔

وايضًا فى صفحه ۱۵۵ تحت (قوله بطريق موجب) كان يتحمل اثنان الشهادة اويشهدا على حكم القاضى او يستفيض الخبر الخ۔

اس سے معلوم ہوا کہ قاضی وحاکم کے حکم کی شہادت بھی پہونچ جاوے تب بھی رویت ثابت ہو جاتی ہے، خواہ شہادت علی الحکم کے ساتھ شہادتِ رویت کا بیان ہو، یا نہ ہو۔

اب رہی یہ بات کہ مفتی کا حکم اور فتویٰ حکمِ حاکم کے قائم مقام ہوگا یا نہیں، اس کی تصریح تو کہیں ملی نہیں، مگر ضرورت کی وجہ سے قاضی وغیرہ نہ ہونے کی حالت میں جیسے کہ خطیب جمعہ مسلمانوں کے مقرر کرنے سے ہو جاتا ہے، کمافی الدر (و نصب العامة) الخطيب (غير معتبر مع وجود من ذكر) اما مع عدمهم فيجوز للضرورة، اھ۔

اسی طرح اس میں گنجائش معلوم ہوتی ہے، مگر زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ عالم فقط اپنا فیصلہ سُنا کر کسی کو نہ بھیجے، بلکہ اشہاد کے بعد بھیجے، اور رمضان میں ایک عادل اور فطر میں دو عادل جب کافی ہیں جبکہ ابر یا غبار ہو، ورنہ جم غفیر کی حاجت ہے، البتہ اگر کسی جگہ جم غفیر نے شہادت دی اور پھر اُس شہادت پر دو شاہد دوسری جگہ شہادت دیں تب وہی

شاہد کافی ہیں لما فی الدر (فیلزم اهل المشرق برؤیة اهل المغرب) اذا ثبت عندهم رؤیة اولئك بطریق موجب كما مر وقال الشامی تحت (قوله بطریق موجب) كان یتحمل اثنان الشهادة او یشهد اعلیٰ حکم القاضی او یستفیض الخبر بخلاف ما اذا اخبران اهل بلدة كذا رأوه لأنه حكاية ح، اور عید الاضحیٰ کا حکم عید الفطر کی طرح ہے اور بقیہ نو مہینوں کا چاند ہر حال میں دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کی شہادت سے ثابت ہو جاتا ہے، خواہ ابر ہو یا نہ ہو، جیسا کہ روایت نمبر ۹ سے ثابت ہے، اور اگر کسی جگہ رویت نہ ہوا ور نہ کہیں سے معتبر شہادت پہونچے تو بظاہر اُن پر یہ واجب نہیں کہ دوسری جگہ سے رویت کی تحقیق کریں، جیسا کہ عالمگیریہ، ص ۱۲۷ ج ۱ سے معلوم ہوتا ہے، یجب ان یلتمس الناس الهلال فی التاسع والعشرین من شعبان وقت الغروب فان رأوه صاموه وان غم اکملوه ثلثین یوما كذا فی الاختیار شرح المختار اھ۔

حررہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔

(قلت والالتماس هو طلب الشئ بنفسه لا التنقب من الغیر فقد ورد فی لیلة القدر التمسوه فی العشر الاواخر ای اطلبوه منفردین لا ان تسئلوه عن كل احد ۱۲) والاجوبة كلها صحيحة، ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۳۰ شوال ۴۳ھ۔

رویتِ ہلال اور صوم یوم الشک کے بارے میں ایک استفتاء

سوال (۴) اس سال ہلال رمضان کے بابت ہمارے دیار میں سخت اختلاف پڑا ہے، چھ سات محلہ کے آدمی بوجہ شہادت پانچ شخص کے برؤیۃ ہلال فی الصحراء نزدیک ایک فقیہ کے اور قبول ہونے شہادت ان کے بدھ کے دن سے روزہ رکھیں، اور تیسویں تاریخ جمعرات کو ہلال شوال نہ دیکھنے کی وجہ سے جمعہ کے دن بھی روزہ رکھیں، اور روزے اُن کے اکتیس ہو گئے، اور جمعرات کے روزہ داروں کے تیس ہو گئے، اب بعضے عالم بدھ کے دن کے روزہ کو صوم یوم الشک بنیۃ رمضان پر حمل کر کے مکروہ تحریمی فرماتے ہیں، لما فی الدر المختار ولو جزم ان یکون من رمضان کرہ تحریمًا، اور بدھ کے دن کے روزہ دار کہتے ہیں جب حسب عبارت رد المحتار، بحر، بدائع وغیرہ روایت حسنؒ از امام یصوم رمضان بشهادة الاثنین عند الصحو ایضا مفتی بہ ہونا قرار پایا، تو ہمارا روزہ رکھنا حسب شریعت صحیح اور درست ہے، پھر مکروہ ہونیکا کیا معنی؟ فی رد المحتار، ج ۲ ص ۱۰۱ مصری قوله وعن الامام انه یکتفی بشاهدین

واختارہ فی البحر الخ حیث قال وینبغی العمل علی ھذہ الروایة فی زماننا لان الناس تکاسلت عن ترائی الاھلة فانتفی قولہ مع توجھم طالبین لما توجہ ھو الیہ فکان التفرد غیر ظاھر فی الغلط ثم ایّد ذلک بان ظاھر الولوالجیة والظھیریة یدل علی ان ظاھر الروایة ھو اشتراط العدد لا الجمع العظیم والعدد یصدق باثنین اھ اقرہ فی النھر والمنح ونازعہ محشیہ الرملی بان ظاھر المذھب اشتراط الجمع العظیم فیتعین العمل بہ لغلبة الفسق والافتراء علی الشھر الخ اقول انت خبیر بان کثیرا من الاحکام تغیرت لتغیر الازمان ولو اشترط فی زماننا الجمع العظیم لزم ان لا یصوم الناس الا بعد لیلتین او ثلاث لما ھو مشاھد من تکاسل الناس بل کثیرا ما رأیناھم یشتمون من یشھد بالشھر ویؤذونہ وحینئذ فلیس فی شھادة الاثنین تفرد من بین الجمع الغفیر حتی یظھر غلط الشاھد فانتفت علة ظاھر الروایة فتعین الافتاء بالروایة الاخری، انتھی۔

بلکہ دیگر ممالک سے جمعہ کے دن عید ہونے کی خبر سن کے فرماتے ہیں کہ جمعرات سے روزہ داروں پر ایک روزہ قضا کرنا ضروری ہے۔ لما فی البدائع ج ۲ ص ۸۲ مصری

ولو صام اھل بلد ثلثین یوما وصام اھل بلد آخر تسعة وعشرین یوما فان کان صوم اھل ذلک برویة الھلال وثبت ذلک عند قاضیھم اوعدوا شعبان ثلاثین یوما ثم صاموا رمضان فعلی اھل البلد الآخر قضاء یوم لانھم افطروا یوما من رمضان لثبوت الرمضانیة برؤیة اھل ذلک البلد وعدم رؤیة اھل البلد الآخر لا یقدم فی رؤیة اولئک اذ العدم لا یعارض الوجود الخ۔

اب معرض خدمت میں یہ ہے کہ (۱) بدھ کے دن کے روزہ کا کیا حکم ہے، (۲) اور جمعرات کے روزہ رکھنے والوں پر ایک روزہ قضا ادا کرنا واجب ہے یا نہیں (۳) اور باوجود سننے خبر رویتِ ہلال کے بدھ کے دن روزہ نہ رکھنے والوں پر اور رکھکر توڑ دینے والوں پر کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ حضور عالی کے دستخط نہایت ضروری ہے، بجز اس کے لوگ اعتبار نہ کریں گے۔

الجواب: بدھ کے دن سے روزہ رکھنے والوں پر کراہت صوم یوم الشک کا الزام صحیح نہیں، جبکہ انھوں نے فقیہ کے سامنے شہادت گذرنے اور اس کے قبول ہوجانے کی

بناء پر روزہ رکھا، گو اس فقیہ نے روایت متون کے خلاف حالتِ صحو میں جم غفیر کے بغیر ثبوتِ ہلال کا فتویٰ دیدیا، مگر عوام کو تو علماء کا اتباع لازم ہے جبکہ اس کا فتوی کسی ایک روایت کے موافق ہے۔

(۲ و ۳) جمعرات سے روزہ رکھنے والے دو قسم کے ہیں، ایک علماء، دوسرے جہلاء، علماء کو اگر فقیہ مذکور کا فتویٰ اس وجہ سے مسلّم نہ ہوا کہ اس نے روایت متون کے خلاف فتویٰ دیا تو ان کو گناہ نہیں ہوا، اور یہی حکم ان جہلاء کا ہی جو اُن علماء کے معتقد ہیں جنھوں نے اُن علماء کے اختلاف کی وجہ سے فقیہ مذکور کے فتوی کو تسلیم نہیں کیا، اور اس کی صحت میں ان کو شبہ ہو گیا، رہے وہ جہلاء جن کو فقیہ مذکور کے فتوی کا علم ہوا اور دوسرے علماء کے خلاف کا علم نہیں ہوا ان کو بُدھ کے دن روزہ نہ رکھنے سے گناہ ہوا۔

رہا یہ کہ ان لوگوں کے ذمہ ایک روزہ کی قضا اور اس کے عمداً توڑنے سے کفارہ واجب ہوگا یا نہیں، اس کا جواب یہ ہی کہ شہادت مذکورہ کے موافق تیس دن پورا کرنے کے بعد بھی چاند نہ ہونے سے شہادت مذکورہ کا کذب و غلط محقق ہو گیا، اس لئے بُدھ کے دن ثبوت رمضان قطعی نہ رہا، پس وجوب کفارہ کی کوئی وجہ نہیں اور نہ قضا واجب ہے، البتہ جن مقامات سے جمعہ کی عید کی خبر آئی ہے اگر وہاں سے بُدھ کے دن یکم رمضان ہونے کی بھی اطلاع آجاوے، اور یہ اطلاع بطریق موجب شرعی حاصل ہو تو ان لوگوں پر بُدھ کے دن ایک روزہ کی قضا واجب ہو گی، ورنہ نہیں، ۲۲ ر شوال ۴۶ھ۔

دو شخص مقبول الشہادت ۲۹ ر رجب کو رویتِ ہلال کی شہادت دیں تو بصورت قبولِ شہادت شعبان کے تیس دن پوری ہونے پر چاند نظر آئے یا نہ روزہ رکھا جاوے گا یا نہیں، اور اس حساب سے تیس روزے پورے ہونیکے بعد عید منائی جاوے گی یا نہیں؟

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ اگر رجب المرجب کی ۲۹ ر تاریخ کو باوجود مطلع صاف ہونے کے دو شخص مقبول الشہادت اور عادل رویتِ ہلال کی شہادت دیں تو ان کی شہادت سے شعبان کا چاند ثابت ہو گا یا نہیں، درصورتِ ثبوتِ شعبان کے تیس دن پورے ہوجانے کے بعد اگر چاند نظر نہ آئے خواہ مطلع صاف ہو یا نہ ہو تو رمضان مان کر روزہ رکھا جاوے اور تراویح پڑھی جائیں یا نہیں، صورتِ ہٰذا میں اگر روزہ رکھنا ضروری ہے تو تیس روزے رکھنے کے بعد چاند نظر نہ آنے کی صورت میں عید منائی جاوے گی، یا

اکتیسواں روزہ رکھنا ضروری ہوگا، اور درصورت عدمِ ثبوت ہلال شعبان شامی کی عبارت تحت قول وبقیۃ الاشہر التسعۃ الخ وبحرالرائق، ص ۲۶۹ ج ۲ اور عبارت دیگر کتب فقہ کا کیا جواب ہوگا، مفصل اور مدلل بحوالۂ کتب جواب تحریر فرماکر ماجور ہوجئے۔

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دو عادل گواہوں کی شہادت سے ثبوتِ ھلالِ شعبان ہوجائے گا، اور شعبان کے تیس دن پورے ہوجانے پر رمضان کا ثبوت ہوجائیگا مگر اس امر کو خوب اچھی طرح دیکھ لیا جائے کہ ھلالِ رجب کا ثبوت شرعی ہوگیا تھا یا نہیں اور گواہ عادل تھے یا نہیں، اگر عادل تھے تو اُن کو رویتِ ہلال کا جزم تھا، اور ایسا جزم تھا کہ اس پر قسم کھاسکتے تھے، یا محض شبہ اور خیال ہی تھا۔

قال الشامی نقلاً عن الخیر الرملی فلو شھدا فی الصحو بھلال شعبان وثبت بشروط الثبوت الشرعی یثبت رمضان بعد ثلاثین یوماً من شعبان وان کان رمضان فی الصحو لا یثبت بخبرھما لان ثبوتہ حینئذ ضمنی ویغتفر فی الضمنیات مالا یغتفر فی القصدیات اھ (ص ۱۵۲ ج ۲) ۱۴ رمضان ۴۷ھ

اس کے بعد اس جواب کو اس طرح بدلا گیا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، شامی نے رد المحتار میں تو امام اسبیجابی اور رملی کے قول پر اکتفاء کیا ہے، اور صاحبِ امداد کے قول پر زیادہ زور نہیں دیا، مگر حاشیہ بحر میں رملی کا قول نقل کرکے فرمایا ہے، لکن صرح فی الامداد بخلافہ فاشترط الجمع العظیم (فی سائر الاشھر) ویوافقہ اطلاق عبارۃ مواھب الرحمٰن فتذکرھا، چونکہ صاحب امداد نے بہت صراحت کے ساتھ جمیع اشہر میں بحالتِ صحو جمع عظیم کو شرط کہا ہے، پس اس کے خلاف فتویٰ پر جرأت کرنا نص صریح مذہب کا محتاج ہے علامہ رملی کا محض الظاہر کہنا کافی نہیں، واللہ اعلم، ۱۵ رمضان ۴۷ھ

رویتِ ہلال کے متعلق ایک استفتاء

سوال (۶۰) جالنہ ریاست نظام دکن میں بروز جمعہ چاند نظر آیا، اور رمضان المبارک پہلی تاریخ شنبہ قرار پائی، اور شنبہ کے روز روزہ بھی رکھا گیا، ۲۹ رمضان المبارک روز شنبہ کچھی یعنی (میمن) کے دو ملازم کھانا پکانیوالوں نے صرف چاند دیکھا، اور اس کی اطلاع قاضی صاحب صدر بازار کو دی، قاضی صاحب نے ان کا بیان لیا، اور اس کی تائید میں ایک مدینہ منورہ کا میمن صاحبان نے پیش کیا کہ مدینہ منورہ میں چاند رمضان کا بروز پنجشنبہ دیکھا گیا، اور جمعہ کے روز پہلا روزہ

رکھا گیا، اس لحاظ سے مدت یعنی ۳۰ رمضان ہے، یہاں (۳) سہ آبادی ہے، صدر بازار، جالنہ قدیم وقادر آباد، اور اس روز ابر بھی نہ تھا، ان دونوں ملازموں کے سوائے اور کسی نے نہ دیکھا اور قرب وجوار سے آنے والے اور موٹر سے آنے والے صاحب سے معلوم ہوا کہ آج چاند نہیں دیکھا، یعنی بروز شنبہ ۲۹ رمضان کو۔

الجواب، جب مطلع صاف تھا تو دو گواہ ہرگز کافی نہ تھے، اس حالت میں جن لوگوں نے روزہ نہیں رکھا، یا رکھکر توڑ دیا، انھوں نے سخت غلطی کی اور قاضی صاحب نے جو فتویٰ دیا وہ صحیح نہیں ہے۔

سوال: قاضی صاحب نے اس واقعات کے معلوم ہونے کے بعد بھی تحصیلدار صاحب جالنہ کے پاس خط مدینہ منورہ کا اور ان دو کا بیان پیش کیا، تحصیلدار صاحب نے منادی کرانے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ گواہ عادل نہیں ہے، اور خط دور دراز مقام کا ہے، (۳۶) میل کے فاصلہ سے زائد ہے۔

الجواب: مطلع صاف ہونے کی حالت میں تو دو عادل بھی ہوتے تو قبول نہ کیا جاتا خط خود حجت نہیں ہے، اور فاصلہ زیادہ ہونا تو مضر نہیں، لیکن جہاں سے بھی خبر آوے معتبر شاہدین کے ذریعہ آنا شرط ہے۔

سوال: قاضی صاحب صدر بازار نے خود روزہ توڑ دیا اور لوگوں سے کہا روزہ مت رکھو تقریباً دو سو یا تین سو حضرات نے روزہ توڑ دیا، جن لوگوں نے روزہ توڑ دیا، ان کو ایک روزہ رکھنا ہوگا یا ۶۰ روزے؟

الجواب، مطلع صاف ہوتے ہوئے کوئی وجہ شبہ کی نہ تھی، لیکن قاضی صاحب کے فتویٰ کی وجہ سے عوام کو ایک گونہ شبہ ہو جاتا ہے، اس لئے کفارہ واجب نہیں، فقط قضا رکھنا کافی ہے، ونظیرہ فی الدر المختار (او احتجم فظن فطرہ بہ فاکل عمداً، قضی وکفر) لانہ ظن فی غیر محلہ حتی لو افتاہ مفتی یعتمد علی قولہ او سمع حدیثاً ولم یعلم تاویلہ لم یکفر للشبہۃ وان اخطاء المفتی الخ واللہ اعلم۔

تار، خط اور ٹیلیفون کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر معتبر نہیں

سوال (۷) تار یا ٹیلیفون کے ذریعہ چاند کی اطلاع آوے تو اس کا اعتبار کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب، تار اور ٹیلیفون کی خبر معتبر نہیں ہے۔

سوال؛ خط کتنے میل سے آیا ہوا ہونا اس کا اعتبار اور قابلِ سند ہے؟

الجواب؛ میل کی کوئی تفصیل نہیں ہے، مگر یہ ضروری ہے کہ چند خط ہوں، اور ان کے لکھنے والے عادل ہوں، اور ان کا خط شناخت کرلیا ہو، اور جو خبر اُن میں لکھی ہو وہ محض سنی سنائی بات نہ ہو بلکہ پختہ شاہدوں کی شہادت ہو۔

سوال؛ تار یا ٹیلیفون کے ذریعہ ریاست نظام حیدر آباد سے اطلاع آوے یا قرب و جوار سے مقامی عہدہ دار منصف صاحب یا تحصیلدار صاحب کے، اور اس روز ابر نہ ہو، یا ابر ہو اور ابھی مدت ختم نہ ہوئی ہو تو کیا عمل کرنا چاہیے؟

الجواب؛ تار اور ٹیلیفون کا کسی حال میں اعتبار نہیں۔

رویتِ ہلال کے متعلق سرکاری فتاویٰ کا حکم

سوال (۸) اگر منادی کیجاوے منجانب سرکار کہ آج عید ہے، کیا روزہ توڑ دینا اور دوگانہ ادا کرنے جانا ہوگا؟

الجواب؛ اس کی بناء دیکھی جاوے، اگر شہادت معتبرہ کی وجہ سے منادی کی ہے تو عید کرنا لازم ہے، اور تار وغیرہ کی بناء پر منادی کردی تو اس کا کچھ اعتبار نہیں، واللہ اعلم۔

احقر عبدالکریم، ۹ شوال ۴۸ھ الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۹ شوال ۴۸ھ

ثبوتِ رُویت کے بارے میں

سوال (۹) بجواب استفتاء مسلمانان بیکانیر جملہ کاغذات بایں تنقیحات کہ اُنتیس رمضان شنبہ کو مطلع صاف تھا یا نہیں واپس موصول ہوئے، جواباً ذریعہ عریضہ ہذا جملہ کاغذات واپس بھیجکر التماس ہے کہ جہاں تک ہمارا خیال ہے ۲۹ شعبان کو مطلع غبار آلود نہ تھا، اور نہ ہمارے شہر میں کسی کو رویتِ ہلال ہوئی، البتہ ۳۰ شعبان بروز جمعہ کو چاند دیکھکر بالاتفاق تمام اہلِ شہر نے شنبہ سے روزہ رکھنا شروع کئے، پھر ۲۹ رمضان المبارک شنبہ کو حالانکہ مطلع صاف تھا (ہمارے یہاں کے مطابق) چاند نظر نہ آیا، چنانچہ یکشنبہ کو ہم نے چاند دیکھا، اور دوشنبہ کو نمازِ عید پڑھی، مگر ہمارے مخالفین نے یکشنبہ ہی کو بغیر چاند دیکھے عید کرلی، ان کا استدلال یہ ہی کہ "اخبار زمیندار میں قاضی انب کا فتویٰ شائع ہوا تھا، کہ ہزارہ کے علاقہ میں روزے جمعہ سے شروع کئے گئے" مگر ہم نے اس استدلال کو نہیں تسلیم کیا، اور کہدیا کہ یہ اخبار کا فتوی ہے، ہم نہیں مانتے۔ اُن کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ "حافظ یٰسین پیش امام مسجد علاقہ جیسلمیر میں اپنے دو مریدوں سے یہ سنکر آیا ہے کہ جیسلمیر میں بھی چاند جمعرات کو دیکھا گیا تھا" مگر ہم نے

حافظ یٰسین کے اس بیان پر بھی اپنے روزے موقوف نہیں کئے، اور کہا کہ ہمارے سامنے یہ بیان ایک شخص کا ہے آج ہم عید نہیں مانتے، اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم نے مزید اطمینان کے لئے ایک تار مولوی کفایت اللہ صاحب کو دیا تو جواب آیا کہ عید آج نہیں ہے، کل ۳ر مارچ ۱۹۳۱ء بروز پیر کو ہوگی، اب ہم کو کسی قدر اور اطمینان ہوگیا، ہم نے روزہ موقوف نہیں کیا، شام کو چاند دیکھکر دوشنبہ کو عید کی۔

اب مخالفین تو یہ کہتے ہیں کہ ۲۹ر رمضان کو مطلع غبار آلود تھا، ہم کہتے ہیں کہ نہیں، مطلع صاف تھا، ورنہ دھلی میں تو نظر آجاتا، وہاں بھی تو عید دوشنبہ کو ہوئی۔

دوسری تنقیح سامی کہ بچھاسر والوں کا بیان متفقہ لکھو، اس کے جواب میں یہ گذارش ہے کہ بچھاسر والوں نے ہمارے ساتھ دوشنبہ کے دن نماز عید پڑھی ہے، ان کا چاند کے متعلق کوئی بیان نہیں گذرا، ورنہ ہم خود اسی روز کیوں نہ نماز ادا کرتے؟

اب حل طلب تین سوال نکلے:۔

(۱) ایک تو یہ کہ حافظ یٰسین کا اپنے دو مریدوں سے کسی گاؤں میں سنکر آنا کہ وہاں جمعہ سے روزے رکھے گئے تھے ہمارے لئے شرعاً فطر کے لئے کافی تھا یا نہیں؟

جواب: کافی نہ تھا۔

سوال دوسرا یہ کہ فتویٰ قاضی انب مطبوعہ زمیندار کہ روزے موثق شہادت پر جمعہ سے شروع کئے گئے ہیں، ہمارے لئے موجب فطر تھا یا نہیں؟

جواب: موجب فطر نہ تھا۔

سوال: اس وقت تک ہمارے صرف ۲۹ روزے ہوئے تھے، کیونکہ ہم اہل شہر نے شنبہ کو چاند دیکھکر روزہ رکھا تھا، شوال کا چاند سنیچر کو نظر نہیں آیا، تار سے دلی میں بھی عید نہ ہونا پایا گیا، پھر کیا ہم کو اپنے روزے اُن وجوہ پر کھول دینے چاہئے تھے؟ لہذا استفتاء ہے کہ ہمارا دوشنبہ کے دن عید کرنا صحیح تھا یا ہمارے مخالفین کا یکشنبہ کے دن کرلینا؟

جواب: آپ کا دوشنبہ کو عید کرنا صحیح ہوا، اور مخالفین کے دلائل اگر وہی ہیں جو اوپر مذکور ہیں تو ان کا یکشنبہ کو افطار کرنا غلط تھا۔

سوال: ہم دونوں میں سے برسرِ صحت و موقع ملامت شرعاً کون تھا؟

جواب: اوپر لکھدیا گیا۔

سوال؛ قاضی صاحب انب نے یہ کیسے شائع کردیا کہ موثق شرعی شہادت سے روزے جمعہ کو شروع کئے گئے ہیں، لہٰذا اتوار کو عید کرلو، حالانکہ دہلی، لکھنؤ، دیوبند لاہور میں سب جگہ عید دوشنبہ کو ہی ہوئی ہے۔

الجواب؛ یہ سوال قاضی صاحب سے کیا جاوے۔

سوال؛ اور ان شہر والوں نے قاضی انب کے فتویٰ کو کیوں نہیں تسلیم کیا؟

الجواب؛ اس لئے کہ اس میں کتاب القاضی کے شروط متحقق نہ تھے۔

سوال؛ اور ان کو ایسا فتویٰ قبل از وقت شائع بھی کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب؛ ہرگز نہیں، کیونکہ یہ کتابُ القاضی کی صورت میں داخل نہیں، جو حجت ہو، پھر بجز تشویش عوام کے اس سے کیا نفع تھا؟

سوال؛ مطبوعہ فتویٰ اخبارات کا واجب العمل ہے یا نہیں اگر نہیں تو کیوں نہیں، بدلائلِ شرعیہ جواب مرحمت فرمایا جاوے؟

الجوابُ؛ تحریر وہ معتبر ہے جو شاہد کی ہو، یعنی جس نے خود چاند دیکھا ہو اور خود اس کے قلم کی ہو، اور اس تحریر کو بہت لوگ وثوق سے پہچانتے ہوں، یا قاضی کی دستخطی تحریر ہو، جو کسی قاضی یا عالم کے نام ہو، اور اس میں قاضی نے شہود کا نام اور پتہ لکھ کر مع اُن کے بیان اور اپنے فیصلہ کے دستخط کے ساتھ تحریر کیا ہو، اور دو معتبر مسلم گواہوں کے ہاتھ اُس خط کو دوسرے قاضی یا عالم کے پاس بھیجا ہو، جو اس کی گواہی دیں کہ یہ خط ہمارے سامنے قاضی نے لکھا ہے، اور جس کے نام خط ہو وہ قاضی کی تحریر کو خوب پہچانتا ہو، ورنہ اس کی بھی ضرورت ہوگی کہ دو گواہ مسلمان اس کی بھی شہادت دیں کہ ہمارے سامنے قاضی کے پاس شاہدوں کا یہ بیان ہوا، اور اس پر قاضی نے یہ فیصلہ کیا، وہذا کلہ مذکور فی الہدایۃ وغیرہا فی کتاب القاضی الی القاضی، چونکہ اخباری فتاویٰ اس شرط سے خالی ہوتے ہیں، اس لئے وہ حجت نہیں ہوسکتی، واللہ اعلم۔

نوٹ؛ یہ جواب تو اس امر کے متعلق تھا کہ عید کے موقع پر وجوہ مذکورۂ سوال کی بناء پر کس فریق کا عمل صحیح ہوا، لیکن اب مختلف و متعدد خبروں سے جو اس ایک مہینہ میں موصول ہوئیں، اور استفاضہ کی حد کو پہونچ گئیں، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے رمضان جمعہ سے شروع نہیں کیا، وہ ایک روزہ رکھ لیں۔ ۱۳ر ذیقعدہ ۴۸ھ۔

ٹیلیفون کے ذریعہ رویتِ ہلال کی خبر کا اعتبار ہے یا نہیں؟

سوال (۱۰) اگر رویتِ ہلال کی خبر مختلف مقامات سے ٹیلیفون کے ذریعہ آوے اور ٹیلیفون میں بولنے والے کی آواز کو وہ شخص شناخت بھی کرلے کہ فلاں شخص بول رہا ہے، اور ٹیلیفون میں بولنے والے کی آواز کو وہ شخص شناخت کرسکتا ہے جسکو اس کا کام پڑتا ہے اور اس کا محاورہ ہے، اور اس وجہ سے ٹیلیفون کی خبر کو ٹیلی گرام کی خبر سے زیادہ معتبر سمجھا جاتا ہے، اور پھر سننے والے کو متفرق مقامات کی خبریں سننے سے اسکا اطمینان بھی ہوجاوے کہ یہ خبریں سچی ہیں، اور ضرور چاند ہوگیا ہے تو ایسی صورت میں ٹیلیفون کی خبر کا اعتبار کرکے روزہ رکھنے یا افطار کا شرعاً حکم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: اس سوال کا جواب لکھنے سے پیشتر چند امور ضروریہ درج ہیں:۔

۱/ ، جب مطلع صاف نہ ہو، یعنی چاند نظر آنے کی جگہ ابر یا غبار وغیرہ ہو تو ہلالِ رمضان میں اصطلاحی شہادت شرط نہیں، بلکہ ایک عادل یا مستور الحال کی خبر رویت مقبول ہے، خواہ وہ خبر دہندہ غلام یا عورت ہی ہو، فی الدر المختار (وقبل بلا دعوی) بلا (لفظ اشهد) وبلا حكم ومجلس قضاء لانه خبر لا شهادة (للصوم مع علة كغيم وغبار (خبر عدل) او مستور على ما صححه البزازي على خلاف ظاهر الرواية لا فاسق اتفاقاً وهل له ان يشهد مع علمه بفسقه؟ قال البزازي نعم لان القاضي ربما قبله (ولو) كان العدل (قناً او انثى او محدوداً في قذف تاب) بين كيفية الرؤية اولا على المذهب وتقبل شهادة واحد على آخر كعبد وانثى ولو على مثلهما (شامی ص ۱۴۵ ج ۲)۔

۲/ ، ہلالِ فطر میں شہادتِ اصطلاحیہ شرط ہے، اس لئے لفظ شہادت بھی ضروری ہے اور شاہد کا عادل ہونا بھی لازمی ہے، مستور الحال کی شہادت قابلِ قبول نہیں، نصابِ شہادت بھی شرط ہے، یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں، نیز غلام ومحدود فی القذف کا قول بھی اس باب میں معتبر نہیں فی الدر (وشرط للفطر) مع العلة والعدالة (نصاب الشهادة ولفظ اشهد) وعدم حد في قذف لتعلق نفع العبد لكن (لا تشترط الدعوى) كما لا تشترط في عتق الامة وطلاق الحرة (شامی ص ۱۴۶ ج ۲)۔

۳/ ، چونکہ اخبار میں خط مقبول ہے اور شہادت میں مقبول نہیں، اس لئے ہلالِ فطر میں زبانی شہادت شرط ہے، خط غیر معتبر اور نا قابل قبول ہے، اور ہلالِ رمضان میں خط

بھی قابلِ قبول ہے، جبکہ اوس کو بخوبی شناخت کرلیا ہو۔

ع۴، یہ سب احکام مذکورہ اس جگہ کے لئے مصرح موجود ہیں جہاں قاضی وغیرہ موجود ہو اور جہاں اسلامی حکام نہ ہوں، چونکہ وہاں ادائے شہادت ممکن نہیں، لان من ارکانھا مجلس القضاء، اس لئے ایسی جگہ کے واسطے فقہائے کرام نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ ولو کانوا ببلدۃ لاحاکم فیھا صاموا بقول ثقۃ وافطروا باخبار عدلین مع العلۃ للضرورۃ (در مختار) وقال العلامۃ الشامی تحت، قولہ لاحاکم فیھا: ای لاقاضی ولا والی کمافی الفتح، وتحت قولہ للضرورۃ: ای ضرورۃ عدم وجود حاکم یشھد عندہ، اس کے جزو اوّل یعنی صاموا بقولِ ثقۃ میں تو کوئی تأمل نہیں، کیونکہ ہلالِ رمضان کی شہادت وجودِ حاکم کے وقت بھی خبر ہی کے حکم میں ہے، اور مجلسِ حاکم اس کے لئے فی نفسہ شرط نہیں، بلکہ صرف انتظام کی وجہ سے حاکم کے ہاں بیان دینے کی ضرورت ہے، مگر جزو ثانی یعنی افطروا باخبار عدلین میں یہ سوال ہے کہ اس حالت میں ہلالِ فطر کی شہادت اخبار محض کے ساتھ ملحق ہو کر اس میں شہادت کے تمام شرائط علاوہ نصاب وعدالت غیر ضروری ہو گئے، یا صرف مجلسِ حاکم ہی کی شرط کو غیر ضروری قرار دیا گیا ہے سو لفظ اخبار کے اطلاق سے تو شقِ اوّل مفہوم ہوتی ہے، مگر جو علت بیان کی گئی ہے اس سے شقِ ثانی متبادر رہی، کیونکہ عدمِ حاکم کی وجہ سے صرف اسی کی ضرورت پیدا ہوئی ہے کہ مجلسِ قضا کی شرط کو اٹھا دیا جائے، اور بقیہ شرائط کے ارتفاع کی کوئی ضرورت نہیں، لہٰذا ان کو بحالہا رکھا جائے گا، اور البحر الرائق میں ہے: فیشترط فیہ مایشترط فی سائر حقوقھم من العدالۃ والحریۃ والعدد وعدم الحد فی قذف ولفظ الشھادۃ والدعوی علی خلاف فیہ ان امکن ذلک والافقد تقدم انھم لوکانوا فی بلدۃ لاقاضی فیھا ولا والی فان الناس یصومون بقول الثقۃ ویفطرون باخبار عدلین للضرورۃ۔

اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ حاکم نہ ہونے کی صورت میں جو شرط غیر ممکن ہو گئی ہے صرف وہی مرتفع ہو گی، یعنی دعویٰ اور لفظ شہادت اور بقیہ شرائط پر کوئی اثر نہ پڑیگا، اور گو قواعد سے یہ شقِ ثانی ظاہراً راجح معلوم ہوتی ہے، مگر ہنوز اس میں شرح صدر نہیں ہوا، اس لئے علمائے کرام سے مراجعت کرلی جاوے۔

ع۵، خط کے متعلق جو تفصیل ع۳ میں گذر چکی ہے جہاں حاکم نہ ہو وہاں غیر حاکم کو

بھی اسی تفصیل کا پابند ہونا ضروری ہے، کما لا یخفی، پس ھلالِ رمضان میں خط کو بشرطِ شناخت قبول کیا جائے گا، اور شناخت میں شبہ ہو تو بالکل غیر معتبر ہے، اور ہلالِ فطر میں جس طرح حاکم خط کو قبول نہیں کر سکتا اسی طرح غیر حاکم بھی قبول نہیں کر سکتا، خواہ ۴ کے جزو ثانی میں شق اول کو لیا جاوے، (یعنی ہلالِ فطر کی شہادت کو عدم الحاکم کے وقت تمام شرائط میں اخبار کے ساتھ ملحق کیا جاوے) خواہ شقِ ثانی کو (یعنی عدم الحاکم کے وقت مجلسِ قضا کے علاوہ بقیہ شرائط میں شہادت کا حکم رکھا جاوے) ہر دو شق کا ایک ہی حکم ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ شقِ ثانی اختیار کرنے کی صورت میں تو خط کے عدمِ قبول کا حکم اصلی ہوگا، اور شقِ اول اختیار کی جاوے تو فی نفسہ قبولِ خط کی گنجائش ہے، بشرط شناخت، مگر عام بے احتیاطی پر نظر کر کے علی الاطلاق عدمِ قبول ہی کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

۶، ٹیلیفون گو اپنی اصل کے اعتبار سے خط کے مثل ہے، لان النغمۃ یشبہ النغمۃ کما ان الخط یشبہ الخط، لیکن غور کیا جائے تو اس میں خط سے زیادہ اشتباہ ہے، کیونکہ خط میں مکرر نظر کر کے بخوبی شناخت کا موقع ملتا ہے، اور ٹیلیفون میں قلتِ وقت کی وجہ سے مکرر غور کی نوبت نہیں آسکتی، نیز خط کو دوسرے لوگ بھی دیکھ سکتے ہیں، اور ٹیلیفون کو صرف سننے والا تنہا سنتا ہے، اس واسطے اس کی خبر میں خط سے بھی زیادہ احتمال ہے۔

ان امور مندرجہ بالا سے بخوبی واضح ہو گیا کہ اگر ٹیلیفون میں آواز کی بخوبی شناخت نہ ہو تب تو وہ بالکل ہی قابلِ التفات نہیں، اور اگر بخوبی شناخت ہو جائے تو ہلالِ فطر میں اس وقت بھی قابلِ قبول نہیں، اور ہلالِ رمضان میں بخوبی شناخت کے بعد فی نفسہ قبول کی گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن عام طور پر لوگوں کی بے احتیاطی کا غالب اندیشہ ہے، اس لئے اس میں بھی عدم قبول ہی کا فتویٰ دیا جاتا ہے، واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

تنبیہ:۔ آجکل رویتِ ہلال کے بارے میں یہ بھی کوتاہی کی جاتی ہے کہ ہر قسم کی خبر کو معتبر سمجھ لیتے ہیں، اس کا امتیاز نہیں کرتے، کہ یہ شہادت ہے یا شہادت علی الشہادت یا مجرد حکایت، حالانکہ اس میں تفصیل طویل ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ تفصیل معلوم کر لی جاوے، فقط کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔ ۲۵ شعبان ۵۳ھ۔

الجواب عندی صحیح، اشرف علی ۱ رمضان ۵۳ھ۔

فصل فیما یفسد الصوم وما یکرہ للصائم

روزہ کی حالت میں سفوفِ تمباکو منہ میں رکھنا

سوال (۱) سفوفِ تمباکو مرکب بر ماد ورق نارجیل یا نخل صائم کو استعمال کرنا بالاحتیاط اور بغیر احتیاط اور دو تین منٹ کے بعد کلی کرنا جائز ہے یا نہیں، اور حلق کے نیچے یقیناً نہیں اُترتا ہے احتیاط کی صورت میں؟

الجواب: قال فی العالمگیریۃ ولو مص الھلیلج، فدخل البزاق حلقہ لم یفسد مالم یدخل عینہ کذا فی الظہیریۃ اھ ص ۱۳۱ ج ۱۔

اس سے معلوم ہوا کہ سفوف تمباکو مرکب کا اس طرح دانتوں میں استعمال کرنا کہ حلق سے نیچے یقیناً نہ اُترے، مفسدِ صوم نہیں، اور اگر ذرا سا بھی حلق سے نیچے اُتر جائے گا تو روزہ فاسد ہے، اور اس سفوف کا استعمال بحالتِ صوم بلا ضرورت مکروہ ہے، لما فیہ من تعریض الصوم للفساد ولا یصح قیاسہ علی السواک لانہ ثبت بالسنۃ علی خلاف القیاس ولا علی العلک لکونہ ملتئم الاجزاء دون السفوف کذا قال الشیخ مد ظلہ، اور ضرورت بعد مغرب کے استعمال کرنے سے بھی رفع ہو سکتی ہے، ۲۲ رمضان ۴۰ھ۔

ادخال متہاءے بواسیری بید مبلولہ در صوم

سوال (۲) پچیس برس سے زائد زید کے بواسیری مسے ہیں، وقتِ رفع حاجت باہر آجاتے ہیں، اُن کو پانی سے دھو کر کپڑے وغیرہ سے خشک کرتا ہے تو بجد جلن ہوتی ہے، قبض سخت ہو جاتا اور خون تک آجاتا ہے، صرف پانی سے دھو کر تر گیلے آہستہ آہستہ اندر کو چڑھا دیتا ہے، تو تکلیف نہیں ہوتی، زید ہمیشہ بفضلہ تعالیٰ رمضان شریف کے باقی ہر ماہ نفل روزہ بھی رکھتا ہے، حال میں اس کو معلوم ہوا کہ تر گیلے مسے اندر چڑھ جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے قضا لازم آتی ہے، اب ایسی صورت میں پچیس برس سے زائد روزوں کا وہ کیا کرے، اور آئندہ روزہ کس طرح رکھے، تکلیف کی وجہ سے اس کو بوجہ عذر مسے اندر گیلے تر چڑھانا کس طرح چاہئے، اور روزہ کس طرح رکھنا چاہئے؟ فدیہ کی بھی اس قدر اس میں قوت نہیں ہے۔

الجواب: قال فی الدر ولو بالغ فی الاستنجاء حتی بلغ موضع الحقنۃ

فسد وھذا قلما یکون ولوکان فیورث داءً عظیماً اھ قال الشامی ثم فی بعض النسخ المحقنة بالمیم وھی اولیٰ قال فی الفتح والحد الذی یتعلق بالوصول الیہ الفساد قدر المحقنة اھ ای قدر ما یصل الیہ راس المحقنة التی ھی آلة الاحتقان وعلی الاول فالمراد الموضع الذی ینصب منہ الدواء الی الامعاء اھ (۱۵۸ج ۲) قلت وبثور البواسیر التی تخرج وقت الاستنجاء انما تکون داخلة قدر الاصبع والقدر الذی یصل الیہ رأس المحقنة ھو خمسة اصابع الی ستة لا یکون اقل من ذلک کما افادہ الطبیب الحاذق القاضی بشیر الدین اللکنوی فالبلة الکائنة علی تلک البثور لا تبلغ قدر المحقنة اصلا فلزم القول بعدم فساد الصوم بتلک البلة واللہ اعلم وقول الدر ولو الاصبع مبتلة فسد قید الشامی بما لو ادخل الاصبع الی موضع المحقنة (ص ۱۵۸ ج ۲)

عبارات درمختار اور شامی اور فتح القدیر سے معلوم ہوا کہ استنجے میں تری کا اندر پہنچنا جب مفسدِ صوم ہے کہ تری قدر محقنہ پر پہونچ جائے اس سے کم مقدار میں اندر تری پہنچنا مفسد نہیں، اور ہم کو طبیب حاذق کے قول سے جن پر ہم کو اعتماد و وثوق ہے معلوم ہوا ہے کہ حالتِ احتقان میں رأس محقنہ پانچ چھ انگل اندر پہونچایا جاتا ہے، تب احتقان ہو سکتا ہے، اس سے کم میں نہیں، اور بواسیری مسّے اتنے اندر نہیں ہوتے بلکہ ایک دو انگل اندر ہوتے ہیں، تو ان پر تری کا لگا رہنا اور اسی حالت سے اندر پہونچنا قدر محقنہ تک تری پہونچنے کو مستلزم نہ ہوگا، لہٰذا اس حالت میں روزہ بھی فاسد نہ ہوگا، باقی احتیاط یہ ہے کہ ایسا مریض حتی الامکان جس قدر تری کو بلا مشقت خشک کر کے مسّے اندر کر سکتا ہو اس کے خشک کرنے میں کوتاہی نہ کرے، باقی مسّوں کے خشک کرنے میں مبالغہ کی ضرورت نہیں، قال فی مراقی الفلاح او ادخل اصبعہ مبلولة بماء اودھن فی دبرہ او استنجی فوصل الماء الی داخل دبرہ او فرجھا الداخل بالمبالغة فیہ والحد الفاصل الذی یتعلق بالوصول الیہ الفساد قدر المحقنة اھ قال الطحطاوی ای قدر ما تاخذ من المحل الذی تصل الیہ اھ (ص ۳۹۳ و ۳۹۴) وفی الدر ولو بقی بلل فی فیہ بعد المضمضة او ابتلعہ مع الریق اھ قال الشامی وینبغی اشتراط البصق بعد مج الماء لاختلاط

الماء بالبصاق فلا یخرج بمجرد المج نعم لا یشترط المبالغة فی البصق لان الباقی بعده مجرد بلل ورطوبة لا یمکن التحرز عنه اھ (ص ۱۵۷ ج ۲) واللہ اعلم،

۲ ذیقعدہ سنہ ۴۳ھ۔

طاعونی ٹیکہ لگوانا مفسد صوم ہے یا نہیں

سوال (۳) روزہ کی حالت میں ٹیکہ لگوانا کیسا ہے ٹیکہ لگانے سے روزہ جاتا رہتا ہے یا نہیں، تحریر فرمائیں؟

الجواب: قال فی الدر او اقطر فی احلیلہ ماءً او دھنا وان وصل الی المثانة علی المذھب ای لا یفسد ۱۲ واما فی قبلھا فمفسد اجماعاً لانہ کالحقنة اھ قال الشامی علی المذھب ای قول ابی حنیفة ومحمد معہ فی الاظھر و، قال ابو یوسف یفطر والاختلاف مبنی علی انہ ھل بین المثانة والجوف منفذ اولا وھو لیس باختلاف علی التحقیق والاظھر انہ لا منفذ لہ کذا یقول الاطباء زیلعی وافادانہ لو بقی فی قصبة الذکر لا یفسد اتفاقاً لان العلة من الجانبین الوصول الی الجوف وعدمہ بناء علی وجود المنفذ وعدمہ لکن ھذا یقتضی عدم الفساد فی حشو الدبر وفرجھا الداخل ولا مخلص الا باثبات ان المدخل فیھما تجذبہ الطبیعة فلا یعود الامع الخارج المعتاد وتمامہ فی الفتح، قلت الاقرب التخلص بان الدبر والفرج الداخل من الجوف اذ لا حاجز بینھما وبینہ فھما فی حکمہ والفم والانف وان لم یکن بینھما وبین الجوف حاجز الا ان الشارع اعتبرھما فی الصوم من الخارج وھذا بخلاف قصبة الذکر فان المثانة لا منفذ لھما علی قولھما اھ (ص ۱۶۱ ج ۲)۔

وفی الدر ایضاً او اکتحل او ادھن وان وجد طعمہ فی حلقہ اھ قال الشامی ای طعم الکحل او الدھن وکذا البزق فوجد لونہ فی الاصح بحر قال فی النھر لان الموجود فی حلقہ اثر داخل من المسام الذی ھو خلل البدن والمفطر انما ھو الداخل من المنافذ اھ (ص ۱۵۶ ج ۲) وفی الکنز وان احتقن او استعط او اقطر فی اذنہ او داوی جائفةً او آمة بدواء ووصل الدواء الی جوفہ او دماغہ افطر اھ وکذا ھو فی اکثر المتون قال الشامی الجائفة الطعنة التی بلغت الجوف او نفذتہ والآمة من اممتہ بالعصاء اذا ضربت ام رأسہ

وهی الجلدۃ التی تجمع الدماغ قال فی البحر والتحقیق ان بین جوف الرأس
وجوف المعدۃ منفذاً اصلیاً فما وصل الی جوف الرأس یصل الی جوف البطن
اھ ط (ص ۱۶۴ ج ۲) وفی البدائع وما وصل الی الجوف اوالی الدماغ من المخارق
الاصلیۃ کالانف والاذن والدبر بان استعط او احتقن او اقطر فی اذنہ فوصل
الی الجوف اوالی الدماغ فسد صومہ اما اذا وصل الی الجوف فلاشک فیہ
لوجود الاکل من حیث الصورۃ وکذا اذا وصل الی الدماغ لان لہ منفذا
الی الجوف فکان بمنزلۃ زاویۃ من زوایا الجوف وقد روی عن النبی صلی
اللہ علیہ وسلم انہ قال للقیط بن صبرۃ[ع] بالغ فی المضمضۃ والاستنشاق الا
ان تکون صائماً ومعلوم ان استثناءہ حالۃ الصوم للاحتراز عن فساد الصوم
والا لم یکن للاستثناء معنیً واما ما وصل الی الجوف اوالی الدماغ عن غیر
المخارق الاصلیۃ بان داوی الجائفۃ والآمۃ فان داواھا بدواءٍ یابسٍ لا یفسد
لانہ لم یصل الی الجوف ولا الی الدماغ ولو علم انہ وصل یفسد فی قول ابی
حنیفہ رح وان داواھا بدواء رطب یفسد عند ابی حنیفۃ رح وعندھما لا یفسد
ھما اعتبرا المخارق الاصلیۃ لان الوصول الی الجوف من المخارق الاصلیۃ
متیقن بہ ومن غیرھا مشکوک فیہ فلا نحکم بالفساد مع الشک، ولابی حنیفۃ
ان الدواء اذا کان رطباً فالظاہر ھو الوصول لوجود المنفذ الی الجوف فیبنی الحکم
علی الظاہر، واما الاقطار فی الاحلیل فلا یفسد عند ابی حنیفۃ وعندھما
یفسد، قیل ان الاختلاف بینہم بناء علی امر خفی وھو کیفیۃ خروج البول
من الاحلیل فعندھما ان خروجہ منہ لان لہ منفذاً فاذا اقطر فیہ یصل
الی الجوف کالاقطار فی الاذن وعند ابی حنیفۃ ان خروج البول منہ من
طریق الترشح کترشح الماء من الخزف الجدید فلا یصل بالاقطار فیہ
الی الجوف والظاہر ان البول یخرج منہ خروج الشیٔ من منفذہ کما قالا،
وروی الحسن عن ابی حنیفۃ رح مثل قولہما وعلی ھذہ الروایۃ اعتمد
استاذی، واما الاقطار فی قبل المرءۃ فقد قال مشائخنا انہ یفسد صومہا

ع قلت حدیث صحیح صححہ ابن القطان کما فی الاستدراک الحسن ۱۲ منہ

بالاجماع لان لمثانتها منفذاً فیصل الی الجوف کالاقطار فی الاذن ام ص۹۳ ج۲)

ان عبارات سے چند مقدمات ممہد ہوئے:۔

(۱) جو چیز جوف کی طرف بدون منفذ کے پہونچے وہ مفطر نہیں، ودلیلہ مسئلۃ الاکتحال وغیرہ۔

(۲) افطار کا مدار دخول من المنفذ پر ہے، صاحبینؒ کے نزدیک تو منافذ اصلیہ سے دخول شرط ہے، اور امام صاحبؒ کے نزدیک منافذ اصلیہ کے سوا دوسرے منافذ سے بھی دخول مفطر ہے۔

(۳) منفذ سے مراد یہ ہے کہ دماغ یا جوف تک بلا واسطہ عروق کے رستہ ہو جائے چنانچہ مخارق غیر اصلیہ کی مثال میں جائفہ اور آمہ کا بیان کرنا اس کی دلیل ہے تمام متون وشروح میں مخارق غیر اصلیہ میں امامؒ وصاحبینؒ کے اختلاف کو جائفہ اور آمہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر جراحت جائفہ اور آمہ کی حد تک نہ پہونچے، اور جوف و دماغ تک بلا واسطہ منفذ نہ ہو تو امام صاحبؒ کے نزدیک بھی اس کے ذریعہ سے وصول مفطر نہیں، لان المفطر انما ہو الداخل من المنافذ۔

اور صاحب بدائع نے امام صاحب کی طرف سے جو دلیل بیان کی ہے وہ اس پر صاف دلالت کررہی ہے، "وہو قول ابی حنیفۃ ان الدواء اذا کان رطباً فالظاہر ہو الوصول لوجود المنفذ الی الجوف"۔ اس سے معلوم ہوا کہ جائفہ اور آمہ میں دواء رطب کا استعمال اسی لئے مفطر ہے کہ اس صورت میں دخول الی الجوف منفذ سے ہو رہا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہاں منفذ سے وہ راستہ مراد ہے جو بلا واسطہ جوف سے متصل ہو نہ کہ بواسطۂ عروق کے، ورنہ امام صاحبؒ اقطار فی الاحلیل میں صاحبینؒ کے خلاف نہ کرتے، کیونکہ گو وہاں منفذ بلا واسطہ نہ ہو مگر منفذ بواسطہ تو یقیناً ہے، جس سے ترشح بول بمقدار کثیر ہوتا ہے، مگر اس کو امام صاحب منفذ نہیں مانتے، پس معلوم ہوا کہ امام صاحب مخارق اصلیہؒ کے سوا دیگر مخارق کو بحکم مخارق اصلیہ اس وقت مانتے ہیں جبکہ وہ مخارق اصلیہ کی طرح بلا واسطہ جوف و دماغ تک متصل ہوں۔

اس تمہید کے بعد طاعونی ٹیکہ کا حکم ظاہر ہے، کہ وہ مفطر صوم نہیں، کیونکہ جس مقام پر وہ لگایا جاتا ہے وہاں سے جوف و دماغ تک منفذ نہیں، اور اگر منفذ ہو بھی تو بلا واسطہ نہیں بلکہ بواسطۂ عروق کے ہے، پس اس سے دوا کا جوف میں وصول ایسا ہی ہوگا جیسا کہ احلیل سے جوف میں دوا کا اثر ہوتا ہے، کہ وہ بھی بلا منفذ ہے، اور عروق

کے واسطہ سے ہے، علاوہ ازیں طاعونی ٹیکہ میں دواء کے چند قطرات ہوتے ہیں جو اول بازو کے خون میں پہونچتے ہیں، پھر اس خون کے دوران سے بقیہ جسم کے خون میں پہونچتے ہیں، اسی طرح اگر کچھ خون اس دواء کا اثر لئے ہوئے جوف میں بھی پہونچتا ہو تو اس سے افطار کیونکر ہو سکتا ہے، کیونکہ اس وقت وہ جوف میں تلاشی کے بعد پہونچتا ہے، کما اذا مضغ العلک والسمسم ثم ابتلعہ، نیز ہم کو ایک طبیب سے معلوم ہوا ہے کہ ٹیکہ کی دوا جوف میں نہیں پہنچتی بلکہ صرف عروقِ جسم میں سرایت کرتی ہے، مگر اس پر مدار فتویٰ نہیں، بلکہ مدار پہلی دلیلوں پر ہے، اس کو محض تائید کے درجہ میں لکھ دیا گیا، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ — نعم التحقیق وبالقبول الحقیق

۲۱ر شوال سنہ ۱۳۴۴ھ — کتبہ اشرف علی، ۲۳ر شوال سنہ ۴۴ھ

بعد افطار اندام نہانی میں کوئی دوا بحالتِ صوم باقی رہے تو روزہ پر اس کا کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

سوال (۴) اس امر کا تو ہدایہ سے پتہ چل گیا کہ اقبالِ نساء میں اگر دوا ٹپکائی جاوے تو روزہ ٹوٹ جاوے گا، مگر یہ اس سے بھی نہ معلوم ہوا کہ بعد افطار اگر کوئی ذی جرم دوا اس میں رکھدی جاوے اور وہ بحالتِ صوم بھی باقی رہے تو روزہ پر اس کا کیا اثر ہوگا اسی امر کے معلوم ہونے کی ضرورت ہے؟

الجواب: او ادخل قطنة او خرقة او خشبة او حجرا فی دبره او ادخلته فی فرجها الداخل وغیبها لانه تم الدخول بخلاف ما لو بقی طرفه خارجا لان عدم تمام الدخول کعدم دخول شیٔ بالمرة اھ (ص ۳۹۴ مراقی الفلاح) بعد انطار کے جو شے داخل کی جاوے خواہ تر ہو یا خشک اس کے بقاء بحالِ صوم سے تو فطر کا کچھ شبہ نہیں، اسی لئے فقہاء نے اس سے تعرض نہیں کیا، اس صورت میں روزہ صحیح ہے، اور خشک چیز کا تو بحالِ صوم رکھنا بھی اُس وقت موجبِ فطر ہے، جبکہ پوری اندر ہو، اور اگر کچھ حصہ باہر فرج خارج میں نکلا ہے تو مفطر نہیں، واللہ اعلم۔

طاعونی ٹیکہ اور فصد لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا

سوال (۵) رمضان میں ٹیکہ لگانا یا فصد کرانا یا بذریعہ آلہ دوا بازو میں پہنچانا جیسا کہ اس نواح میں اب ڈاکٹر لوگ بوجہ پلیگ کے کرتے ہیں، روزہ میں نقصان کرے گا یا نہیں، اللہ سے امید ہے کہ حضور تسلی بخش جواب دے کر مشکور فرما دیں گے؟

الجواب؛ طاعونی ٹیکہ یا چیچک کا ٹیکہ یا فصد لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔
۲۱ رمضان ۴۷ھ

صوم معذور کا حکم

سوال (۶) زید کا دماغ یا پھیپھڑا یا مسوڑھوں کے پھول جانے یا دانتوں کے ہلنے کے سبب منہ کے راہ خون آتا رہتا ہے، یہاں تک کہ سانس کے ذریعے فرو حلق بھی جاگتے سوتے ہوتا ہے، (ایسی حالت میں اگر زید روزے رکھے تو اس کا روزہ ادا ہوگا یا نہیں، اگر روزہ اس کا اس سبب سے نہیں ادا ہوتا ہے تو بدلے ان روزوں کے زید کو شرعاً کیا کرنا چاہیئے؟ بینوا بالکتاب توجروا بالصواب۔

الجواب؛ جس شخص کے دانتوں میں سے اکثر خون آتا رہتا ہو، اور بلا اختیار جاگتے ہوئے یا سوتے ہوئے حلق میں بھی داخل ہوجائے اس کا حکم کسی جگہ صریح نہیں ملا، مگر علامہ شامیؒ نے اتنا لکھا ہے کہ: ومن هذا يعلم حكم من قلع ضرسه في رمضان ودخل الدم الى جوفه في النهار ولو نائماً فيجب عليه القضاء الا ان يفرق بعدم امكان التحرز عنه فيكون كالقئ الذي عاد بنفسه فليراجع، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کے روزہ کو صحیح کہنے کی گنجائش ہے، اور اگر شامی کی عبارتِ ذیل پر نظر کی جاوے تو اور بھی زیادہ گنجائش معلوم ہوتی ہے، (قوله ولم يصل الى جوفه) ظاهر اطلاق المتن انه لا يفطر وان كان الدم غالباً على الريق وصححه في الوجيز كما في السراج وقال وجهه انه لا يمكن الاحتراز عنه عادةً فصار بمنزلة ما بين اسنانه الخ، پس صاحبِ وجیز بدون مرض بھی دم خارج من بین الاسنان کو غیر ممکن الاحتراز قرار دے کر موجبِ فساد قرار نہیں دیتے، تو حالتِ مذکورہ فی السوال میں تو بدرجۂ اولیٰ دخولِ دم فی الجوف کو غیر مفسد کہیں گے، جس میں احتراز کا عدم امکان مسلّم ہے، واللہ اعلم۔

ھدایت ضروری:۔ چونکہ یہ مسئلہ قیاس سے لکھا گیا ہے اس واسطے دوسرے علماء کو دکھالینا ضروری ہے۔ ۱۱ رجب ۱۳۵۲ھ

عود اور اگر بتی کا دھواں حلق میں جانے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے یا نہیں

سوال (۷) حالتِ روزہ میں قرآن مجید پڑھتے وقت نزدیک عود اور اگر بتی جلائی جائے اور اس سے دھواں حلق میں جائے تو روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اس صورت میں تو روزہ فاسد نہیں، ہاں، اگر بتی کو پاس رکھ کر اس کے دھوئیں کو سونگھا جائے، اور حلق میں داخل کیا جائے، تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ قال فی الدر (ص ۱۵۶ ج ۲): او دخل حلقه غبار او ذباب او دخان ولو ذاكراً استحساناً لعدم امكان التحرز عنه ومفاده انه لو ادخل حلقه الدخان افطر اى دخان كان ولو عوداً او عنبراً قال الشامی حتی لو تبخر ببخور فآواه الى نفسه واشتمه ذاكراً الصومه افطر ام قلت قيود الفقه احترازية فلو تبخر ولم يؤوه الى نفسه ولم يشمه لم يفطر فان ذلك من دخول الدخان لا من ادخاله - والله اعلم۔

خلاصہ یہ کہ دھوئیں کو پاس رکھ کر سونگھانہ جائے، دور رکھ کر بیٹھا جائے اور خوشبو آتی رہے تو مضائقہ نہیں، ۲۰ محرم سنہ ۲۹ھ۔

فصل فی القضاء والکفارۃ

مسافر اگر روزہ افطار کرے تو کفارہ نہیں

سوال (۱) مسافر در سفر بوجود قصر روزۂ رمضان روزہ نہاد، پس بمیانِ نیمروز آں روزہ نہادہ را عمداً افطار ساخت آیا کفارہ واجب گردد یا قضا؟

الجواب: وللمسافر الذی انشأ السفر قبل طلوع الفجر اذ لا يباح له الفطر بانشائه بعد ما اصبح صائما قال الطحطاوی لكن اذا افطر لا كفارة عليه، نور الایضاح مع الطحطاوی، اس سے معلوم ہوا کہ مسافر افطار کر دے تو کفارہ نہیں۔ ۲۹ ر ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۰ھ۔

کفارۂ صیام میں بہت بوڑھے اور بڑھیا کو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال (۲) بہشتی زیور میں روزہ کے کفارہ کے لئے ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کے متعلق لکھا ہے، اگر بعضے بالکل چھوٹے بچے ہوں تو جائز نہیں، سوال یہ ہے کہ اگر بالکل بوڑھا بوڑھی ہوں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بہت بوڑھا اور بوڑھی کو کفارہ میں کھلانا جائز ہے، قال فی الهدایة فان غداهم وعشاهم جاز قليلاً كان ما اكلوا او كثيراً اھ قال صاحب النهاية لان المعتبر هو الشبع لا المقدار اھ وقال الشامی عن البحر والمنح: ولو كان فيمن اطعمهم صبی فطيم لم يجزه لانه لا يستوفی

کما سلا اھ و فی التاتر خانیۃ: اذا دعا مساکین واحد ھم صبی فطیم او فوق ذلک لا یجزءہ کذا ذکر فی الاصل و فی المجرد: اذا کانوا غلمانا یعتمد مثلھم یجوز اھ وبہ ظہر ایضاً ان المراد بالفطیم وبغیر المراھق من لا یستو فی الطعام المعتاد وفیہ ایضاً ولو کان فیھم شبعان قبل الاکل او صبی لم یجزاہ (ص ۹۵۹ و ۹۶۰ ج ۲) قلت والکبیر والکبیرۃ ممن یستو فی الطعام عادۃ وخلافہ نادر، واللہ اعلم۔

مورخہ ۴ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

حکم نیت کفارۂ رمضان بالتعلیق

سوال (۳) ایک شخص نے رات کو کفارۂ صوم کی نیت اس طرح کی کہ اگر کل کو یہ محقق ہو گیا کہ شروع ماہ سے روزہ شروع کرنے سے ساٹھ روزے پورے کرنے نہ پڑیں گے، بلکہ دو مہینہ کا روزے رکھنا کافی ہو جائے گا، نیز شیخ نے بھی روزہ رکھنے کی اجازت دیدی تو کل کو میں ضرور کفارہ کا روزہ رکھوں گا، اس طرح نیت درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب: اس صورت میں نیت صحیح نہیں ہوئی، کیونکہ جزم نہیں پایا گیا بلکہ نیت معلق ہے، اور تعلیق کے ساتھ نیت قضاء وکفارات صحیح نہیں ہوتی، قال فی مراقی الفلاح: واما القسم الثانی وھو ما یشترط لہ تعیین النیۃ وتبییتھا فھو قضاء رمضان وقضاء ما افسدہ من نفل وصوم الکفارات بانواعھا الی ان قال: ولا تبطل النیۃ بقولہ: اصوم غدا ان شاء اللہ تعالیٰ لانہ بمعنی الاستعانۃ وطلب التوفیق الا ان یرید حقیقۃ الاستثناء اھ قال الطحطاوی: والتعلیل یفید ان المشیئۃ لا تبطل مطلقا ولو قصد حقیقۃ (ای لکونہ بمعنی الاستعانۃ) ولکن لکلام المؤلف وجہ وھو انہ اذا قصد التعلیق کان غیر جازم بالنیۃ وھو ظاہر واللہ تعالیٰ اعلم، (ص ۳۷۶)۔

کفارۂ صوم میں رمضان اور عید الفطر مبطل رہتا ہے

سوال (۴) اگر رجب کی یکم کو کفارۂ رمضان کا روزہ شروع نہ کر سکا، تو اب اگر یہ شخص ۲ رجب سے صیام کفارہ کو شروع کرے تو درمیان میں رمضان وعید الفطر کے واقع ہونے سے تتابع باطل تو نہ ہوگا، یا باطل ہو جائے گا، اور اس کو از سر نو استیناف کرنا ہوگا؟

الجواب: صورت مسئولہ میں رمضان وعید الفطر کا توسط مبطل تتابع ہے،

بعد رمضان کے پھر ساٹھ روزے از سر نو رکھنے پڑیں گے، قال فی الدر صام شہرین متتابعین ولو ثمانیۃ وخمسین یومًا بالھلال والا فستین یومًا لیس فیھما رمضان وایام نھی عن صومھا وکذا کل صوم شرط فیہ التتابع فان افطر بعذر کسفر ونفاس بخلاف الحیض او بغیرہ او وطئھا المظاہر استانف الصوم اھ (ص ۹۵۶ و ۹۵۷ ج ۲) واللہ اعلم، غرۃ رجب ۱۳۴۵ھ۔

نذر روزے اگر کسی عذر مثلاً بیماری کی وجہ سے نہ رکھ سکے تو کتنا کفارہ لازم ہوگا؟

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین کہ ایک آدمی نے نذر کی ہے کہ اے اللہ تعالیٰ میری بلا و مصیبت اگر دور ہو جائے تو میں تیرے واسطے ہر چاند میں یعنی ہر مہینہ میں پانچ پانچ روزے رکھوں گا، اب وہ بلا و مصیبت دور ہو گئی ہے، اب وہ شخص ہر مہینہ میں روزے رکھے یا نہیں؟ اور اس کے اوپر عمر بھر کے روزے رکھنا واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہو گیا تو اگر یہ روزہ ادا نہ کرے تو کفارہ دینے سے عمر بھر کے روزے ادا ہوں گے یا نہیں، اگر ادا ہو جائیں تو کتنا کفارہ دینے سے ادا ہو گا، یعنی کیا چیز دے گا اور یہ شخص بیماری کی وجہ سے لاچار ہے، لہٰذا فتویٰ منگوایا جاتا ہے؟

الجواب: جب یہ شخص بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے سے عاجز ہے تو اس کو چاہئے کہ ہر ماہ میں پانچ روزوں کا فدیہ دیدیا کرے، یعنی ہر روزے کے عوض صدقہ فطر کے برابر گیہوں وغیرہ دیدے، یا ایک مسکین کو پیٹ بھر کر دو وقت کھانا کھلاوے، کما فی العالمگیریۃ (ص ۱۳۵ ج ۱) ولو اخر القضاء حتی صار شیخًا فانیًا او کان النذر بصیام الابد فعجز لذلک او باشتغالہ بالمعیشۃ لکون صناعتہ شاقۃ لہ ان یفطر ویطعم لکل یوم مسکینًا علی ما تقدم اھ وفیہ ایضًا (ص ۱۳۳ ج ۱) فالشیخ الفانی الذی لا یقدر علی الصیام یفطر ویطعم لکل یوم مسکینًا کما یطعم فی الکفارۃ وفی المجلد الثانی منہ (ص ۱۵۱) فان غداھم وعشاھم واشبعھم جاز سواء حصل الشبع بالقلیل او الکثیر، کذا فی شرح النقایۃ لابی المکارم، ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ۔

استفتاء متعلق کفارۂ صوم

سوال (۶) ایک عرض ہے کہ عید الضحیٰ کی تعطیل میں احقر جناب کا قدمبوس ہوا تھا، جناب سے اپنے توڑے ہوئے روزوں کے متعلق دریافت

کیا تھا، آنحضور نے فرمایا تھا کہ اقصر ایام شتاء میں کفارہ ادا کیجیو، سواب سردی کا زمانہ آگیا ہے اور احقر کا ارادہ ہے کہ ۱۵ جمادی الاولیٰ سے روزے شروع کردوں، اول تو جناب والا سے دوبارہ اجازت چاہتا ہوں، دوسرے یہ کہ ۱۵ رجب تک رکھنے چاہئیں یا ہ ا جمادی الاول سے شمار کرکے ۶۰ روزے رکھنے چاہئیں؟ تیسرے یہ کہ اگر کسی رات کو نیت کرنی بھول جاؤں یا صبح صادق کے بعد آنکھ کھلے تو کیا کرنا چاہئے؟ اس کے علاوہ بھی جو بات قابل عمل ہو تحریر فرمادیں؛ فقط

الجواب: فی الدر المختار: (صام شهرين ولو ثمانية وخمسين) بالهلال والا فستين يوما وفى الشامى: قوله بالهلال حال من لفظ الشهرين المقدرين بعد لو، وفى بعض النسخ: لو بالهلال وحاصله: انه اذا ابتدأ الصوم فى اول الشهر كفاه صوم شهرين تامين او ناقصين وكذا لو كان احدهما تاما والآخر ناقصا، (قوله والا) اى وان لم يكن صومه فى اول الشهر برؤية الهلال بان غم او صام فى اثناء شهر فانه يصوم ستين يوما وفى كافى الحاكم وان صام شهرا بالهلال تسعة وعشرين وقد صام قبله خمسة عشر وبعده خمسة عشر يوما اجزأه (ص ۵۲۰ ج ۲) وفى البحر وغيره كالدر المختار قلت وفيه الاحتياط۔

پس صورتِ مسئولہ میں پورے ساٹھ روزے رکھے جاویں اور روزۂ کفارہ کی نیت غروب شمس وطلوع فجر کے درمیان ضروری ہے، اگر اس وقت میں نیت نہ ہوئی تو استیناف کرنا پڑیگا اس لئے بہت اہتمام کیا جاوے، فی تنویر الابصار: والشرط للباقى النية وتعيينها وقال الشامى تحت قوله للباقى وهو قضاء رمضان الى قوله كفارة الظهار والقتل واليمين والافطار (ص ۱۹۳ ج ۲) كتبه الاحقر عبد الكريم

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۴ رجمادی الاول ۴۵ھ

فصل فی الاعذار المبیحۃ للافطار

فصل کی کٹائی کے واسطے روزہ افطار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال (۱) فصل کٹائی یا کسی ایسے ہی سخت مشقت والے کام کے لئے روزہ کا افطار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر فصل کاٹنے میں تاخیر کرنے سے زراعت کے ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہو تب تو کاشتکار کو لازم ہے کہ فصل کو بعد رمضان کے کاٹے، اور اگر تاخیر سے زراعت کے

کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو اس لئے رمضان ہی میں کاٹنا پڑے اور کٹائی کی حالت میں روزہ دشوار ہو تو کاشتکار کو اس حالت میں افطار جائز ہے، اور درست ہے کہ بعد رمضان کے ان ایام کی قضا کرے کفارہ نہ ہوگا، قال فی الفتاوی الکاملیۃ سئلت عن حصاد لم یقدر علی حصاد زرعہ مع الصوم واذا اخرہ یہلک ہل یجوز لہ الافطار حینئذ. فالجواب، نعم یجوز لہ ذلک حینئذ فقد نقل المحقق ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی حواشیہ علی الدر عن الخیر الرملی مانصہ وعلی ھذا الحصاد اذا لم یقدر علیہ مع الصوم ویہلک الزرع بالتاخیر لاشک، فی جواز الفطر والقضاء اھ واللہ اعلم، ص ۱۶ و ۱۷، ۲۱ رمضان ۱۳۴۱ھ

عذر کی بنا پر افطار کرنے والے کو افطار کا اعلان نہیں چاہئے

سوال (۲) معذور علی الاعلان لوگوں کو کہدے کہ میں روزہ نہیں رکھوں گا، اور ظاہر اکھاتا پیتا پھرے، یا اپنے معاملہ کو محفوظ و پوشیدہ رکھے؟

الجواب: جو لوگ عذر کی وجہ سے افطار کریں اُن کو اپنے افطار کا اعلان نہ کرنا چاہئے چھپکر کھانا پینا چاہئے، اور اپنے حال کو پوشیدہ رکھنا چاہئے، اور جو اتفاقاً کسی کو معلوم ہو جاوے تو اس سے اپنا عذر بیان کردے۔ ۲۱ رمضان ۱۳۴۱ھ

عورت کو حالتِ روزہ میں حیض آجائے تو باقی وقت میں کھا پی سکتی ہے یا نہیں؟

سوال (۳) روزہ دار کو بحالتِ روزہ حیض آگیا تو اب باقی وقت اسی طرح پورا کرے یا کچھ کھا پی لیوے، اگر کچھ کھالیوے تو گناہ تو نہیں ہوا؟ اور افضل کونسا ہے؟

الجواب: حیض کی حالت میں عورت کو روزہ داروں کی طرح رہنا جائز نہیں، بلکہ اس کو کھا پی لینا چاہئے، لیکن کھلم کھلا نہ کھانا چاہئے، چھپ کر کھاوے، قال فی نور الایضاح یجب علی الصحیح وقیل یستحب الامساک بقیۃ الیوم علی من فسد صومہ ولو بعذر ثم زال وعلی حائض ونفساء طہرتا بعد طلوع الفجر قال الطحطاوی فی حاشیتہ واما فی حالۃ تحقق الحیض والنفاس فیحرم الامساک لان الصوم منہما حرام والتشبہ بالحرام حرام ولذلک لایجب الامساک علی المریض والمسافر لان الرخصۃ الافطار فی حقہما باعتبار الحرج ولو الزمنا ہما التشبہ لعاد الشیٔ علی موضوعہ بالنقض ولکن لایاکلون جہرا بل سرا اھ قلت التعلیل یشتمل الحائض وقت طلوع الفجر والحائض بعدہ فکلاہما یحرم علیہما الصوم نعم

بینہما فرق من وجہ وھو ان الاولیٰ فسد صومہا بعد الشروع فیہ والثانیۃ حرم علیہما الصوم ابتداءً ولکنہما تشترکان فی حرمۃ الصوم بعد تحقق الحیض، واللہ اعلم۔ ۳۰ر شعبان ۴۵ھ

استفتاء عن القلب اور معذور کیلئے افطار کا حکم

سوال (۴) فدوی نے پہلا روزہ رکھا دن بھر طبیعت خراب رہی بعد افطار بہت ہی خراب ہوگئی، کہ عرض نہیں کرسکتا، فدوی جانتا ہے یا فدوی کا خدا، بموجب حکم حضور پُرنور دل سے فتویٰ لیا، دل نے کہا کہ بموجب حکم اللہ تعالیٰ جل شانہٗ، ہم کو روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔

اوّل حکم: اپنے کو تہلکہ میں مت ڈالو۔

دوسرا حکم: اللہ تعالیٰ جل جلالہ وجل شانہٗ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا ہے جو وہ برداشت نہ کرسکے۔

تیسرا حکم: جان بچانی فرض ہے۔

اب فدوی روزہ نہیں رکھتا ہے، دل کا فتویٰ صحیح ہے یا کیا؟

الجواب: دل سے فتویٰ لینا اور اس کے فتوے پر عمل کرنا ہر شخص کو جائز نہیں اور نہ ہر مسئلہ میں جائز ہے، بلکہ اس کا محل وہ امور ہیں جن میں دلیلیں متعارض ہوں، اور ظاہر میں کسی دلیل کو دوسری پر ترجیح نہ ہو تو ایسے مواقع میں فتویٰ قلب پر وہ شخص عمل کرسکتا ہے جو کامل الایمان ہو اور سلیم الفہم عارف بدقائق النفس ہو، صرح باصلہ الشیخ فی رسالۃ التشرف (ص)۔

پس آپ کا روزہ کے معاملہ میں قلب سے فتویٰ لینا بالکل غلط تھا جبکہ علماء حکم شرعی بتلانیوالے موجود تھے، جو معرفت وعلم وکمال ایمان میں آپ سے زائد ہیں، پس اوّل آپ کسی طبیبِ حاذق عادل سے نبض وغیرہ دکھلا کر دریافت کیجئے، کہ روزہ رکھنا آپ کو حالتِ موجودہ میں مضر ہے یا نہیں، اگر وہ صوم کو مُضر بتلائے اور یہ کہے کہ روزہ سے مرضِ شدید ہوجائے گا جس کا تحمّل دشوار ہوگا، تو آپ کو روزہ نہ رکھنا جائز ہوگا، اور رمضان کے بعد قضا واجب ہوگی، خواہ سردیوں میں قضا کردی جاوے، اور اگر روزہ کو مضر نہ بتلائے تو روزہ رکھنا فرض ہے، اور قدرِ قلیل تعب وسوءِ مزاج قابلِ اعتبار نہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۲ر رمضان ۴۵ھ

فصل فی صوم النذر وصوم القضاء وصوم النفل

جس کے ذمہ دو رمضان کے روزے قضا ہوں اور وہ مطلق قضاء رمضان کی نیت کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال (۱) ایک شخص کے ذمہ دو رمضانوں کے روزے ہیں، اس نے رات کو قضاء رمضان کا روزہ رکھنے کی نیت کی، لیکن پہلے رمضان یا دوسرے رمضان کی تعیین نہیں کی مطلق قضاء رمضان کی نیت کرلی تو وہ روزہ قضاء کی جانب سے صحیح ہوجائیگا یا نفل ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں وہ روزہ قضاء رمضان میں محسوب ہوجائے گا، نفل نہ ہوگا، قال فی العالمگیریۃ ص ۱۲۶ ج ۱: اذا وجب علیہ قضاء یومین من رمضان واحد ینبغی ان ینوی اول یوم وجب علیہ قضاءہ من ہذا الرمضان، وان لم یعین الاول یجوز وکذا لو کان علیہ قضاء یومین من رمضانین ہو المختار ولو نوی القضاء لا غیر یجوز وان لم یعین کذا فی الخلاصۃ اھ واللہ اعلم۔

۶ رشوال سنہ ۴۲ھ

باب الاعتکاف

معتکف کے لئے مسجد میں ریح صادر کرنے کا حکم

سوال (۱) معتکف کو اگر ریح صادر کرنے کی ضرورت ہو تو وہ کیا کرے، آیا مسجد ہی میں ریح صادر کردے یا مسجد سے باہر نکل کر صادر کرے؟

الجواب: اصح یہ ہے کہ مسجد سے باہر نکل کر صادر کرے، قال فی العالمگیریۃ: سئل ابو حنیفۃ رح عن المعتکف اذا احتاج الی الفصد والحجامۃ ہل یخرج فقال لا، وفی اللآلی واختلف فی الذی یفسو فی المسجد فلم یر بعضہم بأسا وبعضہم قالوا لا یفسو ویخرج اذا احتاج الیہ وہو الاصح کذا فی التمرتاشی اھ ص ۲۱۵، ج ۲، واللہ اعلم۔

۹ رجمادی الاولیٰ سنہ ۴۲ھ

معتکف کیلئے خارجِ مسجد نماز ادا کرنے کا حکم

سوال (۲) مسجد کے سامنے جو صحن ہی جس میں موسم گرمی میں نماز مغرب وعشاء ادا کرتے ہیں، لیکن اس کو لوگ نہ داخلِ مسجد سمجھتے ہیں نہ اس کی حرمت مسجد کی سی کرتے ہیں اور بانی کے طرزِ عمل سے بھی خارج مسجد ہونا معلوم ہوتا ہے، جب ایسی جگہ جماعت ہو معتکفین تراویح وفرائض ادا کرنے کے لئے وہاں آسکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب۔ جب بانی کے طرزِ عمل سے وہ جگہ مسجد سے خارج ہے تو معتکفین اس جگہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے، ورنہ اعتکاف باطل ہوجائے گا۔

معتکف اگر حاجتِ ضروریہ سے باہر جاوے اور وہاں جمعہ کا غسل کرلے تو کیا حکم ہے ؟

سوال (۳) معتکفین غسل مالابدمنہ کے سوائے دوسرا غسل خارج مسجد میں کرسکتے ہیں یا نہیں، حاجت ضروریہ طبعیہ یا شرعیہ کے لئے باہر ہونے سے آتے وقت غسل غیر ضروری کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب، قال فی رد المحتار ولیس کالمکث بعدھا مالوخرج لھا رای للحاجة الطبعیة ۱۲) ثم ذھب لعیادة مریض اوصلوة جنازة من غیر ان یکون خرج لذلک قصداً فانہ جائز کما فی البحر عن البدائع اھ ص ۲۱۲ ج ۱، وفیہ ایضا ویجوز حمل الرخصة علی ما لوخرج لوجہ مباح کحاجة الانسان اوالجمعة وعاد مریضا او صلی علی جنازة من غیر ان یخرج لذلک قصداً وذلک جائز اھ وبہ علم انہ بعد الخروج لوجہ مباح انما یضر المکث لوفی غیر مسجد لغیر عبادة اھ ص ۲۱۴/۱ قلت ولایخفی ان غسل الجمعة عبادة فلا یضر اذا خرج لحاجة الانسان ان یمکث لغسل الجمعة فافھم، حاجتِ ضروریہ کے لئے نکلنے کے بعد غسلِ جمعہ معتکف کرسکتا ہے، مگر اس کو چاہئے کہ پہلے کسی خادم یا دوست کے ذریعہ سے غسل کا پانی بھروا کر رکھ دے تاکہ زیادہ دیر نہ ہو، اور اگر کوئی کام کرنے والا نہ ہو تو خود بھی گھڑا بھر سکتا ہی، مگر جہاں تک ممکن ہو جلدی کرے۔ ۳ ؍ شعبان

گاؤں میں اعتکاف کرنیوالے کے لئے نمازِ جمعہ کا حکم

سوال (۴) عرض یہ ہی کہ بندہ کا گھر دیہات میں ہے، یہاں کی مسجد میں علاوہ نمازِ پنجگانہ کے جمعہ کی نماز بھی پڑھائی جاتی ہی گذشتہ رمضان میں بندہ اسی مسجد میں معتکف تھا چونکہ نمازِ جمعہ کے وقت عدم مشارکت سے مشابہت منافقین لازم آتی ہے، اس خوف سے ابتداء سے اعتکاف ہی میں روزِ جمعہ کو ½ ۱۱ بجے سے ۳ بجے تک استثناء کرلیا تھا، اس وقت جاکر اپنے گھر میں بیٹھ رہتا تھا، اور بعد اس کے

پھر مسجد میں آحاضر ہوتا، یہ ایک مولوی صاحب کی مشورت ہی سے کیا تھا، مگر تردّد ہے کہ اعتکاف مسنونہ ادا ہوا ہے یا نہیں، کیونکہ پورے عشرہ میں تو کچھ نقص رہ گیا ہے، از روئے مہربانی اطلاع فرماکر ممنون فرماویں؟

دوسری عرض یہ ہے کہ ہماری دیہات سے شہر کی بڑی جامع دو اڑھائی میل کی مسافت پر ہے کیا میں اپنی دیہاتی مسجد میں معتکف رہ کر شہر میں جاکر جمعہ پڑھ سکتا ہوں بلا استثناء مذکور الصدر کے؟

تیسری عرض یہ ہے کہ حالتِ اعتکاف میں وقت جمعہ میں گھر نہ جاکر اُن کے ساتھ بہ نیت نفل جمعہ ادا کر سکتا ہوں یا نہیں، مگر اس سے ایک مضحکہ پیدا ہو جاوے گا، کہ دیکھو اب ہمارے ساتھ جمعہ پڑھ رہا ہے، خیر جو مصلحت ہو حضور والا ارشاد فرماویں؟ بندہ ہمیشہ اگر عذر نہ ہو شہر ہی میں جاکر جمعہ ادا کرتا ہے، ہمارا گاؤں فنائے شہر کے بھی باہر ہے، اس لئے وہاں جمعہ خود بھی نہیں پڑھتا ہوں اور دوسروں کو بھی منع کرتا ہوں، مگر لوگ اس طرف کم التفات کرتے ہیں۔

الجواب: قال فی الخلاصة: ولا يخرج المعتكف من المسجد الا لحاجة طبعية الخ ص ٢٦٧ ج ١ وفی الدر المختار وفی التاتارخانيه عن الحجة: لو شرط وقت النذر ان يخرج لعيادة مريض او صلاة جنازة وحضور مجلس علم جاز ذلك فليحفظ، قال الشامی: يشير اليه قوله فی الهداية وغيرها عن قوله ولا يخرج الا لحاجة الانسان لانه معلوم وقوعها فلا بد من الخروج فيصير مستثنى، والحاصل ان ما يغلب وقوعه يصير مستثنى حكماً وان لم يشترطه وما لا فلا الا اذا شرطه اھ ص ٢١٦ ج ١۔

عبارتِ خلاصہ سے معلوم ہوا کہ گاؤں میں اعتکاف کرنے والے کو جمعہ کے لئے شہر میں جانا جائز نہیں، کیونکہ وہ حاجتِ لازمہ نہیں، لیکن اگر مستثنیٰ کر لے تو جانا جائز ہے، اور اس صورت میں یہ خروج ویسا ہی گا جیسا خروج لحاجۃ الانسان اور وہ مفسد نہیں، تو یہ بھی مفسد نہیں، اور جب اعتکاف فاسد نہ ہوا اور اکثر عشرہ بحالتِ اعتکاف گذرا تو اعتکاف مسنون ادا ہو گیا لان للاکثر حکم الکل، گاؤں میں بہ نیتِ نفل جمعہ ادا کرنا مقتدی کو جائز نہیں، بہتر یہ ہے کہ جمعہ کے کچھ وقت مستثنیٰ کر لیں، اور شہر میں جاکر جمعہ ادا کر لیا کریں، واللہ اعلم۔ ۲۲ رمضان ۱۳۴۱ھ

کسی عذر کی بناء پر اعتکاف نہ کرنے کا حکم

سوال (۵) ایک مسافر مولوی صاحب شمار دو سال سے یہاں سکونت فرما تھے، اعتکاف کے بارہ میں وعظ میں یوں فرمایا

رمضان شریف میں لوگوں کا اعتکاف میں بیٹھنا بہت اچھی بات ہے یہ نہ ہوسکے تو ایک آدمی بیٹھے تو بھی سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ خود کیوں نہیں بیٹھتے، ہاں ضرور بیٹھ سکتا ہوں مجھے تو بہت خواہش ہے، کیا کروں، چند وجوہات کے سبب سے نہیں بیٹھ سکتا ہوں، میرے مکان میں ہمراہ رہنے کے لئے کوئی نہیں ہے، یہاں میرے خویش و اقارب میں سے بھی کوئی نہیں، میرے گھر کے تلاطے ایک خالی میدان ہے، گھر میں عورت بچے بہت گھبراتے ہیں، اس لئے میں اعتکاف میں نہیں بیٹھ سکتا، سائل بھی ان وجوہات کو جو مولوی صاحب نے بیان فرمائے ٹھیک سمجھتا ہے اور اُن کے گھر میں راتوں کو کبھی کبھی پتھر آکر گرنا بھی سائل کو معلوم ہے، آیا مولوی صاحب نے جو عذر بیان کئے شرع میں یہ مقبول ہوں گے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ عذر مقبول ہیں، واللہ اعلم، بلکہ اس حالت میں ان کو اعتکاف مناسب بھی نہیں، ۲۵ر شعبان ۴۳ھ۔

سحری کھانے کے بعد کلی کرنے کے واسطے معتکف کا مسجد سے باہر جانا

سوال (۶) اعتکاف کی حالت میں سحری کھانے کے بعد کلی کے لئے مسجد سے باہر معتکف گیا، اس وقت مسجد کے اندر بھی پانی موجود تھا، مگر نہ تو خیال تھا کہ پانی ہے اور نہ اعتکاف کا خیال رہا، مگر کلی کرتے ہی فوراً اپنی جگہ آگیا، اس صورت میں اعتکاف رہا یا نہیں، اور سحری کھانے کے بعد کلی کرنا ضرورت طبعی ہے یا نہیں، اگر اعتکاف ٹوٹ گیا تو اب اس کی قضا ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: سحری کے بعد صائم کے لئے کلی کرنا ضرورت شرعیہ ہے لما فیہ من صیانۃ الصوم عن بقایا الطعام فی الفم، اس لئے اس ضرورت کے لئے اس کو مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے بشرطیکہ مسجد میں پانی موجود نہ ہو، یا کلی کا موقع صحنِ مسجد سے متصل نہ ہو، اور اگر پانی مسجد کے اندر ہی، اور کلی کی جگہ بھی صحن مسجد سے متصل ہے، اس صورت میں خروج سے اعتکاف نفل ختم ہو جائیگا، (قلت: و فی حکمہ الاعتکاف المسنون) اور اعتکاف واجب یعنی منذور فاسد ہو جاتے گا، قال فی مراقی الفلاح: فان خرج ساعۃً بلا عذر معتبر (فی عدم الفساد) فسد الواجب وانتھی بہ غیرہ ای غیر الواجب وھو النفل اذ لیس لہ حد اھ (ص ۴۰۹) پس کلی کے لئے نکلنا خروج بعذر ہے، اور مسجد کے اندر پانی کا موجود ہونا اس عذر کو جب زائل کرتا ہے، جبکہ صائم کو معلوم ہو کہ پانی یہاں موجود ہے، اگر معلوم نہ ہو یا یاد نہ ہو تو اس خروج سے اعتکاف منذور باطل نہ ہوگا، اور اعتکاف نفل و مسنون ختم نہ ہوگا، ہذا ما فہمتہ ولم ارہ صریحاً، واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۴ر شوال ۴۳ھ،

جو حجرہ جزدِ مسجد نہ ہو اس میں اعتکاف باطل ہے

سوال (۷) مسجد کی چہار دیواریوں کے اندر کوئی حجرہ میں عشرہ اواخر کے اعتکاف میں بیٹھ سکتا ہے یا نہیں، یا جامع مسجد کے اندر ہی اعتکاف کر لینا چاہئے؟

الجواب: اعتکاف کے لئے مسجد شرط ہے، بدون مسجد اعتکاف صحیح نہیں ہوتا، فی العالمگیریۃ ومنها (ای من الشرائط) مسجد الجماعة فیصح فی کل مسجد له اذان واقامة هو الصحیح، کذا فی الخلاصة، البتہ جامع مسجد شرط نہیں، بلکہ ہر مسجد میں ہو سکتا ہے جبکہ جماعت ہوتی ہو کما مرّ، فقط، پس حجرہ میں جو کہ مسجد کا جزو نہیں، اعتکاف باطل ہے، البتہ حجرہ جزوِ مسجد ہو تو اس میں اعتکاف صحیح ہوگا، یعنی محض احاطہ میں ہونا کافی نہیں، بلکہ جزئیت ضروری ہے۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۰ رشوال ۴۳ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۰ رشوال ۴۳ھ

معتکف اذان کہنے کے لئے مسجد سے باہر جا سکتا ہے یا نہیں

سوال (۸) معتکف کے لئے اذان کہنے کو اور کوئی جگہ نہ ہونے کی تقدیر پر مسجد سے باہر جانا اعتکاف میں کسی قسم کی خرابی ہے یا نہیں اس کا جواب صرف نفی اثبات میں لکھ دینا، دلیل کی ضرورت نہیں؟

الجواب: اس ضرورت کے لئے مسجد سے نہ نکلے مسجد میں ہی اذان کہہ دے، ولا یکرہ له الاذان داخل المسجد للضرورۃ کما لا یکرہ له ای للمعتکف البیع والشراء فیه، پس اگر اذان کے لئے مسجد سے نکلے گا تو اعتکاف نفل و مسنون ناقص ہو جائے گا، اور اعتکاف واجب باطل ہو جاوے گا۔ ۲۷ رجب ۴۶ھ

معتکف مسجد میں جہاں چاہے اٹھ بیٹھ سکتا ہے

سوال (۹) معتکف جو گوشہ اپنے لئے مقرر کرے، اس کو علاوہ ضروری حاجت کے ہر وقت اس میں ہی رہنا چاہئے، یا مسجد اور فرش مسجد میں بلا ضرورت سونا کھانا پینا اور تلاوتِ قرآن شریف اور نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ہر وقت گوشہ میں رہنا ضروری نہیں، بلکہ عبادتِ نافلہ و ذکر کے لئے اس میں رہنا بہتر ہے، باقی اوقات میں مسجد کے اندر جہاں چاہے اُٹھے بیٹھے، ۱۸ ذیقعدہ ۴۵ھ

معتکف کے بارے میں متعدد سوالات پر مشتمل ایک استفتاء

سوال (۱۰) معتکف علاوہ فرض نماز کے نوافل اور تلاوتِ قرآن و ذکر کے لئے سقاوہ سے جو مسجد کے اندر نہیں، یا کنوئیں سے پانی لا سکتا ہے

یا نہیں؟ ۴۵ھ میں میں نے دریافت کیا تھا تو آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ فرض نماز کے لئے تو وضو کے لئے باہر جاکر پانی لا سکتا ہے، تلاوت اور نفل نماز کے لئے باہر نہیں جا سکتا، اگر جاوے گا تو اعتکاف ناقص ہو جاوے گا، اور دیوبند کے مفتی صاحب نے اس طرح پانی لانے کو ضرورت میں داخل فرمایا ہے۔

جواب: مفتی صاحب کا جواب صحیح ہے، اور میں بھی یہی فتویٰ دیتا ہوں، نہ معلوم آپ کو اس کے خلاف کس طرح جواب دیا گیا، فاستغفر اللہ و اتوب الیہ۔ ۲۲ رمضان ۴۸ھ

سوال: مجھے خیال پڑتا ہے کہ جب میں تھانہ بھون حاضر ہوا تھا تو مسجد میں جو ہدایات معتکف کے لئے تحریر تھیں اس میں تحریر کیا تھا کہ ریح خارج کرنے کے لئے مسجد سے باہر جانا چاہئے دیوبند کے مفتی صاحب دریافت کرنے پر تحریر فرماتے ہیں کہ "اخراجِ ریح کے لئے معتکف کو مسجد سے نکلنا جائز نہیں ہے" اس مسئلہ میں جو محقق حکم ہو تحریر فرمایا جاوے، اگر میری سمجھ میں نہ آیا ہو تو توضیح فرمادی جاوے؟

جواب: علماء دیوبند و سہارنپور سب کا وہی خیال ہے جو مفتی صاحب نے تحریر فرمایا، مگر میں ایک جزئیہ کی بناء پر مسجد میں اخراج ریح کی اجازت معتکف و غیر معتکف کسی کے لئے نہیں سمجھتا، لیکن اس وقت مجھے بھی اس مسئلہ میں تردد ہو گیا ہے، تحقیق کر رہا ہوں، اس لئے احوط یہی ہے کہ مفتی صاحب کے قول پر عمل کیا جائے۔ تاریخ بالا۔

سوال: معتکف کو مسجد میں خط بنوانا بال کٹوانا کیسا ہے؟

الجواب: جائز ہے، جبکہ حجام باہر رہے۔ تاریخ بالا۔

بقیہ سوال: اور غسل کے لئے جانا جبکہ حالتِ جنابت پیش ہو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز نہیں۔

سوال: معتکف کی طبیعت دوسرے سے پانی لینے کو نہیں چاہتی تو خود مسجد سے باہر ہو کر پانی لینا بہتر ہے یا دوسرے ہی شخص سے لینا؟

الجواب: اگر دوسرے شخص سے بے تکلفی نہ ہو، بلکہ خدمت لینے سے اپنے اوپر یا اس پر گرانی کا شبہ ہو تو خود مسجد سے باہر جاکر پانی لینا اولیٰ ہے، ہاں بے تکلفی ہو تو خروج جائز نہیں، واللہ اعلم۔ ظفر احمد عفا عنہ، ۲۲ رمضان ۴۸ھ

عشرۂ اخیرہ کامل کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ ہے

سوال (۱۱) زید کہتا ہے اعتکاف رمضان المبارک عشرۂ اخیرہ کامل کا سنت مؤکدہ ہے، اس سے کم مدت میں سنت ادا نہ ہوگی، حوالہ

مولانا عبدالحی صاحب کے رسالہ "الانصاف فی حکم الاعتکاف" کا دیتا ہے، عمرو کہتا ہے کہ کامل دس روز شرط نہیں، بلکہ اقل عشرہ سے بھی سنت ادا ہو جاوے گی، اپنے قول کے ثبوت میں خلاصۃ الفتاویٰ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے:۔ (قال القاضی الامام الاعتکاف فی المسجد الجامع افضل اذا کان یصلی فیہ الصلوات الخمس بالجماعۃ اما اذا لم یکن فالاعتکاف فی مسجدہ افضل کیلا یحتاج الی الخروج عن معتکفہ فان اراد ان یعتکف اقل من سبعۃ ایام یعتکف فی مسجد حیہ وان اراد ان یعتکف فی الجامع الخ)

نیز مولانا بحرالعلوم کے رسائل الارکان کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف مذکور سنتِ مؤکدہ نہیں، بلکہ مندوب محض ہے، جس پر اُن کی یہ عبارت شاہد ہے:۔ واعلم انہ لا شك فی مواظبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی اعتکاف العشر الاواخر من شهر رمضان، لکن قد ثبت من الصحابۃ العظام ترك الاعتکاف، ومنهم الخلفاء الراشدون فللاعتکاف نوع اختصاص بہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو انہ یلقی جبرئیل فیدارس القرآن ومدارسۃ القرآن جبرئیل کانت مختصۃ بہ صلی اللہ علیہ وسلم، فلهذا کان للاعتکاف اختصاصا بہ صلی اللہ علیہ وسلم، فتارك الاعتکاف من الامۃ لا یلحقهم الاساءۃ، ولذا کان صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤکد فی الاعتکاف تاکیدہ فی غیرہ من السنن ولا یعیب واحدا من الصحابۃ علی ترك الاعتکاف، فالاعتکاف اما سنتہ مختصۃ بہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مؤکدۃ علی الامۃ بل بقی فی حقهم مثل السنن الغیر المؤکدۃ او کان واجبا علیہ صلی اللہ علیہ وسلم مختصا ففعلہ لامتثال الوجوب، فلا یکون علی الامۃ سنۃ بل مندوبا محضا وھذا غیر بعید الخ

حضور والا کے نزدیک اقوالِ مذکورہ میں سے کونسا قول راجح ہے؟

الجواب: صحیح یہی ہے کہ تمام عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ ہے مگر علی الکفایہ، جیسا کہ مراقی الفلاح، عالمگیریہ، شامی وغیرہ میں ہے، اور خلاصۃ الفتاویٰ کی عبارت مندرجہ سوال سے عمرو کا مقصود کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا ہے، اس عبارت کو مقصودِ عمرو سے کوئی تعلق نہیں ہے، اُس عبارت کا تو محض یہ منشاء ہے کہ اگر سات یوم سے کم کا اعتکاف کرے (اور ان ایام میں جمعہ نہ واقع ہوتا ہو کما ہو الظاہر) تب تو مسجدِ محلہ میں اعتکاف افضل ہے، اور اگر سات روز یا اس سے زائد کا اعتکاف کرنا ہو (یا سات روز سے کم کا اعتکاف ہو مگر

ان ایام میں جمعہ واقع ہوتا ہو) تو جامع مسجد میں اعتکاف کرنا افضل ہی، کیونکہ اس صورت میں مسجدِ محلہ سے جمعہ کے لئے جانا پڑے گا، اور معتکف سے نکلنا خلاف اَولیٰ ہے، اس عبارت میں اس کا ذکر بالکل نہیں کہ کتنے دن کا اعتکاف سنت ہے، اس سے یہ کیسے سمجھ لیا کہ سات روز سے کم کا اعتکاف کرنے سے سنت ادا ہوجاوے گی، اور رسائل الارکان کی تقریر کا جواب شامی نے عنایہ سے نقل کیا ہے کہ مواظبت بلا تاکید سے بھی سنت ثابت ہوجاتی ہے، اور اگر مواظبت مع الانکار علی التارک ہو تب بھی اس سے وجوب ثابت ہوتا ہے، (ص ۲۰۸، ج ۲) اور جب سنت کفایہ کہا جاوے تو یہ اعتراض بالکل ہی عائد نہیں ہوسکتا، کیونکہ نہ ایسا ہوا کہ کسی نے بھی اعتکاف نہ کیا ہو نہ تاکید کی نوبت آئی، واللہ اعلم بالصواب۔ احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ، خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، ۱۱ر جمادی الاولی ۱۳۴۸ھ

للہ در المجیب فقد اوتی من الفقہ اوفر نصیب ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۱ر ج ا ۱۳۴۸ھ

معتکف کے متعلق متعدد سوالات پر مشتمل ایک استفتاء

سوال (۱۲) فتاوی ماہ رمضان المبارک، زید جس مسجد میں معتکف ہے وہاں سے ایک جامع مسجد تو قریب ہے، اور دوسری کچھ فاصلہ پر ہے، اور زید کا معمول پہلے سے بعید کی مسجد میں نمازِ جمعہ پڑھنے کا تھا، کیا زید اب حالتِ اعتکاف میں قریب کی مسجد کے ہوتے ہوئے اپنی کسی مصلحت سے بعید کی مسجد میں نمازِ جمعہ کے لئے جا سکتا ہے؟

الجواب، اس کا جزئیہ تو نظر سے نہیں گذرا، لیکن عالمگیریہ میں ہے؛ وان کان لہ بیتان قریب وبعید قال بعضھم لا یجوز ان یمضی رای للخلاء الی البعید فان مضی بطل اعتکافہ کذا فی السراج الوھاج، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ مسئولہ میں اختلاف ہے، اور احتیاط اسی میں ہے کہ مسجد قریب میں جاوے، واللہ اعلم۔ ۷ رمضان ۱۳۴۸ھ

بقیہ سوال: اور کیا زید کو وعظ سننے کی غرض سے جامع مسجد میں کچھ دیر ٹھہر جانا جائز ہے؟

جواب، مکروہ ہے، اور بہتر یہ ہے کہ بعد فراغ عن السنن البعدیۃ اپنی مسجد میں چلا آوے، تاریخ بالا۔

بقیہ سوال؛ وما الحکم ان نوی ذلک رای صلوۃ الجمعۃ فی المسجد البعید واستماع الوعظ) وقت اعتکافہ؟

الجواب: اگر نیت کرلی ہو تو پھر مسجد بعید میں جمعہ پڑھنے اور وعظ کے لئے ٹھیرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ تاریخ بالا۔

بقیہ سوال: هل للمعتكف الخروج من معتكفه للوضوء للنوافل؟

الجواب: بلاضرورت فرض خروج خلاف احتیاط ہے، ہاں جو حیلہ غسل جمعہ میں آئندہ لکھا ہے وہ یہاں بھی ہوسکتا ہے۔ تاریخ بالا۔

بقیہ سوال: غسل جمعہ ضرورت شرعیہ میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: غسل جمعہ کے لئے خروج من المسجد جائز نہیں، فقط غسل احتلام کے واسطے باہر جانا جائز ہے، البتہ غسل جمعہ کے لئے (بعض علماء کے نزدیک) یہ صورت جائز ہے کہ جب استنجاء وغیرہ کے لئے باہر نکلے تو طہارت کے وقت طہارت کاملہ یعنی غسل کرلے۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ، از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، ۷ رمضان ۴۸ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۸ رمضان ۴۸ھ

مثل استفتاء مذکورہ مشتمل برچند سوالات۔

سوال (۱۳) معتکف اپنے گھر آکر کھانا کھاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: معتکف کو کھانے کے واسطے گھر جانا جائز نہیں ہے، بلکہ مسجد ہی میں منگا کر کھانا چاہئے، البتہ اگر کوئی لانے والا نہ ہو تو مجبوری کو خود جاکر کھانا لے آئے مگر فوراً واپس آجاوے اور مسجد ہی میں کھاوے، بدون سخت مجبوری کے کھانا لانے کے واسطے بھی ہرگز نہ جاوے۔ ۱۲ رمضان ۴۸ھ۔

سوال: معتکف ضرورۃً اپنے گھر آرہا ہو اور راستہ میں کوئی آدمی اس سے بات کرنا چاہے تو جواب دے سکتا ہے یا نہیں یا خاموش چلا جاوے؟

الجواب: جب استنجاء وغیرہ کی ضرورت سے باہر نکلا ہو تو بولنے میں مضائقہ نہیں، مگر بات چیت کے لئے کھڑا نہ ہو، البتہ رفتار سست کردینے کی گنجائش ہے، واللہ اعلم۔ تاریخ بالا۔

سوال: کیا معتکف اپنے گھر آکر نہا سکتا ہے؟

الجواب: غسل اگر واجب ہوگیا ہو تو مسجد ہی کے غسل خانہ میں نہالے اور ویسے بدون احتلام کپڑے بدلنے وغیرہ کے واسطے نہانے کی اجازت نہیں۔ تاریخ بالا۔

؏ حضرت تھانوی مدظلہ العالی اس صورت سے بھی منع فرماتے ہیں "وھو الاقرب الی الاحتیاط، واللہ اعلم ۱۲ منہ"

سوال؛ نوافل وغیرہ کے لئے بار بار وضو کے لئے وضو خانہ میں جانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب؛ نوافل کے لئے بھی وضو کرنے کے واسطے باہر جاسکتا ہے، لیکن یہ جب ہو کر فرش کے کنارہ پر وضو ممکن نہ ہو، اگر وہاں وضو کی جگہ ہو اور پانی بھی کنارہ پر گھڑے وغیرہ میں وہاں رکھ سکتا ہو تو فرض اور نفل سب کے واسطے یہی انتظام کرنا چاہئے۔　تاریخ بالا۔

سوال؛ اپنے گھر ضرورۃً آیا ہو تو اپنی ڈاک کا بکس کھول کر خطوط لے سکتا ہی یا نہیں ؟

الجواب؛ گھر فقط استنجے کی ضرورت سے جاسکتا ہے، وہ بھی جبکہ گھر سے قریب تر کوئی جگہ ایسی نہ ہو جہاں یہ استنجا کرسکے، اور استنجے سے قبل یا بعد کسی کام کے واسطے ٹھیرنے کی بالکل اجازت نہیں، فقط۔ واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم گمتھلوی،

الاجوبۃ صحیحۃ، ظفر احمد عفاعنہ، ۱۲ر رمضان ۴۸ھ

اعتکاف میں مسجد کی خدمت کرنا	سوال (۱۴) حالتِ اعتکاف میں مسجد کی خدمت کرنا اور اذان و اقامت کہنا کیسا ہے ؟

الجواب؛ معتکف کو مسجد کی خدمت کرنا اور اذان و تکبیر پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ غیر معتکف کو، لیکن خدمت ایسی نہ ہو جس میں مسجد سے باہر جانا پڑے، ۱۵ر رمضان سنہ ۔

حالتِ اعتکاف میں ورزش اور خط کا جواب تحریر کرنا	سوال (۱۵) جو شخص ورزش کرنے کا عادی ہے حالتِ اعتکاف میں کرسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب؛ باہر جانا جائز نہیں، اور مسجد میں ورزش خلافِ ادب ہے، لہذا زمانۂ اعتکاف میں اس کو ترک کردیں، اگر تکلیف نہ ہو، اور اگر تکلیف زیادہ ناقابلِ برداشت ہو تو مجبوری خلوت کے وقت کرلیا کریں　تاریخ بالا۔

سوال؛ اپنے خطوط یا دیگر شخص کا خط تحریر کرنا چاہیں تو تحریر کرنا کیسا ہے ؟

الجواب؛ خط لکھنے میں مضائقہ نہیں، خواہ اپنا ہو یا دوسرے کا، احقر عبدالکریم

الجواب صحیح، ظفر احمد عفاعنہ۔　۱۵ر رمضان۔

جکو ریح اور بواسیر کا عارضہ ہو مسجد میں اعتکاف کرسکتا ہی یا نہیں	سوال (۱۶) زید ہمیشہ آخر عشرۂ رمضان شریف میں معتکف ہوا کرتا ہے، مگر ریحی بواسیر کا عارضہ ہونے سے وضو قائم نہیں

رہتا، اور مسجد میں بعض وقت ریح کو خارج نہ کرنا تکلیف دہ ہوتا ہے، کیا ایسے شخص کو اعتکاف بمسجد جائز ہے ؟

الجواب، ہاں جائز ہے، مگر ریح خارج کرنے میں اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ مسجد میں خارج کرنا مضائقہ نہیں، اور بعض نے کہا ہے کہ جب ضرورت ہو مسجد سے باہر چلا جاوے (جیسا کہ پیشاب پاخانہ کے واسطے جاتا ہے، کما فی العالمگیریۃ (ص ۲۱۵ ج ۶) واختلف فی الذی یفسو فی المسجد فلم یر بعضھم بأسا و بعضھم قالوا لا یفسو ویخرج اذا احتاج الیہ وھو الاصح کذا فی التمرتاشی اھ، اس لئے اخراج ریح کے واسطے باہر جانا بھی معتکف کو جائز ہے، اور جب دونوں طرف گنجائش ہے تو حسب موقع دونوں قول پر عمل کی گنجائش ہے، یعنی جب اخراج ریح فی المسجد سے لوگوں کی ایذا کا احتمال ہو تو باہر چلا جانا چاہئے، اور جب بار بار جانے میں دقت ہو تو باہر نہ جانا بھی جائز ہے، اس طرح دونوں روایتیں جمع بھی ہو گئیں، واللہ اعلم،

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ، از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، مورخہ ۲ شعبان ۵۱ھ

کتاب الحج

(فصل فیمن یفرض علیہ الحج)

معذور لیکن صاحب استطاعت شخص کے حج کا حکم

سوال (۱) زید پیروں سے معذور ہے، تھوڑی دور بھی مشکل سے چل سکتا ہے، استطاعت ہے اس لئے حج کا ارادہ رکھتا ہے، ایک آدمی ساتھ رکھنا ہوگا، جس کا صرفہ زید کو دینا ہوگا، اتنی استطاعت ہے کہ آدمی کے خرچ کو برداشت کرلے گا، ایسی معذوری میں بھی زید پر حج فرض ہے یا کیا؟

الجواب، قال فی العالمگیریۃ ومنھا سلامۃ البدن حتی ان المقعد والزمن والمفلوج ومقطوع الرجلین لا یجب علیھم حتی لا یجب علیھم الاحجاج وان ملکوا الزاد والراحلۃ ولا الایصاء فی المرض ھذا ظاھر المذھب عن ابی حنیفۃ وھو روایۃ عنھما وظاھر الروایۃ عنھما انہ یجب علیھم فان احجوا اجزاھم مادام العجز مستمراً فان زال فعلیھم الاعادۃ بانفسھم وظاھر ما فی التحفۃ اختیارہ فانہ اقتصر علیہ وکذا الاسبیجابی وقواہ المحقق فی فتح القدیر والاعمی اذا ملک الزاد والراحلۃ ان لم یجد قائداً لا یلزمہ الحج بنفسہ

فی قولھم وھل یجب الاحجاج بالمال فعند ابی حنیفةؒ لایجب وعندھما یجب و ان وجد قائدا عند ابی حنیفةؒ لایجب الحج بنفسه وعن صاحبیه فیه روایتان ولو ملک الزاد والراحلة وھو صحیح البدن ولم یحج حتی صار زمنا او مفلوجا الزمه الاحجاج بالمال بلا خلاف اھ ملخصا، ص ۱۴۱ ج ۱، صورت مذکورہ میں زید پر خود حج کرنا تو فرض نہیں، لیکن حج بدل کرا دینا ضروری ہے، لیکن بعد میں اگر تندرست ہوگیا تو دوبارہ خود حج کرنا پڑے گا۔ اور اگر خود حج کو چلا جاوے یہ بہت ہی بہتر ہے، واللہ اعلم۔

جس پر جائیداد زیادہ ہو اور نقد روپیہ نہ ہو اس پر وجوبِ حج کا حکم

سوال (۲) جس شخص کے پاس زمین زیادہ ہے اور روپیہ نقد موجود نہیں، اس کے ذمہ حج فرض ہے یا نہیں، یعنی اس شخص کو زمین فروخت کرکے حج کرنا فرض ہے یا نہیں، مثلاً ایک شخص ہو کہ اس کے پاس پانچ ہزار روپیہ نقد موجود ہو اور دوسرے کے پاس زمین دس ہزار روپیہ کی ہے اور نقد موجود نہیں ہے، اب فرمائیے کہ ان میں کس کے ذمہ حج فرض ہے، یا دونوں کے ذمہ حج کرنا فرض ہے؟

(۲) ایک شخص کے پاس پانچ ہزار روپیہ کا سامان دکان میں موجود ہے، اس پر حج فرض ہو یا نہیں؟

(۳) ایک شخص کے پاس چار ہزار روپیہ کے مویشی ہیں اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

(۴) ایک شخص کے پاس پانچ ہزار روپیہ کا غلہ موجود ہو اس پر حج کرنا فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: جس شخص کے پاس اتنی زیادہ زمین ہو کہ اس کا ایک ٹکڑا مصارفِ حج کے لئے فروخت کرنے کے بعد بھی اتنی زمین باقی رہے جو اس کے اور اہل وعیال کے تعیش کے لئے کافی ہے، تو ایسے شخص کے ذمہ اپنی زمین کا کچھ حصہ حج کے لئے فروخت کرنا لازم ہے، اور اس پر حج فرض ہو، اور اگر مصارفِ حج کے واسطے ایک ٹکڑا بیع کرنے کے بعد باقی زمین اس کے اور اس کے اہل و عیال کے گذارہ کو کافی نہیں رہتی، تو اس حالت میں اس پر حج فرض نہیں، اور نہ زمین کا فروخت کرنا فرض ہو، قال فی غنیة الناسک وان کان له من الضیاع مالو باع مقدار ما یکفی الزاد والراحلة یبقی بعد رجوعه من ضیعته قدر ما یعیش بغلة الباقی یفترض علیه الحج والا فلا کذا فی الخانیة اھ (ص ۷) ۲۱ صفر ۴۵ھ

جواب سوال دوم سوم وچہارم: قال فی غنیة الناسک السادس الاستطاعة وھی القدرة علی زاد یلیق بحاله فاضلا عن الحوائج الاصلیة المذکورة فی الزکوٰة کمسکنه وعبید خدمته وفرسه المحتاج الی رکوبه ولو احیانا ومرمة مسکنه

ورأس مال حرفته ان احتاجت لذلك والات حرثه من البقر ونحو ذلك ان كان حراثا اكارا ورأس مال التجارة ان كان تاجرا يعيش بالتجارة والمراد ما يمكنه الاكتساب به قدر كفاية عياله لا اكثر لانه لانهاية له ـ رد المحتار اھ ص ،) وفيه ايضا وان كان له مسكن فاضل لا يسكنه او عبد لا يستخدمه او متاع لا يستهنه او كتب لا يحتاج الى استعمالها او كرم زائد على قدر التفكه بها ونحو ذلك مما لا يحتاج اليها يجب بيعها ان كان به وفاء بالحج اھ (ص)

پس جس شخص کے پاس پانچہزار کا سامان دوکان میں ہے، اگر اس میں سے بقدر مصارف حج کے فروخت کر کے اتنا سرمایہ باقی رہے کہ اس میں تجارت کر کے یہ شخص مع اہل وعیال کے متوسط حال سے گذر کر سکے تو بقدر مصارفِ حج کے سامان کا بیع کرنا لازم ہے، اور اس پر حج فرض ہے، اور اگر باقی میں تجارت کر کے گذر نہ ہو سکے تو واجب نہیں، بشرطیکہ اس شخص کا گذر تجارت ہی پر ہو، اور جس شخص کے پاس چار ہزار کے مویشی ہیں تو اگر یہ شخص کاشتکار یا زمیندار ہے اور یہ مواشی سب کے سب کھیتی کے کام میں مشغول ہیں، یا یہ جانور سواری کے ہیں اور گاہے گاہے سواری کے کام میں آتے ہیں تو اس حالت میں اس پر حج فرض نہیں، نہ اُن مواشی کا بیچنا لازم ہے اور اگر یہ جانور دودھ پینے کے ہیں، اور اس کے اہل وعیال کا گذران کے دودھ ہی پر ہے، اس کے سوا اور کوئی صورت معاش کی نہیں، نہ زمین کا غلہ ہے، اور نہ کچھ تب بھی اُس پر اُن کا بیچنا لازم نہیں، بشرطیکہ اگر مصارفِ حج کے لئے بعض کو فروخت کیا جائے تو باقی مواشی سے گذارہ نہ ہو سکے، اور نہ حج فرض ہے، اور اگر اس کی معاش ان جانوروں کے دودھ پر موقوف نہیں، یا موقوف ہے لیکن اُن میں سے بقدر مصارف حج کے ایک دو یا زیادہ جانوروں کے فروخت کرنے کے بعد باقی ماندہ مواشی گذارہ کو کافی ہیں، یا یہ جانور تجارتی ہیں اور ان کی تجارت پر اس کا گذر موقوف نہیں، یا موقوف ہے، مگر مصارفِ حج کے لئے ایک دو یا زیادہ کو بیع کرنے کے باقی ماندہ کی تجارت اس کے گذر کو کافی ہے، تو بقدرِ حج کے ایک دو یا زیادہ جانور کو بیع کر کے اس پر حج کرنا فرض ہوگا رہا غلہ جو پانچہزار کا ہے تو اگر یہ سارا غلہ صرف کھانے ہی کے صرف میں آتا ہے تب تو حج فرض نہیں، اور اگر کچھ کھایا جاتا ہے باقی بیچا جاتا ہے تو جتنا ضرورت سے زائد ہو اس کو بیع کر کے حج کرنا فرض ہوگا، اگر وہ زائد غلہ فروخت ہونے کے بعد زاد وراحلہ ومصارفِ حج کو کافی ہو، واللہ اعلم،

از تھانہ بھون، ۲۱ صفر ۴۵ھ

تعمیر مکان سے حج فرض مقدم ہے

سوال (۳) زید کو جائز طور سے اس قدر رقم نقد ملی کہ فقط حج بیت اللہ کر سکتا ہے، مگر حال یہ ہے کہ اس کا گھر بھی کھنڈر پڑا ہے، تو زید پر اول حج بیت اللہ ادا کرنا فرض ہے یا گھر بنانا۔

الجواب: قال فی العالمگیریۃ وان لم یکن مسکن وعندہ دراھم یبلغ بہ الحج ویبلغ ثمن مسکن وخادم وطعام وقوت فعلیہ الحج فان جعلھا فی غیر الحج اثم کذا فی الخلاصۃ (ص ۱۴۰ ج ۱) صورت مسئولہ میں اس شخص پر حج فرض ہے اس رقم کو مکان میں لگانا جائز نہیں بشرطیکہ یہ رقم مکہ کی آمد و رفت کے لئے کافی ہو اور اس مدت کے لئے اہل وعیال کو نفقہ بھی دے سکے۔ واللہ اعلم

۱۳ رمضان ۴۴ھ از تھانہ بھون

اگر کسی کے پاس مقدار فرضیت حج مال نہ ہو مگر صاحب جائداد ہو اور جائداد فروخت کر کے حج کر سکتا ہو تو اس پر حج فرض ہے یا نہیں

سوال (۴) یہ ہے کہ میری اہلیہ اپنا حج فرض پہلے ادا کر چکی ہے اب اس مرتبہ اگر وہ اپنے مرحوم لڑکے کی طرف سے حج بدل کی نیت کر لیں تو کچھ کراہت تو نہیں ہے، میرے لڑکے مرحوم کی بائیس سال کی عمر تھی اور کچھ جائداد بھی اُس کے نام اس کی نانی صاحبہ نے کر دی تھی جس کی آمدنی اُس کے خورد و نوش و اخراجات ضروری کی کفیل نہیں ہو سکتی تھی مگر قیمت اُس کی اس قدر ضرور تھی اس کو فروخت کر کے وہ بآسانی حج کر سکتا تھا ایسی صورت میں اُس کے ذمہ حج فرض ہو گیا یا نہیں؟

الجواب: فی العالمگیریۃ (ص ۱۴۲ ج ۱) وان کان صاحب ضیعۃ ان کان لہ من الضیاع مالو باع مقدار مایکفی الزاد والراحلۃ ذاھبا وجائیا ونفقۃ عیالہ واولادہ یبقی لہ من الضیعۃ قدر ما یعیش بغلۃ الباقی یفترض علیہ الحج والا فلا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اگر اُس کے پاس اس جائداد کے علاوہ مقدار فرضیت حج مال نہ تھا تو حج فرض نہ ہوا تھا۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ، ۲۸ شعبان ۴۴ھ۔

الجواب صحیح۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون۔

۲۸ شعبان ۴۴ھ۔

ایضاً **سوال** (۵) ایک عورت جس کے نان و نفقہ کا متکفل اس کا شوہر ہے اور اس عورت کے پاس ایک مکان ہے جس کا کرایہ بھی گھر کے اخراجات میں صرف ہو جاتا ہے اور کچھ بچتا نہیں ہے ایسی صورت میں عورت کو اپنا مکان بیچ کر حج کرنا فرض ہے یا نہیں؟ اور مکان کی حیثیت آٹھ یا دس ہزار روپیہ ہے۔

الجواب؛ اور جب عورت کا نفقہ شوہر دیتا ہے اور دوسرے کسی شخص کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں۔ تو یہ مکان حاجت اصلیہ سے زائد ہے اس لئے حج کرنا اُس کے ذمہ فرض ہے۔

وفی العالمگیریۃ (ص۱۴۰ ج۱) وفی التجاید ان کان لہ دار لا یسکنہا وعبد لا یستخدمہ فعلیہ ان یبیعہ ویحج بہ وفیہ ایضا بعد اسطر: وان کان صاحب ضیعۃ ان کان لہ من الضیاع مالو باع مقدار ما یکفی الزاد والراحلۃ ذاھبا وجائیا ونفقۃ عیالہ واولادہ یبقی لہ من الضیعۃ قدر ما یعیش بغلۃ الباقی یفترض علیہ الحج والا فلا وفیہ ایضاً والعیال من یلزمہ نفقتہ کذا فی البحر الرائق۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔ الجواب صحیح۔

احقر ظفر احمد عفا عنہ، ۳ محرم ۴۵ھ۔

اولاد ادا ء قرض کا وعدہ کرے تو مدیون باپ کو حج پر جانا جائز ہے

سوال (۶) میں کاروبار بزازہ کا کرتا ہوں میرے ذمہ قرضہ بارہ سو روپیہ ہے اور مال دو ہزار کا ہے۔ علاوہ مکانات زائد رہائشی کے میری اولاد میرے فریضہ حج کو اس طرح پر منظور کرتی ہے کہ تم حج کو چلے جاؤ ہم قرضہ ادا کر دیں گے کیا اس طرح پر شریعت مجھے اجازت ادا ء فریضہ کی دے سکتی ہے؟ دعا فرمائیے کہ وقت روانگی تک قرضہ ادا ہو جائے۔

میری زوجہ عمر رسیدہ اور دائم المریض ہے اس کا بھی اصرار ہے کہ مجھے بھی لیکر چلو ورنہ میں اجازت نہیں دیتی اس حال میں کہ خرچ آمد و رفت ایک ہی کا کافی ہے دوسری عورت کا خرچ بہ نسبت مرد کے زیادہ ہوتا ہے پس کیا عورت کی اجازت کا مرد شرعی طور پر ادا ء فریضہ حج کے لئے پابند ہے؟

الجواب؛ ہاں اس صورت میں سائل کو حج کے لئے چلا جانا چاہیئے اور قرضخواہوں کا اطمینان کر جائے کہ میری اولاد تمہارے قرض کا انتظام کرے گی اگر اولاد کا وعدہ سچی ہو گے۔ مرد حج کے بارہ میں بیوی کی اجازت کا پابند نہیں ہاں یہ ضروری ہے کہ اس کے لئے واپسی تک نفقہ

کا انتظام کر جائے۔ واللہ اعلم۔

۲۵ رجب ۴۵ھ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔

مہر مؤجل مانع وجوب حج نہیں ہے

سوال (۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں یہ لکھدیا کہ تم اپنے میکہ سے ایک ہفتہ کے اندر نہ آئی یا میرا زیور نہ بھیجا تو تم پر ایک طلاق ہے چنانچہ وہ ہنوز نہیں آئی۔ اور نہ زیور بھیجا اور معتبر ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ اس کو خط نہیں ملا تو کیا اُس پر ایک طلاق دینے سے طلاق ہوگئی اور کیا ایک طلاق سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

کیا موجودہ صورت میں مرد حج کو جا سکتا ہے بغیر رضا مند کئے ہوئے عورت کے اور رضا مند کردے اور مہر نہ دے سکے کیونکہ اس کے پاس صرف اتنا روپیہ ہے کہ حج کر سکے مہر ادا نہیں کر سکتا اس کی دو لڑکی بھی ہیں تو کتنا حصہ مہر میں سے اس کو دیا جاوے گا۔

الجواب:

حج کو جانے کے لئے عورت کا راضی کرنا یا اس کا راضی ہونا شرط نہیں ہے۔ اگر حج فرض ہو ورنہ مہر ادا کر کے جانا ضروری ہے۔ جبکہ نکاح باقی ہو اور مہر مؤجل ہو بلکہ عورت کو واپسی تک نان و نفقہ دیکر جانا واجب ہے۔ ہاں نکاح ٹوٹ چکا ہو اور عورت مہر کا مطالبہ کرے تو حج سے دین مہر ادا کرنا مقدم ہے۔ اور یہ تفصیل اُس وقت ہے جبکہ دین مہر کو دوسرے قرضوں کی برابر نہ سمجھا جائے بلکہ اس کی طرف سے بے التفاتی ہو جیسا کہ عام اہل ہند کی یہی حالت ہے تو ایسا دین مہر وجوب زکوٰۃ و حج کے منافی نہیں الا بوقت طلاق اور مطالبہ زن، اور جو شخص دین مہر کو بھی دیون الناس کی طرح سمجھتا ہو اور اس کی ادا کی فکر میں ہو اور حسب ہمت قلیل و کثیر ادا کرتا ہو اس پر حج اس وقت تک فرض نہو گا جبتک دین مہر ادا نہ ہو جائے یا اتنی رقم اس کے پاس جمع ہو جائے جو ادائے دین مہر کے بعد مصارف حج و نفقہ اہل و عیال کو تا واپسی کافی ہو۔ واللہ اعلم۔

۱۹ رمضان شریف۔

نابالغ لڑکے اور محلہ کی عورتوں کے ساتھ سفر حج پر جانا جائز نہیں

سوال (۸) ایک عورت حج کو جانا چاہتی ہے مگر کوئی اس کا محرم نہیں ہے شوہر اور سب محرم مر گئے صرف اکیلی عورت ہے، اور ایک لڑکا لے پالک ہے لڑکے کا سن ۱۵ برس کا ہے عورت کی عمر بھی ۵۰ برس کی ہے عورت پر حج فرض بھی ہے کیونکہ خدا نے حج بھر کا روپیہ بھی دیا ہے پالے ہوئے لڑکے کے ساتھ حج کو جا سکتی

ہے یا محلہ کی عورت اپنے محرم کے ساتھ جاتی ہو تو یہ عورت بھی اُس عورت کے ساتھ جا سکتی ہے یا نہیں یا کہ حج بدل کرا دے کیونکہ اگر عورت مرگئی تو اس کا حج بدل کوئی نہیں کرائے گا تینوں مسئلوں کا جواب برائے مہربانی بہت جلد روانہ فرمائیں آپ ہی کے مسئلہ پر اُس عورت کا بہت اعتقاد ہے

الجواب: صورت مسئولہ میں اس مسماۃ کو اپنی طرف سے حج بدل کرا دینا چاہیئے، اپنے لے پالک کے ساتھ یا ہمسایہ عورتوں کے ساتھ جانا جائز نہیں لیکن اس وقت کا حج بدل کرایا ہوا اس شرط کے ساتھ معتبر ہوگا کہ عمر بھر کوئی محرم نہ ملے اور اگر کسی وقت محرم مل گیا مثلاً نکاح کر لیا اور شوہر ساتھ چلنے پر راضی ہوا اور اس وقت بھی روپیہ بقدر حج عورت و محرم موجود ہوا یا بعد کو جمع ہو گیا تو حج دوبارہ کرنا پڑے گا قال فی الشامیۃ تحت قول الدر ھذا اذا کان العجز کالحبس والمرض یرجی زوالہ وان لم یکن کذلک کالعمی والزمانۃ سقط الفرض بحج الغیر عنہ فلا اعادۃ مطلقاً سواء استمر بہ ذلک العذر ام لا اھ مانصہ ومن العذر الذی یرجی زوالہ عدم وجود المرأۃ ---------- محرماً ان دام عدم المحرم الی ان ماتت فیجوز کالمریض اذا احج ودام المرض الی ان مات اھ (ص ۲۶۲۳۹۰)

تھانہ بھون خانقاہِ امدادیہ، ۸ رمضان ۴۶ھ۔

مسئلہ وجوب حج علی الفور اور یہ کہ حج واجب ہونے کے بعد رقم کو حوائج ضروریہ میں صرف کرنا جائز نہیں ہے

سوال (۹) شامت اعمال سے فی الحال فریضۂ حج کی ادائیگی سے بوجہ مالی حالت اس قابل نہونے کے معذور ہوں حالات اس قسم کے ہیں جن کی تفصیل دشوار طویل ہونے کی وجہ سے عرض نہیں کی گئی کہ مجھ کو ایک مختصر اور قابل گذر مکان بنانے کی شدید ضرورت لاحق ہو گئی ہے۔ لہٰذا عرض یہ ہے کہ اگر ضرورت سے مجبور ہو کر مکان بنالوں اور اس کے بعد جس وقت بھی مالی حالت اس قابل ہو جائے حج کروں تو شرعاً جائز ہے یا نہیں، حضور والا مطلع فرما کر مطمئن فرما دیں؟ فقط والسلام ورحمہ اللہ۔

الجواب: حج میں مختار قول یہ ہے کہ واجب ہونے کے بعد علی الفور واجب ہے پس اگر آپ پر حج واجب ہو چکا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ سال گذشتہ میں یا اس سے پہلے کسی سال میں حج[ع] کے وقت آپ کے پاس حج کرنے کے لئے کافی رقم موجود تھی تو اب اس رقم کو مکان میں صرف

ع حج کا وقت ہندوستان میں شوال کے مہینہ سے شروع ہوتا ہے فانہ ھو وقت خروج الحاج منہ ۱۲ ظ

کرنا جائز نہیں اور اگر حج کے وقت میں کسی سال کے اندر رقم جمع نہ تھی بلکہ اس سال رقم وقت حج کے بعد جمع ہوئی ہے یا ہمیشہ حج کے وقت سے پہلے جمع ہوئی اور وقت سے پہلے ہی صرف ہوجاتی تھی تو اس صورت میں اس رقم کو مکان میں لگا دینا جائز ہے قال فی الغنیۃ ومن لامسکن له ولاخادم وھو محتاج الیھما وله مال یکفیه لقوت عیاله من ذھابه الی ایابه وله مال یبلغه فلیس له صرفه الیھما ان حضر وقت خروج اھل بلده بخلاف من له مسکن یسکنه وخادم یخدمه لایلزمه بیعھما لانه لایتضرر بترک شراء المسکن والخادم بخلاف بیع المسکن والخادم فانه یتضرر به لباب وغیره وفیه ایضاً فان ملک المال قبل الوقت فله صرفه حیث شاء لکن ان صرفه علی قصد الحیلة لاسقاط الحج یکره عند محمدؒ ولاباس به عند ابی یوسفؒ وان ملکه فی الوقت فلیس له صرفه الی غیر الحج علی القول بالفور فلو صرفه لایسقط عنه الوجوب علی القولین وان ملک فی الوقت لایقدر علی اداء الحج قال الفارسی فی منسکه و الاظھر انه لایجب وعلیه الفتویٰ کبیر اھ ص وفیه ایضاً علی الفور فی اول سنی الوجوب وھو اول سنی الامکان علی القول الاصح عندنا وھو قول ابی یوسف واصح الروایتین عن ابی حنیفةؒ فیقدم علی الحوائج الاصلیة کمسکنه وخادمه والتزوج الی ان قال فان اخره الی العام الثانی بلاعذر (ای معتبر شرعاً ولیس المسکن منه) یاثم لترک الواجب. فقط۔

۱۹ر جمادی الثانی ۴۷ھ

ادائے حج سے قبل زیارتِ روضۂ اقدس کا حکم

سوال (۱۰) سفر حرمین شریفین کے وقت حاجی لوگ ایک تو حج میں آگے یعنی پہلے حج سے مدینہ منورہ کی زیارت کرکے پیچھے حج کرکے وطن واپس جاتے ہیں اور ایک حاجی تو اول حج ادا کرکے پیچھے مدینہ شریف کی زیارت کو جاتے ہیں اس میں سوال کا مطلب یہ ہے کہ حج سے پہلے مدینہ طیبہ یا حج سے پیچھے مدینہ عالی کے جانے میں کچھ فرق ہے یا نہ یا ایک سی بات ہے سو اس کی حقیقت سے مطلع فرماویں؟

الجواب: جس نے ابھی تک حج فرض ادا نہ کیا ہو اس کے لئے اَولیٰ یہ ہے کہ پہلے حج کرے پھر مدینہ جائے اور جس نے حج فرض ادا کرلیا ہو اس کے لئے دونوں صورتیں برابر ہیں جبکہ

راستہ میں مدینہ واقع نہ ہو ورنہ زیارت ہی پہلے کرنا چاہئے ووجہ الاول کون الفرض اہم واقدم قال فی الغنیۃ ویبدأ بالحج لو فرضاً فہو الاحسن فلو بدأ بالزیارۃ جاز ویخیر لو نفلاً مالم یمر بہ فیبدأ بزیارتہ لامحالۃ لان ترکہا مع قربہا یعد من القساوۃ والشقاوۃ اھ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

۲۴ رجمادی الثانیہ سنہ ۴۷ھ

اس کی کیا اصل ہے کہ ہندو سے روپیہ قرض لیکر حج کرنا بہتر ہے

سوال (۱۱) مولانا عاشق الٰہی صاحب نے لکھا ہے ہندو سے قرض لیکر حج کو جانا بہتر ہے اس کی کیا اصل ہے ؟

الجواب ؛ اس کی اصل یہ ہے کہ کفار مخاطب بالفروع نہیں اس لئے ہندو سے جو قرض لیا جائے گا وہ شبہات سے خالی ہوگا ۔ دوسرے اگر حج کو جانے والے کے پاس مشتبہ رقم ہو تو اس مشتبہ رقم سے حج کرنا بہتر نہیں اس کو چاہئے کہ قرض لیکر حج کو جائے مگر مسلمان سے قرض لیکر اس کے قرض کو مشتبہ مال سے ادا کرنا اشدّ ہے اور ہندو کے قرض کو اس سے ادا کرنا اشد نہیں گو شدید ہے ۔

جس شخص پر حج فرض نہ ہو اور کسی نے تبرعاً حج کرا دیا تو اس کا فرض حج ادا ہو جائے گا یا نہیں

سوال (۱۲) اگر کوئی شخص اپنے ہمراہ خدمت کے واسطے یا ویسے ہی تبرعاً ایسے شخص کو حج کو لے جائے جس پر فی الحال حج فرض نہیں تو اس کا وہ فرض جو آئندہ ہونے والا ہے ادا ہو جائے گا یا نہیں ۔ اور نیز شخص مذکور کو یہیں اس قدر روپیہ دیکر قبضہ کرا دیا جائے جس سے فرضیت عائد ہو جائے تو بھی فرض ادا ہو جائے گا یا نہیں ؟

الجواب ؛ ہاں دونوں صورتوں میں اس شخص کے ذمہ سے حج فرض ادا ہو جائے گا

حجام سفر حج میں اپنا پیشہ اختیار کر سکتا ہے یا مکروہ ہے

سوال (۱۳) ایک شخص قوم حجام کا حج کو جاتا ہے اگر وہ آنے جانے کے راستہ میں یا مکّہ میں رہ کر اپنے پیشہ کو اختیار کر کے کمالے تو اس کے حج میں کسی قسم کی کراہت وغیرہ کا سُقم عارض ہوگا یا نہیں ، یا اولویت کے خلاف ہوگا یا نہیں ؟ فقط ۔ بیّنوا توجروا ۔

الجواب ؛ جائز ہے ۔ رہا یہ کہ ثواب تو کم نہ ہوگا تو اگر اصل مقصود کمائی ہے تو بیشک ثواب کم ہو جائے گا اور اگر اصل مقصود حج ہے اور کمائی تابع ہے تو ثواب کم نہ ہوگا ، مگر شبہ عدم اخلاص کا ہے ۔ اور اگر کمائی سے مقصود سفر حج کی سہولت ہے تاکہ وہاں تنگی نہ بیٹھ

آئے تو کچھ شبہ نہیں بے غبار جائز بلکہ افضل ہے، واللہ اعلم ۔ ۱۸ رجب ۴۷ھ

بارھویں کی رمی زوال سے پہلے جائز ہے یا نہیں

سوال (۱۴) بارھویں کی رمی قبل از زوال ادا ہو جاتی ہے یا نہیں ۔

الجواب ؛ نہیں بارھویں کی رمی زوال سے پہلے جائز نہیں ۔

بارھویں کو بعد مغرب طواف زیارت ہو سکتا ہے یا نہیں

سوال (۱۵) طواف زیارت بارھویں تاریخ کو بعد مغرب ادا ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب ؛ ادا ہو جائے گا مگر دم واجب ہوگا ، طواف زیارت کا وقت واجب بارھویں تاریخ کے غروب شمس سے پہلے تک ہے اور وقت صحت و ادا تمام عمر ہے، غنیہ (ص ۹۵)

حج فرض ہونے کے بعد کسی مصلحت سے اس میں تاخیر جائز نہیں ہے

سوال (۱۶) حضرت مولانا ! السلام علیکم
اس عاجز نے پانچ چھ ماہ ہوئے اس سال حج کرنے کا ارادہ کیا تھا چنانچہ اسکے سامان اور انتظام کی کوشش میں رہا ایک مکان کی تعمیر میرے ذمہ تھی اور امید تھی کہ ایام حج سے پہلے مکمل ہو جائے گی صورتیں ایسی وقوع میں آئیں کہ کسی طرح بھی عمارت مذکور کی تکمیل ایام حج تک ہونی ناممکن ہے مصلحت کہتی ہے کہ اس سال ارادہ ملتوی کرکے آئندہ سال اس فریضہ کا انجام دوں کیونکہ حج اب مجھ پر فرض ہے لیکن مصلحت سے مقدم شریعت ہے اس لئے جناب سے استفسار کرتا ہوں کہ آیا اس سال حج کا التواء آئندہ سال کے لئے گناہ تو نہ ہوگا اور آیا کوئی صورت ایسی ہے کہ اس التواء کی اجازت ہوگی اپنے فہم میں قرآن شریف کی آیت " الحج اشھر معلومات " سے حج کی نیت اشہر حج سے پہلے معتبر نہ ہونی چاہئے مگر میں اس لائق نہیں ہوں کہ اپنے فہم کو معتبر سمجھوں اس لئے جناب کو تکلیف دیتا ہوں کہ مجھے صحیح راہ بتائیں

الجواب ؛ قال فی الغنیۃ یجب (الحج) علی الفور فی اول سنی الوجوب وھو اول سنی الامکان علی القول الاصح عندنا وھو قول ابی یوسف واصح الروایتین عن ابی حنیفۃ رضی اللہ عنھما فیقدم علی الحوائج الاصلیۃ کمسکنہ وخادمہ والتزوج وان لم یجب بھا کما سیأتی اھ (ص ۱) وقال محمد والشافعی فرض علی التراخی وفیہ ایضاً ومن لا مسکن لہ ولا خادم وھو محتاج الیھما ولہ مال یکفیہ لقوت عیالہ من وقت ذھابہ الی حین ایابہ ولہ مال یبلغہ فلیس لہ صرفہ الیھما ان حضر وقت

خروج اهل بلدہ ۱۱ھ (صک) صورت مسئولہ میں آپ پر اسی سال حج کرنا واجب ہے،
مصلحت مکان کا انتظام کر دیا جائے یا تعمیر کو درمیان میں روک دیا جائے۔ الحج اشھر
معلومات کا مطلب یہ ہے کہ اشہر حج سے پہلے حج کا احرام نہ باندھا جائے یہ مطلب نہیں کہ ان
مہینوں میں نیت کی جائے تو حج واجب ہوگا ورنہ نہیں وجوب حج کا مدار نیت پر نہیں ہے بلکہ
وقت حج میں وجود زاد و راحلہ و استطاعت پر ہے جس شخص کے پاس ہندوستان میں مثلاً
شوال کے مہینہ میں آمد و رفت سفر حج کا کرایہ وغیرہ اور اہل و عیال کا نفقہ واپسی تک موجود ہو اور
دَین و حوائج اصلیہ سے فاضل ہو اس پر اس سال حج فرض ہو جائے گا خواہ نیت کرے یا نہ
کرے۔ واللہ اعلم۔ ۲۷ رمضان سنہ ۴۷ھ

صاحب نصاب راستہ کے مخدوش ہونے کے سبب حج نہ کر سکے اور پھر اس کے پاس سے مال خرچ ہو جائے تو اس پر حج فرض ہوگا یا نہیں

سوال (۱۷) جنگ یورپ کے زمانہ میں ایک شخص کے پاس اتنی رقم تھی کہ وہ حج ادا کر سکے لیکن علماء کرام کے ارشاد پر کہ راستہ کی حالت از حد مخدوش ہے وہ حج ادا نہ
کر سکا اور اسی حالت جنگ میں وہ رقم اس کے پاس سے صرف ہو گئی اب گذارش ہے کہ اس کے
لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: محض علماء کا کہنا کافی نہ تھا کیونکہ راستہ کا مخدوش ہونا یا نہ ہونا علمی مسئلہ
تھوڑا ہی ہے بلکہ یہ تو تحقیق اخبار سے متعلق تھا پس اگر تحقیق سے اس وقت یہی ثابت ہوا تھا
کہ راستہ مخدوش ہے جب تو سائل کے ذمہ اب حج فرض نہیں اور اگر تحقیق نہیں کی تو اس کے
ذمہ حج فرض ہے رقم جمع کر کے حج ادا کرنے کی کوشش کرے اور یہ جواب اس صورت میں ہے
جبکہ کسی سال ماہ شوال یا ذیقعدہ میں اس کے پاس بقدر حج کے رقم فاضل عن الحوائج الضروریہ
جمع رہی ہو اور اگر ان مہینوں میں کبھی رقم جمع نہیں رہی تو سوال دوبارہ کیا جاوے۔ فقط
۲ ذیقعدہ سنہ ۴۷ھ

جس روپیہ سے زکوٰۃ نہیں نکالی ہو اس روپیہ سے اور قرض روپیہ سے حج کرنا

سوال (۱۸) گذارش یہ ہے کہ جس روپیہ میں زکوٰۃ نہ نکالی جاوے اس روپیہ سے حج کرنا جائز ہے یا نہیں
جواز و عدم جواز سے بمفصل مطلع فرمایا جاوے۔ اور قرض لیکر جانا ہے یا نہیں حج ہو جائے گا
یا نہیں یعنی کچھ روپیہ تو اس کے پاس ہے جو حج کو جاتا ہے اور کچھ روپیہ قرض لیکر جاتا ہے،
اس کا بالغ لڑکا ہے وہ قرض ادا کر دے گا تو اس روپیہ سے حج ادا ہوگا یا نہیں اور اگر وہ بالغ

لڑکا کہے کہ میں خود تنگدست ہوں بال بچوں کو کیا کھلاؤں گا میں قرض نہ دوں گا تو اس کا کیا حکم ہے جو والد کا کہنا نہیں مانتا۔

الجواب: جس روپیہ سے زکوٰۃ نہیں نکالی گئی اس سے اگر حج کیا جاوے تو حج تو جائز ہو جائے گا مگر زکوٰۃ کی تاخیر کا گناہ بھی رہے گا اس لئے بہتر یہ ہے کہ اول زکوٰۃ ادا کی جائے اس کے بعد جو رقم بچے اس سے حج کیا جاوے اگر وہ رقم کافی نہ ہو تو قرض لیکر حج کرنا اس شرط سے جائز ہے کہ ادائے قرض کے واسطے کچھ سرمایہ پیچھے چھوڑ جائے مثلاً جائداد و مکانات وغیرہ۔ اگر سرمایہ کچھ نہ ہو تو قرض لیکر اولاد کے ذمہ ڈالنا جائز نہیں اور جو لڑکا قرض کے ادا کرنے سے انکار کرتا ہے اس کا کچھ قصور نہیں اولاد کے ذمہ ماں باپ کی اطاعت و خدمت لازم ہے قرض ادا کرنا ان کے ذمہ نہیں۔ فقط۔ ۲۹ ربیع الثانی ۴۸ھ

بارہ تاریخ کو زوال سے قبل رمی کرنا اور بدون عذر رمی میں نیابت کا حکم

سوال (۱۹) زید نے رمی جمرات ثلاثہ بارہ تاریخ کی بکر یا ہندہ یا چند عورتوں کی طرف سے بحالت صحت وکالۃً کرلی اور رمی قبل زوال ہوئی۔ آیا یہ رمی صحیح ہوئی یا نہیں درصورت عدم صحت دم وغیرہ اس پر واجب ہے یا کیا۔ اگر واجب ہے تو یہاں دے سکتا ہے یا وہیں کسی سے کرادیا جائے؟

الجواب: بارہ تاریخ کو زوال سے قبل رمی کرنا صحیح نہیں ہے اور رمی میں بدون عذر نیابت بھی جائز نہیں ہے۔ اس لئے نہ خود زید کی رمی صحیح ہوئی اور نہ بکر و ہندہ وغیرہ کی اور سب پر دم واجب ہے اس لئے ہر ایک کی طرف سے ایک ایک بکری حرم میں ذبح کرائی جاوے یہاں ذبح کرنا کافی نہیں ہے۔ قال فی غنیۃ الناسک واما وقت الجواز فی الیوم الثانی والثالث من ایام النحر فمن الزوال الی طلوع الفجر من الغد فلا یجوز قبل الزوال فی ظاہر الروایۃ وعلیہ الجمہور من اصحاب المتون والشروح والفتاویٰ قال فی الفیض وھو الصواب (ص۹۷) وفی (ص۱۰۱) السادس ان یرمی بنفسہ فلا یجوز النیابۃ فیہ عند القدرۃ ویجوز عند العذر وفی ص۱۲۹ ولو ترک رمی الجمار الثلث فی یوم واحد او یومین او فی الایام کلھا فعلیہ دم واحد لاتحاد الجنس اھ وفی ص۱۲۸ وحیث ما اطلق الدم فالمراد الشاۃ وتجزئ فی کل موضع الا اذا جامع بعد الوقوف بعرفۃ او طاف للزیارۃ جنباً او حائضاً او نفساء ففیھما تجب بدنۃ الخ وفی ص۱۴۰ الثامن ذبحۃ فی الحرم فلو ذبح

فی غیرہ لا یجزیہ عن الذبح۔

کتبہ، الاحقر عبدالکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۲۲ جمادی الاخری سنہ ۴۵ھ۔

بچے کو حج پر ساتھ لیجانے سے اس پر حج فرض ہوجاتا ہے

سوال (۲۰) بچہ کو حج کے لئے لیجانا مناسب نہیں کیونکہ اس پر بیت اللہ شریف دیکھنے سے فرض ہوجائیگا اور اگر وہ بڑھکر مالدار نہ ہوا اور مرگیا تو گنہگار مرے گا بوجہ متعلق ہوجانے فرضیت حج کے بسبب دیکھنے بیت اللہ شریف کے۔

الجواب؛ بچہ اگر حج کر کے چلا آوے تو بالغ ہونے کے بعد اس پر حج فرض نہیں ہوتا۔ ہاں اگر بلوغ کے بعد مالدار بھی ہوجائے تو فرض ہوگا بوجہ مالداری کے نہ بوجہ اس زیارت سابقہ کے۔ فقط۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۱ شوال سنہ ۴۸ھ

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۱۲ شوال سنہ ۴۸ھ۔

ملازمت ختم ہونے کے خوف سے حج میں تاخیر کرنا

سوال (۲۱) میری عمر اس وقت ۲۹ سال کی ہے اور میں نے ابھی تک فرض حج بھی ادا نہیں کیا ہے وجہ یہ ہے کہ اب تک کا زمانہ میرا مختلف پریشانیوں میں کٹا ہے مثلاً والد صاحب کا انتقال ہوا اور گھر بار سب میرے سر پڑا اور اپنی تعلیم کی فکر تھی۔ وہ الگ اب وقت یہ ہے کہ میری ملازمت ایک سرکاری یعنی انگریزی دفتر میں ابھی تک غیر مستقل ہے اور غیر مستقل ہونے کی وجہ سے میرے حکام کو بالکل اختیار ہے کہ چاہے جس روز اور جس وقت مجھے (خواہ کوئی قصور ہو یا نہو) برخواست کردیں چونکہ حج کے واسطے مجھے طویل رخصت کی درخواست دینا ہوگی لہذا بجائے رخصت کی درخواست منظور کرنے کے مجھے غالب اندیشہ ہے کہ وہ یہی حکم دیں گے کہ جائیے ہم نے ہمیشہ کے واسطے آپ کو برخاست کردیا۔ دوم میں ایک سادہ لوح اور ناتجربہ کار سا آدمی ہوں، لہذا اس انتظار میں ہوں کہ میرے اعزا میں سے ایک عزیز چند سال کے بعد حج کو جانیوالے ہیں انشاء اللہ ان کے ہمراہ میں بھی جاؤں گا اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ جو میں اب تک فرض حج کو ادا کرنے نہیں گیا اور ابھی چند سال تک بوجہ مندرجہ بالا مجبوریوں کے میرا جانا ملتوی رہے گا تو میں از روئے شرع شریف تو گنہگار نہ ہونگا؟

الجواب؛ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

تاخیر حج بلا عذر سے گناہ ہوتا ہے اور جو تاخیر بعذر ہو اس سے گناہ نہیں ہوتا۔ یہ تو قاعدہ کلیہ ہے۔ اب رہا یہ کہ جو عذر آپ نے بیان کیا ہے وہ عذر ہے یا نہیں مجھے

اس میں تردد ہے، دیگر علماء سے رجوع کیا جاوے، واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ ۱۴؍شوال ۴۸ھ

حضرت حکیم الامۃ سے دریافت کیا تو فرمایا کہ میرے نزدیک پریشانی روزگار عذر ہے، حکاہ عنہ المولوی عبد الکریم سلمہ۔

جس کی ملک میں وسیع زرعی زمینیں ہوں مگر نقد روپیہ نہ ہو تو ہندو سے سود پر روپیہ لیکر اس کو حج کرنا جائز ہے یا نہیں اور اس سودی معاملہ سے وہ گنہگار ہوگا یا نہیں

سوال (۲۲) ۱؎ شخصے است دولتمند نزد او زمینات زرعی بسیار موجود اند لیکن فی الحال نزد او روپیہ نقد موجود نہ اند آن کس می خواہد کہ روپیہ مثلاً یک ہزار بقرض بر سود از ہندو بگیرم و حج کنم بعدہٗ آن قرض بمع سود ادا خواہم نمود پس زید فتویٰ می دہد کہ آن کس را گرفتن قرض بر سود جائز نیست و ازین عقد ناجائز آن مال مستقرض ہم حرام گشت پس حج کردن آن را ازین مال حرام جائز نیست و عمر فتویٰ می دہد کہ این مال حرام نیست چراکہ زیادتی ربوا حرام است وحرمت عقد ازیں مال مستقرض اثر نمی کند پس حج کردن آن شخص ازین مال جائز است کہ ازین عقد ناجائز آن مال مستقرض حرام می شود یا نہ؟

۲؎ ثانیاً در صورت مذکورہ کہ نزد آن شخص نقدیات موجود نہ اند و بر او حج اسلام ہم فرض است و ایام حج بر سر آمدہ اند اگر ہمان شخص قدرے از زمینات خود می فروشد پس ایام حج می گذرند و می داند کہ اگر درین سال بمیرم پس مرتکب کبیرہ خواہم شد اکنون دریں صورت اگر چند مبالغ بر سود بگیرد بہ سبب ہمیں ضرورت جائز است یا نہ و ہمیں ضرورت شرعی است یا نہ جواب ہر دو سوال بحوالہ کتب مرحمت فرمائید کہ اطمینان قلبی حاصل گردد۔

الجواب : (۱) قول زید کہ گرفتن قرض بر سود جائز نیست صحیح است واما قول او کہ ازین عقد ناجائز آن مال مستقرض ہم حرام گشت پس حج کردن ازیں مال حرام جائز

۱؎ اس فتویٰ کے متعلق خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے مفتی حضرت مولانا مفتی عبد الکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "امداد الاحکام" کے رجسٹر ۹ کے شروع میں تحریر فرمایا ہے کہ اس میں "مجھے تردد ہے" افسوس کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اس مسئلہ میں معلوم نہیں ہو سکی۔ احقر ناکارہ محمد رفیع عثمانی خادم طلبہ و دار الافتاء دار العلوم کراچی۔ ۲۸؍ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ

نیست الخ صحیح نیست زیراکہ عقد استقراض بشرط فاسد فاسد نمی شود قال فی الدر القرض بالشرط حرام والشرط لغو اھ ص۲۶۶ ج۴ ، بلکہ شرط فاسد خود لغو می گردد پس مال مستقرض حرام نہ گشت بلکہ شرط ربوا باطل گردید ۔ وچون مال ربوا بمال او مخلوط نگردید بلکہ بمال مقرض مخلوط شدہ لہذا مالِ مستقرض حلال باشد وحج ادا کردن باو ہم صحیح باشد اگرچہ گناہ عقد ربوا ودادن ربوا ہم بذمۂ او باشد ۔

(۲) تا وقتیکہ زمین مذکور فروخت شود و نزد مرد رقم نقد بوقت خروج حجاج بدست نیاید بروے حج فرض نیست پس بدین ضرورت کہ امسال حج ادا کردہ شود قرض بر سود گرفتن جائز نباشد واللہ تعالیٰ اعلم ۔ ۱۵ ذیقعدہ ۳۹ھ

اشہر حج میں عمرہ کے بعد حج سے قبل مدینہ جانا جائز ہے

سوال (۲۳) معلم الحجاج ص۲۳۵ پر ہے جس پر حج فرض ہے اگر وہ مکہ میں حج کے مہینوں سے پہلے آجائے تو حج کے مہینے شروع ہونے سے پہلے اس کو مدینہ جانا جائز ہے اور حج کے مہینے شروع ہونے کے بعد جانا جائز نہیں ، اس کا ماخذ غنیہ اور شرح لباب باب زیارت ہے والظاہر ان لہ ان یزور قبل دخول اشہر الحج واما بعدہٗ فلا ص۲۰۱ اس سے صریح معلوم ہوا کہ متمتع کو بھی نہ جانا بہتر ہے ۔

الجواب : مصنف معلم الحجاج سے فہم مسئلہ میں سہو ہوا ہے یہاں کلام افضلیت و غیر افضلیت میں ہے جواز میں کلام نہیں اوپر سے دیکھا جائے قد روی الحسن عن ابی حنیفۃ انہ اذا کان الحج فرضا فالاحسن للحاج ان یبدأ بالحج ثم یثنی بالزیارۃ وان بدأ بالزیارۃ جاز وھو الظاھر اذ یجوز تقدیم النفل علی الفرض اذا لم یخش الفوت بالاجماع اھ عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں جبکہ خوف فوت حج نہ ہو نقد ذکر السرخسی فی المبسوط عن زید التقی رضی اللہ عنہ انہ سأل ابن عباس رضی اللہ عنہما فقال اتینا عمارا فقضیناھا ثم زرنا القبر ثم حججنا فقال انتم متمتعون ص۱۸۴ ج۴ واحتج بہ لابی حنیفۃ علی ان الخروج من المیقات لیس بالمام وانما الالمام ان یصل الی اھلہ ، بہرحال اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اشہر حج میں عمرہ کرنے کے بعد بھی مدینہ جا سکتا ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

۹ شعبان ۵۶ھ

فصل فی الاحرام وما ہو محظور فیہ اومباح

احرام میں شکار اور غیر محرم کا حدودِ حرم کے اندر شکار لانے کا حکم اور اس کے متعلق غنیہ اور زبدہ کی عبارتوں میں تعارض کی تحقیق

سوال (۱) ذیل کے مسئلہ کی تحقیق کی ضرورت ہے اس لئے تحقیق کر کے ارقام فرماویں - - - - - - - - - -

- -

زبدۃ المناسک غیر جیبی کے صفحہ ۴۸ میں لکھا ہے کہ جو حل میں احرام باندھے اور اس کی مٹھی میں صید ہو تو واجب ہے کہ اس شکار کو چھوڑ دے اس طرح کہ ضائع نہ ہو یا قفس میں رکھے الخ اور کچھ آگے لکھتے ہیں کہ محرم یا حلال جب حرم میں داخل ہو اور اس کے پاس شکار ہو اگرچہ قفص میں ہو تو واجب ہے کہ اس کو چھوڑ دے کہ وہ اب حرم کا شکار ہو گیا الخ ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حل میں احرام باندھنے کی صورت میں شکار کا اصل چھوڑ دینا واجب نہیں ہے بلکہ کسی پنجرے میں ہو رکھ دینا چاہئے اور حرم میں داخل ہونے کی صورت میں اگرچہ پنجرے میں ہو اصلاً چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ یہ شکار اب حرم کا ہو گیا اب سوال یہ ہے کہ حل میں حلال نے شکار پکڑا پھر جب حرم میں داخل ہوا تو یہ شکار اس کی مِلک سے خارج ہوا یا فقط اس کو حرم میں ہلاک نہ کرے یعنی مامون رکھے اور پھر حرم سے باہر نکل کر کام میں لاسکتا ہے۔ زبدۃ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی مِلک سے بھی خارج ہو گیا اصل حرم کا ہو گیا اور غنیۃ الناسک صفحہ ۱۶۱ اور دیگر کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل چھوڑ دینا واجب نہیں۔ یعنی حل و حرم میں فرق نہیں ہے ولو ادخل محرم او حلال صید الحل الحرم صار حکمہ حکم صید الحرام ومن دخل الحرم بصید فعلیہ ان یرسلہ فیہ اذا کان فی یدہ حقیقۃ حتی اذا کان فی رحلہ او فی تفصہ لایجب ارسالہ کذا فی الھدایۃ والکفایۃ وغیرھما۔ غنیۃ الناسک صفحۃ ۱۵۷ سطر ۷ ولو اخذہ فی الحل وھو حلال ثم احرم او دخل بہ الحرم ملکہ ملکا محترمًا فان کان الصید فی یدہ حقیقۃ وجب ارسالہ لکن لا بان یسیبہ لان تسییب الدابۃ حرام لانہ تضییع للملک بل یطلقہ علی وجہ لایضیع بان یخلیہ فی بیتہ او یودعہ عند حلال او یرسلہ فی قفص معہ الخ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اگر حرم میں حل کا شکار

داخل کیا جاوے تو اطارۃ واجب نہیں ہے بلکہ چھوڑ دینا تضییع مال ہے اور پنجرے میں ساتھ لئے رہنا بھی حرم میں جائز ہے اب زبدہ اور غنیہ کی عبارات کا تعارض دفعہ فرما دیں یا ایک کو ترجیح دیں اس بارہ میں شامی کو بھی دیکھنا اس میں شاید لکھا ہے کہ حل میں شکار پکڑ کر باندھے اور حرم میں محرم و حلال اگر شکار داخل کرے اور شکار پنجرے میں ہو یعنی فی ید حکمی ہو تو چھوڑنا واجب نہیں، اور اگر فی ید حقیقی ہو تو حرم میں اصل چھوڑ دینا واجب ہے اور حل میں اصل چھوڑنا واجب نہیں یہ فرق بیان کیا ہے اور غنیہ نے دونوں میں فرق نہیں کیا یہ تعارض بھی دفعہ فرمادیں شامی ص۳۰۳ وھی من احرم فی الحل وفی یدہ صید واما الاولی وھی لو دخل الحرم وفی یدہ صید فالواجب علیہ الارسال بمعنی الاطارۃ لقولہ فی الھدایۃ۔

الجواب: (اقول وباللہ التوفیق) اخذ صید کی صورتیں چند ہیں ہر ایک کا حکم الگ الگ معلوم کرنا چاہئے (۱) احرام کے بعد شکار پکڑے خواہ حل کا ہی شکار ہو یا حرم کا شکار پکڑے خواہ یہ حلال ہی ہو محرم نہ ہو یہ تو ملک میں داخل نہ ہوگا (۲) یہ کہ احرام حل میں باندھنا چاہتا ہے اور احرام سے پہلے اس کے ہاتھ میں حقیقۃً صید حل ہے (۳) حل میں احرام باندھنا چاہتا ہے اور اس کے ہاتھ میں نہیں بلکہ قفص میں صید حل ہے (۴) حرم میں داخل ہوا اور اس کے ہاتھ میں نہیں بلکہ قفص میں صید حل ہے اور قفص اس کے ہاتھ میں ہے یہ چار صورتیں جن میں دو صورتیں اخیر کی محل نزاع ہیں۔ ودلیل الاول ما فی غنیۃ الناسک ولو اخذ الصید فی الحل وھو محرم او فی الحرم وھو حلال لم یملکہ ووجب ارسالہ سواء کان فی یدہ او فی قفص معہ او فی بیتہ اھ (ص ۱۵۶) اور صورت ثانیہ کا حکم یہ ہے کہ یہ شکار محرم کی ملک ہے اور اس کے ذمہ اس کا چھوڑ دینا واجب ہے مگر اس طرح کہ ضائع نہ ہو مثلاً گھر میں بند کر کے چھوڑ دے یا کسی حلال خارج حرم کے پاس امانت رکھ دے یا قفص میں چھوڑ دے قال فی اللباب وشرحہ ولو اخذ صیدا فی الحل وھو حلال ثم احرم ملکہ ای ملکا مستمرا حیث لم یخرج بالاحرام من ملکہ ثم ان کان الصید فی یدہ لزمہ ارسالہ علی وجہ لا یضیع ملکہ ای ان شاء بقاءہ فی ملکہ بان یخلیہ فی بیتہ مغلقا علیہ فان الاستدامۃ علی اخذ الصید (بیدہ) فی حکم ابتداء صیدہ وان لم یرسلہ حتی مات فی یدہ لزمہ الجزاء اھ (ص ۲۰۲) اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اس طرح چھوڑے

کہ جانور ضائع نہو یہ اس وقت واجب ہے جبکہ اس کو اپنی ملک باقی رکھنا چاہے اور اگر بطور اباحت کے چھوڑ دے کہ جو پکڑے وہی مالک ہے اور اپنی مِلک میں باقی نہ رکھنا چاہے تو یہ بھی جائز ہے قال فی الدر وفی کراھۃ جامع الفتاوی شری عصافیر واعتقھا جاز الی ان قال من اخذھا فھی لہ قلت وحینئذ فتقید الاطارۃ بالاباحۃ قبل فتامل اھ قال الشامی لکن ظاھر ما قدمناہ عن القھستانی من حکایۃ القولین فی تفسیر الارسال ان من فسرہ بالاطارۃ لم یقید بالاباحۃ لانہ یقول ان الارسال واجب فلم یکن فی معنی التسیب المحظور و من فسر الارسال بالودیعۃ فکانہ یقول حیث امکنہ دفع التعرض للصید بھا فلاحاجۃ الی الاطارۃ المضیعۃ للملک لاندفاع الضرورۃ بدونھا اھ (۲ج۳۶۱) شامی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض روایات پر اطلاق واطارۃ مطلقاً جائز ہے اباحت کی قید کی ضرورت نہیں لیکن قواعد سے ترجیح اس کو معلوم ہوتی ہے کہ اگر قوم حاضر کو اباحت کر دے تب تو اطارۃ جائز ہے اور اگر اباحت نکرے تو جب تک ایداع وغیرہ کے ساتھ تضییع سے احتراز ہو سکے تو ایداع وغیرہ لازم ہے البتہ اگر ایداع وغیرہ بھی نہو سکے اور نہ اس کے سامنے ایسے آدمی حلال موجود ہوں جن کو اباحت کر سکے تو پھر اطارۃ مطلقاً جائز ہے قال فی غنیۃ الناسک فان کان الصید فی یدہ حقیقۃ وجب ارسالہ لکن لا بان یسیبہ لان تسییب الدابۃ حرام لانہ تضییع للملک بل یطلقہ علی وجہ لایضیع بان یخلیہ فی بیتہ اویودعہ عند حلال اویرسلہ فی قفص معہ فان لم یتیسر یسیبہ للضرورۃ لان ارسالہ مامور بہ اھ (ص۱۵۷) اور صورۃ ثالثہ کا حکم یہ ہے کہ جب صید ہاتھ میں نہیں بلکہ قفص میں ہے تو صحیح قول میں اس کے ذمہ اس کا چھوڑنا واجب نہیں اور اگر قفص وغیرہ میں مرجائے تو اس کے ذمہ ضمان نہ ہوگا اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ اس وقت بھی ارسال لازم ہے قال فی اللباب وشرحہ وان کان الصید فی بیتہ وکذا اذا کان فی قفصہ حال احرامہ لافی یدہ لایجب ارسالہ حتی لولم یرسلہ فمات لایضمن ای علی الصحیح وقیل لوکان القفص فی یدہ یجب ارسالہ اھ (ص۲۰۲) وکذا فی الدر مع الشامیۃ وزاد الشامی وقیل ان کان القفص فی یدہ یلزمہ ارسالہ لکن علی وجہ لایضیع ھدایۃ

وھو ضعیف کما فی النھر قال ح والظاھر ان مثلہ ما اذا کان الحبل المشدود فی رقبۃ الصید فی یدہ اور صورت رابعہ وخامسہ کا حکم یہ ہے کہ شکار تو ان دونوں صورتوں میں بھی صاحب ید کی ملک ہے۔ لیکن صورت رابعہ میں جبکہ شکار حقیقۃً اس کے ہاتھ میں ہو حرم میں اُس کو چھوڑ دینا واجب ہے۔ اور صورت خامسہ میں جبکہ شکار کو قفص میں لیکر داخل حرم ہوا اس کا ارسال واجب نہیں قال فی البحر تحت قول الکنز ومن دخل الحرم بصید ارسلہ ای فعلیہ ان یطلقہ لانہ لما حصل فی الحرم وجب ترک التعرض لحرمۃ الحرم اذ ھو صار من صید الحرم فاستحق الامن اراد بہ ما اذا دخل وھو ممسک لہ بیدہ الحاجۃ لانہ سیصرح بانہ اذا احرم وفی بیتہ او فی قفصہ صید لا یرسلہ فکذلک اذا دخل الحرم ومعہ صید فی قفصہ لا فی یدہ لا یرسلہ لانہ لا فرق بینھما فالحاصل ان من احرم وفی یدہ صید حقیقۃً او دخل الحرم کذلک وجب ارسالہ وان کان فی بیتہ او قفصہ لا یجب لارسالہ فیھما فنبہ بمسئلۃ دخول الحرم ھنا علی مسئلۃ الاحرام وبمسئلۃ المحرم اٰتیۃ علی مسئلۃ الحرم و لیس المراد من ارسالہ تسییبہ لان تسییب الدابۃ حرام بل یطلقہ علی وجہ لا یضیع ولا یخرج عن ملکہ بھذا الارسال حتی لو خرج الی الحل فلہ ان یمسکہ ولو اخذہ انسان یسترد ہ اھ (ص ۳۱ ج ۳)

اس سے معلوم ہوا جو حکم محرم کے ہاتھ میں حقیقۃً شکار کے ہونے کا ہے وہی حکم داخل حرم کے ہاتھ میں ہونے کا ہے اور جو حکم محرم کے ہاتھ میں حکماً یعنی قفص میں شکار ہونے کا ہے وہی حکم داخل حرم کے پاس قفص میں شکار کے ہونے کا ہے۔

پس غنیہ کی عبارت تحقیق بحر کے موافق ہے اور حضرت گنگوہی قدس سرہ نے زبدہ میں جو فرق کیا ہے کہ حرم میں داخل ہونے والے کے ذمہ مطلقاً ارسال کو لازم فرمایا ہے خواہ حقیقۃً اس کے ہاتھ میں ہو یا قفص میں ہو عبارت بحر اس کی نفی کر رہی ہے اور غالباً مولانا کے اس قول کا منشا لباب وشرح لباب وغیرہ کا اطلاق ہے لباب میں ہے ولو ادخل محرم او حلال

ل اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کا منشا وہ روایت ضعیفہ ہے جس کو شامی نے ہدایہ سے نقل کیا (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

صید الحل الحرم صار حکمہ حکم صید الحرم ای فعلیہ ارسالہ اھ اور شرح لباب ہے واما ان دخل الصید فی الحرم من الحل صار حکمہ حکم صید الحرم سواءٌ کان مملوکاً ام لا وسواءٌ دخل بنفسہ او ادخلہ غیرہ حلال او محرم ولا یدخل منہ شیٔ فی الحرم حیاً الا وجب ارسالہ اھ (ص ۲۰۶ و ۲۰۷) لیکن جب بحر سے ان اطلاقات کا اُس صورت کے ساتھ مقید[ل] ہونا معلوم ہوگیا جب صید حقیقۃً داخل کرنے والے کے ہاتھ میں ہو تو اس تصریح کے بعد اطلاق پر حمل نہ ہوگا اور شامی نے حاشیۂ بحر میں اس مقام پر کچھ کلام نہیں کیا نہ رد المحتار میں اس کے خلاف کچھ کہا البتہ رد المحتار کی بعض عبارات سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ داخل حرم کے ذمہ مطلقاً ارسال لازم ہو کیونکہ اس میں محرم کے متعلق تفصیل کر کے لکھا ہے وقد علمت مما قدمناہ ان ھذا کلہ فیما لو اخذ صیدا ثم احرم اما لو دخل بہ الحرم فانہ یلزمہ ارسالہ بمعنی اطارتہ وانہ لیس لہ ایداعہ لانہ صار من صید الحرم اھ (ص ۳۶۱ ج ۲) لیکن رد المحتار ہی کی دوسری عبارت سے اس حکم کا اُس صورت کے ساتھ مقید ہونا معلوم ہوتا ہے جبکہ شکار حقیقۃً ہاتھ میں ہو ونصہ ثم اعلم الذی یظھر من کلامھم ان ھذین القولین (فی تفسیر الارسال) فی المسئلۃ الثانیۃ فقط وھی من احرم فی الحل وفی یدہ صید اما الاولیٰ وھی لو دخل الحرم وفی یدہ صید فالواجب علیہ الارسال بمعنی الاطارۃ (ای لا بمعنی الایداع) لقولہ فی الھدایۃ علیہ ان یرسلہ فیہ ای فی الحرم و تعلیلہ لہ بانہ لما حصل فی الحرم وجب ترک التعرض لہ لحرمۃ الحرم و صار من صید الحرم اھ (ص ۳۶۰ ج ۲) اس میں صاف تصریح ہے کہ داخل حرم پر

(حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ سے) ہے کیونکہ وہ روایت محرم کے بارہ میں ہے اگر اس کی وجہ سے دخول حرم کی صورت میں ارسال کو مطلقاً واجب کہا جائے گا تو محرم کے مسئلہ میں بھی اطلاق ارسال ماننا پڑے گا۔ حالانکہ مولانا محرم اور داخل حرم کے حکم میں فرق کر رہے ہیں۔ ۱۲ منہ

[ل] ویؤیدہ ما فی الادب المفرد للبخاری ان الصحابۃ کانوا یدخلون مکۃ بصید فی اقفاصھا۔

ارسال جب واجب ہے کہ شکار اس کے ہاتھ میں ہو وصرح بہ فی الغر رشرح الدرر حیث
قال حلال دخل الحرم بصید فی یدہ ای یدہ الحقیقیۃ التی ھی الجارحۃ
حتی اذا کان فی رحلہ او تقفصہ لایجب علیہ الارسال ذکرہ تاج الشریعۃ ارسلہ
ای علیہ ان یرسلہ اھ (ص ۲۵۲ ج ۱) وھذا عین ماصرح بہ صاحب البحر
واما ما فی التحریر المختار علی قول الدر ولو القفص فی یدہ بدلیل اخذ
المصحف الخ نازع الشیخ محمد طاھر بان قیاس القفص علی الغلاف قیاس
مع الفارق لان المامور بہ فی المصحف عدم المس فاذا اخذہ بغلافہ
لایکون ماسًا والمامور بہ فی الصید عدم التعرض ومن اخذہ بیدہ
حال کونہ فی القفص فھو متعرض للصید لامحالۃ واعتمد ان من دخل
الحرم حلالاً اوحرامًا وفی یدہ اوقفص معہ اوفی ید خادم معہ صید الآن
وجب ارسالہ الصید بعد دخولہ فی الحرم بای وجہ کان لانہ صار
صید الحرم واستند لذلک بکثیر من عبارات المؤلفین فانظرہ اھ (ص ۲۶۷ ج ۱)
ففیہ اوّلاً انہ کلام علی الدلیل ولوتم للزم کون المحرم متعرضًا للصید
ایضًا حال کونہ فی القفص فیجب علیہ ارسالہ والمتون قاطبۃً علی خلافہ
فی مسئلۃ المحرم فان قال الشیخ طاھر بالفرق فی المحرم وفی من دخل الحرم
فعلیہ البیان وان سوی بینھما فقد مر عن النھر تضعیف القول بوجوب
الارسال علی المحرم اذا کان الصید معہ فی القفص مع ان الکلام فی الدلیل
لایستلزم الکلام فی المسئلۃ لاحتمال بناءھا علی دلیل اٰخر فلنا ان نقول
ان القفص مثل البیت فکما یجوز المشیٔ علی بیت فیہ المصحف ولیس ذلک
کالمشیٔ فوقہ بعینہ فکذلک الصید فی القفص لیس اٰخذہ متعرضًا بل
ھو قابض علی بیتہ کما اذا دخل الحرم وفی بیتہ صید۔ ہاں ایک فرق البتہ
ہے کہ محرم کے ہاتھ میں شکار ہو تو اس کے لئے بعد احرام کے ارسال دونوں طرح جائز ہے خواہ
بطریق اطارۃ خواہ بطریق ایداع اور داخل حرم کے ہاتھ میں حقیقۃً ہو تو اس کو ایداع جائز
نہیں بلکہ ارسال بطریق اطارۃ واجب ہے پس غنیہ کا یہ قول ھذا اذا احرم واما اذا
دخل بہ الحرم فیرسلہ فی تقفص معہ فان لم یتیسر یسیبہ فی الحرم اھ (ص ۱۵۷)

تحقیق شامی کے خلاف ہے اور قواعد کے بھی خلاف ہے کیونکہ جب وہ ہاتھ میں لیکر داخل حرم ہو تو وہ صید صید حرم ہوگیا جس سے عدم تعرض واجب ہے اور اس کو قفص میں بند کرنا بھی تعرض ہے ہاں اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ دخول حرم سے پہلے اُس کو قفص میں بند کر دے اور قفص میں لیکر داخل حرم ہو اور دخل بہ الحرم کو ارادہ دخول پر محمول کیا جائے تو یہ کلام صحیح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حالت احرام میں اعذار متعددہ کی وجہ سے مختلف سلے ہوئے کپڑے پہننے سے کفارہ واحدہ واجب ہوگا یا متعددہ

تنبیہ :۔ ایک سوال وجواب طویل الذیل مولوی شیر محمد صاحب ساکن گھوٹکی ضلع سکھر ملک سندھ نے یہاں بھیجا جس میں جنایت فی الحج کے ایک مسئلہ میں بعض اہل فتاویٰ سے ان کو اختلاف تھا یہاں سے انہوں نے محاکمہ چاہا اس لئے صورت مسئولہ کو منقح کر کے اور طرفین کے دلائل بیان کر کے اخیر میں محاکمہ لکھا جائے گا فقط

تحریر محل النزاع

محل نزاع یہ ہے کہ اگر ایک شخص کو ایک وقت میں دو یا زیادہ اعضاء میں لبس مخیط کی ضرورت لاحق ہو اور نوع ضرورت مختلف ہو مثلاً عمامہ دردسر کی وجہ سے باندھے اور قمیص بوجہ سردی کے پہنے تو اس صورت میں کفارہ مخیرہ واحد ہوگا یا متعدد ایک صاحب اتحاد کفارہ کے قائل ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ تعدد سبب جو فقہاء کے نزدیک موجب تعدد کفارہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تعدد ضرورت و عدم ضرورت کی وجہ سے ہو یا ایک ضرورت زائل ہو جانے کے بعد دوسری ضرورت پیدا ہو اور اگر تعدد ضرورت و عدم ضرورت سے ناشی نہ ہو بلکہ ضرورت ہی سے تعدد ہو گو نوع ضرورت ہر فرد میں جدا ہو تو یہ سب فعل واحد شمار ہوگا اور جزا واحد لازم ہوگی لما فی المناسک فان تعدد السبب کما اذا اضطر الی لبس ثوب فلبس ثوبین فان لبسهما علی موضع الضرورة ای بعینها نحو ان یحتاج الی قمیص فلبس قمیصین او قمیصاً وجبةً او یحتاج الی قلنسوة فلبسها مع العمامة فعلیه کفارة واحدة لان محل الجنایة متحد فلا نظر الی فعل المتعدد (یتخیر فیها (ای فی الکفارة) لوقوع اثر الجنایة للضرورة ما صرح به فی المحیط وکذا اذا لبسهما علیٰ موضعین لضرورة بهما فی مجلس واحد بان لبس عمامة وخفاً بعذر

فیهما فعلیه کفارة واحدة وهی کفارة الضرورة لان اللبس علی وجه واحد فیجب کفارة واحدة وان لبسهما علیٰ موضعین مختلفین موضع الضرورة وغیر الضرورة کما اذا اضطر الی لبس العمامة فلبسها مع قمیص مثلاً او لبس قمیصا للضرورة وخفین من غیر ضرورة فعلیه کفارتان کفارة الضرورة یتخیر فیها وکفارة الاختیار لا یتخیر فیها ای بل یتحتم الکفارة فیها اھ الیٰ ان قال ناقلا عن الکرمانی لان ھذا اللبس غیر اللبس الاول ای لاختلاف الوصفین کونهما بعذر وبغیرہ فکانا کشیئین متغایرین سواء فی مجلس او مجلسین اھ (ص ۱۶۵) ویؤیدہ ایضا ما فی البدائع اذا کان بہ جرح او قرح اضطر الی مداواته بالطیب انه مادام باقیا فعلیه کفارة واحدة فان تکرر علیه الدواء لان الضرورة باقیة فوقع الکل علیٰ وجه واحد ولو برأ ذلك القرح او الجرح وحدث قرح آخر او جراحة اخریٰ فداواها بالطیب یلزمه کفارة اخریٰ لان الضرورة قد زالت فوقع الثانی علی غیر الوجه الاول ولو جرح له جرح او اصابه قرح وهو یداویه بالطیب فخرجت قرحة اخریٰ او اصابه جرح آخر والاول علیٰ حاله لم یبرأ فداوی الثانی فعلیه کفارة واحدة لان الاول لم یبرأ فالضرورة باقیة فالمداواة الثانیة حصلت علی الجهة التی حصلت علیه الاولیٰ فیکفیه کفارة واحدة اھ (ص ۱۸۸ و ۱۸۹ ج ۲)

اس میں ایک زخم کے اچھا ہونے کے بعد دوسرا زخم یا دمل ہونے کو توسبب آخر شمار کیا ہے اور ایک زخم یا دمل کے ساتھ دوسرا زخم یا دمل دوسرے موقع پر ہو جائے تو اس کو سبب آخر شمار نہیں کیا بلکہ سب کو جہت واحد میں داخل کیا ہے اور علت یہ بیان کی ہے۔ لان الاول لم یبرأ فالضرورة باقیة. اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بقاء عذر اول کے ساتھ دوسرے اعضاء میں عذر کا پیدا ہونا اور اس کی وجہ سے عضو ثانی میں محظور کا ارتکاب کرنا جنایت اُخریٰ نہیں بلکہ جنایت اولیٰ ہی میں متداخل ہے لبقاء الضرورة ہاں عضو ثانی میں ارتکاب محظور بلا ضرورت ہو یا بعد زوال ضرورة اولیٰ ہو تو کفارہ ثانیہ لازم ہوگا۔ یہ تو ایک فریق کے دلائل تھے دوسرا فریق صورت مذکورہ میں تعدد کفارہ کا قائل ہے

اور وہ مناسک کی اس عبارت سے استدلال کرتے ہیں قد یتعدد الجزاء ای کفارۃ المحظور فی لبس واحد بامور ای خمسۃ: الاول التکفیر بین اللبسین والثانی تعدد السبب ای بان لبس فی موضعین احدھما العذر والآخر لغیر عذر اولعذر آخر؂ اھ (ص ۱۶۷)

فریق اول کہتا ہے کہ اس عبارت میں اولعذر آخر کا مطلب اولحدوث عذر آخر بعد زوال الاول ہے نہ یہ کہ وقت واحد میں دو موضع میں الگ الگ عذر ہو تو ہر عضو میں لبس مخیط سے کفارہ متعدد ہو کیونکہ یہ خلاف تصریحات سابقہ ہے اور دلیل اس تاویل کی یہ ہے کہ صاحب لُباب نے جو آگے چل کر کہا ہے والرابع حدوث عذر آخر تو شارح نے اس کی شرح میں کہا ہے قد شملہ ماتقدم فتدبر اور ماتقدم اگر اس کو شامل ہے تو اس کی یہی صورت ہے کہ سبب ثانی میں اولعذر آخر کو حدوث عذر آخر بعد زوال اول پر محمول کیا جاوے۔

احقر کہتا ہے کہ میرے نزدیک فریق اول کے دلائل قوی ہیں اور وہی قول صحیح ہے، واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۲۶ رمضان ۴۳ھ۔

ھذا التحقیق کاف شاف۔ اشرف علی ۲۷ رمضان ۴۳ھ

رفض احرام حج سے ایک دم اور ایک حج لازم ہوگا یا دو دم اور دو حج

سوال (۳) یلملم سے احرام حج کا باندھا پھر جب جدہ میں آیا تو احرام توڑ کر کپڑے وغیرہ پہنکر مدینہ طیبہ چلا گیا پھر جب مدینہ طیبہ سے واپس ہوا تو پھر ذوالحلیفہ سے دوبارہ حج کا احرام باندھا تو آیا اس صورت میں کے حج اور کے دم لازم آتے ہیں یہاں کے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس پر دو حج اور دو دم اور ایک عمرہ لازم ہوگا دو دم لازم ہونے میں وہ فرماتے ہیں کہ ایک دم تو اس وقت لازم ہوا جب اس نے رفض کرکے کپڑے پہنے اور دوسرا دم اس وقت لازم ہوا جب دوسرے حج کا احرام باندھ کر اس کے افعال شروع کئے کیونکہ پہلے رفض کے وقت فقط کپڑے پہننے سے وہ اچھی طرح احرام سے باہر نہیں آیا تھا اب جب اس ثانی احرام سے حج کے افعال شروع کئے تو اب اس کا رفض متحقق ہوا دوسرا

؂ عطف علی قولہ فی موضعین تحت قولہ لبس ومعناہ بان لبس فی موضعین اولبس لعذر آخر (بعد زوال الاول) سواء کان اللبس فی موضع واحد او موضعین ۱۲ ظ

دم اب لازم ہوا۔ اس میں جو تحقیق ہوا رقام فرماویں ؟
الجواب ؛ اقول و باللہ التوفیق ۔ صورت مسئولہ میں اس شخص پر جس نے جدہ میں رفض احرام حج کیا اور مدینہ چلا گیا اور واپسی میں پھر احرام حج باندھا دو حج اور دو دم لازم نہ آئیں گے بلکہ احرام ثانی عین احرام اول ہے کیونکہ اس شخص نے احرام ثانی سے حج آخر کی نیت نہیں کی بلکہ اسی حج کی نیت کر رہا ہے جو احرام اول سے اس پر لازم ہوا تھا اس لئے احرام ثانی سے اس پر دم آخر بھی لازم نہ آئے گا بلکہ صرف ایک دم لازم آئے گا۔ قال فی اللباب مع شرحہ للقاری۔ ولو اھل الفائت بحجۃ اُخریٰ قبل الفراغ من الاولیٰ فان کان ینوی بہ قضاء الفائتۃ فھی بعینھا ولا یلزم بھذا الاھلال شیٔ ای سوی التی ھو فیھا فیتحلل بالطواف والسعی کما لو لم یھل بہ ونیتہٗ بالثانیۃ لغو لا اعتبار لھا وعلیہ قضاء الاولیٰ لا غیر لکون الثانیۃ لغواً وان نویٰ بہ ای باھلالہ حجۃ اخریٰ رفضھا ای الحجہ ویحل بافعال العمرۃ لما تقدم مع ما فیہ من الخلاف[۱] وعلیہ قضاء حجتین وعمرۃ ودمٌ ای عند ابی حنیفۃ خلافا لھما لما تقدم عنھما اھ (۲۴۵) اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ احرام ثانی سے اگر قضاء اولیٰ یا عود الی الاولیٰ کی نیت ہو تو اُس سے بالاتفاق حج ثانی لازم نہیں آتا۔ بلکہ حج ثانی صرف امام صاحب کے نزدیک جب لازم آتا ہے کہ احرام اول کو باقی سمجھ کر اس کے علاوہ حج آخر کی نیت سے احرام باندھے۔ اور صورت مسئولہ میں ایسا نہیں ہے کیونکہ جو

---

[۱] ای بین الشیخین ومحمدٍ فانہٗ اذا اھل بحجتین معًا او بحجۃٍ ثم حجۃ مقترنتین لزمہ جمیع ذلک غیر انہ یرتفض احدٰھما فی المعیۃ والثانیۃ فی التعاقب عندھما وعند محمدٍ یلزمہ احدٰھما فی المعیۃ والاولیٰ فقط فی التعاقب وثمرۃ الخلاف تظھر فیما اذا جنی قبل السیر او الشروع فی الاعمال فعلیہ دمان عند ابی حنیفۃ للجنایۃ علی الاحرامین ودمٌ واحدٌ عند محمدٍ لعدم انعقاد احدٰھما وکذا عند ابی یوسف لان الثانی وان انعقد ولکنہ ارتفض بلا مکث کما فرغ من قولہ لبیک بحجتین کما فی المناسک ایضًا (ص ۱۵۸) مؤلف

⁂⁂⁂

جاہل جدہ سے رفض احرام کرکے واپسی از مدینہ کے وقت احرام ثانی کی نیت کرتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ احرام اول رفض سے مرتفض ہوگیا پھر اسی کی قضا کی نیت سے دوسرا احرام باندھتا ہے کما هو ظاهر پس اس پر دو حج کا لازم کرنا صحیح نہیں بلکہ یہ کہا جائے گا کہ احرام ثانی عین احرام اول ہے۔ رہا دم سو ہمارے نزدیک اس پر ایک دم لازم آئے گا قال الشامی عن اللباب واعلم ان المحرم اذا نوی رفض الاحرام فجعل یصنع ما یصنعه الحلال من لبس الثیاب والطیب والحلق والجماع وقتل الصید فانه لا یخرج بذلك من الاحرام وعلیه ان یعود کما کان محرما ویجب دم واحد لجمیع ما ارتکب ولو کل المحظورات وانما یتعدد الجزاء بتعدد الجنایات اذا لم ینو الرفض ام جلد ثانی باب الجنایات ص۲۰۷ دهلی۔

اور بعض علماء نے جو وجوب دمین کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ احرام ثانی سے رفض متحقق ہوگیا لہٰذا دوسرا دم تحقق رفض کی وجہ سے لازم آئے گا الخ یہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے یہاں احرام ثانی سے تحقق رفض ہی نہیں ہوا کما تقدم بلکہ ثانی عین اول ہے۔ دوسرے تحقق رفض سے دم ثانی کا واجب کرنا یہ نہ معلوم کہاں سے لکھا گیا ہے ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ نیت رفض سے ایک دم ہوا اور تحقق رفض سے دم آخر فان قام دلیل صریح ووجه صحیح فلا م مسلم والا فلا۔ ہاں اگر یہاں تحقق رفض ہو جاتا تو وجوب دمین کی یہ علت ہوسکتی تھی کہ ایک دم رفض کی وجہ سے ہر دوسرا جمع بین النسکین کی وجہ سے کما صرح به فی اللباب مع شرحه عن البحر (ص۱۱۲) وفیه اختلاف الروایتین کما فصله فیه هذا، والله اعلم ۱ر شوال ۴۴ھ

احرام میں ازار بدلنا جائز ہے

سوال ( ) زید کو عارضہ فتق کا ہے کلوخ لینے سے مجبور رہتا ہے اور اکثر خون بواسیر کا کپڑے میں ٹپک جاتا ہے اور دھار پیشاب کی بعد طہارت کے کپڑے پر گر جاتا ہے جس سے وہ کپڑا ہمیشہ نجس ہو جاتا ہے چنانچہ اس کے دفعیہ و رفع شک کے لئے اس نے ہمیشہ یہ بات اختیار کی ہے کہ نماز کے وقت دوسرا تہمند باندھ کر نماز پڑھتا ہے اور بعد نماز اس تہمند کو اتار کر سابق تہمند پہن لیتا ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب کہ احرام حج کا تہمند باندھ چکا ہو ایسی حالت میں بوقت نماز دوسرے اس تہمند کو باندھ سکتا ہے یا نہیں یعنی تبدیل کرسکتا ہے یا اسی نجس تہمند سے نماز پڑھتا رہے۔

الجواب : احرام میں یہ ضرور نہیں کہ ایک ہی چادر اور ایک ہی لنگی اول سے آخر

تک بدن پر رہے بلکہ چادر اور لنگی کو بدلتے رہنا جائز ہے پس صورت مسئولہ میں سائل لنگی کو بدل سکتا ہے۔

احرام میں ہمیانی باندھنے کا حکم

سوال (۵) ڈوریا یعنی تھیلے سلے ہوئے جو بغرض حفاظت نوٹ روپیہ وغیرہ کمر میں باندھا جاتا ہے آیا کمر میں باندھ سکتے ہیں یا نہیں علاوہ اس کے فتق کی کمانی جو عموماً چمڑہ اور تاگے سے بنی ہوتی ہے حالت احرام میں کمر میں باندھ سکتے ہیں؟ کیونکہ عارضہ موجود ہے۔

الجواب: نوٹ اور روپیہ کی حفاظت کے لئے کمر سے تھیلی باندھنا اور عارضہ فتق کی وجہ سے پیٹی باندھنا بھی جائز ہے۔ یہ اس مخیط میں داخل نہیں جس کی احرام میں ممانعت ہے۔ احرام میں وہ مخیط ممنوع ہے جو جسم کی وضع وتراش پر سلا ہوا ہو، فقط۔ ۱۲ شعبان ۲۵ھ

محظورات احرام کا ارتکاب بلاعذر کردے اور دم وصدقہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو روزے رکھنا کافی ہے یا نہیں

سوال (۶) محرم اگر محظوراتِ احرام کا ارتکاب بلاعذر عمداً کرے اور دم وصدقہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو اس کو دم کے عوض روزہ رکھنا کافی ہے یا نہیں؟

الجواب: روزہ رکھنا بھی اس حالت میں کافی ہے جب کہ وہ اراقۃ دم وادا صدقہ سے عاجز ہو وقد ذکر العلامۃ زین الدین ابن نجیم فی البحر والملا رحمۃ اللہ السندی فی منسکہ ان المحرم اذا ارتکب المحظور علی وجہ الکمال من غیر عذر وضرورۃ فعلیہ الدم ولا یجزئہ الصوم عند عجزہ عن الدم قلت بل المقرر المنصوص علیہ فی کثیر من کتب المذہب المعتبرۃ اجزاء الصوم عند العجز عن الدم قال فی الاسرار للشیخ الاجل الامام القاضی ابی زید الدبوسی قال علماءنا فی کفارۃ الحلق واللبس والتطیب والقص اذا وجبت عن عذر کان المکفر فیھا بالخیار بین النسک والصدقۃ والصیام و اذا وجبت عن عمدٍ وجبت علی ترتیب الھدی اولا فان لم یجد فالصدقۃ فان لم یجد فالصیام وقال یتخیر المکفر عن الحلق فی الحالین۔ ویترتب علیہ الوجوب عن اللبس والطیب فی الحالین انتھی وفی المحیط للبرھانی فی نوع اللبس من الفصل الخامس وان لبس مالا یحل لبسہ من غیر

ع‍ه نقل لنا ھذہ العبارات الفقھیہ صدیقنا المولوی شیر محمد السندی عن رسالۃ المخدوم ھاشم السندی فی المناسک فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔ ۱۲ ظفر

ضرورة اراق لذلك دماً وان لم يجد صام ثلثة ايام ثم ذكر بعده فى نوع الحلق وفى الاصل حلق المحرم رأسه بغير عذر اراق دما وان لم يجد صام ثلثة ايام وان فعل ذلك بعذر يتخير بين الكفارات الـ ثلثة على ما مر انتهى. وذكر فى الذخيرة ايضاً مثل ما ذكره فى نوع اللبس وذكر فى الظهيرية ومنسك الفارسى مثله وفى المبتغى ويلبس مالا يحل لبسه بغير ضرورة يلزمه دم و بفقده صوم ثلثة ايام انتهى. فهذه نصوص صريحة فى اجزاء الصوم عند العجز عن الدم واما تضعيف ابن نجيم كلام الظهيرية بما نقله عن الامام الاسبيجابى فليس بصحيح اذ ليس فى كلامه صريحاً ما يخالفه ما فى الظهيرية بل هو موافق لها على ما نبينه قال الاسبيجابى فى شرح المختصر للطحاوى فى باب ما يجتنبه المحرم فان لبس المخيط يوماً كاملاً من غير ضرورة فعليه لذلك دم لا يجزئه غيره الى ان قال وان فعل ذلك لعلة او ضرورة فعليه اىّ الكفارات شاء ذكر مثله فى الحلق ايضاً. فنقول مثل هذه العبارات موجودة فى غيرها كالكافى للحاكم الشهيد والمبسوط للسرخسى وغاية البيان شرح الهداية والبدائع والتجريد لابى الفضل الكرمانى حيث قالوا واما اذا فعل ذلك من غير ضرورة يتعين فيه الدم ولا يجزئه الصوم انتهى. فقول الاسبيجابى وغيره فعليه لذلك دم لا يجزئه غيره كلام مطلق قابل للتقييد بما اذا كان قادراً وما فى الظهيرية والاسرار والمحيط وغيرها صريح فى جواز الصوم عند العجز وقد تقرر فى كتب الاصول ان المطلق يحمل على المقيد فى الادلة فيما اذا اتحد الحكم والحادثة فكيف فى الروايات ومما يدل ايضاً على ان الكلام للامام الاسبيجابى ومن وافقه فى الاطلاق محمول على ما اذا كان قادراً انهم قالوا واذا فعل ذلك بعذر فعليه اى الكفارات الثلاث شاء ولا شبهة فى ان التخيير بين الكفارات الثلاثة انما يتصور من الغنى القادر اما الفقير العاجز فيتعين فى حقه الصوم لانه لا قدرة له على غيره وجهد المقل دموعه فان قلت قدمت عن الاسرار ان الكفارات اذا وجبت عن عمدٍ وجبت على ترتيب الهدى ثم الصدقة

تم الصیام والذی تقدم عن المحیط والظهیریۃ وغیرھا وجوب الدم اولا فان لم یجد فصیام ولم یذکر والصدقۃ فکیف التوفیق بین الکلامین قلتُ: الظاھر ان الغالب ان من لم یجد الدم لا یجد الصدقۃ فقالوا بجواز الصوم عند عدم الدم بناء علی الغالب والذی فی الاسرار بناء علی الامکان وحقیقۃ الامر فلا تدافع اھ نقلتھا من رسالۃ السید محمد امین بن حسن میرغنی الحسینی المکی الحنفی من عینہ۔ قالہ المخدوم ھاشم السندی الفقیہ فی بیاضہ وھو من معاصری العلامۃ ابن عابدین الشامی ولہ باع طویل ونظر واسع فی الفقہ ھذا وقال العلامۃ ابن عابدین فی حاشیۃ البحر علی قولہ وبھذا ظھر ضعف ما قدمناہ عن الظھیریۃ من انہ ان لم یقدر علی الدم صام ثلثۃ ایام ولم ارہ لغیرھا اھ ما نصہ وفی حاشیۃ المدنی بعد ذکرہ کلام المؤلف ونقل الملا رحمۃ اللہ فی منسکہ الکبیر نحوہ ونقل عن الفارسی والبحر العمیق نحو ما ذکرہ فی الظھیریہ علی وجہ الاعتراض علیھما قال شیخنا مولانا السید محمد امین میرغنی بعد نقل عبارتھما فی رسالۃ لہ قلت بل المقرر المنصوص علیہ فی کثیر من کتب المذھب المعتبرۃ اجزاء الصوم عند العجز عن الدم کما نملیہ علیک وسرد الاقوال المویدۃ لکلامہ فراجعھا ان شئت اھ (ص ۱۳/۲۲) ۔ ۷ شوال سنۃ ۴۶ھ

سوال (۷) عورت حالت احرام میں چہرہ کس چیز سے ڈھانپے؟ بمبئی میں جو کھجور کا پنکھا چہرہ ڈھانپنے کے لئے فروخت ہوتا ہے اس کو مولانا موصوف نے ناکافی لکھا ہے۔

عورت حالت احرام میں چہرہ کس چیز سے ڈھانپے

الجواب: ہاں وہ پنکھا تو ناکافی ہے بہتر صورت یہ ہے کہ چھجے دار ٹوپی سر پر رکھ کر اوپر سے برقعہ اوڑھ لے اس صورت میں چہرہ پر کپڑا نہ پڑے گا۔

سوال (۸) سفر حج کے زمانہ میں عورت کو جہاز پر چڑھنے اترنے کی حالت میں اس اندیشہ سے کہ زنانہ جوتا ازدہام کی وجہ سے کسی کے پیر سے دب کر عورت گر جائے گی مردانہ جوتا پہننا جائز ہے یا نہیں؟

بحالت احرام عورت کو مردانہ جوتا پہننا کیسا ہے

الجواب: یہ اندیشہ محض وہم ہے ہزارہا مستورات زنانہ جوتا پہن کر حج کر چکی ہیں۔ کوئی بھی نہیں گری۔

میقات سے مکہ جانیکا ارادہ نہ ہو تو میقات سے احرام باندھنا ضروری نہیں

سوال (۹) زید بارادۂ حج جارہا ہے اور قصداً اس کا یہ ہے کہ میں اول جدہ سے مدینہ شریف جاؤں تو اس حالت میں اس کو میقات یلملم پر احرام باندھنا لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: نہیں۔ میقات سے احرام باندھنا جب واجب ہے کہ میقات سے مکہ جانیکا ارادہ ہو۔

محرم عینک لگا سکتا ہے یا نہیں

سوال (۱۰) محرم چشمہ لگا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: لگا سکتا ہے۔

فصل فی القران والتمتع

آفاقی جدہ سے احرام باندھکر مکہ جاکر عمرہ کرکے مدینہ چلا جائے تو واپسی میں قران یا تمتع کرسکتا ہے یا نہیں

سوال (۱) بخدمت جناب مولانا الحاج مولوی محمد ظفر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اب ذیل مسئلہ کثرت الوقوع درپیش ہے ان کو اچھی طرح واضح کرکے ارقام فرماویں تو درج کیا جاوے۔ **مسئلہ** آفاقی اپنے وطن سے اس سال کے حج کرنے کی غرض سے اشہر الحج میں نکلا اور وطن سے چلتے وقت یا میقات سے یہ قصد کیا کہ حد حرم سے باہر باہر مثلاً جدہ سے رابغ یا ینبوع سے ہوتے ہوئے پہلے مدینہ طیبہ کی زیارۃ سے مشرف ہوکر بعد میں آکر حج کریں گے اس لئے میقات سے احرام نہ باندھا پس جب حل میں پہنچا جیسے جدہ میں آیا تو وہاں سے مدینہ طیبہ کا راستہ بند ہوگیا اس لئے مکہ مکرمہ کو جانا پڑا۔ اب جدہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ میں عمرہ بجالایا گیا پھر مدینہ چلا گیا اب جو مدینہ سے واپسی ہوگی تو یہ شخص ذوالحلیفہ سے قران کرسکتا ہے یا نہ کیونکہ جب یہ جدہ یعنی حل سے اشہر حج میں عمرہ کا احرام باندھ کر آیا تو یہ حلی کے حکم میں ہے گویا اب یہ مکی ہے اب اشہر حج میں باہر میقات سے گیا تو اب وہ قران نہیں کرسکتا اگر کرے گا تو دم اسارت لازم ہوگا۔ اور اگر وہاں سے فقط حج کرے تو متمتع بھی نہ ہوگا کیونکہ عمرہ اس کا آفاقی نہیں ہے اور وہاں سے پھر تمتع کرے یعنی عمرہ کا احرام باندھے تو بھی منع ہے کیونکہ مکی کے حکم میں ہے اس مسئلہ کو میں تو یہی سمجھا ہوں مناسک متوسط اور غنیۃ الناسک میں یہ قواعد ہیں یہ مسئلہ تو غنیۃ الناسک میں صریح ہے کہ جو حاجی آفاقی اشہر الحج میں آکر عمرہ بجالاوے پھر مدینہ طیبہ کو گیا اور وہاں سے قران کرکے آوے تو دم اسارت لازم ہے سابق صورت بھی ایسی ہی ہے تحقیق

سے جواب عنایت ہو اکثر حاجی ایسا کرتے ہیں۔

الجواب: اقول وباللہ التوفیق قال فی شرح اللباب فی باب المواقیت وان لم یعلم المحاذاۃ فعلی مرحلتین من مکۃ کجدۃ المحروسۃ من طرف البحر اھ (ص ۳۰) وفی غنیۃ الناسک فشرائط صحتہ (ای التمتع) ان یکون من اہل الآفاق والعبرۃ للتوطن (ص ۱۱۳) وفیہ ایضا ولا یشترط ان یکون احرام العمرۃ من المیقات ولا احرام الحج من الحرم بل ہو من الواجبات اھ وفیہ ایضا الخامس عدم الالمام الصحیح وہو ان یرجع الی اہلہ بعد العمرۃ حلالا ولو عاد الی غیر اہلہ الی موضع لا اہلہ التمتع والقران اتخذہا دارا اولا توطن لہا اولا ثم حج من عامہ یکون متمتعا عندہ لا عندہما ولو خرج من الحرم ولم یجاوز المیقات وحج من عامہ یکون متمتعا بالاتفاق اھ ص ۱۱۴ وفیہ ایضا وہو متمتع ان حج من عامہ وکذا لو خرج الی الآفاق لحاجۃ فقرن لا یکون قارنا عند ابی حنیفۃ وعلیہ رفض احدہما ولا یبطل تمتعہ لان الاصل عندہ ان الخروج فی اشہر الحج الی غیر اہلہ کالاقامۃ بمکۃ فکانہ لم یخرج وقرن من مکۃ واما عندہما فکالرجوع الی اہلہ فاذا خرج بطل تمتعہ ثم اذا قرن من المیقات کان قارنا اھ (ص ۱۱۵)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں صاحبین کے نزدیک جب یہ شخص مکہ سے مدینہ چلا گیا اور میقات سے تجاوز کر گیا اب یہ آفاقی ہوگیا اور واپسی میں اس کو قران و تمتع دونوں جائز ہیں کیونکہ خروج الی الآفاق وتجاوز عن المیقات سے تمتع اول باطل ہوگیا اور امام صاحب کے نزدیک تمتع باطل نہیں ہوا اس لئے اس کو مدینہ سے واپسی میں قران و تمتع نہ کرنا چاہئے اور امام صاحب کے قول پر عمرۂ اولیٰ کی وجہ سے تمتع اس طرح صحیح ہوگیا کہ تمتع کے لئے عمرہ کا آفاقیہ ہونا شرط صحت نہیں بلکہ واجبات سے ہے بدون عمرۂ آفاقیہ کے بھی تمتع ہوسکتا ہے گو دم اساءت لازم آئے گا۔

مگر میرے نزدیک صورت مسئولہ میں دم اساءت بھی لازم نہیں کیونکہ آفاقی ہندی کا جدہ سے احرام باندھنا بھی احرام من المیقات ہی ہے کیونکہ میقات اور محاذات میقات کا جہاز میں ہم کو علم نہیں ہوسکتا سوائے قول کافر پر اعتماد کرنے کے اور وہ معتبر نہیں پس جہاز میں احرام باندھنا صرف افضل ہے واجب نہیں بلکہ جدہ سے احرام واجب ہے اور وہی آفاقی ہندی کی اصل میقات ہے

پس عمرہ آفاقیہ ہوا اور دم اسارت لازم نہ ہوا نہ قول امام میں نہ قول صاحبین میں اور اگر قول امام پر اسقاط دم اسارت میں تکلف ہو تو قول صاحبین پر اس کا سقوط ظاہر ہے اور جب ابتلاء عام ہے تو اس مسئلہ میں قول صاحبین پر فتویٰ دینا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ ۱۳ محرم ۴۶ھ

فصل فی الوصیۃ بالحج والحج عن الغیر

حج بدل کرنے والے کے لئے تمتع کا حکم

سوال (۱) آج کل رمضان کے بعد چونکہ سمندر میں طغیانی کا موسم ہوتا ہے اس لئے اکثر حجاج اس کی کوشش کرتے ہیں کہ رمضان میں یا اس سے پہلے حج کے لئے ہندوستان سے روانہ ہو جائیں مگر اس صورت میں حج بدل کرنے والوں کو سخت پریشانی پیش آتی ہے کہ اگر وہ حج کا احرام میقات سے باندھیں تو احرام بہت طویل ہو جاتا ہے جو باعث تکلیف ہے اور اگر تمتع کریں تو بعض علما فرماتے ہیں کہ حج بدل والے کو تمتع جائز نہیں امید ہے کہ اس صورت میں حکم شرعی سے مفصل و مدلل اطلاع دی جاوے تاکہ حج بدل والے اس پریشانی و حیرانی سے نجات پاویں۔ والسلام۔

الجواب؛ قال فی الشامیۃ تحت قول الدر (وھو الحیلۃ لمن یرید ذلک الا لمامور بالحج للمخالفۃ) ذکرہ فی البحر بحثاً بقولہ وینبغی ان لا یجوز ھذہ الحیلۃ للمامور بالحج لانہ حینئذ لم یکن سفرہ للحج ولانہ مامور بحجۃ اٰفاقیۃ واذا دخل مکۃ بغیر احرام صارت حجتہ مکیۃ فکان مخالفا و ھذہ المسئلۃ یکثر وقوعھا فیمن یسافر فی البحر الملح وھو مامور بالحج ویکون ذلک فی وسط السنۃ فھل لہ ان یقصد البندر المعروف بجدۃ لیدخل مکۃ بغیر احرام حتی لا یطول الاحرام علیہ لو احرم بالحج فان المامور لیس لہ ان یحرم بالعمرۃ اھ ای لانہ اذا اعتمر ثم احرم بالحج من مکۃ یصیر مخالفا فی قولھم کما فی التتارخانیۃ عن المحیط وھل مخالفتہ لکونہ جعل سفرہ لغیر الحج المامور بہ او لکونہ لم یجعل حجتہ اٰفاقیۃ وعلی الثانی لو اعتمر او فعل الحیلۃ بان قصد البندر ثم دخل مکۃ ثم خرج وقت الحج الی المیقات فاحرم منہ لم یکن مخالفا لان حجتہ صارت اٰفاقیۃ۔ اما علی الاول فھو مخالف ویحتمل ان المخالفۃ لکل من العلتین کما یفید اول عبارۃ

البحر المذکورة فتحقق المخالفة بالعلّة الاولیٰ لکن ذکر العلامة القاری فی بعض رسائله مسئلة اضطرب فیها فقهاء عصره وهی ان الآفاقی الحاج عن الغیر اذا جاوز المیقات بلا احرام للحج ثم عاد الی المیقات واحرم هل یصح عن الآمر قیل لا وقیل نعم ومال هو الی الثانی قال وافتی به الشیخ قطب الدین وشیخنا سنان الرومی فی منسکه والشیخ علی المقدسی. قلت وهذا یفید جواز الحیلة المذکورة له عاد الی المیقات واحرم. والجواب عن قوله لان سفره حینئذ لم یکن للحج انه اذا قصد البندر عند المجاوزة لیقیم به ایاماً لبیع اوشراء مثلاً ثم یدخل مکة لم یخرج عن ان یکون سفره للحج کما لو قصد مکاناً اٰخر فی طریقه ثم النقلة عنه والله تعالیٰ اعلم فافهم ص۲۵۰ ج۲

اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں (۱) مامور بالحج کو میقات سے بلا احرام تجاوز کرنا یا احرام عمرہ باندھ کر جانا اس وجہ سے ممنوع ہے کہ اس صورت میں مخالفت آمر لازم آتی ہے (۲) وجہ مخالفت دو ہیں ایک یہ کہ اس صورت میں یہ سفر حج کے لئے نہ ہوا جس کا وہ مامور ہے۔ دوسرے یہ کہ اس صورت میں حج میقاتی نہ ہوگا جس کا وہ مامور ہے۔ پہلے اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اثنار سفر میں کسی جگہ چند روز کے لئے قیام کرنا جبکہ وہاں سے مکہ ہی کا جانے کی نیت ہے قاطع سفر نہیں بلکہ یہ تمام سفر حج ہی کے لئے شمار ہوگا۔ دوسرے اشکال کا جواب دیا گیا کہ اگر وہ میقات سے بدون حج کا احرام باندھے گذر جائے اور پھر حج کے وقت میقات سے احرام باندھ لے تو اس صورت میں حج میقاتی ہو جائے گا۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ میقات خود فی نفسہ اصل حج کے لئے بھی شرط نہیں بلکہ واجبات حج میں سے ہے پھر نیابت کے لئے اس کو شرط کیونکر مانا جاسکتا ہے اگر کوئی دلیل صریح ونقل صحیح اس پر دلالت کرتی ہو فبہا ورنہ یہ شرط باطل ہے قال العلی القاری فی مناسکه وفیه انه ان اراد بالمیقاتیة المواقیت الآفاقیة ففی اطلاقه نظر ظاهر اذ تقدم ان المکی اذا اوصی بالحج ان یحج عنه من مکة وکذا اسبق ان من اوصی ان یحج عنه من غیر بلده یحج کما اوصی قرب من مکة او بعد وایضاً فیه اشکال اٰخر حیث ان المیقات من اصله لیس شرطاً لمطلق الحج واصالته بل انه من واجباته فکیف یکون شرطاً وقت نیابته فان وجد نقل صریح ودلیل صحیح فالامر مسلّم و

الا فلا، واللہ سبحانہ اعلم اھ ص۲۵۲۔

مگر یہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ مامور کو افراد کا حکم کیا گیا ہو تمتع یا تجاوز بلا احرام کی اجازت نہ دی گئی ہو کیونکہ مخالفت کا اطلاق اسی صورت میں صادق ہو سکتا ہے۔ اور اگر آمر نے صراحۃً یا بعموم الفاظ مامور کو اجازت تمتع وغیرہ کی دے دی ہو تو اس صورت میں چونکہ مخالفت لازم نہیں آتی اس لئے اس کو تمتع کر لینا جائز ہوگا۔

فی المناسک للقاری ۔ الثالث عشر عدم المخالفة فلو امرہ بالافراد ای للحج او للعمرة فقرن او تمتع ای بان نوی العمرة عن المیت ثم حج عنه فانه یصیر مخالفا اجماعا علی ما فی البحر الزاخر ولعل وجهه انه مامور بتجرید السفر للحج عن المیت فانه الفرض علیه وینصرف مطلق الامر الیه الا انه یشکل اذا امرہ بافراد العمرة ثم اتیان الحج بعدہ او صرح بالتمتع فی سفرہ او بتفویض الامر الیه الخ ص۲۵۳ وقال الملا رحمة الله السندی فی رسالته لباب المناسک مع الشرح ص۲۶۰ وینبغی للآمر ان یفوض الامر الی المامور فیقول حج عنی کیف شئت مفردا او قارنا او متمتعا اھ وقال فی الدر المختار ودم القران والتمتع والجنایة علی الحاج ان اذن له الآمر بالقران والتمتع والا کان مخالفا فیضمن الخ ۔ قال فی الشامیة (قوله علی الحاج) ای المامور اما الاولعہ فلانه وجب شکرا علی الجمع بین النسکین وحقیقة الفعل منه وان کان الحج یقع عن الآمر لانه وقوع شرعی لا حقیقی ۔ واما الثانی فباعتبار انه تعلق بجنایته ۔ افادہ فی البحر ص۲۰۳ ج۲ قلت قال فی البحر تحت قول الکنز (ودم القران والجنایة علی المامور) واراد بالقران دم الجمع بین النسکین قرانا کان او تمتعا کما صرح به فی غایة البیان لکن بالاذن المقدم الخ ص۶۶ وفی لباب المناسک حتی لو امرہ بالقران او التمتع فالدم علی المأمور الخ ص۲۶۱ فعبارة لباب المناسک والدر المختار والشامیة والبحر مصرحة بان المامور بالحج له ان یتمتع اذا اذن له الآمر وان علیه اذا تمتع دم التمتع فقط لا ضمان النفقة

عہ المراد بالاول دم القران والتمتع معا کما صرح به فی البحر ۱۲

وانما یضمن اذا لم یأذن له الآمر فی ذلک فخالف امرہ لایقال لزوم دم التمتع علی المامور لایستلزم وقوع الحج عن الآمر بل یحتمل ان یقع الحج عن المامور دون الآمر ولاضمان علیه لکونه متمتعًا بالاذن قلت لوکان الحج واقعًا عن المامور لم یکن لذکر التمتع هناک معنًی لانه لااشکال حٍ فی لزوم الدم علی المامور لانقطاع وصلته عن الآمر علی ان الشامی قد صرح بکون الدم دم شکرٍ وان الحج یقع عن الآمر وکذا صرح فی البحر کما تقدم۔ واما ما اوردہ العلامة القاری علی عبارة اللباب حج عنی کیف شئت مفردًا او قارنًا او متمتعًا الخ بان هذا القید (یعنی قوله متمتعًا) سهو ظاهر اذ التفویض المذکور فی کلام المشائخ مقید بالافراد والقران لاغیر الخ فقد اجاب عنه فی حاشیة عدة ارباب الفتوی بجواب حسن ونصه هذا۔ اعلم ان المامور بالحج لو اذنه الآمر بالتمتع فتمتع یقع الحج عن الآمر کما صرح به فی رد المحتار ولایکون مخالفًا کما فی الدر المختار وعبارته (ودم القِران) والتمتع (والجنایة علی الحاج) ان اذن له الآمر بالقِران والتمتع والا یصیر مخالفًا انتهی وعلی هذا یقال اذا صح اذن الآمر للمامور بالتمتع صح ان یخیرہ فیه کما ذکرہ صاحب المنسک الوسط فحینئذٍ یجوز التمتع فی الصورة المشروحة ویکون ماذکرہ علی القاری من التقیید فی عبارة المشائخ اتفاقیًا لااحترازیًا وماذکرہ من اشتراط ان تکون الحجة آفاقیة لیس علی عمومه بدلیل تجویزهم التمتع عند الاذن به مع انه لیس فیه حجة آفاقیة قطعًا فلیتامل منہ۔ قلت ویؤیدہ ما فی البرهان وخفی خلافه فی بالافراد یخالف با وان نواہ للآمر عند ابی حنیفة کالتمتع له ای للآمر بالافراد وانما یصیر مخالفًا لانه مامور بان یحج عنه من المیقات والمتمع یحج من جوف مکة فکان هذا غیر ما امر به اھ ص ۴۰۲ جلد اول قلمی۔ قلت فقوله کالتمتع له ای للآمر بالافراد یدل علی ان المتمتع انما یصیر مخالفًا بالتمتع اذا تمتع لمن امرہ بالافراد واما لو امرہ بالتمتع فتمتع فلا مخالفة فافهم۔

خلاصہ یہ کہ مامور بالحج کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ آمر اس کو صراحۃً افراد بالحج کا حکم کرے

اور تمتع سے صراحۃً منع کردے یا ممانعت پر قرینہ قائم ہو اس صورت میں مامور بالحج کے لئے طول احرام سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے گھر سے روانہ ہوتے ہوئے چند روز جدہ میں قیام کرنے کی نیت کرے اور اس سفر کو جدہ کا سفر قرار دے اور راستہ میں نہ عمرہ کا احرام باندھے نہ حج کا نہ اپنی طرف سے نہ آمر کی طرف سے اور بدون احرام کے چند روز کے بعد جدہ کے قیام سے فارغ ہو کر مکہ میں چلا جاوے اور عمرہ وغیرہ کچھ نہ کرے صرف طواف وغیرہ بدون احرام کے کرتا رہے اور وقت حج پر جدہ آکر احرام حج باندھکر حج ادا کرے قال فی حاشیۃ البحر فینبغی التفصیل وھو انہ ان جاوز المیقات بلا احرام قاصد البستان ثم دخل مکۃ ثم خرج الی الحل وقت الاحرام فاحرم من المیقات عن الآمر یجوز لانہ صار آفاقیا کما یاتی وان فعل نسکا غیر ما امر بہ قبل احرامہ عن الآمر یکون مخالفا وان عاد الی المیقات واحرم عنہ من المیقات فتامل اھ ص ۳۱۸ ۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ آمر صراحۃً تمتع کی اجازت دیدے یا یہ کہدے کہ پہلے عمرہ میری طرف سے کرنا اور پھر حج کرنا یا مامور کو اختیار عام دیدے کہ تم جس طرح چاہو کرلینا اس صورت میں مامور کو تمتع جائز مگر تمتع کے لئے شرط یہ ہے کہ عمرہ کے لئے شوال سے پہلے نہ کئے جاویں لہذا اگر ہندوستان سے ایسے وقت میں روانگی ہو کہ مکہ میں شوال سے پہلے پہونچ جاوے تو اس صورت میں اگر تمتع کی نیت کی جاوے گی تو شوال کی یکم تک محرم رہنا ضروری ہوگا یکم شوال کو عمرہ کے افعال ادا کر کے حلق کردیا جاوے اور بہتر یہ ہے کہ آمر سے تمتع کی بھی اور عمرہ مفردہ کرنے کی بھی صراحۃً الگ الگ اجازت لے لی جاوے یا عام اختیار لے لیا جاوے کہ مامور جس طرح چاہے گا حج کرے گا خواہ افراد سے یا قران و تمتع سے یا پہلے عمرہ مفردہ کر کے پھر حج کردے گا ۔ ان سب صورتوں میں مامور کو حج کا احرام مکہ ہی سے باندھنا جائز ہوگا میقات کی طرف عود لازم نہوگا بس عمرہ کر کے احرام کھول دے پھر وقت پر حج کرلے

واللہ اعلم حررہ احقر الطلبہ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۸ محرم ۴۰ھ

الجواب صواب

اشرف علی ۹ محرم الحرام ۴۰ھ

تنبیہ :۔ اس مسئلہ میں شافعیہ کے قول پر بھی مامور بالحج کو تمتع کرنا باذن الآمر جائز ہے بلکہ ان کے نزدیک اگر تمتع کی اجازت بھی نہو اور تمتع کرلے تب بھی حج ہو جائے گا صرف اجرت میں کسی قدر کمی کردی جائے گی قال فی الوجیز ص ۶۷ (الثانیۃ اذا خالف فی المیقات فاحرم بعمرۃ عن نفسہ

ثم احرم بحج المستاجر فی مکۃ ففی قول لاتحسب المسافۃ لہ لانہ صرفہ الی نفسہ فیحط من اجرتہ بمقدار التفاوت بین حجہ من بلدہ وبین حجہ من مکۃ فیکثر المحطوط وعلی قول تحسب المسافۃ فلایحط الامقدار التفاوت بین حج من المیقات وحج من مکۃ فیقل المحطوط الخ وفیہ ایضاً وان امر بالقران فتمتع کان کالقران علی وجہ وفی وجہ جعل مخالفاً لہ وعلیہ الدم ویعود الخلاف فی حط شیئ من الاجرۃ اھ ص۶۸۔ ظفر احمد عفا عنہ ۲۶ رمضان ۴۰ھ

ایصال الخیر فی مسائل الحج عن الغیر (یعنی حج بدل کے ضروری مسائل)

حج بدل کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں (۱) اُجرت کی شرط نہ ہو (۲) بھیجنے والے کے مال ہی سے حج کیا جاوے لیکن اگر زیادہ تر خرچ میت کے مال سے کرے اور کچھ اپنا بھی خرچ ہو جائے تو جائز ہے۔ (۳) اگر حج بدل والا میت کی رقم کو اپنی رقم سے علیحدہ رکھے تب تو وہ امانت ہے اگر باوجود احتیاط کے ضائع ہو جائے تو ضامن نہ ہوگا اور اگر اپنی رقم کے ساتھ خلط کر دے گا تو ضامن ہوگا۔ (۴) اگر ثلث مال میں وسعت ہو تو حج سوار ہو کر کرنا چاہیئے اگر پیادہ حج کرے گا اور کرایہ کی رقم اپنے لئے بچاوے گا تو ضمان دینا واجب ہوگا اگرچہ بھیجنے والے نے پیادہ حج کرنے کی اجازت بھی دے دی ہو اور سوار ہونا مکہ سے عرفات تک اور وہاں سے مکہ کی واپسی تک واجب ہے باقی سفر میں اگر بھیجنے والے کی اجازت سے پیادہ چلے تو جائز ہے۔ (۵) حج میت کے وطن سے کرنا چاہیئے۔ (۶) میت کی طرف سے احرام کے وقت حج کی نیت کرنا چاہیئے یعنی زبان سے یوں کہے کہ میں فلاں شخص کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں اور اگر نام بھول جائے تو یوں کہہ لے کہ جس شخص کی طرف سے مجھ کو حج کے واسطے بھیجا گیا ہے میں اس کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں (۷) احرام میقات سے باندھنا چاہیئے بدون اجازت بھیجنے والے کے عمرہ کا احرام میقات سے نہ باندھے نہ تمتع کرے ہاں اگر وہ اجازت دیدے یا یوں کہدے کہ جس طرح چاہو حج ادا کر دینا تو تمتع بھی جائز ہے ھذا ھو الحق عندنا مگر اختلاف سے بچنا چاہیے اس لئے میقات سے احرام حج ہی کا باندھے۔ (۸) حج بدل والے کو جو روپیہ دیا جائے اس میں غایت احتیاط لازم ہے ورنہ حق العباد کا مواخذہ سر پر ہوگا سفر کے بعد جو کچھ رقم اور سامان رقم سے خریدا ہوا باقی بچے حبہ حبہ واپس کر دے اور بہتر یہ ہے کہ بھیجنے والا پہلے ہی یہ کہدے کہ اگر خرچ میں کوئی بے عنوانی اتفاقاً ہو جائے تو میری طرف سے معاف ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

والدین کی طرف سے حج بدل کرنا جبکہ انہوں نے وصیت نہ کی ہو

سوال (۳) اگر والدین حج بدل کے واسطے وصیت نہ کر گئے ہوں تو کوئی شخص اپنی خوشی حج بدل کرے یا کروائے تو حج بدل ہو جائے گا؟

الجواب: قال العلامة القاری فی مناسکه فی شرائط الحج عن الغیر الرابع الأمر ای بالحج فلا یجوز حج غیره عنه بغیر امره ان اوصی به ای بالحج عنه. فان اوصی بان یحج عنه فتطوع عنه اجنبی او وارث لم یجز وان لم یوص به ای بالاحجاج فتبرع عنه الوارث وکذا من هم اهل التبرع ونحوه نحج ای الوارث ونحوه بنفسه ای عنه او احج عنه غیره جاز ای ذلك التبرع او الحج او الاحجاج او ما ذکر جمیعه والمعنی جاز عن حجة الاسلام ان شاء الله تعالیٰ کما قاله فی الکبیر اھ ص ۲۴۹۔

صورت مسؤلہ میں اگر کوئی شخص مرحومین کی طرف سے تبرعاً حج کردے خواہ وارث ہو یا غیر وارث ہو تو امید ہے کہ انشاء اللہ حج فرض اس کے ذمہ سے ادا ہو جائے گا۔

حج بدل میں اگر مامور کے پاس خرچ نہ رہے اور وہ قرض لیکر خرچ کرے تو کیا حکم ہے

سوال (۴) ایک عرض بندہ کی یہ ہے کہ حج بدل کرنے والے پر اگر خرچ نہ رہے اور اپنے پاس سے یا کسی سے قرض لیکر چلا آوے اور قرض اپنے ذمہ لیوے یا کوئی اپنا ملنے والا دیدے تو کچھ حرج تو نہیں یعنی حج میں کچھ نقص نہیں ہوا؟ اس کا جواب بھی عنایت ہو۔ فقط

الجواب: حج بدل کے مسئلہ میں جب حج بدل کرنے والے کے پاس خرچ نہ رہے اور وہ اپنے پاس سے یا کسی سے قرض لیکر چلا آوے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ سفر حج میں زیادہ خرچ آمر کے مال سے ہوا ہے یا حج بدل کرنے والے کی رقم سے صورت اول میں تو حج بدل صحیح ہو گیا اور دوسری صورت میں صحیح نہیں ہوا بلکہ وہ حج خود کرنے والے کی طرف سے ہو گیا۔ اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ آمر (یعنی بھیجنے والے) نے اس کو اپنے پاس سے یا قرض کر کے خرچ کرنے کی اجازت نہ دی ہو اور اگر اجازت دے دی ہو کہ خرچ کم ہو جائے تو تم اپنے پاس سے یا قرض لیکر خرچ کر لینا تو ہم تم کو دیدیں گے پھر ہر حالت میں حج بدل درست ہے خواہ آمر کی دی ہوئی رقم کم ہو یا زیادہ ہو قال فی شرح اللباب ففی قاضی خان اذا لم یکفه مال المیت فانفق من مال نفسه فان کان اکثر النفقة من مال المیت فهو جائز والا فهو ضامن وفی الکرمانی ان انتقص المال عن نفقة الطریق فاستدان او انفق من مال نفسه ان

کان معظم النفقة فهو جائز والا فهو ضامن اھ (ص ۲۵۰) قلت والصورة الثانیة ظاھرۃ فان جمیع ماینفقه من مال نفسه او بالاستدانة بالاذن فھو من مال الآمر حکماً واللہ اعلم ۔ ۷ رجب سنہ ۴۲ھ

اجنبی کے مال سے بغیر وصیت و اذن ورثہ حج بدل کی ایک صورت کا حکم

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنا حج فرض ادا کرنے کو کعبہ شریف روانہ ہو کر راستہ میں قبل میقات انتقال کر گیا اور دوسرے نے اپنے رفیقوں میں سے اس کی نیت سے اس کا حج فرض کیا مگر میت نے وصیت نہیں کی تھی اس کا روپیہ بقایا بھی اس نے باقی راستہ میں خرچ کیا اب میت کے وارث اس سے روپیہ طلب کرتے ہیں تو اس صورت مذکورہ پر میت کا حج فرض ادا ہو گیا یا نہیں اور میت کے وارث روپیہ مانگنے کے مستحق ہیں یا نہیں اگر اس میں میت سے حج فرض ادا ہو گیا جیسا کہ عبارت کتب سے معلوم ہوتا ہے تو پھر وارث میت اس سے روپیہ واپس لینے کے حقدار کیونکر ہو سکتے ہیں اس کی وجہ اچھی طرح سے تحریر کرنے کی ضرورت ہے تسلی ضرور فرماویں زبدۃ المناسک باب الحج عن الغیر صفحہ ۱۶۷ میں لکھتے ہیں دوسری پس اگر کوئی زندہ کی طرف سے بدون امر کے حج کر دیوے گا تو فرض زندہ کا ساقط نہ ہوگا اور مردہ بھی اگر وصیت کر مرا ہے تو بغیر امر وارث کے حج مردہ کا ادا نہیں ہو سکتا مگر جو مردہ بدون وصیت حج کے مر گیا تو اگر کسی نے وارث ہو یا اجنبی تبرعاً اس کا حج فرض ادا کر دیا تو حج فرض مردہ کا ادا ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ اور شامی باب الحج عن الغیر صفحہ ۲۵۹ فان لم یوص وتبرع عنه الوارث یہ سب عبارت اس کو شامل ہے یا نہیں اگر شامل نہیں تو وجہ کیا ہے بالتفصیل تحریر کیجئے اور یہ روایت قابل حجۃ ہے یا ضعیف مکین؟ فقط۔ ۲۷ ربیع الاول سنہ ۴۳ھ

الجواب: جب میت نے وصیت نہیں کی تھی تو اس کا متروکہ سب کا سب ملک ورثہ ہے میت کا اس میں کچھ حق نہیں رہا میت کا حق ثلثِ ترکہ میں بھی وصیت سے ہوتا ہے بدون وصیت کے نہیں ہوتا۔ پس جب رفیق نے میت کی طرف سے حج کرنے میں یہ رقم صرف کی ہے اس نے ورثہ کا مال مملوک بدون ان کے اِذن کے صَرف کیا ہے لہٰذا اس حج بدل کرنے والے کے ذمہ اس رقم کا ضمان واجب ہے وہ یہ رقم ورثہ کو ادا کرے اور جس عبارت سے سائل نے احتجاج کیا ہے اس میں تو خود لکھا ہے کہ اگر مردہ وصیت کرتا ہے تو بدون امر وارث کے حج مردہ کا ادا نہیں ہو سکتا۔ الخ۔ پس رفیق کا حج مال میت سے بدون امر وارث یا اذن وارث کے صحیح نہیں ہو سکتا۔

اور اجنبی کے جس حج کو بدون وصیت کے بھی میت کی طرف سے درست مانا گیا ہے وہ وہ ہے جو اجنبی نے تبرعاً کیا ہو چنانچہ عبارت زبدہ میں تبرعاً کی قید مصرح ہے اور اس میں بھی یہ جزم ولیقین نہیں کہ میت کی طرف سے حج ہو بھی جائے گا بلکہ امید کا لفظ ہے بہر حال صورت مسئولہ میں چونکہ اس رفیق نے میت کی طرف سے تبرعاً حج نہیں بلکہ ورثہ کے مال میں حج کیا ہے اور ورثہ کے بدون اجازت کیا ہے اس لئے یہ حج میت کی طرف نہیں ہوا بلکہ خود اس رفیق ہی کا حج ہوا اس پر ورثہ کو ضمان دینا واجب ولازم ہے، فقط۔ ۲۲ ربیع الثانی ۴۳ھ

متعلق حج بدل

سوال (۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل کی نسبت از روئے شرع شریف کے۔

اگر کسی غنی متوفی کی طرف سے زید ایسے مفلس نے حج بدل ادا کیا جس نے ابھی اپنا حج فرض ادا نہیں کیا ہے تو مرحوم کا حج ادا ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اور ایسے زید حج بدل کرنے والے کے ذمے سے بھی فرضیت حج عمر بھر کو ساقط ہو جاتی ہے یا نہیں اگر ایسے زید حج بدل کرنے والے سے عمر بھر کو فرضیت حج ساقط نہیں ہوتی تو اپنے تمام کام و آرام اہل و عیال وغیرہ چھوڑ کر حج کے سفر وغیرہ کی سخت جانکاہ تکالیف وصعوبتیں اٹھا کر حج بدل کو جانے سے کیا فائدہ ہے۔ پس اس لئے اگر حج بدل کرنے والا حج بدل کرانے والے سے ضروری مصارف حج کے سوائے اپنے نقصانات معاش کا کچھ معاوضہ نقد وغیرہ بھی لے لے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جس مفلس نے اپنا حج نہیں کیا ہے وہ دوسرے کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے لیکن افضل یہ ہے کہ ایسے شخص کو بھیجا جائے جس نے اپنا حج فرض ادا کر لیا ہو۔ باقی اس مفلس کے ذمہ سے جس نے بدون اپنا حج کئے دوسرے کا حج فرض بدلاً کیا ہے عمر بھر کے لئے فرض حج ساقط نہیں ہوا بلکہ اگر کسی وقت اس کے پاس مال زیادہ ہو گیا جس میں حج بشرائط ہو سکے تو اس کو اپنی طرف سے دوبارہ حج کرنا فرض ہو گا کیونکہ حج بدل تو دوسرے کا تھا اس کی طرف سے تھوڑا ہی تھا۔ نعم لو حج عن الغیر تطوعاً یقع عن المامور قال القاری فی مناسکه وفی حج النفل یقع عن المامور اتفاقا ای باتفاق مشائخنا وللآمر الثواب ای ثواب النفقة لان الحدیث ورد فی الفرض دون النفل اھ (ص ۲۶۲) ولکنه لایسقط الفرض عن الفاعل بحال وقال فی الدر وقیل عن المامور نفلاً وللآمر ثواب النفقة کالنفل اھ قال الشامی مقتضاه ان النفل یقع عن المامور اتفاقاً وللآمر ثواب

النفقة وبه صرح بعض الشراح ومشى عليه فى اللباب ورده الاتقانى فى غاية البيان بانه خلاف الرواية لما قاله الحاكم الشهيد فى الكافى الحج التطوع عن الصحيح جائز ثم قال وفى الاصل يقع الحج عن المحج اھ (ص ۳۹۴ ج ۲)

رہا یہ کہ جب اس کے ذمہ سے حج فرض ساقط نہیں ہوتا تو اپنے کاروبار و آرام کو چھوڑ کر سفر حج کی صعوبت اٹھانے میں کیا فائدہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جو اس کو بے فائدہ سمجھے اس کو واقعی کچھ فائدہ نہ ہوگا وہ ہرگز نہ جائے بلکہ ایسے شخص کو بھیجنا چاہئے جو ایک بار اپنا حج کر کے بیت اللہ اور بیت رسول اللہ کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کر چکا ہو وہ بتلائے گا کہ اس سفر کی صعوبت برداشت کرنے میں کیا فائدہ ہے یہ تو نفع عاجل ہے جس کا علم ایک بار حج کرنے والے کو دنیا ہی میں ہو جاتا ہے اور جو ثواب مرنے کے بعد سامنے آئیگا اس کا علم قبر میں پہونچکر ہو جائے گا۔ اور دوسرے کی طرف سے حج کرنے کا ثواب بعض وجوہ سے اپنے حج کے ثواب سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔

رہا یہ کہ حج بدل کرنے والا حج بدل کرانے والے سے اپنے نقصان معاش کا معاوضہ لے تو جائز ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ معاوضہ لینا جائز نہیں کیونکہ اگر یہ معاوضہ نقصان معاش و کاروبار کا ہے تو نقصان کاروبار کوئی عین متقوم نہیں جس کا معاوضہ جائز ہو اور اگر یہ معاوضہ اپنی مشقت و محنت کا ہے جو سفر میں لاحق ہوگی تو اس صورت میں اجارہ ہوگیا اور حج بدل اجارہ کے ساتھ ناجائز ہے بعض اقوال پر وہ حج ہی نہ ہوگا اور راجح یہ ہے کہ اجارہ فاسد ہے اور حج ہو جائے گا۔ البتہ اگر معاوضہ کے طور پر نہ ہو بلکہ آمر اپنی خوشی سے اجازت دیدے کہ میں تم کو یہ رقم حج کے لئے دیتا ہوں اور حج کے بعد جو بچے اس کے متعلق تم کو وکیل کرتا ہوں کہ یہ فاضل رقم اپنے کو میری طرف سے ہبہ کر لینا تو اس صورت میں وہ فاضل رقم اور سامان و ثیاب و متاع جو حج کے بعد باقی رہے مامور اپنی ملک میں لا سکتا ہے اسی طرح اگر کسی شخص کے ذمہ اہل و عیال کا نفقہ واجب ہے اور دوسرا شخص اس کو حج بدل میں بھیجنا چاہتا ہے اور یہ صاحب عیال یوں کہے کہ مدت حج کے لئے میں نفقۂ عیال اس وقت نہیں دے سکتا تم اگر مجھی کو بھیجنا چاہتے ہو تو میرے اہل و عیال کا نفقہ بھی اس قدر ادا کر دو اور یہ گفتگو بطور معاوضہ اور معاملہ کے نہ ہو بلکہ دوستانہ طور پر ہو اور اس کے بعد بھیجنے والا خوشی سے اس کے اہل و عیال کا نفقہ بھی ادا کر دے تو جائز ہے بشرطیکہ حج بدل کرانیوالا خود زندہ ہو اور اگر وصیت کر کے مرگیا ہے تو اس کے حج بدل میں نفقہ سفر حج متعارفہ سے زیادہ دینے کا اختیار ورثہ بالغین کو ہے نابالغوں کے حصہ میں سے جائز نہیں اگر ورثہ نابالغ بھی ہوں تو بقدر کفایت معروفہ للحج تو ثلث الکل میں سے دیا جائے اور تبرع فاضل یا

نفقہ اہل وعیال کے لئے بالغین اپنے حصہ میں سے رقم دیں اور نفقہ اہل وعیال مامور میں یہ تفصیل ہے کہ نفقہ معروفہ ضروریہ پر بھی جانیوالے دستیاب ہوں۔ یعنی ایسے مجرد لوگ بھی حج بدل کو تیار ہوں جن کے ساتھ اہل وعیال کا خرچ لگا ہوا نہیں اور وہ صرف سفر حج کا خرچ لیکر جا سکتے ہیں اور اگر بجز صاحب عیال شخص کے اور کوئی معتبر باقاعدہ حج کو صحیح ادا کرنے والا نہ ملتا ہو تو اس صورت میں ثلث الکل سے بھی مامور کی اہل وعیال کا نفقہ دینا جائز ہے۔ بلکہ ورثہ پر لازم ہے کہ جبکہ مورث نے وصیتِ حج کی ہو اگر ثلث الکل میں وسعت ہو لان نفقۃ الحج تختلف باختلاف الاشخاص قال القاری فی شرح المناسك ولا ینفق المامور من مال المیت علی من یخدمه ای خدمة یقدر علیه بنفسه الا اذا کان ممن لا یخدم نفسه ای لکبرہ او عظمته اھ (ص ۲۵۹) قلت فکذا یختلف الحکم لکون المامور اعزب او صاحب العیال فیعطی الاول نفقة اقل من الثانی لاختلاف احوالهما شرعا وعرفا ولا یعطی صاحب العیال تلك الزیادة عوضا عن شیء بل اعانة له فی اداء الواجب کما زیدت نفقة صاحب العظمة اعانة له فی حفظ حرمته، والله اعلم ولعل هذا ظاهر غیر خفی والعبارة المحررة ما فی کافی الحاکم وله نفقة مثله و زادا یضلحها فی المبسوط فقال وهذہ النفقة لیس یستحقها بطریق العوض بل بطریق الکفایة لانه فرغ نفسه لعمل ینتفع به (الآمر) هذا (شامی ص ۳۹۲ ج ۲) قلت فکان نفقة المامور بالحج کنفقة القاضی والعامل و نفقة عیالهما تدخل فی نفقتهما حتما فتقدر بما یسعهما وعیالهما فکذا ههنا اذا لم یوجد الاعزب وکانت الوصیة بالحج لا علی التعیین و اما لو عین الموصی رجلا ذا عیال ان یحج عنه فلا شك فی دخول نفقة عیاله فی نفقة الحج وتوخذ من ثلث الکل وفی الدر یشترط اهلیة المامور لصحة الافعال فجاز حج الضرورة (وهو) من لم یحج والمراة ولو أمة و العبد وغیرہ کالمراهق وغیرهم اولی لعدم الخلاف اھ قال الشامی لا یخفی ان التعلیل یفید ان الکراهة تنزیهیة لان مراعات الخلاف مستحبة اھ (ص ۳۹۴ ج ۲) وفیه ایضا وعلیه رد ما فضل من النفقة وان شرط له فالشرط باطل الا ان یوکله بهبة الفضل من نفسه او یوصی المیت به لمعین اھ (ص ۴۰ ج ۲)

ماموراپنی جائے قیام سے حج کرے تو حج آمر کا صحیح ہو جائیگا یا نہیں

سوال (۷) حج بدل میں اگر مامور بجائے وطن آمر کے اپنی جائے قیام سے خواہ اقرب خواہ ابعد اپنی رضا سے حج کرنا چاہے تو شرع شریف کی رُو سے آمر کے ذمہ سے حج فرض ساقط ہوگا یا نہیں اور ہر دونوں (اقرب اور ابعد) صورتوں میں کس جگہ سے نفقہ کا مستحق ہوگا؟

الجواب؛ صورت مسئولہ میں اگر ثُلث مال آمر میت میں بلد آمر میت سے حج کرنے کی گنجائش تھی اور پھر وہاں سے نہیں کیا گیا تو یہ حج آمر کی طرف سے صحیح نہیں ہوا بلکہ مامور کا حج ہوا اور وہ نفقہ کا ضامن ہوگا یعنی کل نفقہ کا البتہ اگر وہ جگہ جہاں سے مامور گیا ہے وطن آمر سے اتنی قریب ہو کہ دن میں چل کر رات کو وطن آمر میں سیر وسط کے ساتھ پہونچ سکیں تو ضمان نہیں ہوگا اور عہ حج بھی آمر کی طرف سے ہو جائے گا یا محجوج عنہ زندہ ہو اور اس نے غیر وطن سے حج بدل کی اجازت دے دی ہو، یا میت ہو اور غیر وطن سے حج کرنے کی وصیت کرگیا ہو تب بھی حج آمر اور میت کی طرف سے صحیح ہو جائے گا اور مامور پر نفقہ کا ضمان نہ ہوگا قال فی اللباب الثامن ان یحج عنہ من وطنہ ان اتسع الثلث ای ثُلث مال المیت وان لم یتسع یحج عنہ من حیث یبلغ ای استحسانا الیٰ ان قال اذا وجب الحج من بلدہ فاحج الوصی من غیر بلدہ یضمن ای و یکون الحج لہ ویحج عن المیت ثانیاً لانہ خالف الاان یکون ذلک المکان الذی احج عنہ قریباً منہ ای من وطنہ بحیث یبلغ الیہ ویرجع الی الوطن قبل اللیل ای فحینئذٍ لایکون مخالفاً ولاضامناً اھ وفیہ ایضاً ولواوصی من لہ وطن ان یحج عنہ من غیر بلدہ یحج عنہ کما اوصی ای علی وفق ما اوصی بہ قرب

عہ اور اگر آمر اپنے وطن میں نہیں مرا بلکہ کسی دوسری جگہ مرا ہے جب بھی مامور اُس کے وطن ہی سے حج کرے قال فی الغنیۃ سواء مات فیہ ای فی وطنہ او مات فی سفر التجارۃ ونحوھا لان الواجب علیہ الحج من البلد الذی یسکنہ الی ان قال ولو اوصی خراسانی بمکۃ او مکی بالری واطلقا یحج عنہما من وطنہما اھ (ص۱۴۴) وفیہ ایضا قال الشارح اقول ھذا اذا کانا غنیین فی بلادھما واما اذا صار المکی غنیا بالری والخراسانی بمکۃ واوصیا فینبغی ان یحج عنہما من موضع فرض الحج علیہما اھ قلت وھذا واللہ ھو الفقہ بعینہ فللہ در العلماء الحنفیۃ ما اعمق نظرھم فی دقائق الشریعۃ.

ای ذلک المکان الموصی به من مکة او بعد اھ (ص ۲۵۱) قلت وکذا الحی اذا اذن للمامور ان یحج عنه من غیر وطنه فلا فرق فی الحی والمیت فی ذلک حتی یکون لاحدھما اسقاط ھذا الشرط و تغییرہ ولا یکون للاٰخر، واللہ اعلم۔

قال فی اللباب العاشر ان یحرم من المیقات ای من میقات الآمر یشمل المکی وغیرہ قال الشارح وفیه انه ان اراد بالمیقات المواقیت الآفاقیة ففی اطلاقه نظر ظاھر اذ تقدم ان المکی اذا اوصی بالحج ان یحج عنه من مکة وکذا سبق ان من اوصی ان یحج عنه من غیر بلدہ یحج کما اوصی قرب من مکة او بعد وایضاً فیه اشکال اٰخر حیث ان المیقات من اصله لیس شرطاً لمطلق الحج واصالته بل انه من واجباته فکیف یکون شرطاً وقت نیابته فان وجد نقل صریح ودلیل صحیح فالامر مسلّم والا فلا اھ (ص ۲۵۲) قلت والذی ظھر لی ان شرط المیقات یسقط باذن الآمر والمیت ولا یسقط اذا اطلق الامر بالحج لانه لا یرید الا ان یحج المامور کما یحج الاٰمر لو وقع عنه والاٰفاقی انما یحج عن المیقات فیشترط للنائب مراعاته والا یکون مخالفاً، واللہ اعلم۔

۲۸ رمضان ۴۴ھ

حج بدل میں واپسی شرط نہیں ہے

سوال (۸) حج بدل میں واپسی شرط ہے یا نہیں؟

الجواب: حج بدل میں وطن میت سے جانا تو شرط ہے بشرطیکہ ثلث میں گنجائش ہو باقی عود شرط نہیں۔ قال فی العالمگیریة۔ ولو احج رجلاً یؤدی الحج ویقیم بمکة جاز والافضل ان یحج ویرجع ص ۱۶۷ جلد ۱

۱۴ شوال ۴۴ھ

ایضاً

سوال (۹) عرض ہے کہ میں کاندھلہ سے حج بدل کرنے گیا حج کرنے کے بعد وہیں قیام کیا اگلا حج کرنے کے بعد میں کاندھلہ آگیا پھر گھر آگیا جن کی طرف سے حج کرنے گیا وہ فرماتے ہیں کہ حج بدل نہیں ہوا اس کی بابت فرمائیے کہ حج بدل ہوا یا نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب: صورت مسئولہ میں حج بدل جائز ہو گیا فی العالمگیریة (ص ۱۶۷ ج ۱) ولو احج رجلاً یؤدی الحج ویقیم بمکة جاز والافضل ان یحج ویرجع واذا فرغ المامور بالحج ونوی الاقامة خمسة عشر یوماً فصاعداً انفق من مال نفسه ولو انفق من مال الاٰمر یضمن الی ان قال فان نوی الاقامة خمسة عشر یوماً

فصاعداً حتی سقطت نفقۃ من مال الآمر ثم رجع بعد ذلک ھل یعود نفقتہ فی مال الآمر ذکر القدوری فی شرح مختصر الطحاوی ان علیٰ قول محمد یعود وھو ظاھر الروایۃ وعند ابی یوسف رح لا یعود اھ اس سے معلوم ہوا کہ واپسی کا خرچ تو بھیجنے والے کے ذمہ ہوگا لیکن قیام مکہ کا خرچ خود حج کرنے والا اپنے پاس سے کرے فقط۔ والسلام۔ کتبہ الاحقر عبد الکریم گمتھلوی۔ ۱۰ صفر ۴۴ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفی عنہ۔

معذور کے حج بدل کرانے کی ایک صورت کا حکم

سوال (۱۰) جناب محمد سلیم اللہ خان صاحب رئیس بوڑہ گاؤں ضلع علی گڈھ عرصہ سے مشتاق زیارت حرمین شریفین وحج شریف ہیں۔ اور اس وقت جناب خان صاحب موصوف کی عمر تقریباً ۷۰ سال کی ہے علاوہ ضعف پیری چند امراض جسمانی میں مبتلا ہیں جن کی وجہ سے چلنے پھرنے اور سفر سے معذور ہیں خصوصاً مرض فتق کی بھی تکلیف ہے اکثر کم وبیش پندرہ بیس روز بعد دورہ نزول آنت کا ہو جاتا ہے ایسی حالت میں ایک قدم چلنا بھی دشوار ہو جاتا ہے لہذا بصورت مجبوری اور بحالت معذوری میں اگر خان صاحب موصوف کسی ایسے شخص کو جس نے حج پہلے کر لیا ہے جملہ روپیہ خرچ آمد ورفت وخوراک وغیرہ دیکر اپنا حج بدل کرا دویں تو شرعاً ادائیگی حج فرض ہو سکتی ہے یا نہیں اور اگر ہو سکتی ہے تو حاجی صاحب کی اور کن کن شرائط سے مشروط ہونے کی ضرورت ہے براہِ کرم مسئلہ اصول فقہ سے مطلع فرما کر ممنون ومشکور فرماویں؟

الجواب: بیشک صورت مسئولہ میں رئیس صاحب کو اگر خود حج کے لئے جانا دشوار ہے تو ان کو اس حالت میں جائز ہے کہ اپنی طرف سے حج بدل کرا دیں لیکن اس کو دیکھ لیا جاوے کہ کیا وہ اس بیٹی کا استعمال کرنے کے ساتھ بھی سفر حج نہیں کر سکتے جو مرض فتق میں ڈاکٹر تجویز کیا کرتے ہیں غالباً اُس بیٹی کے استعمال کے ساتھ آنت اترنے کی تکلیف زیادہ نہیں ہوتی اور جب اترے فوراً اس کو چڑھا کر کام ہو سکتا ہے اگر اس کے بعد بھی تکلیف کم نہ ہوتی ہو اور سفر دشوار ہی ہو تو حج بدل کرا دینا جائز ہے پھر اگر یہ عذر جو اس وقت ہے عمر بھر رہا جب تو یہ حج بدل عمر بھر معتبر رہے گا اور اگر کسی وقت عذر موجود زائل ہو گیا تو ان کو حج فرض دوبارہ خود ادا کرنا ہوگا ویصیر البدل نفلاً قال فی الدر وھذا ای اشتراط دوام العجز الی الموت اذا کان العجز کالحبس والمرض یرجی زوالہ ای یمکن وان لم یکن کذلک کالعمی والزمانۃ سقط الفرض بحج الغیر عنہ فلا اعادۃ مطلقا سواء استمر بہ العذر ام لا اھ (ص ۳۸۹ ج ۲) قلت ونزول

المعالیس کالزمانۃ بل المشاھد قدرۃ المبتلی بہ علی السفر قصیرہ وطویلہ بعد شدۃ الحزام الذی قد اوجد لہ، واللہ اعلم ۔ ۱۸ر رمضان ۱۳۴۶ھ

حج بدل اور ضمان مامور کی ایک صورت کا حکم

سوال (۱۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید غریب نے ایک امیر حاجی حج بیت اللہ شریف کے جانے والے کو مبلغ ۳۰؍ دئے اور یہ کہ مکہ معظمہ پہونچکر میری والدہ کی طرف سے کسی سے حج کرا دینا۔ مکہ معظمہ پہونچکر یہ حوادث پیش آگئے کہ آٹھویں کی شام تک مکہ سے عرفات جانیوالے کو سواری نہ مل سکی جو شخص حج کرنے کو راضی تھا وہ بلا سواری حج کو نہ گیا اور یہ امیر اور اس کے ہمراہی حج کو چلے گئے اور عرفات وغیرہ میں ارکان حج ادا کر کے مدینہ ہو کر اپنے وطن میں آگئے لیکن یہ امیر حاجی مکہ معظمہ ہی سے دستوں کے مرض میں مبتلا ہوا اور گھر آکر دو مہینہ تک سخت بیمار رہ کر انتقال کر گیا۔ بہت کچھ نقد اور جائداد چھوڑ مرا۔ اس اثناء مرض میں زید غریب کو دو مرتبہ حاجی امیر سے ملنے کا اتفاق ہوا لیکن امیر حاجی کی سخت علالت کی وجہ سے زید غریب نے دریافت کیا کہ میری والدہ کی طرف سے حج کرایا یا نہیں اور نہ خود امیر حاجی نے بیان کیا کہ حج کرا دیا یا نہیں حتی کہ امیر حاجی کا انتقال ہو گیا تب غریب زید نے امیر حاجی کے ورثاء سے اپنے روپیہ دئے ہوئے طلب کئے۔ کیونکہ امیر حاجی اور ہمراہی حاجیوں سے معلوم ہوا کہ امسال تیس پینتیس ۳۵ روپیہ سے کم میں مکہ والوں میں سے کوئی حج بدل نہیں کر سکا مصارف مزید تھے تو اگر امیر حاجی غریب زید کی والدہ کی طرف سے حج کراتا تو غریب زید سے ضرور اپنا مطالبہ زاید وصول کرتا۔ یا اپنے ورثاء سے کہہ مرتا کہ فلاں زید غریب سے اتنا روپیہ لے لینا سو اب امیر حاجی کے وارث زید غریب کو اس کے مبلغ ۳۰؍ دئے ہوئے واپس نہیں دیتے۔ سو اب سوال یہ ہے کہ شرعاً امیر حاجی مرحوم کے ورثاء پر امیر حاجی کے متروکہ میں سے غریب زید کو اس کے ۳۰؍ دئے ہوئے واجب ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب: زید غریب کو امیر حاجی کے ورثاء سے اس رقم کے طلب کرنے کا حق نہیں کیونکہ اس کے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ امیر حاجی نے اس کی والدہ کی طرف سے حج نہیں کرایا اور جتنی باتیں سوال میں درج ہیں یہ صرف قرائن واحتمالات ہیں ان سے ثبوت نہیں ہو سکتا اور اگر امیر حاجی مرحوم کے ہمراہی اس وقت گواہی دیں تو ان کی گواہی لغو ہے کیونکہ مدعی علیہ مر چکا ہے۔ دوسرے یہ گواہی نفی پر ہو گی اور شہادت علی النفی قبول نہیں علاوہ ازیں یہ بھی تو احتمال ہے کہ امیر حاجی نے کسی شخص کو حج بدل کے واسطے وہ رقم دی ہو اور اس نے نہ حج کیا ہو نہ رقم واپس دی ہو۔ یہ بھی

احتمال ہے کہ امیر حاجی نے وہ رقم مکہ میں کسی دیندار معتبر آدمی کو دے دی ہو کہ سال آئندہ اس سے حج بدل کرا دینا۔ غرض اس معاملہ میں زید غریب کے پاس اس امر کی کوئی دلیل نہیں کہ اس کی رقم امیر حاجی کے ذمہ قرض ہو گئی کیونکہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ امانت کہیں ضائع ہو گئی ہو اور امین کے اوپر ضیاع امانت کا ضمان نہیں ہوتا۔ البتہ اگر امیر حاجی کے ورثہ کے دل کو یہ بات لگ جائے کہ زید غریب کی رقم حاجی امیر مرحوم ہی کے پاس رہی ہوگی تو بہتر یہ ہے کہ یہ لوگ زید کی رقم ادا کر کے اپنے مورث کا ذمہ احتمال سے بھی بری کر دیں مگر ایسا کرنا واجب نہیں اسی لئے اگر ورثہ ایسا کریں تو صرف بالغ ورثہ اپنے اپنے حصوں میں سے یہ رقم ادا کریں نابالغوں کے حصوں میں سے ادا نہ کریں فقط واللہ اعلم۔ ۷ رمضان ۴۶ھ

جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کے حج بدل کرنے کا حکم

سوال (۱۲) کیا حکم ہے علماء حنفیہ کا اس مسئلہ میں کہ زید ایک غریب شخص ہے جس نے حج نہیں کیا اس کو ہندہ بدل حج کرنے کے واسطے بھیجنا چاہتی ہے اگر زید ہندہ کا روپیہ لیکر حج کو جاوے تو حج ہندہ کا ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب: جس شخص نے اپنا حج نہیں کیا وہ اگر حج بدل کرے تو حج بدل صحیح ہو جاتا ہے لیکن یہ مکروہ تنزیہی ہے اور افضل یہ ہے کہ ایسے شخص کو حج بدل کے لئے بھیجا جاوے جو اپنا حج کر چکا ہو اور جو شخص اپنا حج کئے بدون حج بدل کو جاوے اگر وہ اتنا مالدار ہے کہ اس پر حج فرض ہے تو اس کو حج بدل کرنا مکروہ تحریمی ہے کما فی بغیۃ الناسک[۱] ص ۱۸۱ قال فی الفتح والبحر[۲] والحق انہا تنزیہیۃ علی الآمر تحریمیۃ علی الصرورۃ[۳] المامور ان کان بعد تحقق الوجوب علیہ بملک الزاد والراحلۃ والصحۃ لانہ یتضیق علیہ والحالۃ ہذہ فی اول سنی الامکان فیأثم بترکہ وکذا لو تنفل لنفسہ اھ ملخصاً اور اگر اس بدل کے لئے جانے والے پر حج فرض نہیں ہے تو کراہت تحریمیہ نہو گی مگر کراہت تنزیہیہ سے خالی نہیں للاختلاف فی ان الحج بوصولہ الی المیقات یفرض علیہ ام لا۔ واللہ اعلم۔

نوٹ:۔ سوال میں یہ نہیں لکھا کہ ہندہ کو خود جانے سے کیا عذر ہے اس لئے دوبارہ سوال کر لیں کہ اس کا عذر ایسا ہے کہ حج بدل کو بھیج سکتی ہے یا نہیں۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ ۲۰ ربیع الاول ۴۵ھ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

[۱] قبیل۔ باب الہدی ۳: ۹۷ [۲] ۳: ۷۰ [۳] قولہ: الصرورۃ وھو الذی لم یحج اولاً عن

سفر حج سے عاجز ہونے کی صورت میں حج بدل کرانے کا حکم

سوال (۱۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے اوپر حج بیت اللہ شریف فرض ہے اور اس کی صحت اس قدر خراب ہے کہ اس کو اپنی حیات کی بھی امید نہیں ہے اور اُس کے وارثوں میں سے ایک لڑکا ہے جو آوارہ ہے اور اس سے یہ امید نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ کی وفات کے بعد حسب وصیت باپ کے اس فرض کو باپ کی طرف سے ادا کرے ایسی حالت میں جو حکم شریعت کا ہو اُس سے بہت جلد مطلع فرماویں اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے گا فقط۔

الجواب: جب ایسی تکلیف ہو کہ سفر حج سے بالکل عاجز ہو جاوے تو حج بدل کے لئے کسی کو اپنی زندگی میں بھیج دینا جائز ہے پھر اگر اس عجز ہی کی حالت میں انتقال ہو جاوے تب تو یہ حج کافی ہو جاوے گا اور اگر یہ عجز زائل ہو جاوے تو حج ذمہ رہے گا (اور اگر حج بدل کی وصیت کرنے میں لڑکے پر اطمینان نہیں کہ وہ پورا کردے گا تو اس کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ کسی دوسرے معتمد کو حج بدل کے لئے وصیت کر دے اور اس کو روپیہ خود سپرد کر دے) کما فی العالمگیریۃ (ص ۱۶۶ / ج ۱)

(ومنها) استدامۃ العجز من وقت الاحجاج الیٰ وقت الموت ھکذا فی البدائع حتی لو احج عن نفسہ وھو مریض یکون مراعیً فان مات اجزاہ وان تعافی بطل وکذا لو احج عن نفسہ وھو محبوس کذا فی التبیین۔

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ
۲۱ ربیع ۲ ۴۵ھ

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون ۲۱ ربیع الثانی ۴۵ھ

حج بدل کی ایک صورت کا حکم

سوال (۱۴) کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بزمانہ ناواقفی حج بدل کے لئے گیا اور میقات سے قبل اشہر حج کا احرام بہ نیت آمر باندھا مکہ معظمہ پہنچکر عمرہ کر کے احرام کھول ڈالا پھر موسم حج میں احرام باندھکر حج ادا کیا بعد کو معلوم ہوا کہ حج آمر کا ادا نہوا سال آئندہ تک وہاں اقامت کر کے اپنا حج ادا کر کے واپس ہو گیا اور تیسرے سال پھر اس نیت سے روپیہ فراہم کر کے حج آمر جو اپنے ذمہ باقی ہے اس سے سبکدوشی ہو جاوے اشہر حج میں عازم بیت اللہ ہو کر اور میقات سے بہ نیت آمر احرام باندھکر باحتیاط تمام حج ادا کر دیا لیکن جاتے وقت نہ آمر سے تذکرہ کیا نہ اس سے اجازت لی ہاں اُن لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ پہلا حج فاسد ہو گیا ہے اسی کی قضا کے لئے دوبارہ جانے کا قصد ہے

دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں فریضۂ آمر سے سبکدوشی ہوگئی یا نہیں اگر نہیں ہوئی تو سبکدوشی کی کیا صورت اختیار کی جاوے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب: فی غنیۃ الناسک (ص۱۸۰ فی فوات الحج عن المامور) فلوحج عن المیت بمال نفسہ اجزاہ وبرئ من الضمان۔ پس اگر حج اول آمر کی طرف سے ادا نہوا ہو تو حج ثالث اس کی جانب سے ادا ہوگیا اور اگر حج اول آمر کی طرف سے ادا ہونے نہونے کی تحقیق مطلوب ہے تو یہ لکھا جاوے کہ میقات سے احرام حج کے بعد عمرہ کا احرام باندھا تھا یا بدون احرام عمرہ محض افعالِ عمرہ کرکے حلال ہوگیا تھا۔ اور یہ جو لکھا ہے کہ اُن لوگوں کو معلوم ہوگیا تھا کہ پہلا حج فاسد ہوگیا ہے الخ اس میں فساد سے کیا مراد ہے آیا یہی عمرہ کرلینا یا اور کوئی بات مفسدِ حج پائی گئی تھی صاف صاف لکھیں۔　　احقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۱رجمادی الاخریٰ ۴۵ھ

جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کے حج بدل کا حکم

سوال (۱۵) سُنا جاتا ہے کہ اس شخص کو جو خود حاجی نہو۔ حج بدل کے لئے جانا جائز نہیں اس لئے کہ کعبہ شریف کو دیکھنے سے حج فرض ہو جاتا ہے۔ جب خود ان پر فرض ہوگیا تو وہ دوسرے کی جانب سے ادا نہیں کرسکتا۔

الجواب: جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کو حج بدل کرنا مکروہ ہے۔ اور جب وہ کعبہ شریف پہنچتا ہے تو وہ دوسرے کا احرام باندھے ہوئے ہوتا ہے اس واسطے اس پر اس زیارت کعبہ سے حج فرض نہیں ہوتا کما ھو مصرح فی کتب الفقہ البتہ اگر اس کو آئندہ حج تک مکہ معظمہ میں قیام دشوار نہ ہو اور اس کے اہل و عیال کو بھی تنگی نہ پیش آوے تو بعض فقہاء نے اس پر وہاں قیام کرکے آئندہ سال حج کرنے کو واجب کہا ہے، واللہ اعلم۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۱۱ر شوال ۴۸ھ

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۱۲ر شوال ۴۸ھ

بحری اور ہوائی جہازوں پر سفر اور متعلقہ احکام

ہوائی جہازوں میں وقوف عرفہ اور طواف کعبہ کا حکم

رہا جواب اُن مسائل کا جن کو میں نے پہلے پرچہ میں زیر غور کہا تھا اور وہ دو مسئلے ہیں ایک ہوائی جہاز میں طواف کرنے کا۔ دوسرے ہوائی جہاز میں وقوف عرفہ کرنے کا سو اس کے متعلق جو مجھ کو مطالعۂ کتب فقہ سے ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ

مرکب ہوائی میں سوار ہوکر طواف کرنے سے طواف تو صحیح ہو جائے گا بشرطیکہ مرکب ہوائی داخل حد مسجد
رہے لیکن بلا عذر ایسا کرنے سے دم واجب ہوگا جیسا کہ مرکب غیر ہوائی میں بھی بلا عذر سوار ہوکر طواف
کرنے کا یہی حکم ہے اور مرکب ہوائی میں سوار ہوکر عرفات کے مرور سے وقوف عرفہ ادا نہ ہوگا قال
فی البدائع واما مکان الطواف فمکانه حول البیت اھ (ص ۱۲۱) وفی غنیۃ
الناسک الطواف هو الدوران حول الکعبۃ کیف ما حصل اھ اما ارکانه
فثلاثة اتیان اکثره وکونه بالبیت لا فیه وکونه بفعل نفسه ولو محمولا
او راکب بعیر واما شرائطه فستة ثلثة منها لا یفوته الحج وهی الوقت
وتقدیم الاحرام وتقدیم الوقوف والباقی للکل وهی الاسلام وداخل
المسجد ولو علی سطحه فلو طاف علیٰ سطح المسجد جاز ولو مرتفعا عن
البیت لو طاف خارج المسجد مع وجود الحیطان لا یصح اجماعا ولو
کان الحیطان منهدمة لا یصح عند عامة العلماء لانه طاف بالمسجد
لا بالبیت اھ (ص ۸۵) چونکہ طواف کی حقیقت دوران حول البیت ہے اور مکان طواف
حول البیت ہے اور بیت کے متعلق یہ تصریح موجود ہے کہ ہوا ء کعبہ عنان سماء تک بیت ہے اور
اسی لئے طواف بیت سے مرتفع ہوکر بھی جائز ہے اس لئے مرکب ہوائی میں بشرائط مذکورہ طواف
صحیح ہو جائے گا۔ لیکن وقوف عرفہ کے متعلق کہیں یہ تصریح نہیں ملی کہ ہوا ء ارض عرفہ عنان سماء
تک بحکم عرفہ ہے بلکہ اکثر کتب میں وقوف کو ارض کے ساتھ مقید کیا ہے قال فی البحر وشرطه
(ای الوقوف) شیئان احدهما کونه فی ارض عرفات اھ (ص ۳۳۹ ج ۲) وفی العالمگیریۃ ایضا و
الوقوف شرطه شیئان احدهما کونه فی ارض عرفات والثانی ان یکون فی
وقته اھ (ص ۱۴۸ ج ۱) وفی الدر والقیام والنیة فیه ای الوقوف لیست
بشرط ولا واجب فلو کان جالسا جاز حجه وذلک لان الشرط الکینونة
فیه اھ قال الشامی ای فی محل الوقوف المعلوم من المقام وفی شرح اللباب
(قلت والمعلوم لیس الا ارض عرفة ۱۲)
والظاهر ان هذا رکن لعدم تصور الوقوف بدونه نعم الوقت شرط اھ
(ص ۲۸۴ ج ۲) اور ظاہر ہے کہ وقوف بارض عرفۃ یا کینونۃ بعرفۃ راکبا علی الدابۃ
یا محمولا علی الایدی میں بواسطہ متحقق ہے بلا واسطہ متحقق نہیں اور مرکب ہوائی میں
راکب کو وقوف بارض عرفہ کسی طرح حاصل نہیں نہ بواسطہ نہ بلا واسطہ ہاں مرور بہوا ء عرفہ متحقق

ہے پس اگر کسی دلیل سے ہواءِ عرفہ کا بحکم ارض عرفہ ہونا ثابت ہوجائے تو یہ مرور قائم مقام وقوف بارض عرفہ کے ہوسکتا ہے مگر ہنوز کہیں اس کی تصریح نہیں ملی ہے لہذا افتاء بصحت وقوف فی ہذہ الصورۃ مشکل ہے واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۳ صفر ۴۵ھ

احقر اشرف علی قیاساً علی کون ہواء الکعبۃ فی حکمہا وکون ہواء المسجد فی حکمہ صحت کو راجح سمجھتا ہے لیکن جزم نہیں کرتا ۱۲

کتاب النکاح

دولہا نے وقت نکاح "قبول کیا" کے بجائے اگر "الحمد للہ" کہا تو کیا حکم ہے

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں اگر نکاح خوانی کے وقت دولہا سے نکاح خواں نے یوں کہا مثلاً مریم بنت زید کو دو سو روپیہ مہرانہ کے عوض تمہارے عقد میں دیا وہ صرف الحمد للہ کہا اب نکاح ہوا یا نہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ "قبول کیا میں نے" کی جگہ میں اگر صرف الحمد للہ کہدیا تو نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟

(تنقیح) اس موقعہ پر الحمد للہ کہنے سے شہود اور حاضرین کیا سمجھتے ہیں تبلایا جائے۔ کیونکہ الحمد للہ ہمارے عرف میں صیغہ قبول کا نہیں ہے تو کیا بنگالہ کی کوئی خاص اصطلاح ہے۔

قال فی الخلاصۃ وفی مجموع النوازل قال زوجنی نفسک منی فقالت بالسمع والطاعۃ صح النکاح ولو قالت سپاس دارم لا ینعقد اھ (ص ج ۲۳۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ الحمد للہ کہنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

منگنی کے وقت کا ایجاب وقبول ایک قسم کا وعدہ ہے

سوال (۲) جناب مولانا صاحب مولوی ومفتی اشرف علی صاحب! دام فیوضکم السلام علیکم عرض ہے کہ کمترین کو واپسی خط ملا آنجناب نے تحریر فرمایا ہے کہ لفظ کس طرح کہے گئے تھے۔ اب اس طرح لکھتا ہوں پہلے بھی آنجناب کی خدمت میں عرض کرچکا ہوں کہ اس منگنی کے سال دو سال بعد پھر نکاح وشادی کرتے ہیں اس کو منگنا لے مشہور کرتے ہیں گویا اس کو اصلی نکاح تصور ومشہور نہیں کرتے یہ رسمی معاملہ ہے۔ لڑکی کا والد لڑکے کے والد کو کہتا ہے کہ میں نے اپنی لڑکی فاطمہ تمہارے لڑکے نور محمد کو بخشی، لڑکے کے والد نے کہا میں نے قبول کی تین دفعہ اس طرح کہا۔ اور جیسے نکاح کے وقت گواہ

مقرر کئے جاتے ہیں گواہ کوئی مقرر نہیں کئے۔ ہمارے اس ملک میں اس کا نام منگنا و شرح ایجاب رکھا ہے۔ کیونکہ اس رسم کے بعد دو بارہ دن شادی کے مقرر کر کے پھر نکاح پڑھایا جاتا ہے۔ اب لڑکی کا والد دوسری جگہ نسبت کر سکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب: مجلس خطبہ میں یہ الفاظ وعدہ پر محمول ہوں گے لہذا نکاح نہیں ہوا اور لڑکی کا والد دوسری جگہ نسبت کر سکتا ہے۔ قال فی الدر او هل اعطیتنیها ان المجلس للنکاح وان للوعد فوعد قال الشامی قوله ان المجلس للنکاح ای لانشاء عقده لانه یفهم منه التحقیق فی الحال فاذا قال الاٰخر اعطیتکها او فعلت لزم ولیس للاول ان لا یقبل اه (ص ۴۳۳ ج ۲) قلت هذا اذا کان المجلس للنکاح واما اذا کان للوعد فقول الاٰخر اعطیتکها محمول علی الوعد، فافهم، واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد، ۲۴ صفر ۱۳۴۱ھ۔

منگنی کے وقت اولیاء طرفین کا ایجاب و قبول ایک قسم کا وعدہ ہوتا ہے

سوال (۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اس ملک پنجاب میں رواج ہے کہ منگنی کے وقت لڑکی کا ولی لڑکے کے ولی کو کہتا ہے کہ میں نے فلانی لڑکی تیرے فلانے لڑکے کو دی وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے لڑکے کے واسطے قبول کی اور بعدہ شادی کرتے ہیں اور نکاح وغیرہ بعد میں ہوتا ہے۔ اسی صورت سے جس لڑکی کی منگنی ہوئی ہو تو اُس کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے یا نہیں بیّنوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل اس لئے کہ ملک پنجاب میں تمام علماء کرام اختلاف ڈالتے ہیں آپ اسے صحیح لفظوں کے ساتھ بیان فرمادیں؟

الجواب: قال فی الدر او هل اعطیتنیها ان المجلس للنکاح ان للوعد فوعد اه قال الشامی ان المجلس للنکاح ای لانشاء عقده لانه یفهم منه التحقیق فی الحال الخ ص ۴۳۳ ج ۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ منگنی کے وقت لڑکی کے ولی کا یہ کہنا کہ میں نے فلانی لڑکی تیرے لڑکے کو دی الخ یہ لفظ وعدہ پر محمول ہوگا نہ عقد نکاح پر کیونکہ مجلس وعدہ کی ہے نکاح کی مجلس نہیں ہے لہٰذا ان الفاظ سے نکاح نہ ہوگا اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے۔

نکاحِ بیوہ کا حکم

سوال (۷) بیوہ کا نکاح افضل ہے یا یوں ہی بحالتِ شباب بیٹھ رہنا بہتر ہے۔

الجواب: اگر بیوہ صاحب اولاد نہ ہو تو اوس کو نکاح کر لینا افضل ہے اور دوسرے نکاح کو عیب سمجھنا تو سخت گناہ ہے اور اگر صاحب اولاد ہے اور دوسرے نکاح سے ان بچوں کے

ضائع ہونے کا اندیشہ ہے کہ شوہر کی خدمت وغیرہ کی وجہ سے ان بچوں کی پرورش بخوبی نہ کرسکے گی تو نکاح نہ کرنا بہتر ہے اور اگر بچوں کی پرورش سے نکاح ثانی مانع نہ ہو تو اس صورت میں بھی نکاح ہی افضل ہے اور یہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ بیوہ کو نکاح نہ کرنے کی صورت میں اپنے نفس پر پورا قابو ہو اور گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو ورنہ بہرصورت نکاح کرنا لازم ہے۔

زنا سے حاملہ عورت کے نکاح کا حکم اور اس کے حمل کا اسقاط جائز نہیں

سوال (۵) ایک مسلمان نوجوان کنواری عورت کو زنا سے حمل ہوگیا چھ سات مہینہ بعد حالت حمل میں ہی ایک مسلمان مرد نے باوجود علم ہونے کے ایک ناکح نکاح خوان قاضی کے ذریعہ اس سے نکاح پڑھ کر اپنے گھر میں ڈال لیا اس پرگاؤں کے باقی مسلمانوں میں اس بات کا چرچا ہوا مرد مذکور نے اپنی رسوائی چھپانے کے واسطے عورت کا حمل ساقط کردیا۔ کیا یہ نکاح صحیح ہوا اگر نہیں ہوا تو اس کے لئے کیا تعزیر ہونی چاہئے اور حمل ساقط کرنا جائز تھا یا ناجائز اس کے لئے کونسی تعزیر ہے عورت کو کیا تعزیر ہونی چاہئے نکاح خوان اور مرد مذکور کے معاون لوگوں سے کیسا سلوک ہو اور مرد مذکور نے حمل فاحش عورت مذکور کا ساقط کرنے کے بعد دوبارہ پھر نکاح پڑھا ہے۔ والسلام بیّنوا توجروا۔

الجواب: حاملہ من الزنا کا نکاح درست ہے خواہ زانی سے ہو یا غیر زانی سے البتہ اگر زانی سے ہو تو اوس کو قبل وضع حمل وطی بھی جائز ہے اور غیر زانی کو وطی جائز نہیں جب تک وضع حمل نہ ہو لہذا صورت موجودہ میں نکاح اول درست ہوگیا تھا نکاح ثانی کی ضرورت نہ تھی لیکن چھ سات ماہ کا حمل ساقط کرنا ایک روایت پر موجب گناہ ہوا جسکا کفارہ توبہ و استغفار ہے اور ایک روایت پر گناہ نہیں ہوا فی العالمگیریۃ والعلاج لاسقاط الولد اذا استبان خلقہ لایجوز وان کان غیر مستبین الخلق یجوز واما فی زماننا یجوز علی کل حال وعلیہ الفتوی[۱] اھ (ص ۲۳۷ ج ۵)۔ ۱۷ ذی الحجہ ۴۱ھ۔

شیعہ رافضی کا سُنّی عورت کے ساتھ نکاح کا حکم

سوال (۶) چہ فرمائید علماء ملتِ اہل سنت والجماعت دریں مسئلہ کہ نکاح بستن درمیان زنِ سُنّیہ و مرد رافضی تفضیلی باشد یا سبی یا نکاح کردن مابین مرد سُنّی و زن رافضیہ فی زماننا کہ در روافض سب لبیار است و تفضیلی کم اند خصوصاً در بلوچستان کہ رافضی تفضیلی یافتہ نمی شود در مذہب اہل سنت والجماعۃ

---

[۱] قلت ولم یظھر لی وجہ الفتوی علی الجواز مطلقا ۱۲ ظفر

ونیز در مذہب اہل شیعہ جائز است یا نہ اگر کسے بطمع دنیا یا بوجہ ناواقفیت مسئلہ ایں چنیں نکاح کرد ایں طور نکاح فسخ میگردد یا باقی می ماند واگر در صورت اول بوقت فیصلہ نزد حاکم مرد رافضی خود را تفضیلی سازد بریں تقدیر نکاح باقی می ماند یا نہ۔ چونکہ در بلوچستان عالم شریعت نبوی کم اند بسیار تنازع برخاستہ است حق ظاہر نمی شود آں کس کہ ایں نکاح را جائز میدارد حوالۂ فتاویٰ مولوی عبدالحئی مرحوم می دہد وآں فریقیکہ جائز نمی دارد فتاوی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی را پیش می آرد غرض قول مفتیٰ بہ معلوم نمی شود آنچہ کہ دریں مسئلہ حکم مفتی بہ باشد بحوالہ کتاب مع صفحہ ارقام فرمانید۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب؛ ھوالمصوب؛ جواب محقق نزد ما ایں است کہ رافضی کہ قذف حضرت سیّدہ عائشہ را جائز شمارد وقائل تحریف در قرآن کریم باشد یا قائل بکفر و نفاق حضرت صدیق بود کافر است واگر بجز تبرا وسبّ شیخین ہیچ از امور کفریہ ظاہر نماید فاسق است پس درصورت اولیٰ نکاح سُنّیہ بایں چنیں روافض ہرگز صحیح نشود بلکہ حکم زنا دارد وایں سُنّیہ را جدائی از او لازم است واگر حاملہ نباشد معاً نکاح ودخول از مرد سُنّی جائز است والّا بعد از وضع حمل۔ ودرصورت ثانیہ تفصیل است اگر زن نابالغہ است وولی آں را علم بفسق آں نبود بلکہ رافضی را صالح وعادل گمان کردہ باو نکاح کرد بعد ازاں فسق آں معلوم شد وزن سُنّیہ بعد از بلوغ اظہار ناراضگی ازیں نکاح کرد پس ایں نکاح ہم باطل است واگر فسق ایں جماعت از اول معلوم بود ودیدہ ودانستہ ولی شرعی زن نابالغہ یا بالغہ سُنّیہ نکاح رافضی داد ایں نکاح درست شد وبدون طلاق مرتفع نگردد واگر زن سُنّیہ بدون اجازت ولی از خود نکاح بایں چنیں رافضی کند ہم باطل شود وحاجت بطلاق نیفتد بدون طلاق بمرد دیگر از اہل سنت نکاح می تواند کرد اما بعد از تفریق عدت گذاردن لازم است اگر دخول شدہ باشد وعدت آں سہ حیض بود۔ قال العلامۃ الشامی فی ردّ المحتار علی ان الحکم علیہ بالکفر مشکل لما فی الاختیار اتفق الائمۃ علی تضلیل اہل البدع اجمع وتخطیتہم وسبّ احد من الصحابۃ وبغضہ لایکون کفرًا لکن یضلل الخ۔ الی ان قال نعم لاشک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا او انکر صحبۃ الصدیق او اعتقد الالوہیۃ فی علیؓ او ان جبریل غلط فی الوحی او نحو ذلک من الکفر الصریح المخالف

للقرآن ۱ھ ص ۴۵۳ ج ۳ ۔ قلت علی هذا فمن نسب الصدیق رضی اللہ عنه الی الکفر والنفاق فهو کافر لانه منکر صحبته وهی ثابتة بالنص اذ یقول لصاحبه لا تحزن ان اللہ معنا الآیة وفی العالمگیریة رجل زوج ابنته الصغیرة من رجل علی ظن انه صالح لا یشرب الخمر (مثلاً) فوجده الاب شریبا مدمنا وکبرت الابنة فقالت لا ارضی بالنکاح ان لم یعرف ابوها بشرب الخمر وغلبة اهل بیته الصالحون فالنکاح باطل ای یبطل وهذه المسئلة بالاتفاق (ای بین الامام وصاحبیه ۱۲) وکذا فی الذخیرة وفیها ایضاً ثم المرأة ان زوجت نفسها من غیر کفو صح النکاح فی ظاهر الروایة وروی الحسن عن ابی حنیفة رح ان النکاح لا ینعقد وبه اخذ کثیر من مشائخنا کذا فی المحیط والمختار فی زماننا للفتوی روایة الحسن وقال الشیخ الامام شمس الائمة السرخسی رح روایة الحسن اقرب الی الاحتیاط ۱ھ ص ۱۶ ج ۲ ۔ واللہ اعلم وقد صرح العلماء بوجوب العدة فی النکاح الفاسد بعد الدخول کما لا یخفی علی من له ادنی نظر فی الفقه ۔ ۲۱ شوال ۴۱ھ ۔

اس شرط کے ساتھ نکاح کرنا کہ بیوی شوہر کے وطن سے باہر نہیں جائیگی

سوال (۷) السلام علیکم ۔ عرض یہ ہے کہ خادم نے اس جگہ نکاح کیا مگر میری زوجہ نے یہ شرط کرلی ہے کہ وہ میرے ہمراہ ہندوستان نہ جائے گی اب چند شخصوں نے یہ شبہ ڈال دیا ہے کہ چونکہ اس نکاح میں شرط ہوگئی ہے اس لئے یہ متعہ ہے مہربانی فرماکر متشرع حکم بتلاویں تاکہ ایسا نہ ہو کہ مغالطہ میں گنہگار ہوں اگر حقیقۃً یہ متعہ ہوا تو زوجہ کو طلاق دے دوں گا ورنہ خیر، والسلام ۔

الجواب ؛ یہ نکاح بالکل درست اور بہمہ وجوہ صحیح ہے متعہ ہرگز نہیں جس نے متعہ کا شبہ ڈالا ہے وہ مسائل شرعیہ سے محض ناواقف ہے متعہ اس کو نہیں کہتے کہ نکاح کے ساتھ کوئی شرط کرلی جائے بلکہ متعہ یہ ہے کہ نکاح خاص مدت کے لئے کیا جائے مثلاً یہ کہا جائے کہ میں دوسال کے لئے نکاح کرتا ہوں یا یوں کہا جائے کہ جب تک میرا قیام بغداد میں ہے اس وقت تک کے لئے نکاح کرتا ہوں اور اگر یوں نہ کہا جائے بلکہ صرف یہ کہا جائے کہ میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں اس پر عورت یوں کہے کہ میں اس شرط سے نکاح منظور کرتی ہوں کہ مجھ کو بغداد سے باہر نہ لے جایا جائے بلکہ یہیں رکھا جائے اور شوہر اس شرط کو منظور کرلے تو یہ ہرگز متعہ نہیں بلکہ نکاح صحیح شرعی ہے

خزانۃ الروایات مینویسد فی الغیاثیۃ سئل نجم الدین النسفی عمن قال دختر خویش فلانۃ بمن دادی گفت دادم ودی گفت پذیرفتم ھل ینعقد النکاح فیہ اختلاف المشائخ عند بعض لا ینعقد حتی یقول بزنی دادم وعند بعض یکون نکاحا بدون ذکر ذلک وھو الاصح، پس بنابریں روایت اصح در صورت سوال نکاح صغیر وصغیرہ منعقد شد وپدر پسر را بجدامی طرح جائز نیست کہ آں مخطوبہ ومنکوحۂ پسر را در نکاح خود آرد۔

اور اسی طرح اسی فتاویٰ کے اندر دوسری جگہ اسی طرح کے استفتار کے جواب میں دوسری عبارت یہ نقل فرمائی ہے:

ودر جامع مضمرات شرح مختصر قدوری می آرد فی النسفیۃ سئل عمن قال لامرأۃ بحضرۃ الشھود دختر خویش بمن دادی فقالت دادم ھل ینعقد النکاح فقال نعم لان الناس تعارفوا التزویج بھذا اللفظ وان لم یتلفظوا بلفظ النکاح، لان النکاح ینعقد عندنا بلفظ الھبۃ خلافا للشافعی رح۔

یا کہ صورت مسئولہ اس عبارت شامی ودر مختار میں داخل ہو کر منعقد نہو گا اور منگنی پر محمول ہو گا اور وہ عبارت شامی کی تو یہ ہے قال فی شرح الطحاوی لو قال ھل اعطیتنیھا فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح اور در مختار کی عبارت یہ ہے ھل اعطیتنیھا ان المجلس للنکاح وان للوعد فوعد، اور یہ بھی فرمایئے کہ اگر نکاح منعقد ہوتا ہے تو شامی ودر مختار کی غرض وتوجیہ کیا ہے اور فرق درمیان صورت مسئولہ میں اور مذکورہ در مختار میں کیا ہے اور اگر نکاح نہیں ہوتا بموجب ان عبارتوں کے تو پھر مولانا عبد الحیؒ کی عبارت کی توجیہ وغرض کیا ہے بالتفصیل تحریر فرماویں بیّنوا توجروا؟

الجواب: لفظ دادم وپذیرفتم اگر مجلس خِطبہ (منگنی) میں استعمال کیا جاوے تو اس سے نکاح منعقد نہو گا بلکہ محض وعدہ پر محمول ہو گا۔ اور مولانا عبد الحی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ اگر مجلس نکاح میں دادم وپذیرفتم استعمال کیا گیا تو نکاح ہو جائے گا جس کا قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی عبارت میں یہ اختلاف بھی نقل فرمایا ہے "عند البعض لا ینعقد حتی یقول بزنی دادم وعند البعض یکون نکاحا بدون ذکر ذلک" اھ اور یہ اختلافِ مشائخ مبنی اس پر ہے کہ لفظ "دادم" مطلقاً معنی نکاح کی تعبیر کر سکتا ہے یا کہ "بزنی" زیادہ کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ یہ صاف اس کی دلیل ہے کہ مولانا عبد الحی صاحب اس صورت کو بیان فرما رہے ہیں جب کہ

اور مرد کے ذمہ عورت کی اس شرط کا ایفاء لازم ہے وہ اس کو ہندوستان لانے کا مجاز نہیں البتہ اگر وہ اپنی اس شرط کو واپس لے لے تو پھر ہندوستان لا سکتا ہے۔

قال فی الھدایۃ (ص ۳۰۹ ج ۲): ولو تزوجہا علی الف ان اقام بہا وعلی الفین ان اخرجہا فان اقام بہا فلہا الالف وان اخرجہا فلہا مہر المثل لایزاد علی الفین ولا ینقص عن الف وھذا عند ابی حنیفۃ رح وقالا: الشرطان جائزان جمیعًا حتی کان لہا الالف ان اقام بہا والالفان ان اخرجہا اھ وفیہ ایضًا (ص ۳۱۴ ج ۲) واذا اوفاہا مہرہا نقلہا حیث شاء لقولہ تعالیٰ: أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم وقیل لا یخرجہا الی بلد غیر بلدہا لان الغربۃ توذی اھ قلت وعلیہ الفتوی حتی یمنع الزوج من نقلہا الی غیر بلدہا بغیر رضاہا صرح بہ فی الشامیۃ وفی الدر المختار ولیس منہ (ای من نکاح المتعۃ) ما لو نکحہا علی ان یطلقہا بعد شہر الخ وفیہ ایضًا لو عقد معہ شرط فاسد لم یبطل النکاح بل الشرط اھ (ص ۴۸۳ مع الشامی)۔

قلت: ولو عقد مع شرط صحیح لم یبطل شیٔ منہا کما ھو ظاہر۔ واللہ اعلم۔ ۷ رجمادی الثانی سنہ ۴۲ھ۔

حلالہ کے بعد نکاح کا حکم جبکہ زوج ثانی منکر وطی ہو اور عورت مدعی دخول

سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق ثلاثہ سے فارغ کر دیا بعد عدت کے عمر کے پاس حیلہ کیا یعنی عمر سے نکاح دیا بعد چند روز کے زید نے کسی طرح پھر طلاق دلوا کے بعد عدت کے پھر اپنے نکاح میں لایا مگر نکاح کرتے وقت اس کی زوجہ سے یہ بات نہیں پوچھا کہ عمر نے اس کے ساتھ صحبت کیا ہے یا نہیں مگر یہ بات مشہور ہے کہ عمر نے طلاق دینے کے وقت جو لوگ حاضر تھے وہ لوگ کہتے ہیں کہ عمر نے طلاق دینے کے وقت صاف صاف کہدیا ہے کہ زید نے اپنی بیوی کو جیسا امانت رکھا ہے ابھی ویسا ہی میرے پاس امانت ہے کسی طرح خیانت نہیں ہوئی یعنی میرے ساتھ فقط نکاح ہوا ہے صحبت نہیں ہوئی زید کے نکاح جدید کے دو یا تین مہینہ کے بعد جب مشہور ہوا کہ زید نے جو نکاح کیا ہے وہ فاسد ہے تب زید کی بیوی نے قسم کھا کر کہا کہ عمر نے میرے ساتھ صحبت کیا ہے حالانکہ عمر نے پہلے طلاق کے اور بعد طلاق کے بھی لوگوں کے پاس ظاہر کیا ہے کہ میں نے زید کی بیوی کو صحبت سے پہلے ہی طلاق دیا ہے موافق شرع شریف کے

عمر کا قول معتبر ہے یا زید کی بیوی کا معتبر ہے اور کس کے قول کے موافق فیصلہ ہوگا۔ اور زید نے جو نکاح جدید کیا ہے اگر فاسد ہو اور وہ توبہ نکر کے باز نہ آوے تو اس سے اختلاط یعنی زید کے ساتھ اکل و شرب درست ہے یا نہیں کس کے قول پر ترجیح ہے کتب کی کوئی عبارت برائے مہربانی نقل کر کے دینا تاکہ ہر طرح اطمینان ہو۔ بینوا توجروا۔ فقط۔

الجواب: قال فی الدر قال الزوج الثانی کان النکاح فاسدا او لم یدخل بها وکذبته فالقول لها اھ قال فی الشامیة کذا فی البحر وعبارة البزازیة ادعت ان الثانی جامعها وانکر الجماع حلت للاول وعلی القلب لا اھ (ص ۸۶۲ ج ۲) اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں عورت کا قول معتبر ہے اور زید کا نکاح جدید اس عورت سے درست ہے۔ واللہ اعلم۔ وفی العالمگیریة لو اخبرت المرأة ان زوجها الثانی جامعها وانکر الزوج الجماع حلت للاول ولو کان علی القلب بان انکرت واقر الزوج الثانی لا تحل اھ (ص ۱۲۹ ج ۲) وقوله لو اخبرت الخ یدل علی انه لا احتیاج الی قضاء القاضی فی المسئلة فافهم۔ ۱۰ شعبان ۴۲ھ۔

منگنی کے وقت ایجاب و قبول کا حکم

سوال (۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید نے مجلس عام منگنی میں روبرو گواہان کے کہا کہ میں نے اپنی لڑکی عمرو کے لڑکے کو دی اور عمرو نے اوسی وقت ایک ہی مجلس میں کہا کہ میں نے قبول کی اور زید کی لڑکی اور عمرو کا لڑکا دونوں صغیر ہیں اب فرمائیے کہ اس صورت میں زید کی لڑکی کا عمرو کے لڑکے کے ساتھ نکاح منعقد ہو جاوے گا جیسا کہ مولانا مولوی عبدالحی رح کے فتاوی میں تصریح ہے کہ اصح روایت پر صورت مذکورہ میں نکاح ہو جاتا ہے جس کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

استفتاء: چہ فرمایند علمای دین کثرہم اللہ تعالیٰ درصورت مسئولہ کہ یک شخص جماعت خود را دعوت خطبہ داد و مردمان جماعت بدعوت خطبہ جمع شدند و در مجلس خطبہ درمیان ولی دختر صغیرہ و ولی پسر صغیر ایجاب و قبول بالفاظ دادم و پذیرفتم جاری شد پس بایں ایجاب و قبول کہ بالفاظ مذکورہ در مجلس خطبہ جاری شدہ است دختر منکوحۂ پسر شد یا نہ بینوا توجروا؟

جواب: ھو المصوب در انعقاد نکاح بلفظ دادم و پذیرفتم اختلاف مشائخ حنفیہ ست بعض حکم بانعقاد می سازند و بعض نہ و در کتب معتبرہ قول اول را اصح گفتہ اند و در

یہ دادم و پزیرفتم مجلس نکاح میں استعمال کیا جائے۔ یا ایسی مجلس میں استعمال کیا جائے جو نہ مجلس خطبہ ہے نہ مجلس نکاح ہے۔ باقی اگر مجلس خطبہ میں ان کو استعمال کیا گیا تو حسب تصریح و در مختار محض وعدہ پر محمول کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔ ۱۸ ر رمضان ۴۲ھ۔

مشرک عورت کو جبراً مسلمان کر کے اس سے نکاح کرنے کا حکم

سوال (۱۰) ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس صورت میں کہ ایک عورت مشرکہ اپنے گھر میں تھی اس کی اور اس کی ساس میں باہم لڑائی ہوگئی ساس نے اس کو مارا اور کہا کہ نکل جا ہمارے گھر سے تو اس کو اس کہنے پر غصہ آیا اور اپنے میکہ کو نکل چلی کہیں راستہ میں ایک جگہ کوئی ایسا آدمی رہتا تھا کہ وہ اکثر ایسی عورتوں کو بہکا کر ادھر ادھر کر دیا کرتا تھا اس مشرکہ مذکورہ کو بھی اس نے اپنے پاس ٹھہرا کر ایک دو روز کے بعد کسی شخص کو بلا کر اور اس سے کچھ روپیہ وصول کر کے عورت مذکورہ کو اس کے ہمراہ کر کے گاڑی میں بٹھا دیا اور کہا کہ ان کے ساتھ جا یہ تجھ کو تیرے باپ کے یہاں پہونچا دیں گے وہاں سے چل کر کچھ مسافت کے بعد گاڑی سے اترے تو اس عورت نے کہا یہ تو میرے میکہ کا راستہ نہیں لانے والے نے دھمکایا اور کہا کہ ہمارے ساتھ چل اور خاموش رہ ورنہ ہم تجھ کو مار ڈالیں گے اور پھر اپنے مکان میں لا کر چند روز رکھا اور دھمکیاں دیتے رہے کہ تو مسلمان ہو جا ورنہ ہم تجھ کو مار ڈالیں گے بالآخر چار و ناچار وہ راضی ہوگئی چند روز کے بعد ایک آدمی کو بلا کر چند آدمیوں کے سامنے اس کو مسلمان کیا اس عورت نے بخوبی کلمہ شریف پڑھا اور اپنے پہلے دین سے بریت اور اسلام سے اپنی رغبت ظاہر کر دی اور اقرار کیا کہ احکام اسلامی کو بجا لایا کروں گی اور اسی کو اپنا دین سمجھا کروں گی تو یہ عورت شریعت محمدیہ کی رو سے مسلمان ہوگئی یا نہیں ہوئی؟ بیّنوا توجروا۔

تنقیح:۔ فی رد المحتار فاذا قال انا مسلم طائعاً فهو دليل اسلامه وفيه فاذا اتى بهما (اى بالشهادتين) طائعاً يجب الحكم باسلامه ج۳ ص۴۲۵ بنابراں روایات کے دیکھنا چاہئے کہ اظہار رضا و رغبت طائعاً ہے یا اب بھی اس کو وہی خوف ہے کہ اگر ایسا نہ کروں گی تو مجھ کو مار ڈالیں گے اور اس کے گمان میں یہ ہے کہ یہ ایسا کر سکتے ہیں جواب اس کی تحقیق پر موقوف ہے۔

جواب تنقیح:۔ اس عورت مذکورۂ بالا سے جو دریافت کیا گیا کہ مسلمان ہوگئی ہے تو اس نے نہایت خوشی سے مسلمان ہونے کا اظہار کیا اور جب جدا گانہ پوچھا گیا ہے کہ تجھ کو پھر اسی پہلے دین کی طرف رغبت محبت ہے اس دین میں جانا چاہتی ہے؟ تو اس سے بالکل انکار کرتی ہے،

اور اسلام لانے پر خوش ہے اور کسی قسم کا خوف نہیں ظاہر کرتی ہے اور جانتی ہے کہ میں ذی اختیار ہوں اگر پہلے دین کو اختیار کروں تو مجھ کو کوئی شے مانع نہیں ہے بینوا جوابہ توجروا۔

الجواب: قال قاضیخان فی فتاواہ (ص ۶۱۶ ج ۴) من باب الاکراہ: واذا اجبر الکافر علی الاسلام فاسلم صح اسلامہ فان ارتد بعد ذلک یجبر علی الاسلام ولا یقتل اھ۔

صورت مسئولہ میں اس عورت مشرکہ کا اسلام معتبر ہوگیا اب اس کو مسلمان ہی سمجھنا چاہئے اور اگر اس کا شوہر کافر زندہ ہے تو وقت اسلام سے تین حیض گذر جانے کے بعد اس کا نکاح مسلمان مرد سے ہوسکتا ہے تین حیض گذرنے سے پہلے نکاح درست نہ ہوگا، واللہ اعلم۔ ۱۹ ذیقعدہ ۴۲ھ

مشرک سے اس کی نابالغ لڑکی خریدنے سے اس کا مالک نہ ہونا۔ اور بحالت نابالغی اس سے نکاح کا حکم

سوال (۱۱) اگر کسی نے مشرکہ لڑکی کو اس کے ماں باپ سے جو مشرک ہیں خرید لیا اور وہ لڑکی نابالغہ ہے اگر اس نے اس کو مسلمان کر لیا اور بعض ضرورتوں کی وجہ سے دو گواہوں کے سامنے اس سے نکاح اس طرح کیا کہ دو گواہ جانتے ہیں۔ اور کوئی نہیں جانتا تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ یہ نکاح لڑکی کے عدم بلوغ میں ہوا ہے۔

الجواب: قال الشامی فی النہر عن منیۃ المفتی اذا باع الحربی ھناک ولدہ عن مسلم عن الامام انہ لا یجوز ولا یجبر علی الرد وعن ابی یوسف یجبر علی الرد اذا خاصم الحربی اھ (ص ۳۷۶ ج ۳)۔

صورت مسئولہ میں یہ نکاح درست نہیں ہوا کیونکہ یہ شخص اس لڑکی کے خریدنے سے اس کا مالک نہیں ہوا اور یہ اس کا ولی بھی نہیں جو نابالغی کی حالت میں اس کا نکاح کر سکے پس بعد بلوغ کے اس لڑکی کی رضا سے نکاح کرنا چاہئے قلت وفی بعض الروایات انہ یملک لو کان اہل الحرب یرون جواز ھذا البیع فعلی ھذا ایضا لم یصح النکاح لکونہ من سیدھا ونکاح الامۃ من سیدھا لا یجوز والروایۃ المشار الیھا ذکرھا العلامۃ عبد الحی فی فتاواہ عن البزازیۃ بلفظ والصحیح ان کان البائع یری جواز بیعہ ملکہ مطلقا وان کان لا یری ان اشتراہ و ذھب بہ مکرھا ملکہ بالقھر اھ (ص ۱۰۲ ج ۱) والظاھر من حال الکناسین ...... والکافرین من اھل الھند انھم یرون ذلک جائز "الشبوعۃ

فیما بینھم من غیر نکیر ولکن لا افتی بجواز الاستمتاع بھذا الملک لاختلاف الروایات فی الباب، واللہ اعلم۔ ۲۰ محرم سنہ ۴۵ھ۔

حکم نکاح سنیہ با رافضی

سوال (۱۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس معاملہ میں جس کی کیفیت ذیل میں درج ہے:۔

زید کا آبائی مذہب شیعہ تھا اس کے بہن کی شادی ایک سنت جماعت سے ہوئی کچھ عرصہ کے بعد زید مع اپنے باپ کے اس مقام پر چلا آیا جہاں اس کی بہن تھی اور علیحدہ رہ کر کاروبار کرنے لگا زید کا باپ فوت ہوگیا اور اس نے کچھ عرصہ کے بعد بخوشی خود مذہب اہل سنت وجماعت اختیار کرلیا وہ بے پڑھا اور نہایت سادہ لوح آدمی تھا کسی قسم کا مذہبی تعصب نہ تھا نہ کوئی مذہبی واقفیت تھی البتہ جب سے وہ شریک اہل سنت وجماعت ہوا نماز عیدین میں برابر سنت جماعتوں میں شریک ہوتا تھا اور جملہ رسومات اہل سنت وجماعت ادا کرتا تھا اس کی شادی بھی سنت جماعتوں میں ہوئی اور اس کی زوجہ کا مذہب سنت جماعت ہے زید کی ایک لڑکی ہوئی جس کی شادی ایک درمیانی شخص نے یہ خیال کرکے کہ اس کا گھرانہ شیعہ رہا ہے ایک شیعہ گھرانے میں طے کی جس کو زید نے اپنی بے تعصبی سے منظور کرلیا لڑکی کی عمر اس وقت آٹھ یا نو سال کی تھی اور وہ اپنی ماں باپ کے موجودہ مذہب پر یعنی سنت جماعت پر تھی نکاح کے وقت کسی قاضی عالم نے نکاح نہیں پڑھایا نہ ایجاب وقبول کرایا گیا نہ کوئی گواہ نہ وکیل لڑکی کی طرف کا ہے (یہ بات یقینی ہے کہ زید نے اجازت دے دی ہوگی ورنہ ازدواج ہو ہی نہیں سکتا تھا لیکن اجازت دینے کا بھی کوئی گواہ لڑکی کی طرف والوں میں نہیں پایا جاتا جس کے لڑکے کے ساتھ نسبت ہوئی سنا جاتا ہے کہ اس کے چچا نے اپنی طریقہ پر صیغہ پڑھ لیا تھا اور یہ ازدواج کی رسم ختم ہوکر کھانے کے بعد بارات رخصت ہوگئی لڑکی کی رخصت بوجہ نابالغی نہیں ہوئی چار سال بعد لڑکی کی رخصت ہوئی اور وہ پندرہ روز اپنے سسرال میں رہ کر واپس آئی اس وقت کوئی بات خلاف نہیں ہوئی آٹھ ماہ کے بعد وہ پھر سسرال گئی اور چار ماہ وہاں رہی اسی عرصہ میں عشرہ محرم پڑا اس گھرانے کی عورتوں نے اپنی رسم کے موافق چوڑیاں توڑیں اور سینہ کوٹ کوٹ کر ماتم کیا اس کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم کیا گیا چونکہ یہ سنت جماعت تھی اور بچپن سے اس کی عادتیں تھیں نہیں اس نے انکار کیا انکار پڑے اس کو مار پڑی اور زبردستی چوڑیاں توڑدی گئیں اور ماتم کرنے اور رونے پر مجبور کی گئی اور بھی رسوم ان لوگوں نے کیں جس کو اعمال کہتے ہیں جو بنار فساد درمیان شیعہ وسنت جماعتوں کے ہے اس کے علاوہ بھی معمولی روزمرہ کے برتاؤ میں طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں

لڑکی کو یہ باتیں شاق گذریں مگر مجبور تھی چار ماہ بعد وہ لوگ رخصت نہیں کرتے تھے لیکن کسی طرح ہزار کوشش رخصت کرائی جاکر اپنے ماں باپ کے گھر آئی اور سب حال بیان کیا اور کہا کہ میں اب اُس گھر جانا نہیں چاہتی کسی طرح میرا وہاں سے پیچھا چھوڑا یا جاوے مجھے سخت تکلیف دی جاتی ہے اور مجھے یہاں تک خیال ہے کہ اگر اب میں وہاں گئی تو پھر واپس نہ آؤں گی اس پر زید نے قصد کر لیا کہ وہ لڑکی کو وہاں نہ بھیجے گا اور خلع کرالے گا لیکن چند روز بعد زید بقضاء الٰہی فوت ہو گیا اس کی زوجہ لڑکی کو رخصت نہیں کرتی اور نہ وہ لڑکی کسی طرح جانے کو راضی ہے اب لڑکی کے سسرال والوں نے عدالت سے رخصت کرادئے جانے کا دعویٰ کیا۔ لڑکی کہتی ہے کہ میں نابالغ تھی مجھے خبر نہیں کہ میرا نکاح کیسے ہو گیا مجھ سے کسی نے کچھ نہیں کہا نہ تعداد مہر کی معلوم ہے کہ کیا باندھا گیا چونکہ اب میں بالغ ہوں میں ایسے جگہ ہرگز جانا نہیں چاہتی جہاں مجھ سے وہ رسوم کرائی جائیں جو میں نے کبھی نہیں کیں اور ہر طرح کی تکلیف دی جاوے اور بزرگان دین کو بُرا بھلا خود کہا جاوے اور مجھ سے کہلوایا جاوے۔ میں اب اگر وہاں جاؤں گی تو پھر واپس نہیں آسکتی میرا خلع کرالیا جاوے، اب شرع شریف اس بارہ میں کیا حکم دیتی ہے کہ آیا باوجود اس کے کہ لڑکی کا صیغہ نابالغی میں پڑھا گیا ایجاب و قبول نہیں کرایا گیا تعداد مہر معلوم نہیں۔ نکاح اہل سنت و جماعت کے طریق پر نہیں ہوا جو کہ لڑکی اور اوس کے والدین کا مذہب ہے اس کو ہر طرح تکلیف دی جاتی ہے اپنے مرضی اور عقائد کے خلاف باتیں کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں بھی کیا اوس کو خلع نہیں مل سکتا اور وہ جبراً سسرال بھیجے جانے پر مجبور کی جاسکتی ہے اگر وہ وہاں گئی تو پھر اون لوگوں کے اختیار میں ہو گی وہ جیسا چاہیں اس کے ساتھ برتاؤ کریں کوئی اسکی طرف سے فریاد کرنیوالا نہیں۔ اس کی ماں بیوہ اور لڑکی کے سسرال علاقہ انگریزی میں ہے اور اس کی ماں ریاست میں رہتی ہے جواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں فقط؟

الجواب: روافض کے متعلق علماء سنت و جماعت کے دو قول ہیں بعض محققین کے نزدیک رافضی کافر ہیں پس اُن کے قول پر کسی سنی عورت کا نکاح رافضی مرد سے درست نہیں ہو سکتا نعم یجوز نکاح الرافضة بالرجل السنی لکونها کتابیة قال فی التحریر المختار وجعل الرملی فی حاشیة المنح المعتزلة والرافضی بمنزلة اهل الکتاب حیث قال تحت قوله وصح نکاح کتابیة، اقول یدخل فی هذ الرافضة بانواعها والمعتزلة فلا یجوز ان تتزوج المسلمة السنیة

من الرافضی لانہا مسلمۃ وھو کافر فدخل تحت قولھم لا یصح تزوج مسلمۃ بکافر اھ وقال الرستغفنی لا تجوز مناکحۃ بین اھل السنۃ والاعتزال اھ فالرافضۃ مثلھم او اقبح والرملی جعلھم من قبیل اھل الکتاب فیجوز نکاح نساءھم ولا یجوز ولعلہ اعدل الاقوال لانہ لا شک فی کفر الرافضۃ اھ سندی (ص ۱۸۳ ج ۱) اس قول کی بنا پر دختر زید کا نکاح رافضی مرد سے درست ہی نہیں ہوا اور وہ بدون طلاق و نکاح کے دوسرے مرد سنی سے نکاح کر سکتی ہے لیکن وطی بالشبہ کی وجہ سے اس کے ذمہ عدت ہوگی اور دخول کی وجہ مہر مثل کبھی بطور عقر کے مستحق ہوگی۔ اور محققین حنفیہ کی ایک جماعت رافضیوں کو اطلاق کے ساتھ کافر نہیں کہتی بلکہ وہ تفصیل کرتے ہیں کہ اگر رافضی قاذف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہو یعنی نعوذ باللہ ان پر تہمت زنا لگاتا ہو یا قرآن میں تحریف و کمی بیشی کا قائل ہو تو کافر ہے اس کے ساتھ سنیہ کا نکاح باطل ہے اور دخول کے بعد عدت و مہر کا وہی حکم ہے جو اوپر گذرا اور اگر قاذف عائشہ رض نہیں۔ اور نہ تحریف قرآن کا قائل ہے اور اس کے علاوہ اور بھی کوئی عقیدہ کفریہ نہیں رکھتا تو کافر نہیں بلکہ فاسق ہے اس کے ساتھ سنیہ کا نکاح بعض صورتوں میں درست ہو جاتا ہے مثلاً جب باپ دادا نے اپنی لڑکی سنیہ کا نکاح بلوغ سے پہلے کر دیا ہو مگر جس طرح ہو سکے سنیہ کو طلاق یا خلع کر کے اس مرد سے علیحدگی اختیار کر لینی چاہئے کیونکہ اس کے پاس رہنے میں اس کے دین اور مذہب پر اندیشہ ہے پس صورت مسئولہ میں اگر دختر زید کا رافضی شوہر حضرت عائشہ رض کو متہم کرتا ہے اور قرآن میں تحریف کا یا کسی اور عقیدہ کفریہ کا قائل ہے تو وہ کافر ہے اوس سے دختر زید کا نکاح صحیح نہیں ہوا اور اگر وہ اس عقیدہ کا نہیں۔ تو نکاح صحیح ہو گیا۔ لیکن حاکم کو چاہئے کہ خلع وغیرہ کرا کر اس عورت کو رافضی مرد سے طلاق دلا کر الگ کر دے ورنہ عورت کو چاہئے کہ جہاں تک قدرت ہو اوس سے اپنے کو بچاوے قال الشامی نعم لا شک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ او انکر صحبۃ الصدیق او اعتقد الالوھیۃ فی علیؓ او ان جبرئیل غلط فی الوحی او نحو ذلک اھ (ص ۴۵۳ ج ۳)۔

۲۵ محرم ۴۵ھ۔

اس عورت سے جواز نکاح کا حکم جو زوج اول سے اپنا مطلقہ ہونا بیان کرتی ہو

سوال (۱۳۱) جناب در بارہ مسئلہ ذیل کیا فرماتے ہیں۔
ایک عورت میرے یہاں دو سال سے ملازم ہے جو کہ جوان ہے

اور میں اپنے ایک ملازم سے اس کا نکاح کر دینا چاہتا ہوں کیونکہ اندیشہ ہے کہ وہ بد چلن نہ ہو جاوے لیکن اس میں صورتیں یہ پیدا ہو گئی ہیں اول یہ کہ مسماۃ کہتی ہے کہ اس کا طلاق ہو چکا ہے اور اس کے شوہر نے بذریعہ خط کلکتہ سے اپنے ماں باپ کو لکھا ہے کہ اس کو گھر سے نکال دو ہم سے اور اس سے اب کوئی واسطہ نہیں مگر اس خط کے جواب پر اس کے باپ نے یہ لکھا کہ ہم کس طرح سے نکال دیں کیا تم اس کو طلاق دیتے ہو؟ اس دوسرے خط کے جواب میں اس نے یہ لکھا کہ ہم اس کو طلاق دیتے ہیں تم گھر سے نکال دو اور اس گاؤں میں اس کو کہیں مت رہنے دو بڑی بدنامی ہوگی اور وہ دوسری عورت کو اپنے ساتھ کلکتہ لے گیا میں نے اس طلاق کی تحقیق میں بیحد کوشش کی جس کا نتیجہ حسب ذیل ہے:

(۱) جو عورت اس کو اپنے ہمراہ اس کے سسرال سے لائی اس کا بیان یہ ہے کہ اگر اس کا نکاح زید سے نہ ہوا اور کہیں دوسرے سے ہو تو میں کہہ سکتی ہوں کہ طلاق ہو گیا ہے۔

(۲) اس کا جیٹھ میرے پاس خود بغرض ملازمت آیا تھا اس سے میں نے طلاق کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے یہ ظاہر کیا کہ کسی مہاجن کا کچھ روپیہ قرضہ ہے۔ اگر مسماۃ اس کو ادا کر دے تو میں لکھ دوں گا کہ طلاق ہو گیا ہے۔

(۳) ایک مسلمان مسماۃ مذکورہ کے گاؤں کا رشتہ دار کہا جاتا ہے اس نے میرے روبرو بدریافت حال طلاق بیان کیا کہ طلاق ہو گیا ہے۔ میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں نے اس سے اس طریقہ سے سوال کیا تھا کہ یہ شرع کا معاملہ ہے سچ سچ بتانا جھوٹ نہ بولنا اور نہ کسی کی طرفداری کرنا ورنہ تم پر گناہ ہوگا تب اس پر اس نے کہا کہ طلاق ہو گیا ہے۔

(۴) میں نے ایک شخص خاص کو (اور وہ میرا دوست ہے) بدریافت طلاق مسماۃ کی سسرال اپنے خرچ سے بھیجا کہ وہ اس کے ماں باپ اور خاص قرابت داروں سے دریافت کرے کہ آیا مسماۃ مذکورہ کو اس کے شوہر نے (جو اب تک سنا جاتا ہے کہ کلکتہ میں ہے اور دوسری عورت اس کے پاس ہے) طلاق دیا ہے یا نہیں اس نے آکر یہ بیان کیا کہ اس کا جیٹھ یہ کہتا ہے کہ مسماۃ یہاں آکر رہے ہم اس کا نکاح اس کے شوہر سے طلاق دلا کر جس کو وہ پسند کرے کر دیں گے۔ لیکن اس کے خسر نے یہ کہا کہ ہم اس کو نہیں رکھیں گے تم اگر خرچ دے سکتے ہو تو بلا کر کے رکھو۔

(۵) میں نے ایک خط اس موضع کے تھانہ دار کو اپنی جانب سے بہ دریافت حال طلاق لکھا تھا۔ جس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ میری جانچ سے یہ معلوم ہوا کہ طلاق نہیں ہوا ہے اور یہ

بھی لکھا ہے کہ اس کے شوہر کا پتہ ٹھیک معلوم نہیں ہے کہیں کلکتہ میں رہتا ہے احمد خان خسر مسماۃ اپنے ساتھ رکھنے کے لئے راضی نہیں ہے لیکن اس کا جیٹھ اپنے گھر میں رکھنا چاہتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اپنے چھوٹے بھائی سے اس کا نکاح کرا دے ایسی صورت میں طلاق ہوگیا کہ نہیں ؟ اگر طلاق نہیں ہوا تو کونسی صورت اختیار کی جاوے اس سے زیادہ جانچ میرے امکان سے باہر ہے۔ اگر مسماۃ کو قسم دی جائے اور وہ حلفیہ بیان کرے کہ طلاق ہوگیا ذریعہ تحریر کے تو وہ طلاق از روئے شرع درست ہے یا نہیں ؟ ایسی صورت میں مرد کی قسم کا اعتبار کیا جائے گا یا عورت کی؟ بینوا توجروا

تنقیح :۔ یہ عورت دینداری میں کیسی ہے پابند نماز وغیرہ ہے یا نہیں۔ اس کا چال چلن کیسا ہے جھوٹ سچ بولنے میں اس کے متعلق تجربہ کیا ہے ان تنقیحات کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائے گا۔ یہ پرچہ بھی واپس کیا جاوے، فقط۔

جواب تنقیح :۔ (۱) عورت نومسلمہ ہے۔ نماز اکثر پڑھتی ہے۔ پوری نماز اس کو نہیں آتی۔ سکھایا جاتا ہے۔ گذشتہ رمضان المبارک کے روزے رکھے تھے۔

(۲) چال بظاہر اچھا ہے۔

(۳) تجربے سے میں اس کو دروغ گو نہیں کہہ سکتا ممکن ہے کہ خانہ داری کے معاملات میں بحیثیت ایک ملازمہ کے کبھی جھوٹ بول دیا ہو (قیاساً)۔

(۴) عورت پردہ نشین نہیں ہے کام کاج کے لئے بازار وغیرہ جایا کرتی ہے۔ فقط۔

(۵) اگر عورت کے ہاتھ میں قرآن شریف دیکر قسم کھلائی جاوئے گی تو وہ ہرگز جھوٹ قسم نہ کھائیگی۔

الجواب : اگر یہ عورت قسم کھا کر کہے کہ مجھ کو میرے شوہر نے طلاق دے دی ہے اور عدت گذر چکی اور قلب اس کی بات کو قبول کرے تو اس کا دوسرے شخص سے نکاح کر دینا اور دوسرے شخص کو اس سے نکاح کر لینا جائز ہے جبکہ اس کا دل بھی عورت کی بات کو قبول کرے، قال فی العالمگیریۃ (ص ۲۱۰ ج ۶) ولو ان امرأۃ قالت لرجل ان زوجی طلقنی ثلاثا وانقضت عدتی فان کانت عدلۃ وسعہ ان یتزوجھا وان کانت فاسقۃ تحری، وعمل بما وقع تحریہ علیہ کذا فی الذخیرۃ اھ قلت: وانما قیدت بشہادۃ القلب لھا لکون عدالتھا فی الصورۃ المسئولۃ مشتبھۃً عندی، واللہ اعلم۔

۲۷ صفر ۴۵ھ۔

اس شرط پر نکاح کا حکم کہ پانچ سال یہاں رہنا ہوگا

سوال (۱۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مُبلّلانِ شرع گلزار متین اس مسئلہ میں زید بحالت تجارت اپنے وطن کو چھوڑ کر ایک قصبہ میں مقیم ہوا اور عائشہ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ میں یہاں پہ پانچ سال کامل رہوں گا اور ایک مرتبہ زید عائشہ کو اپنے وطن اصلی کو بھی لے گیا تھا پھر زید نے شرط جو پانچ سال اقرار کی تھی پوری کرنے کا انکار کیا اور پھر وہ عائشہ کو اس کے میکے چھوڑ کر اپنے وطن اصلی چلا گیا پھر آکر زید نے عدالت میں عائشہ کو قبضہ لینے کا دعویٰ کیا یہ نکاح ثابت رہا یا نہیں جو شرط سے انکار ہے تو ضرور آپ مفصل طور سے کتبہائے معتبرہ سے جواب تحریر فرمادیں؟ عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

الجواب ؛ قال فی الدر والنکاح لا یصح تعلیقه بالشرط کتزوجتك ان رضی ابی لم ینعقد النکاح لتعلیقه بالخطر کما فی العمادیة

قال الشامی حیث قال لا یصح تعلیق النکاح بالشرط مثل ان یقول لبنته ان دخلت الدار زوجتك فلانا وقال فلان قبلت فان التعلیق لا یصح و ان صح النکاح ولعله اشتبه علیه النکاح المعلق علی شرط بالنکاح المشروط معه شرط فاسد وبینهما فرق واضح شر نبلالیة ای فان الاول یبطل راسًا واساسًا والثانی یصح ویلغو الشرط۔

صورت مسئولہ میں اگر ایجاب وقبول کے ساتھ یوں کہا گیا تھا کہ اگر تو پانچ سال یہاں رہے تو فلاں عورت کا تجھ سے نکاح ہے ورنہ نہیں اس کا حکم اور ہے اور اگر ایجاب وقبول کے ساتھ یوں نہیں کہا گیا بلکہ پانچ سال رہنے کی شرط ایجاب وقبول سے پہلے طے کر لی گئی یا بعد میں کہا گیا تو حکم اور ہے سائل کو بتلانا چاہئے کہ ان دونوں میں سے کونسی صورت واقع ہوئی ہے۔

فقط ۔ ۸ رج ۲ ۱۳۴۳ھ ۔

طلاق مغلظہ کے بعد بغیر حلالہ نکاح ثانی اور ان ایام میں عورت کے نفقہ کا حکم

سوال (۱۵) ۸۶ ، کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ[1] میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق دی معہ تین طلاق کے جس کے گواہ موجود ہیں پھر[2] دوبار ؟ بزور نکاح ثانی کرنے پر زید سے کہا گیا زید نکاح ثانی پر راضی نہ ہوا لیکن زید کو کہا گیا اور سمجھا یا گیا کہ نکاح ثانی ہوسکتا ہے از روئے فتویٰ کے ان کہنے پر زید نے نکاح ثانی کر لیا بعد نکاح ثانی کے زید نے فتویٰ دریافت کیا فتویٰ ناجائز ٹھہرا جب ثبوت فتویٰ ناجائز کا ٹھہرا تو زید نے اپنے زوجہ ہندہ کو چھوڑ دیا اب[3] والد ہندہ

نے زید پر مقدمہ دائر کیا ہے کہ میری لڑکی ہندہ کو دس ماہ سے خرچ خانہ داری نہیں دیتا ہے اور اس مقدمہ میں ایک طرفہ ڈگری حاصل کر لیا ہے نمبر وار جواب ارسال فرماویں طلاق کہ طلاق ہوئی یا نہیں نکاح ثانی جائز ہوا یا نہیں خرچ خانہ داری عائد ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں چونکہ نکاح ثانی بدون حلالہ ہوا ہے اس لئے درست نہیں ہوا ہندہ پر تین طلاق ہو چکی ہیں جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دیا مع تین طلاق کے۔ اور جب نکاح ثانی درست نہیں ہوا تو زید پر ایام نکاح ثانی کا نفقہ بھی لازم نہیں ہوا البتہ عورت پر زید سے علیحدگی کے بعد اس نکاح ثانی کی وجہ سے بھی عدت لازم ہو گئی اگر ہمبستری ہوئی ہو، لکون الوطی فیہ بشبھۃ۔ قال فی الدر فتجب للزوجۃ بنکاح صحیح فلو بان فساد او بطلانہ رجع بما اخذتہ من النفقۃ بحر اھ قال الشامی فلا نفقۃ علی مسلم فی نکاح فاسد لانعدام سبب الوجوب وھو حق الحبس الثابت للزوج علیھا بالنکاح وکذا فی عدتہ لان حق الحبس وان ثبت لکنہ لم یثبت بالنکاح بل لتحصین الماء اھ (ص ۱۰۶۰ ج ۲) اس سے معلوم ہوا مدت نکاح ثانی کا نفقہ زید پر تو واجب ہے ہی نہیں بلکہ اگر اس نے اس مدت میں ہندہ کو کچھ نفقہ دیا ہو تو اس کو ہندہ سے واپس لے سکتا ہے، واللہ اعلم۔ ۸ رجمادی الاخری ۴۳ھ۔

نکاح نو مسلمہ محصنہ جو اسلامی ریاست میں بردہ ہو کر آئے تو یہ تباین دارین موجب بینونت ہے یا نہیں

سوال (۱۶) کافرہ عورت کے متعلق مسئلہ ہے کہ کافرہ عورت ہو اور کافر کے ملک میں مسلمان ہو کر نکاح کرے تو چھ ماہ تک اس کو مسلمان ہونے کے بعد نکاح کرنا چاہئے جب جائز ہوگا اگر اس عورت کو مسلمان کرنے پر تین ماہ کے بعد کسی اسلامی سلطنت میں لے جا کر نکاح کیا جاوے تو درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب: کافرہ عورت اگر خاوند والی ہو تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ دار الحرب میں جب تک اس کو تین حیض نہ آئیں گے اس وقت تک اس کا نکاح کافر شوہر سے نہیں ٹوٹتا تین حیض آنے کے بعد دونوں میں فرقت ہوگی چھ مہینے کی قید نہیں بلکہ تین حیض کا آنا ضروری ہے چاہے تین ماہ میں آئیں یا سال بھر میں قال فی الدر ولو اسلم احدھما ثمہ ای فی دار الحرب لم تبن حتی تحیض ثلاثا او تمضی ثلاثۃ اشھر (ای ان کانت لا تحیض لصغر او کبر کما فی البحر اھ ش) (ص ۶۴۰ ج ۲) رہا یہ کہ اس کو اسلامی

سلطنت میں لے جاکر نکاح کیا جاوے سو اس کی چند صورتیں ہیں :-

ع۱ یہ کہ اسلامی سلطنت میں اُس کو اسلام لانے سے پہلے جبر اً لے جایا جائے اُس کی خوشی کے ساتھ نہ لے جایا جائے اس صورت میں اسلامی سلطنت میں پہونچتے ہی اس کے ساتھ نکاح درست ہے بشرطیکہ حاملہ نہو۔ لکونہا فی ھذہ الصورۃ کالاسیرۃ اخرجت من دار الحرب الی دار الاسلام فبطل النکاح بینھما لتباین الدارین۔

ع۲ دوسری صورت یہ ہے کہ اُس کو اسلام کے بعد یا اسلام سے پہلے اسلامی سلطنت میں خوشی کے ساتھ لے جایا جائے مگر ارادہ یہ ہو کہ اسلامی سلطنت ہی میں رہیں گے یعنی وہاں توطن کا ارادہ ہو جس کے لئے کم ازکم ایک سال کے قیام کا ارادہ شرط ہے اس صورت میں بھی وہاں پہونچکر فوراً نکاح درست ہے بشرطیکہ حاملہ نہو لان التوطن یبطل الوطن الاول فتتباین الداران فبطل النکاح، والحربی لا یمکن ان یقیم بدارالاسلام سنۃ کاملۃ واذا تم الحول ضرب علیہ الجزیۃ وصار ذمیا۔ باقی محض دوچار روز کے واسطے اسلامی سلطنت میں لے جانا مفید نہیں اور اس سے نکاح بالکافر باطل نہ ہوگا لکونہا مستأمنۃ وبالاستیمان لا یبطل الدار فلم یوجد تباین الدارین قال فی الدر: والمرأۃ تبین بتبائن الدارین حقیقۃ وحکما (المراد بتباین الدارین حقیقۃ تباعدھما شخصاً وبالحکم ان لا یکون فی الدار التی دخلہا علی سبیل الرجوع بل علی سبیل القرار والسکنیٰ حتی لو دخل الحربی دارنا بامان لم تبن زوجتہ لانہ فی دارہ حکما الا اذا قبل الذمۃ اھ ش) قال فی الدر ومن ھاجرت الینا مسلمۃ او ذمیۃ حاملا بانت بلا عدۃ فیحل تزوجہا (قال الشامی المہاجرۃ التارکۃ دار الحرب الی دار الاسلام علی عزم عدم العود وذلک بان تخرج مسلمۃ او ذمیۃ او صارت کذلک اھ) قال فی الدر او اخرج مسبیا وادخل فی دارنا (افاد انہ لا یتحقق التبائن بمجرد السبی بل لا بد من الاحراز بدارنا بدائع ۱۲ ش) اھ (ص ۶۴۱ و ۶۴۲ ج ۲) وبالجملۃ فالدخول بدار الاسلام بالامان لا یکفی للتبائن بل لا بد من الادخال مسبیۃ او دخولہا مہاجرۃ، واللہ اعلم۔ ۲۵ ذیحجہ ۴۳ھ۔

زنا سے نکاح نہیں ٹوٹتا

سوال (۱۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ زید کی منکوحہ ہندہ نا اتفاقی سے یا اور کسی وجہ سے بکر کے پاس چلی گئی دو چار سال بکر کے گھر میں بطور عورت کے رہی بلکہ ایک بچہ بھی بکر کے نطفہ حرام سے پیدا ہوا مگر زید نے طلاق نہیں دیا بعد مدت مذکورہ بالا کے زید نے سرکار کے ذریعہ سے یا اور کسی وجہ سے اپنی منکوحہ ہندہ کو اپنے گھر لایا اس صورت میں زید و ہندہ کا باہم پہلا نکاح کافی ہے یا کہ نکاح ثانی کرنا ہوگا یا طلاق ہوگئی؟

الجواب: زید کا نکاح باقی ہے دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں البتہ زید کے لئے مستحب ہے کہ جب سے ہندہ نے بکر سے علیحدگی کی ہے اس وقت کے بعد حیض آنے کا انتظار کرے حیض کے قبل صحبت نہ کرے لما فی رد المختار (قوله والمزنی بها لا تحرم علی زوجها) فله وطئها بلا استبراء عندهما وقال محمد رح لا احب له ان يطأها مالم يستبرأها كما مر فی فصل المحرمات وقال الشامی تحت قول الدر (لا يقربها زوجها) ای يحرم عليه وطيها حتى تحيض وتطهر كما صرح به شارح الوهبانية و هذا يمنع من حمله على قول محمد رح لانه يقول بالاستحباب كذا قاله المصنف فی المنح فی فصل المحرمات، اور بچہ زید کو ملے گا خواہ زید اس کے نسب کا انکار کرے خواہ اقرار کرے، قال الشامی تحت (قوله على اربع مراتب) قوی و هو فراش المنكوحة ومعتدة الرجعی فانه فيه لا ينتفی الا باللعان (ص۱۳۷ ج۲)- وفی البدائع (شرط وجوب اللعان وجوازه) والثانی عفتها عن الزنا فان لم تكن عفيفة لا يجب اللعان بقذفها الخ (ص۲۴۱ ج۳) وفيه ايضا ص۲۴۶ وعلى هذا قلنا ان القذف اذا لم ينعقد موجبا اللعان او سقط بعد الوجوب اوجب الحد او لم يجب او لم يسقط لكنهما لم يتلاعنا بعد لا ينقطع نسب الولد وكذا اذا نفى نسب ولد حرة فصدقته لا ينقطع نسبه لتعذر اللعان اھ۔ عبد الکریم عفی عنہ۔ ۵ ذیقعدہ سنہ ۴۳ھ۔

اجوبۃ صحیحۃ۔

ظفر احمد عفا عنہ۔ ۵ ذی القعدہ سنہ ۴۳ھ۔

مطلقہ ثلاث نے مرتد ہو کر کافر سے نکاح کر لیا بعد دخول کے زوج ثانی نے طلاق دی تو کیا مسلمان ہونیکے بعد وہ زوج اول کیلئے حلال ہوگی یا اب بھی حلالہ کی ضرورت ہے

سوال (۱۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ

کافرہ مسلمہ ہو کر کسی مسلم سے نکاح کیا دس برس تک اس کے ساتھ رہی بعد اس کے اس کے زوج نے تین طلاق دے دی پھر وہ عورت مرتد ہو گئی اور کسی کافر سے نکاح کر لیا اور اس نے دخول بھی کیا بعد ازاں اس نے بھی طلاق دیکر جدا کر دیا اب وہ عورت مسلمان ہو گئی اور زوج اول سے نکاح کرنا چاہتی ہے کیا یہ نکاح درست ہے یا کسی مسلم سے حلالہ کرنے کی ضرورت ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قال فی الدر لا ینکح مطلقۃ بہا ای بالثلث لو حرۃ و ثنتین لو امۃ حتی یطأھا غیرھا ولو الغیر مراھقا یجامع مثلہ او خصیا او مجنونا او ذمیا لذمیۃ (ای ولو کان التحلیل لاجل زوجھا المسلم کما فی البحر ۱۲ شامی) بنکاح نافذ خرج الفاسد والموقوف اھ۔

اگر اس عورت نے بعد ارتداد کے کسی کافر سے باقاعدہ نکاح کر لیا تھا (گو قاعدہ کفار ہی کے موافق ہو) اور کافر زوج نے اس سے دخول کر لیا تھا تو بعد اسلام عورت کا زوج اول اس سے نکاح کر سکتا ہے اور اب تحلیل کی ضرورت نہیں زوج کافر کی تحلیل کافی ہو گئی، لکونہ کذمی لذمیۃ، واللہ اعلم۔ ۲۸ رجب سنہ ۴۵ھ۔

حکم نکاح بالکتابت

سوال (۱۹) اگر مرد و عورت سے بہ رضامندی یہ تحریر لکھوائے کہ تو میرا خاوند ہے یا مجھ کو تجھ سے نکاح منظور ہے پھر مرد اس تحریر کو دو آدمیوں کو دکھا دے تو کیا نکاح ہو جائے گا جبکہ دونوں آپس میں رضامند ہوں اور رضامندی سے تحریر لکھوائی گئی ہو اور اس صورت میں کیا عورت کو اپنا نام یا پورا پتہ تحریر مذکورہ میں لکھنا چاہیے یا یونہی فقط خالی دستخطی تحریر سے نکاح ہو جائے گا جو کچھ شرع شریف میں حکم ہو بہت جلد جواب دیں؟

الجواب: اس صورت میں نکاح درست نہ ہوگا اور اگر نام اور پورا پتہ بھی لکھا ہوا ہو جب بھی محض تحریر دکھانے سے نکاح درست نہ ہوگا جب تک مرد یہ بیان نہ کرے کہ فلاں عورت نے جو فلاں کی بیٹی ہے میرے پاس یہ خط لکھا ہے جس میں وہ مجھ سے نکاح کو منظور کرتی ہے میں بھی اس نکاح کو قبول کرتا ہوں اور بیان دو گواہوں کے سامنے ہو اور ان کے سامنے عورت کا پتہ اس طرح بیان کیا جائے جس سے وہ ممتاز ہو جائے صرح بہ فی الدر و الشامی (ص ۲ج۵۴۵) والخلاصہ ص ۲ج۲۴۸ واللہ اعلم۔ ۱۷ شعبان سنہ ۴۵ھ۔

رافضی مرد کے ساتھ سُنی لڑکی کا نکاح اور اس کی بعض صورتوں کی تفصیل

سوال (۲۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس لڑکی کے بارے میں جس کا خاوند تبرائی شیعہ ہو گیا اور اصحاب کبار کو برائی اور بدزبانی سے یاد کرتا ہے۔ حتی کہ جانوروں کے نام انہی کے نام پر رکھ کر ان کو مارنا پیٹنا ثواب سمجھتا ہے وغیرہ وغیرہ تمام افعال شنیعہ رسمیں تبرائی شیعوں کے پائے جاتے ہیں لڑکی حنفی مذہب کو چھوڑنا نہیں چاہتی۔ جس کی وجہ سے اس کا خاوند اس کو ایذا پہنچاتا ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا وہ لڑکی از روئے مذہب حنفیہ بغیر طلاق نکاح ثانی کر سکتی ہے یا کہ نہیں تو کیا سبیل اختیار کرے؟ بینوا توجروا۔
جواب کے لئے لفافہ ہمراہ ہے جواب باصواب بمعہ حوالجات تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

۲؎ تبرائی شیعہ مرد اور تبرائی شیعہ عورت ہر دو میاں بیوی مذہب شیعہ سے تائب ہو کر مذہبی حنفی میں داخل ہوئے۔ کیا ان کا عقد از سر نو پڑھا جاوے گا یا وہی پہلا نکاح کافی ہے؟

۳؎ تبرائی شیعہ عورت جو کہ تبرائی شیعہ مرد کے نکاح میں تھی مذہب شیعہ سے تائب ہو گئی اب وہ تمام کام بموجب مذہب حنفی ادا کر سکتی ہے اس کا خاوند اس کو منع نہیں کرتا ہے لیکن وہ مرد خود تبرائی شیعہ ہی ہے کیا ان کا نکاح فسخ ہو گیا اور وہ عورت دوسری جگہ نکاح کرے یا اسی مرد کے پاس رہے اور گنہگار نہ ہو گی؟

الجواب: نکاح روافض کے متعلق یہ آخری تحقیق ہے اس سے پہلے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس سے منسوخ ہے ۱۲ ظفر

شیعوں کے متعلق عدالت کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مولوی عبدالشکور صاحب رسالہ النجم ۱؎ ج ۴۴ میں تحریر فرماتے ہیں۔ صہ ۱۲ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن میں تحریف ہو گئی یعنی لوگوں نے قرآن سے کچھ آیتیں نکال ڈالیں اور کچھ بڑھا دیں جن میں کفر کی باتیں شامل کر دیں کچھ الفاظ و حروف بدلائے اس کے ثبوت میں حسب ذیل کتب ملاحظہ ہوں:
کتاب ۱؎ احتجاج طبرسی از صہ ۱۱۹ تا صہ ۱۳۰، اصول کافی از صہ ۲۶۱ تا صہ ۲۷۵، تفسیر قمی صہ ۷ اھ۔
پھر صہ ۱۴ میں تحریر فرماتے ہیں ہمارے علماء سابقین کو مذہب شیعہ سے پوری واقفیت نہیں ہو سکی جس کا اصلی سبب یہ تھا کہ شیعہ اپنا مذہب چھپانے کی بیحد کوشش کرتے تھے اسی سبب سے شیعوں کے کفر میں اختلاف رہا لیکن ابکہ شیعوں کا عقیدہ قرآن شریف کے متعلق معلوم ہو گیا جس کے کفر ہونے میں کوئی شک نہیں کر سکتا شیعوں کا خارج از اسلام ہونا قطعی ہے اھ دفی

الدر عن شرح الوہبانیۃ للشرنبلالی ما یکون کفراً اتفاقاً یبطل العمل و النکاح واولادہ اولاد الزنا وما فیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبۃ وتجدید النکاح اھ (ص ۳۶۲ و ۳۶۳ ج ۳) قال الشامی واولادہ اولاد زنا کذا فی فصول العمادی لکن ذکر فی نور العین ویجدد بینہما النکاح ان رضیت زوجتہ بالعود الیہ والا فلا تجبر والمولود بینہما قبل تجدید النکاح بالوطئ بعد الردۃ یثبت نسبہ منہ لکن یکون زنا اھ قلت ولعل ثبوت النسب لشبہۃ الخلاف فانہا عند الشافعی لا تبین منہ تامل اھ ص ۳۶۳ ج ۳ قلت وکل وطأ یوجب ثبوت النسب لشبہۃ ما یوجب العدۃ احتیاطاً لاسیما اذا وطیہا الزوج ومکنتہ من نفسہا ظانین بقاء النکاح بعد الردۃ کما ہو مشاہد من حال الجہلۃ فی الہند فانہم یتکلمون بالکفریات ولا یرون انفساخ النکاح لاسیما اذا کان الکفر بالرفض فانہ مما یخفی علی کثیر من العلماء و قد خفی علینا مدۃ ثم رأیتہ صریحاً قال فی الدر اُخبرت بارتداد زوجہا فلہا التزوج بآخر بعد العدۃ استحساناً اھ ص ۳۶۹ ج ۳، قلت و الاستحسان انما ہو فی الاخبار فقط واما اذا علمت منہ الردۃ بنفسہا فلہا التزوج بآخر بعد العدۃ قیاساً واستحساناً معاً لان القیاس فی الاخبار ان لا یجوز لہا النکاح بآخر ما لم یشہد علی ردتہ رجلان او رجل و امرأتان لکون ردۃ الرجل یتعلق بہا استحقاق القتل ولکن الاصح روایۃ الاستحسان لان المقصود الاخبار بوقوع الفرقۃ وہو امر دینی کالاخبار بالطلاق ثلثا لا اثبات الردۃ اھ شامی ہذا ہو حکم النکاح المنعقد قبل الردۃ اما المنعقد بعدہا فیما بین الروافض الغیر القدیم رفضہم فحکمہ ما فی الدر ویبطل منہ اتفاقاً ما یعتمد الملۃ وہی خمس: النکاح والذبیحۃ والصید والشہادۃ والارث اھ قال الشامی ما یعتمد الملۃ ای ما یکون الاعتماد فی صحتہ علی کونہ فاعلہ معتقداً ملۃ من الملل ای والمرتد لا ملۃ لہ اصلاً لانہ لا یقر علی ما انتقل الیہ ولیس المراد ملۃ سماویۃ لئلا یرد النکاح فان نکاح المجوسی والوثنی صحیح ولا ملۃ لہما سماویۃ بل

المراد الاعم اھ ص ۳۶۵ ج ۳ قلت ومفاد ھذہ العلة صحة نکاح المرتد بالمرتدة منہ او بکافرة بعد لحوقہ بدار الحرب او اذا کان قد ارتد ھناک لا فی دار الاسلام فانہ یقر ھناک علی ما انتقل الیہ ولا یقتل. اللّٰھم الا ان یقال انہ میت فی حکم الشرع فلا یجوز انکاح لکونہ لا ملة لہ کما اذا لم یقتلہ الحاکم فی دار الاسلام تھاونًا بالاحکام معاذ اللّٰہ منہ قال فی الدر: ولا یترک المرتد علی ردتہ باعطاء الجزیة ولا بامان موقت و لامؤبد ولا یجوز استرقاقہ بعد اللحاق بخلاف المرتدة اھ قال الشامی ای فانھا تسترق بعد اللحاق بدار الحرب وتجبر علی الاسلام بالضرب والحبس ولا تقتل اھ ص ۳۶۳ ج ۳ قال فی الدر وعن الامام تسترق ولو فی دار الاسلام ولو افتی بہ حسما لقصدھا السیئ لاباس بہ وتکون فتنة للزوج بالاستیلاء مجتبی وفی الفتح انھا فیئ للمسلمین فیشتریھا من الامام او یھبھا لہ لو مصرفا اھ قال الشامی وفی الفتح قیل وفی البلاد التی استولی علیھا التتر واجروا احکامھم فیھا ونفوا المسلمین کما وقع فی خوارزم وغیرھا اذا استولی علیھا الزوج بعد الردة ملکھا لانھا صارت دار حرب فی الظاھر من غیر حاجة الی ان یشتریھا من الامام اھ قال الشامی وھذا لیس مبنیًا علی روایة النوادر لان الاسترقاق وقع فی دار الحرب لا فی دار الاسلام اھ ص ۳۷۰ ج ۳، ای والمبنی علی روایة النوادر انما ھو الاسترقاق فی دار الاسلام و اما النکاح المنعقد بین الروافض القدیم رفضھم فحکمہ یستفاد مما فی الدر ایضاً زوجان ارتدا ولحقا فولدت المرتدة ولداً وولد لہ ای لذلک المولود ولد فظھر علیھم جمیعا فالولدان فیئ کاصلھما والولد الاول یجبر بالضرب علی الاسلام (ای لا بالقتل بخلاف ابویہ فانھما یجبران بالقتل ۱۲) وان حبلت بہ ثمہ (ای وبالاولی لو حبلت بہ فی دار الاسلام ووضعتہ فی دار الحرب ۱۲) لتبعیتہ لابویہ (فی الاسلام والردة وھما یجبران فکذا ھو وان اختلفت کیفیة الجبر) لا الثانی لعدم تبعیة الجد علی الظاھر (ای ظاھر الروایة)

فحکمه کحربی۔ (فی انه یسترق او توضع علیه الجزیة او یقتل واما الجد فیقتل لامحالہ لانه المرتد بالاصالة او یسلم بحر عن الفتح ۱۲ شامی) ص ۳۷۴ ج ۳ ولما کان ولد الولد کالحربی فمفاده جواز نکاحه بمثله والله اعلم۔

بقی الاشکال فی استرقاق المرأة الرافضة اذا کانت من نسل العرب فان مشرکی العرب لایسترقون لکن قال فی الدر فی فصل الجزیة لاعلی وثنی عربی ومرتد فلایقبل منهما الا الاسلام او السیف لوظهرنا علیهم فنساءهم وصبیانهم فیئ اھ لان ابابکر رضی الله تعالیٰ عنه استرق نساء بنی حنیفة وصبیانهم لماارتدوا وقسمهم بین الغانمین ھدایة اھ ص ۳۱۲ ج ۳ فارتفع الاشکال ثم عاد الاشکال بما فی الشامیة عن القهستانی ولاتوضع علی المبتدع ولایسترق وان کان کافراً لکن یباح قتله اذا ظهر بدعته ولم یرجع عن ذلک وتقبل توبته اھ ص ۴۱۵ ج ۳۔ فالجواب عنه ان المرتد نفسه لایسترق وانما یسترق المرتدة واولاد المرتد کما مر فلا اشکال، والله تعالیٰ اعلم۔

وفی تحریر المختار وجعل الرملی فی حاشیة المنح: المعتزلی والرافضی بمنزلة اهل الکتاب حیث قال قوله صح نکاح کتابیة اقول یدخل فی هذا الرافضة بانواعها والمعتزلة فلایجوز ان تتزوج المسلمة السنیة من الرافضی لانها مسلمة وهو کافر فدخل تحت قولهم لاتصح تزوج مسلمة بکافرٍ اھ قال الرستغفنی: لاتصح المناکحة بین اهل السنة والاعتزال اھ فالرافضة مثلهم او اقبح والرملی جعلهم من قبیل اهل الکتاب فیجوز نکاح نساءهم ولایزوجون ولعله اعدل الاقوال لانه لاشک فی کفر الرافضة اھ، سندی ص ۱۸۳ ج ۱۔

پس خلاصہ اقوال یہ ہوا کہ رافضی سے سنیہ مسلمہ کا نکاح درست نہیں ہوتا خواہ وہ قبل نکاح ہی رافضی ہو تو نکاح اول ہی سے منعقد نہ ہوگا یا بعد نکاح کے رافضی ہوگیا ہو تو نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اور دونوں صورتوں میں اگر ہمبستری ہو چکی ہے تو زوجہ پر عدت لازم

ہے اور بعد عدت کے جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے اور ہمبستری نہ ہوچکی ہو تو عدت کی حاجت نہیں۔ لکون الردۃ من الزوج طلاقاً حکماً۔ البتہ اگر ان دونوں سے اولاد پیدا ہوئی ہو تو وہ اولاد حرامی نہ کہلائے گی بلکہ ثابت النسب ہوگی اور وہ اولاد ابوین سے وارث ہوگی لیکن زوجین میں باہم توارث نہ ہوگا لعدم التوارث فی نکاح فاسد ففیما اذا کان الوطیٔ زنا بالاولی البتہ اگر شوہر رافضی بنا اور عورت کی عدت پوری نہ ہوئی تھی کہ وہ مرگیا تو ایک روایت میں عورت وارث ہوگی شامی ص ۸۴۰ ج ۳۔

جواب سوال ۲ : اگر یہ دونوں مرد وعورت قدیم سے کئی پشت کے رافضی تھے تب تو سُنّی ہونے کے بعد دوبارہ ان کا نکاح کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ معلوم ہوچکا ہے کہ ان کا حکم اہل کتاب کا سا ہے اور کتابی مرد وعورت ساتھ مسلمان ہوجائیں تو تجدید نکاح کی ضرورت نہیں بشرطیکہ دونوں ساتھ مسلمان ہوں آگے پیچھے نہ ہوں ورنہ اگر اتنا فاصلہ ہوا کہ عورت عدت سے فارغ ہوگئی تو تجدید نکاح کی ضرورت ہوگی اور اگر عدت گذرنے سے پہلے دوسرا بھی مسلمان ہوگیا تو نکاح اول باقی ہے شامی ص ۶۴۰ ج ۲ اور اگر یہ دونوں سُنّی تھے پھر رافضی ہوگئے اب پھر سُنّی ہوتے ہیں تو اس کا یہ حکم ہے کہ اگر ساتھ ہی مرتد ہوئے ساتھ ہی مسلمان ہوئے تو نکاح اول باقی ہے اور اگر آگے پیچھے ہوئے تو نکاح کی تجدید لازم ہے گو عدت کے اندر اندر دونوں مسلمان ہوجائیں وبقی النکاح ان ارتدا معاً بان لم یعلم السبق ثم اسلما کذلک
فان المعیۃ الحقیقیۃ متعذرۃ ۱۲ شامی
وفسد ان اسلم احدھما قبل الآخر اھ ص ۶۴۶ ج ۲۔ ای بان علم السبق۔

جواب سوال سوم ۳ : جب رافضی عورت سُنّی ہوجائے اور مرد رافضی رہے تو دونوں کا نکاح فسخ ہوگیا اور یہ عورت بعد عدت کے سُنّی سے نکاح کرسکتی ہے رافضی سے علیحدہ ہوجانا اس پر واجب ہے۔

اب ایک صورت یہ باقی رہی کہ مرد سُنّی ہو اور وہ عورت رافضیہ سے نکاح کرے جس کا رفض جدید نہیں بلکہ آباو اجداد سے قدیم ہے اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے اور وہ رافضیہ مثل کتابیہ کے اس کی زوجہ اور اس کی اولاد اس کی وارث ہوگی۔ اور زوجین میں توارث نہ ہوگا غرض سُنّی مرد کا نکاح تو رافضیہ سے صحیح ہے گو مکروہ ہے مگر سُنّیہ عورت کا نکاح رافضی مرد سے نہ ابتداءً صحیح ہے نہ بقاءً۔

ایک صورت یہ رہی کہ مرد وعورت دونوں سُنّی تھے پھر مرد تو سُنّی ہی رہا اور عورت رافضی ہوگئی۔

اس صورت میں نکاح فسخ ہوگیا لیکن اس عورت پر ملک یمین کے ساتھ شوہر قبضہ رکھ سکتا ہے دارالاسلام میں ہو تو امام سے خرید کر یا ہبہ کے طور پر لیکر اور دارالحرب میں ہو تو بدون امام سے پوچھے خود ہی اس پر قبضہ مالکانہ کر سکتا ہے ویجوز لہ الوطی بہا لکونہا کأمۃ کتابیۃ کما ہو المفہوم من ماذکرنا۔

اور اگر سُنّی مرد رافضی ہوگیا اور اس کے ساتھ بیوی بھی رافضی ہوگئی اور رافضی ہی رہے سُنّی نہوئے تو یہ دونوں مرد و عورت تو مرتد ہیں ان کو جبراً سُنّی بنایا جائے گا والا فالسیف ان قدرنا اور ان کی صُلبی اولاد کو بھی ولکنہم لایقتلون البتہ اولاد کی اولاد الی آخرہا پر جبر نہوگا بلکہ وہ سب مثل حربی کے ہیں۔ اور فیٔ ہیں اور یہی احکام فرقۂ قادیانیہ کے ہیں کہ وہ بھی مرتد ہیں اذا استولی احد من المسلمین علی احد منہم کان رقیقاً فی یدہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۵ صفر ۱۳۴۶ھ۔

بوقت نکاح غلطی سے دوسری لڑکی کا نام بتاکر نکاح پڑھایا گیا تو الخ

سوال (۲) سوال یہ ہے کہ ایک شخص کے دو لڑکی تھیں ایک کا نام خدیجہ دوسری کا نام زینب۔ اُن دونوں کے باپ نے خدیجہ جو بڑی لڑکی ہے اس کے نکاح کے وقت بھول کر کے زینب جو چھوٹی بیٹی ہے اس کا نام لیکر نکاح پڑھا دیا اور بڑی بیٹی کو نوشہ کے سپرد کر دیا اور دولہا اس کو اپنے گھر لے جاکر بود و باش یعنی زن و شوی کر رہا ہے اب مسئول یہ ہے کہ یہ نکاح از روئے شرع شریف جائز ہوگا یا نہ جواب عنایت فرمادیں؟

الجواب: قال فی الدر غلط وکیلہا بالنکاح فی اسم ابیہا بغیر حضورہا لم یصح للجہالۃ۔ وکذا لو غلط فی اسم ابنتہ الا اذا کانت حاضرۃً واشار الیہا فیصح ولو لہ بنتان اراد تزویج الکبریٰ فغلط فسماہا باسم الصغریٰ صح للصغریٰ خانیہ اھ ص ۴۵۰ ج ۲ کتاب النکاح۔

صورت مسئولہ میں اگر مسماۃ خدیجہ مجلس نکاح میں حاضر نہ تھی اور اس کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا کہ اس کا نکاح کرتا ہوں تو مسماۃ خدیجہ سے نکاح منعقد نہیں ہوا بلکہ اس مرد کا نکاح مسماۃ زینب سے منعقد ہوگیا ہے پس اب مرد سے مسماۃ زینب کو طلاق دلوادی جائے اور خدیجہ سے اس کا نکاح دوبارہ کر دیا جائے اگر ایسا نہوا تو عمر بھر خدیجہ سے زنا ہوگا اور زوجین و اولیائے زوجین سب گنہگار ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ھ۔

بیوہ یا مطلقہ کو اپنے والد کے حکم سے نکاح ثانی فرض ہو جاتا ہے یا نہیں جبکہ عورت نکاح ثانی کو معیوب جانتی ہو

سوال (۲۲) بیوہ یا مطلقہ کو اپنے والد کے حکم سے نکاح ثانی کرنا فرض ہو جاتا ہے یا نہیں، دراں صورت کہ وہ کسی وجہ سے شرعی معذور بھی نہیں اور ایسی صورت میں وہ انکار کرنے سے کافر ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی عرض ہے کہ وہ ایسی قوم کی عورت ہے جو رسماً ورواجاً نکاح ثانی کو معیوب اور بُرا جانتی ہے۔ والسلام۔

الجواب: ماں باپ کے حکم سے ہر کام واجب نہیں ہو جاتا بلکہ اس میں تفصیل ہے جس کے لئے رسالہ "تعدیل حقوق الوالدین" کا مطالعہ مفید ہوگا جو "بہشتی گوہر" کے اخیر میں طبع جدید میں ملحق کیا گیا ہے۔

پس صورت مسئولہ کا جواب یہ ہے کہ اگر بیوہ یا مطلقہ نکاح ثانی کو معیوب سمجھتی ہے تو یہ عقیدہ کفر ہے اس سے اس کو توبہ کرنا اور ایمان کی تجدید فرض ہے اور اگر معیوب نہیں سمجھتی بلکہ پہلے شوہر کی محبت غالب ہے اور وہ اس سے مانع ہے یا بچوں کے ضائع ہونے کا خوف ہے یا اور کوئی وجہ مخفی نکاح سے مانع ہے مثلاً مجامعت سے تکلیف ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ تو اس میں تفصیل ہے اگر اس کو اپنی عفت پر خطرہ نہ ہو خواہش نفسانی غالب نہ ہو صبر سے بیٹھ سکے اور والدین پر اپنے نفقہ کا بار نہ ڈالے یا اُن پر بار ڈالے اور وہ خوشی سے برداشت کریں تو اس کو نکاح کرنا واجب نہیں ورنہ واجب ہے بشرطیکہ حقوق نکاح کو ادا کر سکے ورنہ روزہ رکھکر خواہش کو مغلوب کرے اور محنت ومزدوری سے پیٹ پالے اگر والدین اس کا خرچ برداشت نہ کرسکیں وھذہ خلاصۃ الدلائل الحدیثیۃ والفقھیۃ التی ذکرھا الشیخ فی رسالتہ المذکورۃ، واللہ اعلم۔

۱۱ر ذیقعدہ ۴۶ھ۔

جواز نکاح بالکتابت کی ایک صورت

سوال (۲۳) بعد از نیاز وآداب والسلام علیکم کے عرض ہے کہ اگر کوئی عورت بالغہ بیوہ ایجاب اپنے ہاتھ سے اس طرح لکھ کر مرد کو دیدے۔ کہ مسماۃ فلانہ یعنی کاتبہ آپ کا نکاح مسمیٰ فلاں یعنی مکتوب الیہ سے کیا باین قدر مہر۔ پھر مکتوب الیہ وہ ایجاب دو گواہوں کو پڑھ کر سنا دے۔ اور اپنا قبول بھی ان کو سنا دے تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہ۔ حضرت! بندہ نے علماء سے سنا ہے یا کسی میں دیکھا ہے کہ کتابت بمنزلہ کلام کے ہے جب ایسا ہے تو سامعین کلامہما معاً جو کہ شرط انعقاد نکاح کا ہے متحقق ہو گیا تو چاہئے کہ نکاح بھی متحقق ہو جاوے۔

الجواب ؛ ہاں اس طرح نکاح صحیح ہو جاتا ہے جبکہ خط سُنا کر اپنا قبول شاہدین کے سامنے بیان کردے۔ وسماع الشاھدین کلام المتعاقدین شرط انعقاد النکاح فلو قرأت الکتاب علی الشھود وقالت ان فلانا کتب الیّ یخطبنی فاشھدوا انی قد زوجت نفسی منہ صح النکاح اھ وان لم تقرأ الکتاب وقالت قد زوجت نفسی منہ بمحضر من الشھود لا ینعقد النکاح فان الشھود لم یسمعوا کلام الزوج کذا فی الخلاصۃ (ص ۴۸ و ۴۹ ج ۳)۔ ۲۲ محرم سنہ ۴۷ھ۔

احکام وطی زوجۂ صغیرہ

سوال (۲۴) ۱؎ خاوند کو اپنی نابالغہ منکوحہ کے ساتھ جس کو جماع سے تکلیف ہوتی ہو صحبت کرنا درست ہے یا نہیں ؟

۲؎ اگر کسی کی منکوحہ اس قدر کمسن ہو کہ صحبت سے کوئی سخت تکلیف ہو جانے یا جان جانے کا اندیشہ ہو تو خاوند کا اس سے صحبت کرنا جرم ہے یا نہیں اور اگر جرم ہے تو شرعاً اس کے لئے کیا سزا ہے ؟

۳؎ اگر عورت کمسن ہو اور صحبت کرنے سے اس کے بیمار ہو جانے یا مر جانے کا اندیشہ ہو تو نابالغہ خود یا اس کا ولی شوہر کو صحبت سے روک سکتے ہیں یا نہیں ؟

۴؎ بعد نکاح کے کسی نابالغہ عورت کا ولی اس خیال سے کہ اگر وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہیگی اور اس سے صحبت کی جائے گی تو اس کو نقصان پہونچے گا خاوند کے گھر بھیجنے سے مانع ہو تو شوہر کوئی مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں اور اس روک رکھنے کی میعاد کیا ہے ؟

۵؎ اگر شوہر جبراً اپنی کمسن منکوحہ کے ساتھ ہم بستر ہو اور وہ لڑکی مر جائے یا کسی لاعلاج بیماری میں مبتلا ہو جائے تو شرعاً اس کے شوہر کو کیا سزا دی جائے گی ؟

الجواب ؛ قال فی الدر المختار وللزوج المطالبۃ بتسلیمھا ان تحملت الرجل قال البزازی ولا یعتبر السن اھ قال الشامی عبارتہ ولا یجبر الاب علی دفع الصغیرۃ الی الزوج ولکن یجبر الزوج علی ایفاء المعجل فان زعم الزوج انھا تتحمل الرجال وانکر الاب فالقاضی یریھا النساء ولا یعتبر السن اھ قلت بل فی التتارخانیۃ البالغۃ اذا لم تکن تتحمل لا یؤمر بدفعھا الی الزوج اھ (ص ۹۰۶ ج ۲) وفی الحامدیۃ قد اجاب الخیر الرملی عن ھذا السوال بقولہ ان کانت ضخمۃ سمنیۃ تطیق الرجال وسلم المھر

المشروط تعجیله یجبر الاب علی تسلیمها للزوج علی الاصح من الاقوال فینظر القاضی ان کانت ممن تخرج اخرجها ونظر الیها ان صلحت للرجال امر اباها بدفعها للزوج والا فلا وان کانت ممن لا تخرج امر بمن یثق بهن من النساء فان قلن انها تطیق الرجال وتتحمل الجماع امر الاب بدفعها الی الزوج وان قلن لا تتحمل لا یامر بذلک واللہ اعلم اھ (ص۲۸)۔ وفیہ ایضاً وقیل ان طلبها الزوج للمؤانسة دون الملامسة یجاب کذا فی الذخیرة والقنیة اھ (ص۲۹)۔

وفی العالمگیریة (ص ۱۹ ج ۶) رجل جامع صغیرةً لا یجامع مثلها فماتت ان کانت اجنبیة تجب الدیة علی العاقلة وان کانت منکوحة فالدیة علی العاقلة والمهر علی الزوج کذا فی الخلاصة۔ عن ابن رستم عن محمد رح رجل جامع امرأته ومثلها تجامع فماتت عن ذلک فلا شیئ علیه اھ۔

(عبارات فقہ کے بعد جوابات معروض ہیں)

(۱) نابالغہ اگر بدن اور اٹھان کی اچھی ہو کہ جماع سے اس کو ناقابل برداشت تکلیف نہ ہو تو اس سے جماع جائز ہے اور اگر ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہو تو جائز نہیں۔

(۲) ہاں جرم ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ اگر عورت مرجائے تو شوہر کے خاندان پر دیت لازم ہے (جو ایک ہزار دینار ہے) اور شوہر کے ذمہ مہر لازم ہے اور اگر عورت کو سخت تکلیف پہونچی ہو مری نہیں تو شوہر کے ذمہ اس کا علاج معالجہ واجب ہے۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ جبکہ زوجہ اتنی کمسن و کمزور ہو کہ جماع کا تحمل کرنے کی اہل نہ ہو اور اگر اٹھان ایسا ہو کہ جماع کا تحمل کر سکے تو شوہر پر کچھ ضمان نہیں نہ دیت نہ کچھ تعزیر۔

(۳) ہاں روک سکتے ہیں لیکن اگر شوہر یہ دعویٰ کرے کہ منکوحہ تحمل جماع کی اہل ہے اور ولی نابالغہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ متحمل جماع نہیں تو اس اختلاف کا فیصلہ حاکم شرعی کرے گا وہ معتبر عورتوں سے کہے کہ اس لڑکی کو دیکھ کر بتلائیں وہ متحمل جماع ہے یا نہیں۔

(۴) اس کا جواب ۳ سے معلوم ہو چکا اور لڑکی کو روکنے کی میعاد یہی ہے کہ قاضی کو ثقات عورتوں سے معلوم ہو جائے کہ لڑکی متحمل جماع کی ہو گئی ہے۔

(۵) اس کا جواب ۲ سے معلوم ہو چکا ہے، واللہ اعلم۔
۱۲ صفر ۴۷ھ۔

بصیغۂ حال قبول کافی ہے یا نہیں

سوال (۲۵) زید کا نکاح ہونے لگا وکیل بالنکاح نے کہا کہ مجھے فلاں شخص نے اپنی فلاں لڑکی کے نکاح کا وکیل بنا کر بھیجا ہے۔ اور اس کے یہ دو گواہ ہیں۔ میں نے اس لڑکی کو بعوض ایک سکۂ رائج الوقت آپ کی زوجیت میں دیا۔ زید بجائے اس کے کہ قبول کیا کہے قبول ہے کہہ دیا تو نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ بظاہر فقہاء کی عبارت النکاح ینعقد بالایجاب ولفظھما ماض او مستقبل وماض مقتضی ہے کہ نکاح انعقاد نہ ہو کیونکہ قبول ہے نہ ماضی ہے اور نہ مستقبل۔

الجواب: صیغۂ حال بھی قبول میں کافی ہے صرح بہ فی الدر (صفحہ ۲۷۴۳)۔

بوقت نکاح لڑکی کے وکیل کو نام میں اشتباہ ہو گیا مگر شوہر اور گواہ جانتے تھے کہ فلاں لڑکی سے نکاح ہو گا الخ

سوال (۲۶) وکیل بالنکاح کچھ ناک سے بولا کرتے تھے اس لئے عورت کے نام میں اشتباہ ہو گیا مرد نے اپنے دل میں یہ سمجھ کر کہ یہ شخص جس عورت کا وکیل بن کر آیا ہے وہ اور دوسرے ذرائع سے تو متعین ہے۔ نام سے کیا کام نام کچھ بھی ہو یہ شخص جس عورت کے وکیل بن کر آئے ہیں وہ عورت مجھے قبول ہے اور مجمع عام میں بغیر نام کی لفظی تصحیح کئے ہوئے قبول کر لیا۔ تو کیا نکاح ہوا یا نہیں۔ یا نام کی تصحیح لفظی بھی ضروری ہے؟

تنقیح سوال:۔ کیا شوہر کو پہلے سے علم تھا کہ اس کا نکاح کس لڑکی سے ہو گا یا معلوم نہ تھا۔ اور ان کے خسر کے ایک ہی لڑکی ہے یا دو اور گواہوں کو بھی علم تھا یا نہیں اور گواہوں کو بھی نام میں اشتباہ ہوا یا نہیں؟ سوال دوبارہ کیا جائے جس میں اس تنقیح کا جواب بھی ہو اس کے بعد حکم بتلایا جائے گا، واللہ اعلم۔

جواب تنقیح:۔ شوہر کو پہلے سے علم تھا کہ میرا نکاح فلاں لڑکی سے ہو گا۔ اس کے خسر کی لڑکیاں چار ہیں دو شادی شدہ اور دو کنواری۔ نہ گواہوں کو نام میں اشتباہ ہوا اور نہ وکیل بالنکاح کو گواہوں کو پہلے سے معلوم تھا کہ فلاں لڑکی سے نکاح ہو گا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں نکاح منعقد ہو گیا فانہ لو قال زوجتک بموکلتی او بمولیتی والرجل یعرفہا صح النکاح عند الخصاف وان لم یعرفہا الشھود ففی ظاہر الروایۃ لا یصح وعلیہا الفتوی واما اذا امرت المقدمات علی

معینة وتمیزت عند الخاطب العاقد وعند الشهود ایضاً یصح العقد وھی واقعة الفتوی لان المقصود نفی الجھالة وذلك حاصل بتعینھا عند العاقدین والشھود وان لم یصرح باسمھا ذکرہ فی الشامیة (ص ۳۷ ج ۲) وقول الخصاف فی (ص ۴۴۵ ج ۲)، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۷/ شعبان ۴۷ھ۔

نکاح کو مخفی رکھنا گناہ ہے

سوال (۲۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک امام صاحب نے ایک بیوہ عورت سے خفیہ نکاح پڑھالیا دو گواہ پردیسی ایک سوالی ایک واعظ آئے ہوئے تھے ان دونوں کے سامنے ایجاب وقبول ہوا اور کسی سے ظاہر نہ کیا جب حمل چار پانچ ماہ کا ہوگیا جب عورتوں نے کہا سچ بتلا تجھ کو حمل ہے؟ حاملہ عورت نے کہا فلاں کا حمل ہے۔ پھر دوبارہ عورتوں نے اور حاملہ مذکورہ کے دیور وغیرہ نے دریافت کیا سچ بتلا حمل کس کا ہے تب عورت مذکور نے کہا فلاں امام صاحب کا ہے ہمارا نکاح فلاں گاؤں میں ہوا ہے۔ اب امام صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کا اس حاملہ عورت سے نکاح ہو چکا ہے امام صاحب نے کہا کہ ہو چکا ہے یہیں ہوا ہے باہر کے دو مسافر ٹھہرے ہوئے تھے ان کے سامنے ایجاب وقبول ہوا ہے لوگوں کو یقین نہ آیا امام صاحب مسجد میں قرآن شریف پڑھ رہے تھے اُن سے ایک پرہیزگار متقی نے دریافت کیا کہ آپ کا اس حاملہ مذکورہ سے نکاح ہو چکا ہے؟ امام صاحب نے قرآن شریف پر ہاتھ رکھکر کہا میرا نکاح ہو چکا ہے۔ آیا اس طرح خفیہ نکاح ہو جاتا ہے اور ایسے امام صاحب کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں فقط، جواب سے جلد مطلع فرماویں؟

الجواب: اس طرح خفیہ نکاح منعقد تو ہو جاتا ہے اور ایسی عورت سے جس کا نکاح خفیہ ہوا ہو شوہر کو مجامعت بھی جائز ہے اور اس کی اولاد بھی حلالی ہوگی۔ مگر خفیہ نکاح کرنے کے بعد عرصہ تک اس کو مخفی رکھنا گناہ ہے بلکہ اس کو جلدی ہی ظاہر کر دینا چاہیئے تھا کیونکہ جب عرصہ دراز تک نکاح کو مخفی رکھا جائے گا تو حمل قرار پانے کے وقت لوگوں کو عورت پر اور مرد پر زنا کا گمان ہوگا اور اس وقت لوگ اس دعویٰ کو کہ نکاح ہو چکا ہے بات بنانے پر محمول کریں گے۔

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اتقوا مواضع التھم، الحدیث فالاتقاء من التھمة واجب۔ لہٰذا اس امام کو جب تک وہ اس گناہ سے (یعنی اخفاء نکاح سے) توبہ نہ کرے امامت سے الگ کر دیا جائے اور توبہ اس کی یہ ہے کہ مجمع عام میں اپنی خطا کا اقرار کرے کہ میں نے جو نکاح کو عرصہ تک مخفی رکھا جس سے لوگوں کو تہمت اور بدگمانی میں مبتلا کیا۔

مجھ سے گناہ ہوا میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں بھی اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں اور جن لوگوں کو میں نے بدگمانی میں (اس فعل سے) مبتلا کیا ہے اُن سے بھی معافی چاہتا ہوں فان التوبۃ علی قدر المعصیۃ واللہ اعلم - ۲۴ شوال ۴۷ھ۔

زنا سے نکاح فاسد نہیں ہوتا۔ اور ایسی عورت کا بدون طلاق زوج اول دوسرے سے نکاح کرنیوالو کا حکم

سوال (۲۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین مبین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان کی بی بی نے اپنے شوہر کو چھوڑ کر بازار میں گھر کر کے چند برس تک پیشہ کسبی (یعنی پیشہ زنا) کو اختیار کر کے اپنی اوقات بسر کی بعد اس کے ایک بھڑوا مرد نے اس کو وہاں سے لاکر عالموں سے دریافت کیا کہ اس کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں۔ اکثر عالموں نے کہا اس عورت زانیہ سے نکاح کرنا درست نہیں کیونکہ اس کے شوہر نے طلاق نہیں دی ہے اور پیشہ زنا سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور بعض بعض عالم نے کہا کہ اس عورت سے نکاح کرنا حلال و درست ہے اور وجہ حلال ہونے کی یہ بیان کرتے ہیں کہ جو عورت اپنے شوہر سے چھ ماہ کی مدت تک علیحدہ رہے وہ مطلقہ ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس عورت نے پیشہ زنا کو اختیار کر کے مدت تک زنا کیا ہے اس سبب سے نکاح ٹوٹ گیا اس کو نکاح کرنا بلا خطر درست و حلال ہے یہ کہکر چند روپیہ لیکر وکیل و گواہ کے سامنے اسکا نکاح اجنبی مرد سے پڑھا دیا۔ اب یہ نکاح مذہب حنفی کے موافق درست و حلال ہے یا نادرست و حرام؟ اور اگر حرام ہو تو جس عالم نے یہ حکم دیکر نکاح پڑھایا اور جو شخص وکیل و گواہ ہو کر نکاح کرایا یہ سب کافر ہیں یا مسلمان اور ان کی بی بی ان پر حرام ہوئی یا حلال؟ بہر تقدیر حرمت کے تجدید نکاح واجب ہے یا نہیں اور جب تک یہ لوگ توبہ کر کے نکاح ثانی نہ کریں تو ان سب کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور ان کو مسلمان جان کر سلام و کلام کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا بالدلیل توجروا عند الجلیل۔

الجواب: قال فی الدر وصح نکاح موطوءۃ بزنا ای جاز نکاح من رأھا تزنی ولہ وطوءھا بلا استبراء[۱] وفی اٰخر حظر المجتبی لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ ولا علیہا تسریح الفاجرۃ الا اذا خافا ان لا یقیما

---

[۱] بشرط ان لا تکون حاملاً قبل النکاح من غیر الزوج واما لو ظہر بہا حمل بعد النکاح من الزنا فہو من حیث الحکم للزوج لان الفراش لہ وتمامہ فی رد المحتار ۱۲

حدود اللہ فلا بأس ان یتفرقا اھ قال ابن عابدین عن البحر بدلیل الحدیث ان رجلا اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ ان امرأتی لاترد ید لامس فقال صلی اللہ علیہ وسلم طلقہا فقال انی احبہا وھی جمیلۃ فقال صلی اللہ علیہ وسلم استمتع بہا قال فی البحر لوتزوج بامرأۃ الغیر عالما بذلک ودخل بہا لاتجب العدۃ علیہا حتی لا یحرم علی الزوج وطؤھا وبہ یفتی لانہ زنا والمزنی بہا لاتحرم علی زوجہا (ص ۴۷۹ و ۴۸۰ ج ۲)۔

ان عبارات فقہیہ سے ظاہر ہے کہ عورت کے زنا سے اس کا نکاح فاسد نہیں ہوتا اور وہ بدستور اپنے شوہر کے نکاح میں باقی رہتی ہے پس اس کا نکاح دوسرے مرد سے بدون طلاق شوہر اول اور بدون عدت طلاق گذرنے کے ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا پس صحیح قول اس مسئلہ میں فریق اول علماء کا ہے اور فریق ثانی کا قول بالکل غلط ہے ان کو اپنی خطا سے علی الاعلان توبہ کرنا چاہئے اور جب تک وہ توبہ کا اعلان نہ کریں اس وقت تک ان سے سلام وکلام تعلقات و موالات ترک کردیئے جائیں لیکن ان کو کافر نہ سمجھا جائے اور نہ ان کے نکاح فاسد ہوئے البتہ قبل اعلان توبہ ان کی اقتدار نہ کی جائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۷ محرم ۴۸ھ۔

ایک مرد اور عورت یہ اقرار کریں کہ ہمارے نکاح میں کوئی شرعی امر مانع نہیں لیکن اہل شہر اجنبی ہونے کے سبب اس کی تصدیق نہیں کرسکتے۔ تو قاضی دونوں کا حلفیہ بیان لیکر نکاح کرسکتا ہے یا نہیں

سوال (۲۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین در بارۂ نکاح محمود و فریدہ۔ کہ محمود و فریدہ دونوں غریب الوطن ہیں اپنے وطن سے دور دراز فرار ہوتے ہوئے کسی شہر میں وارد ہوکر اہل شہر سے اپنا وطن اصلی کچھ بتائیں اور ارادہ ظاہر کریں کہ باہم عقد مناکحت کرلیں۔ دونوں کا اقرار کہ ہمارے مابین کوئی رشتہ حرمت نہیں اہل شہر کے عندیہ میں یہ دونوں اجانب متصور ہیں گو کہ محمود کو کسی سے تعرف ہو مگر فریدہ اجنبیہ ہے جس سے اہل شہر احتمال کرسکتے ہیں کہ فریدہ کسی کی منکوحہ ہوگی اور محمود کی فریب دہی سے زوجیت سے دست بردار ہوکر آئی ہوگی کسی کو کچھ خبر نہیں کہ دونوں اپنے اقرار میں سچے ہیں یا جھوٹے۔ مگر دونوں کا حلفیہ اقرار ہے کہ ہمارے مابین تزویج کے لئے کوئی شرعی امر مانع نہیں۔ تصدیق وتحقیق کے لئے یہ دونوں اہل شہر سے بھی نہیں بلکہ ابناء سبیل مانے جاتے ہیں اور ان کا وطن اصلی بھی قریب نہیں بلکہ پانچ سو میل کی مسافت سے بھی متجاوز ہے

لہذا عرض خدمت ہے کہ محمود مذکور اور فریدہ مذکورۃ بالغہ جو چودہ سالہ عمر رکھتی ہے ان دونوں کے انعقاد نکاح کی کیا صورت ہے آیا جس شہر میں کہ یہ دونوں وارد ہیں اور استدعائے تزویج کررہے ہیں کیا باعتبار حلفی اقرار قاضی شہر مجاز ہے کہ اہل شہر سے کوئی دو شاہد مقرر کر کے حسب استدعا محمود وفریدہ سردست بلا تحقیق و تنقیح ان دونوں کا نکاح کردے یا باوجود ان دونوں کے حلفی اقرار کے مزید تحقیق ضروری ہے کہ نکاح ملتوی یا رد کردے اگر باعتبار حلفی اقرار اُن دونوں کے قاضی نکاح کردے تو اُس نکاح کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا رحمکما اللہ تعالیٰ۔

الجواب؛ اگر قاضی شہر کا قلب اس مرد وعورت کی صدق کی شہادت دے اور اُن کے حلفیہ بیان پر اُس کا قلب مطمئن ہوجائے تو اُس کو اُن دونوں کا نکاح کردینا جائز ہے مگر نکاح مجمع عام میں کرے صرف دو گواہوں کے سامنے نہ کرے کیونکہ اگر وہ جھوٹے ہوں گے تو غالب یہ ہے کہ مجمع عام میں نکاح پر راضی نہ ہوں گے، وایضاً ففی نکاح السر من المفاسد مالا یخفی والاصل فی ذلک ماذکرہ الفقہاء فی امرأۃ قالت لرجل طلقنی زوجی ثلاثا وانقضت عدتی فان شہد بصدقہا قلبہ جازلہ ان یتزوجہا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

یکم ربیع ۔۔۔۔۔۔ ۴۸ھ

استفتاء ضمیمہ سابق

سوال؛ ہندہ کا حامد سے خِطبہ ہوچکا تھا اتفاقاً زید جو مرد اجنبی ہے باکرہ مذکور ہندہ کو اپنے دام تزویر میں گرفتار کئے ہوئے اس کے ابوین واقارب سے جدا کر کے کہیں اور مقام پر فرار ہوا۔ ہندہ کے ابوین واقارب اس واقعۂ جانگزا سے حیران ہو کر اطراف واکناف متلاشی رہے بالآخر کسی مقام پر جو تقریباً یکہزار میل کے فاصلہ پر واقع ہے بقصد تفتیش وتلاش بعرصۂ ایک ماہ سُراغ پاکر مفرورین کو گرفتار کر کے وطن لے آئے ہندہ تو اپنے والدین کے قبضۂ اختیار میں رہ گئی مگر زید جو غریب الوطن مانا جاتا تھا بعد ملامت وتشنیع اپنے وطن کو روانہ کیا گیا جو تیس میل پر واقع ہے۔ تقریباً عرصہ چھ سات ماہ گذرتا ہے کہ حالاً زید مدعی ہے کہ ہندۂ مذکورہ اپنی منکوحہ ہے۔ حالاً ہندۂ مذکورہ کا نکاح حامد مذکور الصدر کہ جس کا قبل از وقوع واقعۂ مذکورہ ہندہ کے ساتھ خِطبہ ہوچکا تھا تقرر پایا ہے عنقریب نکاح ہونے والا ہے لہذا احقر چند سوالات متعلقہ امر مذکور بخدمت اقدس مؤدبانہ پیش کرتا ہے:

(۱) زید مذکور کا جو دعوےٰ ہے کہ ہندہ اپنی منکوحہ ہے کیا بصورت عدم حضور ولی وا نکاح

منہیات یہ دعویٰ صحیح ہے کیا ہندہ کو منکوحہ قرار دی جاتی ہے ؟

(۲) زید کا یہ دعویٰ کہ میں نے بحالتِ فرار کسی مقام میں ہندہ سے نکاح کیا ہے درآنحالیکہ دونوں اجانب وغریب الوطن متصور تھے ۔ نہ شاہدین کو نہ اوروں کو کچھ خبر ہے کہ ہندہ کے ساتھ زید کو باہمی کیا مناسبت ہے گو کہ فیما بین رشتۂ حرمت ہی کیوں نہ ہو بلاتحقیق شاہدین وغیرہ مجاز ہیں ۔ گو کہ ہندہ زید کہ محرمات ابدیہ سے ہی کیوں نہ ہو بلاتحقیق حسب استدعاء زید انعقاد نکاح میں اشتمال شاہدین وغیرہ درست ہے ۔ کیا یہ نکاح اجانب جو بلاتحقیق و تنقیح کیا گیا ہی صحیح ہے ؟

(۳) اگر کسی وجہ سے نکاح زید ہی معتبر ہو تو کیا ہندہ کے اولیاء عصبہ کو حق فسخ حاصل نہیں ؟

(۴) برخلاف دعویٰ زید ہندۂ مذکورہ کا نکاح جو فی الحال حامد کے ساتھ تقرر پایا ہے جن کے مابین کوئی رشتۂ حرمت تو نہیں ہے نفاذ نکاح کے لئے کیا کوئی امر مانع و مزاحم ہے ؟

(۵) کیا ہندہ کو بلا بینہ شرعی صرف بوجہ فرار و ہمراہی زید زانیہ کہہ سکتے ہیں ؟

(۶) بصورت ثبوت زنا کیا ہندہ پر جو غیر محصنہ ہے حد جاری کی جاوے ؟

(۷) یہاں رسم ہے کہ زانی و زانیہ محصن خواہ غیر محصن رومال لپیٹ کر سو دُرے لگائے جاتے ہیں نہیں معلوم کہ رجم کا حکم کس کے لئے ہے آیا یہ حکم ہی منسوخ ہے ؟

(۸) درباره اجراء حدود گورنمنٹ کی سخت ممانعت ہے دریں صورت مجبوری رجم ترک کر کے مجرم و مجرمہ پر صرف کوڑے ہی لگائے جاویں ؟

(۹) کیا بصورت مجبوری کوڑے لگانا رجم کے قائم مقام ہوگا کیا اس طریق سے حد ساقط ہو جاتی ہے ؟

(۱۰) صرف رومال لپیٹ کر درے لگائے جاویں یا دیگر آلات سے اور درہ اصطلاح شرع میں کس کو کہتے ہیں ؟

الحاصل احقر بخدمت اقدس ملتجی ہے کہ ازراہ کرم کُل سوالات کا جواب بالاستیعاب اندروئے اصول ثلاثہ معہ حوالۂ کتب و دستخطی مہر جناب وغیرہم زیب رقم فرماویں کہ جملہ شبہات کا مطلب ذہن نشین ہو جاوے اور غلجان کلی رفع ہو اور کسی کو مجال دمزنی نہ ہو اگرچہ جرأت احقر موجب تضیع اوقات عزیز آنجناب ہے معہذا بندہ عرض پرداز ہے کہ ازراہ بندہ نوازی ہمہ امور تمامتر قوی سند کے ساتھ کہ کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ ہو قلمبند فرما کر ممنون فرماویں ۔ امید کہ آنجناب اپنی سعی بلیغ مبذول فرما کر بمجرد جوابات سے سرفراز و ممتاز فرمائیں گے ۔

الجواب ؛ درے لگانے کا حق عوام کو نہیں بلکہ امام کو ہے اور ہندوستان میں

امام نہیں البتہ اگر پنچایت کو گورنمنٹ کی طرف سے سزائے بید کا اختیار حاصل ہو تو جرائم پیشہ لوگوں کو سزائے بید دے سکتے ہیں جس کے لئے شرط یہ ہے کہ ۳۹ بید سے زیادہ نہ مارے جائیں باقی اس نکاح کے متعلق چند امور تنقیح طلب ہیں ان کا جواب دیا جائے۔

(۱) ہندہ زید کے دعوے کو صحیح کہتی ہے یا غلط بتلاتی ہے؟

(۲) زید ہندہ کا ہم کفو ہے یا نہیں یعنی نسباً دونوں میں کفاءت ہے یا نہیں؟

(۳) زید اور ہندہ نکاح کے شاہد جن لوگوں کو ظاہر کرتے ہیں وہ شاہدین ان کے دعوے نکاح کی تصدیق کرتے ہیں یا نہیں، ہندہ بالغہ ہے یا نہیں، عمر کیا ہے؟ ان تنقیحات کے جواب کے بعد سوال کیا جائے تو جواب ملے گا یہ پرچہ پھر واپس کیا جائے۔ فقط۔

۱۵ر صفر ۴۵ھ۔

مولانا! السلام علیکم! امابعد ہر چہار امور تنقیح طلب کا جواب حتی الامکان عرض کیا جاتا ہے:

امر اول۔ ہندہ دعوی زید کی تکذیب کرتی اور غلط بتلاتی ہے۔

امر دوم۔ ہندہ تو اہل سادات سے ہے مگر زید کا نسب نامعلوم۔
سادات سے تو نہیں مگر شیخ یا پٹھان خاندان سے ہوگا نیز باعتبار حرفت زید میں کوئی رذالت پائی نہیں جاتی غالباً زید ہندہ کا ہم کفو ہوگا۔

امر سوم۔ شاہدین کا پتہ نہیں، نہیں معلوم کہ شاہدین نکاح کون ہیں زید کا جو دعویٰ ہے عدالتی نہیں۔ چونکہ زید نے اپنا دعویٰ عدالت میں دائر نہیں کیا ہے صرف تخویفاً لوگوں میں ظاہر کر رہا ہے کہ ہندہ میری منکوحہ ہے حامد کے ساتھ نکاح ہونے کے بعد دعویٰ دائر کروں گا، نہیں معلوم کہ یہ دعویٰ کہاں تک راست و درست ہے اور کہاں تک دروغ۔ چونکہ معاملہ سراسر تصدیق طلب ہے۔ غرض زید کا دعویٰ ہے کہ جس مقام میں نکاح کیا ہوں وہاں پر شاہدین موجود ہیں بعد نکاح حامد بعدالت دعویٰ دائر کروں گا۔

امر چہارم۔ ہندہ بالغہ ہے اور عمر میں چودہ سالہ ہے۔
امید کہ آنجناب جملہ سوالات کا جواب مفصل زیب رقم فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

الجواب: جب ہندہ نکاح سے منکر ہے اور زید کے پاس وہ گواہ نہیں جو نکاح کی شہادت دیں تو محض اس کی افواہ اور تخویف سے نکاح کا ثبوت نہیں ہو سکتا ورنہ ہر شخص

دعویٰ کردیا کرے گا کہ میرا نکاح فلاں عورت سے ہو چکا ہے، دعوی بلا دلیل و بلا بینہ رد ہے۔
البتہ اگر زید کے دعوے سے ولی ہندہ کو تردد ہو گیا ہو تو وہ ہندہ سے قسم وغیرہ لیکر اپنا اطمینان قلب کر کے ہندہ کا نکاح حامد سے کرے بدون اطمینان قلب کے ایسا نہ کرے۔ رہا یہ کہ زید بعد میں عدالتی دعوے کی دھمکی دے رہا ہے تو اس دھمکی کا قانونی بچاؤ قانون دان لوگوں سے معلوم کرے۔

نوٹ: سائل نے زید کی نسبی حالت کو بالکل گول مول ظاہر کیا ہے کہ شیخ ہوگا یا پٹھان اُس کو لازم ہے کہ ایک بات تحقیق کے ساتھ معین کر کے لکھے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
یکم ربیع ا سنہ ۴۸ھ۔

نکاح سری کی تعریف اور اس کا حکم

سوال (۳۰) تعریف نکاح سری چیست وحکم آن چیست اگر شخصے نزد دو گواہان معتبر در خلوت باز نے ایجاب وقبول ساخت آیا حکم ایں نکاح سری شد یا جہری؟

الجواب: نکاح سر کہ ممنوع و باطل است آن است کہ درو شاہدین علاوہ ناکح ومنکوحہ نباشند واگر شاہدین یا شہود حاضر باشند ایں چنیں نکاح نکاحِ سر باطل نباشد، اما خالی از کراہت نباشد لان السنۃ فی النکاح الاعلان ولذا شرع لہ الدف ونحوہ وفی الحدیث الفرق بین الحلال والحرام الدف ولان فیہ القاء نفسہ فی التہمۃ ویتہمہ بالزنا من لم یعلم بالنکاح وفی الحدیث اتقوا مواضع التہم، واللہ اعلم۔
۱۸/۱۲/ سنہ ۴۸ھ۔

حُرّہ عورت کو خرید نا اور اپنے ساتھ اس کا نکاح کرنا

سوال (۳۱) کسی عورت کو روپیہ سے خرید کر کے اس کا اپنے ساتھ نکاح کرنا شرع کی رو سے جائز ہے یا ناجائز؟ امید کہ حضور والا اس سوال کے جواب مبارک سے مشرف فرمادیں گے۔

الجواب: آزاد عورت کو روپیہ سے خریدنا حرام ہے جائز نہیں اور اس سے جبراً نکاح کرنا حرام ہے اگر وہ اپنی خوشی سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح درست ہو سکتا ہے خریدنے کے دباؤ سے ہرگز درست نہ ہوگا اور خریدنے کے گناہ سے توبہ کرنا لازم ہے، واللہ اعلم۔
۱۸/ رجب سنہ ۴۸ھ۔

چار بیویوں میں سے ایک کا انتقال ہوجائے تو دوسری عورت سے بلا کسی مدت کے انتظار کے نکاح جائز ہے

سوال (۳۲) زید کی چار بیبیاں تھیں ان میں سے ایک انتقال کر گئی وہ دوسری ایک عورت سے بلا درنگ نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ہاں کرسکتا ہے کیونکہ مرد کے ذمہ عدت نہیں۔

لونڈی سے کراہت نکاح کی وجہ

سوال (۳۳) لونڈی سے کراہت نکاح کی منجملہ وجوہ کراہت سے ایک یہ بھی مرقوم ہے کہ لونڈی غیر کی مملوک ہے اگر کسی وقت شوہر اس کو اپنے پاس رکھنا چاہے اور اس وقت مالک اس سے خدمت لینا چاہے تو ضرور بے لطفی ہوگی اس خدمت سے صحبت کرنا مراد ہے یا اور کچھ؟

الجواب: خدمت سے مراد علاوہ استمتاع کے ہے فی الدر (ومن عرسه امته الحلال) له وطوها فخرج المجوسية والمكاتبة والمشتركة و منكوحة الغير الخ شامی ص ۳۰۲ ج ۵۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔

جب عورت مجلس نکاح میں موجود ہو تو شاہدوں کو نام وغیرہ بتلانا ضروری نہیں ہے

سوال (۳۴) ایک عورت برقعہ پوش تنہا دو مرد گواہوں کے سامنے کھڑی ہے اور گواہوں کو اس کا مطلق علم نہیں ہے کہ یہ کون ہے اور کہاں رہتی ہے صرف اتنا معلوم ہے کہ کوئی عورت ہے اس صورت میں۔ مرد ثالث جو عورت مذکورہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے یہ کہے کہ کیا مجھ سے تجھے نکاح منظور ہے؟ عورت جواب دیتی ہے مجھے قبول ہے یا قبول کیا تو کیا از روئے شرع نکاح ہوگیا؟

(۲) صورت سابقہ میں اگر مرد گواہوں سے عورت مذکور کا پتہ بالکل نہ دے تو کس طرح ہے؟

(۳) اگر مرد عورت مذکورہ کا پتہ اس طرح جھوٹ بتلائے مثلاً گواہوں سے کہدے کہ یہ عورت اجمیر رہتی ہے اور اجمیر سے آئی ہے اور میں اس سے نکاح کرتا ہوں حالانکہ دراصل وہ عورت جودھ پوری کی ہے اس کا جواب بھی لکھیں؟

الجواب: جب عورت سامنے موجود ہے تو شاہدوں کو اس کا نام وغیرہ بتلانا ضروری نہیں پس ہر سہ صورت میں نکاح صحیح ہوجاتا ہے کما فی العالمگيرية ص ۲ ج ۲ وان كانت حاضرة متنقبة ولا يعرفها الشهود جاز النكاح وهو الصحيح ۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔

۱۰ رمضان شریف ۴۵ھ ؏۔

؏ یہاں تک کے کل جوابات حضرت مولانا صاحب مدظلہم نے بھی التزاماً ملاحظہ فرمائے ہیں (باقی صفحہ آئندہ پر)

ولی کی طرف اضافت کی ایک صورت کا حکم | **سوال** (۳۵) ایک نکاح خوان نے مجلس نکاح میں لڑکی کے باپ سے کہا کہ تو نے اپنی لڑکی سکینہ اس عبداللہ کے ساتھ نکاح کے لئے دی ہے اس کے لڑکے شریف اللہ کے لئے۔ لڑکی کے باپ نے کہا دی ہے شریف اللہ کے لئے۔ پھر نکاح خوان نے عبداللہ کو کہا تو نے قبول کی ہے اپنے لڑکے شریف اللہ کے لئے؟ وہ بولا مینے قبول کی ہے شریف اللہ کے لئے۔ نکاح خوان نے اضافت نکاح کی عبداللہ کی طرف کی ہے اور لڑکی کے باپ نے نہیں کی تو اعتبار نکاح خوان کے الفاظ کا ہوگا اور لڑکی کے باپ کے الفاظ بھی ان کے ساتھ مقید ہوں گے اور نکاح خود عبداللہ کا منعقد ہو جائے گا نہ اس کے لڑکے شریف اللہ کا کما قال الشامی وبقی ایضا قولھم زوجتک بنتی لابنک فیقول قبلت ویظھر لی انه ینعقد للاب لاسناد التزویج وقول ابی البنت لابنک معناہ لاجل ابنک فلایفید وکذا لو قال الآخر قبلت لابنی لایفید ایضاً۔ یا اعتبار لڑکی کے باپ کے الفاظ کا ہوگا اور نکاح عبداللہ کے لڑکے شریف اللہ کا منعقد ہوگا نہ عبداللہ کا۔ کما قال الشامی نعم لو قال اعطیتک بنتی لابنک فیقول قبلت فالظاھر انه ینعقد للابن لان قوله اعطیتک بنتی لابنک معناہ فی العرف اعطیتک بنتی زوجة لابنک وھذا المعنی وان کان ھو المراد عرفاً من قولھم زوجتک بنتی لابنک لکنه لایساعدہ اللفظ کما علمت والنیة وحدھا لاتنفع کما مر، واللہ سبحانه اعلم۔

حاصل سوال یہ ہے کہ نکاح بطریقہ مذکوہ عبداللہ کا ہوا ہے یا اس کے لڑکے شریف اللہ کا؟ بیّنوا لوجه اللہ العظیم فانه یجزی بمغفرة ورزق کریم۔

الجواب: صورت مسئولہ میں شریف اللہ کا نکاح صحیح ہو گیا ہے اور نکاح خوان کے کلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس سے آگے حضرت والا نے فرصت نہونے کے باعث التزام ترک فرمادیا صرف استاذی المکرم جناب مولوی ظفر احمد صاحب التزاماً ملاحظہ کرنے لگے۔ ۱۲ منہ

البتہ کوئی جواب مولانا مدظلہ کی تحقیق کے خلاف نہیں لکھا جاتا بلکہ جو نیا سوال ہو اس کو زبانی دریافت کر کے لکھا جاتا ہے اور کہیں کہیں ملاحظہ کی نوبت آتی ہے تو وہاں تصریحاً اس کو ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ یعنی حضرت والا دستخط ثبت فرمادیتے ہیں۔ ۱۲ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔

۱۶ رمضان ۴۸ھ۔

میں جو ساتھ نکاح کے واقع ہے وہ شریف اللہ سے متعلق کہا جاوے گا بس ذوجتك بنتی لا بنك پر اس کا قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کما لا یخفی و نیز اس استفہام کو تو ایجاب نہیں کہہ سکتے بلکہ ایجاب وہ ہے جو ولی نے کہا ہے اور ولی کے قول میں عبد اللہ کے نکاح کا احتمال ہی نہیں اور رہا یہ شبہ وکذا الو قال الآخر قبلت لابنی لا یفید ایضاً معلوم ہوتا ہے کہ قول اول کا اعتبار ہوتا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ قول اول سے مراد ایجاب ہے قبول ایجاب کے تابع ہوگا قول ولی کو قول نکاح خوان کے تابع کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے، واللہ اعلم۔ احقر عبد الکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح۔

ظفر احمد عفا عنہ، ۲۱ رذی الحجہ ۴۸ھ۔

مسئلہ نکاح | **سوال** (۳۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بارات مسماۃ ہندہ سے نکاح کرنے کے لئے گئی عقد کے وقت زید کے ولی سے دریافت کیا گیا کہ زید بالغ ہے یا نابالغ تو زید کے ولی نے کہا کہ نابالغ ہے اس کے بعد پوچھا گیا کہ زید کا باپ کہاں ہے تو معلوم ہوا کہ زید کا باپ نہیں آیا ہے بلکہ اس نے ایک شخص کو یعنی بکر کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا ہے تب بکر سے دریافت کیا گیا کہ تم کو زید کے باپ نے اپنا قائم مقام بنایا ہے تو بکر نے کہا کہ ہاں ہم کو اس کے باپ نے اپنا قائم مقام بنایا ہے اس کے بعد لڑکی والوں کی طرف سے دین مہر مبلغ پانچسو روپیہ کہا گیا تو لڑکے کے ولی نے انکار کیا آخر کار بضد ہو کر مبلغ ۵۰ روپیہ دین مہر سے کم کرا دیا غرضیکہ مبلغ چارسو پچاس روپیہ دین مہر قرار پایا چونکہ لڑکے کو نابالغ کہا گیا تھا اس لئے لڑکے سے ایجاب و قبول نہیں کرایا گیا بلکہ اس کے باپ کے کیل یعنی بکر سے کرایا گیا بکر نے کہا کہ ہاں ہم اس لڑکے کے لئے قبول کرتے ہیں۔ زید جس کا عقد ہو رہا تھا اسی مجلس میں موجود تھا اور سب باتوں کو سن رہا تھا سب باتیں اس کے روبرو ہوئیں۔ بعد عقد لڑکی والوں نے باراتیوں کو کھانا وغیرہ کھلا دیا کھانے کے بعد بارات والوں نے بہت اصرار کیا کہ بیاہ کے ناجائز رسومات بھی ادا ہونے چاہئے مگر لڑکی والوں نے صاف انکار کر دیا۔ کہ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ ہم ناجائز و قبیح رسومات ادا کریں آخر کار بارات والے مجبور ہو کر چپ ہو رہے۔ بعد نماز فجر لڑکی والوں نے بارات والوں کو خبر دیا کہ تم لوگ سواری منگاؤ اور لڑکی رخصت کرا لے جاؤ۔ تب بارات والوں نے کہا کہ ہم کو معلوم نہیں تھا کہ صبح کو رخصت ہوں گے اس لئے ہم اس وقت نہیں جا سکتے مگر لڑکے کے ولی نے زید کے روبرو کہا کہ اچھا ہم سواری منگاتے ہیں تو لڑکی رخصت کرا کے ہم لوگ اسی وقت چلے جائیں گے لڑکا یعنی زید یہ سب

باتیں بھی سُن رہا تھا کچھ دیر ہوگئی مگر سواری نہیں آئی تو لڑکے کے باپ آئے اور اظہار رنج وافسوس کیا کہ رات کو بیاہ کا رسم کیوں نہیں ادا ہوا اور صبح کو کیوں رخصت کرتے ہیں۔ جب تک لڑکی والوں نے جہیز برتن نقد روپیہ جو کچھ دینا تھا وکیل کے سپرد کردیا۔ لڑکے کے باپ اور بکر جو وکیل باپ کی طرف سے تھا۔ سبھوں نے اس جہیز کو منظور کرکے لے لیا۔ اور بارات واپس لیکر گھر چلے آئے۔ اور چلتے وقت یہ کہا کہ سواری اس وقت کہیں چلی گئی ہے ہر وقت نہیں مل سکتی ہم شام کے وقت سواری بھیجکر لڑکی رخصت کرالیں گے۔ لڑکی والے نے شام تک انتظار کیا مگر سواری نہیں آئی قریب چار بجے آدمی جاتا ہے کہ جلد سواری بھیجو چنانچہ اوسی وقت لڑکی کے والد سواری والوں کے پاس گئے کہ تم لوگ سواری لے جاؤ مگر اس وقت بھی سواری نہیں ملی اس کی چونکہ طبیعت اور منشار کے مطابق نہ تو دونوں وقت لڑکی والے نے کھانا کھلایا۔ اور بیاہ کے رسومات ادا کئے اس لئے لڑکے کے گھر والوں کو اسکا افسوس تھا اس لئے یہ کہنے لگے کہ ابھی نکاح نہیں ہوا کیونکہ لڑکا بالغ ہے۔ اور لڑکے سے ایجاب وقبول نہیں کرایا گیا اس لئے ہم لوگ دوبارہ بارات لے جائیں گے۔ اور عقد کریں گے اور رسم ورسومات ادا کریں گے تب لڑکی کو رخصت کرائیں گے زید کے گھر والوں نے یہ سب باتیں اس روز شام تک اور بارات رخصت ہونے سے قبل کچھ نہیں کہا تھا کہ ابھی نکاح نہیں ہوا اس لئے ہم لوگ لڑکی رخصت نہیں کرائیں گے اور نہ لڑکے نے کچھ کہا بعد میں یہ سب تدبیریں رسم ادا کرنے کے لئے سوچی گئیں۔ تو کیا از روئے شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پہلا نکاح معتبر ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

تنقیحات

(۱) لڑکے کی عمر کیا ہے اور اس کی صورت سے آثار بلوغ ظاہر ہوتے ہیں یا نہیں؟

(۲) لڑکا یعنی زید اپنے کو بالغ کہتا ہے یا نابالغ؟

(۳) نکاح ہو جانے کے بعد زید سے ایسے افعال ظاہر ہوئے یا نہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس کے نزدیک نکاح ہو چکا مثلاً دوستوں نے نکاح کی مبارکباد دی ہو اور اُس نے خوشی کا اظہار کیا ہو یا اور کوئی رسم نکاح کی ایجاب وقبول کے بعد کی گئی ہو اور اُس میں اس نے حصہ لیا ہو؟

جواب تنقیح: (۱) لڑکے کی عمر سترہ اور اٹھارہ کے درمیان ہے۔

(۲) زید اپنے کو بالغ کہتا ہے۔

(۳) نکاح کے بعد زید نے لڑکی کی طرف سے انگوٹھی پہنا نکاح کا رومال کندھے پر رکھا اور نکاحانہ روپیہ لیا۔ جیسا کہ دستور ہے کہ نکاح ہو جانے کے بعد اسی مجلس میں دو ایک روپیہ

اور انگوٹھی ورومال دیا جاتا ہے اور نکاح کے بعد دوسرے روز دس بارہ رومال اور پندرہ بیس روپیہ خاصکر لڑکے کے ہاتھ میں دیا جاتا ہے ان سب رسم کو زید نے ادا کیا اور ان چیزوں کو منظور کیا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں چونکہ لڑکا بروقت نکاح بالغ تھا جیسا کہ جواب تنقیح میں اس کی عمر سترہ اٹھارہ سال کے درمیان بتلائی گئی ہے اور لڑکے نے نکاح کے بعد ایسے افعال کئے جو اجازت نکاح پر دال تھے مثلاً انگوٹھی پہننا اور نکاحانہ لینا اور سلامی کے روپیہ لینا لہذا گو اس نے زبان سے ایجاب وقبول نہیں کیا مگر عملاً نکاح کو نافذ کر دیا ہے لہذا یہ نکاح نافذ و کامل ہو چکا اب لڑکے والوں کا یہ کہنا کہ نکاح نہیں ہوا ہم دوبارہ بارات لے جائیں گے غلط ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۷ محرم ۴۹ھ۔

فصل فی المحرمات

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اہلسنت والجماعت اس امر میں کہ سگی ممانی اور سگی چچی سے نکاح جائز ہے یا کہ ناجائز موافق حکم شرع کے ارشاد فرمادیں؟ | ممانی اور چچی سے نکاح جائز ہے

الجواب: سگی ممانی اور سگی چچی سے نکاح بعد گذرنے عدت کے جائز ہے۔

۳ ذیقعدہ ۴۰ھ۔

سوال (۲) زنی بعد از مطلقہ شدن وعدت گذاردن کوچہ گرد شد تعلق ناجائز با چند کسان می داشت از یں تعلق او را دختری زائید بعد از زائیدنش بہ یکی از تعلق داران پیشین نکاح کرد اکنون ناکح می خواہد کہ نکاح پسر بالغ خود بہمیں مولودہ بالغہ کہ در ایام بدکاری زائیدہ است کند شرعاً می تواند شد و یا نہ در مختار صفحہ ۲۸۴ حرم علی المتزوج ذکراً کان او انثی نکاح اصلہ وفرعہ علا او نزل وبنت اخیہ واختہ وبنتھا ولو من زنا (رد المحتار) ای بان یزنی الزانی ببکر ویمسکھا حتی تلد منہ بحر عن الفتح قال الحانوتی ولا یتصور کونھا ابنتہ من الزنا الا بذلک اذ لا یعلم کون الولد منہ الا بہ اھ ای لانہ لو لم یمسکھا یحتمل ان غیرہ زنی بھا لعدم الفراش النافی لذلک الاحتمال۔ ازیں عبارت جواز مفہوم می شود چرا کہ در صورت مسئولہ بکارۃ وامساک منتفی است (رد المحتار ۲۸۷) قال فی البحر اراد بحرمۃ المصاھرۃ الحرمات الاربع حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ | ولد زنا کا مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کی ایک صورت

نسباً ورضاعاً وحرمة اصولها وفروعها على الزانی نسباً ورضاعاً کما فی الوطی الحلال ویحل لاصول الزانی وفروعه اصول المزنی بها وفروعها۔
ازاینجا ہم جواز فہمیدہ می شود آنچہ حکم شرع است ازو آگاہ فرمائید؟

الجواب: درصورت مسئولہ مذکورہ نکاح پسر بالغ ناکح با مولودۂ منکوحۂ او کہ در ایام بدکاری زائیدہ است جائز نیست کہ خلاف احتیاط است قال الشامی بعد العبارة المذكورة فی السوال (تنبیه) ذکر فی البحر انه دخل بنت الملاعنة ایضاً فلها حكم البنت هنا لانه بسبیل من ان یکذب نفسه ویدعیها فیثبت نسبها منه کما فی الفتح قال وقدمنا فی باب المصرف عن المعراج ان ولد ام الولد الذی نفاه لایجوز دفع الزکاة الیه ومقتضاه ثبوت البنتیة فیما یبنی على الاحتیاط فلایجوز لولده ان یتزوجها لانها اخته احتیاطاً ویتوقف على نقل اھ (ص ۲۵۴ ج ۲)۔
قلت والاحتیاط فی باب الفروج لازم فما قاله فی الفتح والمعراج لاتخالفه القواعد ومقتضاه ما قاله فی البحر[ع] من ثبوت البنتیة فیما مبناه على الاحتیاط فیلزم الاخذ به احتیاطاً۔

(تنقیح) قال الشیخ قیاسه على بنت الملاعنة قیاس مع الفارق۔
قلت ولم اقس المسئلة على حکم بنت الملاعنة وولد ام الولد الذی نفاه بل بنیت الجواب على قول البحر بعده ومقتضاه ثبوت البنتیة فیما یبنی على الاحتیاط (معناه فی امور مبناها على الاحتیاط کباب الفروج حیث فرع علیه بقوله) فلایجوز لولده ان یتزوجها لانها اخته احتیاطاً اھ وهذا القول بعمومه یوجب ثبوت البنتیة فی الصورة المسئولة احتیاطاً واما قوله ویتوقف على نقل فالجواب عنه ان هذا الحکم الکلی بهذا

ع واستدلال سائل بعبارت بحر مفید نیست فان معنی قوله ویحل لاصول الزانی وفروعه اصول المزنی بها وفروعها۔ ای الاصول والفروع التی هی اصول وفروع للمزنی بها فقط ودلیل ذلک قوله کما فی الوطی الحلال بعد ذلک وفی الصورة المسئولة بنت المزنی بها فیها شبهة کونها بنت الاب ومخلوقة من مائه ایضاً فافترقا ۱۲ ظ

اللفظ وان لم نرہ منقولا ولکن احتیاط الائمۃ فی باب الفروج تفیدہ کیف لا
وظاہر الروایۃ ان الوطی فی الدبر لا یوجب حرمۃ المصاہرۃ وکذلک لو
افضاہا لعدم تیقن کونہ فی الفرج مالم تحبل منہ ذکرہ فی الدر (۲ج۴۶۱)
ولکن فی حاشیۃ الاشباہ للحموی اقول ذکر شمس الاسلام انہ یفتی بالحرمۃ
احتیاطا اخذا بقول بعض المشائخ انتہی وہو لطیف حسن اذ لا یکون الوطیٔ
فی الدبر ادنی حالا من مسہ وہو تثبت بہ الحرمۃ فلان تثبت بہ اولیٰ
اذ فیہ مس وزیادۃ اھ (ص ۳۵۷) واما فی الافضاء فقد ذکر فی الفتح عن
ابی یوسفؒ قال اکرہہ لہ الام والبنت وقال محمدؒ التنزہ احب الی اھ (ص ۱۲۶ ج۳)
وفی کل ذلک دلیل علی غایۃ الاحتیاط فی ہذا الباب ولا یخفی ان بنت
المزنیۃ التی لم یمسکہا الزانی عن غیرہ وان لم یتیقن بکونہا مخلوقۃ
من مائہ ولکن فیہا شبہۃ ذلک حتما فثبت مزنیۃ الرجل فی صورۃ السوال
اخت ولدہ احتیاطا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔
۲۱ محرم سنہ ۴۵ھ۔

(خلاصۂ) کلام این ست کہ بمقتضائے کلام آن مشائخ کہ قید امساک مزنیہ افزو
دواند بدون امساک ثبوت بنتیتِ دخترش از زانی بعید است و مقتضائے تنبیہ شامی
آنست کہ بدون امساک ہم ثبوت بنتیت بعید نیست بلکہ بنا بر احتیاط این احتمال ہم قریب
است و در باب احتیاط احتمالات قریبہ معتبر و احتمالات بعیدہ غیر معتبر است پس کسیکہ
بدون امساک ہم ثبوت بنتیت را بعید نشمارد فتویٰ بعدم جواز خواہد داد ورجحان احقر
کاتب حروف ہمین جانب ست ۔ اما رجحان خاطرِ حضرت حکیم الامۃ دام مجدہم بسوء جواز
نکاح پسر زانی با این دختر زانیہ است بمقتضائے عبارت مذکورۂ سوال گو بنا بر تنزہ و
احتیاط ازیں نکاح احتراز نزد الیشان ہم اولیٰ ست فقط۔ ۲۲ محرم سنہ ۴۵ھ۔

بھتیجے کی بیوہ سے نکاح جائز ہے | سوال (۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص
کے بھتیجے کا انتقال ہوگیا اس نے زوجہ چھوڑی اس شخص کی عورت بیوہ یعنی بھتیجے کی زوجہ سے عقد
جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا ۔

الجواب: اگر بھتیجے کی بیوہ سے اس شخص کی اور کوئی قرابت محرمہ نہو مثلاً وہ بیوہ خود

اس کی بھتیجی اور بھانجی نہو تو محض بھتیجے کی بیوی ہونے سے وہ اس پر حرام نہوگی بلکہ اس سے نکاح درست ہے بشرطیکہ بیوہ دل سے راضی ہو اس پر کسی قسم کا جبر نہ کیا جاوے جیساکہ بعض قوموں میں رواج ہے کہ ان کے خاندان میں کوئی عورت بیوہ ہوجائے تو وہ اپنے اختیار سے خود اپنا نکاح نہیں کرسکتی بلکہ خاوند کے خاندان والے جہاں چاہیں نکاح کردیتے ہیں چاہے بیوہ راضی ہو یا نہ ہو۔ اور اگر یہ بھتیجے کی بیوہ اس شخص کے ساتھ قرابت محرمہ بھی رکھتی ہے یعنی وہ بھی اس کی بھتیجی یا بھانجی ہے تو اس سے نکاح نہیں ہوسکتا واللہ اعلم۔ ۲۴/۲۲/۲ ۴۵ھ۔

جمع بین الاختین کے متعلق ایک استفسار کا جواب

سوال (۴) خالد نے ایک نکاح کیا زینب بنت بکر کے ساتھ بعد فوت ہونے بکر کے بی بی اس کی نکاح ثانی کیا ساتھ زید کے اور زید سے ایک لڑکی پیدا ہوئی ہندہ نامی لیکن جس روز لڑکی پیدا ہوئی اسی روز مادر دختر انتقال کرگئی اور مطلق دودھ اپنی ماں کا پیا نہیں بلکہ غیر کے دودھ سے پرورش پاکر بالغ ہوئی اور نکاح اس کا ساتھ ایک دوسرے شخص کے ہوا تھا لیکن شوہر کے انتقال ہونے کے بعد قریب تین۳ سال تک بیوہ رہی اب وہی خالد مذکور جو شوہر زینب کا ہے اس کے ساتھ نکاح کیا نکاح صحیح ہوگا یا نہیں۔ آیۃ ان تجمعوا بین الاختین سے ثابت ہوتا ہے کہ حرام ہے اور رضاعت کی شرط ہے کہ نہیں اخیافی میں؟ فقط والسلام۔

الجواب: صورت مسئولہ میں ہندہ چونکہ زینب کی اخیافی بہن ہے اس لئے خالد کو زینب کے ساتھ ہندہ کا جمع کرنا جائز نہیں وان تجمعوا بین الاختین میں اخت عینی وعلاتی واخیافی سب مراد ہیں جیساکہ واخواتکم میں۔

اور جب وہ نسب کے اعتبار سے بہن ہے تو رضاع کی کیا ضرورت جیساکہ حقیقی بہن اگر اپنی ماں کا دودھ نہ پیئے تب بھی وہ بہن ہے۔ عبدالکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۰ ار شوال ۴۵ھ۔

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے

سوال (۵) بکر کی دو بیٹی ہیں ایک کو زید کے ساتھ بیاہ کردیا بعد دو چار برس کے زید نے دوسری بیٹی کو بھی نکاح کرلیا پس دونوں میں ایک ساتھ نکاح کرنا حرام ہے کیا؟ دونوں حرام ہوگا؟ اور پہلی عورت کے بطن سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہے کیا وہ حرامی ہوگی؟

الجواب: زید نے جب اپنی سالی سے نکاح کرلیا تو وہ نکاح تو باطل ہوا لیکن جو بہن

زید کی پہلے سے بیوی ہے اس کا نکاح باقی ہے اور وہ بدستور حلال ہے لیکن اگر زید دوسری منکوحہ سے وطی کر چکا ہے تو پہلی منکوحہ سے بھی وطی حرام ہے یہانتک کہ دوسری کو جدا کردے اور اس کی عدت گذر جاوے پس ہر حال میں لازم ہے کہ دوسری منکوحہ کو الگ کردے اور اگر اس سے صحبت ہو چکی ہے تو اس کی عدت ختم ہونے تک اپنی بیوی سے بھی ہمبستر نہ ہو کما فی الدر المختار (وان تزوجهما معًا) ای الاختین او من بمعناهما (او بعقدتین ونسی) النکاح الاول فرق القاضی (بینه وبینها) وقال الشامی تحت قوله (ونسی الاول) فلو علم فهو الصحیح والثانی باطل وله وطئ الاولیٰ الا ان یطأ الثانیة فتحرم الاولیٰ الی انقضاء عدة الثانیة کما لو وطی اخت امرأته بشبهة حیث تحرم امرأته مالم تنقض عدة ذات الشبهة ح عن البحر (ص ۴۸ ج۲)۔ اور تفریق کی صورت یہ ہے کہ طلاق دیدے یا زبان سے کہدے کہ میں نے تجھ کو الگ کر دیا اور اگر ہمبستری نہیں ہوئی تو فقط علیحدہ ہو جانا بھی کافی ہے زبان سے کچھ کہنا ضروری نہیں اور کسی حال میں قضاء قاضی شرط نہیں ہے بلکہ عورت خود بھی علیحدہ ہو سکتی ہے چاہے مرد الگ کرے یا نہ کرے کما فی تنویر الابصار ومبدأها بعد التفریق او اظهار العزم علی ترک وطئها وفی الدر تحته بان یقول بلسانه ترکتکِ ونحوه ومنه الطلاق وانکار النکاح لو بحضرتها والا لا، لا مجرد العزم لو مدخولةً والا فیکفی تفرق الابدان وقال الشامی تحت قول الدر (العزم) من الزوج قال فی البحر ورجحنا فی باب المهر انها تکون من المرأة ایضا (ص ۷۰۰ ج۲)

زانی کی اولاد کا نکاح فروع مزنیہ سے جائز ہے

سوال (۶) ایک شخص ایک عورت سے بحالت باکرہ وعروسی زن بدفعلی کرتا رہا ہے دونوں کا نکاح غیر مرد غیر عورت سے ہو گیا ہے اور ان کی اولاد پیدا ہوئی کچھ عرصہ بعد عورت مذکورہ کا خاوند فوت ہو گیا اسی عورت نے اسی مرد مذکور جس کے ساتھ زنا کرتی رہی ہے نکاح کر بیٹھی، آیا! اب مرد کی اولاد سے اور اس عورت کی اولاد میں نکاح درست ہو سکتا ہے۔

الجواب: اِس مرد کی اولاد کا نکاح اس عورت کی اولاد سے جائز ہے فی الشامی عن البحر ویحل لاصول الزانی وفروعه اصول المزنی بها وفروعها اھ

وقال الشامی مثله ماقدمناہ قریبًا عن القہستانی عن النظم وغیرہ وقولہ یحل ای کما یحل ذلک بالوطی الحلال (ص ۴۵۸ ج ۲).

ایضًا

سوال (۷) "ق" نامی ایک مرد دوسرے "ل" مرد کی عورت سے بدکاری کرتا تھا "ق" کے مرنے کے بعد اس کی عورت "ق" کی فرزند کی "ل" کی دختر سے شادی کرا دیا ہے یعنی زانی مرد کا بیٹا اور مزنیہ کی بیٹی یہ آپس میں شادی کرائی گئی ہے اب یہ نکاح درست ہے یا نہیں اور وہ آپس میں مرد و عورت ہو کر رہیں یا نہ رہیں؟

الجواب: زانی کے بیٹے کا نکاح مزنیہ کی دختر کے ساتھ جائز ہے کما فی الشامی ص ۴۵۸ ج ۲ ناقلا عن البحر ویحل لاصول الزانی وفروعہ اصول المزنی بہا وفروعہا ومثلہ ماقدمناہ قریبا عن القہستانی عن النظم وغیرہ وقولہ ویحل الخ ای کما یحل ذلک بالوطی الحلال الخ

عبدالکریم عفی عنہ۔ ۲۹ رجمادی الثانی ۴۲ھ۔

سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے

سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے یا نہیں یعنی سوتیلی ماں ہو اور اس اپنی سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے مفصّل جواب تحریر فرماویں؟

الجواب: سوتیلی ماں یعنی باپ کی وہ بیوی جو اپنی ماں نہیں ہے اس شخص پر اس لئے حرام ہے کہ وہ موطورۃ الاب ہے اور سوتیلی ماں کی بہن میں یہ علت نہیں اس لئے سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے۔ ۲۲ ررمضان شریف ۴۵ھ۔

سالی سے بیوی کے انتقال کے فوراً بعد نکاح جائز ہے یا اس کے لئے کسی خاص وقفہ کی ضرورت ہے

سوال (۹) یہاں علماء دین ایک مسئلہ میں مختلف جھگڑ رہے ہیں مسئلہ یہ ہے کہ زوجہ مرنے کے بعد زوجہ کی بہن نکاح کرنے میں مرد کو عدت پالنا ہوگا یا نہیں اور عدت کے اندر یا بعد ایک دن کے زوجہ کی بہن کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں اور کتاب شامی میں یہ عبارت تحریر ہے ماتت امرأتہ لہ التزوج باختہا بعد یوم من موتہا کما فی الخلاصۃ عن الاصل وکذا فی المبسوط لصدر الاسلام والمحیط للسرخسی والبحر والتتارخانیۃ، اور اس کے نیچے پھر یہ عبارت لکھا واما ماعزی الی النتف من وجوب العدۃ لایعتمد علیہ والتفصیل فی کتابنا تنقیح الحامدیۃ۔

اور دوسری کتاب فتاویٰ برھنہ میں یہ عبارت لکھا:

امابعد وفاتِ زوجہ نکاح با خواہر او برونے روانیست ہمچنیں خامسہ بعد از مردن رابعہ۔

پس اس عبارت کے موافق عدت وجوب ہوگا یا نہیں فتویٰ وجوب پر یا غیر وجوب پر مع حوالۂ عبارات کتب فیصلہ فرماویں! اجر دارین یابند۔

الجواب: قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ سئل فی رجل ماتت زوجتہ المدخول بھا ولھا اخت فھل لہ تزوج اختھا بعد موتھا بیوم الجواب، نعم کما فی الخلاصۃ عن الاصل للامام محمدؒ وکما فی المبسوط لصدر الاسلام کما نقلہ عنہ القہستانی والمحیط للامام السرخسی والبحر والتتارخانیہ عن السراجیۃ وفتاوی الانقروی وقدری افندی و مؤید زادہ ومجمع الفتاوی وصرۃ الفتاوی ومجمع المنتخبات و غیرھا من الکتب المعتبرۃ واما ماعزی الی النتف من وجوب العدۃ علیہ فلا یعتمد علیہ وکتب تحت الجواب ماصورتہ قلت ؎

لعمرک ماکل النقول صحائح ولاکل خل فی المودۃ ناصح
علیک باقواھا دلیلاً ومأخذا وماھو فی الکتب الشھیرۃ راجح
ولا تعتمد الا صدیقا مجربا وکن حامد اللہ فالامر واضح الخ

(ص۱۸ ج۱)

قلت والتقیید بیوم اتفاقی والا فالظاھر الجواز بعد موت زوجتہ معًا لان العلۃ انقطاع النکاح بینھما بالموت فلا یکون بذلک جامعًا بین الاختین نکاحًا واللہ اعلم۔

ان عبارات سے واضح ہے کہ زوجہ کے مرنے کے بعد عدت کے اندر یا موت کے ایک دن بعد اس کی بہن سے نکاح جائز ہے۔ ۷ رجب ۴۶ھ

سوتیلی والدہ کی بہن سے نکاح جائز ہے

سوال (۱۰) زید کی پہلی اہلیہ سے (جو فوت ہو چکی) ایک بالغ لڑکا بکر موجود ہے۔ کیا زید اپنی موجودہ دوسری منکوحہ کی حقیقی ہمشیرہ سے اپنے فرزند بکر کا عقد کر سکتا ہے؟ یعنی بکر کا نکاح اس کی سوتیلی خالہ سے ہو سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب: ہاں بکر کا نکاح اس کی سوتیلی خالہ سے جو اس کی سوتیلی ماں کی بہن ہے جائز ہے

فان اخت الموطوءۃ للاب لیس لھا ذکر فی المحرمات واللہ اعلم۔

اپنے بیٹے کی بیوی کی بہن سے نکاح جائز ہے

سوال (۱۱) زید کی دو لڑکیاں ہیں۔ بکر نکاح کرنا چاہتا ہے ایک کو اور ایک اپنے فرزند سے کیا باپ بیٹے دونوں زید کے دو لڑکیوں سے نکاح کرسکتے ہیں یا نہیں مطلع کریں؟

الجواب: یہ صورت نکاح جائز ہے۔ اس میں کچھ حرج نہیں کہ باپ اپنے بیٹے کی بیوی کی بہن سے نکاح کرلے فان اخت حلیلۃ الابن لیست من المحرمات فی شئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۳۰ رشعبان ۴۶ھ۔

ماں کے شوہر کی بیٹی سے نکاح جائز ہے

سوال (۱۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکر نے ہمراہ خدیجہ نکاح کیا چند مدت کے بعد بکر نے مسماۃ خدیجہ کو طلاق دے دی بعدہٗ بکر نے ہمراہ فاطمہ نکاح کیا اور خدیجہ نے بعد انقضائے عدت کے ہمراہ عمر نکاح کیا۔ بکر کے بطن فاطمہ سے ایک لڑکی عائشہ پیدا ہوئی اور عمر کا بطن خدیجہ سے ایک لڑکا مسمی ولید پیدا ہوا تو کیا صورت متذکرہ بالا میں بروئے شرع محمدی کے ولید کے نکاح میں مسماۃ عائشہ آسکتی ہے یا نہ بینوا بالصفحۃ والکتاب توجروا عند الوھاب؟

تنقیح:۔ بکر اور عمر اور خدیجہ اور فاطمہ میں باہم کیا قرابت ہے اگر کوئی قرابت نہیں تو اسی کو ظاہر کیا جائے سوال ناتمام ہے اس لئے جواب نہیں دیا جاسکتا فقط۔ ۱۰ ر ج ا ۴۷ھ۔

الجواب عن التنقیح:۔ بکر اور عمر اور خدیجہ اور فاطمہ میں کوئی اور قرابت نہیں صرف یہ کہ خدیجہ پہلے بکر کے زوجہ تھی بعدہٗ خدیجہ کو بکر نے طلاق دیدی بعد انقضائے مدت کے خدیجہ نے نکاح ثانی ہمراہ عمر کیا تھا اور بکر نے نکاح ہمراہ فاطمہ کیا دوسرے خاوند کے گھر مسماۃ خدیجہ کے ولید لڑکا پیدا ہوا اور بکر کے دوسری عورت مسماۃ فاطمہ سے عائشہ لڑکی پیدا ہوئی تو عائشہ اور ولید کا آپس میں نکاح ہوسکتا ہے یا نہ؟

الغرض صرف بکر اور خدیجہ کی قرابت سابقہ بطور زوجیت کے تھی اور کوئی قرابت نہیں والسلام مع الاکرام۔

الجواب: صورت مسئولہ میں عائشہ کا نکاح ولید کے ساتھ جائز ہے۔ کیونکہ یہ عائشہ اس ولید کی ماں کے شوہر کی بیٹی ہے اور وہ حرام نہیں، قال فی الدر: واما بنت

زوجة اختہ او ابنہ فحلال اھ وفی رد المحتار: قال الخیر الرملی: ولا تحرم بنت زوج الام ولا امہ ولا ام زوجة الاب ولا بنتها ولا ام زوجة الابن ولا بنتها ولا زوجة الربیب ولا زوجة الراب اھ (ص ۲۵۶ ج ۲) - ۲۳ رجب ۴۷ھ

سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے

سوال (۱۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو آپس میں علی الترتیب حقیقی باپ بیٹے ہیں نیز زید کی بیوی یعنی عمرو کی والدہ فوت ہو چکی ہے۔ اب زید اپنا نکاح ہندہ نامی عورت سے کر چکا ہے اور ہندہ کی حقیقی بہن کو اپنے لڑکے کی زوجیت میں دینا چاہتا ہے جو بعد نکاح ہو جانے کے ہندہ اور اس کی حقیقی بہن آپس میں ساس اور بہو ہو جاویں گی ایسی صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے اس مسئلہ کا جواب باصواب مستند کتب کے حوالہ سے تحریر فرما کر ارسال فرماویں۔ فقط بینوا توجروا۔

الجواب: یہ صورت جائز ہے کیونکہ باپ کی بیوی کی بہن محرمات میں سے نہیں ہے اس سے بیٹے کا نکاح درست ہے وجواز ذلک مما لا یخفی علی من لہ نظر فی الفقہ، واللہ اعلم۔

بتاریخ ۲۴ شوال ۴۷ھ۔

بیوی کے انتقال کے بعد فوراً اس کی بہن سے نکاح جائز ہے

سوال (۱۴) ما قولکم رحمکم اللہ ...... زید کی بی بی انتقال کر گئی اس کی بہن کے ساتھ فی الفور اس کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ہاں کر سکتا ہے (مرد کے ذمہ عدت کا انتظار طلاق اخت وطلاق رابعہ میں ہے موت اخت وموت رابعہ میں نہیں)۔

ساس کی سوتیلی ماں محرمات میں داخل نہیں ہے

سوال (۱۵) ساس کی سوتیلی ماں محرمات میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: محرمات میں سے نہیں ہے جیسا کہ بیوی کی سوتیلی ماں حلال ہے فی العالمگیریة (ص ۲۸ ج ۲) ویجوز الجمع بین امرأة وبنت زوجها پس بیوی کی ماں اور نانی دادی حرام ہے اور بیوی کے باپ دادا نانا کی منکوحہ حرام نہیں ہے۔ فقط احقر عبد الکریم عفا عنہ۔

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ، ۱۱ رجب ۴۵ھ۔

حکم نکاح دختر پسر اخت عینیہ وعلاتیہ واخیافیہ

سوال (۱۶) دختر پسر اخت عینیہ وعلاتیہ واخیافیہ را نکاح کردن رواست یا نہ، واز بنات الاخت بنات ابن الاخت داخل باشد یا چہ للہ ارشاد فرمایند؟

الجواب: بنات الاخت میں بنات ابن الاخت وبنت الاخت سب داخل ہیں ولو سفلن جیسا کہ بناتکم میں بنت الابن والبنت داخل ہیں، واللہ اعلم حررہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ ۲۵ رشوال ۴۸ھ

مزنیہ کے لڑکے سے جوزانی کے نطفہ سے ہو زانی کی لڑکی کا نکاح حرام ہے

سوال (۱۷) زید کے ایک حلال زوجہ سے لڑکی ہے زینب، اس کے بعد زید نے ہندہ سے زنا کیا تو ایک لڑکا عمرو پیدا ہوا، سوال یہ کہ عمرو کا نکاح زینب سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: قال الشامی تحت قول الدر (وبنتها) ولو من زنا واما التحریم علی اٰباء الزانی واولادہ فلاعتبار الجزئیۃ۔ پس معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں عمرو کا زینب سے نکاح حرام ہے۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، مورخہ ۲۹ رج ا ۵۰ھ

باپ کی ربیبہ سے نکاح جائز ہے

سوال (۱۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جس کا لڑکا پانچ سالہ موجود تھا ایک عورت حاملہ من الزنا سے حالت حمل میں نکاح کیا مگر حمل کسی اور شخص کا تھا اسی واسطے اس شخص نے حکم شرعی کے موافق اس عورت کے ساتھ تا وضع حمل قربت وغیرہ نہیں کی اور نکاح کو چھ ماہ نہ گذرے تھے کہ اس حمل سے لڑکی پیدا ہوئی اس کو انہیں دونوں نے پرورش کیا اور لڑکی کو اس کی ماں نے ہی دودھ پلایا اور اس لڑکی کی مدت رضاع تک کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا اب لڑکی قریب البلوغ ہے کیا یہ شخص اس لڑکی من الزنا کا نکاح اپنے لڑکے کے ساتھ جو دوسری بیوی سے ہے کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں نکاح اس لڑکی کے ساتھ اس شخص کے بیٹے سے ہو سکتا ہے کیونکہ وہ لڑکی اس شخص کی صرف ربیبہ ہے نہ اس سے اس کا نسب ثابت ہوا ہے (لانہا ولدت لاقل من ستۃ اشہر) اور نہ اس شخص کی رضیعہ ہے (لان اللبن لیس منہ) اور صرف ربیبہ ہوتے ہوئے اپنے بیٹے سے نکاح جائز ہے، واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ یکم ربیع ۲ ۵۱ھ۔

رضیعہ مزنیہ سے نکاح حرام ہے

سوال (۱۹) زید نے ہندہ سے بعید مدت گذری ہے کہ زنا کیا تھا۔ اب ہندہ کو اپنے مرد سے جو دودھ اترا ہے اپنی سوت یعنی اپنے مرد کی دوسری بیوی کی بچی فاطمہ کو مدت رضاع میں دودھ پلایا ہے اب زید کو فاطمہ کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ ہے جو کہ زید کی مزنیہ کی رضاعی بیٹی ہے یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہ؟

جواب من بعض العلماء

یہ نکاح صحیح ہوگا رد المحتار باب الرضاع میں تحت قول الدر المختار قیل وکذا

الزنا والاوجہ لا فتح بعد چند سطور کے ہے وذکر الوبری الی قول رد المحتار و قلت وذکر فی شرح المنیۃ انہ لایعدل من الدرایۃ اذا وافقہا درایۃ وقد علمت ان الوجہ معہ روایۃ عدم التحریم ص ۶۷۰ ج ۳۔

سوال تتمہ خامسہ امداد الفتاوی جدید مطبوعہ ص۹ سطر اول

سوال :۔ زید کو ایک ایسی عورت سے ناجائز تعلق ہوگیا جس نے زید کی زوجہ کو دودھ پلایا تھا یعنی زید کو اپنی زوجہ کی رضاعی ماں سے زنا کا تعلق ہوگیا آیا زید کی زوجہ زید پر حلال رہی یا حرام ہوگئی خلاصہ سوال یہ کہ حرمت مصاہرہ مزنیہ کے اصول و فروع رضاعیہ کی طرف متعدی ہوگی یا نہ؟

جواب :۔ فی الدر المختار بیان المحرمات حرم الکل مما مر تحریمہ الی آخرہ فی رد المحتار تنبیہ مقتضی قولہ والکل رضاعًا مع قولہ سابقًا تا آخر جلد ۲ ص ۴۵۶-۴۵۷، اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں زید کی بی بی زید پر حرام ہوگئی۔

اب براہ نوازش جس روایت کو ترجیح فرمایا جاوے اس کو مستند بحوالجات کتب فرماویں اور برتقدیر مرجوحیۃ روایت عدم تحریم کے اب چونکہ زید نے رضیعۂ مذکورہ سے نکاح کرلیا ہے طلاق کی ضرورۃ ہے یا ویسے ہی تفریق اور عزم ترک کیا جاوے اور نصف مہر طلاق قبل دخول کی صورت میں واجب ہو یا نہ؟

الجواب من جامع امداد الاحکام : صورت مسئولہ میں روایت تحریم کو ترجیح ہے کیونکہ اصول مذہب کے موافق وہی ہے کیونکہ مزنیہ کی رضیعہ مزنیہ کی بیٹی ہے وھو ظاھر اور عورت موطوءہ کی بیٹی واطی پر حرام ہے پس رضیعہ مزنیہ زانی پر حرام ہے قال فی البدائع وکذا یحرم بالوطأ ام الموطوءۃ وبنتھا من الرضاع سواء کان الوطأ حلالا بان کان بملک الیمین او بنکاح فاسد او شبھۃ نکاح او کان زنا والاصل انہ یحرم بسبب الرضاع ما یحرم بسبب النسب وسبب المصاھرۃ اھ (ص ۲۶۲ ج ۲) ومثلہ فی المجلد الرابع ص۴۔

اور صاحب فتح القدیر نے عدم تحریم کی روایت کی ترجیح کی جو وجہ بیان کی ہے اور صاحب رد المحتار نے جو اس کی تقریر کی ہے اس کا جواب صاحب تحریر مختار نے بہت اچھا دیا ہے جو آگے مذکور ہوگا اور صاحب بدائع نے اس مسئلہ میں صرف تحریم ہی کو بیان کیا ہے عدم تحریم کی کوئی روایت نہیں بیان کی پس قہستانی نے جو اس مسئلہ میں دو روایتیں بیان کی ہیں ونصہ لو زنی بامرأۃ فولدت وارضعت صبیۃ جاز لہ ان یتزوجھا کما فی شرح الطحاوی ولکن

فی الخلاصۃ انہ لایجوز وقد مرّ ان فیہ روایتین اھ (حاشیۃ البحر لابن عابدین (ص ۲۲۶ ج ۳)۔ یہ دو روایتیں مذہب میں نہیں ہیں بلکہ دوسرے ائمہ کے اقوال کو خلط کرکے صاحب مذہب کی روایت کے ساتھ بیان کردیا ہے ورنہ صاحب بدائع وغیرہ اس سے ضرور تعرض کرتے اور صاحب بحر نے تصریح کی ہے کہ رضیعہ مزنیہ زانی کے لئے اتفاقاً حرام ہے ونصہ واشار بذکر الزوج الی ان لبن الزنا لیس کالحلال حتی لو ولدت من الزنا وارضعت بہ صبیۃ یجوز لاصول الزانی وفروعہ التزوج بہا ولا تثبت المحرمۃ الا من جانب الام خاصۃ الی ان قال وانما قیدنا محل الخلاف باصول الزانی وفروعہ لانہا لاتحل للزانی اتفاقاً لانہا بنت المزنی بہا وقدمنا ان فروع المزنی بہا من الرضاع حرام علی الزانی ولذا قال فی الخلاصۃ بعد ماذکر حرمتہا علی الزانی وکذا الولد تحبل من الزنا وارضعت لا بلبن الزنا فانہا تحرم علی الزانی کما تحرم بنتہا من النسب علیہ اھ (ص ۲۲۷ ج ۳) اور صاحب فتح القدیر کے کلام کو صاحب بحر نے تو اصول وفروع زانی پر محمول کیا ہے کہ وہ رضیعۂ مزنیہ کو اصول وفروع زانی کے لئے جائز کہتے ہیں نہ خود زانی کے لئے مگر علامہ شامی نے عموم پر رکھ کر خود زانی کے لئے بھی اس کو جائز کہدیا ہے مگر یہ اصول مذہب کے بالکل خلاف ہے جو ہرگز قابل اعتماد واعتبار نہیں ہے چنانچہ صاحب تحریر مختار نے علامہ شامی کے اس کلام کو اس طرح رد کیا ہے؟

قولہ یخالف المسطور فی الکتب الخ قد یقال ان عدم تحریم المرضعۃ بلبن غیر الزوج لعدم دخولہ بالزوجۃ اذ ھو المحرم للبنات واثبات الحرمۃ علی الزانی فی مسئلۃ الخلاصۃ لتحقق امومیۃ الزانیۃ للرضیعۃ بارضاعہا لبنہا فتحقق انہا بنتہا والزانی قد دخل بہا فیحرم علیہ فرعہا الرضاعی کالنسبی

عہ قلت قد صرح فی البدائع بمفہوم ھذا القید ای بالتحریم بعد الدخول ونصہ وکذا کل من یحرم بسبب المصاہرۃ من الفرق الاربع الذین وصفناہم فی کتاب النکاح یحرم بسبب الرضاع فیحرم علی الرجل ام زوجتہ وبنتہا من زوج اٰخر من الرضاع کما فی النسب الا ان الام تحرم بنفس العقد علی البنت اذا کان صحیحا والبنت لا تحرم الا بالدخول بالام کما فی النسب اھ (ص ۴/۴) قلت ورضیعۃ المزنی بہا ھی بنت المزنی بہا وقد دخل بامہا فتحرم علی الزانی حتما ۱۲ منہ

فاثبات الحرمة فی مسئلة الخلاصة لالان الرضیعه لعضه بواسطة اللبن حتی یقال انه لیس من منیه بل لان هذه الرضیعه (ای جزءمنه ۱۲) تحقق انها بنت موطوءته فتحرم علیه بوطأ امها الرضاعیة کما تحرم علیه بنتها النسبیة فما ھو مسطور فی الکتب المشهورة لایخالف ما فی الخلاصة مع ظهور وجه ما فیها فان الرضیعة وان لم تنسب للزانی لان اللبن لیس من منیه تنسب للام بواسطة اللبن المنسوب الیها وقد دخل بها اھ (ص ۲۱۱ ج ۱)۔

اور جن لوگوں کو رضیعہ مزنیہ کے زانی کے لئے حلال ہونے کا وہم ہوا ہے ان کے وہم کا منشا دو امر ہیں، ایک یہ کہ رضیعہ مزنیہ کا تعلق نسب صرف مزنیہ بہا سے ہے نہ زانی سے الخ مگر اس علت کا حاصل یہ ہوگا کہ جہاں سبب حرمت تعلق نسب ہو وہاں اس رضاع سے تحریم نہ ہوگی مثلاً اصول و فروع زانی کے لئے یہ رضیعہ حلال ہوگی مگر زانی کے حق میں ثبوت حرمت کے لئے ثبوت نسب من الزانی ضروری نہیں بلکہ بنت الموطوءہ ہونا کافی ہے اور رضیعۃ المزنیہ کا بنت موطوءۃ الزانی ہونا متحقق ہے۔

دوسرا منشاء وہم یہ ہوا کہ کتب مذہب میں یہ مسئلہ مسطور و مشہور ہے کہ مرضعہ بلبن غیر الزوج زوج پر حرام نہیں۔ علامہ شامی نے اس کو مطلق سمجھ کر کلام صاحب خلاصہ کو اس کے خلاف سمجھ لیا حالانکہ یہ مسئلہ اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ زوج نے مرضِعہ (بکسر الضاد) سے دخول نکیا ہو اور دخول کے بعد مرضَعہ بلبن غیر الزوج زوج کے لئے حرام ہے اس کو کتب مشہورہ میں حلال نہیں کہا گیا فافہم وکن من الشکرین اور جو نکاح رضیعہ مزنیہ سے کیا گیا ہے وہ نکاح فاسد ہے اور نکاح فاسد میں قبل الدخول مہر واجب نہیں ہوتا نہ نصف نہ کل اور بعد الدخول کے مہر مثل واجب ہوتا ہے صرح بہ فی الدر فی باب المھر، واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور صورت مسئولہ میں متارکت بھی کافی ہے طلاق کی حاجت نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۲ ذی الحجہ ۴۸ھ۔

حکم نکاح کتابیہ

سوال (۲۰) فی زمانہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی عورتوں کے ساتھ بلا کلمہ عقد جائز ہے یا نہیں بعضے بولتے ہیں حنفی مذہب میں جائز ہے اور بعض بولتے ہیں پہلے زمانہ کے یہود و نصاریٰ کی عورتوں کے ساتھ عقد بلا کلمہ جائز تھا کیونکہ اس وقت میں وہ سب موحّد تھے اور فی زمانہ اہل کتاب مشرک ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ وغیرہ کہتے ہیں۔

الجواب؛ جو اہل کتاب عیسیٰ علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کے اتباع کا دعویٰ کرتے

ہوں خواہ ابن اللہ کہکر یا رسول اللہ کہکر اُن کی عورتوں سے نکاح جائز تو ہے مگر مکروہ ہے اور جو محض دہریہ ہوں جیسا کہ آج کل عموماً انگریز دہریہ ہیں ان کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔

پھوپھی بھتیجی ایک نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں

سوال (۲۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور وہ عورت اپنے خاوند کے پاس ۹ یا ۱۰ برس رہی اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا اور دو برس کا ہو کر فوت ہو گیا اور وہ عورت اس کی منکوحہ کسی رنج یا تکلیف کے سبب سے اپنے والدین کے مکان پر آگئی اور کچھ عرصہ کے بعد اُس کے شوہر نے اپنی زوجہ کی حقیقی بھتیجی سے نکاح کر لیا اب ایک شخص کے نکاح میں یہ ہر دو پھوپھی بھتیجی جائز ہو سکتی ہیں یا نہیں۔ اور بعد نکاح بھتیجی کے لوگوں کے کہنے سُننے سے چار پانچ روز کے بعد پہلی زوجہ یعنی پھوپھی کو طلاق دیدیا۔ اب کون جائز ہو سکتی ہے یا کوئی نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: پھوپھی اور بھتیجی دونوں ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں اس لئے پھوپھی کی موجودگی نکاح میں جو اس کی بھتیجی سے نکاح کیا گیا ہے وہ فاسد ہے درست نہیں ہوا البتہ پھوپھی کو طلاق دیکر اس کی عدت طلاق تمام ہو جانے کے بعد بھتیجی سے نکاح ہو سکتا ہے۔ پس صورت مسئولہ میں اس شخص نے اپنی بیوی کی بھتیجی سے پھوپھی کو نکاح میں رکھتے ہوئے جو نکاح کیا ہے یہ بہت بڑا گناہ ہوا اس سے توبہ علانیہ لازم ہے اور بھتیجی سے علیحدگی واجب ہے پھر چونکہ اس نے پہلی بیوی کو طلاق دے دی ہے تو جب اس کی عدت طلاق تین حیض پوری ہو جاوے اس کے بعد اسکی بھتیجی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے، واللہ اعلم۔ ۳۰ ذیقعدہ ۴۹ھ۔

فصل فی الانکحۃ الفاسدہ

شوہر اگر قید ہو تو زوجہ کا نکاح ثانی کرنا باطل ہے

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی نانی مسلمان ہوئی اور ہندہ کی والدہ کا ایک مسلمان پردیسی سے نکاح کر دیا جب ہندہ پیدا ہوئی اور سات آٹھ سال کی عمر ہوئی ہندہ کے والدین کا انتقال ہوا اور کسی ولی و عصبہ کا کوئی پتہ نہ چلا اور ہندہ اپنی خالہ بدچلن کی پرورش میں چند روز رہی پھر چند خدا ترس لوگوں نے بمشورہ اس کی خالہ کے زید سے ہندہ کا نکاح کر دیا جو کہ مسلمان تھا اور حیثیت میں ہندہ کے باپ کی برابر تھا اور قومیت طرفین میں سے کسی کی کسی کو معلوم نہیں ملازم پیشہ لوگ تھے بعد نکاح کے کئی سال تک ہندہ زید کے پاس رہی اتفاق سے کسی بدچلنی کی وجہ سے زید قید ہو گیا زید کے گھر والے ہندہ کو تنگ رکھتے تھے

ہندہ نے اپنی تنگی اپنی خالہ سے بیان کی تو خالہ نے اس کو چکلہ میں بٹھادیا چکلہ والوں نے کسی سے کچھ روپیہ ٹھہرا کر ہندہ کے پاس بھیجا تو ہندہ بھاگ گئی قابو میں نہ آئی اور اسلامی مسائل سے بالکل ناواقف تھی ناٹک والوں میں مسلمان سمجھ کر شامل ہوگئی پھر بعد بلوغ کے بوجہ غلبۂ شہوت ایک غیر مسلم سے تعلق ناجائز ہوگیا اس ناجائز تعلق سے چند اولاد ہوئیں اتفاق سے ایک مسلمان شخص سے ہندہ ملی اور اپنا کل حال بیان کیا اس شخص نے اس کو وعید سنائی اور یہ کہا کہ تو مسلمان ہے اور یہ شخص جس سے تیرا تعلق ہے غیر مسلم ہے ہندہ پر خوف الٰہی پیدا ہوا اور مسائل دریافت کئے اور اولاد کو چھوڑنے پر آمادہ ہوئی تو اس غیر مسلم نے کہا میں تیری خاطر اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہوا اور یہ تیری اولاد ہے ان سب کو چھوڑ کر کہاں جاتی ہے میں بھی مسلمان ہوتا ہوں گھر نہ بگڑنا چاہئے ہندہ نے کہا میرا شوہر اصلی قید میں ہے اور یہ اولاد حرامی ہے تو غیر مسلم ہے میں تیرے پاس نہ رہوں گی پھر ہندہ نے اپنا کل حال عمرو سے بیان کیا عمرو نے کہا تو کسی اور مسلمان سے نکاح کرلے ہندہ نے کہا میرا نکاح ہوچکا تھا اور شوہر قید میں ہے نہ وہ مرا ہے اور نہ طلاق دی ہے کیسے نکاح کرسکتی ہوں عمرو نے چند مسلمان غیر عالم سے ہندہ کی تسلی کرادی کہ تیرا شوہر قید میں ہے تو نکاح کرلے تیرے کئی اولاد ناجائز تعلق سے پیدا ہوچکی اب نکاح ٹوٹ گیا بے نکاح رہنا درست نہیں ہندہ نے مسئلہ کا خیال کرکے عمرو سے ہی نکاح کرلیا پھر ایک شخص مسلمان اس کو ملا اس سے تمام حال اپنا سنایا وہ مسلمان عالم نہ تھا کچھ مسائل سے واقف تھا اس کو دیکھ کر اور زیادہ اسلام سے ہندہ خوش ہوئی اور مفصل حال سنایا تو اس شخص نے کہا کہ دوسرا نکاح نہیں ہوا اب اور زیادہ ہندہ کو تشویش ہوئی لہذا عرض ہے کہ پہلا نکاح درست تھا یا نہ اور بدون طلاق کے یہ دوسرا نکاح درست ہوا یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ولی عصبہ کے نہ ہونے کی صورت میں ذوی الارحام کو حنفیہ کے نزدیک ولایت نکاح نابالغہ حاصل ہے اسی طرح اگر ولی عصبہ موجود ہو مگر لاپتہ ہو کہ کسی کو اس کا پتہ نہ معلوم ہو جب بھی ولی البعد کو نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے۔ قال فی العالمگیریہ (ص ۱۱ ج ۲) وعند عدم العصبۃ کل قریب یرث الصغیر والصغیرۃ من ذوی الارحام یملک تزویجھما فی ظاھر الروایۃ عن ابی حنیفۃ اھ وفیہ (ص ۱۲ ج ۲) وان کان الاقرب غائبا

عہ سائل سے دریافت کیا گیا کہ ہندہ کا پہلا نکاح مہر مثل پر ہوا تھا یا نہیں اس نے جواب دیا کہ مہر مثل پر ہوا تھا ۱۲ ظفر

غیبۃ منقطعۃ جاز نکاح الابعد کذا فی المحیط پس صورت مسئولہ میں ہندہ کی خالہ اس کی ولی تھی اور اس کا بدچلن ہونا مسقط ولایت نہ تھا قال فی العالمگیریۃ (ص ۱۲ ج ۲) والفسق لایمنع الولایۃ کذا فی فتاوی قاضی خان اھ البتہ اگر ولی فاسق اگرچہ باپ ہی ہو کسی نابالغ کا نکاح غیر کفو میں یا مہر مثل سے بہت زیادہ قلیل مہر پر کرے اس صورت میں نکاح نہیں ہوتا قال فی البحر فما فی الجوامع ان الاب اذا کان فاسقاً للقاضی ان یزوج الصغیرۃ من غیر کفؤ غیر معروف نعم اذا کان متهتکا لاینفذ تزویجہ ایاھا بنقص عن مھر المثل ومن غیر کفء وسیاتی ھذا اھ (ص ۱۲۴ ج ۳) اور ولی ابعد اگر ایسا کرے کہ غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم پر نکاح کردے وہ تو مطلقاً باطل ہے اگرچہ ولی فاسق بھی نہ ہو صالح ہی ہو قال فی الدر وان کان المزوج غیرھما ای غیر الاب وابیہ ولو الام لایصح النکاح من غیر کفؤ او بغبن فاحش اصلا ومافی صدر الشریعۃ صح ولھما فسخہ وھم وان کان من کفؤ وبمھر المثل صح اھ (ص ۵۰۰ و ۵۰۱ ج ۱) ملخصاً۔

پس صورت مسئولہ میں اگر ہندہ کا پہلا نکاح زید سے مہر مثل پر اور کفو میں ہوا ہے تو چونکہ خالہ ولی تھی اور اس کی اجازت سے نکاح ہوا اس لئے وہ نکاح صحیح ہوگیا اب ہندہ کا کسی دوسرے سے نکاح کرنا بغیر زید شوہر اول سے طلاق حاصل کئے اور بدون عدت طلاق گذرنے کے ہرگز جائز نہیں اگر پہلے شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر اس نے کسی سے نکاح کرلیا ہے تو وہ نکاح باطل ہے ہندہ کو اس سے فوراً الگ ہوجانا چاہئے شوہر اول کے قید ہوجانے یا کسی غیر مسلم سے ہندہ کے ناجائز تعلق کرلینے سے پہلا نکاح باطل نہیں ہوسکتا وہ بدستور باقی ہے البتہ ہندہ نے اس ناجائز تعلق پیدا کرنے میں گناہِ عظیم کا ارتکاب کیا ہے بالخصوص غیر مسلم کے ساتھ فانہ اشد ذنبۃ فی الاسلام۔ لہذا ہندہ کو دوسرے خاوند سے فوراً علیحدگی اختیار کرکے ان تمام گناہوں سے بصدق دل توبہ واستغفار کرنا چاہئے اور بارگاہ الٰہی میں رو رو کر دعا کرنی چاہئے کیا عجب ہے کہ مغفرت ہوجاوئے وہ اپنی رحمت سے شرک وکفر کے علاوہ تمام گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں،

واللہ اعلم ولاعاصم من امر اللہ الامن رحم۔ ۲۲ ربیع الثانی سنہ ۴۰ھ۔

غیر کی منکوحہ سے نکاح کرنا باطل ہے اور جو اولاد ہوئی وہ حرامی ہے

سوال (۲) مندرجہ ذیل سوالات کے جواب کا منتظر ہوں کیا حکم ارشاد ہوتا ہے۔ پہلے سوال کے باعث بڑی پریشانی ہے کوئی صورت کسی طرح نکلے تو بہتر ہے۔

ایک مسلمان صاحب نے ایک مسلمان عورت کو بلا نکاح عرصہ بارہ سال سے رکھے ہے اس کا شوہر زندہ ہے طلاق دینے سے صاف انکار کرتا ہے ہرگز نہ دوں گا کبھی کہتا ہے مجھے معلوم ہی نہیں کہ میری عورت کونسی ہے، پاگل نہیں ملازم سرکاری جنگل میں ہے ہر طرح نصیحت کی کارگر نہ ہوئی گذر اوقات کے لئے شروع سے اب تک ایک کوڑی نہیں دی اس خاوند سے تین بچے بھی ہو گئے اس عورت کی شادی بہت کم عمری میں ہوئی تھی عنقریب سات آٹھ سال کی عمر تھی اور جب ہی سے کچھ دن بعد الگ ہے کیا اس کا نکاح کسی بھی طرح ہو سکتا ہے یا تا عمر جب تک طلاق نہ دے ممکن نہیں یا نابالغی میں شادی ہو جاوے اور بالغی عورت شوہر کو منظور نہ کرے تو دوسرے کے ساتھ نکاح ممکن ہے یا ہو ہی نہیں سکتا یہاں دو مثالیں موجود ہیں جو بلا نکاح اسی طرح زندگی برباد کر رہی ہیں اور اولاد ہو رہی ہے۔

ایسی حالت میں اس کا عقیقہ جائز ہوگا یا نہیں دوسروں کو اس کے یہاں کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس صورت میں جب تک پہلا شوہر طلاق نہ دے دوسرے سے کسی طرح نکاح نہیں ہو سکتا اور اگر وہ ابتداء سے زوجہ کو نفقہ نہیں دیتا یا نابالغی میں نکاح ہوا تھا اور بلوغ کے بعد وہ اس کو پسند نہیں کرتی اس صورت میں جبر کر کے اس پہلے شوہر سے طلاق لینا جائز ہے مگر بدون طلاق کے دوسرے سے نکاح ہرگز نہیں ہو سکتا۔

(۲) ایسی حالت میں جو اولاد ہوئی ہے وہ حرامی ہے ایسے شخص کے گھر کا کھانا وغیرہ نہ کھانا چاہئے جب تک کہ وہ اس حرکت سے توبہ نہ کرے باقی عقیقہ حرامی لڑکے کا بھی جائز ہے۔

زوجۂ عنین کا بغیر طلاق کے نکاح ثانی کرنا باطل ہے

سوال (۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی عمر ۱۴ سالہ کی نابالغہ اور اس کا شوہر عمر ۱۹ سال کا وہ لڑکی شوہر کے یہاں سے باپ کے یہاں بھاگ آئی اس کے پیچھے اس کا شوہر اور شوہر کا بھائی آئے لے جانے کو لڑکی بولی میرا شوہر دیوث اور نامرد ہے ناک کان چھدا اور پیر میں گھونگرو باندھ کر ناچتا گاتا ہے ایک مرتبہ اس نے ایک غیر آدمی کو گھر میں بھیجا اور آپ باہر کھڑا رہا میں نے شور غل کیا تو وہ شخص بھاگ گیا اس نے مجھے ایک لات مارا کہ کیوں شور کی یہ کل باتیں لڑکی نے اپنے شوہر کے روبرو کہیں لڑکی کے باپ نے کہا تم جماعت میں آؤ تصفیہ ہوگا اور تمہارا ملاحظہ کیا جائے گا تب لڑکی بھیجوں گا اس دہشت سے وہ بھاگ گیا اس کو لڑکی کی طرف سے نوٹس دیا گیا تو واپس کیا اور کئی خط دئے مگر جواب نہیں آیا کچھ

دن بعد اس کے باپ بھائی آئے جماعت نے کہا لڑکے کو لاؤ وہ پندرہ روز کا وعدہ کر کے گیا ایک ماہ میں اکیلا آیا اور کہا کہ ایک ہفتہ میں لاؤں گا جس کو ڈیڑھ ماہ ہوا پتہ نہیں ہے نہ کچھ خط ہے اب لڑکی بالغ ہوگئی ہے اور بارہ ماہ سے باپ کے یہاں بیٹھی ہے اور اس کا باپ بہت غریب شخص ہے عدالت نہیں کر سکتا اور وہ ایسی جگہ ہے کہ کوئی مسلمان وہاں نہیں ہے اب کیا کیا جاوے معروضہ ہے کہ جو حکم شرع میں ہو اطلاع بخشیں؟ ویسا عمل میں لاویں گے فقط۔

الجواب: صورت اولیٰ میں جب تک شوہر اپنی بی بی کو طلاق نہ دیدے اور عدت نہ گذر جاوے اس وقت تک اوس کا نکاح دوسرے سے نہیں ہو سکتا۔

زوجہ کی موجودگی میں اس کی بھانجی سے نکاح فاسد ہے اور عقر واجب ہوگا

سوال (۴) زید کا نکاح ہندہ سے ہوا جس کو ایک مدت دراز گذر گئی اور کوئی اولاد اس وقت تک ہندہ کے بطن سے نہیں ہوئی عرصہ تین سال کا ہوا کہ زید نے ہندہ کی حقیقی ہمشیرہ زادی کے ساتھ بساز یا بعلم ہندہ تعلق ناجائز کر لیا اس درمیان میں ہندہ کی ہمشیرہ زادی کے تعلق ناجائز سے حمل قرار پا گیا جس کا علاج حکماء سے کرایا گیا اور استقرار ظاہر کیا گیا بعد گذرنے نو ماہ کے فروری ۲۲ء کو ہندہ کی ہمشیرہ زادی کے تعلق ناجائز سے دختر پیدا ہوئی کہ جواب چھ ماہ کی ہے اور موجود ہے بروقت پیدائش دختر کے زید نے یہ ظاہر کیا کہ ہندہ کے ہمشیرہ زادی سے جس سے وہ دختر پیدا ہوئی ہے میں نے نکاح کر لیا ہے جس کا علم زید کو ہوگا اور باقی نکاح کا علم یہاں کسی کو نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ہندہ اور اس کی ہمشیرزادی دونوں کا اجتماع بموجودگی ہندہ زید کے گھر میں جائز طور سے ہوا اور دونوں خالہ بھانجی زید کے زوجگان جائز قرار دی جا سکتی ہیں اور وہ دختر جو پیدا ہوئی ہے اور موجود ہے اولاد جائز ہے۔ اب زید کا انتقال ہو گیا اب زید نے ہندہ اور اس کی ہمشیرہ زادی مع دختر کے اور تیسری اور زوجہ لاولد نکاح سے چھوڑی ایسی صورت میں تینوں زوجگان میں سے کونسی زوجہ جائز قرار دی جاوے گی اور کون زوجہ ناجائز رہے گی اور مہر تینوں زوجگان میں سے کس کس کا زید پر واجب تھا اور بعد انتقال کس کس کا واجب رہا اور وہ دختر جو ہندہ کے ہمشیرزادی سے موجود ہے وہ مستحق ترکہ پدری یعنی زید کا ہے یا نہیں اور زید کے مرنے کے بعد علاوہ ان عورتوں کے ایک بڑا بھائی حقیقی بھی موجود ہے ایسی حالت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے مفصل حال سے معزز فرمائیے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں زید کی دو زوجہ جن سے نکاح صحیح ہوا ہے یعنی ہندہ اور زوجہ لاولد نکاحی وارث ہیں اور ہندہ کی بھانجی جس سے زید نے ہندہ کی موجودگی میں نکاح کرنے کا

دعویٰ کیا ہے وارث نہیں ہے کیونکہ اس سے زید کا نکاح فاسد ہوا ہے البتہ ہندہ کی بھانجی سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہے وہ بیشک زید کی وارث ہے یہ حکم تو میراث کا ہے مہر کا حکم یہ ہے کہ زید کی دو زوجہ یعنی ہندہ اور زوجہ لاولد نکاحی کو مہر مسمی کامل ملے گا اور ہندہ کی بھانجی مہر مثل بطور عقر کے دیا جائے گا خواہ مہر مثل کتنا ہو لیکن اگر وہ مہر مسمی سے زیادہ ہو تو اس سے زائد نہیں دیا جائے گا اور اگر مہر مسمی مہر مثل سے زیادہ ہو تو مہر مثل دیا جائے گا خلاصہ یہ کہ مہر مسمیٰ اور مہر مثل میں جو کم ہو وہی اس کو ملے گا قال فی الدر و یجب مهر المثل فی نكاح فاسد وهو الذی فقد شرطا من شرائط الصحة كشهود بالوطئ فی القبل لا بغيره كالخلوة لحرمة وطئها ولم يزد مهر المثل على المسمى لرضاها بالحط ولو كان دون المسمى لزم مهر المثل لفساد التسمية بفساد العقد ولو لم يسم اوجهل لزم بالغا ما بلغ (الی ان قال) ويثبت النسب احتياطاً بلا دعوة اھ (ص ۴۷۵ لغایت ۲ج۴۷۷) وفی رد المحتار قوله كشهود و مثله تزوج الاختين معاً ونكاح الاخت فی عدة الاخت ونكاح المعتدة الخ (ص ۲ج۴۷۵) وفيه ايضاً قوله ويثبت النسب اما الارث فلا يثبت فيه و كذا النكاح الموقوف ط عن ابی السعود اھ (ص ۲ج۴۷۷)۔ پس صورت مسئولہ میں اگر زید کا وارث بجز ان لوگوں کے جن کا ذکر سوال میں ہے اور کوئی نہیں تو بعد ادائے دین مہر و قرض وغیرہ کے جو ترکہ بچے اس کے آٹھ سہام کر کے ایک سہم دونوں زوجہ کو اور چار سہام زید کی بیٹی کو جو ہندہ کی بھانجی سے ہوئی ہے اور ۳ سہام زید کے بھائی کو ملیں گے، واللہ اعلم - ۸ ر ذیحجہ ۴۰ھ۔

غیر کی منکوحہ سے نکاح باطل ہے اور اگر اس سے اولاد ہو جائے تو اس کا حکم

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مولیٰ اپنی زوجہ نا بالغہ عیدو کو اپنے ہمراہ لیکر عبد الغنی کے مکان پر آیا کئی دنوں کے بعد مولیٰ مذکور بیمار ہو گیا اور مولی خرچ وغیرہ سے بہت تنگ دست ہو گیا اس وقت مولی نے عبد الغنی سے کہا کہ میں خرچ سے تنگدست ہو گیا ہوں تم میرا علاج معالجہ کرو اور مسماۃ عیدو سے بخوشی اپنا نکاح کر لو اور میں نے مسماۃ مذکور سے صحبت داری نہیں کی۔ عبد الغنی نے مسماۃ عیدو سے نکاح کر لیا۔ تقریباً بارہ گھنٹہ کے بعد مولی مرگیا آیا نکاح جائز رہا یا نہیں؟

جواب از حضرت مولانا مدظلہ: نہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے۔

بقیہ سوال بالا

اور عیدو مذکور عبد الغنی کے یہاں بلیس سال تک رہی اور پانچ چھ اولاد بھی عبد الغنی سے

ہوئیں جس سے ایک دختر بندی عبد الغنی کی موجود ہے اور عبد الغنی فوت ہو گیا آیا عبد الغنی کے ترکہ میں سے مسماۃ عیدو و دختر بندی کو حق پہنچتا ہے یا نہیں۔ عبد الغنی کی دو بیوی مسماۃ بخشن زوجہ اول و مسماۃ عیدو مذکور ایک دختر بندی ایک چچازاد بھائی اسمی بندو چھوڑا اور اپنے ذمہ کچھ قرضہ چھوڑا ایک دوکان اور کچھ روپیہ نقد جو کہ امانت میں ہے اور سامان استعمالی چھوڑا اور عبد الغنی اپنی زندگی میں اپنے بھائی بندو مذکور سے ناراض تھا اور تندرستی کے وقت عبد الغنی کہا کرتا تھا کہ میں دوکان مسجد کے نام کر دونگا تاکہ دوکان میرے بھائی بندو مذکور کو نہ ملے اور بیماری کے وقت بھی عبد الغنی نے دو تین مرتبہ دوکان مسجد میں کرنے کو کہا مگر ان دونوں عورتوں مسماۃ بخشن و عیدو نے نہ کرنے دی عبد الغنی فوت ہو گیا مسماۃ بخشن و عیدو نے بعد عدت کے نکاح کر لئے بخشن مذکور نے برادری کے بھائی سے نکاح کیا اور عیدو نے عبد الغنی کے چچازاد بھائی بندو سے نکاح کر لیا اور بندی مذکور اپنی ماں مسماۃ عیدو کے پاس موجود ہے اب ترکہ کس طرح تقسیم ہونا چاہئے اور بندی کا کون ولی ہونا چاہئے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں مولی نے اپنی زوجہ عیدو کو نہ طلاق دی ہے نہ طلاق کا کوئی لفظ استعمال کیا ہے لہٰذا اس کا نکاح زوجہ مذکورہ سے باقی تھا اس حالت میں عبد الغنی کا اس سے نکاح کرنا بالکل باطل اور حرام ہوا اور اگر مولی نے کوئی لفظ طلاق کا استعمال کیا ہو تو سائل کو لکھنا چاہئے لیکن اس صورت میں بھی اگر مولی اور عیدو میں تنہائی کسی وقت ہو چکی ہے گو صحبت نہ ہوئی ہو تو زوجہ مذکورہ پر عدت کا گذارنا واجب تھا اور عبد الغنی نے عدت میں اس سے نکاح کیا ہے اس لئے بھی یہ نکاح باطل ہے مگر بہر صورت مسماۃ عیدو کو عبد الغنی کے ترکہ میں مہر مثل بطور عقر کے ملے گا بشرطیکہ عبد الغنی نے اپنی حیات میں مہر نہ دیا ہو اور نہ عیدو نے معاف کیا ہو جس کا حکم یہ ہے کہ اگر نکاح کے وقت کچھ مقدار مہر کی مقرر کی گئی تھی اور وہ مقدار مہر مثل (یعنی خاندانی مہر) سے کم یا اس کی برابر ہے تب تو وہی ملے گا جو مہر نکاح میں مقرر ہوا ہے اور اگر مہر مسمی مہر مثل سے زیادہ ہے تو مہر مسمی نہ ملے گا بلکہ مہر مثل دیا جائے گا اور عیدو کو عبد الغنی کے ترکہ میں سے میراث کچھ نہ ملے گی البتہ مسماۃ بندی جو عبد الغنی کے نکاح کے بعد عیدو سے پیدا ہوئی ہے اس کو عبد الغنی کے ترکہ میں سے میراث ملے گی پس بعد ادائے دین مہر ہر دو زوجگان اور دیگر قرض وغیرہ کے جو عبد الغنی کے ذمہ ہو اس کے باقی ماندہ ترکہ کو اس طرح تقسیم کیا جائے گا:-

(نقشہ تقسیم بر صفحہ آئندہ)

مسئلہ ۸　عبدالغنی

زوجۂ اولیٰ	زوجۂ حرام	دختر	برادر عم زاد
بخشن	عیدو	بندی	بندو
۱	م	۴	۳

اور عبدالغنی جو زندگی میں بندو سے ناراض تھا اس سے بندو میراث سے محروم نہوگا اور جس دوکان کو عبدالغنی مسجد میں دینا چاہتا تھا چونکہ تندرستی میں وہ اس کو وقف نہ کرسکا اس لئے وہ دوکان بھی سب وارثوں میں تقسیم ہوگی پس جس قدر سامان بعد ادائے قرض و ادائے دین مہر وغیرہ کے باقی رہے اس کے آٹھ سہام کرکے ایک سہم مسماۃ بخشن زوجۂ اولیٰ کو دیا جائے اور ۴ سہام مسماۃ بندی کو اور ۳ سہام بندو کو دیئے جاویں مسماۃ عیدو کو میراث کچھ نہ ملے گی۔ قال فی الدر ویجب مهر المثل فی نکاح فاسد وهو الذی فقد شرطا من شرائط الصحة کشهود بالوطأ فی القبل لا بغيره کالخلوة لحرمة وطئها ولم يزد مهر المثل علی المسمی لرضاها بالحط ولو کان دون المسمی لزم مهر المثل لفساد التسمية بفساد العقد ولو لم يسم او جهل لزم بالغا ما بلغ (الی ان قال) ويثبت النسب احتياطا بلا دعوة اھ (۵۷۴ لغایت ۵۷۷ ج ۲) وفی الشامية قوله کشهود ومثله تزوج الاختين معاً ونکاح الاخت فی عدة الاخت ونکاح المعتدة الخ (۵۷۴ ج ۲) وفيه ايضاً قوله ويثبت النسب اما الارث فلا يثبت فيه کذا النکاح الموقوف ط عن ابی السعود اھ (۵۷۷ ج ۲) واللہ اعلم۔

۲۱ رذی الحجہ ۳۴۰ھ۔

عورت کا عدت وفات میں نکاح کرلینے کا حکم اور شرائط متارکہ

سوال (۶) علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کیا فرماتے ہیں؟

سوال اول: ہندہ کے شوہر نے انتقال کیا اور ہندہ نے قبل تمام ہونے عدت وفات کے زید سے نکاح کیا تو آیا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

سوال دوم: ہندہ ایک سال تک بعد نکاح مذکور کے زید کے ساتھ رہی جب پنچوں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ عدت کے اندر ہندہ کا نکاح ہوا ہے اس لئے پنچوں نے ہندہ کو اس کے باپ کے یہاں بھیج دیا جس کو عرصہ تین ماہ کا ہوا اب اگر ہندہ دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہے

تو اس میں عدت کی ضرورت ہے یا نہیں؟

سوال سوم: صورت مسئولہ میں اگر عدت واجب ہے تو عدت کی ابتدا کب سے ہوگی اور کونسی عدت واجب ہوگی اور دوسرے مرد سے کب اس کا نکاح جائز ہوگا؟

سوال چہارم: صورت مسئولہ میں پنچوں نے پنچایت کر کے ہندہ کا جہیز زید کے بھائی وغیرہ کے ذریعہ منگا کر ہندہ کو واپس کر دیا لیکن نہ زید پنچایت میں آیا اور نہ اس نے کوئی لفظ بابت انکار نکاح کہا تو اس پر متارکہ کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں اگر نہیں تو متارکہ کی کیا تعریف ہے؟

سوال پنجم: اگر زید مذکور متارکہ نہ کرے تو اس ملک میں جہاں غیر مسلم کی حکومت ہے اور قاضی شرع مقرر نہیں ہے تفریق کی کیا صورت ہے اور کیا پنچوں کو تفریق کا حق شرعاً حاصل ہے یا نہیں۔

سوالات مذکورہ بالا کا جواب بالتفصیل معہ حوالہ کتب معتبرہ ارقام فرما کر اجر عظیم حاصل فرمائیے؟

ھو الموفق للصواب۔

(جواب بعض علماء)

جواب سوال اول: ہندہ کا نکاح جو عدت کے اندر ہوا ہے صحیح نہیں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهٗ ط

جواب سوال دوم: ہندہ نے جو عدت کے اندر نکاح کیا ہے یہ نکاح فاسد ہے۔ در المختار میں ہے۔ ویجب مهر المثل فی نکاح فاسد وھو الذی فقد شرطا من شرائط الصحۃ کشھود۔ رد المحتار حاشیۃ الدر المختار میں علامہ ابن عابدین تحت قولہ (کشھود) فرماتے ہیں: ومثلہ تزوج الاختین معاً ونکاح الاخت فی عدۃ الاخت ونکاح المعتدۃ والخامسۃ فی عدۃ الرابعۃ الخ اور فتاویٰ عالمگیری باب نکاح فاسد میں ہے۔ لو تزوجت فی عدۃ الوفات فدخل بھا الثانی ففرق بینھما انتھی اور نکاح فاسد میں بعد دخول عدت واجب ہوتی ہے فتاوی عالمگیری میں ہے۔ لو کان النکاح فاسداً ففرق القاضی ان فرق قبل الدخول لا یجب العدۃ وکذا الفرق بعد الخلوۃ وان فرق بعد الدخول کان علیھا الاعتداد من وقت التفریق وکذا لو کانت الفرقۃ بغیر قضاء کذا فی الظھیریۃ۔ در المختار میں ہے۔ لکل واحد منھما فسخہ دخل بھا اولا فی الاصح خروجاً عن المعصیۃ بل یجب علی القاضی التفریق بینھما وتجب العدۃ بعد الوطئ لا للخلوۃ للطلاق لا للموت من وقت التفریق

او متارکۃ الزوج انتھی رد المحتار حاشیہ در المختار میں ہے۔ وتقدم فی باب المھر ان الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدۃ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ لو تزوجت فی عدۃ الوفات فدخل بھا الثانی ففرق بینھما فعلیھا بقیۃ عدتھا من الاول لتمام اربعۃ اشھر وعشراً وعلیھا ثلاث حیض من الاخیر ویحتسب بما حاضت بعد التفریق من عدۃ الوفات کذا فی معراج الدرایۃ۔ انتھی۔

عبارات مذکورہ سے ثابت اور متحقق ہوا کہ نکاح فاسد میں بعد دخول عدت واجب ہوتی ہے اور چونکہ ہندہ سال بھر تک زید کے ساتھ رہی ہے لہٰذا اس پر عدت واجب ہے۔

جواب سوال سوم: صورت مسئولہ میں ہندہ پر تفریق قاضی یا متارکہ زوج کے بعد سے عدت کی ابتداء ہوگی در المختار میں ہے۔ وتجب العدۃ بعد الوطی لا الخلوۃ للطلاق لا للموت من وقت التفریق او متارکۃ الزوج۔ انتھی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ والعدۃ فی النکاح الفاسد عقیب التفریق او عزم الوطی علی ترک وطیھا۔ اور یہ عدت عدتِ طلاق کی ہوگی یعنی حائضہ کے لئے تین حیض اور آئسہ کے لئے تین ماہ اور حاملہ کے لئے وضع حمل عدت ہوگی۔ تنویر الابصار میں ہے۔ والمنکوحۃ نکاحاً فاسداً والموطوءۃ بشبھۃ وام الولد غیر الآئسۃ والحامل الحیض للموت وغیرہ انتھی۔ در المختار میں ہے۔ ای عدۃ المذکورات ثلاث حیض ان کن من ذوات الحیض والا فالاشھر او وضع الحمل وھذا اذا کانت المنکوحۃ نکاحاً فاسداً الخ۔

الحاصل تفریق قاضی یا متارکہ زوج کے بعد سے عدت کی ابتداء ہوگی۔ اور جب تک عدت پوری نہ ہو دوسرے مرد سے ہندہ کا نکاح صحیح نہ ہوگا۔

جواب سوال چہارم: ہندہ کا اپنے باپ کے یہاں رہنے اور مجہوزہ سامان واپس پانے سے متارکہ صحیح نہ ہوگا۔ متارکہ کے لئے ضروری ہے کہ واطی یعنی مرد ترک وطی کا ارادہ کر کے زبان سے بھی اس کا اظہار کرے کہ میں نے تجھ کو علیحدہ کیا یا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا یا میں نے تیری راہ خالی کر دی یا میں نے تجھ کو طلاق دی وغیرہ۔ قال العینی فی شرح الکنز ولا یتحقق المتارکۃ الا بالقول بان یقول تارکتک او تارکتھا او خلیت سبیلک او خلیتھا الخ۔ وفی العالمگیریۃ۔ والمتارکۃ فی الفاسد بعد الدخول لا یکون الا بالقول کخلیت سبیلک او ترکتک ومجرد انکار النکاح لا یکون متارکۃ الخ۔

وبعدم مجی احدھما الی الآخر بعد الدخول لا یحصل متارکۃ ۔ انتہی فی رد المحتار فی البزازیۃ المتارکۃ فی الفاسد بعد الدخول لا یکون الا بالقول کخلیت سبیلک اوترکتک ومجرد انکار النکاح لا یکون متارکۃ اما لو انکر وقال اذھبی وتزوجی کان متارکۃ والطلاق فیہ متارکۃ لکن لا ینقص بہ عدد الطلاق و رعدم مجی احدھما الی الآخر بعد الدخول لیس متارکۃ لانھا لا یحصل الا بالقول ۔ انتہی ۔

جواب سوال پنجم : تفریق کے لئے قاضی کا ہونا ضروری ہے ۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ۔ لو کان النکاح فاسداً فرق القاضی بینھما الخ ۔ در المختار میں ہے ۔ بل یجب علی القاضی تفریق بینھما الخ اور پنچوں کو حق تفریق حاصل نہیں ہے ۔ اور ایسے مسائل جن میں قاضی شرع کی ضرورت ہوتی ہے ہند کی اسلامی ریاستیں جیسے ریاست بھوپال ریاست رامپور ریاست حیدرآباد دکن کے قاضی سے تفریق حاصل ہوسکتی ہے ۔ خود وہاں جاکر یا بذریعہ تحریر حکم تفریق طلب کرنے سے ۔ مجموعہ فتاوی حضرت مولانا عبد الحی میں ہے ۔ در بلادیکہ زیر حکومت کفار اند وقضای قاضی درانجا مفقود است اگر ہیچ واقعہ افتد ضرور است کہ صاحب معاملہ بہ بلاد اسلام کہ دراں قضاء قاضی موجود مثلاً بلاد حجاز و بلاد روم وغیرہ واز بلاد ہند رامپور وبھوپال وغیرہ رفتہ انفصال سازد یا بذریعہ تحریر از قضاۃ بلاد اسلام حکم فسخ طلب سازد ۔ انتہیٰ ۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب ۔ حررہ الراجی غفور بہ اللطیف ابو الطیب محمد حنیف عفی عنہ ومن والدیہ المدرس لمدرسۃ انوار العلوم الواقعہ فی قصبۃ متو آملہ من مضافات الہ آباد ۔

الجواب من جامع امداد الاحکام

(۱) جواب دوم صحیح نہیں کیونکہ علامہ شامی نے اولاً نکاح فاسد کی بہت سی مثالیں بیان کرکے آگے چل کر مجتبیٰ سے قاعدہ کلیہ نقل کیا ہے ۔ اور تصریح کردی ہے کہ نکاح معتدہ موجب عدۃ نہیں پس نکاح معتدہ کو فاسد کہنا بمعنی باطل ہے جو اصلاً منعقد نہیں ہوتا ۔ قال الشامی وسیاتی فی باب العدۃ انہ لا عدۃ فی نکاح باطل وذکر فی البحر ھناک عن المجتبیٰ ان کل نکاح اختلف العلماء فی جوازہ کالنکاح بلا شھود فالدخول فیہ موجب للعدۃ واما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ فالدخول فیہ لا یوجب العدۃ ان علم انھا للغیر لانہ

لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلاً قال فعلی ھذا یفرق بین فاسدہ و باطلہ فی العدۃ لھذا یجب الحد مع العلم بالحرمۃ لانہ زنا کما فی القنیہ وغیرھا اھ (ص ۵۷۵ ج ۲) پس ہندہ پر نکاح زید کی وجہ سے کوئی عدت نہیں۔

(۲) **جواب سوال سوم** بھی صحیح نہیں کیونکہ نکاح فاسد میں زوجین میں سے ہر ایک کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے۔ اور متارکت و فسخ میں کچھ فرق نہیں البتہ اگر نکاح اصل سے صحیح ہوا اور فساد بعد[ع۵] میں طاری ہوا ہو۔ اس صورت میں متارکت زوج کے ساتھ مخصوص ہے اور صورت موجودہ میں فساد اصل عقد میں ہے لہذا ہندہ کا بھی فسخ و متارکت کافی ہے قال علامۃ الشامی وخص الشارح المتارکۃ بالزوج. کما فعل الزیلعی لان ظاھر کلامھم انھا لاتکون من المرأۃ اصلا مع ان فسخ ھذا النکاح یصح من کل منھما بمحضر الاٰخر اتفاقا والفرق بین المتارکۃ والفسخ بعید کذا فی البحر. وفرق فی النھر بان المتارکۃ فی معنی الطلاق فیختص بہ الزوج اما الفسخ فرفع العقد فلا یختص بہ وان کان فی معنی المتارکۃ وردہ الخیر الرملی بان الطلاق لایتحقق فی الفاسد فکیف یقال ان المتارکۃ فی معنی الطلاق. فالحق عدم الفرق ولذا جزم بہ المقدسی فی شرح نظم الکنز الخ وتمامہ فی ما علقناہ علی البحر اھ (ص ۵۷۷ ج ۲) وفی البحر فظاھر کلامھم ان المتارکۃ لاتکون من المرأۃ اصلا کما قیدہ الزیلعی بالزوج لکن فی القنیۃ لکل واحد منھما ان یستبد بفسخہ قبل الدخول بالاجماع وبعد الدخول مختلف فیہ وفی الذخیرۃ ولکل واحد من الزوجین فسخ ھذا النکاح بغیر محضر من صاحبہ عند بعض المشائخ وعند بعضھم ان لم یدخل بھا فکذلک فان دخل بھا فلیس لواحد منھما حق الفسخ الا بمحضر من صاحبہ. اھ وھکذا فی الخلاصۃ وھذا یدل علی ان للمرأۃ فسخہ بمحضر الزوج اتفاقا ولاشک ان الفسخ متارکۃ الا ان یفرق بینھما وھو بعیدٌ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم. اھ (ص ۱۷۲ ج ۳) وفی الدر ویثبت لکل واحدٍ منھما فسخہ ولو بغیر محضر من صاحبہ دخل بھا اولا فی الاصح خروجاً عن المعصیۃ اھ (ص ۵۷۵ ج ۲)۔

ع۵ الفرق بینھما علی رأی سیدی حکیم الامۃ ۱۲ ظ

جب مطلقاً نکاح فاسد میں یہ حکم ہے تو نکاح معتدہ میں جو کہ باطل ہے بدرجہ اولیٰ متارکت کی ضرورت نہیں لانہ لاینعقد اصلاً۔

(۳) پھر مجیب نے قضای قاضی کی صورت اہل ہند کے لئے بیان کر کے جو یہ لکھا ہے کہ خود وہاں جاکر یا بذریعہ تحریر حکم تفریق طلب کرنے سے الخ یہ تردید بھی صحیح نہیں کیونکہ جن مسائل میں قضاء شرط ہے ان میں قاضی کی تحریر کافی نہیں ہوتی۔ اگر تحریر مثل کتاب القاضی الی القاضی کے ہو تو معتبر ہو سکتی ہے اور اس کے لئے پھر یہاں قاضی کے ہونے کی ضرورت ہے۔ پس مسائل قضاء میں بجز ریاستوں میں جاکر دعویٰ دائر کرنے کے کوئی صورت نہیں، واللہ اعلم۔ ۲۱ صفر ۴۱ھ۔

مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کی عدم صحت اور طریق متارکت

سوال (۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین صورت مسئولہ میں کہ آٹھ سالہ نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کے والد کے فوت ہو جانے کے بعد اس کی والدہ نے ایسی صورت میں کہ ایک شخص سے اس کا ناجائز تعلق ہو گیا تھا اسی سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا لڑکی اب بعمرہ ۱۵ سالہ ہے جس کا اب تک خاوند سے کوئی تعلق صرف اسی وجہ سے نہیں ہے کہ اس نے اپنی ماں کو ناجائز تعلق کرتے ہوئے یعنی مباشرت فاحشہ میں خاوند کے ساتھ بارہا دیکھا ہے از روئے شرع شریف لڑکی خاوند کے نکاح میں رہ سکتی ہے یا نہیں نیز خاوند سے اُسے طلاق لینے کی ضرورت ہے یا بغیر طلاق خاوند سے جدا ہو گئی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب: جب لڑکی کی ماں کا ناجائز تعلق اپنے داماد سے قبل نکاح بنت ہی ہو چکا ہے تو اُس صورت میں لڑکی کا نکاح اس شخص سے صحیح نہیں ہوا بشرطیکہ لڑکی نے اپنے نکاح سے پہلے ماں کا ناجائز تعلق خود دیکھا ہو یا دو معتبر دیکھنے والوں نے اس سے بیان کیا ہو یہ ضرور نہیں کہ مباشرت فاحشہ کرتے ہوئے ہی دیکھا ہو بلکہ اگر پاس سوتے ہوئے یا تقبیل وغیرہ کرتے ہوئے بھی دیکھ لیا ہو تب بھی کافی ہے جب نکاح صحیح نہ ہوا تو لڑکی کو شوہر سے طلاق لینے کی ضرورت نہیں بلکہ چند آدمیوں کے سامنے اسے اتنا کہہ دینا چاہئے کہ میں اپنے نکاح کو جو فلاں شخص سے ہوا تھا فسخ کرتی ہوں اور بہتر یہ ہے کہ شوہر کے سامنے بھی یہ بات کہدے گو ضرورت نہیں۔ پھر اگر شوہر سے لڑکی کی ہمبستری نہیں ہوئی جیسا کہ سوال سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے تب تو اس پر عدت بھی واجب نہیں بلکہ بدون عدت ہی کے مذکورہ بالا کلمات کہہ کر وہ اپنا نکاح دوسرے شخص سے جو اس کا کفو ہو خاندانی مہر پر کر سکتی ہے اور اگر ہمبستری ہو چکی ہے تو مذکورہ بالا کلمات کہنے کے بعد تین حیض گذرنے پر وہ اپنا نکاح دوسرے سے کر سکتی ہے۔ قال فی الخلاصۃ اما بالخلوۃ الصحیحۃ والفاسد فی النکاح الفاسد

فلا یجب العدة وکمال المهر والنکاح الفاسد لاحکم له قبل الدخول حتی لو تزوج امرأة نکاحاً فاسداً بان مس امها بشهوة ثم تزوجها ثم ترکها له ان یتزوج الام والمتارکة فی النکاح الفاسد بعد الدخول لایکون الا بالقول ترکتک او خلیت سبیلک الی ان قال وفی المحیط لکل واحد فسخ هذا العقد بغیر محضر من صاحبه قبل الدخول وبعد الدخول لیس لکل واحد منهما حق الفسخ الا بحضرة صاحبه کالبیع الفاسد، وعند بعض المشائخ لکل واحد حق الفسخ بعد الدخول وقبله اھ ص ۱۴۱ ج ۲ ۔ اور اگر لڑکی کے نکاح سے پہلے اس کی ماں کا ناجائز تعلق داماد سے نہوا ہو بلکہ بعد نکاح کے ناجائز تعلق ہوا ہو تو سوال دوبارہ کریں، واللہ اعلم ۔ ۹ رجب ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ بامر سیدی حکیم الامت دام مجدہم ۔

باپ نے نابالغہ کا نکاح کیا بعد میں معلوم ہوا شوہر شرابی ہے الخ

سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی دختر کا نکاح پنج سال کی عمر میں ایک لڑکے کے ساتھ کر دیا بعد ازیں معلوم ہوا کہ وہ لڑکا جوئے باز اور شارب الخمر ہے اور جب وہ لڑکا اپنی منکوحہ کو لینے کے واسطے اپنے خسر سے آ کر متقاضی ہوا تو اس کے خسر نے کہا کہ جب تک تو جوئے کے کھیلنے اور شراب کے پینے سے باز نہ آئے گا تب تک میں اپنی دختر کو تمہارے ساتھ روانہ کروں گا کیونکہ ہمارے کنبے میں نہ کوئی شرابی ہے اور نہ قمار باز اس شخص نے کہا کہ میں شراب کے پینے اور جوئے کے کھیلنے سے ہرگز تائب نہ ہوں گا تو اس کے خسر نے کہا کہ میں اپنی بیٹی کو تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا حاصل کلام وہ شخص مذکور خالی پھر گیا جب اس بات کو پنج سال کا عرصہ گذر گیا تو اس لڑکی کے والد نے بدیں غرض کہ شاید وہ تنگ آ کر بدعادتوں کو چھوڑ دیوے اور میری دختر کو اپنے گھر آباد کر لیوے عدالت میں دعوی دائر کر دیا عدالت نے بذریعہ سمنہائے سخت تلاش کی لیکن اس کا کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں گیا بعد ازاں عدالت نے اس کے مہر کی یکطرفہ ڈگری دیدی جب اس فیصلہ کو تخمیناً پنج سال گذر گئے تو اس عورت نے نان ونفقہ سے تنگ آ کر ایک شخص کے ساتھ ناجائز علاقہ پیدا کر لیا اور صاحب اولاد ہوگئی، جب اُسکے گاؤں والوں نے اس کو تنگ کیا اور حقہ پانی اس کا بند کر دیا تو اس نے ناچار آپ کی جناب عالی میں عریضہ بصورت استفتاء پیش کیا کہ میرا نکاح بوجہ مفقودیت زوج یا ان صورتوں کے جو ذکر کیئے گئے دیگر سے ہو سکتا ہے؟ اگر ہو سکتا ہے تو برائے مہربانی تحریر فرما کر مشکور فرما دیں؟

الجواب؛ قال فی العالمگیریة رجل زوج ابنته الصغیرة من رجل

علی ظن انہ صالح لایشرب الخمر فوجدہ الاب شریبا مدمنا وکبرت الابنۃ فقالت لا ارضی بالنکاح ان لم یعرف ابوھا بشرب الخمر وغلبۃ اھل بیتہ الصالحون فالنکاح باطل ای یبطل وھذہ المسئلۃ بالاتفاق کذا فی الذخیرۃ ام ص ۱۶ ج ۲ ۔ وفی رد المحتار قال فی البزازیۃ زوج بنتہ من رجل ظنہ مصلحا لایشرب مسکرا فاذا ھو مدمن فقالت بعد الکبر لا ارضی بالنکاح ان لم یکن ابوھا یشرب المسکر ولا عرف بہ وغلبۃ اھل بیتھا الصالحون فالنکاح باطل بالاتفاق ام ص ۵۳۶ ج ۲ ۔ وفیہ ایضا فرجع الی ان المعتبر صلاح الاٰباء فقط وانہ لا عبرۃ لفسقھا بعد کونھا من بنات الصالحین اھ ۔

صورت مسئولہ میں اگر لڑکے نے بعد جوان ہونے کے اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کی تھی تو یہ نکاح باطل ہوگیا اور یہ لڑکی دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے اور اگر جوان ہونے کے بعد اس نے نکاح سے ناراضی ظاہر نہیں کی یا رضامندی ظاہر کی تھی تو سوال دوبارہ کیا جاوے واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد بامر سیدی حکیم الامت ۲۸ رجب ۱۳۴۴ھ۔

معتدۂ وفات نے عدت کے اندر نکاح کرلیا اور چھ ماہ بعد تجدید نکاح کی تو کیا نکاح جدید صحیح ہوگیا؟

سوال (۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ متوفی زید کی بی بی کو عدۃ وفات کے اندر یعنی چالیس دن رہتے عمر نے نکاح کر کے اس سے وطی کرتا رہا اور نکاح کے بعد ان دونوں کے اندر تفریق نہ ہوئی اور نہ اس عورت نے مابقی عدۃ وفات کو بھی پورا کی اس حالت میں رہتے ہوئے زید کی وفات کی مدت چھ مہینے گذر جانے سے پھر عمر نے اس عورت کو بعض مولوی صاحب کے حکم سے ثانیاً نکاح کرلیا ہے فتاوی عالمگیری میں باب العدۃ میں مرقوم ہے۔ و لو تزوجت فی عدۃ الوفاۃ فدخل بھا الثانی ففرق بینھما فعلیھا بقیۃ عدتھا من الاول تمام اربعۃ اشھر وعشر وعلیھا ثلث حیض من الاٰخر ویحتسب بما حاضت بعد التفریق من عدۃ الوفاۃ کذا فی معراج الدرایۃ وھکذا فی المبسوط وایضا فیہ المطلقۃ اذا حاضت حیضۃ ثم تزوجت بزوج اٰخر ووطئھا الثانی وفرق بینھما وحاضت حیضتین بعد التفریق کان لھذا الزوج الثانی ان یتزوجھا لانقضاء عدۃ الاول الخ ان عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مابقی عدۃ وفات پورا کرنا اس عورت پر واجب ہے بغیر پورا کرنے عدت وفات کے عمر کا نکاح

اس سے ثانیاً بھی درست نہیں اگرچہ مدت وفات زید کی چھ مہینہ سے گذر گئی ہو لیکن بعض مولوی صاحب کا قول ہے کہ جب عمر نے اس عورت کو زید کے مرنے سے چھ مہینہ کے بعد پھر ثانیاً نکاح کر لیا ہے تو وہ نکاح درست ہوا ہے اور مابقی عدت وفات بغیر تفریق کے بھی اسی حالت میں پوری ہو گئی ہے چونکہ مسئلہ مذکور کے بارہ میں چھ ل تنازع ہو رہا ہے اور جناب حامی دین متین و وارث سید المرسلین ہیں لہٰذا دفع تنازع اور حقیقت مسئلہ دریافت کے لئے جناب عالی میں عرض پرداز ہوں کہ متوفی زید کی بی بی کو اس وقت عمر سے جدا کر کے مابقی عدۃ وفات پوری کرنا اس پر واجب ہے یا نہیں جناب از روئے مہربانی و شرع پروری کے با ادلۂ شرعیہ بیان فرمائیں اور نکاح ثانی جائز اور عدتِ وفات پورا نہ ہونے کی تقدیر پر عمر اگر اس عورت کو پھر نکاح کرے تو عالمگیری و مبسوط کے قول ولو تسوجت فی عدۃ الوفاۃ الخ کے روسے تین حیض پورا گذر جانے یا صرف مابقی عدۃ وفات چالیس دن گذر جانے کے بعد نکاح کرے از روئے شرع ارشاد فرمائیں ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب: اگر معتدۃ الوفاۃ عدۃ کے اندر نکاح کرے تو عدت وفات کا تمام ہونا تفریق پر موقوف نہیں بلکہ جب چار ماہ دس دن گذر جائیں گے (وھی غیر حامل) تو عدت پوری ہو جائے گی اب اگر یہ مدت تفریق سے پہلے ہی گذر گئی تو زوج ثانی کو اس سے ثانیاً نکاح کر لینا معاً درست ہے اور اگر چار ماہ دس دن گذرنے سے پہلے ان دونوں میں تفریق ہو گئی تو عورت کو مابقی عدت کا پورا کرنا ضروری ہے مابقی عدت پورا ہو جانے کے بعد زوج ثانی کو تو معاً اس سے نکاح درست ہے اور دوسروں کو بعد تفریق کے تین حیض گذر جانے کا بھی انتظار کرنا لازم ہوگا عالمگیریہ کی عبارتِ مرقومۃ الصدر کا مطلب یہ ہے کہ عورت نے عدت وفات میں نکاح کر لیا اور عدت ہی میں زوج ثانی نے دخول کیا اور عدۃ ہی کے اندر دونوں میں تفریق کر دی گئی تو اس عورت پر زوج اول کی مابقی عدۃ کا پورا کرنا ضروری ہے اور چونکہ زوج ثانی کے دخول سے بھی اس کے ذمہ عدۃ وطی بالشبہ لازم ہو گئی ہے تو اگر وہ زوج ثانی کے علاوہ کسی اور سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو اس پر تین حیض کا بھی تفریق کے بعد سے انتظار کرنا ضروری ہے اور تین حیض کے گذرنے کے ساتھ ساتھ عدۃ وفات بھی گذرتی رہے گی اھ ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر عدۃ وفات بحالت نکاح فاسد پوری ہو چکی ہو تب بھی دونوں میں تفریق کی اور تفریق کے بعد عدۃ وفات پورا کرنے کی ضرورت ہے ۔ کلا وحاشا ۔ قال فی الدر و مبدأ العدۃ بعد الطلاق وبعد الموت علی الفور و تنقضی العدۃ وان جہلت المرأۃ بھما ای بالطلاق والموت لانھا اجل فلا یشترط العلم بمضیہ اھ ص ۱۰۳ ج ۲

وفی البدائع والدلیل علی انہا اسم للاجل لا للفعل انہا تنقضی من غیر فعل التربص بان لم تجتنب عن محظورات العدۃ حتی انقضت المدۃ ولو کانت فعلاً لما تصور انقضاءھا مع ضدھا وھو الترک سلمنا انہ کف لکنہ لیس برکن فی الباب بل ھو تابع بدلیل انہ تنقضی العدۃ بدونہ (ای بدون الکف عن المحظورات) الی ان قال ولما کان الرکن ھو الاجل عندنا وھو معنی الزمان لا یقف وجوبہ علی العلم بہ کمضی سائر الازمنۃ ثم قد بینا انہ لا یقف علی فعلھا اصلا وھو الکف فانہا لو علمت (بالموت) فلم تکف لم تجتنب ما تجتنبہ المعتدۃ حتی انقضت المدۃ انقضت عدتہا اھ ص ۱۹۰ و ۱۹۱ ج ۳ ۔ اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ انقضاء عدت عورت کے تربص اور کف عن المحذورات پر موقوف نہیں بلکہ انقضاء عدت کے لئے صرف مدت کا پورا ہوجانا کافی ہے پس صورت مسئولہ میں جب معتدہ ٦ ماہ تک زوج ثانی کے پاس رہی تو اگر وہ غیر حامل ہو اس کی عدت پوری ہوگئی اور عمرو کا نکاح جو پہلے شوہر کی موت کے ٦ ماہ بعد کیا ہے اس کے ساتھ درست ہوگیا اور عدت وفات گذر جانے کے بعد تین حیض کے گذرنے کا انتظار عمرو پر لازم نہیں، ہاں اگر یہ عورت عمرو سے تفریق حاصل کرکے کسی دوسرے سے نکاح کرنا چاہتی تو دوسری کو عدۃ وفات گذرنے کے ساتھ بعد از تفریق عمر تین حیض گذرنے کا بھی انتظار لازم ہوتا قال فی ردالمحتار عن البحر واذا تمت عدۃ الاول حل للثانی ان یتزوجہا لا لغیرہ مالم تتم عدۃ الثانی بثلاث حیض من حیض التفریق اھ ص ۱۰۰۳ ج ۱ ۔

(تنبیہ) عدت وفات کا تمام ہونا تو اس پر موقوف نہیں کہ جو نکاح فاسد عدت میں کیا گیا ہے اس سے تفریق ہو تب ہی عدت گذرے عدت وفات بحالت بقاء نکاح فاسد بھی تمام ہوجائے گی البتہ تداخل عدتین تفریق پر موقوف ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ معتدہ وفات پر عدت میں نکاح ودخول بالثانی کرنے سے دوسری عدت وطی بالشبہ کی وجہ سے لازم ہوجاتی ہے جبکہ وہ زوج ثانی کے علاوہ کسی اور سے نکاح کرنا چاہے اور اگر وہ زوج ثانی ہی سے نکاح کرنا چاہے اس کا حکم اوپر گذر چکا ہے۔ اب اس کی دو صورتیں ہیں (۱) یہ کہ ان دونوں میں عدت کے اندر ہی تفریق ہوجائے اس صورت میں تین حیض تفریق کے بعد گذرنے کے ساتھ عدت وفات بھی پوری ہوتی رہے گی۔ (۲) یہ کہ ان دونوں میں عدت وفات کے اندر تفریق نہیں ہوئی بلکہ چار ماہ دس دن

کے بعد تفریق ہوئی اور ان چار مہینوں اس کو تین حیض بھی آچکے اس صورت میں صرف عدت وفات تمام ہوئی عدت وطی بالشبہ باقی ہے اگر یہ عورت کسی تیسرے سے نکاح کرنا چاہے تو اس کو تین حیض تفریق کے بعد اور گذارنا واجب ہے قال فی ردالمحتار فلو کانت وطئت بعد حیضۃ من (العدۃ) الاولی فعلیہا حیضتان تکملۃ للاولی وتحتسب بہما من عدۃ الثانی فاذا حاضت واحدۃ بعد ذالک تمت الثانیۃ ایضًا اہ وھذا اذا کان بعد التفریق بینہما وبین الواطی الثانی اما اذا حاضت حیضۃ قبلہ (ای قبل التفریق) فھی من عدۃ الاولی خاصۃ اھ ص ۱۰۰۲ ج ۲)

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ زوج اول کی عدۃ تو بدون تفریق کے تفریق سے پہلے ہی تمام ہوسکتی ہے البتہ تداخل عدت اول وثانی بدون تفریق کے نہیں ہوسکتا۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ بامر سیدی حکیم الامۃ ۔ ۱۷ر شوال ۱۳۴۱ھ ۔

نکاح باطل وفاسد کی تعریف اور مزید چند صورتوں کا حکم

سوال (۱۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نکاح فاسد اور باطل کسے کہتے ہیں۔ باعتبار تعریف واحکام وغیرہ ان دونوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں۔ فتح القدیر میں ہے کہ ان دونوں میں کچھ فرق نہیں بعض دوسرے فقہاء نے فرق لکھا ہے۔ ایسی صورت میں ترجیح کس قول کو ہوگی؟

ایک عورت کے نکاح ہوتے ہوئے اوس کی بہن سے بھی نکاح کرلینا فاسد ہے یا باطل۔ فتاویٰ عالمگیری القسم الرابع للمحرمات بالجمع میں ہے وان تزوجہما فی عقدتین فنکاح الاخیرۃ فاسد ویجب علیہ ان یفارقہا ولو علم القاضی بذلک یفرق بینہما فان فارقہا قبل الدخول لا یثبت شیٔ من الاحکام وان فارقہا بعد الدخول فلہا المہر ویجب الاقل من المسمی ومن مہر المثل وعلیہا العدۃ ویثبت النسب ویعتزل عن امرأتہ حتی تنقضی عدۃ اختہا کذا فی محیط السرخسی اس میں ثانی کو فاسد کہا ہے ردالمحتار اور دیگر کتب میں باطل لکھا ہے ان دونوں میں قول محقق ومفتی بہ کیا ہے؟

اس دوسری عورت سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ عبارت عالمگیری کی بناء پر ثابت النسب ہوکر ناکح کی وارث ہوگی یا نہیں؟ جن فقہاء نے نکاح ثانی کو باطل کہا ہے ان کے نزدیک ثبوت نسب اور وارث کا کیا حکم ہے دونوں کے نزدیک عورت ناکح سے وارث ہوگی یا محروم؟

اس کے اور نیز اولاد کے وارث ہونے کے متعلق بھی محقق اور مفتی بہ قول ارقام فرمائیں؟ ان تمام سوالات کے متعلق ذرا مفصل اور مدلل جواب تحریر فرمایا جائے۔ جس سے طالب علم تردّد اور خلجان سے محفوظ رہے والسّلام۔

الجواب؛ قال فی الدر و یجب مهر المثل فی نکاح فاسد وهو الذی فقد شرطا من شروط الصحة کشهود اه وفیه ایضا ویثبت النسب احتیاطا بلا دعوة اه قال الشامی ومثله تزوج الاختین معا ونکاح الاخت فی عدة الاخت ونکاح المعتدة والخامسة فی عدة الرابعة والامة علی الحرة وفی المحیط تزوج مسلمة فرق بینهما لانه وقع فاسدا اه فظاهره انهما لا یحدان وان النسب یثبت فیه والعدة ان دخل بحر، قلت لکن سیذکر الشارح فی اٰخر فصل فی ثبوت النسب عن مجمع الفتاوی: نکح کافر مسلمة فولدت منه لا یثبت النسب منه ولا تجب العدة لانه نکاح باطل اه وهذا صریح فیقدم علی المفهوم فافهم ومقتضاه الفرق بین الفاسد والباطل فی النکاح لکن فی الفتح قبیل التکلم علی نکاح المتعة انه لا فرق بینهما فی النکاح بخلاف البیع نعم فی البزازیة حکایة قولین فی ان نکاح المحارم باطل او فاسد والظاهر ان المراد بالباطل ما وجوده کعدمه ولذا لا یثبت النسب ولا العدة فی نکاح المحارم ایضا کما یعلم مما سیأتی فی الحدود الی ان قال وسیأتی فی باب العدة انه لا عدة فی نکاح باطل و ذکر فی البحر هناك عن المجتبیٰ ان کل نکاح اختلف العلماء فی جوازه کالنکاح بلا شهود فالدخول فیه موجب للعدة اما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة ان علم انها للغیر لانه لم یقل احد بجوازه فلم ینعقد اصلا قال فعلی هذا یفرق بین فاسده وباطله فی العدة ولهذا یجب الحد مع العلم بالحرمة لانه زنا کما فی القنیة وغیرها اه والحاصل انه لا فرق بینهما فی غیر العدة اما فیها فالفرق ثابت وعلی هذا فیقید قول البحر هنا ونکاح المعتدة بما اذا لم یعلم بانها معتدة لکن یرد علی ما فی المجتبیٰ مثل نکاح الاختین معا فان الظاهر انه لم یقل

احد بجوازه ولکن لینظر وجه التقیید بالمعیة والظاهر ان المعیة فی العقد لا فی ملک المتعة اذ لو تأخر احدهما عن الاخر فالمتاخر باطل قطعاً اھ (ص ۵۷۵ ج ۲) وفیه ایضاً عن الخانیة لو تزوج محرمه لاحد علیه عند الامام وعلیه مهر مثلها بالغا ما بلغ اھ وصرح فی البحر ان المواضع اللتی یجب فیها المهر بسبب الوطأ بشبهة فلیس المراد بالمهر فیها مهر المثل المذکور هنا لما فی الخلاصة ان المراد بالمهر العقر وتفسیر العقر انه بکم تستاجر للزنا لو کان حلالا یجب ذلک القدر اھ ملخصا وقال ابن عابدین فی حاشیته ان فی التتارخانیة فی وجوب المهر بلا نکاح ذکر ماهنا معزیا الی المحیط ثم اعقبه بقوله وفی الحجة روی عن ابی حنیفةؒ قال تفسیر العقر هو ما یتزوج به مثلها وعلیه الفتوی اھ فظهر ان فی المسئلة خلافا وان المفتی به خلاف ما هنا اھ (ص ۱۷۳ ج ۳) وفی الدر فی باب الحد ودرلاحد ایضاً بشبهة العقد ای عقد النکاح عنده ای الامام کوطأ محرم نکحها وقالا ان علم الحرمة حد وعلیه الفتوی خلاصة، لکن المرجح فی جمیع الشروح قول الامام فکان الفتوی علیه اولیٰ قاله القاسم فی تصحیحه لکن فی القهستانی عن المضمرات علیٰ قولهما الفتویٰ وحرر فی الفتح انها من شبهة المحل وفیها یثبت النسب اھ قال الشامی وکذلک نقل فی الفتح عن الخلاصة ان الفتوی علیٰ قولهما ثم وجهه بان الشبهة تقتضی تحقق الحل من وجهٍ وهو غیر ثابت والا وجب العدة والنسب ثم دفع ذلک بان من المشائخ من التزم وجوبهما ولو سلم عدم وجوبهما لعدم تحقق الحل من وجهٍ فالشبهة لاتقتضی تحقق الحل من وجهٍ لان الشبهة ما یشبه الثابت ولیس بثابتٍ اھ ملخصًا وحاصله: ان عدم تحقق الحل من وجهٍ فی المحارم لکونه زنا محضا یلزم منه عدم ثبوت النسب والعدة ولا یلزم منه عدم الشبهة الدارئة للحد ولا یخفی ان فی هذا ترجیحًا لقول الامام قوله وحرر فی الفتح الخ صوابه فی النهر قال وهذا انما یتم بناء علی انها شبهة اشتباه قال فی الدرایة وهو

قول بعض المشائخ والصحیح انها شبهة عقد لانه روی عن محمدؒ انه قال سقوط الحد بشبهة حکمیة فیثبت النسب وهکذا ذکر فی المنیة اھ وهذا صریح بان الشبهة فی المحل وفیها یثبت النسب علی ما مر اھ کلام النهر قلت وفی هذا زیادة تحقیق لقول الامام لما فیه من تحقیق الشبهة حتی تثبت النسب ویؤیده ماذکره الخیر الرملی فی باب المهر عن العینی ومجمع الفتاوی انه یثبت النسب عنده لا عندهما اھ (ص۲۳۷ج۳) وفیه ایضا تحت قول الدر کوطأ محرم نکحها ای عقد علیها اطلق فی المحرم فشمل المحرم نسبا و رضاعا وصهریة واشار الی انه لو عقد علی منکوحة الغیر او معتدته او مطلقته الثلاث او امة علی حرة او تزوج مجوسیةً او امةً بلا اذن سیدها او تزوج العبد بلا اذن سیده او تزوج خمسا فی عقدة فوطئهن او جمع بین اختین فی عقدة فوطئهما او الاخیرة لو کان متعاقبا بعد التزوج فانه لا حد وهو بالاتفاق علی الاظهر اما عنده فظاهر واما عندهما فلان الشبهة انما تنتفی عندهما اذا کان مجمعا علی تحریمه وهی محرمة علی التابید بحر قلت وهذا هو الذی حرره فی فتح القدیر وقال ان الذین یعتمد علی نقلهم کابن المنذر ذکروا انه انما یحد عندهما فی ذات المحرم لا فی غیر ذلک کمجوسیة ومعتدة وکذا عبارة الحاکم فی الکافی تفیده ثم ذکرها فلیراجع (ص۲۳۶ج۳) وفی الدر فی کتاب الفرائض (ص۷۴۵ج۵) ویستحق الارث باحد ثلاثة برحم ونکاح صحیح فلا توارث بفاسد ولا باطل اجماعا اھ۔

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوتے :

(۱) نکاح میں بھی باطل و فاسد ہے اور فتح القدیر میں جو یہ کہا ہے کہ نکاح میں باطل و فاسد کی تقسیم جاری نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح باطل نکاح ہی نہیں ہے پس اس کو نکاح سے موصوف کرکے باطل کہنا فضول ہے صرح به الشامی فی حاشیة البحر بقوله والذی ظهر لی ان المراد بالباطل فی کلام البزازیة فی قوله نکاح المحارم فاسد ام باطل الخ الذی وجوده کعدمه لا ان النکاح ینقسم الی باطل وفاسد اھ (ص۱۷۱ج۳)

(۲) نکاح باطل و فاسد میں صرف باب عدة میں فرق ہے کہ باطل موجب عدة نہیں ہے

اور فاسد موجب عدۃ ہے بقیہ احکام میں فرق نہیں۔
(۳) اور بعض عبارات میں جو نکاح باطل کی بعض صورتوں میں ثبوت نسب کی نفی کی گئی ہے جس سے باطل و فاسد میں ثبوت نسب میں بھی افتراق معلوم ہوتا ہے وہ صاحبین کے قول پر مبنی ہے۔ جو بعض کے نزدیک مفتی بہ ہے ورنہ امام صاحب تو نکاح محارم میں بھی ثبوت نسب کے قائل ہیں اور اس کو شبہۃ العقد میں داخل کرتے ہیں اور شامی نے باب الحدود میں اسی کی تصحیح نقل کی ہے۔
(۴) نکاح باطل و فاسد دونوں میں عورت اور مرد میں توارث نہیں ہوتا۔
(۵) رہا مہر تو فاسد میں مہر مثل لازم آتا ہے جو مسمّٰی سے زیادہ نہوگا اور باطل میں بھی مہر مثل لازم ہے جتنا بھی ہو خواہ مسمّٰی کے برابر یا زائد کما مر عن الخانیۃ فی نکاح المحرم۔
(۶) دو بہنوں سے آگے پیچھے نکاح کیا جائے تو دوسرا باطل ہے دوسری عورت مرد کی وارث نہوگی مگر دوسری عورت دخول و وطی سے مہر خاندانی کی مستحق ہے اور امام صاحب کے نزدیک دوسری کی اولاد ثابت النسب بھی ہے اور صاحبین کے نزدیک بظاہر ثابت النسب نہونا چاہئے مگر عبارت باب الحدود سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ امام سے صاحبین کا اختلاف صرف نکاح محارم میں ہے یعنی محارم ابدیہ میں بقیہ محرمات کے نکاح میں اختلاف نہیں اور ان میں وہ بھی نکاح کو موجب شبہہ مانتے ہیں تو اس بنا پر نکاح اختین میں صاحبین کے نزدیک بھی اولاد کا نسب ثابت ہونا چاہئے۔
پس صورت مسئولہ میں دوسری عورت مسماۃ افضل خود تو نیاز اللہ کی وارث نہیں نہ اس کے ذمہ عدت واجب ہوئی البتہ اس کی اولاد مثل اولاد زوجۂ اولیٰ کے نیاز اللہ کی وارث ہے اور مسماۃ افضل مہر مثل کی مستحق ہے۔ تقسیم ترکہ و اخراج بطون خود فرمالیں، واللہ اعلم۔ ۳ ربیع الاول ۴۵ھ

نکاح معتدہ | **سوال** (۱) میری بیٹی کو خاوند نے طلاق دیدی اور عدت کے اندر صرف آٹھ ہی دن کے بعد میں نے اس کا نکاح دوسری جگہ کر دیا سُنا ہے کہ یہ نکاح نہیں ہوا اس کو کئی سال سے گذر گئے اولاد بھی ہو چکی اب کیا کیا جاوے یہ اولاد حلالی ہے یا حرامی اب دونوں کا نکاح کر دیا جاوے تو آئندہ کے لئے گناہ سے حفاظت ہو جاوے گی یا نہیں؟

الجواب: بیشک یہ نکاح ثانی عدت کے اندر ہوا ہے اس لئے درست نہیں ہوا اور ان دونوں کا اب دوبارہ نکاح کر دینا ضرور چاہئے اور اس زمانہ میں جو وطی ہوئی ہے وہ وطی بالشبہ کے حکم میں ہے اگر زوجین اپنے نکاح کو نکاح بھی سمجھتے تھے اور وطی بالشبہ سے اولاد حرامی نہیں ہوتی اور اگر زوجین اول ہی سے اپنے نکاح کو حرام سمجھے ہوئے تھے تو سوال دوبارہ کیا جائے اور صورت

مذکورہ میں زوج اول کی عدت تو تمام ہو چکی ہے پس اگر اس وقت نکاح صحیح زوج ثانی کے ساتھ ہی کیا جائے تو بس اور عدت کی ضرورت نہیں اور اگر زوج ثانی کے علاوہ کسی اور سے کیا جائے تو ایک اور عدت لازم ہوگی واللہ اعلم۔ ۲۰ رجمادی الاولیٰ سنہ ۴۳ھ۔

نومسلمہ سے قبل از انقضاء عدت نکاح کا حکم

سوال (۱۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت میں کہ زید نے ایک غیر مسلمہ منکوحہ کو اغوا کر کے مسلمہ کرالیا اور بغیر انتظار کے اس کے ساتھ وطی کرتا رہا اور وہ عورت زید سے حاملہ بھی ہوگئی اور بعد دو ماہ کے زید نے اس عورت سے نکاح کرلیا تو آیا یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز ہ بینوا توجروا۔

الجواب: فی العالمگیریۃ (ص۲۲۵ ج۲) واذا اسلم احد الزوجین فی دار الحرب ولم یکونا من اهل الکتاب اوکانا والمرأة هی التی اسلمت فانه یتوقف انقطاع النکاح بینهما علی مضی ثلاث حیض سواء دخل بها اولم یدخل بها کذا فی الکافی فان اسلم الآخر قبل ذلك فالنکاح باق ولو کانا مستامنین فالبینونة اما بعرض الاسلام او بانقضاء ثلث حیض کذا فی العنایة اھ اس عورت سے جواز نکاح تین حیض گذرنے پر موقوف ہے پس اگر وقت نکاحِ زید تک اس عورت کو تین حیض آچکے تھے تب تو یہ نکاح درست ہو گیا اور اگر تین حیض نہیں آئے تھے تو یہ نکاح درست نہیں ہوا بعد وضع حمل کے تجدید نکاح کی جائے اور اُس وقت تک اُس عورت سے قربت وغیرہ اور تقبیل و لمس سب حرام ہے، واللہ اعلم۔ ۲۲ رج ۲ سنہ ۴۴ھ۔

حکم نکاح بین الرضیعین

سوال (۳) کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید و بکر دونوں آپس میں رضاعی بھائی بہن اس طرح پر کہ ایام رضاعت میں زید نے بکر کی ماں کا دودھ پیا اور بکر نے زید کی ماں کا۔ زید و بکر کی مائیں خالدہ و زبیدہ دونوں حقیقی بہنیں ہیں۔ زید کا عقد (ہندہ) کے ساتھ ۱۷ یا ۱۸ سنہ میں ہوا جو بکر کی علاتی حقیقی (یعنی نسبی ۱۲) پھوپھی ہے اور اسی طرح (ہندہ) زید کی رضاعی پھوپی ہے۔ زید و بکر کی رضاعت کا علم بوقت نکاح و قبل نکاح خاندان کے ہر چھوٹے بڑے کو تھا اور خود ہندہ و زید اور اس کے والدین بھی بخوبی جانتے تھے لیکن زید و بکر کے رضاع سے اس کا خیال کسی کو قبل نکاح یا بوقت نکاح نہوا کہ اس رضاعت کی حرمت کا اثر (ہندہ) تک جاتا ہے اور ہندہ زید کے لئے محل نکاح نہیں ہے اور بعد نکاح بھی عرصہ تک کسی کا خیال باوجود علم رضاعت منتقل نہ ہوا کہ زید و ہندہ بوجہ رضاعت پھوپی اور بھتیجے ہیں۔

مسئلہ کی تحقیق و آگاہی :- جبکہ نکاح کو بارہ تیرہ سال گذر چکے اور چند اولاد بھی ہوئیں اور دو بیٹے زندہ موجود بھی ہیں (بکر) کا چھوٹا بھائی (عمر) جو بزمانہ عقد اپنی پھوپی ہندہ کے بہت کم سن تھا جب سن تمیز کو پہونچا اور تحصیل علوم دینیہ میں مشغول ہوا تو فقہ کی کتابوں میں اس نے رضاعت کا بیان پڑھا اس وقت اسے یہ خیال ہوا کہ میری پھوپھی ہندہ کا جو عقد زید سے ہوا وہ بوجہ رضاعت غلط ہوا چونکہ رضاعت کا علم خاندان کے ہر چھوٹے بڑے کو تھا اور سب جانتے تھے کہ زید و بکر رضاعی بھائی ہیں اس کی تحقیق وصحت کو معلوم کرنا نہ تھا عمر نے اپنی پھوپی ہندہ کو خاموشی سے حرمت وفساد نکاح سے آگاہ کیا اور چونکہ ہندہ بھی ایک خاندان کی لڑکی ہے اور رضاعت مذکورہ کا اوس کو علم ہمیشہ سے بخوبی تھا اور اسی طرح زید بھی بخوبی واقف تھا ، بوجہ آگاہی مسئلہ دونوں نے خاموشی کے ساتھ علیحدگی اختیار کی اور اس وقت سے جس کو عرصہ تخمیناً ۵-۶ سال کا ہوتا ہے بوجہ خوف حرمت رضاعت ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں اور اس خاموش علیحدگی کو خاندان کے بہت سے لوگ جانتے ہیں مثلاً بکر، عمر، زید کا باپ ہندہ کی ماں بہن، بہنوئی وغیرہ ۔ ہاں عام طور پر اعلان نہیں ہے اب بعض لوگ زید سے یہ کہتے ہیں کہ چونکہ حرمت رضاعت کا علم بہت عرصہ کے بعد ہوا ہے لہذا یہ معتبر نہیں ہے تم جس طرح آپس میں زن وشوہر کی طرح رہتے تھے رہو لیکن زید اس کو منظور نہیں کرتا زید کہتا ہے کہ عمر کا بیان شہادت نہیں ہے وہ تو ایک غلطی کی اطلاع ہے اگر خود میری نظر سے مسئلہ گذرتا تو بھی میں یہی کرتا اس لئے کہ رضاعت کا تو مجھ کو قبل نکاح علم تھا اور میں نے بچپن میں بارہا اپنی رضاعی ماں اور اپنی ماں سے اس وقت کے حالات سنے ہیں اور خاندان کے چھوٹے بڑے رضاعت سے آگاہ تھے اور ہیں جو کچھ لاعلمی اور جہالت سے ہوا وہ خدا معاف کرے اب علم ویقین ہوتے ہوئے کس طرح کروں ۔ پس واقعات حالات مذکورہ کے بنا پر اب زید و ہندہ کو کیا کرنا چاہئے باہم زن وشوہر کے تعلقات پھر قائم کر لینا چاہئے یا ترک ہی رکھنا چاہئے ۔ نان ونفقہ بحالت علیحدگی زید پر واجب رہے گا یا نہیں ۔ نکاح جو ہوا اعتبار کیا جائے گا اور اولاد کا نسب صحیح ہے یا نہیں مہر ذمہ زید کے کل واجب ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب : صورت مسئولہ میں زید کو لازم ہے کہ ہندہ کو اپنے لئے حرام سمجھے اور چونکہ ۶ سال سے دونوں میں علیحدگی ہو چکی ہے تو ظاہر ہے کہ عدت تین حیض بھی گذر چکی ہوگی پس اگر زید نے علیحدگی کے وقت ہندہ سے یہ لفظ بھی زبان سے کہدیا ہو کہ تو میرے لئے حلال نہیں اس لئے اب میں تیرے ساتھ میاں بی بی کے تعلقات نہیں رکھتا بلکہ تم سے الگ رہوں گا تو

اب ہندہ کو اپنا نکاح جس سے چاہے کر سکتی ہے اور اگر بالفرض تین حیض نہ آئے ہوں تو تین حیض کے بعد جس سے چاہے نکاح کرے اور اگر زید نے صرف عملی علیحدگی اختیار کی ہے اور زبان سے علیحدگی اختیار نہیں کی تو ابھی ہندہ دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی بلکہ جب زید اس سے زبانی علیحدگی ظاہر کردے اور اس کے بعد تین حیض گذر جائیں تب وہ اس کے نکاح فاسد سے علیحدہ ہوگی اور یہ علیحدگی دونوں پر واجب ہے زید کو چاہئے کہ اس کو طلاق دیدے یا زبان سے اتنا کہدے کہ میں تجھ سے الگ ہوتا ہوں اگر زید یہ لفظ نہ کہے تو ہندہ کو چاہئے کہ وہ شوہر کے سامنے یہ لفظ کہدے کہ میں تجھ سے الگ ہوتی ہوں ہر صورت میں یہ تعلق فاسد منقطع ہو جائے گا اور اس صورت مذکورہ میں اولاد سب حلالی ہے اور ثابت النسب ہے، اور ہندہ کے لئے زید پر مہر مثل بھی لازم ہے اگر مہر مقررہ مہر مثل سے زیادہ ہو اور اگر مہر مثل مہر مقررہ سے کم ہو تب بھی مہر مثل ہی دیا جائیگا قال فی الشامیة تحت قول الدر وعدة المنكوحة نكاحًا فاسدًا هي المنكوحة بغير شهود ونكاح امرأة الغير بلا علم بانها متزوجة و نكاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عنده خلافا لهما الى ان قال وتقدم في باب المهر ان الدخول في النكاح الفاسد موجب للعدة وثبوت النسب ومثل له في البحر هناك بالتزوج بلا شهود وتزوج الاختين معًا و الاخت في عدة الاخت ونكاح المعتدة والخامسة في عدة الرابعة والامة على الحرة اھ (٩٩٩ ج ٢) قلت وفي صورة المسئولة تزوج بالمحرمة مع عدم العلم بالحرمة فهو فاسد بالاتفاق لا باطل وفي الدر ومبدأها في النكاح الفاسد بعد التفريق من القاضي او المتاركة اي اظهار العزم من الزوج على ترك وطئها بان يقول بلسانه تركتك ونحوه (كخليت سبيلك او فارقتك) ومنه الطلاق او انكار النكاح لو بحضرتها والا لا. لا مجرد العزم لو مدخولة والا فيكفي تفرق الابدان اھ قال الشامي قوله من الزوج قيد به لان ظاهر كلامهم انها لا تكون من المرأة قال في البحر ورجحنا في باب المهر انها لا تكون من المرأة ايضًا ولذا ذكر مسكين من صورها ان تقول فارقتك اھ ورجحه باتفاقهم على ان لكل منهما فسخ هذا النكاح والفسخ متاركة اھ (ص ١٠٠٧ ج ٢) في الدر المختار (و يجب مهر المثل في نكاح فاسد بالوطء) في القبل (لا بغيره ولم يزد) مهر المثل (على المسمى) لرضاها بالحط ولو كان دون المسمى لزم مهر المثل (ص ٥٧٥ ج ٢ شامي) - ٨ شعبان ۴۴ھ

نومسلمہ منکوحۂ کافر سے قبل از انقضاء عدت نکاح جائز نہیں ہے

سوال (۱۴) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس صورت میں کہ ہندوستان میں موجودہ حالت میں اگر کوئی غیر مسلمہ مشرف باسلام ہو۔ اور حالت کفر میں منکوحہ بھی ہو۔ زوج اول اسلام سے انکاری بھی ہو۔ اس صورت میں نومسلمہ کا نکاح وقت اسلام سے کتنے دن بعد جائز ہے۔ اگر فقہ حنفیہ کے اس اصل کو مدنظر رکھا جاوے۔ کہ عورت مہاجرہ نہ ہو تو بعد گذرنے تین ماہ کے ابانت ہوتی ہے۔ زمانہ موجودہ میں اتنی مدت کا انتظار موجب ارتداد ظاہر ہوتا ہے، ضرورت وقت و اصل فقہ کے توافق کی صورت رقم فرما کر شکریہ کا استحقاق بخشیں؟

الجواب؛ جب تک اس نومسلمہ کو اسلام لانے کے بعد تین حیض نہ آجائیں اس وقت تک اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے جائز نہیں۔ اور جس عورت کے لئے اتنی مدت کا انتظار موجب ارتداد ہو اس کا اسلام ہی قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ اسلام یہ ہے کہ مسلمان ہونے والا حکم شرعی کا پابند ہو نہ یہ کہ وہ قانون شرعی کو اپنا پابند بنانا چاہے پس ایسے شخص کے مرتد ہونے سے کچھ رنج نہیں۔ بس ہم سمجھ لیں گے کہ اس نے پہلے ہی سے اسلام کو اسلام سمجھ کر قبول نہیں کیا تھا۔ بلکہ محض شہوت رانی کے لئے اس نے اسلام کا نام کیا ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ، ۲۰ محرم ۴۷ھ۔

نعم الجواب الذی لایتجاوزہ الصواب، اشرف علی، ۲۳ محرم ۴۷ھ۔

دوران عدت نکاح کی خاص صورت کا حکم

سوال (۱۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے مسماۃ ہندہ کو طلاق دیدی بعد از طلاق پانچ یوم بعد۔ قبل انقضائے عدت ہندہ نے عمرو سے نکاح کر لیا دس برس تک عمرو کے گھر میں اسی نکاح سے یعنی جو کہ قبل از انقضاء عدت ہوا تھا رہی، عمرو کو لوگ کہتے رہے کہ تو عدت گذار کر نکاح پھر کرلے عمرو نے دس برس بعد ایک روز بیٹھے بیٹھے نکاح پھر کرلیا اور اس نکاح ہونے کے بعد عمرو نے ہندہ کو طلاق ثلاثہ دیدی اب پھر ہندہ اور عمرو کا باہمی سلوک ہو گیا ہے اور پھر وہ باہمی نکاح کرنا چاہتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ عمرو نے جو نکاح دس برس بعد کیا تھا اس میں بھی طلاق کی عدت گذارنی چاہئے تھی بعدہٗ نکاح کرنا چاہئے تھا انہوں نے ایسا نہیں کیا لہٰذا بعد از طلاق بلا حلالہ نکاح عمرو کے ساتھ ہو سکتا ہے اب دریافت طلب صرف یہ امر ہے کہ ہندہ کا نکاح عمرو سے بلا حلالہ ہو سکتا ہے یا حلالہ کرنے کے بعد ہو سکتا ہے جواب باصواب دیں؟

الجواب؛ صورت مسئولہ میں دوبارہ جو نکاح کیا گیا تھا وہ صحیح ہو گیا تھا اس لئے اس کے بعد تین طلاق دینے سے حرمت مغلظہ ہو گئی اب بدون حلالہ عمرو سے نکاح نہیں ہو سکتا جو لوگ

یہ کہتے ہیں کہ دس سال کے بعد جو نکاح کیا گیا اس میں بھی عدت طلاق لازم تھی (یعنی عورت کو زوج ثانی کے جدا کر دینے اور تفریق کے بعد عدت گذرنے پر نکاح کیا جاتا تب صحیح ہو سکتا تھا) ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ عدت کے اندر نکاح کرنے سے اس عدت میں اضافہ نہیں ہوتا وہ عدت تو وقت طلاق سے تین حیض آنے تک ختم ہو جاتی ہے البتہ بعض صورتوں میں خود اس نکاح فاسد کی وجہ سے دوسرے شخص کے لئے عدت واجب ہوتی ہے یعنی دوسرا کوئی شخص نکاح کرنا چاہے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ بدون تفریق اور تفریق کے بعد عدت گذرے بغیر نکاح کرے اور اگر خود وہی شخص نکاح کرے کہ جس نے عدت سابق میں نکاح کیا تھا تو اس کے لئے اس نکاح فاسد کی وجہ سے عدت واجب نہیں ہے۔

قال الشامی فلو كانت وطئت بعد حيضة من الاولى فعليها حيضتان تكملة للاولى وتحتسب بهما من عدة الثانی فاذا حاضت واحدة بعد ذلك تمت الثانية ايضا نهر وهذا اذا كان بعد التفريق بينها وبين الواطی الثانی اما اذا حاضت حيضة قبله فهی من عدة الاول خاصة وتمامه فی البحر عن الجوهرة (ص ۱۰۰۲ ج ۲) وفی الصفحة الآتية واذا تمت عدة الاول حل للثانی ان يتزوجها لا لغيره مالم يتم عدة الثانی بثلاث حيض من التفريق وفيه ايضا (ص ۸۷۵ ج ۲) اما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة ان علم انها للغير لانه لم يقل احد بجوازه فلم ينعقد اصلاً وبعد سطر وعلى هذا فيقيد قول البحر هنا[عه] ونكاح المعتدة بما اذا لم يعلم بانها معتدة الخ

كتبہ الاحقر عبدالكريم گمتھلوی عفی عنہ، ۲۰/۲۷،۲۰ سنہ ۴۵ھ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔

دوران عدت نکاح کی خاص صورت کا حکم | **سوال** (۱۶) عرض ہے کہ ایک لڑکی کا نکاح گیارہ سال کی عمر میں نابالغی کی حالت میں ہوا اور رواجاً خاوند کے مکان پر بھیجی گئی بعد یک شب کے واپس بلالی گئی اور خاوند کے ساتھ تنہا رہنے کا اتفاق ہوا ممکن ہے کہ صحبت ہوئی ہو لیکن لڑکی نابالغ تھی پھر دوبارہ کبھی خاوند کے مکان پر نہیں گئی باہمی تکرار کی وجہ سے اور چار سال ماں باپ کے مکان پر ہی نکل گئے آئندہ اتفاق کی صورت نظر نہ آنے کی وجہ سے چار سال بعد جبکہ لڑکی بالغہ ہو چکی

عه ای فی وجوب العدة ۱۲ منہ

تھی اور عمر بھی پندرہ سال ہو چکی تھی خاوند نے طلاق دیدی طلاق دینے کے بعد ایک ماہ چار دن کے لڑکی نے دوسرا نکاح کرلیا نکاح سے پہلے تحقیقات کرنے سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ خاوند سابقہ کے یہاں جو شب کو رہی تھی خاوند سے علیحدہ رکھی گئی تھی اس پر علماء نے بلا عدت نکاح کا حکم دے دیا نکاح ثانی ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ خاوند سابقہ سے صحبت یا خلوت کا اتفاق رہا اب اس صورت میں جبکہ طلاق کے ایک ماہ اور چار دن بعد بلا عدت پورے کئے ناواقفی کی وجہ سے نکاح کرلیا یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں اور اگر نکاح ناجائز ہوا تو عدت کب سے شمار کی جاوے۔ تاریخ طلاق سے جو کہ اگلے خاوند نے دی تھی یا جب سے صحبت کا ہو جانا اگلے خاوند سے معلوم ہوا تھا اس وقت سے کیونکہ طلاق سے ایک ماہ چار دن بعد تو نکاح ہوا اور نکاح ہونے کو پندرہ روز ہوئے کل ایک ماہ انیس دن ہو چکے ہیں یہ عدت میں شمار کئے جائیں گے یا کیا اور ایام عدت میں موجودہ خاوند سے عورت علیحدہ رہے یا کیا بعد طلاق لڑکی کو ایک مرتبہ حیض بھی بیس پچیس یوم کے بعد آیا فقط جواب سے جلد مطلع فرمایا جاوے؟

تنقیح :۔ اس سوال کے متعلق چند امور دریافت طلب ہیں ان کا جواب آنے کے بعد انشاء اللہ حکم شرعی لکھا جائے گا۔

(۱) دوسرے نکاح سے قبل خلوت و صحبت کی تحقیق کس کس سے کی گئی تھی؟

(۲) اور اب کون کون صحبت کو بیان کرتا ہے اگر پہلے اس لڑکی یا زوج سابق نے انکار کیا تھا اور اب وہی اقرار کرتے ہیں تو انکار سابق کی وجہ کیا بیان کرتے ہیں؟

(۳) اگر لڑکی اور زوج سابق خلوت اور صحبت کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں تو یہ بھی لکھا جاوے کہ دوسرے گھر والے کیا کہتے ہیں؟

(۴) دوسرے خاوند سے اب تک صحبت یا خلوت ہوئی یا نہیں؟

(۵) اگر ہوئی تو زوج سابق سے صحبت کا علم ہونے کے قبل یا بعد؟

تمام واقعات اور بیانات مع اس سوال و تنقیح کے واپس کیا جاوے فقط۔ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۴۸ھ

جواب تنقیح : (۱) لڑکی کے والدین سے پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ سابق خاوند سے خلوت کا اتفاق ہی نہیں ہوا (۲) دوسرا نکاح ہونے کے بعد خود لڑکی نے دریافت کرنے پر اقرار کیا کہ سابق خاوند سے مجھے خلوت اور صحبت دونوں کا اتفاق ہوا یہ اتفاق سابق شادی کے دن صرف دو تین گھنٹہ کے لئے ہوا اس کے بعد میں پھر سابق خاوند سے ملنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا

جس کو چار سال ہوئے۔

(۳) سابق خاوند سے تو پوچھنے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن لڑکی خود خلوت اور صحبت دونوں کی مقر ہے لیکن اس کے گھر والے اس کے خلاف ہیں۔

(۴) دوسرے (یعنی موجودہ) خاوند سے صحبت کا کئی مرتبہ اتفاق ہوا اور اب تک ہے۔

(۵) زوج سابق سے صحبت کا علم ہونے کے بعد صحبت کا کئی مرتبہ اتفاق ہوا۔ لڑکی بیان کرتی ہے کہ جب سے مجھے سابق خاوند نے تین طلاق دی ہیں اس کے بعد ایک حیض آیا اور پھر دوسرا نکاح ہونے کے بعد ایک حیض آیا اور اب ان دنوں میں تیسرا حیض جاری ہے۔

یہ بھی لڑکی سے کہا گیا کہ تو نے نکاح کے پہلے خلوت کا ذکر کیوں نہیں کیا تو لڑکی نے جواب دیا کہ مجھ سے کسی نے اس بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔

یہ بھی واضح رہے کہ دوسرا نکاح ہونے کے بعد پہلی ہی رات کو غالباً صحبت کے بعد اول خاوند سے صحبت ہونے کا علم ہو گیا اور اس دوسرے خاوند کو بھی نکاح ہونے میں شک رہا بلکہ بار بار یہ خیال اس کے دل میں آتا رہا کہ نکاح نہیں ہوا لیکن پھر بھی وہ اس وقت تک اس سے صحبت کرتا رہا اور پھر لڑکی سے بھی یہ کہہ دیا کہ نکاح نہیں ہوا۔ البتہ دوسرے لوگوں اور اس کے والدین کو ابھی تک اس کا علم نہیں۔ اب شرعی حکم تبلایا جاوے کہ نکاح ہوا یا نہیں اگر نہیں ہوا تو اب پھر نکاح کر سکتا ہے یا نہیں۔ نیز جبکہ لڑکی کو طلاق کے بعد تیسرا حیض بھی شروع ہو گیا، اب اس حیض کے پورا ہونے کے بعد نکاح کرے یا کیا؟

(نوٹ) زوجین کو اس دیدہ دانستہ جسارت اور احکام شرعیہ کی مخالفت پر سخت تنبیہ کی گئی اور زوجین میں علیحدگی اور توبہ واستغفار کی تاکید کر کے سوال یہ لکھ کر واپس کر دیا کہ توبہ واستغفار کے بعد مکرر سوال کیا جاوے۔ پھر سوال مکرر آیا جس میں زوجین کا علیحدہ ہو جانا ظاہر کیا اس پر زوجین کو آئندہ کے لئے عاجزی کے ساتھ توبہ واستغفار کرتے رہنے کی ترغیب دی گئی اور مندرجہ ذیل جواب دیا گیا۔

الجواب: اب دوبارہ اس زوج ثانی سے نکاح ہو سکتا ہے تیسرے حیض ختم ہونے کے بعد زوج اول کی عدت طلاق گذر چکی ہے اور زوج ثانی سے نکاح ہو سکتا ہے البتہ اگر کوئی اور شخص اس زوج ثانی کے علاوہ اس عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اس سے ابھی نکاح نہیں ہو سکتا بلکہ اس عورت کو زوج ثانی کے جدا کر دینے کے بعد سے تین حیض آنا شرط ہے کما فی الشامی

تحت قول الدر (والمرئی) من الحیض (منھما) وھذا اذا کان بعد التفریق بینھما وبین الواطی الثانی اما اذا حاضت حیضۃ قبلہ فھی من عدۃ الاول خاصۃ وتمامہ فی البحر من الجوھرۃ الی ان قال وفی البحر عن الخانیۃ واذا انمت عدۃ الاول حل للثانی ان یتزوجھا لا لغیرہ مالم تتم عدۃ الثانی بثلاث حیض من التفریق وھکذا فی العالمگیریۃ الا انہ لم یذکر حکم الحیض قبل التفریق، واللہ اعلم بالصواب۔ احقر عبد الکریم عفا عنہ، ۱۶ ربیع ۲ ۳۸ھ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔

اقرار نامہ کے خلاف ورزی کی صورت میں بیوی کے نکاح ثانی کی ایک صورت

سوال (۱۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اپنے خاوند سے ناراض ہوکر اپنے باپ کے گھر چلی گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد شوہر نے رضامندی کے ساتھ حسب ذیل اقرار نامہ تحریر کیا۔ اس میں مبلغ چھ ۶ روپیہ ماہوار دینے قرار پائے۔ جبکہ شوہر نے تقریباً آٹھ ماہ تک کچھ نہیں دیا تو زوجہ نے اس کے بعد اس اقرار نامہ کی رُو سے اپنے آپ کو مطلقہ سمجھ کر شوہر مذکور کی زندگی میں دوسرا نکاح کرلیا اور کئی سال اس کے گھر میں رہی۔ مگر کسی نے زوج سے اس رقم کا مطالبہ بھی نہیں کیا جو اس نے اپنے ذمہ مقرر کرلی تھی لہذا یہ عقد جائز ہوا یا نہیں۔

نقل اقرار نامہ

منکہ حفیظ ولد نبی بخش قوم شیخ ساکن گٹو مکٹیسر کا ہوں۔ جو کہ نان نفقہ کے مبلغ چھ ۶ روپیہ ماہوار دینے قرار پائے اس کے ادا کرنے میں مجھ کو کسی وقت کوئی عذر نہ ہوگا اور مبلغ دو روپیہ ماہوار بچوں کے کپڑوں وغیرہ کے صرف کے واسطے میں نے مقرر کر دئے ہیں۔ جو میں اس اقرار سے کسی قسم کا کوئی عذر کروں تو مع بی بی بچوں کے بالکل قطعی دست بردار ہوں گا۔ لہذا یہ چند کلمے بطریق اقرار نامہ کے لکھ دئے کہ سند ہوں اور بوقت ضرورت کام آویں فقط۔

تنقیح:۔ اقرار نامہ میں جو یہ لکھا ہے کہ "اس کے ادا کرنے میں مجھ کو کسی وقت کوئی عذر نہ ہوگا" اس کے متعلق وہاں کے سمجھدار محاورہ شناس لوگوں سے دریافت کر کے لکھا جاوے کہ وہاں کے لوگ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ میں خود رقم مقررہ دیدیا کروں گا یا یہ مطلب ہے کہ جب مانگا کرے گی جب ادا کرنے میں عذر اور حیلہ بہانہ نکروں گا۔

جواب تنقیح:۔ اس عبارت کا محاورہ میں یہ مطلب ہوتا ہے کہ بلا مطالبہ رقم معینہ ماہوا

ادا کرتا رہوں گا۔

الجواب: اگر جواب تنقیح کے موافق اس عبارت کا یہی مطلب متعین ہو کہ بلا مطالبہ ادا کرتا رہوں گا اور وہاں کے لوگوں کو سُنکر اس کے خلاف کا شبہ نہوتا ہو تو طلاق واقع ہو چکی ہے اور زوج ثانی کا نکاح صحیح ہو گیا بشرطیکہ عدت کے بعد ہوا ہو اور اگر اس عبارت میں یہ شبہ بھی ہوتا ہو کہ مطالبہ کرنے پر رقم معینہ ادا کروں گا تو طلاق واقع نہیں ہوئی اور نکاح باطل ہے کما ھو الظاھر لیکن بہرحال زوج ثانی پر مہر واجب ہے صحت نکاح کی صورت میں تو مہر مقررہ اور فساد نکاح کی صورت میں مہر مثل اور مہر مقررہ دونوں میں سے جو کم ہو وہ واجب ہے کیونکہ ہمبستری کے بعد نکاح فاسد میں بھی مہر واجب ہوتا ہے فی العالمگیریہ (ص ۲۷،۲۰) وان کان قد دخل بھا فلھا الاقل مما سمی لھا ومن مھر مثلھا ان کان ثمہ الخ فقط واللہ اعلم۔ کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ، مورخہ ۲ ربیع الثانی سنہ ۵۱ھ۔ (بر ضمیمہ ص ۴۴)

فصل فی الاولیاء والاکفاء

نابالغہ کا نکاح چچا نے کر دیا اور ماں ناراض ہو الخ

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دختر زید نابالغہ کا اس کا برادر حقیقی عمرو بعد وفات زید بلا رضامندی زید جبراً نکاح اپنے فرزند سے کر دے اس نیت سے کہ دختر مذکور کی والدہ یا اس کا ماموں کہ جو بعد وفات زید اس کے ہر طرح کے خرچ وغیرہا کا کفیل ہو رہا ہے کسی دوسری جگہ کر دیوے درست ہے یا نہیں؟ دختر مذکور مع اپنی والدہ کے جو قصبہ چھپرولی ضلع میرٹھ اپنے ماموں کے یہاں رہتی ہے کسی تقریب میں قصبہ شاملی گئی ہوئی تھی واپسی میں جس وقت گاڑی کیرانہ کے قریب آئی تو عمرو مذکور مع چند مردمان لٹھ بند ہو کر آیا اور لڑکی کو بزور اتار کر اپنے مکان پر لے گیا اور اس کا نکاح اپنے لڑکے سے کر کے دختر مذکور کو چھپرولی اس کی والدہ کے پاس چھپرولی اس کے ماموں کے یہاں پہونچا دیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں۔

الجواب: صورت مذکورہ میں دختر زید نابالغہ کا ولی شرعاً اس کا برادر حقیقی عمرو ہے دختر مذکور کی ماں یا اس کا ماموں ولی نہیں ہے لہٰذا عمرو نے جو نکاح اس دختر کا اپنے بیٹے سے کر دیا ہے وہ صحیح ہے بشرطیکہ نکاح خاندانی مہر پر ہوا ہو اور خاندانی مہر سے بہت زیادہ قلیل مہر پر نکاح نہ کیا ہو۔ قال فی الدر وان کان المزوج غیرھما ای غیر الاب وابیہ لا یصح

النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلاً و ان کان بکفو و بمہر المثل صح ولکن لہما ای الصغیر و الصغیرۃ خیار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہٗ اھ ملخصاً (ص ۵۰۰ و ۵۰۱ ج ۲ مصری) واللہ اعلم ۱۰ ربیع الثانی سنہ ۴۰ھ

اگر ماں باپ کی رضامندی سے نکاح ہو تو لڑکی کو خیار بلوغ نہیں ہے

سوال (۲) اس مسئلہ میں علماء دین کیا فرماتے ہیں جبکہ ایک شخص نے اپنی نابالغ دختر کا نکاح ایک بالغ لڑکے سے کیا اور اس لڑکی کا والد ہمیشہ شراب پیتا تھا نیز اس نے قبل از نکاح شراب پی ہوئی تھی اور بیہوشی کی حالت میں تھا اس نے عین نکاح کے وقت بکواس شروع کر دیا تو اس کے قریبی رشتہ داروں نے اس کو ایک مکان میں بند کر دیا لڑکی کی والدہ اور دادی اس جگہ موجود تھیں ان کی بھی نامرضی تھی مگر بعد کچھ جدوجہد کے مشورہ کر کے لڑکے کی طرف سے ایک اقرار نامہ سرکاری کاغذ پر لکھوایا گیا پیشتر نکاح پڑھنے کے کہ میں اپنی زوجہ کو اپنی تمام زندگی میں وداع کرا کر اپنے گھر نہ لے جاؤں گا ہمیشہ اپنی بود و باش اپنے سسرال کے گھر رکھوں گا اور پانچسو(۵۰۰) روپیہ بابت مہر مؤجل عند الطلب ادا کروں گا نیز اگر میں اپنے شہر سے باہر کسی اور شہر یا ملک میں برائے روزگار چلا جاؤں تو پانچ روپیہ ماہوار خرچ نان پارچہ ادا کرتا رہونگا بعد نشہ اترنے کے اس کاغذ اقرار نامہ سے لڑکی کے والد کی تسلی کر دی گئی اور کاغذ دیدیا گیا یعنی لڑکی کے والد کو، اب اس نکاح کو عرصہ چھ سال کا گذر گیا اور لڑکی اب بالغ ہو گئی ہے اس عرصہ میں اس کا شوہر نہ اپنی زوجہ کو اپنے گھر لے گیا اور نہ بموجب اقرار نامہ اپنی سسرال میں آکر رہا اور نہ کوئی خرچ نان پارچہ ادا کیا اب یہ لڑکی اپنے بالغ ہونے پر بموجب شرع محمدی بذریعہ فقراء امام صاحب اس نکاح کو فسخ کر کے اپنی مرضی سے اور کسی دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب: خیار بلوغ اس وقت ہوتا ہے جبکہ باپ اور دادا کے سوا کوئی اور ولی نکاح نابالغہ کا کرے اور صورت مذکورہ میں یہ نکاح باپ کی اجازت سے ہوا ہے کیونکہ وہ بعد نکاح کے اس پر راضی رہا اس لئے صورت موجودہ میں لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہیں۔ واللہ اعلم۔ ۱۸ رجب سنہ ۴۰ھ

ولی اقرب کے ہوتے ہوئے اگر ولی ابعد نابالغہ کا نکاح پڑھائے اور ولی اقرب سکوت اختیار کرے تو کیا حکم ہے

سوال (۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں:

مسماۃ ہندہ یتیمہ نابالغہ کے دو حقیقی چچا عمرو بکر اور ایک حقیقی چچازاد بھائی زید جو ہندہ کا بہنوئی بھی ہے موجود ہیں زید نے اپنی حقیقی چچیری بہن مسماۃ ہندہ کا اپنی ولایت سے خالد کے ساتھ نکاح پڑھا دیا چونکہ عمرو بکر دونوں چچا اپنی پسند کردہ لڑکوں سے ہندہ کا

نکاح کرنا چاہتے تھے شریک مجلس نکاح نہ ہوئے نہ مجلس نکاح میں نکاح کے وقت خالد کے ساتھ نکاح پڑھانے سے انکار کیا اور نہ ان کے پاس جاکر ہندہ کے نکاح مذکورہ کی اجازت حاصل کی گئی لیکن اب کچھ عرصہ کے بعد یہ کہتے پھرتے ہیں کہ ہندہ کا نکاح ہی نہیں ہوا۔ مندرجہ ذیل سوالات کی ضرورت ہے

(۱) حقیقی چچا کی موجودگی میں حقیقی چچازاد بھائی کی ولایت معتبر ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں، جائز و ناجائز کی وجہ کیا ہے؟

(۳) کیا زید کا حقیقی بہنوئی اور حقیقی چچیرا بھائی ہونا ہندہ کے معاملہ نکاح میں اس کی ولایت کو چچاؤں کی ولایت پر ترجیح دیتا ہے؟

(۴) اگر نکاح جائز ہوگیا تو کیا اب حقیقی چچاؤں کے انکار سے وہ فسخ ہوگیا؟

استفسار از مجیب:۔ (۱) کیا اب بھی ہندہ نابالغ ہی ہے؟ (۲) جب اس نکاح کی خبر عمرو بکر کو پہونچی انہوں نے سکوت کیا یا کچھ کہا اگر کہا تو کیا کہا یا خبر پہونچنے کے وقت سکوت کیا اور پھر کچھ کہا؟

جواب از سائل:۔ (۱) ہندہ اب بھی نابالغ ہی ہے (۲) جب اس نکاح کی خبر عمرو بکر کو پہونچی تو انہوں نے سکوت کیا چنانچہ ہندہ نکاح کے بعد کچھ عرصہ اپنے خاوند کے مکان پر رہ بھی گئی ہے۔ اب اہل محلہ کے کہنے سُننے سے عمرو بکر نے ایسا کہنا شروع کیا۔

الجواب: قال فی الخلاصۃ فی بیان ترتیب الاولیاء ثم العم لاب وام ثم لاب ثم بنوھم علی ھذا الترتیب اھ ص۱۸ ج۲، وفی الدر فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ۔ قال الشامی تقدم ان البالغۃ لو زوجت نفسھا غیر کفو فللولی الاعتراض مالم یرض صریحا او دلالۃ کقبض المھر ونحوہ فلم یجعلوا سکوتہ اجازۃ والظاھر ان سکوتہ ھنا کذلک فلا یکون سکوتہ اجازۃ لنکاح الابعد وان کان حاضرا فی مجلس العقد مالم یرض صریحا او دلالۃ تامل اھ ص۵۱۶ ج۲۔ صورت مسئولہ میں حقیقی چچا کی موجودگی میں حقیقی چچازاد بھائی ولی نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ بہنوئی بھی ہو پس ہندہ کا نکاح چونکہ بلا اجازت ولی اقرب کے ہوا تھا وہ اولاً موقوف تھا اگر ولی اقرب اس کو جائز کر دیتا جائز ہو جاتا اور اس کا سکوت اجازت نہیں اب چونکہ ولی نے اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کردی اور اس سے پہلے کوئی قول و فعل دال بر اجازت اس سے صادر نہیں ہوا بجز سکوت کے اس لئے ہندہ کا نکاح خالد سے باطل ہوگیا، واللہ اعلم۔ ۸ رشعبان سنہ ۴۱ھ۔

احکام کفاءت اور اس بات کا بیان کہ نسب مرد میں معتبر ہے نہ کہ عورت میں

سوال (۲۰۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ (۱) کفاءت نسب شرعاً کن کن امور میں قابل اعتبار ہے؟

(۲) ایک شخص زید نے ایک عورت نومسلمہ سے جس کا باپ مشرک ہے نکاح کیا اس کی اولاد ہوئی وہ اولاد اور ایک شخص والدین کی جانب سے صدیقی ہے ان میں کون ازروئے نسب افضل ہے اور ایک شخص سید ہو کہ جس کی ماں نومسلمہ ہو تو اس کی لڑکی کا کفو عربی النسل غیر قریشی ہو سکتا ہے یا نہیں اور قریشی اس کا کفو ہے یا نہیں؟

(۳) جس جگہ عربی النسل غیر قریشی باعزت سمجھا جاتا ہے اس جگہ وہ شخص کہ جس کی ماں مشرکہ پھر بعد میں مسلمان ہو گئی اور باپ سید ہے باعزت ازروئے نسب ہے یا نہیں؟

(۴) ایک شخص کہ جس کے والدین سید ہیں اور ایک شخص کہ باپ سید ہے وہ اس کا کفو ہو سکتا ہے یا نہیں معہ حوالہ کتب تحریر فرمایا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱) کفائت نسب و اسلام و حریت و دیانت و مال و حرفت میں معتبر ہے۔

(۲) نسب کا اعتبار مرد سے ہوتا ہے نہ کہ عورت سے اگر عورت عجمی ہو اور باپ عربی ہو تو اولاد عربی صاحب نسب ہوگی اور کفاءت میں وہ ان لوگوں کے برابر ہے جن کے ماں باپ دونوں عربی النسل ہیں۔ قال العلامة عبد الحیؒ فی فتاواه ناقلا عن شرح الغرر الولد يتبع الاب فی النسب لانه للتعريف والام لاتشتهر اه ونقل عن البحر حتى لو تزوج هاشمی امة انسان فأتت بولد فهو هاشمی تبعاً لابيه، رقيق تبعاً لامه كما فی فتح القدير۔ وعن حاشية الدر للطحطاوی قوله ولا فی نسب ای لا يتبع امه فی نسب هذا نص صريح فی ان ابن الشريفة ليس بشريف وان كان له شرف، حموی اه ص ۲ج۳۹۳۔ وعن رد المحتار لابن عابدين من كان امها علوية وابوه عجمی يكون العجمی كفوا لها وان كان لها شرف ما لان النسب للأباء ولذا اجاز دفع الزكوٰة اليها۔ فلا يعتبر التفاوت بينهما من جهة شرف الام ولم أر من صرح بهذا والله اعلم اه ص ۲ج۵۲۳۔ وفيه ايضاً الكفاءة معتبرة من جانبه ای الرجل لان الشريفة تالى ان تكون فراشاً للادنی ولذا لا تعتبر من جانبها لان الزوج مستفرش فلا تغيظه دناءة الفراش وهذا عند الكل

فی الصحیح ۱ھ ص ۵۲۰ ج ۲ ۔ پس جس صدیقی کی ماں نومسلمہ ہے وہ اس صدیقی کا کفو ہے جس کے ماں باپ دونوں صدیقی ہیں گو اس کو فی الجملہ ایک شرف حاصل ہے مگر کفارت میں اس کا اعتبار نہیں ۔ اور وہ سید جس کی ماں نومسلمہ ہے نسباً سید ہے اور اس کی اولاد بھی سید ہے لہٰذا اس کی بیٹی کا کفو عربی النسل غیر قریشی نہیں ہو سکتا ۔ ہاں قریشی اس کا کفو ہو سکتا ہے ۔

(۳) بعض مشائخ کے نزدیک حسیب معزز نسیب کا کفو ہے ۔ مگر یہ قول ضعیف ہے صحیح یہ ہے کہ حسیب نسیب کا کفو نہیں قالوا الحسیب کفوء للنسیب حتی ان الفقیہ یکون کفوا للعلویۃ ذکر فی قاضی خان والعتابی فی جوامع الفقہ و فی الینابیع العالم کفو للعربیہ والعلویۃ والاصح انہ لا یکون کفوا للعلویۃ کذا فی غایۃ السروجی اھ (ص ۱۵ ج ۲) عالمگیریہ ۔ پس وہ سیدہ جس کی ماں نومسلمہ ہے اس کا کفو عربی النسل غیر قریشی نہیں ہے گو معزز کیسا ہی ہو ۔

(۴) ہاں کفو ہے ۔ واللہ اعلم ، حرر الاجوبۃ کلہا الاحقر ظفر احمد عفی عنہ بامر سیدہ حکیم الامۃ دام مجدہم ۔

۲۹ ، ذی القعدہ ۱۳۴۱ھ ۔

جس جگہ سیدہ کا نکاح غیر سید کے ساتھ عار سمجھا جاتا ہو وہاں سید اور غیر سید میں کفارت کا نہ ہونا

سوال (۵) جس ملک میں عورت سیدہ کے نکاح کرنے سے ساتھ غیر سید کے اس قدر فتنہ ہوتا ہو کہ ناکح اور اس کے اعوان شہود وغیرہ کو قتل کئے بغیر نہیں چھوڑتے ایسے حالت سے کہ تمام اقوام مسلمانان عورت سیدہ کو مثل ماں بہن پھوپھی وغیرہ محرمات ابدیہ کے خیال کرتے ہیں ابتدا ءِ پیدائش سے تاحال اس جگہ سیدہ کا نکاح کسی غیر شخص سے نہ کیا اور نہ کرنے کا آئندہ ارادہ ، ایسے حالت میں فقریش بعضہم اکفاء بعض پر عمل کر کے فتویٰ جواز نکاح سیدہ با غیر سید دیکر اس کو قتل کرایا جائے یا کہ بنا بر قول محرر بعد عبارت مذکورہ الا ان یکون نسباً مشہوراً کاھل بیت الخلافۃ جس پر علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں حتی لا یکافؤا اھل بیت الخلافۃ غیرھم من القرشیین ھذا ان قصد بہ عدم المکافاۃ لا ان قصد بہ تسکین الفتنۃ اور ایک حدیث کی تحقیق کر کے فرماتے ہیں فیدور الحکم مع العرف حتی یکون الحائک کفواً للعطار بالاسکندریۃ لما ھناک من حسن اعتبارھا وعدم عدھا نقصاً غرض بنا پر عرف الناس کا فتنہ وا ثیار فتنہ عدم جواز کا حکم ہوگا یا نہ ؟ اور پھر اسے باب الکفوء میں فرماتے ہیں وبالجملۃ فللحدیث اصل فاذا ثبت فیمکن تفصیلھا بالنظر الی عرف الناس فیما یحقرونہ

ویعیوبن بہ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ایسے ملک میں سیدہ کا نکاح ساتھ غیر سید کے نہ ہونا چاہئے بینوا توجروا۔

الجواب: قال فی الھدایۃ ولا یعتبر التفاضل فیما بین قریش لما روینا وعن محمدؒ کذلک الا ان یکون نسبا مشھورا کاھل بیت الخلافۃ کانہ قال تعظیما للخلافۃ وتسکینا للفتنۃ اھ قال فی العنایۃ یعنی قال محمد لا یعتبر التفاضل فیما بین قریش الا ان یکون النسب نسبا مشھورا فی الحرمۃ کاھل بیت الخلافۃ فحینئذ یعتبر التفاضل حتی لو تزوجت قرشیۃ من اولاد الخلفاء قرشیا لیس من اولادھم کان للاولیاء حق الاعتراض قال المصنف کانہ یعنی محمدا قال ذلک تعظیما للخلافۃ وتسکینا للفتنۃ لا لانعدام اصل الکفاءۃ اھ وفی فتح القدیر حکی قول الشافعی ان الھاشمی والمطلبی اکفاء دون غیرھم بالنسبۃ الیھم اھ (ص ۱۹ ج ۳)۔ جس ملک میں سیدہ کا نکاح غیر سید قرشی سے کیا جانا موجب عار شدید ہو جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے وہاں قول محمدؒ کے موافق تسکین فتنہ کے لئے یہ فتویٰ دیدینا جائز ہے کہ قرشی غیر سید سیدہ کا کفو نہیں جس کی تائید امام شافعی کے قول سے بھی ہوتی ہے، واللہ اعلم۔ ۵ ذی الحجہ ۴۲ھ۔

دھوکہ سے غیر کفو میں نکاح کا حکم

سوال (۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید جس کا دماغ خراب تھا اور ایک عرصہ تک مجنونانہ حالت میں رہا تھا اور اس کے اقرباء نے ایک شخص مسمی بکر کو دھوکہ دیکر کہ اب اس کی حالت درست ہوگئی ہے زید کا نکاح ہمراہ دختر بکر کرکے پڑھوا دیا نکاح کے وقت لڑکی و لڑکا ہر دو بالغ تھے مجلس نکاح میں ایجاب وقبول زید کے ساتھ ہوا تھا مجلس نکاح میں جس وقت زید کو لایا گیا اس کے چہرہ سے آثار جنون ضرور نمایاں تھے لیکن زید کے اقرباء نے بکر کو لفظوں سے ایسا اطمینان کیا کہ اس نے یعنی بکر نے اپنی دختر کنواری ہندہ بالغہ کا نکاح اپنے ولایت سے پڑھوا دیا لیکن لڑکی سے ایجاب قبول نہیں کرایا اور نہ حسب رواج اس وقت ہندہ کو رخصت کرکے زید کے گھر بھیجا گیا یہ قرار پایا تھا کہ ایک ہفتہ میں انتظام کرکے رخصتی ہوجاوے گی لیکن زید نے ہفتہ بھی نہ ہونے دیا دو تین یوم بعد بلا اطلاع کسی طرف کو چلا گیا جس کو عرصہ تین سال سے زائد ہوگیا ہے مسماۃ ہندہ بدستور اپنے والدین کے گھر میں ہے اور تین سال سے زید کی اطلاع کبھی کہیں کبھی کہیں سے معلوم ہوجاتی ہے کہ فلاں مقام پر دیکھا گیا ہے ایسی حالت میں یہ نکاح جو ایک دھوکہ دیکر کرایا گیا ہے

بروئے شریعت جائز ہے یا ناجائز رہا؟ جو کچھ الفاظ تحریر کئے گئے ہیں سر مو فرق نہیں حلفیہ صدق دل سے بلا رو رعایت بہ خوف خداوند عالم وحضور سرور کائنات تحریر کئے گئے ہیں۔

تنقیح:۔ (۱) لڑکی سے جو ایجاب قبول نکرانا لکھا ہے اس کا کیا مطلب ہے آیا زبان سے نہیں کہلایا یا اذن بھی نہیں لیا اگر اذن لیا گیا تو وہ خاموش ہوئی یا کچھ کہا اور اگر نکاح کے وقت اذن نہیں لیا تو بعد نکاح کے جب اس کو اطلاع ہوئی تو کیا کہا اور اطلاع کس کے ذریعہ سے ہوئی؟

(۲) ایسا ہی سوال شاکر الدین صاحب محلہ انصاریاں نے بھیجا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ اب وہ مجنونانہ حالت میں کبھی کہیں کبھی کہیں دیکھا جاتا ہے اس میں اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا اگر یہ صحیح ہے تو اس حالت کو بیان کرنے والے عادل ہیں یا نہیں؟

(۳) نیز یہ بھی لکھا جاوے کہ زید کا جنون مطبق ہے جو سال بھر یا سال کے اکثر حصہ میں رہتا تھا یا غیر مطبق ہے جو سال کے کم حصہ میں رہتا تھا اور زیادہ حصہ سال کا افاقہ میں گذرتا تھا ان سوالات کا جواب دیا جائے اور جواب کے ساتھ یہ پرچہ ضرور واپس کیا جائے پہلے پرچہ کے واپس نکرنے کی وجہ سے دوبارہ تنقیح کی ضرورت ہوگی۔

جواب تنقیحات:۔ (۱) یہ کہ لڑکی سے نہ اذن لیا گیا نہ ایجاب قبول کرایا گیا بلکہ اس کی بلا رضا والدین نے اس کا نکاح بزعم ولایت پڑھوا دیا بعد نکاح جب اس کو اطلاع نکاح کی ہوئی تو اوس نے ناراضی ظاہر کی اور یہ بھی کہا کہ میرے باپ نے مجکو کیوں ڈبو دیا لیکن شرم و لحاظ کی وجہ سے والدین کے سامنے کچھ کہہ نہیں سکتی۔

(۲) سوال شاکر الدین اسی کے متعلق تھا زید کی مجنونانہ حالت کی خبر اکثر بذریعہ مسلمان و معتبر اشخاص سے معلوم ہوئی ہے جس کو جھوٹ باور کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

(۳) زید کا جنون مطبق ہے سال کا زیادہ حصہ جنون میں گذرتا ہے اور تھوڑا حصہ سکون میں اور جنون کی یہ حالت ہے کہ یا تو ہر وقت بولتا رہتا ہے یا ایسا خاموش ہو جاتا ہے کہ ہفتوں بالکل چپ رہتا ہے لہذا التماس ہے کہ جواب با صواب سے مطلع فرمایا جائے؟

الجواب، واللہ الموفق بالصواب۔ صورت مسئولہ میں ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ بوجہ عدم کفارت کے اور اولیاء زید کے دھوکہ دینے کے صحیح نہیں ہوا قال فی الدر لکن فی النہر عن المرغینانی المجنون لیس بکفوٴ للعاقلۃ اھ قال الشامی نقلا عن النہر لانہ یفوّت مقاصد النکاح فکان اشد من الفقر ودناءۃ الحرفۃ وینبغی اعتمادہ

لان الناس یعیرون بتزویج المجنون اکثر من ذی الحرفة الدنیئة اھ (ص ۵۳۱ ج ۲)
وفیہ ایضاً الکفاءة معتبرة فی ابتداء النکاح للزومه او لصحته من جانبه ای الرجل لان الشریفة تأبی ان تکون فراشاً للدنی اھ قال الشامی معناہ معتبرة فی اللزوم علی الاولیاء حتی ان عند عدمها جاز للولی الفسخ اھ فتح وھذا بناء علی ظاهر الروایة من ان العقد صحیح وللولی اعتراض اما علی روایة الحسن المختارة للفتوی من انه لا یصح معتبرة فی الصحة وکذا لو کانت الزوجة صغیرة والعاقد غیر الاب والجد فقد مران العقد لا یصح اھ (ص ۵۱۹ ج ۲)
وفی الدر ایضاً ویفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان فلا تحل مطلقة ثلاثا نکحت غیر کفوء بلا رضی ولی بعد معرفته ایاہ فلیحفظ اھ قال الشامی قال شمس الائمة وھذا اقرب الی الاحتیاط کذا فی تصحیح العلامة قاسم لانه لیس کل ولی یحسن المرافعة والخصومة ولا کل قاض یعدل ولو احسن الولی وعدل القاضی فقد یترك انفة للتردد علی ابواب الحکام واستثقالا لنفس الخصومات فیتقرر الضرر فکان منعه دفعاً له فتح قال وقوله نکحت نعت لمطلقة وقوله بلا رضی متعلق بنکحت وقوله بعد ظرف للرضی والضمیر فی معرفته للولی وفی ایاہ لغیر الکفوء وقوله بلا رضی نفی منصب علی المقید الذی هو رضی الولی والقید الذی هو بعد معرفته ایاہ ۔ فیصدق [1]بنفی الرضی بعد المعرفة و[2]بعدمها و[3]بوجود الرضی مع عدم المعرفة فی ھذہ الصور الثلاثة لا تحل وانما تحل فی الصورة الرابعة وھی رضی الولی بغیر الکفوء مع علمه بانه کذلك اھ ح (ص ۴۸۷ ج ۲)
قلت والمسئلة وان کانت مفروضة فیما اذا نکحت المرأة عاقدةً بنفسها ولکن لا فرق بین مباشرة الولی العقد وکونه عاقداً وبین مباشرة المرأة برضی الولی وکونها عاقدةً فکما لم یصح النکاح فی الثانی بدون معرفة الولی بالکفاءة فکذا اذا باشر الولی بنفسه العقد ولم یعلم بها ودعوی الفرق بینهما لا یتاتی الا بالفارق المعتبر فان الولی فی نکاح البالغة لیس الا سفیراً محضاً وانما یشترط وجودہ حال عدم الکفاءة

لحصول اذنه ورضاه نقط ومباشرته العقد ومباشرة المرأة له برضاه في ذلك سواء فكان حكمهما واحداً انما ذكر في بعض العبارات الفقهية ان الولي لو زوجها برضاها ولم يعلم بعدم الكفاءة ثم علم لا خيار لأحد الا اذا شرط الكفاءة او اخبروا بها وقت العقد فتزوجها على ذلك ثم ظهر انه غير كفوء كان له الخيار" ولوالجية" المشعر بصحة النكاح وثبوت الخيار للولي مبني على ظاهر الرواية دون رواية الحسن المختارة للفتوى.

خلاصہ یہ ہے کہ درمختار میں جو بالغہ مطلقہ ثلثہ کے نکاح کو غیر کفوٴ کے ساتھ بلا رضائے ولی کے ناجائز کہا ہے شامی نے اس کی چار صورتیں کی ہیں (۱) ولی کو اس شخص کا غیر کفو ہونا معلوم ہو اور ولی راضی نہ ہو (۲) ولی راضی بھی نہیں اور اس کو عدم کفارت کا علم بھی نہیں (۳) ولی راضی ہے مگر عدم کفائت کا اس کو علم نہیں۔ ان تین صورتوں میں روایت حسنؒ پر نکاح صحیح نہیں ہوتا صرف ایک صورت میں جائز ہے کہ ولی کو عدم کفائت کا علم ہو اور اس پر وہ راضی ہو، میں کہتا ہوں کہ عورت کا خود بذاتہا نکاح کرنا اور ولی کا عدم کا کفائت ناواقف ہو کر اس عقد پر راضی ہونا اور ولی کا عاقد نکاح ہونا اور عدم کفارت سے ناواقف ہو کر راضی ہونا ان دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ اس لئے جب کفارت میں دھوکہ دیا جائے گا تو جو حکم خود عورت کے نکاح کرنے کا ہے وہی حکم ولی کے نکاح کرنے کا ہونا چاہئے اور جیسا کہ شق اوّل میں رضا ولی مع عدم معرفتہ بالکفارت صحت نکاح کو کافی نہیں ایسا ہی ولی کے عاقد ہونے میں بھی اس کی رضا مع عدم المعرفۃ کافی نہیں۔

وایضاً فان المرأة في صورة السوال بالغة وليس للولي ولاية الاجبار عليها بل يجب لصحة النكاح اذنها صراحةً في غير الكفوء ويكفي سكوتها رضاً في الكفوء وههنا لم يوجد منها ما يدل على رضاها واذنها بل اظهرت عدم الرضا لما بلغها الخبر فلم يصح النكاح لهذا الوجه ايضاً قال في الدر ولا تجبر البالغة البكر على النكاح فان استأذنها هو اي الولي وهو السنة او وكيله او رسوله او زوجها وليها واخبرها رسولها او فضولي عدل فسكتت او ضحكت غير مستهزئة او بكت بلا صوت فلو بصوت لم يكن اذنا فهو اذن اه قال الشامي واختلف فيما اذا زوجها غير كفوء فبلغها فسكتت فقالا لا يكون رضا وقيل في قول ابي حنيفة يكون رضاً ان كان المزوج ابا او جدا وان كان غيرهما فلا كما في الخانية اخذاً من

مسألة الصغيرة المزوجة من غير كفؤ اھ قال فی النهر وجزم فی الدرایة بالاول بلفظ قالوا اھ (ص ۹ ۲۷ ج ۲) قلت وظاهرہ کون المسئلة اتفاقیة ومن ذکر فیه خلاف ابی حنیفة لیس عندہ روایة عنه وانما اخذہ من مسئلة الصغیرۃ ولذا ذکرہ الشامی بلفظ قیل الدال علی تضعیفه، واللہ اعلم۔

پس ہندہ صورت مسئولہ میں بدون طلاق وعدت کے کسی اپنے ہم کفؤ سے دوسرا نکاح کر سکتی ہے کیونکہ زید سے اس کا نکاح صحیح ہی نہیں ہوا اس لئے کہ ولی کو خود کفاءت کا یعنی زید کے عاقل ہونے کا علم نہ تھا اور اُس کو دھوکہ دیا گیا اور لڑکی نے بھی یعنی ہندہ نے خبر نکاح سُنکر صراحۃً اجازت نہیں دی حالانکہ اس صورت میں صریح اذن کی ضرورت تھی محض سکوت کافی نہ تھا، واللہ اعلم۔

۶ صفر ۴۵ھ۔

مسلمان کنندہ کے ولایت سے نابالغ نومسلمہ کے نکاح کا حکم

سوال (۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ:-

مسماۃ عیدیا جس کی عمر اس وقت میں ۱۱ سال کی ہے چمار کی لڑکی تھی۔ اس کی ماں مسماۃ جھنکو لیا نے بلا معاوضہ مسماۃ نصیباً کو (جو پیشتر قوم کی ڈھیمر تھی اور قریب ۱۵ سال ہوئے کہ مسلمان ہو گئی تھی) جبکہ مسماۃ عیدیا ۴ ماہ کی تھی نصیباً کو دے دیا مسماۃ نصیباً نے ۴ ماہ کی عمر مسماۃ عیدیا لڑکی کو مسلمان کرایا اب مسماۃ عیدیا ۱۱ سال کی ہے ۹ سال کی عمر میں نکاح برضامندی اپنے شوہر مسمی کریم کی اجازت سے زید کے نکاح میں دے دی گئی تو ایسی حالت میں نکاح جائز ہے یا نہیں یا پھر دوبارہ مسلمان ہو کر نکاح ہونا چاہیئے؟ بینوا توجروا۔

تنقیح:- (۱) یہ نکاح مسماۃ عیدیا کے مسلمان ہونے کے بعد ہوا یا مسلمان ہونے سے پہلے؟

(۲) اس وقت مسماۃ عیدیا بالغ تھی یا نابالغ؟ کیونکہ بعض لڑکیاں نو (۹) سال کی عمر میں بھی بالغ ہو جاتی ہیں جس کی علامت حیض کا آنا ہے۔

(۳) اگر مسماۃ عیدیا نکاح کے وقت بالغ تھی تو اس نے اپنی زبان سے نکاح کی اجازت دی تھی یا نہیں؟ ان تنقیحات کے جواب کے بعد حکم نکاح بتلایا جائے گا اور طلاق کا حکم بھی صحت نکاح پر موقوف ہے اس کا حکم بھی بعد جواب تنقیحات بتلایا جائے گا جواب کے ساتھ یہ دونوں پرچے بھی بجنسہ واپس ہوں فقط۔

۳۰ محرم ۴۵ھ۔

جواب تنقیحات: (۱) مسماۃ عیدیا ۴ ماہ کی عمر میں مسلمان ہوئی تھی۔ اور اسی مسلمانی کی حالت میں جب عمر ۹ سال ہوئی تو نکاح کیا گیا۔

(۲) مسماۃ عیدیا اُس وقت میں نابالغ تھی۔ کوئی علامت سنِ بلوغ کی نہیں تھی (یعنی نکاح کے وقت وہ بالغ نہ تھی۔

(۳) مسماۃ عیدیا اس وقت میں یعنی نکاح کے وقت نابالغ تھی۔ اگر بالغ ہوتی تو اجازت دیتی۔ نابالغی کی صورت میں تعلقات زوجین اور زناشوئی کے معاملات سے قطعاً ناواقف تھی۔ اجازت دینا کیا۔

الجواب: مسماۃ عیدیا کا نکاح جو بحالت نابالغی مسمیٰ زید سے ہوا تھا وہ نکاح شرعاً درست نہیں ہوا کیونکہ اس وقت مسماۃ عیدیا نابالغ تھی اور مسماۃ نصیباً یا اس کا شوہر کریم بخش شرعاً اُس کے ولی نہیں تھے تو یہ نکاح صغیرہ بدون ولی ہوا۔ اور نکاح صغیرہ بدون ولی کے باطل ہے لہٰذا یہ نکاح باطل ہوا اور جب تک مسماۃ عیدیا بالغ نہو جائے اُس وقت تک اُس کا نکاح کسی کی ولایت سے نہیں ہو سکتا الا بولایۃ القاضی وانی ھو فی بلادنا قال فی الدر لا ینعقد للملتقط علیہ نکاح وبیع وکذا اجارۃ فی الاصح لان الولایۃ علیہ فی مالہ ونفسہ للسلطان لحدیث "السلطان ولی من لا ولی لہ" اھ قال الشامی قولہ ولا ینفذ علیہ نکاح لانہ یعتمد الولایۃ من القرابۃ والملک والسلطنۃ ولا وجود لواحد منھا نھر (ص ۲۹۰ ج ۳) بعد بلوغ کے مسماۃ عیدیا کی صریح رضا و صریح اجازت سے اس کا نکاح دوبارہ کیا جائے خواہ مسمیٰ زید ہی سے یا جس کے ساتھ مسماۃ مذکورہ راضی ہو اور بلوغ کے بعد بھی اس کا سکوت قبل نکاح اذن نہ ہوگا، واللہ اعلم۔ ۷ صفر ۴۵ھ۔

چودہ سال کی عمر میں لڑکی کا دعوی بلوغ اور باپ کا غیر کفو میں بلا اجازت اس کے نکاح کی ایک صورت کا حکم

سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کے فریب میں آکر اپنی لڑکی ہندہ (چہار دہ سالہ) کا نکاح بکر کے لڑکے عمر کے ساتھ ہونا منظور کیا اور بکر نے فوراً اپنے ہی مکان پر زید کی موجودگی میں نکاح براہ چالاکی کر دیا۔ زید کی لڑکی کو قطعی خبر نہیں وہ اپنے میکہ میں یعنی دوسرے گاؤں میں تھی ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ کا دن گذر شب میں یہ واقعہ ہوا ۱۲ ر کی صبح کو جب زید اپنے مکان پر واپس گیا تو لڑکی کو اس نکاح سے منکر اور غیر رضامند پایا اور اپنے جملہ اہل قرابت کے سامنے ہدف ملامت ہوا کیونکہ بوجوہات مختلف یہ نکاح ناموزوں اور زید کو دھوکہ میں لاکر ہوا تھا زید

الگ پشیمان ہندہ علیحدہ نالاں اس سال میں ۱۲ ر تاریخ کا دن گذر گیا ۱۳ ر تاریخ کو بکر کے گاؤں کا ایک شخص مل گیا جس سے بکر کے پاس زید کی جانب پر یہ پیام بھیجا گیا کہ ہندہ کو اس نکاح سے جس میں اس کے باپ زید کو مغالطہ دیکر رضا حاصل کی گئی سخت اختلاف اور قطعی انکار ہے اور وہ اس غم میں بیہوش ہے لہذا بکر اس نکاح کو فسخ و باطل متصور کر کے زید اور ہندہ کی جان چھوڑ دے کوئی فتنہ قایم نہ کرے بکر اور اس کا لڑکا اس نکاح کو جائز اور اٹل ہونے کے بیان کے ساتھ مصر ہے کہ ہندہ کی شادی اب دوسری نہیں ہوسکتی ازدواج مکر شرعًا اور قانونًا نادرست ہے۔ ہندہ نے نکاح کی خبر پانے کے چودھویں یا پندرھویں روز اپنی جانب سے ایک نوٹس بنام بکر وابن بکر بذریعہ ڈاک بھیجا کہ باپ ہمارا کم عقل ہے، تم لوگوں کے فریب میں آگیا میں شرعًا بالغہ ہوں (لڑکی کی عمر نکاح کے روز تک پورے ۱۴ سال کی تھی) اس لئے بذریعہ نوٹس ہٰذا نکاح کی منظوری سے قطعی انکار کرتی ہوں آئندہ اس کا خیال ہرگز نہ کیا جائے پس بلحاظ حالات مذکورہ نکاح مذکورہ جائز ہے یا ناجائز اور ہندہ اپنا نکاح اپنی رضا سے کسی دوسرے شخص سے شرعًا کر سکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

تنقیح:۔ ہندہ کی عمر جب نکاح کے وقت پوری چودہ ۱۴ سال کی تھی اور اس حالت میں وہ دعوئی بلوغ کا کرتی تھی تو اس سے دریافت کیا جائے کہ اس وقت اس میں کونسی علامت بلوغ کی پائی گئی تھی اور یہ سوال اس طرح کیا جائے کہ کوئی عورت اس کو جواب سمجھانے نہ پائے۔

(۲) کیا ہندہ نے اس نکاح کی خبر سنکر اسی مجلس میں نکاح سے انکار کیا جس مجلس میں اس کو خبر پہونچی تھی یا اس مجلس میں سکوت کیا اور دوسری مجلس میں انکار کیا صاف لکھا جائے۔

(۳) بکر نے زید کو کیا فریب دیا اس فریب کی تشریح کی جائے اور زید بکر کے فریب میں کیوں آیا اس کو بھی واضح کیا جائے اس کے بعد جواب دیا جائے گا یہ پرچہ بھی جواب تنقیح کے ساتھ واپس ہو فقط۔ ۲۸ ربیع الاول ۳۵ھ۔

جواب تنقیح:۔ عرض یہ ہے کہ لڑکی کے باپ نے کنبہ کی دو خاص عورتوں کو لڑکی کے پاس بھیجکر دریافت کیا کہ نکاح کے روز تک کن علامات کی بنا پر اس نے اپنے کو بالغ سمجھا لڑکی نے جواب دیا کہ جو علامات بلوغ دنیا میں مسلمہ ہیں مجھ میں موجود تھیں چونکہ باپ بھی قریب سامنے موجود تھا لڑکی نے کہا کہ آپ کیوں نہیں لکھ دیتے کہ (لڑکی بلاشبہ بظہور علامات بلوغ بالغہ تھی) اس سے زیادہ کن لفظوں میں میں کہوں۔ کیا شرم وحیا کوئی چیز نہیں۔ عورتوں نے باپ کی ملامت کی اور کہا کہ بات تو صاف ہوگئی اب کیا صراحت چاہتے ہو وہ خاموش ہو گیا۔

(۲) نکاح کی خبر اندازاً آدھی رات کے وقت جب لڑکی کو ملی تو اس نے اظہار نفرت اور الفاظ انکار رونے اور بین کے ساتھ ظاہر کئے اور فرط غم میں بیہوش ہو گئی لڑکی کی ماں لڑکی کی ہمخیال اور گھر میں شریک حال تھی اس بنا پر اسی مجلس میں انکار سمجھنا چاہیئے۔

(۳) بکر نے زید کو یہ فریب دیا کہ کفو اور طبقہ بندی اور رسم و رواج کے لحاظ سے وہ زید کے خاندان میں نہ کبھی شادی کر سکتا تھا نہ بحالت اعلان شادی اب بھی ممکن تھی زید کے کنبہ کے لوگ بکر کے خاندانی حالت کو مختلف اعتبارات سے بہتر نہیں سمجھتے علاوہ ازیں بکر از قوم ملک و زید از قوم شیخ فاروقی ہے دونوں میں باعتبار مختلف فرق امتیازی ہے بکر نے زید کو فریب اور مغالطہ دیکر یوں ہاں کہلوالیا اگر یہ طریقہ مغالطہ آمیز بکر نہ اختیار کرتا تو بالاعلان مناکحت ناممکن تھی اور زید کے بھائی بند اہل کنبہ و زید کی بیوی و لڑکی کبھی اس عقد ناموزوں کو نہ گوارا کرتے نہ کیا۔ زید بکر کے فریب میں یوں آیا کہ اس کے دروازہ پر لڑکا پڑھانے کے سلسلہ میں مقیم تھا اور بوجہ غربت یہ کام اختیار کیا تھا اور چونکہ قدرۃً و خلقۃً زید نہایت کم عقل اور سادہ لوح ہے اس وجہ سے فریب میں آگیا۔ تنقیحوں کے جوابات بالتفصیل لکھ دیئے گئے اب جواب باصواب سے ممنون فرمایا جائے فقط والسلام۔

الجواب: قال فی الدر: وادنی مدۃ له اثنتا عشرۃ سنة ولها تسع سنين هو المختار كما هو فی احكام الصغار فان راهقا بان بلغا هذا السن فقالا بلغنا صدقا ان لم يكذبهما الظاهر كذا قيده فی العمادية وغيرها فبعد ثنتی عشرۃ سنة يشترط شرط اخر لصحة اقراره بالبلوغ وهو ان يكون بحال يحتلم مثله والا لا يقبل قوله شرح وهبانية وهما حينئذ كبالغ حكما فلا يقبل جحوده البلوغ بعد اقراره وفی الشرنبلالية يقبل قول المراهقين قد بلغنا مع تفسير كل بماذا بلغ بلا يمين اه قال الشامی وفی الشرنبلالية وعبارتها يعنی وقد فسر اما به علما بلوغهما وليس عليهما يمين اه قال ابو السعود والظاهر ان هذا هو المراد مما نقله الحموی عن شرح درر البحار من انه يشترط لقبول قولهما ان يبينا كيفية المراهقة حين السؤال عنه اه (ص ۱۴۸ ج ۵) وفی تنقيح الحامدية قال شيخ الاسلام وهذا من باب الاحتياط (ای مطالبة التفسير عنهما) وانما يقبل قوله بغير هذا التفسير وكذا الجارية اذا اقرت بالحيض اقول المشهور فی كتب المذهب صحة الاقرار بالبلوغ من الغلام بعد اثنتی عشرۃ

سنۃً ومن الجارية بعد تسع سنين وقول شيخ الاسلام ان هذا الاستفسار من باب الاحتياط يفيد انه فعله القاضی فهوالاولیٰ ثم قال بعد ذکر عبارۃ الحموی عن درر البحار وفی المنح عن الخانیۃ صبی اقرّ انه بالغ وقاسم وصی المیۃ قال ابن الفضل ان کان مراهقاً ويحتلم مثله يقبل قوله وان کان مراهقاً ويعلم ان مثله لا يحتلم لا تجوز قسمته ولا يقبل قوله لانه يكذب ظاهراً وتبين بهذا ان بعد اثنی عشرۃ سنۃً اذا کان بحال لا يحتلم مثله اذا اقرّ بالبلوغ لا يقبل اھ (ص ۱۵۰ ج ۲) قلت واطلاق المتون يدل علی قبول قول المراهقين بدون التفسير اذا کانوا بحال يحتلم او تحيض مثلهم فليعول عليه۔

صورت مسئولہ میں اگر یہ لڑکی جسم اور اٹھان میں ایسی ہو کہ عادۃً ایسی لڑکی کو حیض آسکتا ہو اُس کا دعویٰ بلوغ قبول کیا جائے گا اور جب وہ ایسی ہو تو اس کا نکاح مذکور کو سنتے ہی رد کرنا اس نکاح کے لئے مبطل ہوگا اور اگر وہ اٹھان میں ایسی نہ ہو کہ اُسے حیض آسکے تو سوال دوبارہ کیا جائے فقط۔ ۳۰ ربیع الثانی ۴۵ھ۔

حکم تولیت نکاح یتیمہ **سوال** (۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمیٰ زید فوت ہوگیا اس نے ایک بنت صغیرہ مسماۃ کریمہ زوجہ مسماۃ ہندہ اور اُم مسمات زینب چھوڑی اور اپنے حیات میں ایک ذی علم متدین شخص وصی مقرر کیا اور صغیرہ مسماۃ کریمہ کی تزویج کو بھی اپنے وصی کے حوالے کردیا اب سوء اتفاق سے زندگی زوجہ ہندہ کو ایک شخص مفلس قلاش بغرض طمع اس کے جائداد کے بدراہ کرکے اس کو اس پر آمادہ کیا ہے کہ اپنا نکاح اس سے اور صغیرہ کریمہ کا نکاح اس کے بیٹے سے کردے لیکن صغیرہ کریمہ کی جدۂ صحیحہ مسماۃ زینب کو اس امر سے سخت صدمہ اور الم اور اضطراب ہوتا ہے اور صغیرہ کو بھی تمام ضرر اور نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے پس اس صورت میں جب وصی کو ولایت نکاح نہیں اور متون عند عدم العصبات اُم کو اُم الاب پر مقدم لکھتے ہیں لیکن صاحب درالمختار نے ولی کی تعریف میں مالم یکن متهتکا کا قید بھی لگایا ہے اور مسماۃ ہندہ بلاشک فاسقہ متهتکہ ہے پس اگر مصلحت وضرورۃ وتحققاً من الضرر التام للیتیمہ جدۂ صحیحہ مسماۃ زینب یتیمہ کریمہ کا نکاح کسی اہل علم متدین مالدار سے کردے تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا مہربانی فرماکر جواب شافی مدلل عنایت فرمادیں جو مسئلہ واقعی اور ضروری ہے۔

الجواب: قال فی الدر فان لم یکن عصبة فالولایة للام ثم لام الاب وفی القنیة عکسه اھ قال الشامی ای حیث قال فیہا ام الاب اولیٰ فی التزویج من الام قال فی النہر وحکی عن خواہر زادہ وعمر النسفی تقدیم الاخت علی الام لانہا من قوم الاب ای فیکون من اعتبر ترجیح قوم الاب یرجح الجدۃ للاب والاخت علی الام لکن المتون علی ذکر الام عقب العصبات اھ (ص ۵۱۲ ج ۲)

قال فی الدر ایا اوجد الم یعرف منہما سوء الاختیار مجانة وفسقا وان عرف لم یصح النکاح اتفاقاً اھ قال الشامی: والحاصل ان المانع ھو کون الاب مشہوراً بسوء الاختیار قبل العقد فاذا لم یکن مشہوراً بذلک ثم زوج بنتہ من فاسق صح وان تحقق بذلک انہ سیئ الاختیار واشتہر بہ عند الناس فان زوج بنتا اخری من فاسق لم یصح العقد الثانی لانہ کان مشہوراً بسوء الاختیار قبلہ بخلاف العقد الاول لعدم وجود المانع قبلہ اھ (ص ۴۹۹ ج ۲) قلت فعلی ھذا لا یمکن سلب الولایة عن الام بمجرد تہتکہا نعم لو افتی مفتٍ فی مثل تلک الحالة بتقدیم ام الاب علی الام فلا افتاء بذلک مجال لذہاب بعض المشائخ الی تقدیم قوم الاب علی الام فلینظر، واللہ اعلم۔

صورت مسئولہ میں اگر جدہ صحیحہ یتیمہ مذکورہ کا نکاح بدون اجازت اُمّ کر دے اور اس کے مصالح دینیہ و دنیویہ کی پوری طرح رعایت کرے تو جدہ صحیحہ کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوگا اور اگر بحالت عدم بلوغ نکاح کیا جائے تو لحاظ کفو اور مہر مثل ضروری ہے غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم میں نکاح نہ کیا جاوے، واللہ اعلم۔ ۲۶ جمادی الاولیٰ ۴۳ھ۔

گونگے نے اشارہ سے اذن دیکر نابالغہ لڑکی کی شادی کرادی تو نکاح صحیح ولازم ہو جائے گا

سوال (۱۰) گونگے نے اپنی نابالغہ لڑکی کی اشارہ سے اذن دیکر شادی کرادی بعد بلوغ لڑکی اس نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر وہ اشارہ ولایت میں کافی تھا تو وہ نکاح لازم ہوگیا بعد بلوغ فسخ نہیں کر سکتی۔

فی الاشباہ والنظائر (ص ۳۶۲) الاشارۃ من الاخرس معتبرۃ قائمة مقام

العادۃ فی کل شیئ الی ان قال الافی الحدود الخ وفیہ ایضاً ولابد فی اشارۃ الاخرس ان تکون معہودۃ والا لا تعتبر فقط۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔

صورت ولایت نکاح وجائداد نابالغان

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ محمودہ نے انتقال کیا اور حمیدہ، سعیدہ اور صالحہ تین لڑکیاں نابالغان اور مسماۃ واحدہ ماں اور زید باپ کو وارث شرعی چھوڑا۔ حمیدہ، سعیدہ اور صالحہ نابالغان کے نکاح کے ولی ان کے حقیقی چچا کے لڑکے ہیں اور نابالغان کے پرورش کا حق شرعاً مسماۃ واحدہ کو ہے جو کہ نابالغان کی نانی ہے مسئلہ جواب طلب یہ ہے کہ نابالغان حمیدہ، سعیدہ اور صالحہ کے مال واسباب وجائداد کی ولایت کس کو حاصل ہے آیا نانی جائداد وغیرہ کا انتظام کرکے اور تحصیل وصول کراکے نابالغان کی پرورش کرے یا وہ لوگ جائداد کا انتظام کریں جو کہ نکاح کے ولی ہیں اس مسئلہ میں سخت اختلاف واقع ہو رہا ہے جس سے نابالغان کو نقصان پہونچنے کا خطرہ ہے لہٰذا مفصل اور مدلل جواب تحریر فرماکر عنداللہ ماجور ہوں اور جو کچھ تحریر فرماویں اس کی دلیل شرعی بھی تحریر فرماویں ورنہ یتیموں اور نابالغوں کو نقصان پہونچے گا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب: ولایت مال یعنی تصرف وحفظ کی اصل میں باپ کے لئے ہے وہ نہ ہو تو اس کا وصی وہ نہ ہو تو دادا اور دادا کے بعد دادا کا وصی ولایت مال کا مستحق ہے ان چاروں میں سے اگر کوئی موجود ہو تو مال پر کسی قسم کی ولایت دوسرے شخص کو حاصل نہیں ہوتی لیکن جب یہ چاروں نہوں تو پھر جس کو پرورش کا حق ہے اس کو حفظ مال کی ولایت حاصل ہوتی ہے نہ ولایت تصرف یعنی جس کو ولایت حفظ حاصل ہے وہ بلاضرورت مال یتیم میں تصرف نہیں کرسکتا نہ بلاضرورت کوئی شے خریدنا جائز ہے نہ کسی شے کا فروخت کرنا جائز ہے بلکہ فقط ضرورت کی وجہ سے خرید وفروخت جائز ہے مثلاً کھانا کپڑا وغیرہ خریدنا جائز ہے اور اسی طرح نفقہ وغیرہ کی ضرورت سے کسی شے کا فروخت کرنا بھی جائز ہے البتہ جائداد غیر منقولہ کو کسی حال میں فروخت کرنے کی اجازت نہیں فی کتاب الھبۃ للھدایۃ (واذا وھب للیتیم ھبۃ فقبضھا ولیہ وھو وصی الاب او جدّ الیتیم او وصیّہ جاز) لان لھؤلاء ولایۃ علیہ لقیامھم مقام الاب (وان کان فی حجر امہ فقبضھا لہ جائز) لان لھا الولایۃ فیما یرجع الی حفظہ وحفظ مالہ وھذا من

بابه لانه لا یبقی الا بالمال فلا بد من ولایته التحصیل وقال صاحب الکفایة تحت (قوله لان لهؤلاء الخ) وفی الایضاح ولا یجوز قبض غیر هؤلاء الاربعة ازاد بتلک الاربعة الاب ووصیه والجد اب الاب ووصیه مع وجود واحد منهم سواء کان الصبی فی عیال القابض اولم یکن وسواء کان ذا رحم محرم منه او اجنبیا لانه لیست لهؤلاء ولایة التصرف فی المال فقیام ولایة من یملک التصرف فی المال یمنع ثبوت حق القبض له ثم قال وان لم یکن احد من هؤلاء الاربعة جاز قبض من کان الصبی فی حجره وعیاله ولم یجز قبض من لم یکن فی عیاله لانه اذا کان فی عیاله فله علیه ضرب ولایة الخ (فتح القدیر ج۷ ص۴۹۴) وفی الهدایة ونوع آخر ما کان من ضرورة حال الصغار وهو شراء ما لا بد للصغیر منه وبیعه واجارة الاظآر وذلک جائز ممن یعوله وینفق علیه کالاخ والعم والام والملتقط اذا کان فی حجرهم واذا ملک هذا النوع فالولی اولی به الا انه لا یشترط فی الولی ان یکون الصبی فی حجره (هدایة اخیرین ص۴۶۰ متفرقات کتاب الکراهیة) وفی الفتاوی الحامدیة (ص۲۹۶ ج۲) ثم ان ما مر ان عائل الیتیم یملک بیع ما لا بد منه خاص بغیر العقار من نحو المنقولات اما العقار فلیس له بیعه ولو مع وجود المسوغات لما فی الدر المختار حیث قال وهذا ای بیع العقار للمسوغ لو البائع وصیا لا من قبل ام او اخ فانهما لا یملکان بیع العقار مطلقا ولا شراء غیر طعام وکسوة الخ تأمل اھ وقال صاحب البدائع فی تعلیل هذه المسئلة لان الوصی خلف الموصی قائم مقامه فلا یثبت له الا قدر ما کان للموصی وهو قضاء الدین والحفظ الخ (بدائع جلد ۵ ص۱۵۵) جب معلوم ہو گیا کہ اولیاء اربعہ کے بعد ولایت مال اس کو پہنچتی ہے جس کو حق حضانت حاصل ہو اور یہ ظاہر ہے کہ صورت مسئولہ میں حق حضانت نانی کو حاصل ہے پس ولایت حفظ مال بھی نانی کو حاصل ہے،

واللہ اعلم - احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۴ شوال ۴۳ھ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ - ۱۵ شوال ۴۳ھ۔

کفارت کا اعتبار مرد کی جانب سے ہے | **سوال** (۱۲) معروض آنکہ زید نے اپنی بی بی ہندہ کو طلاق

مغلظہ دیدی پھر زید نے ہندہ کو بعد طلاق مغلظہ رکھ لیا اب وہ دونوں رہنے لگے بعدہٗ چند اولاد پیدا ہوئیں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں زینب و بتول جب دونوں لڑکیاں بالغ ہوئیں تو زید نے ان دونوں کی شادی کردیا زینب کے ایک لڑکا پیدا ہوا اس کے بعد اس کا شوہر انتقال کر گیا۔ اب عمرو ایک ایسا شخص جس کی خاندان ایسے فعل شنیع اور ایسی نفسانیت سے بالکل پاک ہے بلکہ پُشتہا پُشت سے اس کی خاندان میں سُنا جاتا ہے کہ بہت ہی لوگ سلیم الطبع و دیندار تھے وہ زینب مذکورہ سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کا نکاح اس سے بکراہت ہوگا یا بلا کسی کراہت کے؟ اور جو اولاد اس سے پیدا ہوگی اس کے نسب میں نقصان رہے گا یا نہیں اور آئندہ نسل خراب ہونے کا ڈر ہے یا نہیں؟

الجواب: فی العالمگیریۃ (ص۱۵ ج۲) الکفاءۃ معتبرۃ فی الرجال للنساء للزوم النکاح کذا فی محیط السرخسی ولا تعتبر فی جانب النساء للرجال کذا فی البدائع فاذا تزوجت رجلاً خیراً منها فلیس للولی (ای لولی الرجل) ان یفرق بینهما فان الولی لا یتعیر بان یکون تحت الرجل من لا یکافئہ کذا فی شرح المبسوط للامام السرخسی اھ وفی الدر المختار (لا تعتبر من جانبها) لان الزوج مستفرش فلا تغیظہ دناءۃ الفراش وھذا عند الکل فی الصحیح کما فی الخبازیۃ (شامی ص ۵۲۰ ج۲) وفی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ (ص۱۲ ج۱) وجزم بعدم حصولہ علی احکام القرشیین لتصریح الفقہاء بان الولد یتبع اباہ بیقین الخ ان عبارتوں سے معلوم ہوگیا کہ اگر کم درجہ کی عورت سے نکاح کرلیا جاوے تو یہ موجب عار نہیں اور نہ اس سے نسب میں کچھ فرق آوے گا کیونکہ نسب باپ سے ثابت ہوتا ہے، واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ ۸ جمادی الثانیہ ۴۴ھ۔

البتہ اس صورت میں جو اولاد پیدا ہوگی وہ نجیب الطرفین نہ ہوگی اس سے نسب میں تو فرق نہ ہوگا البتہ عمدگی نسب کی کم ہوجائے گی۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔

بالغہ حرہ کا نکاح بلا اجازت اس کے باپ نے کردیا الخ

سوال (۱۳) علماء دین و مفتیان شرع متین اس باب میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک لڑکی بالغہ کے نکاح کے وقت اس کے والد نے نہ تو اس کو مطلع کیا اور نہ اس سے اجازت چاہی بغیر اس کی اطلاع کے اس کا عقد کردیا بعد عقد ہوجانے کے لڑکی بہت روئی اور بوقت رخصت بھی بہت روئی اور اس کے شوہر نے اس پر ہر قسم کا ظلم و تعدی کرنے میں کوئی کمی نہیں کی اور اس لڑکی کو اپنی جان تلف ہوجانے کا اندیشہ قوی ہے اور اب وہ اپنے

والد کے گھر ہے شوہر کے گھر جانے سے انکار کرتی ہے لہٰذا گذارش ہے کہ کوئی صورت عندالشرع اس کی خلاصی کی ہوسکتی ہے یا نہیں اور اگر ہوسکتی ہے تو وہ کیا صورت ہوسکتی ہے اور عقد مذکور صورت مذکورہ میں جائز ہوا یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا۔

الجواب: فی الشامی (ص ۴۹۰ ج ۲) وصرح بہ ایضاً فی الذخیرۃ حیث قال بعد حکایۃ الروایتین وبعضھم قالوا ان کان مع الصیاح والصوت فھو رد والا فھو رضی وھو الاوجہ وعلیہ الفتوی اھ اس سے معلوم ہوا کہ اس لڑکی کا رونا اگر ناراض ہو کر اور رد کرنے کے واسطے آواز کے ساتھ چلا کر تھا تو نکاح صحیح نہیں ہوا البتہ یہ ضروری ہے کہ یہ رونا نکاح کی اطلاع ہوتے ہی پایا گیا ہو اگر نکاح کی خبر پاکر ذرا بھی اپنے اختیار سے خاموش رہی تو نکاح صحیح ہوگیا اور اس کے بعد رد نے سے نکاح میں فرق نہ آئے گا فی الدر (فسکتت) عن ردہ مختارۃ قال الشامی اما لو اخذھا عطاس او سعال حین اخبرت فلما ذھب قالت لا ارضی او اخذ فمھا ثم ترک فقالت ذلک صح ردھا لان سکوتھا کان عن اضطرار اھ بحر (ص ۴۹۰ ج ۲) اور جس صورت میں نکاح صحیح ہوگیا ہے اس صورت میں علاوہ طلاق کے کوئی صورت علیحدگی کی نہیں۔ احقر عبدالکریم ۲۷ رجب سنہ ۴۴ھ۔

الجواب صحیح۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۹ رجب سنہ ۴۴ھ۔

ماموں اور خالو نے بالغہ کا نکاح بلا اس کی رضامندی کے کر دیا تو نکاح منعقد ہوجائیگا یا نہیں

سوال (۱۴) عرض خدمت میں یہ ہے کہ ایک لڑکی کے ماں باپ فوت ہوگئے تھے اس وقت وہ لڑکی تقریباً چودہ سال کی عمر تھی جس وقت اس لڑکی کے ماں باپ فوت ہوئے لیکن اس لڑکی کے ماں باپ نے اپنی زندگی میں رشتہ سگائی کر دی بعد فوت ہونے ماں باپ کے وہ لڑکی اپنے ماموں خالو کے یہاں اسی موضع میں آگئی تھی جس موضع میں اس کے ماں باپ نے رشتہ سگائی کر دی تھی وہاں وہ آکر کچھ عرصہ کے بعد ایک اپنے ہمجولی برادری کے لڑکے کے اوپر عاشق ہوگئی پس جس پر وہ لڑکی عاشق ہوئی اسی سے اپنا نکاح چاہتی تھی اس کے ماموں خالہ نے جس وقت یہ بات سنی ایک اور دوسری جگہ اس لڑکی کا نکاح کر دیا براہ زبردستی کے وہ لڑکی وہاں دس یا بیس روز رہ کر چلی آئی اسی گانوں میں جس میں اس کے ماموں خالہ رہتے تھے وہاں آکر بعد ایک مہینہ کے اس لڑکے کو کہیں لیکر چلی گئی جس پر وہ عاشق تھی لہٰذا حضور اب وہ طلاق نہیں دیتے ہیں جس کے ساتھ میں اس لڑکی کا نکاح ہوا تھا اور نہ وہ اس کو اپنی زوجیت میں لیتے ہیں پس حضور سے ہم لوگ امیدوار ہیں کہ اس لڑکی کا نکاح اس

لڑکے کے ساتھ (یعنی معشوق کے) درست ہوسکتا ہے یا نہیں اور وہ لوگ طلاق تمام عمر نہیں دیتے ہیں عار دنیا کے سبب سے۔

تنقیح : (۱) نکاح کے وقت لڑکی نے زبان سے اجازت دی تھی یا صاف انکار کیا تھا یا خاموش رہی تھی صاف صاف لکھیں۔

(۲) نکاح کے بعد خاوند کو ہمبستری کا موقع دیا تھا یا نہیں ان دونوں نمبروں کا جواب آنے پر مسئلہ تبلایا جاوے گا اور یہ دونوں پرچے بھی ساتھ بھیجیں اور کسی صاف لکھنے والے سے لکھوا کر بھیجیں۔

جواب تنقیح : جس وقت وہ لڑکی لڑکے کے ساتھ گئی ۲۴ھ میں لڑکی کی عمر اس وقت بیس ۲۰ سال کی ہوگئی تھی اور اس لڑکے کے ساتھ میں گئے ہوئے عرصہ دو سال کا ہوگیا پس اب عمر لڑکی کی بائیس ۲۲ سال ہوگئی ہے جس وقت وہ لڑکی ماموں اور خالو کے یہاں آئی اس وقت اس کی عمر چودہ سال کی تھی اور نکاح جس وقت اس کے ماموں اور خالو نے اس کی بلا مرضی کے دوسری جگہ کیا اور اس وقت بھی عمر لڑکی کی بیس سال کی ہوگئی تھی اور اس نکاح پر رضامند نہیں تھی ہم نے خوب اچھی طرح سے حال دریافت کیا ہے ان لوگوں سے جو اس وقت نکاح کے وقت موجود تھے ان لوگوں نے یہ بات کہی ہے کہ ہمارے سامنے نکاح لڑکی کا ہوا ہے مکان چوپال میں اور مکان زنانے میں نکاح نہیں ہوا ہے بوجہ اس کے کہ وہ لڑکی مسماۃ مقصودن صاف انکار کردے گی کیونکہ اس لڑکی کی رضامندی تو اسی لڑکے سے ہے جس پر وہ ہمیشہ سے رضامند ہے لہذا حضور کو معلوم ہو کہ اس لڑکی کے ماموں اور خالو نے نکاح چوپال میں اس واسطے کیا تا کہ ہماری حماقت ان دس آدمیوں میں انکاری ہونے سے نہ ہوئے یہ کام نکاح کا پس پردہ ہوجاوے ایسا ہی ہوا نکاح ہونے کے بعد وقت دس ۱۰ بجے رات کے اس لڑکی کا ماموں بنام میر جہت و خالو ولی محمد اور عمر انمبر داران ان تینوں آدمیوں نے اپنی ایک رائے ملا کر اس لڑکی کے پاس گئے اور اس کا انگوٹھہ جبراً ایک کتاب پر لگائے گئے وہ لڑکی تمام رات سوچتی رہی انگوٹھہ لگانے کے بارے میں کہ میرا انگوٹھہ جبراً لگائے گئے بعد اس بات کے اگلے روز لڑکی کو وہاں بھیج دی ڈولے میں بٹھا کر جہاں کی وہ بارات آئی تھی وہاں جاکر وہ لڑکے کو لیکر چلی گئی جس پر وہ عاشق تھی عرصہ دو سال ہوگئے ہیں علاوہ اس کے ہم نے اور عورتوں کے ہاتھ دریافت کیا ہمبستری کا تو ان عورتوں نے بھی یہی کہا کہ ہمبستری اس لڑکے کے ساتھ نہیں ہوئی جس کے ساتھ نکاح چوپال میں ہوا اور وہ عورتیں تینوں اس لڑکی مقصوداً کی ہمجولی اور

ہم دردی اور سہیلی تھی اور اس لڑکے کی ماں اور بہن سے بھی یہ ہی حال معلوم ہوا کہ ہمارے لڑکے کے ساتھ وہ لڑکی ہمبستر نہیں ہوئی اور مسماۃ مقصودًا کا بھی یہی بیان ہے کہ نہ میں نے اجازت نکاح کی دی اور نہ کسی نے مجھ سے پوچھا بوجہ اس کے کہ وہ خود ہی جانتے تھے کہ اگر ہم پوچھیں گے تو صاف انکار کردے گی پس اگر وہ مجھ سے پوچھتے بھی تو میں صاف انکار کر دیتی کیونکہ میں رضامند نہ تھی اور نہ میں وہاں جاکر اس لڑکے سے ہمبستر ہوئی۔ پس حضور کو معلوم ہوئے کہ ہم نے سب حال اچھی طرح دریافت کرکے تحریر کردیا ہے آپ مسئلہ نکاح کا تحریر کرکے روانہ فرمادیں۔

الجواب: واللہ الموفق للصواب۔ قال فی الدر فان استاذنہا غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرۃ لسکوتہا بل لابد من القول کالثیب البالغۃ او ما ہو فی معناہ من فعل یدل علی الرضاء کطلب مہرہا ونفقتہا وتمکینہا من الوطی ودخولہ بہا برضاہا ظہیریۃ وقبول التہنئۃ والضحک سرورًا ونحو ذلک بخلاف خدمتہ او قبول ہدیتہ اھ قال الشامی عن المحیط والظہیریۃ ولو اکلت من طعامہ او خدمتہ کما کانت فلیس برضًا دلالۃً اھ وفیہ ایضا قبیلہ باسطر عن الخانیۃ الولی اذا زوج الثیب فرضیت بقلبہا ولم تظہر الرضا بلسانہا کان لہا ان ترد لان المعتبر فیہا الرضا باللسان او الفعل الذی یدل علی الرضاء نحو التمکین من الوطی وطلب المہر وقبول المہر دون قبول الہدیۃ وکذا فی حق الغلام (۲۹۴ ج ۲)۔

سائل نے جو صورت واقعہ بیان کی ہے کہ مسماۃ مقصودن کی عمر نکاح کے وقت بیس سال کے قریب تھی اور اس کا نکاح ماموں اور خالو نے بدون اس سے پوچھے کردیا اس سے اجازت نہیں لی اور وہ جانتے تھے کہ مسماۃ کی رضا اس جگہ نکاح کی نہیں ہے تو یہ نکاح فضولی کا عقد ہوا جس کی صحت اس پر موقوف تھی کہ مسماۃ کی طرف سے یا تو صراحۃً رضامندی کے الفاظ بعد علم نکاح کے پائے جاتے یا کوئی ایسا فعل پایا جاتا جس سے رضا پر دلالت ہوتی۔ صورت واقعہ سے معلوم ہوا کہ مسماۃ نے خبر نکاح سنکر رضا ظاہر نہیں کی اور نہ وہ خوشی سے بارات کے ساتھ گئی بلکہ ماموں و خالو کے جبر سے گئی اور نہ وہاں جاکر ناکح سے ہمبستر ہوئی نہ اس کو اس کا موقعہ دیا اور وہاں سے آکر اپنی ناراضی کا صاف اظہار کیا تو اگر یہ سب بیانات صحیح اور واقعہ کے مطابق ہیں تو جزئیات مذکورہ کی بنا پر یہ نکاح صحیح نہیں ہوا بلکہ جب مسماۃ نے اس سے ناراضی ظاہر کی اسی وقت کالعدم ہوگیا اور اب مسماۃ مقصودن

جہاں چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۲ رجب ۴۵ھ۔

باپ کا لڑکی کے نکاح پر روپیہ طلب کرنا اس کی رضامندی کی دلیل ہے یا باپ کی صریح رضامندی اسکے بعد بھی ضروری ہے

سوال (۱۵) ہندہ نابالغہ کا باپ جیل خانہ میں تھا ہندہ کے برادر کلاں بالغ نے زید سے ہندہ کا نکاح کردینے کی بات چیت درست کی رخصتی کے روز باپ بھی آگیا اور کہا کہ اگر زید مجھ کو ننھ۳ روپیہ دیوے تو میں نکاح کر دینے میں راضی ہوں۔ پس زید نے روپیہ دیدیا اور وہ راضی ہوگیا اور اُس کی رضا پر برادر کلاں زید کے مکان میں ڈولی لے جاکر نکاح کر دیا ہندہ ایک ماہ تک زید کے پاس رہی باپ اور برادر وغیرہ خویش و اقارب چند بار آئے گئے بعد ایک ماہ کے بوجہ لالچ دنیوی کے ہندہ کو باپ نے اپنے گھر بٹھا رکھا اور کہا کہ میں تو زید کے ہمراہ نکاح کر دینے پر راضی نہ تھا میرے بیٹے نے نکاح دیا ہے پھر وہ لڑکی بکر کو دیدی، اس کے بعد ایک عالم کو ثالث مقرر کیا اس نے دعوی الرجلین علی امرأۃ واحدۃ کا لحاظ کر کے دونوں زوج اور ہندہ کا باپ اور ہندہ کا وکیل اس کا برادر کلاں وغیرہ کے سامنے بڑی مجلس میں موافق طریقہ شرعیہ دعویٰ سُنا زید کی طرف سے نصاب شہود عدول مُسلّم جرح موثر سے پایا گیا کہ باپ ننھ۳ روپیہ ہمارے سامنے لیکر راضی ہوا اور بیٹے نے موافق مرضی باپ کے جاکر نکاح کر دیا۔ قاضی صاحب نے وکیل مسماۃ اور زوج ثانی اور باپ کو کہا کہ گواہوں کو قسم دیتے ہو سب نے کہا کہ ہم نے اس کی بات پر اعتبار کر لیا ہم ان کو قسم نہیں دیتے پس قاضی نے بحضور وکیل ہندہ اور زوج ثانی و والد ہندہ و جلسہ عظیمہ حکم دیدیا کہ زید کا نکاح درست ہے اور بکر کا باطل ہے بعدہٗ مسمات کے وکیل اور والد زوج ثانی نے کہا کہ ہم ننھ۸ روپیہ دیتے ہیں اور خلع ہو جانا چاہئے اور خلع کا معنی ابھی سُنایا گیا کہ خلع طلاق بائن ہوتی ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ یہ شہادت باخذ دراہم واسطے راضی ہونے کے اور شہرت اس رضامندی کی عام و خاص پر اور عدم اعتراض باپ کا بوقت رخصتی کے اور ایک ماہ تک کمال اختلاط و انبساط اور بغیر قسم کے گواہی کی تصدیق اور التماس خلع بمعنی طلاق بائن نہ بمعنی طلاق مطلق صلح قاطع نزاع۔ آیا یہ کل امر مثبت رضاء والد ہندہ کے اور موجب صحت نکاح زید کے ہیں یا نہیں بصورت وجود و عدم عبارت کتاب و فصل و باب ضرور قلمبند فرماویں جزاک اللہ تعالیٰ خیر الجزاء فقط۔

الجواب: قال فی الدر ولہ ای للولی اذا کان عصبۃً الاعتراض فی غیر الکفوء مالم یسکت حتی تلد منہ اھ قال الشامی زاد لفظ یسکت للاشارۃ الی ان سکوتہ قبل الولادۃ لا یکون رضاً وان ھذہ لیست من المسائل التی نزل

فیہا السکوت منزلۃ القول اھ (۲۲۲۸۶ ج ۲) ثم قال فی الدر فرضا البعض من الاولیاء قبل العقد او بعدہٗ کالکل الیٰ ان قال وقبضہ ای المھر ونحوہ مما یدل علی الرضا دلالۃً اھ قال الشامی قولہ قبل العقد وبعدہٗ فیہ ان الرضا قبل العقد یصح علیٰ کل من الاول والثانی (ای النکاح بالکفوٴ وبغیر الکفوٴ) اھ وقولہ ونحوہ بالرفع عطفاً علیٰ قبضہٗ ای ونحو قبض المھر کقبض النفقۃ او المخاصمۃ فی احدھما وان لم یقبض وکالتجہیز ونحوہ فتح اھ (ص ۲۲۴۸۸ ج ۲)

صورت مسئولہ میں ہندہ نابالغہ کے باپ کا یہ قول کہ زید مجھ کو ۳۰ روپیہ دیدے تو میں نکاح کردینے پر راضی ہوں اس کی رضا پر دلالۃً دال ہے جبکہ اس کو ۳۰ روپیہ دیدیا گیا گو ان روپوں کا لینا اس کو جائز نہ تھا اگر بطور مہر معجل کے نہوں پھر روپیہ لینے کے بعد اس کے صریح الفاظ کی ضرورت نہیں بلکہ یہ دلالت بھی کافی ہے جیسا کہ عبارت مذکورہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ قبض مہر و قبض نفقہ و تجہیز و مخاصمہ فی المہر والنفقہ بھی بمنزلہ قول رضا کے ہے اور چونکہ آج کل ہندوستان میں جاہل لوگوں میں لڑکی پر کچھ رقم لینے کا رواج ہو رہا ہے تو اس رقم کا مانگنا اور اس پر رضا کو معلق کرنا اور بعد میں اس رقم پر قبضہ کرلینا بھی قرائن رضا سے ہے پس زید کا نکاح صحیح ہو گیا اور بکر کا باطل ہو گیا باقی انبساط آمد و رفت قائم مقام قول رضا کے نہیں ایسے ہی بکر اور والد ہندہ کا یہ کہنا کہ خلع ہو جانا چاہئے یہ بھی اقرار بالنکاح نہیں قال فی الدر وقولہ لعبدہ طلقہا رجعیۃ اجازۃ للنکاح الموقوف لا طلقہا او فارقہا لانہ یستعمل للمتارکۃ اھ قال الشامی ای قولہ طلقہا او فارقہا لانہ یستعمل للمتارکۃ فیکون رداً ویحتمل الاجازۃ فحمل علی الرد لانہ ادنی لان الدفع اسہل من الرفع اھ (ص ۲۲۶۱۳ ج ۲) قلت وایضاً فطلبہ الخلع یحتمل الصلح فی الصورۃ المسئولۃ فلا یکون اقراراً بصحۃ النکاح، واللہ اعلم۔ ۲۲ ذیقعدہ ۴۵ھ۔

قاضی نابالغ لڑکے اور لڑکی کا ایجاب و قبول کرالے اور ولی حاضر نہ ہو تو نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں

سوال (۱۶۱) اگر ولی تصریحاً نہ اجازت دے نہ وقت نکاح کے حاضر رہے خصوص لڑکی کا ولی مگر اور سامان دونوں طرف کے ولی سب کریں مثلاً نسبت ٹھیک کرنا فرش فروش چھوہارہ وغیرہ لوگوں کا بلانا اور اسی قبیل کے تمام کام کریں لیکن قاضی صرف نابالغ لڑکی و لڑکے سے ایجاب و قبول

کراوے تو ایسی صورت میں نکاح ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب؛ اگر قاضی کو لڑکی کے یا لڑکے کے ولی نے بلایا ہے کہ تم آکر میری لڑکی یا لڑکے کا نکاح کردو تب تو اس کی طرف سے قاضی وکیل ہو گیا صرف دوسرے ولی کی طرف سے اجازت کی ضرورت رہی۔ اگر دوسرے ولی نے عقد کے بعد اجازت صراحۃً دیدی یا کوئی فعل ایسا کیا جو اجازت پر دلالت کرے مثلاً لڑکی کے ولی نے جہیز وغیرہ دیا اور لڑکے کے ولی نے جہیز پر قبضہ کیا تو اب دوسرے کی طرف سے بھی اجازت پائی گئی اور نکاح صحیح ہو گیا اور جو افعال سوال میں مذکور ہیں وہ اجازت کے لئے کافی نہیں کیونکہ وہ عقد کے پہلے کے افعال ہیں نہ بعد کے۔ اور اگر قاضی کو لڑکی اور لڑکے کے ولی میں سے کسی نے نہیں بلایا بلکہ وہ خود ہی خبر نکاح سُنکر آگیا یا کسی اور شخص کے بلانے پر آگیا اور بدون اجازت احد الولیین کے اس نے نکاح پڑھا تو یہ نکاح موقوف رہا جو بعد اجازت اولیاء طرفین کے نافذ ہوگا۔ اور اگر ان اولیاء میں سے کسی نے اس نکاح کو صراحۃً یا دلالۃً نافذ نہ کیا تو یہ نکاح موقوف ہی رہے گا جس کو صغیرین بعد بلوغ کے نافذ کر سکتے ہیں، بشرطیکہ نکاح کے وقت دونوں عاقل تمیز دار ہوں کہ نکاح کے معنی کو سمجھتے ہوں اور اگر وہ نکاح کو سمجھتے بھی نہوں تو نکاح باطل ہے۔ قال فی الدر وقبضہ ای الولی المھر ونحوہ مما یدل علی الرضا رضاءً دلالۃً اھ قال الشامی کقبض النفقۃ او المخاصمۃ فی احدھما وان لم یقبض وکالتجھیز ونحوہ اھ (ص ۴۸۸ ج ۲) وفیہ ایضاً صغیرۃ زوجت نفسھا ولا ولی ولا حاکم ثمہ توقف وصح باجازتھا بعد بلوغھا لان لہ مُجیزاً وھو السلطان اھ قال الشامی والصغیر کالصغیرۃ اھ وقال ایضاً قولہ صغیرۃ زوجت نفسھا ای من کفوء بمھر المثل والا لم یتوقف لان الحاکم لایملک العقد علیھا بذلک فلا یملک اجازتہ فکان عقد بلا مجیز نعم لو کان لھا اب اوجد وزوجت نفسھا کذلک توقف لان لہ مجیزاً وقت العقد لان الاب والجد یملکان العقد بذلک اھ (ص ۵۱۵ ج ۲) وفی الخلاصۃ عن الاجناس کل عقد لہ مجیز حال وقوعہ یقف علی الاجازۃ ومالا مجیز لہ حال وقوعہ لایتوقف اھ (ص ۱۷ ج ۲)۔ ۸ رمحرم سنہ ۴۶ھ۔

ماں کی ولایت سے نابالغ کے نکاح کی ایک صورت

سوال (۱۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا اور اس کے ساتھ ایک

لڑکا تھا اب اس لڑکے کی شادی اس شخص نے گانوں میں کردی لڑکا نابالغ تھا اور لڑکی بالغ تھی جس عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا وہ عورت اس کے یہاں سے چلی گئی اب وہ لڑکا اور لڑکے کی بہو رہ گئی اب اس شخص نے اپنے سوتیلے لڑکے کی منکوحہ بہو کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے وہ جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: جب تک یہ لڑکا بالغ نہو اور بالغ ہوکر اس عورت کو طلاق نہ دے اور طلاق کی عدت نگذر جائے اس وقت تک اس عورت سے کسی کا نکاح درست نہیں کیونکہ اس لڑکے کا نکاح اس لڑکی سے درست ہوگیا ہے گو یہ سوتیلا باپ اس کا ولی نہیں مگر لڑکے کی ماں اس کی ولی تھی اور ظاہر یہ ہے کہ ماں کے علاوہ اس کا کوئی ولی نہیں اور یہ نکاح ماں کی رائے ورضا سے ہوا ہے لیکن اگر ماں کی رائے اور رضا سے نہیں ہوا تو سوال دوبارہ کیا جائے اور یہ بھی بتلایا جائے کہ اس لڑکے کا کوئی ولی ماں کے علاوہ ہے یا نہیں اور ماں نے یا اس ولی نے اس نکاح کی خبر سُنکر نکاح کو منظور کیا یا اس پر ناراضی وانکار کا اظہار کیا فقط - ۱۸ رجب ۴۶ھ

ماموں نے نابالغ بھائی کی موجودگی میں نابالغہ کا نکاح کردیا الخ

سوال (۱۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمیان زید وہندہ کو جبکہ ان دونوں کے والدین کا وفات ہوگیا بوجہ نابالغی بغرض پرورش مسمیٰ بکر جو ان دونوں یعنی زید وہندہ کا ماموں ہے اپنے مکان پر لے گیا اور اپنے لڑکے کے مسمیٰ بقریدو سے ہندہ کا بغیر اجازت زید نکاح کردیا حالانکہ زید وہندہ اب تک نکاح مذکور پر راضی نہیں ہیں اور اب ہندہ تقریباً ماہ دوماہ سے بالغہ ہے اور عرصہ آٹھ مہینہ سے اپنے بھائی مسمیٰ زید کے یہاں چلی آئی ہے تو صورت مذکورہ میں ہندہ کا نکاح بقریدو سے از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مذکورہ میں چونکہ ہندہ قبل بلوغ وبعد بلوغ اپنے ماموں کے نکاح سے کارھتی تھی لہٰذا نکاح مذکور صحیح نہیں ہوا مطابق حدیث لانکاح الا بولی کے ولی کا ہونا ضروری ہے اس لئے نکاح صحیح نہیں ہوا ہندہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد عبداللہ مدرس مدرسہ فیض عام - ۳۰ جمادی الاولیٰ ۴۶ھ -

احمد عفی عنہ مدرس فیض عام - ۳۰ ج ا ۴۶ھ -

ماموں بھی ولی ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے اس کی تحقیق کی ہے اور اس اعتبار سے نکاح ہوجائے گا مگر بلوغ اور علم بالنکاح کے بعد خیار فسخ حاصل رہتا ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک ماموں ولی نہیں اور امام ابو یوسف صاحب کی اشہر الروایتین یہی ہے دیکھو ہدایہ اور حسن بن زیاد نے بھی

امام صاحب سے بھی روایت کیا ہے اور الولایۃ الی العصبات بھی اسی کی موید ہے اور خیار فسخ کی تاثیر کے لئے قضا کی شرط ہے جو آجکل قریباً اس دیار میں متعذر الحصول ہے اس لئے اگر کوئی حنفی امام صاحب علیہ الرحمۃ کی دوسری روایت پر فتویٰ دے اور سرے سے نکاح کے انعقاد ہی کا انکار کرے تو اس ہیچمدان کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے بہتر ہوگا کہ اس مسئلہ کی تحقیق حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ العالی سے کرلی جاوے۔ ناچیز عبد اللطیف نعمانی مدرس دار العلوم مئو اعظم گڈھ۔

الجواب من تھانہ بھون:

صورت مسئولہ میں چونکہ یہ نکاح بولایت ولی صحیح منعقد ہو چکا ہے بشرطیکہ کفو سے مہر مثل پر ہوا ہو اسلئے اگر ہندہ اس کو بعد بلوغ کے فسخ کرنا چاہے تو قاضی اسلام کے یہاں مرافعہ کرے اور اگر قاضی اسلام میسر نہیں تو صبر کرے یا کسی طرح خاوند کو خلع پر راضی کرے بہرحال بدون قضاء قاضی یا طلاق زوج کے یہ نکاح فسخ نہیں ہو سکتا اور بدون اس کے ہندہ کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔

پہلا جواب کسی غیر مقلد کا معلوم ہوتا ہے وہ بالکل غلط ہے کیونکہ حدیث لانکاح الا بولی سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بدون ولی کے نکاح نہیں لیکن اس کے کیا معنیٰ ہیں آیا یہ کہ باطل ہے یا مناسب نہیں دونوں احتمال ہیں انہوں نے بدون حدیث کے ایک احتمال کو ترجیح کیونکر دی اور اگر ایما امرأۃ نکحت نفسها بدون اذن ولیها فنکاحها باطل پیش کریں تو اس کی صحت ثابت کریں اور تصحیح حدیث میں کسی محدث کی تقلید نہ کریں ورنہ فہم حدیث میں فقہاء کی تقلید سے کیوں عار ہے۔ دوسرے اگر اس کو بھی تسلیم کرلیا جائے تو وہ حدیث سے یہ ثابت کریں کہ خال ولی نہیں اگر حدیث الولایۃ الی العصبات پیش کریں تو اس کی صحت بدون تقلید محدثین کے ثابت کریں۔ پھر حدیث ہی سے عصبات کے ایسے معنیٰ ثابت کریں جو خال پر صادق نہ آتے ہوں۔ نیز یہ بھی بتلائیں کہ اس حدیث میں تو صرف اتنا ہے کہ عصبات کو ولایت حاصل ہوتی ہے یہ کہاں ہے کہ غیر عصبات کو کسی وقت بھی ولایت حاصل نہیں ہوتی حدیث میں کوئی لفظ نفی کا نہیں ہے اگر ان امور کو حدیث ہی سے حل نہ کر سکیں تو اہل حدیث ہونے کا اور حدیث سے فتویٰ دینے کا دعوی نہ کریں۔

مجیب ثانی حنفی معلوم ہوتا ہے مگر ان کو امام صاحب کی دوسری روایت ضعیفہ پر فتویٰ

دینے کا خیال ہو رہا ہے۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ ایسے مسائل تو اجتہادات میں بہت کم نکلیں گے جن میں اختلاف علماء یا اختلاف روایات ہو دیکھنا یہ ہے کہ اختلاف کے وقت قوت کس کو ہے قول ضعیف پر فتویٰ جائز نہیں سو ظاہر ہے کہ امام صاحبؒ سے جو روایت اہل متون نے نقل کی ہے اور متون ہی نقل مذہب کے لئے موضوع ہیں وہ یہی ہے کہ عدم عصبات کے وقت ماں کو اور ذوی الارحام کو ولایت تزویج حاصل ہے اور دلیل سے بھی قوت اسی کو ہے اور امام ابو یوسف بھی امام ابو حنیفہ ہی کے ساتھ ہیں ھذا ھو الاصح الارجح کما صرح بہ فی فتح القدیر وبسط الکلام فی الدلالة ص ۱۸۲ ج ۳ وفی رد المحتار ص ۵۱۴ ج ۲ باب الولی، واللہ اعلم - ۱۰ رمضان ۴۶ھ۔

گونگی بہری لڑکی جس کا کوئی ولی نہو اس کا نکاح کس طرح کیا جائے

سوال (۱۹) علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک عورت ہے نہ اس کو سنتا ہے اور نہ کچھ وہ زبان سے کہہ سکتی ہے اور عمر اس کی ۲۱ سال کی ہے اور اشارہ بھی کچھ نہیں سمجھتی مگر کھانے اور پینے کا اور پاخانے اور پیشاب کی جس وقت ضرورت ہوتی ہے خود کہہ دیتی ہے اور نہ اس کے کوئی ولی ہے اب اس کا نکاح کس صورت سے کرنا چاہئے۔ فقط والسلام۔

الجواب: یہ نہیں ہو سکتا کہ اس لڑکی کا عصبہ کوئی نہ ہو ہاں یہ ممکن ہے کہ عصبہ قریب نہ ہو لیکن عصبہ بعید ضرور ہو گا۔ اگر یہ لڑکی شیخزادی ہے تو سارے شیخ زادے اس کے عصبہ ہیں ان میں جو زیادہ دور نہ ہو وہ اس کا ولی ہو گا مثلاً جو شیخ زادہ اس کی بستی میں ہے وہ دوسری بستی کے شیخ زادے سے مقدم ہے اور اگر شیخ زادی نہیں بلکہ مغل پٹھان یا جلاہی وغیرہ ہے تب بھی اتنی بات معلوم ہو سکتی ہے کہ اس لڑکی کے باپ کی رشتہ داری کن کن مواضع میں تھی انہی مواضع میں اس کے باپ کی رشتہ داری میں جو شخص سب سے زیادہ قریب ہو گا وہی اس کا عصبہ اور ولی ہو گا، ولی کی اجازت سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے، واللہ اعلم - ۷ رمضان ۴۶ھ -

اَب وجَدّ کے کئے ہوئے نکاح میں صغیر وصغیرہ کو خیار بلوغ حاصل نہ ہونے کی دلیل

سوال (۲۰) سید سلیمان ندوی نے حنفیہ کے خلاف یہ لکھا ہے کہ اَب وجَدّ اگر صغیر وصغیرہ کا نکاح کر دیں تو انہیں خیار بلوغ حاصل ہونا چاہئے کیونکہ خیار نہ ہونے پر حدیث سے ثبوت نہیں۔ بلکہ حدیث میں یہ ہے کہ جن عورتوں نے آکر دربار رسالت میں باپ کے نکاح پر ناگواری ظاہر کی حضورؐ نے بلا اس کے دریافت فرمائے کہ تم بوقت نکاح نابالغ تھیں یا بالغ نکاح فسخ کر دیا جس سے معلوم ہوا کہ تزویج اَب کے بعد حق فسخ رہتا ہے۔

مبسوط، بدائع، بذل وغیرہ میں حضرت عائشہؓ کے واقعہ نکاح سے ثبوت دیا ہے مگر حدیث میں خیار نہ دینے کا ذکر ہے نہیں اور عدم ذکر سے استدلال کیسے ہو سکتا ہے۔ انت ومالك لأبيك سے بھی استدلال بظاہر نہیں ہوتا۔ آپ کی تزویج کے بعد صغیرہ بکر کو خیار بلوغ نہ ہونے پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے مگر ثبوت نہیں ملتا حضرت کچھ ارشاد فرماویں کہ ثبوت کہاں سے ہوا۔

الجواب: اس مسئلہ کی دلیل اجماع امت کافی ہے۔ آپ کی تزویج کے بعد صغیرہ بکر کو خیار بلوغ نہ ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ اور اجماع خبر واحد سے اقویٰ ہے۔ فلا حاجة إلى الاستدلال بالاخبار وايضا فالاستدلال بنكاح عائشةؓ تام فقد ثبت انه صلى الله عليه وسلم خير بريرة حين عتقت وقال لبنت حمزة حين زوجها وهي صغيرة لها الخيار اذا بلغت فلو كان الخيار ثابتا للصغيرة اذا زوجها ابوها لصرح النبي صلى الله عليه وسلم حين تزوج عائشة بان لها الخيار اذا بلغت والسكوت في موضع البيان بيان فثبت ان لا خيار للصغيرة والحال هذه وايضا فقوله تعالى وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ اطلق للاولياء انكاح موليتهم التي لا زوج لها وهذا هو معنى الايم لغة واطلاق ذلك لهم يقتضي تمام العقد بانكاحهم وثبوت الخيار بعد تمام العقد خلاف القياس فيقتصر على مورده وقد خير صلى الله عليه وسلم الثيب والبكر البالغة ولم يخير الصغيرة الا اذا زوجها غير الاب كما ورد انه زوج امامة بنت حمزة وقال لها الخيار اذا بلغت (فتح القدير ص ۱۷۵ ج ۳) ولم يثبت انه خير صغيرة زوجها ابوها فلا خيار لها، والله تعالى اعلم۔ ۱۵ صفر ۳۴۷ھ۔

(**تتمہ**) وفي الجوهر النقي قال ابن المنذر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ولا تنكح البكر حتى تستأذن وهو قول عام وكل من عقد على خلاف ما شرع رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو باطل لانه الحجة على الخلق وليس لاحد ان يستثني من السنة الا سنة مثلها فلما ثبت ان ابا بكر الصديق زوج عائشة من النبي صلى الله عليه وسلم وهي صغيرة لا امر لها في نفسها كان ذلك مستثنى منه انتهى كلامه (ص ۷۶، ج ۷) وهذا صريح في ثبوت نفي الخيار لعائشة

اما نقلاً وابن المنذر حجۃ فی النقل واما لکون السکوت بمعرض البیان بیاناً نفیہ تائید لما قلنا اوّلاً فافھم۔

بالغہ لڑکی اگر غیر کفو میں نکاح بلا اجازت اولیا کرے تو نکاح باطل ہے

سوال (۲۱) (۱) علمائے دین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ مومن قوم کا ایک مرد کا نکاح شیخ، سید، پٹھان وغیرہ اقوام کی عورتوں سے ہوسکتا ہے یا نہیں۔

(۲) اور کیا اس عورت کے اولیاء کو ایسی صورت میں جب اس سے برضائے خاطر اور بعد بلوغت کسی مومن دیندار ذی علم سے نکاح کیا ہے، حق فسخ حاصل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱) بدون رضاء عورت کے اولیاء کے نہیں ہوسکتا۔

(۲) اگر کوئی شریف سید شیخ مغل پٹھان عورت اپنے اولیاء کی بدون رضاء واجازت جولاہے سے نکاح کرلے تو یہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا بلکہ ابتداء ہی سے باطل ہے فسخ کی بھی ضرورت نہیں۔ وظاھر الروایۃ ان النکاح ینعقد وللاولیاء حق الفسخ والاعتراض ولکن المتأخرین افتوا بروایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ انہ لا یصح ولا ینعقد یہ تو سوال کا جواب ہے مگر اس مسئلہ کی بنا اس پر نہیں کہ قوم مومن شرعاً رذیل ہے فقد قال تعالیٰ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ فالکرم انما ھو بالتقویٰ والرذالۃ بالمعصیۃ۔ بلکہ اس کی بنا اس پر ہے کہ نکاح کے مصالح عادۃً ہم کفو قوم ہی میں حاصل ہوتے ہیں اور یہ مشاہد ہے اس کا انکار نہیں ہوسکتا اس لئے شریعت نے نکاح میں کفارت کا لحاظ کیا ہے تاکہ مصالح نکاح بخوبی حاصل ہوں البتہ اگر عورت کے اولیاء راضی ہوکر غیر کفو سے کردیں تو ان کا راضی ہونا اس کی علامت ہوگی اس غیر کفو سے بھی مصالح نکاح حاصل ہونے کی امید ہے تو اس صورت میں غیر کفو سے بھی عورت کا نکاح درست ہے۔ اور مصالح نکاح صرف میاں بیوی کی رضامندی میں منحصر نہیں بلکہ اس کے ساتھ زوج وزوجہ کی قرابت میں رابطہ اتحاد ومحبت وتعاضد وتناصر پیدا ہونا ہی ملحوظ ہے اور یہ بات غیر کفو کے نکاح میں مفقود ہے اِلّا نادراً والنادر کالمعدوم فلا یعتبر بہ فی الاحکام اور غیر کفو سے نکاح کرکے اگر عورت کا خاوند جلد مرجائے اور لاولد مرجائے یا بچے چھوٹے چھوٹے ہوں تو اب اس عورت کی امداد اس کا خاندان تو ناراضی کی وجہ سے کرے گا نہیں تو اس کو بہت تکلیف ہوتی ہے وغیر ذالک من المصالح اس لئے کفائت کا نکاح میں لحاظ ہے اور یہ امر قوم مومن ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اگر کوئی سیدزادی یا شیخزادی

پٹھان یا مغل مرد سے بدون اپنے اولیاء کی اجازت کے نکاح کرلے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور اگر عدم کفارت میں وہ مرد بڑھا ہوا ہو تو نکاح درست ہے عورت کے ادنیٰ ہونے سے وہ مصالح فوت نہیں ہوتے، واللہ اعلم۔ ۲۴/ ج ۲ ۴۷ھ۔

باپ نے لاعلمی میں نابالغہ لڑکی کا نکاح فاسق سے کر دیا نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ وہ شرابی و بدچلن ہے تو باپ کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوا یا نہیں

سوال (۲۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ لڑکی نابالغہ کا عقد لڑکی کے باپ نے پینتیس ۳۵ سالہ عمر والے شخص کے ساتھ کر دیا لڑکی نے بالغ ہوتے ہی اس کے ساتھ جانے یا رہنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ شخص شراب خوری اور بدچلنی وغیرہ کے کاموں میں مصروف رہتا ہے اور نماز وغیرہ کا قطعی پابند نہیں محض عیدین کی نماز شاذ و نادر پڑھ لیتا ہے اور لڑکی قرآن شریف و مسائل ضروری سے واقف ہے اور نماز کی بھی پابند ہے شوہر سے طلاق کے لئے کہا جاتا ہے مگر انکار کرتا ہے لڑکی کا باپ بھی ایسے شوہر کے ایسے حالات دیکھ کر نہیں چاہتا کہ میں ایک ایسی شائستہ اور دیندار لڑکی کو ایسے گمراہ شخص کے ساتھ کر دوں جو بالکل احکام شرع کا پابند نہ ہو بروقت عقد ولی جائز کو اس کے ناشائستہ حرکات سے بالکل بے خبری تھی پس ایسی صورت میں اس سے طلاق حاصل کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے اور لڑکی کا طلاق مانگنا حق بجانب ہے یا نہیں اور ایسے شخص کے ساتھ ولی جائز کا (بے جانے ہوئے) نکاح کر دینا جائز ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر سوال واقع کے مطابق ہے کہ ولی کو اس شخص کی بدچلنی وغیرہ کا نکاح کے وقت علم نہ تھا اور بعد میں علم ہوا اور ولی خود بدچلن نہیں تو یہ نکاح بالکل صحیح نہیں ہوا لڑکی کو طلاق لینے کی کچھ ضرورت نہیں وہ بدون طلاق ہی کے دوسرے نیک شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔

قال فی رد المحتار واما اذا کانت صغیرۃ فزوجہا ابوہا من فاسق فان کان عالما بفسقہ صح العقد ولا خیار لہا اذا کبرت لان الاب لہ ذلک (ای عند الامام لا عندہما ۱۲) مالم یکن ماجنا کما مر فی الباب السابق واما اذا کان الاب صالحا وظن الزوج صالحا فلا یصح قال فی البزازیۃ: زوج بنتہ رجلا ظنہ مصلحا لا یشرب مسکرا فاذا ہو مدمن فقالت بعد الکبر لا ارضی بالنکاح ان لم یکن ابوہا یشرب المسکر ولا عرف بہ وغلبۃ اہل بیتہا مصلحون فالنکاح باطل بالاتفاق اھ (ص ۵۴۶ ج ۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴/ ذیقعدہ ۴۷ھ۔

ولایت نکاح میں حقیقی بہن، ماموں اور اخیافی بھائی سے مقدم ہے

سوال (۲۳) ایک نابالغہ کے والدین فوت ہو گئے اس وقت اُس کا ماموں اور اخیافی بھائی اور حقیقی بہن اور ماں کا پہلا شوہر زندہ ہے، ولایت نکاح ان میں سے کس کو حاصل ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں ولایت نکاح حقیقی ہمشیرہ کو ہے قال فی الدر فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام ثم لام الاب ثم للاخت لاب وامٍ ثم للاخت لاب ثم لولد الام الذکر والانثیٰ سواء اھ (ص ۲۷۵/۲) واللہ اعلم۔

۲۰ ذیقعدہ ۴۷ھ۔

ولی عصبہ نابالغہ کے نکاح کا حق ماں کو تفویض کردے تفویض کے بعد ماں نابالغہ کا نکاح کسی سے کردے پھر ولی عصبہ کسی اور سے اس کا نکاح کردے تو کونسا نکاح صحیح ہے

سوال (۲۴) ایک شخص نعمت اللہ مر گیا اور اس نے مرنے سے پہلے اپنے عصبہ کو اور زوجہ کو وصیت کی کہ میری لڑکی نابالغہ شریفن کا نکاح میرے سالے کے لڑکے سے کر دینا۔ عصبہ نے بعد موت مورث کے ایک اقرارنامہ اسٹامپ پر تحریر کر کے مسماۃ شریفن کی ماں کے حوالے کیا جس میں یہ لکھا کہ:

"مسماۃ شریفن کا نکاح حسب وصیت نعمت اللہ مسماۃ رحمت (مادر شریفن) کر دے گی مجھے یا میرے قائم مقام کو کوئی عذر نہ ہوگا شادی کا خرچہ مسماۃ رحمت برداشت کرے گی"

اس کے بعد لکھتا ہے:

"اور جس کو مسماۃ رحمت پسند کرے گی وہاں مسماۃ شریفن کا نکاح برضی خود کر سکے گی مجھے عذر نہ ہوگا"

اس کے بعد قادر بخش اور مسماۃ رحمت میں کچھ تنازعہ ہو گیا۔ مسماۃ رحمت نے اس خیال سے کہ مبادا تنازعہ کی وجہ سے یہ شریفن کے نکاح میں بھی گڑبڑ نہ کرے شریفن کا نکاح حسب وصیت نعمت اللہ اپنے بھتیجے سے کر دیا یہ خبر پاکر قادر بخش نے شریفن کا نکاح دوسرے شخص سے کر دیا اب ان دونوں نکاحوں میں سے کونسا نکاح صحیح ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں شریفن کا نکاح وہی صحیح ہے جو اس کی ماں بیوہ نعمت اللہ نے کیا ہے اور جو نکاح اس کے بعد قادر بخش نے کیا ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ گو قادر بخش عصبہ ہے اور دراصل ولایت نکاح اسی کو حاصل تھی مگر اس نے بذریعہ اقرار نامہ تحریری شریفن کے نکاح

کا اختیار اس کی ماں کو سپرد کردیا ہے اس کے الفاظ مندرجہ اقرار نامہ تفویض پر صاف دلالت کرتا ہے اور جو عقد بعد تفویض من لہ الحق صادر ہو وہ صحیح ہوتا ہے قال فی البحر وقولها (ای البالغة للولی) ذلك اليك اذن مطلقا ثم ذكر مسئلة ذكر الولى بين يديها قواما لا يحصون فسكتت فليس برضا ثم قال وهذا كله اذا لم تفوض الامر اليه اما اذا قالت انا راضية بما تفعله او زوجني ممن تختاره ونحوه فهو استيذان صحيح اھ (ص ۱۱۲ ج ۳) ولا يخفى وجود التفويض من الولى الى الام فى الصورة المسئولة فهو اذن لها مطلقا بنكاح موليته والاذن قبل العقد كالاجازة بعده لما فى الدر واذنه لعبده فى النكاح ينتظم جائزه وفاسده فيباع العبد لمهر من نكحها فاسدا بعد اذنه اھ وفيه قبله وقوله لعبده طلقها رجعية اجازة للعقد الموقوف اھ (ص ۶۱۲ ج ۲) وفى الهداية فى بيع الفضولى واذن المالك بعده لان الاجازة اللاحقة بمنزلة الوكالة السابقة اھ (ص ۷۳ ج ۳)۔ دوسرے قادر بخش نے شریفن کا دوسرا نکاح محض ضد اور نفسانیت اور نزاع باہمی کی وجہ سے کیا ہے لڑکی کی مصلحت پر نظر کر کے نہیں کیا اور یہ درست نہیں فكان كمن زوج موليته برجل طمعا فى مال يعطاه رشوة وهذا يبطل الولاية كذا ههنا، والله تعالى اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ۔ ۲۱ ذیقعدہ ۴۷ھ۔

الجواب صحیح عندی، اشرف علی عفی عنہ۔ ۲۱ ذیقعدہ ۴۷ھ۔

بالغہ عورت بدون اذن ولی کفو میں مہر مثل سے کم پر اپنا نکاح کرے تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں

سوال (۲۵) کیا فرماتے ہیں علمائے حنفیہ ان مسائل میں: اگر کسی عاقلہ بالغہ ذات الولی کا نکاح اپنے کفو کے ساتھ اپنی رائے سے مہر مثل سے کم پر نکاح کرلے تو وہ مثل نکاح بغیر الکفو کے غیر صحیح ہوگا یا بنابر اس فرق کے جو ذیل کی عبارت میں مذکور ہے صحیح ہوگا اور اولیاء کو صرف اتمام مہر کا مطالبہ ہوگا وہ عبارت یہ ہے۔ فی الدر المختار ولو نكحت باقل من مهرها فللولى الاعتراض حتى يتم مهر مثلها او يفرق القاضى بينهما، فى رد المحتار قوله: الاعتراض، افاد ان العقد صحيح وتقدم انها لو تزوجت غير كفو فالمختار رواية الحسن انه لا يصح العقد ولم ار من ذكر مثل هذه الرواية (اى رواية عدم الصحة) ههنا مقتضاه انه لا خلاف فى صحة العقد ولعل وجهه انه لا يمكن الاستدراك هنا

باتمام مهر المثل بخلاف عدم الکفاءة (باب الکفاءة) قلت والمراد بما تقدم مافی الدر المختار وله الاعتراض فی غیر الکفو الیٰ قوله ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازه اصلاً وهو المختار للفتویٰ لفساد الزمان۔

الجواب: علامہ شامی نے اس مقام پر جو کچھ لکھا ہے محض ان کی رائے ہے نقل نہیں ہے اور اس رائے پر صاحب تحریر مختار نے اعتراض کیا ہے بلفظ ولکن التعلیل المذکور للافتاء بعدم الجواز فی غیر الکفو جار فی مسئلة التزوج بدون مهر المثل ومقتضی لعدم الجواز تامل اھ (ص ۱۸۵ ج۱) وفیه ایضاً علیٰ قوله ومقتضاه انه لا خلاف الخ مانصه تقدم ان مقتضی العلة انه لا فرق بین المسئلتین اھ ص ۱۹۱ ج۱ واللہ اعلم۔

قال فی العالمگیریة: ولو زوج ولده الصغیر من غیر کفؤ بان زوج ابنه امة اوابنته عبداً اوزوج بغبن فاحش بان زوج البنت ونقص من مهرها اوزوج ابنه وزاد علی مهر امرأته جاز وهذا عند ابی حنیفة وعندهما لا یجوز الزیادة والحط الا بما یتغابن الناس فیه قال بعضهم فاما اصل النکاح فصحیح والاصح ان النکاح باطل عندهما[عه] هکذا فی الکافی والصحیح قول ابی حنیفة کذا فی المضمرات واجمعوا علیٰ انه لا یجوز ذلک من غیر الاب والجد ولا من القاضی اھ (ص ۱۸ ج ۲)۔

قلت: ومقتضی تعلیل المتاخرین لروایة الحسن عن ابی حنیفة عدم الجواز عنده ایضاً خلاصہ یہ کہ اس مسئلہ میں یعنی مہر مثل سے کم کرنے میں صاحبین کا قول تو یہ ہے کہ نکاح صحیح نہیں جبکہ عورت نے خود بلا رضا اولیاء مہر کم کیا ہو یا ولی نے بلا رضا عورت کے کم کیا ہو اور امام صاحب کے نزدیک نکاح صحیح ہے اور مضمرات میں قول امام ہی کو صحیح کہا ہے، لہذا فتویٰ تو صحت نکاح کے باب میں امام صاحب ہی کے قول پر دیا جائے گا مگر احوط یہ ہے کہ مہر مثل سے مہر کم نہ باندھا جائے کیونکہ خلاف سے بچنا اولیٰ ہے۔ ولیتنبه لهذا فان الناس

عه ولیس الحکم خاصاً بنکاح الصغیرین بل عام للبالغین ایضاً کما فی البدائع، وسیاتی ۱۲

عنه غافلون فیرون نقص المهر سنة وثواباً ولا یعلمون ان فی ذلک نقص حق المرأة وسکوت المرأة البالغة البکر انما یکون رضا لقبول النکاح فقط لا لنقص المهر فان السکوت لایکون حجة فی الاموال، واللہ تعالیٰ اعلم۔

قال فی البدائع ومنها کمال مهر المثل فی النکاح الحرة العاقلة البالغة نفسها من غیر کفو بغیر رضا الأولیاء فی قول ابی حنیفة حتی لو زوجت نفسها من کفوء باقل من مهر مثلها مقدار مالا یتغابن فیه الناس بغیر رضا الاولیاء فللاولیاء حق الاعتراض عنده فاما ان یبلغ الزوج الی مهر مثلها او یفرق بینهما وعند ابی یوسف ومحمد هذا لیس بشرط ویلزم النکاح بدونه حتی یثبت للاولیاء حق الاعتراض وهاتان المسئلتان اعنی هذه المسئلة والمسئلة المتقدمة علیها وهی ما اذا زوجت نفسها من غیر کفوء ولغیر رضا الاولیاء لاشک انهما یتفرعان علی اصل ابی حنیفة وزفر واحدی الروایتین عن ابی یوسف وروایة الرجوع عن محمد لان النکاح جائز واما علی اصل محمد فی ظاهر الروایة عنه واحدی الروایتین عن ابی یوسف فلایجوز هذا النکاح فیشکل التفریع فتصور المسئلة فیما اذا اذن الولی لها بالتزویج فزوجت نفسها من غیر کفوء باقل من مهر مثلها اھ (ص ۳۲۲ ج ۲)۔

وفی البحر تحت قول الکنز من نکحت غیر کفوء فرق الولی مانصه وهذا ظاهر فی انعقاده صحیحا وهو ظاهر الروایة عن الثلاثة والمفتیٰ به روایة الحسن عن الامام من عدم الانعقاد اصلا اذا کان لها ولی لم یرض به قبل العقد وفی الخلاصة وکثیر من مشائخنا افتوا بظاهر الروایة وهذا یدل علی ان کثیرا من المشائخ افتوا بانعقاده فقد اختلف الافتاء اھ ملخصا (ص ۱۲۸ ج ۳)۔

قلت ولم یثبت افتاءهم بقول الصاحبین ولا بمقتضی تعلیل روایة الحسن فی مسئلة تقلیل المهر عن المثل بل صرح فی الهندیة ان الصحیح فی مسئلة تقلیل المهر عن المثل قول ابی حنیفة ان اصل النکاح صحیح وروایة الحسن عن الامام لیست صریحة فی هذه المسئلة وانما هی فی الکفاءة فالاحوط الافتاء بالمنع من ذلک ای التقلیل واذا وقع التزویج بالاقل من الاب والجد

فینبغی الافتاء بالانعقاد دا مامن غیرھما دھی صغیرۃ فلا، واللہ اعلم۔

یکم صفر ۱۳۴۸ھ۔

نکاح نابالغہ کی ایک صورت کا حکم

سوال (۲۶) علمائے دین و مفتیان شرع متین ایسی حالت میں کیا فرماتے ہیں۔ ہندہ جس کی عمر دس سال یا کچھ زاید ہے سن تمیز کو پوری طرح پہونچ چکی ہے اور نیک و بد کا بخوبی امتیاز ہے لیکن نابالغ ہے والد اس کا بزور و جبر زید کے ساتھ کہ جس کی عمر ساٹھ سال سمجھی جاتی ہے عقد کرنا چاہتا ہے ہندہ زید کے ساتھ کسی طرح راضی نہیں ہے بلکہ خودکشی و جان کھونے پر آمادہ ہے اس کے والد نے مجبور ہو کر ظاہر کیا کہ زید کے ساتھ نہیں بلکہ بکر کے ساتھ کہ جس کی عمر بھی مناسب ہے عقد ہوتا ہے روز نکاح جب ہندہ کو معلوم ہوا کہ وہی زید بوڑھا آدمی ہے دھوکا دیا جاتا ہے نکاح کے خوف سے بھاگ کر دوسرے شخص کے مکان میں چھپی اس کے والد کو جب خبر ہوئی چھری وغیرہ لیکر اس مقام پر پہونچا اور قتل کرنے پر آمادگی ظاہر کی اور بزور اپنے مکان میں پکڑ لایا اور بلا رضامندی ہندہ کے نکاح ہوگیا مگر ہندہ نے ایجاب و قبول نہیں کیا برابر انکار رہا ہندہ رخصت ہو کر زید کے یہاں نہیں گئی بعد چار سال کے محض دباؤ و ڈرانے کی غرض سے ایک مقدمہ فوجداری میں ہندہ کے باپ اور اس کے خاص عزیزوں پر زید نے دائر کیا زید کے خاص عزیزوں نے اپنی رہائی و گلوخلاصی ہندہ کے رخصت ہو جانے پر سمجھ کر بزور و جبر رخصت کرادیا اس خوف سے ہندہ وہاں جاکر بیمار ہوگئی اور وہاں بھی وہی نارضامندی برابر رہی اور یکجائی کی نوبت نہیں آئی اب عمر ہندہ کی بلیس برس ہے اور اپنے باپ کے مکان میں ہے جان کھونے پر آمادہ ہے مگر زید کے ساتھ رہنے یا اس کے گھر جانے پر رضامند نہیں ہے، فقط۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کے ساتھ جو نکاح ہندہ کا بحالت نابالغی بلا رضامندی ہندہ، ہندہ کے باپ نے کر دیا تھا وہ صحیح نکاح ہوا تھا یا نہیں اور اب ہندہ بالغ ہوگئی ہے اور دوسرا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ کرنا چاہتی ہے بلا زید کے طلاق دئیے ہوئے ہو سکتا ہے یا نہیں اور کس طرح سے دوسرا نکاح ہو سکتا ہے؟

تنقیح: (۱) کیا ہندہ کے باپ نے اس نکاح میں زید سے کچھ رقم لی ہے یا کچھ رقم لینا طے ہوا تھا۔ یا ہندہ کے باپ کو زید سے کچھ اور طمع تھی صاف صاف لکھا جائے نیز ہندہ کے باپ نے اس نکاح سے پہلے کسی اور لڑکی کے نکاح میں لڑکے والوں سے روپئے

لئے ہیں یا نہیں؟

ع۲ بروقت نکاح ہندہ کا کوئی اور ولی باپ کے سوا موجود تھا یا نہیں مثلاً ماں، بھائی وغیرہ اور یہ لوگ زید سے ہندہ کا نکاح ہونے پر راضی تھے یا نہیں؟

ع۳ زید خاندان وغیرہ کی حیثیت سے ہندہ کا ہم کفو ہے یا نہیں؟

ان سوالات کے جواب پر حکم نکاح بتلایا جائے گا۔ فقط حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔

۵ صفر ۴۵ھ۔

جواب تنقیح : ع۱ رقم کی بابت زید اور اس کے بہنوئی نے کچھ لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کیا کہ روپیہ دیکر نکاح کیا ہوں بلا رقم خرچ کئے ہوئے بھلا دہ کیوں ہوتا اور ایسا نکاح ہوجانے کے بعد کثرت رائے اس بات پر اتفاق کرتی ہے کہ ضرور کچھ رقم لی گئی اور قبل نکاح زید ہندہ کے باپ کو بہت سے تحفہ تحائف دیتا تھا اور لڑکوں کی شادی نہ تو اس طرح ہوئی ہے جس میں کوئی خاص عزیز مثل بہدوئی خواہ بہن وغیرہ کے نہ شریک کئے گئے ہوں اور نہ اس طرح کا بے جوڑ معاملہ کہ جس سے لڑکی خود انکار کردیوے اور زبردستی نکاح مشہور ہو۔

ع۲ بروقت نکاح ہندہ کی ماں موجود تھی کہ جس کا ارادہ قطعی نکاح کرنے کا نہیں تھا مگر بلحاظ شوہر کے کچھ بس و دم نہیں مار سکتی تھی سوائے ماں کے اور کوئی دوسرا وارث یا عزیز موجود نہیں تھا۔

ع۳ زید خاندان کی حیثیت سے ہندہ کا ہم کفو نہیں ہے ہندہ کا حسب نسب زید سے کہیں اچھا ہے، زید و ہندہ کے باپ سے کبھی کی جان و پہچان نہ تھی اور نہ آمد و رفت تقریب مابین کبھی تھا۔

دوبارہ تنقیح : زید کس بات میں ہندہ سے گھٹا ہوا ہے دونوں کی ذات کیا کیا ہے اس کے جواب کے بعد حکم بتلایا جاوے گا نیز یہ بھی لکھیں کہ جن لوگوں کے سامنے زید اور اس کے بہنوئی نے اس نکاح میں رقم لینا بیان کیا ہے وہ لوگ دیندار معتبر ہیں یا نہیں؟ فقط ظفر احمد۔

جواب تنقیح دوبارہ : ع۱ زید ہندہ کے مقابلہ میں نہیں ہے۔ کیونکہ حسب نسب بلتیتر سے اپنے برادرانہ وغیر برادرانہ میں اچھا سمجھا جاتا ہے اور اب تک اچھا ہے۔ اور اس کا قاعدہ خاص طریقہ اسلام پر ہے اور فرض اسلام و طریقہ مسلمانی کو باقاعدہ ادا کرتی ہے۔ زید کا حسب نسب معمولی درجہ کا ہے اور قاعدہ بالکل خراب ہے یعنی زید کے یہاں کی عورتیں اکثر بازار جانا یا

کہیں دوسری جگہ جانا ہو تو بلا کسی پردہ کے اور بلا کسی امداد یعنی دوسرا مرد جوان کے گھر کا ہو اس کے ساتھ نا جانا بلکہ خود تنہا دوسری جگہ جانا جو دیگر اشخاص کے دیکھنے میں بالکل معیوب بات سمجھی جاتی ہے اور بات چیت بالکل اہل ہنود کے قاعدہ سے ملتی ہے۔

۲ زید وہندہ ہم قوم ہیں اور شیخ کہے جاتے ہیں۔

۳ رقم کے بابت زید اور اس کے بہنوئی نے ایسے شخص کے سامنے بیان کیا ہے جو دیندار اور نہایت معتبر شخص ہیں اور احکام خدا اور رسول سے واقف ہیں علاوہ بریں اور کئی جگہ رقم کا تذکرہ برادری وغیر برادری میں بذریعہ زید و اس کے عزیزان مثلاً بہن و بہنوئی وغیرہ سے آچکا ہے۔

الجواب: فی الدر المختار (ولزم النکاح ولو بغبن فاحش) بنقص مهرها وزیادة مهره (او) زوجها (بغیر کفوٴ ان کان الولی) المزوج بنفسه بغبن (ابا اوجدا) وکذا المولی وابن المجنونة (لم یعرف منهما سوء الاختیار) مجانة وفسقا (وان عرف لا) یصح النکاح اتفاقا وقال الشامی تحت (قوله وان عرف لا) بعد الاشکال والجواب: والحاصل ان المانع هو کون الاب مشهورا بسوء الاختیار قبل العقد فاذا لم یکن مشهورا بذلك ثم زوج بنته من فاسق صح وان تحقق بذلك انه سیٴ الاختیار واشتهر به عند الناس فلو زوج بنتا اخری من فاسق لم یصح الثانی لانه کان مشهورا بسوء الاختیار قبله بخلاف العقد الاول لعدم وجود المانع قبله (ص ۴۹۹ ج ۲)۔

وفی العالمگیریة (ص ۱۸ ج ۲) ولو زوج ولده الصغیر من غیر کفوٴ بان زوج ابنه امة او ابنته عبدا او زوج بغبن فاحش بان زوج البنت ونقص من مهرها او زوج ابنه وزاد علی مهر امرأته جاز وهذا عند ابی حنیفة رح هکذا فی التبیین وعندهما لا یجوز فی الزیادة والحط الا بما یتغابن الناس فیه قال بعضهم فاما اصل النکاح فصحیح والاصح ان النکاح باطل عندهما هکذا فی الکافی والصحیح قول ابی حنیفة رح کذا فی المضمرات وفی السطر الاتیة منه والخلاف فی ما اذا لم یعرف سوء اختیار الاب مجانة او فسقا اما اذا عرف ذلك منه فالنکاح باطل اجماعا

(فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ (ص ۱ج۲۲) (سئل) فی ہاشمی زوج صغیرتہ بغیر ہاشمی عالما بذلک راضیا بہ فہل یصح النکاح۔

(الجواب) نعم والحالۃ ہذہ اھ۔

اِن سب عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اس سوال میں اگر زید کو دین کے اعتبار سے ہندہ کا کفوٴ بھی تسلیم نہ کیا جائے (جس کو جواب تنقیح میں مجمل بیان کیا گیا ہے) تب بھی نکاح صحیح ہوگیا پس ہندہ زید سے طلاق لئے بدون دوسرے شخص سے نکاح نہیں کرسکتی کیونکہ ہندہ کے والد کی طمع (اگر وہ ثابت ہوجائے) اسی نکاح ہندہ میں معلوم ہوئی ہے اس سے پیشتر اُس سے ایسا واقعہ نہیں ہوا جو سوء اختیار کی شرط ہے۔ واللہ اعلم کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔ ۱۵ ربیع الاول ۴۵ھ۔

باپ نے ایک جگہ نکاح کی وصیت کی تو ولی دوسری جگہ لڑکی کا نکاح کرسکتا ہے

سوال (۲۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ پھول بہار کے والد بنام عبدالجلیل نے دختر مذکور کی نسبت زید سے کی تھی اور مرتے وقت یہ وصیت اس کی والدہ اور دادی سے کی تھی کہ پھول بہار کا نکاح زید سے کرنا کہ جس سے کہ میں نے نسبت کی پس صورت مذکور میں پھول بہار کا ولی نکاح بلا اس کی والدہ کی اطلاع کے اس کے والد کی وصیت کے خلاف پھول بہار کا عقد کسی دوسرے سے کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اس وصیت پر عمل ضروری نہیں ہے اس لئے ولی بلا اطلاع والدہ کے وصیت کے خلاف کرسکتا ہے البتہ اگر اوس جگہ نکاح کرنے میں کوئی شرعی خرابی نہ ہو تو وصیت کا لحاظ کرنا جائز ہے مگر واجب نہیں، فقط احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ ۱۹ جمادی الاخری ۴۵ھ۔

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۹ جمادی الاخری ۴۵ھ۔

باپ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی سے غیر کفوٴ میں کردے تو نکاح منعقد ہوجائیگا

سوال (۲۸) چہ میفرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید اور عمر نجیب الطرفین پابند صوم وصلوٰۃ ہیں زید اپنی آبائی خاندان سادات سے ہے اور عمر اپنے آبائی خاندان پٹھان سے ہے زید کی رشتہ داری علاوہ سادات کے دیگر خاندان یعنی پٹھان اور شیخوں سے بھی مشترک ہے علی ھذا القیاس عمر کی رشتہ داری بھی علاوہ پٹھانوں کے خاندان سادات اور شیخوں میں مشترک ہے حتیٰ کہ عمر کا نانا خاندان سادات سے ہے کیا ایسی صورت میں زید کی لڑکی عمر کے لڑکے سے منسلک ہوسکتی ہے یا نہیں جواب باصواب سے مطلع فرمایئے؟

تنقیح:۔ لڑکی بالغہ ہے یا نہیں اگر بالغہ ہے تو وہ اس رشتہ پر راضی ہے یا نہیں اور بالغہ نہیں ہے تو زید لڑکی کی کس مصلحت سے اس جگہ نکاح کرتا ہے یا کسی اپنی غرض سے کرتا ہے مفصل لکھیں اور زید کے باپ دادوں میں تو کوئی پٹھان تو نہیں کیونکہ رشتہ داری کا مفہوم اس کو بھی عام ہے۔ فقط۔

جواب تنقیح:۔ لڑکی بفضلہ تعالیٰ بالغہ ہے سن پندرھواں سال ہے مگر اس ملک کا یہ رواج نہیں ہے کہ اس کو اس قدر آزادی حاصل ہو کہ اپنے والدین کی موجودگی میں بوجہ شرم ولحاظ کے اپنے تئیں رضامندی ظاہر کر سکے۔

(۲) زید کو کوئی مصلحت یا غرض دنیوی نہیں ہے محض خداوند تعالیٰ کی رضامندی و رضا جوئی درکار ہے بدیں خیال خاندان سادات یا شیخوں میں ہنوز کوئی لڑکا پابند صوم وصلوٰۃ دستیاب نہیں ہوا اور جو ملتے بھی ہیں وہ زمانہ کے بگڑے ہوئے روشن خیال جنٹلمین وضع میں نظر آتے ہیں۔ برعکس اس کے عمر اور اس کے اولاد بفضلہ تعالیٰ نجیب الطرفین اور پابند صوم وصلوٰۃ ہیں لہٰذا ایسی صورت میں شریعت کیا اجازت دیتی ہے؟

(۳) زید کے آباء و اجداد میں سوائے سادات کے کوئی شیخ یا پٹھان نہیں گذرا البتہ فرقہ اناث سے جملہ مشترک ہیں فقط۔

الجواب: اگر لڑکی بالغہ[ع] ہے اور باکرہ ہے اور اس کا ولی غیر کفو سے نکاح کرتا ہے اور لڑکی اس نکاح پر خاموش رہے یا زبان سے اس کو منظور کرے تو نکاح صحیح ہے غیر کفو سے نکاح کرنا اس صورت میں مضائقہ نہیں رکھتا، واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ ۸ رجب ۴۵ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ، ۸ رجب ۴۵ھ

ولی خود نابالغہ سے نکاح کرے تو کس کی ولایت واجازت سے نکاح ہوگا

سوال (۲۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عمر نے انتقال کیا ایک زوجہ ودختر مسماۃ ہندہ وبرادر زادہ حقیقی مسمیٰ بہ زید و نبیرہ پھوپھی وخالہ زاد برادر چھوڑا ظاہر ہے کہ برادر زادہ حقیقی ولی نابالغہ لڑکی کا ہے اب ولی مذکور کی خواہش ہے کہ اپنا نکاح خود نابالغہ سے کرے دریافت طلب یہ ہے کہ اس نکاح کا ولی کون شخص ہوگا اور

ع یعنی یا اس کو حیض آنے لگا ہو یا پورے پندرہ سال کی ہو گئی ہو اور اگر حیض نہ آتا ہو اور پورے پندرہ سال کی نہ ہو تو نابالغہ ہے اگر ایسا ہو دوبارہ سوال کیا جاوے ۱۲ از حضرت مدظلہم العالی۔

یہ نکاح کس کی اجازت سے ہوگا۔ بحوالہ کتاب جواب دیں اللہ آپ لوگوں کو اجر دے گا۔

الجواب من بعض العلماء:

صورت مسئولہ میں برادر زادۂ حقیقی خود نکاح کرسکتا ہے اور وہ خود اجازت دے گا بشرطیکہ لڑکی نا بالغہ کا نقصان کسی قسم کا متصور نہو۔ اور دیانت و امانت سے اس عقد کو کرے اگر برادر زادۂ حقیقی نے نکاح کرلیا اور اس میں نا بالغہ کا نقصان ہوا تو بعد بلوغ نا بالغہ کو حق فسخ کا ہوگا جیساکہ عبارت شرح وقایہ جلد ثانی ص۲۱ سے ظاہر ہے وصح انکاح الاب والجد عند عدم الاب الصغیر والصغیرۃ بغبن فاحش فی المهر او من غیر کفوٴ لا لغیرهما ای لایصح لغیر الاب والجد انکاح الصغیر والصغیرۃ بغبن فاحش فی المهر او من غیر کفو اتفاقاً واللہ اعلم بالصواب کتبہ عبد الحمید غفرلہ۔ ساکن قصبہ نگرھنہ، لقد اصاب من اجاب محمد عبد الاحد کان اللہ لہ۔ ساکن قصبہ نگرھنہ۔

۲۷ شوال س۱۳۲۸ھ۔

رد من بعض العلماء:

مفتی نے جو یہ جواب لکھا ہے کہ صورت مسئولہ میں برادر زادۂ حقیقی خود نکاح کرسکتا ہے اور وہ خود اجازت دے گا بشرطیکہ لڑکی نا بالغہ کا نقصان کسی قسم کا متصور نہو اور دیانت و امانت سے اس عقد کو کرے اھ نمعلوم مفتی رحمنا اللہ ولہٗ کا اس انعقاد سے کیا مراد ہے اگر عقد لازمی مراد ہے تو عقد لازم نہوگا موقوفی ہوگا۔ اور مفتی رحمنا اللہ ولہٗ نے جو یہ جواب دیا ہے کہ۔ اگر برادر زادۂ حقیقی نے نکاح کرلیا اور اس میں نا بالغہ کا نقصان ہوا تو بعد بلوغ نا بالغہ کو حق فسخ کا ہوگا۔ یہ مفتی رحمنا اللہ ولہٗ کا تساہل ہے کیونکہ اگر چچیرے بھائی نے نا بالغہ سے غبن فاحش مہر میں اپنے ساتھ نکاح کرلیا تو یہ نکاح باطل ہوگا موقوفی نہوگا اسی واسطے وقایہ متن والا بولتا ہے صح انکاح الاب والجد عند عدم الاب الصغیر والصغیرۃ بغبن فاحش فی المهر او من غیر کفوٴ لا لغیرهما۔ اگر کوئی کہے۔ کہ اگر چچیرے بھائی نے نا بالغہ سے مہر میں غبن فاحش کرکے نکاح کرلیا تو یہ نکاح صحیح ہوگا۔ جیساکہ شرح وقایہ میں ہے وان فعل غیرهما فلهما ان یفسخا بعد البلوغ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شارح وقایہ سے یہاں وہم واقع ہوا ہے جو اس نکاح کو صحیح ہونا بتاتا ہے حالانکہ نہ لازماً نہ موقوفاً کوئی نکاح نہیں ہوا۔ چنانچہ در مختار میں ہے وان کان المزوج غیرهما ای غیر الاب وابیہ لا یصح النکاح من غیر کفوٴ وبغبن فاحش اصلا وما فی صدر الشریعۃ صح

ولہما فسخہ وہم وان کان من کفوء بمہر المثل صح ولکن لہما ای الصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ انتہی ملخصًا۔

اور در مختار کی شرح شامی میں ہے قولہ صح ولہما فسخہ ای بعد بلوغہما والجملۃ قصد بہا لفظہا مرفوعۃ المحل علی انہا بدل من ما او محکیتہ بقول محذوف ای قائلا وقولہ وہم خبر عن ما وعبارۃ صدر الشریعۃ فی متنہ وصح انکاح الاب و الجد عند عدم الاب الصغیر والصغیرۃ بغبن فاحش ومن غیر کفوء لا غیرہما وقال فی شرحہ ای لو فعل الاب او الجد عند عدم الاب لا یکون للصغیر والصغیرۃ حق الفسخ بعد البلوغ وان فعل غیرہما فلہما ان یفسخا بعد البلوغ اھ ولا یخفی ان الوہم فی عبارۃ الشرح وقد نبہ علی وہمہ ابن الکمال وکذا المحقق التفتازانی فی التلویح فی بحث العوارض وذکر انہ لا یوجد روایۃ اصلا و اجاب القہستانی بان صحتہ بالغبن الفاحش نقلتہا فی الجواہر عن بعضہم و بغیر کفوء نقلتہا فی الجامع عن بعضہم قال وہذا یدل علی وجود الروایۃ اھ قلت وفیہ نظر فان ما کان قولا لبعض المشائخ لا یلزم ان یکون فیہ روایۃ عن ائمۃ المذہب ولاسیما اذا کان قولا ضعیفا مخالفا لما فی مشاہیر کتب المذہب المعتمدۃ انتہی کلامہ، وقال فی ہامش شرح الوقایۃ وہذا یدل علی وجود الروایۃ وفیہ انہ قول غیر معتبر والاصح بطلان انکاح غیرہما بغبن فاحش ومن غیر کفوء من اصلہ انتہی۔

اب صورۃ مسئولہ کا جواب لکھا جاتا ہے کہ نابالغہ کا چچیرا بھائی جو ولی ہے اگر وہی اپنے ساتھ نکاح کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو ایسی صورت میں بھی ولی چچیرا بھائی ہی ہوگا اور اپنے ساتھ اپنی اجازت سے مہر بالمثل میں نکاح کرسکتا ہے مگر نابالغہ کو اختیار ہے کہ بعد بلوغ اس نکاح کو قائم رکھے یا فسخ کردے۔ ہدایہ میں ہے ویجوز نکاح الصغیر والصغیرۃ اذا زوجہما الولی فان زوجہما الاب او الجد یعنی الصغیر والصغیرۃ فلا خیار لہما بعد بلوغہما و ان زوجہما غیر الاب والجد فلکل واحد منہما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ انتہی ملخصا اور جاننا چاہئے کہ صورت مسئولہ میں چچیرا بھائی نابالغہ کا ولی واصیل ہے یعنی خود اپنے ساتھ اگر مہر بالمثل میں نکاح کرنا چاہتا ہے تو یہ نکاح

صحیح ہوگا مگر نابالغہ کو بعد بلوغ فسخ وعدم فسخ کا اختیار ہے شرح وقایہ میں ہے ویتولی طرفی النکاح واحد لیس بفضولی من جانب وھو علی اقسام منھا ان یکون الواحد اصیلا وولیا کابن العم یزوج بنت عمہ الصغیرۃ انتھی بتغیر ما۔ حاصل کلام اگر چچیرا بھائی نابالغہ چچازاد بہن سے مہر بالمثل میں یا بغیر نقصان فاحش نکاح کرے گا تو صحیح ہوگا ورنہ نہیں واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ عبد الرشید بن شوق نیموی عظیم آبادی رحمہما اللہ تعالیٰ ۳۰ شوال ۱۳۴۸ھ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

الجواب من جامع امداد الاحکام

الجواب الثانی صحیح۔ ولکن خیار الفسخ بعد البلوغ یقتضی قضاء القاضی ویتوقف علیہ ولا تنفرد المرأۃ بفسخ نکاحھا بعد البلوغ بدون القضاء و لیس لنا فی الھند قاض شرعی یتولی فسخ مثل ھذا النکاح، واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۵ ذیقعدہ ۴۸ھ۔

دھوکہ سے غیر کفوٴ میں نکاح ہوگیا تو لڑکی اور اولیاء کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا

سوال (۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ کا نکاح اس کے سوتیلے باپ نے زید کے ساتھ کر دیا جس نے اپنے کو شیخ انصاری بتلایا بعد نکاح معلوم ہوا کہ زید نور باف ہے چونکہ یہ نکاح لاعلمی میں غیر کفوٴ میں ہوگیا کیا شرعاً یہ نکاح درست اور جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں نکاح تو ہوگیا لیکن چونکہ زید نے ہندہ کو اور اس کے اولیاء کو دھوکہ دیا کہ اپنے کو انصاری ظاہر کیا اور یہی سمجھکر وہ لوگ نکاح پر راضی ہوئے اس لئے ہندہ کو اور اس کے اولیاء کو اس نکاح کے فسخ کرانے کا حق حاصل ہے وہ عدالت میں دعویٰ کر کے نکاح کو فسخ کرا سکتے ہیں اگر حاکم عدالت مسلمان ہو تو اس کا فسخ شرعاً بھی معتبر ہے اگر مسلمان نہ ہو تو اس کے بعد ہندہ کو اپنا مقدمہ برادری کی پنچایت کے سامنے بھی پیش کرنا چاہئے جس میں کسی عالم کو بھی شریک کیا جائے برادری اس نکاح کو فسخ کردے گی تو شرعاً نکاح فسخ ہوجائے گا جس کے بعد ہندہ دوسری جگہ اپنا نکاح کفوٴ میں کرسکے گی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ الحیلۃ الناجزہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ظفر احمد عفا عنہ۔ ۲۶ شعبان ۵۶ھ۔





بیانُ الحق والصَّواب
فی
مسئلۃ الکفاءۃ بالانساب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مبسملاً وحامداً ومصلیاً۔

مخدوم ومکرم حضرت مولانا! السلام علیکم، چونکہ میرا اور آپ کا نیز کل اہل حق کا اعتقاد یہ ہے کہ سوا انبیاءؑ کے کوئی معصوم عن الخطار نہیں ہے اس لئے اس عریضہ کے لکھنے کی جرأت کرتا ہوں وہ یہ کہ امر مسلّم ہے کہ احکام قرآن کی تنسیخ صرف آیات قرآن سے ہی ہو سکتی ہے حسب لا ینسخ کلامی کلام اللہ حدیث متواتر سے بھی قرآن کے احکام نہیں ترک ہو سکتے ہیں اور اس لئے حضرت عمرؓ نے زینب کی حدیث پر عمل نہیں کیا جب یہ امور مسلمہ ہیں تو کیا استحسان سے نصوص قرآنیہ کو چھوڑنا جائز ہے؟ حال یہ ہے کہ استحسان بھی قیاس ہی کا ایک قسم ہے یقیناً میرا اور آپ کا اعتقاد یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اب عرض یہ ہے کہ تراضی زوجین فی النکاح فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم کے نص صریح سے ثابت ہے اور اس لئے کل فقہاء نے بالاتفاق نکاح کے

بعد الحمد والصلوۃ۔ کلامی لا ینسخ کلام اللہ حدیث صحیح بھی نہیں، متواتر تو کیا ہوتی اس کی سند میں ایک راوی متہم بالوضع ہے ملاحظہ ہو تنقیح المشکوٰۃ ص ۴۵، اور آیت فَلَا تَعۡضُلُوۡھُنَّ اَنۡ یَّنۡکِحۡنَ اَزۡوَاجَھُنَّ اِذَا تَرَاضَوۡا بَیۡنَھُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ الآیۃ ثیبات کے متعلق ہے جو پہلے ذات ازواج رہ چکی ہیں اس سے مطلقاً تراضی کے اشتراط پر استدلال کرنا عربیت سے نادانی پر مبنی ہے۔ فقہاء نے تراضی کو ضرور شرط کیا ہے مگر وہ شرط عام ہے خواہ تراضی زوجین ہو اگر دونوں حُر اور بالغ ہوں یا تراضی اولیاء و موالی ہو اگر نابالغ یا غلام باندی ہوں اس آیت سے فقہاء کے اس قول کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ یہ آیت مطلقاً ثیبات بالغات کے حق میں ہے۔ اور اگر بالفرض اس سے مطلقاً اشتراط تراضی پر استدلال کیا جائے تو آگے بالمعروف کی قید بھی تو مذکور ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ تراضی مطلقاً معتبر نہیں بلکہ اسی وقت معتبر ہے جبکہ قاعدۂ معروفہ کے

انعقاد میں تراضی زوجین شرط اور قید لگایا ہے
وینعقد بایجاب وقبول بالتراضی
آپ کے سامنے ہے اور یہ بھی مسلّم ہے کہ قبل از
بلوغ تراضی نہیں ہے پس اگر کسی نے نابالغ کا
نکاح کیا خواہ باپ ہو یا دادا ہو پس وہ نکاح
تراضی بعد البلوغ پر موقوف رہنا چاہیئے اس
لئے کہ باپ دادا کو حق نہیں ہے بغیر مرضی لڑکی کے
نکاح کرنے کا خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ چنانچہ
خنسا کی حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے
اور قرآن کے نص مذکور سے ثابت ہوتا ہے پھر
یہ فتویٰ دینا جیسے کہ آپ نے بہشتی زیور میں
تقلیداً درج فرمایا ہے کہ اگر لڑکی کا نکاح باپ
دادا نے کیا ہو تو بعد بالغ ہونے کے اس کو
توڑنے اور فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے کتنی
بڑی جرأت ہے کہ نص قرآن تو بآواز بلند
تراضی کا اعلان کرتا ہے اور احناف محض تقلید
کی وجہ سے ایک صورت میں بدون تراضی نکاح
نافذ قرار دیتے ہیں لڑکی بعد بالغ ہونیکے صاف
انکار کرتی ہے کہ میرے باپ نے جو نکاح میری لاعلمی
میں قبل از بلوغ کیا ہے وہ مجھ کو منظور نہیں ہے نکاح
اور احناف کہتے ہیں کہ اگرچہ تم راضی نہو اور اس
نکاح کو ناپسند کرتی ہو مگر تم کو توڑنے اور فسخ
کرنے کا اختیار نہیں ہے اس لئے کہ تمہارے باپ
یا دادا نے کیا ہے تو کیا خدا کے یہاں ابو حنیفہ رض
احناف کو اس جرأت علی کتاب اللہ سے نجات

موافق ہو اور قاعدہ معروفہ اسلام میں یہی ہے
کہ نابالغ لڑکی کا نکاح ولی کی رضا سے ہوتا ہے
اور ولی اگر باپ ہو تو لڑکی کو بعد بلوغ کے اختیار
نہیں ہوتا جیسا آئندہ حضرت عائشہ رضی اللہ
عنہا کے نکاح سے اس کا ثبوت آتا ہے اسی
قید بالمعروف سے حنفیہ نے یہ کہا ہے کہ اگر
عورت مہر مثل سے کم پر یا غیر کفوء سے نکاح پر
راضی ہو جائے تو یہ رضا معتبر نہیں کیونکہ
خلاف معروف ہے اس وقت ولی کو حق عضل
حاصل ہوگا۔ پس اذا تراضوا بینھم کو دیکھ
لینا اور بالمعروف سے قطع نظر کرنا علم
نہیں ہے جہل ہے۔ قال ابن العربی
المالکی فی احکام القرآن لہ قولہ
تعالیٰ اذا تراضوا بینھم بالمعروف
یعنی اذا کان کفوء الھا لان الآیۃ
نزلت فی ثیب مالکۃ امرھا فدل
علی ان المعروف المراد بالآیۃ ھو
الکفاءۃ وفیھا حق عظیم للاولیاء
لمافی ترکھا من ادخال العار علیھم
وذلک اجماع من الامۃ ا ھ ص ۱۷۸۵ ج ۱
وانکحوا الایامی منکم میں اولیاء
کو خطاب ہے کہ جن عورتوں کے شوہر نہ ہوں انکا
نکاح کردو۔ ایم عام ہے ہر غیر ذات زوج
کو۔ آگے ارشاد ہے والصالحین من
عبادکم وامائکم اپنے غلام اور باندیوں

دلا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، پھر کیونکر ایسی تقلید کورانہ کی وجہ سے عُسر کے تنگ احاطہ میں مسلمانوں کو قید کیا جاتا ہے اور یُسر کے میدان وسیع میں جانے کی اجازت نہیں دیتے ہیں؟ قرآن تو یوں فرماتا ہے ویوم ینادیھم فیقول ماذا اجبتم المرسلین کیا یہ بھی کہیں سے ثابت ہے کہ خدا ائمہ اربعہ یا اور کسی بزرگ کی تقلید کے بارے پوچھے گا؟

دوسری عرض یہ ہے کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم عام ہے اور اس کا یہی معنی ہے کہ اکرم عند اللہ فی الدنیا والآخرۃ متقی اور پرہیزگار ہے خواہ وہ کوئی ذات ہو عرب یا عجم یا جولاہا یا دھنیا یا شیخ یا پٹھان یا شیخ یا سید یا علوی یا انصاری یا اور کوئی کلمہ گو ہو اور احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح ہے۔ فاظفر بذات الدین سے عام بذات الدین مراد ہے خواہ کوئی ذات اور کوئی قوم ہو اور کوئی پیشہ کرتا ہو اس سے نہ آپ انکار کر سکتے ہیں نہ اور کوئی منصف مزاج مسلمان اور انکاح میں جو یہ ارشاد ہے اذا وجدت لھا کفوا اس سے

میں سے جو نیک ہوں ان کا بھی نکاح کر دو اسی سے یہ معلوم ہوا کہ نابالغہ اور غلام باندی کے نکاح میں ولی اور مولیٰ کی رضا کافی ہے نابالغہ اور غلام باندی کی رضا شرط نہیں ورنہ یہاں بھی اذا تراضوا کی شرط مذکور ہوتی۔ احناف اور شوافع وغیرہم جو مجتہدین کے واسطہ سے قرآن وحدیث کو سمجھتے ہیں وہ جرأت علی اللہ نہیں کرتے، جرأت علی اللہ وہ کرتے ہیں جو محض قرآن وحدیث کا ترجمہ دیکھکر مجتہد بنے بیٹھے ہیں حالانکہ وہ محض مطالعۂ ترجمہ سے نہ طبیب و ڈاکٹر بن سکتے ہیں نہ وکیل و بیرسٹر، یہ محض دین سے بے اعتنائی ہی تو ہے کہ ہر شخص اس میں اپنی رائے کو دخل دیتا ہے۔

آیت ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم میں فخر بالانساب کی ممانعت ہے مسئلہ کفاءت کی نفی کہاں ہے۔ اور جو شخص مسئلہ کفاءت کو فخر بالانساب سمجھتا ہے وہ جاہل ہے مسئلہ کفائت کا مدار اسی تعارف پر ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا۔ جس سے معلوم ہوا کہ شعوب وقبائل کو تعارف میں دخل ہے اور نکاح کی بنیاد ہی تعارف پر ہے بدون تعارف کے جو نکاح ہوگا اس میں مقصد نکاح فوت ہوگا زوجین میں الفت[ع]

ع (حاشیہ بر صفحہ آئندہ

وہی ذات الدین مراد ہے چنانچہ دوسری حدیث صحیح میں اس کی تصریح ہے اذا خطب الیکم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوہ الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض ۔ ہر مومن باللہ ورسولہ سے اس حدیث میں ہر اس مسلمان کو ارادہ کرے گا جو موصوف بالدین المرضی والخلق المرضی ہو خواہ وہ کوئی ذات ہو پس یہ تفریق بین المومنین جو آپ نے تقلیداً بہشتی زیور میں درج کیا ہے کہ فلانے کے یہاں نکاح بے جوڑ ہے اور فلانے کے یہاں با جوڑ ہے اور نصوص قرآن وحدیث پر غور نہیں فرمایا ہے اس کا جواب خدا کو دیں گے کیا ابو حنیفہ یا صاحب ہدایہ وغیرہ کی تقلید حجت عند اللہ ہو سکتی ہے ؟ ہاں مولانا یہ جو کچھ ہے کفار اور زمانۂ جاہلیت کا رسم بد ہے جو بد نصیبی اور تقلید کورانہ سے مسلمانوں میں چلی آتی ہے آپ کے سامنے حدیث صحیح موجود ہے جس میں آنحضرت ؐ نے فخر بالانساب کو مانند ضحک عن الضرطۃ زمانۂ جاہلیت یا کفار کا رسم بد قرار دیا ہے پس کیونکر نصوص قرآن وحدیث سے چشم پوشی کی جاتی ہے اور محض رسم ورواج کی بنا پر اور تقلید کورانہ کی وجہ سے وہ چیز جس کو آنحضرت ؐ

ومحبت نہ ہوگی اس لئے نکاح میں تعارف کی ضرورت ہے جو شعوب وقبائل پر مبنی ہے ، اس سے کسی خاندان پر کسی خاندان کی ایسی فضیلت لازم نہیں آتی کہ عمل ہی سے استغنار ہو جائے ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم کا یہی مطلب ہے ۔ پس جو لوگ اس آیت سے ابطال کفارت پر استدلال کرتے ہیں وہ قرآن میں اپنی رائے سے زیادتی کرتے ہیں ۔ اگر وہ تدبر سے کام لیتے تو اسی آیت سے کفارت کے مسئلہ کو سمجھ لیتے ۔

فاظفر بذات الدین میں مردوں کو خطاب ہے کہ دیندار عورت کو تلاش کرو ۔ اور مردوں کے واسطے فقہاء نے کفارت کی شرط کہاں لگائی ہے ، مرد جس مسلمان عورت سے چاہے نکاح کر سکتا ہے ، کفارت کی شرط عورتوں کے واسطے ہے ، اس سے اس حدیث میں کچھ تعرض نہیں اور جو شخص اس سے عورتوں کے لئے خطاب سمجھے وہ عربیت سے محض نابلد ہے ۔ البتہ اذا خطب الیکم من ترضون دینہ وخلقہ میں عورتوں کی بابت مردوں کو خطاب ہے کہ جب تمہارے پاس

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) حدیث میں ہے الارواح جنود مجندۃ ما تعارف منہا ائتلف وما تناکر منہا اختلف فلا دلیل علی کون التعارف فی الآیۃ مخصوصاً بتعارف الاشخاص بل ہو عام لتعارف الارواح والاشخاص جمیعاً ۱۲ ظ

کفار جاہلیت کی رسم بد فرماتے ہیں حکم اسلام اعتقاد کیا جاتا ہے اور فقہاء نے جو احادیث اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں کفارت کے بارے میں ان کو کون تسلیم کر سکتا ہے جو نصوص قرآن واحادیث صحیحہ سے خلاف ہیں۔

کوئی ایسا شخص پیغام لائے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے اپنی عورتوں کی شادی کر دو۔ مگر یہاں فقط دین پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ خُلُقَہٗ بھی فرمایا گیا ہے، اور مشاہدہ ہے کہ شعوب وقبائل کے اخلاق میں باہم زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے، ایک قریشی سید کے جو اخلاق عالیہ ہوں گے وہ کسی جلاہے یا تیلی کے نہیں ہو سکتے، اس قید سے خود کفارت کے اعتبار پر اشارہ موجود ہے مگر کوئی نہ سمجھے تو اس کا کیا علاج؟ نیز اس حدیث میں لفظ فزوجوہ اس بات کو بھی بتلا رہا ہے کہ نکاح میں ولی کی رضا کافی ہے کیونکہ یہاں اولیاء ہی کو خطاب ہے پس نابالغ لڑکیوں کی رضا کو شرط بنانا حدیث میں رائے کو دخل دینا ہے۔

اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ ابو حنیفہؒ اور صاحب ہدایہ نے جو کچھ کہا ہے حدیث وقرآن سے سمجھ کر کہا ہے، مگر یہ اس چودھویں صدی کی حریت اور آزادی کا اثر ہے کہ اخلاف امت سلف کو تو بُرا کہتے ہیں اور اپنی رائے سے دین کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فخر بالانساب کی ضرور مذمت کی ہے مگر اعتبار کفارت کی مذمت نہیں فرمائی اور دونوں کو ایک سمجھنا سراسر جہالت ہے کیا حدیث میں یہ نہیں ہے

ائمہ احادیث نے شکر اللہ سعیہم ان چھ کتابوں میں انہی احادیث کو درج کئے ہیں جو ان کی تحقیق اور تنقید میں صحیح تھیں اور جن کو اس وقت تک اہل السنہ والجماعۃ مانتے چلے آتے ہیں پس ان سے خلاف جو احادیث فقہاء نے نقل کئے ہیں ان کو کون تسلیم کر سکتا ہے حضرت مولانا اگر آپ قرآن اور احادیث صحیحہ پر غور فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کفارت کے مسائل جو فقہاء نے درج کئے ہیں شاید ان میں سے ایک آدھ قابل عمل ہو۔ قرآن کے بارے خدا فرماتا ہے ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر۔ پس قرآن تو ہر ذی عقل

الناس معادن کمعادن الذهب و الفضة خیارهم فی الجاهلیة خیارهم فی الاسلام اذا فقهوا اور حدیث میں یہ نہیں ہے الائمة من قریش اور کیا قرآن میں نہیں ہے لا یستوی منکم من انفق قبل الفتح و قاتل۔ جس میں مہاجرین کو غیر مہاجرین سے افضل کہا گیا ہے، کیا قرآن میں نہیں ہے، هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون، جس میں عالم کو جاہل سے افضل کہا گیا ہے، کیا قرآن میں نہیں ہے ام نجعل المتقین کالفجار، جس میں صلحاء کو فاسقوں سے افضل کہا گیا ہے یہی وہ امور ہیں جن کی کفاءت میں رعایت ہے۔

اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ مسئلہ کفارت صرف احادیث ہی نہیں بلکہ نص قرآن سے بھی ثابت ہے مگر کوئی نہ سمجھے تو اس کا کیا علاج؟ کفارت کے متعلق جو احادیث ہیں ان میں سے ایک آدھ بھی قابل عمل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد کیا کافی نہیں؟ پھر اس کا انکار کرنے والا منکر حکم رسول ہوگا یا نہیں؟

ولقد یسرنا القرآن للذکر کی جو تفسیر آپ نے سمجھی ہے وہ تفسیر بالرائے ہے، یقیناً قرآن عربی فصیح و بلیغ ہے، اس کا سمجھنا فصحاء و بلغاء عرب ہی کا منصب ہے محض ترجمہ

عربی دان بخوبی سمجھ سکتا ہے خدا نے قرآن میں جو یہ فرمایا ہے انا خلقناکم الآیۃ اور شعوب اور قبائل بنایا ہے یہ صرف تعارف کے لئے ہے نہ تفاضل کے لئے ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو ایمان لایا وہ ہر مسلمان کا کفو ہوا اور ہر مسلمہ کا نکاح اس سے با جوڑ ہے نہ بے جوڑ خواہ وہ عرب ہو یا عجم یا جولاہا یا دھنیا یا اور کوئی پیشہ کرتا ہو۔

جاننے سے قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا چنانچہ اوپر آیات و احادیث گذر چکی ہیں جن کے سمجھنے میں آپ نے غلط فاحش کا ارتکاب کیا ہے، پھر قرآن اگر ذکر کے لئے آسان ہے تو کیا استنباط احکام کے لئے بھی آسان ہے؟ جو اس کا دعویٰ کرے یقیناً جرأت علی اللہ کا ارتکاب کرتا ہے ذکر و استنباط میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ کافروں سے مسلمان عورتوں کا نکاح نہ کرو۔ اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ اسلام لانے کے بعد سب کے سب برابر ہیں جو یہ دعویٰ کرتا ہے وہ قرآن میں اپنی رائے سے اضافہ کرتا ہے، پھر ولا تنکحوا میں صاف اشارہ ہے کہ عورتوں کا نکاح کرنا نہ کرنا مردوں کے ہاتھ ہے اسی لئے تو مردوں کو خطاب کیا گیا کہ تم ان کا نکاح کافروں سے نہ کرو۔

ہاں احادیث میں جو خلق مرضی اور دین مرضی کفارت فی النکاح کا معیار قرار دیا گیا ہے وہ ضروری اور قابل لحاظ ہے اور طول بالمال اور استطاعت بالبارۃ بھی شرط ہے اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے مگر یہ جو احناف نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے کہ اکفار نو مسلم کے لئے کم از کم ابوان فی الاسلام

حدیث میں خلق مرضی کی رعایت کا حکم ہے وہی تو فقہاء کی شروط کفارت کی دلیل ہے کیونکہ شعوب و قبائل کے اخلاق میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

حضرات صحابہ تو سب کے سب ایسے ہی تھے کہ کفر سے اسلام میں داخل ہوئے تھے اس لئے وہ سب کفوٴ تھے ان میں کسی کے

ہونا چاہیئے جو نص قرآن سے بالکل خلاف ہے کیوں مانا جاتا ہے صحابہ کرام کے پاک دماغوں میں ہر گز یہ خلاف نصوص خیالات نہ تھے بلکہ لاکھوں کو مشرف باسلام کیا اور جو مسلمان ہوا اگرچہ اس کا باپ کافر ہو وہ کل اہل اسلام کا کفوٗ اور حقوق میں مساوی ہوتا تھا خود صدیق اکبر حضرت ابوبکرؓ کا باپ ابو قحافہ مکہ میں کفار کے ساتھ تھا اور غالباً وہ فتح مکہ سے قبل اسلام نہیں لایا تھا مگر حضرت ابوبکر پر کسی نے یہ طعن نہ کیا کہ تمہارا باپ کافر ہے اس لئے تم ہمارا کفو نہیں ہو ایسے ہزار ہا امثلہ موجود ہیں اور آپ کے سامنے ہیں پھر کیونکر تقلید کورانہ کی وجہ سے نصوص قرآن وحدیث اور تعامل صحابہ کرام بالائے طاق رکھا جاتا ہے اور تفریق بین المومنین کے گناہ کبیرہ میں مبتلا ہوتے ہیں فرقہ ناجیہ حسب ھم الذین علیٰ ما انا علیہ واصحابی وہی ہیں جو صحابہ کرام کے تعامل کو اپنا دستور العمل بناتے ہیں اور واللہ باللہ ثم باللہ کہ صحابہ کرام میں کفارت کے یہ خیالات نہ تھے جن کو احناف نے اپنا ایمان واسلام قرار دیا ہے۔

باپ کے کافر ہونے سے دوسرے پر فوقیت لازم تھی لہٰذا وہاں ابوان فی الاسلام معیار کفارت کیونکر ہوتا اس کا ثبوت دینا چاہیئے کہ صحابہ نے نکاح میں عرب وعجم کا بھی لحاظ نہیں کیا اور حنفیہ کے پاس اس کی دلیل موجود ہے کہ اس کا لحاظ کیا گیا ہے۔ ہر دی البزار بسند؟ عن سلمان رضی اللہ عنہ قال نفضلکم یا معاشر العرب لتفضیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ ایاکم فلا ننکح نساءکم ولا نؤمکم فی الصلوٰۃ قال الحافظ ابن تیمیۃ فی اقتضاء الصراط المستقیم وھذا اسناد جید ورواہ الثوری عن ابی اسحٰق عن ابی لیلیٰ عن سلمان انہ قال فضلتمونا یا معاشر العرب باثنتین لا نؤمکم ولا ننکح نساءکم اھ ص ۷۶۔ حافظ ابن تیمیہ نے بتلایا ہے کہ یہ حدیث ان فقہاء کی حجت ہے جو کفارت میں عربیہ کا عجمی کے مقابلہ میں لحاظ کرتے ہیں اور جو شخص احادیث صحیحہ کو صرف صحاح ستہ میں منحصر کرتا ہے وہ اپنی جہالت کا ثبوت دیتا ہے، مؤطا مالک، مسند احمد، مسند شافعی، مسند ابی حنیفہ، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند بزار، مسند ابی یعلیٰ جامع سفیان ثوری، جامع وکیع ومستدرک حاکم وغیرہ میں ہزار ہا احادیث صحیحہ موجود ہیں۔

آج کل آریہ سماجی پلیٹ فارم کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ اسلام لانا اپنے آپ کو نہ صرف عقبیٰ کے عذاب میں گرفتار کرنا ہی بلکہ دنیا میں بھی عذاب میں پڑ جانا ہے اس لئے کہ تم کو مسلمان اپنی برادری میں شامل نکریں گے نہ تم کو لڑکی دیں گے اور نہ تمہاری لڑکی سے شادی کرینگے ہاں آریہ سماجی ہو جاؤ اور شدہ ہو جاؤ تو تم کو ہم دل سے اپنی برادری میں شامل کرتے ہیں تم کو لڑکی دیں گے تمہاری لڑکی سے شادی کریں گے۔ آخرت کے بارے میں تو آریہ سماجیوں کا کہنا اگرچہ غلط ہے مگر دنیا کے بارے بالکل درست ہے اور اس وجہ سے دیگر مذاہب والے اسلام قبول نہیں کرتے ہیں خادم کا چشم (دید) واقعہ ہے بہار کے علاقہ میں کاستون کا ایک خاندان مسلمان ہو گیا جن میں بڑے بڑے لوگ تھے، ایک ان میں خان بہادر وکیل محمد جان تھے ان کو اسلام لانے کے بعد لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کرنے میں بڑی دقت پیش آئی یہ دیکھکر آریہ سماجیوں نے دعوت ارتداد دی اور کہا کہ تم شدہ اور آریہ ہو جاؤ ہم ابھی تمہاری لڑکیوں اور لڑکوں کی شادی اچھے سے اچھے گھرانے میں کرتے ہیں مگر چونکہ وہ راسخ الاعتقاد تھے مرتد نہوئے۔

حدیث مذکور میں جو تکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض وارد ہے وہ یہی آریہ سماج کے مسئلہ کفارت پر اعتراض کرنے سے اگر یہ مسئلہ غلط ہو جائے گا تو ستیارتھ پرکاش اوٹھا کر دیکھو اس میں اسلام کے عقائد و عبادات کا بھی مضحکہ اوڑایا گیا ہے تو کیا دوسروں کے اعتراض سے اپنے سارے گھر ہی کو برباد کر دوگے تم تو یہ کہتے ہو کہ مسئلہ کفارت کفار کو اسلام سے روک رہا ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ قربانی ان کو اسلام سے روکتی ہے تیسرا کہتا ہے کہ ختنہ کا مسئلہ مانع ہو رہا ہے چوتھا کہتا ہے کہ نماز کا حکم مانع ہو رہا ہے تو بس اسلام ہی ان کی خاطر مٹا دو۔

پھر مسئلہ کفارت کا یہ مطلب کس نے بتلایا ہے کہ عورت مسلمہ کا نکاح غیر کفو میں ہو ہی نہیں سکتا اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ نابالغ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں نہ کیا جائے کیونکہ نابالغ لڑکی کے نکاح میں تمام مصالح کی رعایت ضروری ہے کیونکہ وہ خود اپنی مصالح کو نہیں سمجھ سکتی۔ اور بالغ عورت کا نکاح غیر کفو میں بدون اس کی مرضی کے نہ کیا جائے، تراضی طرفین کی ضرورت کا تم کو خود اعتراف ہے، نیز عورت بالغہ غیر کفو میں بدون اولیاء کی رضا کے خود نکاح نکرے کیونکہ اذا اتاکم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوہ سے رضا سے اولیاء کی ضرورت بھی ثابت ہے نیز ترمذی کی حدیث ہے ایما امرأۃ نکحت

کفارت کے نامشروع مسائل ہیں جو زمانۂ جاہلیت کے کفار کی رسم بد ہیں اور حدیث صحیح اس کا گواہ ہے اور اشاعت اسلام کے لئے سد باب ہیں مگر بدنصیبی اور تقلید کورانہ آبائی سے احناف نے ان کو منزّل من اللہ اعتقاد کرلیا ہے۔ یہ میں جو عرض کر رہا ہوں نہ صرف میری رائے ہے بلکہ بڑے بڑے ائمہ سلف کی رائے ہے کفایہ شرح ہدایہ میں سفیان زہری کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اس کفارت سے جو احناف نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے سخت منکر تھے اور فرماتے تھے کہ عرب اور عجم وغیرہ سب برابر ہیں ان میں تفاضل صرف باعتبار تقویٰ کے ہے، اور کفایہ میں اس کی تردید میں متعدد احادیث ہیں ایک ان میں سے یہ ہے الناس سواسیۃ کاسنان المشط، علامہ شامی جو بڑے حنفی ہیں اس کی تردید کرتے ہیں آپ کے سامنے یہ کتابیں موجود ہیں آپ نے ضرور ملاحظہ کئے ہوں گے علاوہ بریں نصوص احادیث صحیحہ اور نصوص قرآن سے یہ مسائل احناف خلاف ہیں اور جیسے کہ عرض کر چکا ہوں ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا صاف بتاتی ہے کہ ہر کافر اور مشرک بعد ایمان لانے کے ہر مسلم مسلمہ کا کفو ہے۔ اور اس سے نکاح کرنا بے جوڑ نہیں ہے بلکہ باجوڑ ہے بشرطیکہ اس میں دین مرضی اور خلق مرضی ہو اور استطاعت

نفسها من غیر ولی فنکاحها باطل باطل باطل، حیرت ہے کہ اہل حدیث نکاح بدون ولی کو جائز نہیں کہتے اور غیر کفو میں بدون ولی کی مرضی کے نکاح کو جائز کرنا چاہتے ہیں۔ اور اگر عورت اور اس کے اولیائ غیر کفو میں نکاح پر راضی ہوں تو اس سے حنفیہ نے کب منع کیا ہے؟ پس آریہ کا اعتراض حنفیہ کے مذہب پر نہیں ہو سکتا حنفیہ تو صرف اتنا کہتے ہیں کہ تراضی عورت و اولیاء شرط ہے یہ نہیں کہتے کہ نکاح مطلقاً صحیح نہیں، یا عورتوں اور مردوں کو غیر کفو سے راضی نہ ہونا چاہیئے۔

سفیان زہری کون ہیں؟ آپ کو نام بھی صحیح نہ آیا، اور اگر کوئی ہو تو میں بتلا چکا ہوں کہ کفارت کا ثبوت احادیث صحیحہ اور قرآن کی دلالت سے موجود ہے اس کے مقابلہ میں حنفیہ پر کسی کا قول حجت نہیں۔

الناس سواسیۃ کاسنان المشط

یہ حدیث صحاح میں ہے تو دکھلائی جائے اور غیر صحاح میں ہے تو اس سے احتجاج کا آپ کو کیا حق ہے؟ پھر اس سے مسئلہ کفارت کی نفی کیونکر ہو گئی آدمی آدمی سب برابر ہیں مگر پھر بھی علم و جہل، صلاح و فسق اخلاق وغیرہ کا فرق موجود ہے اس فرق سے کیونکر آنکھیں بند کی جائیں گی پھر شعوب و قبائل کا تعارف

بالمال والبارۃ رکھتا ہو لما مر چہ جائیکہ وہ سیکڑوں پشتوں سے مسلمان ہو خواہ کسی قوم سے ہو یا کوئی پیشہ کرتا ہو۔

کے لئے ہو نا نص قرآن میں موجود ہے اور تعارف ہی مدار کفارت ہے کیونکہ تعارف کی تفسیر حدیث میں ما تعارف منها ائتلف آئی ہے جس کے لئے ائتلاف لازم ہے اور وہ کفارت ہی میں ہوتا ہے الا نادرًا والنادر کالمعدوم حدیث میں جس مساوات کا ذکر ہے وہ اخوت دینی کی مساوات ہے اس میں واقعی سب برابر ہیں اس سے مساوات نکاح کیونکر معلوم ہوئی۔

لا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا کی تفسیر آپ نے غلط کی ہے اوپر تنبیہ کر چکا ہوں۔ خلق مرضی کی قید مسئلہ کفارت پر دال ہے کما مر۔

یہاں آپ نے استطاعت بالمال والباءۃ کی ضرورت بھی تسلیم کی ہے، ذرا بتلا یا جائے کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم میں مال اور باءۃ کا کہاں ذکر ہے؟ تم قرآن پر جو چاہو زیادہ کرو تم مجرم نہیں حنفیہ کفارت کو زیادہ کریں تو مجرم؟ سبحان اللہ کیا انصاف ہے، اب ذرا یہ بھی بتلا دیا جائے کہ مال اور بارت کی ضرورت جب آپ کو تسلیم ہے تو اس کی کوئی حد ہے یا نہیں؟ اگر کوئی حد نہیں تو مہمل قانون ہے اگر کوئی حد ہے؟ تو حدیث سے اس کا ثبوت دیا جائے؟ اور جب مال کی ضرورت

اور فخر بالانساب زمانۂ جاہلیت کے کفار کا رسم بد ہے جیسے خندۂ گوز وغیرہ ۔

چونکہ اسلام ایک فطری اور حقانی قانون خدا ہے اور اس کا کوئی قانون خلاف عقل سلیم نہیں ہو سکتا ہے اس لئے انبیاءؑ نے وہی کیا جو خادم عرض کرتا ہے ۔

ابراہیمؑ ابو الانبیاء نے حضرت ہاجرہ کو حرم سرائے نبوت میں داخل کیا جس سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے اور ان سے قریش ہیں حال یہ ہے کہ وہ ایک کافر بدمعاش زانی بدکار ظالم کے خاندان سے تھیں علیٰ ھٰذا القیاس ۔

جب وہ اور حضرت لوطؑ ارض مقدسہ کو ہجرت کر گئے اور ان کی اولاد پھیلی تو ان کے نکاحیں اس ملک کی عورتوں سے ہوئیں ۔

حال یہ ہے کہ وہ یقیناً ہم قوم نہ تھے یہ دونوں حضرات نمرود کے ملک سے آئے تھے جو ارض مقدسہ سے دور تھا، پس ہم قوم ہونا کیسا اور کہاں ہے ۔

باب نکاح میں مسلّم ہے تو مسئلہ کفارت ہی پر کیوں اعتراض ہے حنفیہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ فقیر مرد عورت غنیہ کا کفو نہیں کیونکہ وہ اس کے مناسب حال اس پر مال خرچ نہیں کر سکتا، اور ایک گنوار لٹھ، کسی شریف زادی کا کفو نہیں کیونکہ وہ اس کی قوت کا تحمل نہیں کر سکتی مثلاً ۔

فخر بالانساب کی مذمت مسلّم ہے مگر اس کو مسئلہ کفارت سے کوئی تعلق نہیں کما مرّ ۔

ابراہیم علیہ السلام کا حضرت حاجرہ سے نکاح ثابت نہیں بلکہ وہ ان کی باندی تھیں اور ثابت بھی ہو تو اس کو مسئلہ کفارت سے کیا تعلق؟ کفارت کی ضرورت عورت کے لئے ہے مرد کے لئے نہیں مرد جس عورت سے چاہے شادی کر سکتا ہے اس سے خاندان پر کوئی اثر نہیں پڑتا حضرت امام زین العابدین کی والدہ شہر بانو باندی تھیں مگر اس سے سادات کے نسب پر کوئی اثر نہیں ہوا، افسوس ہے کہ آپ مسئلہ کفارت کو سمجھے بھی نہیں ہیں اور بدون سمجھے اعتراض کرنے لگے کیا اسی کا نام دین اور دیانت ہے ؟

خود حضرت لوط ان لوطیوں سے فرماتے تھے ھٰؤلاء بناتی ھن اطھر لکم حال یہ ہے کہ نہ مذہب ایک اور نہ قومیت، یہ دوسری بات ہے کہ اسلام نے کافر سے نکاح ناجائز کیا اور حضرت لوط کے مذہب میں جائز تھا مگر کفارت فی الاسلام اس طرح پر جیسے کہ احناف نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے کہاں سے ثابت ہوتا ہے نصوص قرآن وحدیث تو اس کی تردید کرتی ہیں۔

حضرت یعقوبؑ کی ایک بیوی حضرت یوسفؑ کی والدہ تو ان کے خاندان سے تھیں مگر دوسری کنیز تھیں نہ معلوم کس قوم کی تھیں، جامی فرماتے ہیں۔

بیا بنگر کنیزک زادگان را
زراہ عقل و دین افتادگان را

جب حضرت یعقوبؑ اپنی اولاد کو لیکر مصر گئے تو یقینی امر ہے کہ حضرت یعقوبؑ کے گھر میں یہ غیر ممکن تھا کہ سب کی شادی آپس میں ہو بلکہ قبطیوں سے خلط ملط ہوا جیسے حضرت یوسف نے زلیخا امرأۃ العزیز سے نکاح کیا جو بُت پرست اور قبطیہ تھیں اس طور پر ان کے بھائیوں کے رشتے بھی قبطیوں میں ضرور ہوگئے ہوں گے۔ جب حضرت موسیٰ مدین گئے تو وہاں ایک مرد صالح کی لڑکی سے شادی کی جو یقیناً ان کے ہم قوم اور ہم نسب نہ تھے حضرت موسیٰؑ

ھٰؤلاء بناتی سے حضرت لوط کی بیٹیاں مراد نہیں بلکہ اسی قوم کی عورتیں مراد ہے مطلب یہ ہے کہ مرد، مردوں سے مشغول نہوں بلکہ اپنی عورتوں سے منتفع ہوں جو میری بہو بیٹیاں ہیں، اُمت کی عورتیں نبی کے لئے بمنزلہ اولاد کے ہوتی ہیں، اور جب اس وقت نکاح کے لئے اسلام بھی شرط نہ تھا جیسا آپ کو مسلّم ہے کہ بعد میں اسلام نے اس کو شرط کیا تو یہ کیوں ممکن نہیں کہ بعد میں کفارت کی بھی شرط ہوگئی ہو۔

جن آیات واحادیث سے تم نے ابطال کفارت سمجھا ہے میں بتلا چکا ہوں کہ وہی کفارت پر دال ہیں کما مر

حضرت یعقوب علیہ السلام کی دوسری بیوی غیر خاندان سے تھی یا حضرت یعقوب کی اولاد نے قبطی عورتوں سے نکاح کیا یا حضرت موسیٰ کی بیوی (احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں مگر اہل حدیث کی حدیث دانی ملاحظہ ہو کہ اس کو صرف مشہور کہکر ٹالا جاتا ہے) کس خاندان کی تھیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جُرہم قبیلہ میں شادی کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اقوام کی عورتوں سے نکاح کیا اس کو مسئلہ کفارت سے کیا تعلق؟ یہ سب کچھ دلیل ہے اس کی کہ آپ نے کفارت کے مسئلہ کو مطلق نہیں سمجھا، اس کا ثبوت

اسرائیلی اور وہ مرد صالح نہ معلوم کس قوم کے تھے مشہور تو یہ ہے کہ وہ حضرت شعیبؑ پیغمبر تھے مگر قرآن میں ستجدنی ان شاء اللہ من الصالحین ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مرد صالح تھے۔

حضرت اسماعیلؑ حضرت ہاجرہ کے ساتھ مکہ معظمہ میں رہے جوان ہونے پر جرہم کے قبیلہ کی کئی عورتوں سے نکاح کیا جن میں سے چند کو طلاق دیا، خود سرور کائنات فخر موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف قولاً اپنی امت کو فخر بالانساب کے رسم بد سے ڈرایا اور فرمایا کہ یہ زمانہ جاہلیت کے کفار کی رسم بد ہے بلکہ فعلاً آپ نے مختلف اقوام کی عورتوں کو اپنے حرم نبویؐ میں داخل کیا تاکہ امت محمدیؐ سے یہ رسم بد کفار جاتا رہے حضرت صفیہ یہودی تھی اور امّ ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ فراعنہ کی قوم میں سے تھیں اور یہ دونوں حرم سرائے پیغمبرؐ میں تھیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے مجوسیہ آتش پرست پارسیہ سے نکاح کیا جس سے سادات کے نسب کا سلسلہ ہے۔

علی ھذا القیاس قرون اولیٰ میں ہزاروں مثالیں ہیں کہ ان بزرگوں نے نکاح میں قومیت کا لحاظ نہ کیا بلکہ حسب الارشاد قرآن فانکحوا ما طاب لکم من النساء جو عورت پسند آئی بشرط مسلمان ہونے کے

دو کہ حضورؐ نے اپنی کس نابالغ لڑکی کا نکاح غیر کفوء سے کیا ہے یا آپ کی کسی لڑکی نے بدون آپ کی رضا کے غیر کفو سے نکاح کیا ہے۔

قرون اولیٰ میں اس کی ہزاروں لاکھوں مثالیں ہیں کہ مردوں نے ہر خاندان کی عورتوں سے شادی کی مگر اس سے مسئلہ کفارت کے خلاف کچھ ثابت نہیں ہوتا، اس کا ثبوت دیا جائے کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اپنی

اس سے نکاح کیا ہیں ثابت ہوا کہ نکاح کے کفارت کے بارے احناف نے جو قومیت اور پیشہ اور عرب اور عجم کا فرق اپنی کتابوں میں درج کیا ہے وہ نہ صرف نصوص قرآن وحدیث سے خلاف ہے بلکہ تعامل انبیاءؑ سے اور تعامل قرن اولیٰ سے بھی خلاف ہے۔

اور دیگر ممالک اسلام میں یہ رسم بد کفار جاہلیت کا زیادہ لحاظ نہیں ہے صرف ہندوستان میں ہنود کے اثر سے یہ رسم جاری ہے ظاہر ہے کہ ہندؤں میں اس بات کا بڑا احتیاط ہے کہ ہر قوم کی شادی اسی قوم میں ہونی چاہیئے، یہی رسم ہنود اور کفار مسلمانوں میں جاری ہے اور احناف کی کتابوں میں چونکہ اس کے لئے کچھ مصالحہ ملتا ہے اس لئے دوستوں نے اس کو منزل من اللہ اعتقاد کر لیا ہے اور تفریق بین المومنین کے گناہ کبیرہ میں مبتلا ہوتے ہیں اور واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا کے نص صریح پر عمل نہیں کر سکتے ہیں۔

اور نص صریح ولا یسخر قوم من قوم سے غافل ہو کے ایک دوسرے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، بلکہ کمینہ اور رذیل کہکر غیبت اور بہتان کے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ اپنی نادانی

نابالغ لڑکیوں کا نکاح غیر کفو سے کیا ہے یا ان کی بالغ لڑکیوں نے بدون رضائے اولیاء غیر کفو سے نکاح کیا ہے اور اس کو جائز سمجھا گیا، بدون اس کے جو کچھ تم نے لکھا ہے اس سے مسئلہ کفارت کے خلاف۔ نہ تعامل انبیاء کا ثبوت ہو سکتا ہے نہ تعامل خیر القرون کا۔

کفار کی رسم بد تو یہ ہے کہ ان کے مرد بھی اپنی گوت کے سوا نکاح نہیں کرتے۔ مسئلہ کفارت کا یہ مطلب جس نے سمجھا ہے وہ جاہل ہے۔ حنفی مرد ہر خاندان میں نکاح کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں ہزاروں کے گھر میں نومسلم عورتیں موجود ہیں جن کو مسلمان کر کے نکاح میں داخل کیا گیا ہے، مسئلہ کفارت کا جو مطلب ہے وہ بار بار مذکور ہو چکا ہے اس کو اعتصام بحبل اللہ کے خلاف سمجھنا سراسر نادانی ہے بلکہ اس کو اتحاد واتفاق میں بڑا دخل ہے کیونکہ تعارف کا مدار اسی پر ہے اور بدون تعارف کے اتفاق نہیں ہو سکتا۔

لا یسخر قوم من قوم کو مسئلہ کفارت سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر مسئلہ کفارت کو کوئی جاہل فخر بالانساب کا ذریعہ بنائے وہ خود اس کا ذمہ دار ہے یہ مسئلہ اس کا ذمہ دار نہیں، اگر کوئی شخص نماز پڑھ کر اپنے کو بزرگ اور ولی

اور جہالت اور تقلید کورانہ آبائی سے اس غیبت اور بہتان کو گناہ نہیں خیال کرتے ہیں بلکہ شیر مادر اعتقاد کرتے ہیں آخر پیغمبرﷺ نے غیبت کی تعریف یوں فرمائی ہے ذکرک اخاک بما یکرہ اور یقینی امر ہے کہ کسی شخص کو جولاہا اور دھنیا وغیرہ کہنا اس کو ناگوار معلوم ہوتا ہے پس یہ یقینی غیبت ہے اور رذیل اور کمینہ کہنا یقیناً بہتان ہے چنانچہ ارشاد ہے فان لم یکن فیہ ما تقول فقد بہتہ بل اول الذکر الفاظ بھی بہتان ہے اس لئے کہ ان لوگوں کو بھی یہ الفاظ کہے جاتے ہیں جو ان پیشوں سے مطلق تعلق نہیں رکھتے ہیں اور معزز پیشوں میں اچھی اچھی حیثیت رکھتے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اسلام جو خدا کا آخری دین ہے اور مسلمانوں کو خیر الامم کا لقب دیا گیا ہے اور اتحاد اور مساوات اور اتفاق اسلام کا اصل الاصول ہے وہ مسلمانوں میں مفقود اور دیگر ملل باطلہ میں بخوبی موجود ہے آریہ سماجیوں کا ذکر تو ہو چکا کہ جو کوئی شدھ اور آریہ ہو اس کو بلا امتیاز

سمجھنے لگے اور بے نمازیوں کو حقیر جاننے لگے تو کیا اس سے نماز کو کہہ دو گے ؟

اگر جولاہا، دھنیا، موچی وغیرہ پیشہ کی وجہ سے کسی قوم کا لقب ہے تو جو لوگ ان القاب سے برا مانتے ہیں وہ اپنے جائز پیشہ کو برا سمجھتے ہیں اور جائز پیشہ کو برا سمجھنا خود برا ہے، اور اگر یہ لقب پیشہ کی وجہ سے نہیں ہے کسی اور وجہ سے ہے تو اس وجہ کو ظاہر کر کے بتلایا جائے کہ یہ الفاظ غیبت میں کیونکر داخل ہو گئے؟ کسی پیشہ ور کو اس کے پیشہ کے نام سے یاد کرنا ہرگز غیبت نہیں کتب رجال دیکھو۔ حلاج، نداف، خیاط، اسکاف وغیرہ القاب بلا تکلف محدثین نے استعمال کئے ہیں بلکہ وہ تو اعمیٰ، اعمش، اعرج وغیرہ بھی استعمال کرتے ہیں جب کہ کسی کا لقب مشہور ہو جائے، اور اس کو غیبت نہیں سمجھا گیا۔ کسان کو کسان، بھنگی کو بھنگی، چمار کو چمار ہی کہا جائے گا اور کیا کہا جائے گا؟ فاعتبروا یا اہل الحدیث مدعی الاجتہاد۔

اپنی جماعت میں داخل کرتے ہیں اور بلا تردد
اس سے رشتہ داری کرتے ہیں، عیسائیوں
میں چمار سے لیکر برہمن اور چھتری شامل ہیں
مگر عیسائی ہونے کے بعد قومیت کی جہالت
جاتی رہتی ہے اور بلا امتیاز ایک دوسرے
سے ملتے ہیں اور رشتہ داری کرتے ہیں یہی وجہ
ہے کہ عیسائیوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے مگر
احناف کے یہ کفارت کے یہ نامعقول مسائل
نہ صرف مسلمانوں میں تفریق اور تشتت کا
باعث ہیں بلکہ دوسرے اقوام کو اسلام لانے
سے روکتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ ہم مسلمان
ہو جائیں گے تو لڑکوں کی شادی کہاں کریں گے؟

آریہ سماج یا عیسائی جیسا کسی قوم کو اپنی
لڑکیاں دیتے ہیں دنیا کو معلوم ہے وہ لڑکیاں
تو کیا دیتے کسی کو اپنا حقہ بھی نہیں دے سکتے غلط
باتیں لکھنے سے واقعات نہیں بدلا کرتے،
ہمارے یہاں سیکڑوں ہندو بھنگی چمار مسلمان
ہوئے ہیں کسی کو بھی یہ شکایت نہیں کہ مجھے
مسلمان عورت نہیں ملتی ہر نو مسلم کو اس کے
مناسب مسلمان عورتیں ہمیشہ مل جاتی ہیں، اگر
تمہاری طرف نومسلموں کو مسلمان عورتیں نہ
ملتی ہوں تو ان کو ہمارے پاس بھیجدو،
اگر وہ واقعی سچے مسلمان ہوں گے ان کو
مسلمان عورتیں ضرور مل جائیں گی، واقعہ یہ
ہے کہ نہ ہندؤں کو نکاح کا بہانہ ہے نہ
عیسائیوں کو سب کو اس کا یقین ہے کہ مسلمانوں
کی برابر کسی قوم میں مساوات نہیں مگر جن
لوگوں کو اپنے جائز پیشے کا نام بھی ناگوار ہے
یہ سب ان کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔
پھر اگر حنفیوں کے مسئلہ کفارت سے
ہندؤں کو اسلام سے رکاوٹ ہے تو ہندوستان
میں کروڑوں جلاہے، تیلی غیر مقلد موجود ہیں وہ
کیوں ان کے سامنے اپنی لڑکیاں پیش نہیں
کر دیتے تاکہ ان کو شکایت کا موقعہ نہ رہے،
آخر اسلام تو سب ہی کا ہے فقط شریفوں کا
نہیں ہے نہ فقط حنفیوں کا ہے، ہیں بتلا

یہ میں عرض کرچکا کہ قرون اولیٰ میں یہ مرض اور یہ تپ کہنا اور دق زمانۂ جاہلیت کے کفار سے چلا آیا ہے شاید کسی کے خیال میں یہ وسوسہ شیطانی آوے کہ تم نے جو مثالیں پیش کی ہیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرون اولیٰ بلکہ پیغمبروں نے دوسرے اقوام کی عورتوں سے نکاح کیا ہے نہ یہ کہ اپنی لڑکیوں کا نکاح دوسرے اقوام سے کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کے بارے یہ حکم ہے کہ ان کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو مگر مسلمان عورتوں کا نکاح ان سے نہیں ہوسکتا

پس اہل اسلام کے بارے یہ خیال غلط ہے سب سے بڑھکر تو نص قرآن ہے جس پر ایمان لانا فرض ہے اور قرآن میں یہ صاف حکم ہے ولاتنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا اور یہ حکم ہے ولاتنکحوا المشرکات حتی یؤمن جس کا صاف مطلب بلاتاویل یہ ہے کہ جو مشرک ایمان لاوے خواہ وہ عجم ہو یا عرب اور جو مشرکہ ایمان لاوے خواہ وہ عربیہ ہو یا عجمیہ ان کے ساتھ رشتہ نکاح باجوڑ اور مناسب ہے، اور کفارت کے جو قیود احناف نے اپنی کتابوں

چکا ہوں کہ مسئلہ کفارت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غیر کفو میں شادی نہ کرو صرف اتنا مطلب ہے کہ غیر کفو میں بدون رضائے اولیاء و رضائے عورت کے نکاح نکیا جائے۔

ولاتنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا سے یہ استدلال کرنا کہ قرون اولیٰ کے مسلمان اپنی لڑکیاں ہر مسلمان کے نکاح میں دیدیا کرتے تھے غلط استدلال ہے آیت کے کسی لفظ سے اس کا ثبوت نہیں ہوسکتا، میں بار بار بتلا چکا ہوں کہ حنفیہ نے جو شروط کفارت کیلئے ذکر کی ہیں نصوص قرآن و احادیث اس کی مؤید ہیں۔ پس جھوٹ اور افترار وہ کرتا ہے جو نہ مسئلہ کفارت کی حقیقت

میں درج کئے ہیں اس نص قرآن سے چونکہ خلاف ہیں اس لئے وہ جھوٹ اور ناقابل عمل ہیں۔

ہاں یہ دوسری بات ہے کہ اعلیٰ خاندان کے مرد اور عورت حسن خَلق اور حسن خُلق کے لحاظ سے زیادہ تر بالا اور برتر ہوتے ہیں اور اسی لئے خدا نے کوئی پیغمبر چھوٹے گھرانے میں نہیں بھیجا ہے چنانچہ ارشاد ہے ما بعث من نبی الا فی احساب قومہ اور حسن صوری اور حسن معنوی ان دیگر کمالات مرغوبہ ان میں زیادہ ہوتے ہیں اور صفات حسنہ ان میں زیادہ پائے جاتے ہیں اور اس لئے عام طور پر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ میرا نکاح بڑے گھرانے میں ہو یہ بالکل درست ہے اور قرآن کے اس ارشاد کے مطابق ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء یعنی ان عورتوں سے نکاح کرو جو تم کو پسند ہو مگر یہ امور طبعیہ ہیں اور ہر شخص کی طبیعت کی خواہش اور رغبت مختلف ہوتی ہے وللناس فیما یعشقون مذاہب۔ اور اس میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں ہے مضائقہ اور حرج اور ظلم اور نصوص قرآن وحدیث سے خلاف یہ ہے کہ مسلمانوں میں کفارت مخترعہ کی وجہ سے تفریق پیدا کی جاتی ہے اور یہ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ فلانے کے یہاں نکاح باجوڑ ہے اور فلانے کے یہاں بے جوڑ ہے۔ حضرت مولانا آپ نے سیکڑوں تصنیفات محض خدا کے لئے لکھی ہیں اگر ان مسائل پر آپ

کو سمجھتا ہے نہ قرآن وحدیث کو۔

جبکہ تم کو بھی یہ تسلیم ہے ما بعث نبی الا فی احساب قومہ کہ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ شریف خاندانوں میں مبعوث ہوا کرتے تھے، کوئی نبی چھوٹے گھرانے میں پیدا نہیں ہوا تو اس سے خود یہ بات ثابت ہوگئی کہ انبیاء کے خاندان کی لڑکیاں چھوٹے خاندانوں میں جاتی تھیں ورنہ ان کے خاندان دوسروں سے بڑے کیونکر رہتے چھوٹے اور بڑے خاندان کا امتیاز باہمی اختلاط کے بعد باقی نہیں رہ سکتا پس تمہارا وہ قول غلط ہوگیا کہ انبیاء کا تعامل مسئلہ کفارت پر نہ تھا۔ نیز جب اللہ تعالےٰ نے انبیاء کے لئے بڑے گھرانوں کو منتخب فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ کسی خاندان کا بڑا ہونا چھوٹا ہونا خدا کی طرف سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب خاندان برابر تھے تو اس حدیث کے کچھ معنی ہی نہیں رہتے کہ انبیاء کیلئے بڑے گھرانے تجویز کئے گئے۔ پس مسئلہ کفارت کا ثبوت خود حق تعالیٰ کے فعل سے ہوگیا۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسئلہ کفارت کو تفریق بین الامم کا سبب سمجھنا غلط ہے ورنہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے خود تفریق کی ہے کہ بڑے گھرانوں میں تو انبیاء بھیجے جلاہوں تیلیوں میں انبیاء نہ بھیجے۔

غور فرمائیں گے اور جو نصوص قرآن و حدیث میں نے پیش کی ہیں انہی کے مطابق ایک رسالہ تصنیف فرمادیں تاکہ مسلمانوں میں سے یہ تفریق فی کفارۃ النکاح جاتی رہے اور مثل آریوں اور عیسائیوں کے واعتصموا بحبل اللہ پر عمل کر کے باہم رشتہ پیدا کریں تو خدا کے یہاں آپ کو بڑا ثواب ملے گا جو قوم ترقی کے میدان میں قدم رکھتی ہے وہ اس تفریق کو بالائے طاق رکھتی ہے قادیانیوں نے بھی اوٹھایا پس آپ نصوص پر غور فرماکر احناف سے اوٹھائیے۔ ھذا والسلام علی من اتبع الھدیٰ فردہ الی اللہ والرسول۔

خادم عبداللہ از کالج فیض آباد۔

۴۔ ۷۔ ۱۳۵۸ھ۔

تم نے خود اعتراف کیا ہے کہ اس انتخاب کا سبب یہ تھا کہ حسن صوری اور حسن معنوی اور دیگر کمالات مرغوبہ ان میں زیادہ ہوتے ہیں اور صفات حسنہ ان میں زیادہ پائے جاتے ہیں اس کے ساتھ ایک مقدمہ یہ بھی ملالو کہ نکاح میں الفت اور محبت اور تعلق دائم کی ضرورت ہے اور وہ بدون توافق طبائع کے نہیں ہوسکتا اور توافق طبائع کا مدار انہی صفات کے اشتراک پر ہے جس کا انکار مکابرہ ہے تو اس سے خود مسئلہ کفارت کا ثبوت ہوگیا اور یہ مقدمہ ہر چند کہ عقلی اور بدیہی ہے مگر حدیث اذا اتاکم من ترضون خلقہ و دینہ فزوجوہ سے بھی ثابت ہے کیونکہ شریف خاندان والی کو چھوٹے خاندان والے کے اخلاق پسند نہیں ہوسکتے، اگر انصاف سے غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ مسئلہ کفارت قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس کا انکار نہیں ہوسکتا والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۶ رجب ۵۸ھ

تتمہ:۔ یہ تو اعتراضات کا جواب تھا جس میں ضمناً کچھ دلائل بھی آگئے ہیں اب مستقلاً کفارت کے دلائل ملاحظہ ہوں:۔

روی مسلم من حدیث واثلۃ بن الاسقع ان اللہ اصطفیٰ کنانۃ من بنی اسمٰعیل واصطفیٰ من بنی کنانۃ قریشا واصطفیٰ من قریش بنی ھاشم وزاد الترمذی

ان اللہ اصطفی من ولد ابراھیم اسمٰعیل ومن ولد اسمٰعیل کنانۃ الحدیث قال الحافظ فی التلخیص لا یعارض ھذا ما رواہ الترمذی عن ابی ھریرۃ مرفوعًا لینتھین اقوام یفتخرون بآبائھم الحدیث لانہ محمول علی المفاخرۃ المفضیۃ الی احتقار المسلم وعلی البطر وغمط الناس وحدیث واثلۃ تستفاد منہ الکفاءۃ ویذکر علی سبیل شکر المنعم۔

(۲) وروی الترمذی عن علی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ یا علی لا تؤخر ثلاثا الصلوٰۃ اذا اتت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت لھا کفوءًا، رجالہ موثقون کما فی الاعلاء وقال البیھقی امثل ما ورد فی اعتبار الکفاءۃ حدیث علی ھذا کذا فی التلخیص ص ۲۶۹ ج ۱ وصححہ الحاکم فی المستدرک واقرہ علیہ الذھبی ص ۱۶۲ ج ۲۔

(۳) وقال الشافعی فی اصل الکفاءۃ فی النکاح حدیث بریرۃ لما خیرت لانھا انما خیرت لان زوجھا لم یکن کفوءًا اھ ای لان الراجح عند المحدثین ان زوجھا کان عبدا کذا فی التلخیص ص ۲۶۹ وحدیث بریرۃ متفق علیہ مشہور۔

(۴) وقال ایضا روی الشافعی عن ابن ابی فدیک عن ابن ابی ذئب عن ابن شہاب انہ بلغہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال قدموا قریشا ولا تقدموھا ورواہ البیھقی من حدیث علی بن ابی طالب وجبیر بن مطعم وغیرھما وقد جمعت طرقہ فی جزء کبیر اھ ص ۱۲۵ وھذا امما احتج بہ الشافعیۃ علی الکفاءۃ۔

(۵) وقال ابن تیمیۃ فی اقتضاء الصراط المستقیم ص ۷۶ وایضًا فان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لما وضع الدیوان العطاء کتب الناس علی قدر انسابھم فبدأ باقربھم فاقربھم نسبًا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما انقضت العرب ذکر العجم ھکذا کان الدیوان علی عھد الخلفاء الراشدین وسائر الخلفاء من بنی امیۃ وولد العباس الی ان تغیر الامر بعد ذلک وبسبب ھذا الفضل ما اختصوا بہ فی عقولھم والسنتھم واخلاقھم واعمالھم اھ و فیہ دلالۃ علی اعتبار التقدم بالنسب بالاجماع۔

(۶) وروی الخلال بسندہ عن عمر رضی اللہ عنہ قال لامنعن فروج ذوات الاحساب

الا من الاکفاء ، احتج بہ احمد بن حنبل وھو الامام فی الحدیث فقال اذا تزوج المولی العربیة فرق بینھما وھو قول سفیان لقول عمر فذکرہ کذا قالہ الموفق فی المغنی ص ۳۷۲ ج ۷ واحتجاج مثل ابن حنبل بحدیث تصحیح لہ واستدل ابن الجوزی فی التحقیق علی اعتبار الکفاءۃ بحدیث عائشۃ انہ علیہ السلام قال تخیروا لنطفکم وانکحوا الاکفاء ولہ طرق عدیدۃ من حدیث انس وعمر بن الخطاب رواہ ابن ماجۃ والحاکم والبیھقی کذا فی العزیزی وھو صحیح علی قاعدۃ السیوطی وصححہ بالرمز فی الجامع الصغیر ص ۱۲۹ -

کیا ان دلائل کے بعد بھی کسی کو یہ کہنے کا منہ ہے کہ بہشتی زیور میں جو مسئلہ کفارت کا ذکر ہے وہ ہندوستان کی ہندو اقوام کا اثر ہے نعوذ باللہ من ذلک . سوچنا چاہئے کہ یہ الزام کہاں تک پہنچتا ہے جبکہ حدیث و قرآن سے کفارت کا ثبوت موجود ہے . موفق الدین حنبلی امام الحنابلہ نے مغنی میں اعتبار کفارت پر ائمہ اربعہ کا اجماع نقل کیا ہے ، اشتراط کفارت میں تو علماء کا اختلاف ہے مگر اعتبار کفارت میں کسی کا اختلاف نہیں . سفیان ثوری کا قول وہی ہے جو امام ابوحنیفہ وغیرہ کا ہے . ابن رشد نے بھی کفارت کے اعتبار پر اجماع نقل کیا ہے نفس اعتبار کفارت میں کسی کا اختلاف نہیں اگر کچھ اختلاف ہے تو اس کی تفصیلات و فروع میں ہے ملاحظہ ہو ص ۱۰ ج ۲ ـ علامہ ابن العربی مالکی نے آیت وَلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم بالمعروف کی تفسیر میں تصریح کی ہے کہ بالمعروف سے مراد کفارت ہی ہے پھر فرمایا ہے کہ اعتبار کفارت پر امت کا اجماع ہے اور یہ عورت کے اولیاء کا حق ہے ملاحظہ ہو ص ۸۵ ج ۱ ـ ابن حزم ظاہری اگرچہ کفارت فی الدین کے سوا کسی کفارت کے قائل نہیں مگر وہ بھی رعایت کفو کو مستحب اور مختار کہتے ہیں قال وانما تخیرنا نکاح الاقارب لانہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم ینکح بناتہ الا من بنی ھاشم وبنی عبد شمس وقال اللہ تعالیٰ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اسوۃ حسنۃ ص ۲۴ ج ۱۰ -

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ سے کفارت کا ابطال نہیں ہوسکتا کیونکہ اس میں مردوں کو اختیار دیا گیا ہے عورتوں کو اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ جس سے چاہیں نکاح کرلیں ، انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم کو نکاح سے کچھ تعلق نہیں یہاں اصلاح اور مصالحت کا ذکر ہے اور اس باب میں سب مسلمانوں کا بھائی بھائی ہونا متفق علیہ مسئلہ ہے ،

دینی بھائی ہونا کفو ہونے کو مستلزم نہیں۔ فاسق فاجر بھی دینی بھائی ہے مگر نص موجود ہے،
افمن کان مومناً کمن کان فاسقاً لا یستوون ۰

مسئلہ اولی بھی یعنی نابالغہ لڑکی کا نکاح باپ کردے تو اس کو بلوغ کے بعد اختیار نہ ہوگا اجماعی مسئلہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے ابن حزم ظاہری بھی اس کے قائل ہیں جو قیاس واستحسان سے بمراحل دور ہیں اس کو حنفیہ کا استحسان کہنا جہالت ہے قال فی المحلی وللأب ان یزوج ابنته الصغیرة البکر مالم تبلغ بغیر اذنها ولا خیار لها اذا بلغت قال والحجة فی ذلك انکاح ابی بکر رضی اللہ عنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عائشة وهی بنت ست سنین وهذا امر مشهور غنیاً عن ایراد الاسناد فیه فمن ادعی انه خصوص لم یلتفت الی قوله لقول اللہ عز وجل لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ ص ۴۶۰ ج ۹۔

ولم یثبت انه صلی اللہ علیه وسلم خیرها ولو فعل لنقل کما نقل تخییره لبریرة حین اعتقت قال ابن المنذر اجمع کل من نحفظ عنه اهل العلم ان نکاح الاب ابنته الصغیرة جائز اذا زوجها من کفؤ یجوز له ذلك مع کراهتها وامتناعها ثم ذکر حدیث عائشة تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وانا بنت ست سنین وزوج علی ابنته ام کلثوم وهی صغیرة عمر بن الخطاب (مغنی ص ۳۷۶ ج ۷) والبسط فی المطولات وفیما ذکرناه بالاختصار کفایة لاهل العلم والانصاف والدرایة والحمد للہ ولی الحمد والهدایة وصلی اللہ علی سیدنا النبی محمد وعلی آله واصحابه اولی الفضل والولایة والحمد للہ الذی بعزته وجلالته ونعمته تتم الصالحات.

باب الوکالة بالنکاح

نکاح کے وقت وکیل نے عورت کے نام میں غلطی کردی تو نکاح نہیں ہوا

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ بروقت نکاح ہندہ اور زینب یہ غلطی ہوگئی کہ ہندہ نے جس شخص کے ساتھ نکاح باندھنے کی اجازت دی تھی اس کے روبرو زینب کا نام

لے دیا گیا اور زینب نے جس شخص کے ساتھ اپنا نکاح باندھنے کی اجازت دی تھی اس شخص کے روبرو ہندہ کا نام لے دیا گیا ان دونوں شخصوں میں سے ہر ایک نے قبول کیا ایسے نکاح کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں نکاح نہیں ہوا۔ دونوں کا نکاح دوبارہ صحیح نام کے ساتھ ہونا چاہئے۔ قال فی الدر (ص۴۵۰ ج ۲) غلط وکیلها بالنکاح فی اسم ابیها بغیر حضورها لم یصح للجهالة وکذا لو غلط فی اسم بنته اھ وفی الشامیة تحت قوله لم یصح۔ والظاهر انه فی مسئلتنا لا یصح عند الکل لان ذکر الاسم وحده لا یصرفها عن المراد الی غیره بخلاف ذکر الاسم منسوبا الی اب اٰخر فان فاطمة بنت احمد لا تصدق علی فاطمة بنت محمد تأمل۔ وکذا یقال فیما لو غلط فی اسمها اھ۔ وفی العالمگیریة ص ۳ ج ۲ رجل له بنت واحدة اسمها فاطمة قال رجل زوجت منك ابنتی عائشة ولم تقع الاشارة الی شخصها ذکر فی فتاوی الفضلی انه لا ینعقد النکاح، واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۲ محرم سنہ ۴۰ھ۔

معتدہ نے کسی کو وکیل بالنکاح بنایا اور جب اس نے نکاح کروا دیا تو اس نے کسی اور دوسرے شخص سے خود نکاح کر لیا تو نکاح اول صحیح ہے یا نکاح ثانی

سوال (۲) ایک بیوہ عورت نے اپنی عدت میں ایک شخص کو وکیل مقرر کر کے کہا کہ میرا نکاح بعد گذرنے عدت کے دین محمد سے کر دینا بعد گذرنے عدت کے وکیل نے نکاح مسماۃ کا دین محمد سے کر دیا جب عورت کو معلوم ہوا کہ میرا عقد وکیل نے دین محمد سے کر دیا ہے تو بعد اس کے دوسرے روز عورت نے اپنی رضا سے ایک اور شخص کے ساتھ اپنا عقد کرا لیا آیا نکاح اول جو کہ وکیل مقرر کردہ عورت نے کر دیا ہے بعد عدت کے وہ صحیح ہے یا نکاح ثانی جو عورت نے اپنی رضا سے کرایا ہے وہ صحیح ہے مہربانی فرما کر ہر ایک سوال کا جواب عبارت کتب مخصوصہ وحدیث شریف ودلیل شرع کے ساتھ تحریر فرماویں چونکہ سب لوگ کہتے ہیں کہ آیت اور حدیث سے ثابت کرو بہت لوگ رسومات بری سے خراب ہو گئے ہیں اس لئے عنداللہ حوالہ کتاب وصفحہ ونمبر وغیرہ تحریر فرما کر اپنی مہر ثبت فرما کر مشکور فرماویں۔ فقط۔

الجواب: صورت مسئولہ میں جب عورت نے ایک شخص کو وکیل بالنکاح کر دیا اور اس کو وکالت سے معزول بھی نہیں کیا تو جو نکاح وکیل نے کر دیا ہے وہ نافذ ہو گیا اب عورت نے

جو دوسرا عقد اس کے بعد دوسرے شخص سے کیا ہے وہ بالکل درست نہیں ہوا نکاح اول بدستور باقی ہے لیکن اگر عورت اس دوسرے شخص سے ہم صحبت ہو چکی ہے پس اگر اس کو نکاح اول کی خبر نہ تھی تو اس سے علیحدگی کے بعد ایک عدت دوسری اس عورت کے ذمہ ہوگی۔ بعد انقضاء عدت دین محمد کو اس سے وطی جائز ہوگی باقی نکاح دین محمد کا اس عدت میں بھی باقی رہے گا اور اگر دوسرے شخص کو بھی پہلے نکاح کی خبر تھی تو عورت پر عدت ثانیہ واجب نہ ہوگی۔ فی العالمگیریۃ لو تزوج بمنکوحۃ الغیر وھو لا یعلم انھا منکوحۃ الغیر فوطئھا تجب العدۃ و ان کان یعلم انھا منکوحۃ الغیر لا تجب حتی لا یحرم علی الزوج وطیھا کذا فی فتاوی قاضی خان اھ (ص ۲۷۹)

۲۲ جمادی الثانیہ سنہ ۴۳ھ۔

بالغہ عورت اگر غیر ولی کے اجازت طلب کرنے پر سکوت اختیار کرے جبکہ غیر ولی نے خود کو عورت کے ولی کا رسول یا وکیل ظاہر نہ کیا ہو اس صورت میں لڑکی کا سکوت اذن سمجھا جائے گا یا نہیں

سوال (۳) ایک شخص سے ولی نے کہا کہ جاؤ لڑکی سے جو بالغہ باکرہ ہے نکاح کی اجازت لے آؤ اور اس کے کان میں یہ بات ڈال دو کہ تیرا نکاح فلاں شخص سے کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں یہ شخص ولی کا وکیل ہوگا یا رسول؟

(۲) اگر یہ شخص جا کر لڑکی سے اتنا ہی کہدے کہ "تیرا نکاح فلاں سے کرتے ہیں" یہ نہیں کہا کہ مجھے ولی نے بھیجا ہے یا میں اس کی طرف سے وکیل یا رسول ہو کر آیا ہوں اور لڑکی نے اس کی بات سن کر سکوت کیا تو اس صورت میں لڑکی کا سکوت معتبر ہے یا نہیں اور یہ سکوت اجازت پر محمول ہوگا یا نہیں؟

الجواب: (۱) قال الشامی بعد تفصیل الفرق بین الوکیل والرسول و حاصلہ انہ یصیر وکیلاً بالفاظ الوکالۃ و یصیر رسولاً بالفاظ الرسالۃ و بالامر. لکن صرح فی البدائع ان "افعل کذا" او "اذنت ان تفعل کذا" توکیل ویؤیدہ مافی الولوالجیۃ فذکرہ ثم قال و افاد انہ لیس کل امر توکیلا بل لا بد مما یفید کون فعل المامور بطریق النیابۃ عن الآمر فلیحفظ اھ ص ۶۱۷ ج ۴، وفی البحر ان الرسالۃ لا تتضمن الوکالۃ لانھا فوقھا اھ (ص ۱۴۸ ج ۷)۔

چونکہ ولی کا یہ قول کہ جاؤ لڑکی سے اجازت نکاح لے آؤ یا اس کے کان میں یہ بات ڈال دو۔ محتمل ہے وکالت اور رسالت دونوں کو اور کوئی لفظ صریح موجب توکیل موجود نہیں بجز

امر کے اور امر محتمل طرفین ہے اس لئے اس کلام کو رسالت پر محمول کرنا لازم ہے کیونکہ وہ ادنیٰ ہے والادنیٰ ھو المتیقن۔

(۲) اگر اس شخص نے لڑکی سے جاکر اپنی وکالت یا رسالت کا اظہار نہیں کیا۔ تو اس کے قول کو سُنکر لڑکی کا سکوت کرنا مفید اذن نہو گا۔

قال الشامی فالرسول لابد لہ من اضافۃ العقد الی مرسلہ لما مر عن الدرر من انہ معبر وسفیر بخلاف الوکیل فانہ لایضیف العقد الی المؤکل الا فی مواضع کالنکاح والخلع والھبۃ والرھن ونحوھا فان الوکیل فیھا کالرسول حتی لو اضاف النکاح لنفسہ کان لہ اھ (ص ۶۱۷ ج ۴)۔

وفی البحر تحت قول الکنز وفیما یضیفہ الی المؤکل کالنکاح وغیرہ یتعلق بالموکل الخ مانصہ اما والحقوق فی کل لایستغنی الوکیل عن اضافتہ الی موکلہ لان الوکیل فیھا سفیر محض الاتری انہ لایستغنی عن اضافتہ العقد الی المؤکل ولو اضافہ الی نفسہ کان النکاح لہ فصار کالرسول وھذا لان الحکم فیھا لایقبل الفصل عن السبب لانہ اسقاط فیتلاشی فلا یتصور صدورہ من شخص و ثبوت حکمہ لغیرہ فکان سفیرًا الی ان قال واشار بالکاف فی قولہ کالنکاح الی بقیۃ افرادھذا النوع ولذا قال فی الھدایۃ من اخواتہ العتق علی مال الکتابۃ والھبۃ وکذا اذا کان الوکیل من جانب الملتمس اھ ص ۱۵۲ ج ۷ قال ابن عابدین فی حاشیۃ البحر وکذا بقیۃ الصور الاتیۃ یقول الوکیل من جھۃ طالب التملک ھب فلانا اوتصدق علیہ او اعرہ او اودعہ او ارھن عندکذا او اقرضہ کذا ولوقال ھبنی اوتصدق علی او اعرنی الخ یقع لہ لا للمؤکل اھ الیٰ ان قال نعلی ھذا قولھم التوکیل بالاستقراض باطل معناہ انہ فی الحقیقۃ رسالۃ لاوکالۃ فلو اخرج الکلام مخرج الوکالۃ لم یصح بل لابد من اخراجہ مخرج الرسالۃ کما قلنا وبہ علم ان ذلک غیر خاص بالاستقراض بل کل ماکان تملیکا اذا کان الوکیل من جھۃ طالب التملک لامن جھۃ المملک فان التوکیل بالتملیک صحیح لابطلب التملک بل ھو رسالۃ ھذا ماظھر لی اھ (ای یعم ۱۲) ص ۱۵ منہ کود، قلت وفی الصورۃ المسئولۃ لم یوجد

ما یدل علی کون ھذا الاجنبی وکیلا کما قلنا فی الجواب الاول وان سلمنا ان الامر فیہ یدل علی التوکیل فھو وکیل من جانب الملتمس ای من جھۃ طالب التملک وقد عرفت ان التوکیل بطلب التملک لا یصح بل ھو رسالۃ وقد تقدم ان الرسول لابد لہ من اخراج الکلام مخرج الرسالۃ والا لایکون رسولاً واذا لم یکن رسولاً لم یکن طالبا للاذن من جھۃ الولی بل من جھۃ نفسہ وھو اذن اجنبی محض فلا یکون سکوت البنت ح علم الرضا لکونہ سکوتاً بعد کلام الاجنبی معھا لا کلام رسول الولی۔ واللہ تعالی اعلم و علمہ اتم واحکم۔ ۲۷ صفر سنہ ۳۶ھ۔

حکم بایجاب وکیل بالفاظ اذن دادہ است

سوال (۴) بعونہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ حضرت تاج العلما سراج الفضلا، مدظلہ العالی!

شرائط ملازمانہ وضوابط تلازمانہ بجا آوردہ بعد عرض ملازمان ثریا مکان برساند کہ محمد رشید احمد وکیل زبیدہ خاتون مع دو شاہد عادل بحضار مجلس در آمدہ ناطق شدہ زبیدہ خاتون دختر محمد نصیر احمد یک ہزار روپیہ مہر متعین نمودہ بمعرفت من نزد اسد اللہ کہ پسر عبد اللہ اذن نکاح دادہ است واسد اللہ قبول نمودہ پس لفظ اذن نکاح دادہ است از الفاظ ایجاب است یا نہ بابراھینِ قاطعہ بزیر کلک نادر سلک آوردہ این ہیچمدان را سرفراز دارین فرمایند زیادہ آفتاب عنایت درخشان بادالیٰ یوم التناد۔

الجواب! لفظ اذن نکاح دادہ از الفاظ ایجاب نکاح نیست بلکہ مشعر از توکیل است پس تکلم وکیل بلفظ انشار لازم بود چون وکیل بعد ازان تکلم بلفظ انشار نکردہ ایجاب محقق نہ شدہ پس تجدید نکاح لازم است واگر در عرف سائل اذن نکاح بمعنی انشار نکاح مستعمل است سوال بار دیگر کردہ باید، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۷ رمضان سنہ ۳۷ھ۔

فصل فی الجہاز والمہر

زوجہ کے مہر میں سراً زیادتی کرنا

سوال (۱) کیا حق مہر نکاح کے بعد (دس یا پندرہ سال بعد) ایزاد ہو سکتا ہے جو منکوحہ کے کہنے پر (جو عموماً دیگر وارثان کا حصہ کم کرنے کی خاطر

کیا جاتا ہے) جائز ہے یا نہ اور کیا ایسے مہر کو دیگر ورثاء جائز قرار دیویں یا نہ بالخصوص جو مہر از قسم مکان یا زمین زوج نے خفیہ بذریعہ تمسک بعد مدت دراز نکاح کے تحریر کر دیا ہو اور یہ شرط بھی تحریر کردی ہو کہ کاغذات سرکار میں داخل خارج کرادوں گا مگر وہ بھی اپنی پندرہ سالہ بقیہ حیات تحریر تمسک عملدرآمد بھی نہ کرایا ہو اس کو جائز رکھا جاوے یا ناجائز ؟ واضح رہے کہ یہ تمسک ایک سوتیلی ماں نے اپنے حق میں کبھی خفیہ تحریر کرایا ہو اور والد مرحوم نے اپنی زندگی میں اپنے لڑکوں سے جو دوسری بیوی سے ہوں ذکر تک بھی نہ کیا ہو اور نہ ہی اس کی بابت اپنی باقی ماندہ حیات میں ۱۵ سالہ کاغذات سرکاری میں عملدرآمد نہ کرادیا ہو۔

الجواب: زیادت مہر میں عقد کے بعد جائز ہے خواہ کتنی ہی مدت کے بعد زیادت کی ہو۔ الزیادة فی المهر صحیحة حال قیام النکاح عند علمائنا الثلاثة کذا فی المحیط فاذا زادها فی المهر بعد العقد لزمته الزیادة کذا فی السراج الوهاج هذا اذا قبلت المرأة الزیادة اھ عالمگیریة (ص ۲۲۹ ج ۲) لیکن جب یہ زیادہ خفیہ طور پر ہوئی ہے اور ورثہ زوج کو اس کا علم نہیں ہے تو عورت کے ذمہ دو گواہ قائم کرنا ہے کیونکہ وہ مدعیٔ زیادت ہے اگر وہ دو گواہ اس پر قائم کردے کہ زوج نے بعد نکاح کے مہر میں اس قدر زیادت کی تھی یا یہ ثابت کردے کہ زوج نے زیادت مہر کی تحریر دو گواہوں کے سامنے لکھی تھی اور گواہ بھی اس کی گواہی دیں اور بہر صورت یہ دعویٰ اور گواہی کسی قاضی شرعی کے اجلاس میں ہو اور وہ اس گواہی کو قبول کرلے تو زوجہ مقدار زیادت کو ترکہ سے لے سکتی ہے اور اگر وہ گواہ نہ قائم کر سکے تو بقیہ ورثہ سے قاضی قسم لے کہ ان کو اس زیادت کا علم نہیں اور نہ میت نے یہ تحریر ان کے سامنے لکھی ہے اگر وہ قسم کھالیں تو عورت کا دعویٰ باطل ہے ورنہ اس کا دعویٰ قبول ہوگا اور اگر ورثہ اس کو تسلیم کرلیں کہ یہ تحریر میت کے خط کے مشابہ ہے لیکن اس پر قسم کھالیں کہ میت نے ہمارے سامنے کوئی تحریر نہیں لکھی اور نہ ہم کو اس تحریر کا علم ہے تب بھی ان کی قسم معتبر ہے اور عورت کا دعویٰ باطل ہے کیونکہ مجرد تحریر کا شریعت میں اعتبار نہیں ہے فان الخط یشبه الخط هکذا فهمته من القواعد ولم ادله جزئیة صریحة نعم دقف علیها فلیحرر واللہ اعلم۔ ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ۔

ناقابلِ جماع عورت کے مہر کا حکم	**سوال** (۲) ایک شخص نے نکاح کیا تھا بوقت صحبت دیکھا کہ عورت

کے صرف پیشاب کا ایک سوراخ ہے اور پستان بھی ہے مگر صحبت کے قابل نہیں تب اس نے اس کو

طلاق دے دیا اب اس کا مہر ادا کرنا واجب ہے یا نہ۔

الجواب: جس عورت کے صرف پیشاب کی جگہ ہے جماع کی جگہ نہیں ہے اس سے خلوت کرنا مؤکد مہر نہیں لہذا جب اس کو طلاق دیدی گئی تو شوہر کے ذمہ نصف مہر ادا کرنا واجب ہے مہر کامل ادا کرنا واجب نہیں قال فی العالمگیریۃ ومن الموانع لصحۃ الخلوۃ ان تکون المرأۃ رتقاء او قرناء او عضلاء او شعراء کذا فی التبیین ص ۲۲۴ ج ۲۔

۱۸ محرم سنہ ۴۱ھ۔

ولی صغیرہ کے معاف کر دینے سے مہر ساقط نہیں ہوتا

سوال (۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے مسماۃ ہندہ یتیمہ نابالغہ سے نکاح کیا لیکن بوجہ نابالغ ہونے کے خلوت وہمبستری نہیں ہوئی اور ہندہ کسی کے بہکانے سے دن کے وقت بلا اجازت اپنے شوہر کے چوری سے اپنے گھر سے نکل کر اپنی والدہ کے گھر چلی گئی۔ زید نے اس کی اس کی ناجائز حرکت سے ناراض ہو کر ہندہ کے بھائی ولی کو اور والدہ کو اور محلہ کے پنچوں کو جمع کر کے ہندہ کی یہ ناجائز حرکت ظاہر کی، اس پر پنچوں نے بعد دریافت حالات ہندہ کے بھائی اور والدہ کی رائے سے یہ فیصلہ کر دیا کہ چونکہ ہندہ بلا اجازت شوہر دن کے وقت گھر سے نکل گئی ہے اور شوہر سے فارغ خطی چاہتی ہے اس لئے ہم کو آیندہ زوجین کے باہمی تعلق قائم رہنے کی امید نہیں ہے اور ہندہ کے پھر نکل جانے کا اندیشہ ہے لہذا طرفین کی رضامندی سے سرکاری کاغذ پر اس طرح پر تحریری فارغ خطی ہو گئی کہ زید سے شوہر کا خرچہ معاف کرا دیا اور ہندہ کی طرف سے اس کے بھائی ولی نے مہر کی معافی لکھدی۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر ہندہ کا بھائی ولی یا ہندہ خود بالغ ہو کر کسی کے بہکانے سے زید پر مہر کا دعویٰ کرے تو وہ شرعاً مہر کی مستحق ہو سکتی ہے یا نہیں اور ایسی نابالغہ کے مہر کیلئے جس سے صرف نکاح ہوا ہو خلوت اور ہمبستری نہ ہوئی ہو شرعاً کیا حکم ہے وہ مہر کی مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر زید نے ہندہ کو طلاق دیدی ہے تو ہندہ پر طلاق بائن واقع ہو گئی لیکن ہندہ کے بھائی نے جو ہندہ کی طرف سے مہر کی معافی لکھدی ہے اس سے مہر کی معافی نہیں ہوئی ہندہ اپنے نصف مہر کی مستحق شرعاً ہے قال فی الدر خلع الاب صغیرتہ بمالھا او مہرھا طلقت فی الاصح کما لو قبلت ھی وھی ممیزۃ ولم یلزم المال لانہ تبرع اھ فان خالعھا الاب علی مال ضامنا لہ ای ملتزما لا کفیلا لعدم وجوب المال علیھا صح والمال علیہ کالخلع مع الاجنبی فالاب اولی بلا سقوط مھر

لانہ لم یدخل تحت ولایۃ الاب الخ قال الشامی ای سواء کان الخلع علی المھر او علی الف مثلا لکن اذا کان علی المھر فلھا ان ترجع بہ علی الزوج و الزوج یرجع بہ علی الاب لضمانہ الخ ص ۹۳۷ ج ۲، قلت وھھنا لا یرجع الزوج علی اخ المرأۃ لانہ لم یضمن بل انہ ابرأ الزوج من جانب المرأۃ وھذا لا یدخل فی معنی الضمان۔ واللہ اعلم۔ ۵ ربیع الثانی۔

مہر کے مطالبہ کے واسطے ڈگری کرنا جائز ہے یا نہیں نیز شوہر کے مفلس ہونیکی صورت میں کیا شوہر کے باپ سے مہر کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے

سوال (۴) اگراسکی دختر کے شوہر کے پاس فی الحقیقت کچھ زر نقد یا جائداد منقولہ وغیر منقولہ نہیں ہے تو اس کے باپ کو شرعاً یہ جائز اور مناسب ہے کہ اگر عدالت انگریزی میں اپنے مطالبہ مہر کی ڈگری کرا کر اس کے شوہر کو بموجب قانون انگریزی قید خانہ میں ڈلوادے کسی صحابی یا سلف صالحین نے کبھی ایسا کیا ہے ؟

کوئی شخص اپنی دختر کے شوہر کے باپ کو شرعاً مجبور کر سکتا ہے کہ وہ اپنی لڑکی کے ذمہ کا مہر جبراً اس کی زوجہ کے باپ کو ادا کرے ؟

الجواب ؛ دائن کو بیشک اتنا حق ہے کہ اگر مدیون ہٹ دھرمی کرتا ہو اور باوجود قدرت کے دین ادا نہ کرتا ہو تو اس کو حبس کرادے لیکن جب حاکم کو یہ بات محقق ہو جائے کہ مدیون تنگدست ہے تو پھر اس کو قید کرنا جائز نہیں علیٰ ھٰذا قید کرانا بھی بصورت مذکور درست نہیں حق تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ کَانَ ذُوْعُسْرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیْسَرَۃٍ یعنی اگر مدیون تنگدست ہو تو زمانہ وسعت تک مہلت دینی اس کو ضروری ہے باقی علاوہ مدیون کے دوسرے شخص کو جب تک وہ ضامن نہ ہو جائے قید کرنا یا کرانا درست نہیں قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْریٰ۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یجنی جان الا علی نفسہ ولا یؤخذ المرء بجریمۃ غیرہ اوکما قال واللہ اعلم بالصواب۔

احقر عبد اللطیف عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح حق عنایت الٰہی عفی عنہ

الاجوبۃ کلھا صحیحۃ احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۸ شوال ۴۱ھ۔

الزیادۃ فی مھر احدی الزوجتین بعد العقد ھل توجب تسویۃ الاخری فیھا ام لا

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت ہندہ سے پانچ ہزار

روپیہ مہر پر نکاح کیا اُس کے بہت مدت بعد دوسری عورت زینب سے پانچ سو روپیہ مہر پر نکاح کیا اور دونوں کو ان کا مہر ادا بھی کر دیا۔ زینب نے ایک روز ارمان کیا کہ تم نے میرا مہر بہت کم رکھا زید نے اس کی دلجوئی کے لئے یہ قصد کیا کہ تین سو چار سو روپئے اس کے مہر میں اور زیادہ کرکے (کیونکہ زیادت بعد العقد بھی اصل کے ساتھ بتصریح فقہا ملحق ہو جاتی ہے) اتنی رقم یعنی تین سو چار سو اُس کو اور دیدوں خواہ نقد یا کسی مکان کا ایک حصہ کہ زینب کو فی الحال اس حصہ مکان کی ضرورت بھی ہے لیکن زید کو اس میں تردد یہ ہے کہ جس طرح تمام حقوق میں زوجتین کے درمیان تساوی ضروری ہے کہیں یہ زیادت فی مہر احدٰہما خلاف عدل نہ ہو جاوے اس لئے استفتار کیا جاتا ہے کہ یہ زیادت فی مہر احدٰہما جائز ہے یا نہیں اگر کوئی دلیل صریح نہ ہو تو کوئی کلیہ ہی شافی ہو کافی ہے اور تصریح فقہی اگر مل جاوے تو اقرب الی الاقناع ہے فقط۔

الجواب الاوّل من بعض العُلماء:

موافق اس قاعدہ فقہیہ کے کہ زیادت فی المہر بعد العقد ملحق باصل المہر ہے اور ہبۂ مبتدءہ نہیں ہے کما یقول بہ الامام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ زیادت فی مہر احدی الزوجات درست ہے خصوصاً اس زوجہ کے مہر میں زیادتی کرنا جس کا مہر اصل سے کم ہو اور اضرار زوجہ ثانیہ اس سے مقصود نہ ہو (اور اس کو حیلہ ترک عدل و تسویہ بین جو کہ واجب ہے نہ بنایا جائے) خلاف عدل نہیں معلوم ہوتا۔ فتح القدیر کے جزئیہ ذیل سے بھی یہی مفہوم ہو سکتا ہے کہ زیادت فی المہر اگر بطریق رشوت نہ ہو تو درست ہے عبارت اُس کی یہ ہے (قولہ وان رضیت احدی الزوجات بترك قسمها لصاحبتها جاز) هذا اذا لم یکن برشوة من الزوج بان زادها فی مهرها تفعل او یتزوجها بشرط ان یتزوج اخریٰ فیقیم عندها یومین وعند المحاطیة یوما فان الشرط باطل ولا یحل لها المال فی الصورة الاولیٰ فلها ان یرجع فیه الخ اور عنایہ کی یہ عبارت بھی جواز کی طرف مشیر ہے قولہ خلافاً لزفر فانه یقول الزیادة هبة مبتدأة لا تلحق باصل العقد ان قبضت ملکت والا فلا الخ اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلثہ زیادت کو ہبہ مبتدأۃ قرار نہیں دیتے کہ اس کو خلاف عدل کہا جائے کیونکہ یہ تصریح ہے کہ ہبات میں بھی تسویہ بین الزوجات

ضروری ہے کما فی العینی علی البخاری وتمام العدل ایضاً بینهن تسویتهن فی النفقة والکسوة والهبة ونحوها فقط، واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ ....

۵ ربیع الثانی سنہ ۳۶ھ

الجواب صواب

محمد .... عفا اللہ عنہ

الجواب الثانی من جامع امداد الاحکام

اقول وباللہ التوفیق ۔ زیادت فی المہر کا ملحق باصل العقد ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ اس کے جملہ احکام مثل مہر کے ہوں چنانچہ زیادت کا دخول سے متنصف ہونا اور قبل دخول متنصف نہ ہونا اس پر دال ہے۔

نیز اس زیادت کا ملحق بالاصل ہونا اس کو بھی مستلزم نہیں کہ اس کے لئے ہبہ کے احکام مطلقاً نہ ثابت ہوں ۔ دراصل اس مسئلہ میں حنفیہ کا امام زفر اور شافعی وغیرہ سے جو اختلاف ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حنفیہ اس کو محض ہبہ مستانفہ نہیں سمجھتے بلکہ اس کے لئے کچھ احکام ہبہ کے اور کچھ احکام مہر کے ثابت کرتے ہیں اور زفر و شافعی اس کو من کل وجہ ہبہ مستانفہ سمجھتے ہیں ائمہ ثلثہ حنفیہ اس کو ہبہ ابتدائً ومہر انتہاءً کہتے ہیں اسی لئے وہ اس زیادت کو حق متعاقدین میں بحکم مہر کہتے ہیں اور حق ثالث میں ہبہ وتبرع کما یظهر من کلام الفقهاء ودلیله شرط بقاء الزوجیة لجواز هذه الزیادة علی الظاهر کما فی الدر۔ فلو کان کالمهر فی جمیع الاحکام لم یکن بقاء الزوجیة شرطا لان المهر یبقی ولو انعدمت الزوجیة کما لا یخفی۔

قال فی النهر والظاهر عدم الجواز بعد الموت والبینونة والیه یرشد تفسیر المحیط بحال قیام النکاح اذ نقلوا ان ظاهر الروایة ان الزیادة بعد هلاک المبیع لا تصح وفی روایة النوادر تصح ومن ثم جزم فی المعراج وغیره بان شرطها بقاء الزوجیة حتی لو زادها بعد موتها لم تصح (ای لعدم المحل وقت الزیادة ۱۲) والالتحاق باصل العقد وان کان یقع مستندا الا انه لا بد

ان یثبت اولا فی الحال ثم یستند اھ[عہ] اور طحطاوی نے عدم اشتراط بقار زوجیۃ کو گو ترجیح دی ہے مگر اس کی بنار التحاق باصل العقد پر نہیں رکھی بلکہ یہ کہا ہے و کون ظاھر الروایۃ عدم الصحۃ الزیادۃ بعد ھلاک المبیع لا یقتضی ان یکون ظاھر الروایۃ ھنا الفرق بین الفصلین قام عند المجتھد فانہ فی النکاح امر اللہ تعالیٰ بعدم نسیان الفضل بین الزوجین وھذہ الزیادۃ من مراعاۃ الفضل اھ شامی (ص ۵۵۲ و ۵۵۳ ج ۲) قول اول میں شرط بقار زوجیت کی وجہ یہ تھی کہ صحت زیادت کے لئے وجود محل ضروری ہے اور قول ثانی نے زیادت کو مراعات فضل میں داخل کرکے اس شرط کی نفی کردی بہرحال یہ مسئلہ سب کو تسلیم ہے کہ زیادت مہر من کل وجہ مثل مہر کے نہیں ہے۔ بلکہ درحقیقت یہ ہبہ من وجہٍ ہے اور مہر من وجہٍ ہے۔ ہبہ کی حیثیت سے بعض احکام میں یہ اصل مہر سے منفصل ہے مثلاً بحالت مرض موت مہر مثل پر زیادت باطل ہے لما فیہ من ابطال حق الورثۃ قال فی الدر ومالزمہ فی مرضہ بسبب معروف بیینۃ اوبمعاینۃ قاض علیٰ ما اقربہ فی مرض موتہ ولو ودیعۃً والسبب المعروف مالیس بتبرع کنکاح مشاھد ان بمھر المثل اما الزیادۃ فباطلۃ وان جاز النکاح اھ (ص ۷۰۸ ج ۴) فھذا کما تری قد ادخل الشھادۃ ھنا فی التبرع وھذا اذا کانت الزیادۃ فی صلب العقد ولو کانت بعد العقد فتبطل بالاولیٰ وان کان المھر اقل من المثل والعلۃ کونہ تبرعا فی الاصل ابتداءً کما لا یخفی۔ اور مہر کی حیثیت سے اس زیادت کے لزوم میں قبضہ شرط نہیں اگر ہبہ محضہ ہوتا تو بدون قبض کے لزوم نہ ہوتا پس حنفیہ کا اس زیادت کو ملحق باصل العقد کہنا صرف بایں معنیٰ ہے کہ یہ لزوم میں محتاج قبض نہیں کما یدل علیہ قول صاحب العنایۃ خلافا لزفر فانہ یقول الزیادۃ ھبۃ

عہ ھذا صریح فی ان تلک الزیادۃ تلتحق باصل المھر بعد ثبوتہ فی الحال وثبوتہ انما ھو بصورۃ الھبۃ والشئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ فیثبت لھا احکام التبرع فی الجملۃ ۱۲ منہ

مستانفة لا تلحق باصل العقد ان قبضت ملکت والا فلا الخ باقی تمام احکام اس کیلئے ہبہ کے ثابت ہیں مثلاً قبول مرآۃ کا شرط ہونا اور زوجیت کا باقی رہنا وغیرہ وغیرہ جو اصل مہر میں شرط نہیں نیز اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ زیادت فی المہر در اصل زیادت فی ثمن المبیع پر قیاس کیا گیا ہے اور زیادت فی ثمن المبیع کے متعلق درمختار میں یہ تصریح ہے لکن انما یظہر فی الشفعۃ فی الحط فقط قال الشامی لان عہ فی الزیادۃ ابطال حق الشفیع الثابت قبلها فلا یملکانہ فلہ ان یاخذ بدون الزیادۃ اھ (ج ۴ ص ۲۶۶) فعلم ان الزیادۃ فی العقد لا تسقط ولا تبطل حقاً ثابتاً للغیر قبلها۔

اب صورت مسئولہ کا حکم واضح ہو گیا وہ یہ کہ منکوحہ ثانیہ سے جو قلیل مہر پر نکاح کیا گیا ہے اگر یہ مہر مثل تھا تب تو اس کا مستحق زیادت نہ ہونا ظاہر ہے اور اگر مہر مثل نہ تھا بلکہ اس سے کم تھا تو اس نے اپنے حق کو وقت نکاح کے خود ہی ساقط کر دیا ہے والساقط لا یعود۔ اور اس سے نکاح ہو جانے کے بعد زوجہ اولیٰ کا ہبہ و نفقہ وغیرہ میں حق مساوات ثابت ہو چکا ہے لہذا ثانیہ کے مہر میں زیادت کرنے سے گو وہ اصل عقد کی طرف مستند ہو زوجہ اولیٰ کا حق مساوات باطل نہیں ہو سکتا کیونکہ زیادت فی العقد باوجود استناد الی الاصل کے کسی حق ثابت قبلها کو باطل نہیں کر سکتی کما مر فی مثال الشفیع۔ بس اس زیادت کا ثمرہ صرف یہ ہوگا کہ وہ مہر میں داخل ہو کر محتاج قبض فی اللزوم نہیں رہے گا باقی احکام تبرع و ہبہ کے بحالہا باقی رہیں گے۔ اور اگر زیادت فی المہر کو اصل سے ملحق کر کے موجب العدل والتسویہ نہ مانا جائے تو اس میں ھدم باب القسم بالکلیہ لازم آئے گا کیونکہ پھر تو ہر شخص جو کچھ چاہے گا کسی ایک زوجہ کو دے دیا کرے گا اور یہ کہہ دے گا کہ میں تیرے مہر میں یہ زیادت کر رہا ہوں اور جس جزئیہ کے مفہوم سے مجیب اول نے استدلال کیا ہے وہ استدلال بھی صحیح نہیں، یہ جزئیہ تو غور کرنے کے بعد اس امر پر دال ہے کہ زیادت فی المہر من کل وجہ بحکم مہر نہیں بلکہ اس کی حالتِ موجودہ کے احکام بھی اس کے لئے ثابت ہوتے ہیں۔ غور کرنا چاہئے کہ اس صورت میں زیادت فی المہر کو جو رشوت

عہ قلت ھذا صریح فیما ذکرتہ قبل ان ھذہ الزیادۃ مہر انتہاءً فی حق المتعاقدین وتبرع زائد فی حق الثالث فلذا لم یعد ھا من الثمن فی حق الشفیع ۱۲ منہ

کہا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زیادت کو قسم کا مقابل کیا گیا ہے اور یہ تقابل اس زیادت کی حالت موجودہ قبل الاستناد ہے ورنہ بعد الاستناد تو یہ زیادت مہر کا جز ہو کر عوض بُضع ہے اور بُضع شرعاً متقوم ہے اس کا معاوضہ رشوت کبھی نہیں ہو سکتا پس فقہاء کا اس زیادت کو رشوت کہنا صاف بتلا رہا ہے کہ زیادت فی المہر کے لئے مطلقاً احکام مہر ثابت نہیں ہوتے بلکہ اس کی صورت موجودہ کے احکام بھی ثابت ہوتے ہیں پس جس صورت میں کہ زیادت بعوض ترک قسم ہو اس وقت تو رشوت ہونے کی وجہ سے باطل ہے کیونکہ قسم متقوم نہیں جس کا عوض دیا جائے اور جس صورت میں کہ عوض ترک قسم نہو اس وقت یہ اِحْدَی الزَّوجتین کے ساتھ صلہ زائدہ ہے پس صلہ زائدہ کے احکام ثابت ہو کر استناد الی الاصل کے احکام ثابت ہوں گے اور اس کے لئے صلہ زائدہ کے احکام کا فی الجملہ ثابت ہونا اوپر عبارات درمختار ورد المختار وغیرہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ مریض کی زیادت کو فقہائ نے تبرع میں داخل کر کے بدون اجازت ورثہ باطل کہا ہے علیٰ ھذا اس زیادت کو بیع کی صورت میں مبطل حق شفیع نہیں مانا گیا اور اس کے لئے قبول وغیرہ کو شرط قرار دیا گیا ہے اسی طرح یہاں بھی اس زیادت سے زوجہ ثانیہ کا حق مساوات جو ثابت قبل الزیادت کے ہے باطل نہیں ہو سکتا ھذا واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

۴ شعبان ۴۳ھ

ایسی عورت کے مہر کا حکم جو رضاعی بہن ہو اور لاعلمی میں ان کا نکاح ہو گیا ہو

سوال (۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور ساجدہ نے ایام طفلی میں مختلف الاوقات یکے بادیگرے مسماۃ ہندہ کا دودھ پیا اور جب یہ دونوں کچھ تھوڑا سن تمیز کو پہنچے تو ایام نابالغی ہی میں مسائل اور احکام دینی کی ناواقفیت کی وجہ سے زید اور ساجدہ کا باہم عقد ہو گیا اور بلوغیت کے بعد کچھ عرصہ تک ان کے درمیان تعلقات شوہری اور زوجیت کے قائم رہے بعد ازاں جب مسئلہ رضاعت سے واقفیت حاصل ہوئی اور بہ تحقیقات اپنے درمیان رضاعی بھائی بہن ہونا پایہ ثبوت سے درجہ یقین کو پہونچا ہوا پایا تو مسماۃ ساجدہ نے زید سے کنارہ کشی اختیار کر کے اس کے گھر سے اپنے میکہ چلی آئی اور زبانی اور تحریری اطلاع اپنے مورثان کو اس امر کی دی کہ اب میں ہرگز زید کے ساتھ تعلقات زوجیت کے نہیں رکھنا چاہتی اس معاملہ میں اگر آپ لوگ سختی بھی کیجئے یا جان سے مار ڈالئے تب بھی میں زید

کے گھر نہ جاؤں گی اور نہ اس سے پھر زوجیت کے تعلقات قائم کروں گی زید نے بھی ثبوت رضاعت کے بعد سکوت اختیار کیا اور نہ پھر کبھی ساجدہ کو اپنے گھر بلایا۔ اس تفرقہ کو چھ سات مہینہ گذرے ہوں گے کہ قضاء الٰہی سے زید کا انتقال ہو گیا چونکہ زید صاحب جائداد تھا اس لئے طمع دنیا سے اب مسماۃ ساجدہ بحق زوجیت وراثتًا و بالعوض دَینِ مہر کے دعویدار ہے تو اس صورت میں کیا مسماۃ ساجدہ زید مرحوم کی جائداد سے بحق زوجیت وراثتًا ترکہ شرعی اور دین مہر پانے کی مستحق ہو سکتی ہے؟

الجواب: ساجدہ اس صورت میں مہر مثل کی تو مستحق ہے اگر زید سے ہمبستری ہو چکی ہو مگر میراث کی مستحق نہیں اور مہر مثل خاندانی مہر کو کہتے ہیں ساجدہ کے جدی خاندان میں عورتوں کا عمومًا جو مہر باندھا جاتا ہو اس میں ساجدہ کی حیثیت و صورت وغیرہ کا بھی لحاظ کیا جائے گا کہ اس جیسی عورت کا مہر کتنا ہوا کرتا ہے وہ ساجدہ کا مہر مثل ہے اب اگر وہ مہر مقررہ کے برابر ہی ہے تو مہر مقررہ ملے گا اگر کم ہے تو کم ملے گا اگر زیادہ ہے تو مقررہ سے زیادہ نہ ملے گا۔ قال فی الدر ویجب مهر المثل فی نكاح فاسدٍ وهو الذی فقد شرطا من شرائط الصحة كشهود اھ قال الشامی ومثله تزوج الاختين معًا ونكاح الاخت فی عدة الاخت ونكاح المعتدة والخامسة فی عدة الرابعة اھ (ص ۳۷۴ ج ۲) قلت ونكاح المحارم عده بعضهم فی الباطل ولكن قال الشامی والحاصل انه لا فرق بينهما (ای الفاسد والباطل) فی غير العدة اھ (ص ۳۷۵ ج ۲) على ان هذا النكاح لعله بشبهة لان الزوجين انما تيقنا بالرضاع بينهما بعد بلوغهما بزمان كما يظهر من السوال فيكون الوطی وطيا بالشبهة والموطوءة بشبهة تستحق مهر المثل كما صرحوا به واما حرمان الميراث فلما صرح به فی الدر (ص ۷۴۵ ج ۲) ويستحق الارث باحد ثلاثةٍ برحم ونكاحٍ صحيح فلا توارث بفاسدٍ ولا باطلٍ اجماعًا اھ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷ رشعبان سنہ ۴۳ھ۔

مہر کا ادا کرنا یکمشت ضروری ہے یا قسط وار بھی درست ہے

سوال (۷) شوہر کو روزانہ بارہ ۱۲ آنہ کی آمد ہے اس میں مہر میں ماہانہ دس روپیہ دیتا ہوں اور اس کے سوائے کوئی ملک وغیرہ نہیں آیا وہ ماہانہ دس روپیہ قبول کر سکتی ہے؟

الجواب: بحالت قیام نکاح تو اقساط کے ساتھ مہر ادا کر سکتا ہے اور بعد طلاق و خلع کے عورت یکمشت کل مہر وصول کرنے کی مستحق ہے اور اس وقت اقساط کا مقرر کرنا شوہر کے اختیار میں نہیں بلکہ حاکم کی رائے پر ہے۔

حکم منع المرأۃ نفسہا عن زوجہا بقبض المعجل والتفصیل فی ذلک

سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ خالدہ خانم اپنے شوہر خالد سے قبل وطی یعنی رخصت ہونے سے پہلے کل زرِ مہر یا کوئی جزو زر مہر لینے کی عند الشرع مستحق ہے یا نہیں؟ (بینوا توجروا) اگر مہر معجل ہو یا مؤجل ہر دو صورت میں مستحق ہے یا کیا؟

الجواب: قال فی الدر ولہا منعہ من الوطی ودواعیہ والسفر بہا ولو بعد خلوۃ رضیتہا لاخذ ما بین تعجیلہ من المہر کلہ او بعضہ او اخذ قدر ما یعجل لمثلہا عرفا بہ یفتی لان المعروف کالمشروط ان لم یؤجل او یعجل کلہ فکما شرط لان الصریح یفوق الدلالۃ الا اذا جہل الاجل جہالۃ فاحشۃ فیجب حالا الا التاجیل بطلاق او بموت فیصح للعرف لہا قال الشامی عن شرح الجامع لقاضی خان انہ لو کان المہر مؤجلا لیس لہا المنع قبل حلول الاجل ولا بعدہ وکذا لو کان المؤجل بعضہ واستوفت العاجل وکذا لو اجلتہ بعد العقد ثم قال وعلی قول ابی یوسف لہا المنع الی استیفاء الاجل فی جمیع ہذہ الفصول اذا لم یکن دخل بہا الخ قال فی الدر وعن الثانی لہا منعہ ان اجلہ کلہ وبہ یفتی استحسانا ولوالجیۃ اھ قال الشامی وہذا اذا لم یشترط الدخول قبل حلول الاجل فلو شرطہ ورضیت بہ لیس لہا الامتناع اتفاقا اھ (ص ۵۸۸ و ۵۸۹ ج۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مہر کی مختلف صورتیں ہیں:

۱۔ کل مہر معجل ہو یا بعض معجل ہو یعنی وقت نکاح کے تصریح کر دی گئی ہو کہ مہر کا کل یا بعض معجل ہوگا اس صورت میں عورت کو قبل رخصت و خلوت کل یا بعض جو بھی معجل طے ہوا ہو طلب کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

۲۔ بعض معجل ہو اور بعض مؤجل ہو تو معجل کے وصول کے بعد بقیہ کے بھی مطالبہ کا حق عورت کو ہے لیکن اس کے وصول ہونے پر اپنے نفس کی تسلیم کو موقوف نہیں کر سکتی۔

(۳) کل مؤجل ہو اور اجل طلاق یا موت ہو تو عرف کی وجہ سے تاجیل مجہول صحیح ہے اور اس صورت میں عورت کو طلب مہر کا تو حق ہے مگر اس کے کسی جزو یا کل کے وصول ہونے پر اپنے نفس کی تسلیم کو موقوف نہیں کر سکتی بلکہ اگر شوہر بدون کچھ مہر دیئے اس کو اپنے پاس رکھنا چاہے تو اس کو حق امتناع نہ ہوگا۔ البتہ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ مہر کل مؤجل ہو تو عورت کو حق امتناع ہے مگر یہ جب ہے کہ شوہر نے دخول قبل الاداء کی شرط نہ کی ہو اور یہ شرط کر لی ہو تو اتفاقاً عورت کو حق امتناع نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل مرد کو اس شرط کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ مہر کل مؤجل ہونے کی صورت میں اگر عورت نے یہ شرط کر لی ہو کہ قبل ادا مہر میں دخول کو منظور نہ کرونگی تو اُس کو حق امتناع ہے ورنہ نہیں۔ کیونکہ کل مہر کو مؤجل کرنا ہندوستان میں رائج ہے اور اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ دخول ادا مہر پر موقوف نہیں والمعروف کالمشروط پس اگر عورت نے اس امر معلوم عرفاً کی صراحۃً نفی نہیں کی تو گویا وہ بھی دخول قبل ادا پر راضی ہو گئی، ھذا واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۸ ذیقعدہ ۴۴ھ۔

صحیح مہر معلوم نہ ہو اور وارث اپنے دعویٰ پر گواہ نہ رکھتے ہوں تو مہر مثل پر فیصلہ ہوگا

سوال (۹) عبداللہ خاں مرحوم نے دو شادیاں کیں پہلی بیوی کا انتقال ہو گیا اُس کی اولاد موجود ہے اور دوسری بیوی زندہ موجود ہے اور اس سے دو بچے ہیں۔ عبداللہ خان اور ان کے والد نے اس پہلی بیوی کا مہر کسی مقدمہ کی شہادت میں اپنا بیان یہ دیا ہے کہ میری بیوی کا مہر ایک ہزار روپیہ ہے اور ان کے والد نے بھی یہی بیان دیا ہے کہ میرے لڑکے کی بیوی کا دین مہر ایک ہزار روپیہ ہے۔ عبداللہ خان کی بیوی کی بہنوں کا مہر ۵۔ ۵ ہزار روپیہ ہے اور ان کی پھوپھیوں کا مہر بھی ایک ہزار روپیہ ہے اور ان کے والد یعنی صاحبزاد خان کی بیوی کا مہر بھی پانچ ہزار روپیہ ہے اور ان کے لڑکوں کی بیویوں کا مہر بھی پانچ پانچ ہزار روپیہ ہے اب عبداللہ خان کی اول بیوی کی اولاد یہ دعویٰ کرتی ہے کہ ہماری والدہ کا مہر پچیس ۲۵ ہزار روپیہ ہے۔ جس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ دوسری بیوی اور اس کی اولاد کو محروم کر کے خود ہی اپنے والد کی جائیداد پر قابض رہیں اور اپنے سوتیلی ماں اور بھائی بہن کو کچھ نہ دیں، دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں عبداللہ خان مرحوم کی پہلی بیوی کا مہر از روئے شرع شریف کیا قرار دیا جاوے؟ عبداللہ خان نے جو وصیت نامہ

مرنے سے پیشتر لکھا ہے اُس میں سب بہن بھائی کو لکھا ہے کہ اتفاق سے رہنا اور دوسری بیوی زندہ کا مہر ایک ہزار روپیہ لکھا ہے جو واقعی ٹھیک ہے مگر پہلی بیوی کے مہر کا کچھ ذکر نہیں لکھا خدا معلوم کہ ادا کر گیا یا مرحومہ نے معاف کر دیا اس کا علم اللہ کو ہے۔

الجواب: اگر زوجہ اولیٰ کی اولاد اپنے دعویٰ پر دو عادل گواہ نہیں رکھتے تو مہر مثل پر فیصلہ کیا جاوے اور مہر مثل میں عورت کے خاندان کا اعتبار ہے سوال میں ظاہر کیا ہے کہ عبداللہ خان کی سالیوں کا مہر ۵۔۵ ہزار روپیہ ہے بس اس کے مطابق پانچ ہزار روپیہ عبداللہ خان کی زوجہ اولیٰ کا مہر قرار دیا جاوے کما فی الدر المختار (وبعد موتهما فقی القدر القول لورثته و) فی الاختلاف (فی اصله) القول لمنکر التسمیة (لم یقض بشیٔ) مالم یبرهن علی التسمیة (وقالا یقضی بمهر المثل) کحال حیاة (وبه یفتی) وفی الشامی تحت قوله لم یقض بشیٔ) لان مهر المثل یختلف باختلاف الاوقات فاذا تقادم العهد یتعذر الوقوف علی مقداره فتح وهذا یدل علی انه لو کان العهد قریبا قضی به بحر قلت وبه صرح قاضی خان فی شرح الجامع (ص ۵۹۴ ج ۲)۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ، ۱۹ر جمادی الثانیہ ۴۴ھ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد۔ ۱۹ر ج ۲ ۴۴ھ۔

جو شخص بیوی کو مہر نہ دے اور نہ نیت ادا کی ہو تو اس کی اولاد کو ولدالحرام کہہ سکتے ہیں یا نہیں

سوال (۱۰) کوئی شخص بہت زیادہ اپنی حیثیت سے مہر مقرر کرے جو محض ایک برادری کی رسم کے لحاظ سے ہو اتنی رقم اس کی حیثیت کے اعتبار سے ادا کرنا ناممکن ہے مہر دینے کی نسبت کہتا ہے کہ یہ ایک فرضی بات ہے کون دیتا کون لیتا ہے اگر اتنا مہر مقرر نہ کروں تو نکاح ہی نہ ہو تو ایسے شخص کی اولاد کو کوئی ولدالزنا کہے یا سمجھے تو گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اس شخص کی اولاد کو ولدالزنا کہنا حرام ہے اور حرامی سمجھنا بھی بمعنی متعارف جائز نہیں اور حدیث میں جو ایسے شخص کو زانی کہا گیا ہے اس سے مراد گناہ میں مثل زانی کے ہوتا ہے۔ اور مثل زانی پر احکام زانی کے جاری کرنا درست نہیں۔

حکم تجدید نکاح بزیادت مہر از مہر سابق اور اس صورت میں شوہر کے ذمہ کونسا مہر واجب ہوگا

سوال (۱۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید عمر ۲۵ سال

اور عابدہ عمر ۱۴ سال ہردو باوجود بالغین ہونے کے ان کے باہم عقد نکاح اس صورت میں واقع ہوا کہ وکیل اپنے دو شاہدوں کے ہمراہ ایک عام جلسہ میں آکر عابدہ اور اس کے والد کے وکیل بنانے کا اقرار دونوں شاہدین سے کراکر زید کے ساتھ عابدہ کا نکاح ایک سو پچیس ۱۲۵ روپیہ مہر مؤجل پر ایجاب قبول کراہی دیا تھا کہ عابدہ کا ماموں اس جلسہ میں آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مہر بالکل کم ہے چالیس ۴۰ تولہ سونا چاہئے اور اسی پر اصرار کرکے عابدہ کے والد کو بھی مجبور کیا حتی کہ ثانی نکاح چالیس تولہ سونے پر کراہی چھوڑا حالانکہ زید زوج ایک سو پچیس ۱۲۵ روپیہ کا بار بھی نہیں اٹھا سکتا اور اس نے تقریب نکاح کا خرچ جو قرض لیکر کیا تھا اس کے ضائع ہوجانے کے خوف سے اور شریعت کی لاعلمی کی وجہ سے طوعاً و کرہاً نکاح ثانی بھی قبول کرلیا۔

(۱) عند الشرع کونسا نکاح منعقد ہوا اوّل یا ثانی؟ (۲) زوجہ کا ماموں نکاح ثانی بالجبر کرانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ (۳) نکاح اوّل کا مہر واجب الاداء ہے یا ثانی کا؟ (۴) مہر مؤجل زوجہ کو کس وقت ادا کیا جاسکتا ہے؟

اس کے چار ماہ بعد زوج و زوجہ میں باہمی تنازع ہوا اور عابدہ کے والد نے عابدہ کو بے اجازت زید کے مکان سے لیجاکر اپنے مکان پر بٹھا رکھا ہے اور زید کے ہاں آنے نہیں دیتا آیا عابدہ کا نان و نفقہ زید پر واجب الاداء ہے یا نہیں مع حوالہ کتب معتبرہ ارقام فرماکر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں؟

الجواب: قال فی العالمگیریة الزیادة فی المهر صحیحة حال قیام النکاح عند علمائنا الثلاثة کذا فی المحیط فاذا زادها فی المهر بعد العقد لزمته الزیادة کذا فی السراج الوهاج هذا اذا قبلت المرأة الزیادة سواء کانت من جنس المهر اولا من زوج او ولی. کذا فی النهر الفائق والزیادة تتأکد باحد معانٍ ثلثة اما بالدخول او بالخلوة الصحیحة واما بموت احد الزوجین الخ ولو تزوج امرأة بالف درهم ثم جدد النکاح بالفین اختلفوا فیه ذکر الشیخ الامام المعروف بخواهر زاده فی کتاب النکاح ان علی قول ابی حنیفة و محمد لا یلزمه الالف الثانیة ومهرها الف درهم وعلی قول ابی یوسف یلزمه الالف الثانیة وبعضهم ذکر الخلاف علی عکس

ھذا قال بعض مشائخنا المختار عندنا ان لایلزمه الالف الثانیة کذا فی الظھیریة (قلت وھذا اذا کان المقصود بالتجدید تجدید النکاح ھزلا وتلعبا) ففی العالمگیریة ایضا عقب ذلک مانصه وفتوی القاضی الامام علی انه لایجب بالعقد الثانی شیئ الا اذا عنی به الزیادة فی المھر فحینئذ یجب المھر الثانی کذا فی الخلاصة اھ (ص ۲۹ ج ۲)

پس صورت مسؤلہ میں نکاح ثانی تو لغو ہے لیکن چونکہ اس سے مقصود محض زیادت مہر تھی اس لئے مہر وہی واجب ہوگا جو دوبارہ مقرر کیا گیا ہے کیونکہ زید زوج نے اس کو برضا منظور کیا ہے اس پر اکراہ شرعی کا تحقق نہیں ہوا اور گو ماموں اس صورت میں ولی نہ تھا مگر اول تو اس نے والد عابدہ کو اپنے ساتھ متفق کر کے ایسا کیا ہے دوسرے مدار تو زوج کے منظور کرنے پر ہے جب اس نے دوسرے نکاح کے مہر کو منظور کر لیا تو اس کی طرف سے زیادت فی المہر کا تحقق ہو گیا پس اگر زوجہ مسماۃ عابدہ نے بھی اس زیادت کو قبول کر لیا ہو یعنی اس کو دوسرے نکاح کی مہر زائد پر ہونے کی اطلاع ہوئی ہو اور اس پر اس نے سکوت کیا اور نکاح ثانی سے انکار نہیں کیا تو یہ مہر لازم ہو گیا جو دخول یا خلوت سے مؤکد بھی ہو گیا اور اگر اس کو اطلاع نہیں ہوئی تو سوال دوبارہ کیا جائے۔

اور مہر مؤجل ہر ملک میں وہاں کی اصطلاح کے موافق ہے بعض جگہ طلاق یا موت کے وقت واجب الادا ہوتا ہے اور بعض بلاد میں وقت مطالبہ زوجہ کے ہم کو بنگال کی اصطلاح معلوم نہیں اس لئے کچھ نہیں کہہ سکتے۔

اور عابدہ جو اپنے باپ کے گھر چلی گئی ہے تو اس کے متعلق بھی یہ بات دریافت طلب ہے کہ وہ مہر کے متعلق کسی جھگڑے کی وجہ سے گئی ہے یا کسی اور بات پر جھگڑا ہوا ہے؟

اور یہ بھی لکھا جائے کہ بنگال میں مہر مؤجل کا ادا مطالبۂ زوجہ پر واجب ہوتا ہے یا طلاق و موت پر؟

اور صورت مسؤلہ میں کل مہر مؤجل تھا یا کوئی حصہ معجل بھی تھا اور جو حصہ معجل تھا وہ عابدہ کو وصول ہو گیا یا نہیں؟ واللہ اعلم۔ ۸ ربیع الاول سنہ ۴۶ھ

ایسی عورت جو کسی علت کے سبب جماع کے قابل نہ رہے اس کے مہر وغیرہ کا کیا حکم ہے

سوال (۱۲) بعد آداب کے عرض یہ ہے کہ میرے عزیز رحمن بیگ سلمہ کی شادی قریب گیارہ سال ہوئے

جب ان کی خالہ کی لڑکی سے ہوئی تھی جب لڑکی بالغ ہوئی ہم بستری کے لئے اپنے شوہر کے پاس سوئی شوہر ہمبستری یعنی جماع کے لئے آمادہ ہوا تو اندام نہانی میں ایک ہنٹی حائل ہوئی جس کی وجہ سے جماع کرنے سے مجبور رہا دوسرے روز صبح زنانہ شفاخانہ کی لیڈی نے ملاحظہ کیا تو بعد معائنہ کہا کہ یہ عورت مرد کے قابل نہیں ہے اور نہ ہی اس کے پستان چھاتیاں ابھری ہیں مردوں کا سا سینہ صاف ہے۔ اس وقت لڑکی کی عمر ۲۲ سال ہے، عرصہ تک میاں بیوی نے راز کو پوشیدہ رکھا، شفاخانہ کے معائنہ کرانے کے بعد بھی، آخر جب عزیزوں نے مجبور کیا تب صاف صاف بیان کیا، لیڈی ڈاکٹرنی جو انگریزی میم تھی پھر دوبارہ دیکھا اور کہا کہ لڑکے کی شادی دوسری کر دو یہ عورت مرد کے کام کی نہیں ہے لہذا عرض ہے کہ جب دوسری شادی عزیز کی ہو جاوے گی تو اس پہلی عورت کا جو ناقابل مرد ہے اس کا کیا حق اپنے شوہر پر رہے گا یا نہیں رہے گا، مہر پانچ سو روپیہ کا ہے طلاق ابھی نہیں دی ہے دوسری شادی جب ہی ہوگی جب اس پہلی سے نجات ملے گی دوسری شادی جہاں ہوگی بات چیت سب طے ہو گئی ہے مگر اس ہی بنا پر اڑی ہوئی رکی ہوئی ہے کہ پہلی عورت مہر لینے کا حق رکھتی ہے یا نہیں۔ طلاق دینے کے بعد شوہر پر جو کچھ مہر وغیرہ کا حق حقوق ہے۔ براہ کرم بہت جلد اطلاع دیں کہ اس کو طلاق دیکر دوسری شادی کی جاوے اور یہ نکاح بھی اس عورت سے جائز ہوا یا ناجائز جب کہ وہ مرد کے قابل ہی نہ تھی حدیث سے سب باتوں کے جواب سے شاد فرماویں؟

الجواب؛ قال فی الدر، والخلوۃ بلا مانع حسی وطبعی وشرعی و رتق بفتحتین التلاحم قرن بالسکون عظم وعفل بفتحتین غدۃ وصغر لایطاق معہ الجماع کالوطأ فیما یجیئ ای فی ثبوت النسب وتاکد المہر الخ ص ۲۷۵۹ وفیہ ایضا ویجب العشرۃ ان سماھا اودونھا ویجب الاکثر منھا ان سمی الاکثر ویتاکد عند وطأ او خلوۃ صحت اوموت احدھما ویجب نصفہ بطلاق قبل وطأ اوخلوت (صحت) وعاد النصف الی ملک الزوج بمجرد الطلاق اذ لم یکن مسلما لھا وان کان مسلما لھا لم یبطل ملکھا منہ بل توقف عودہ الی ملکہ علی القضاء اوالرضی اھ ص ۲۷۵۴۴۔ وفیہ ایضا فی باب القسم یجب ان یعدل فیہ ای فی القسم بالتسویۃ

فی البیتوتۃ وفی الملبوس والمأکول والصحبۃ لا فی المجامعۃ کالمحبۃ بل یستحب بلا فرق بین فحل وخصی وعنین ومجبوب ومریض وصحیح وصبی دخل بامرأتہ وبالغ لم یدخل بحر بحثا واقرہ المصنف ومریضۃ و صحیحۃ وحائض وذات نفاس ومجنونۃ لا تخالف ورتقاء وقرناء و وصغیرۃ یمکن وطیھا اھ (ص ۶۵۵ ج ۲)۔

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے کہ اس عورت سے نکاح درست ہو گیا اور

(۱) اگر اس عورت کو طلاق دے دی گئی تو وہ نصف مہر کی مستحق ہوگی۔

(۲) اور اگر طلاق نہ دی گئی تو زوج کے مرنے پر وہ مہر کامل کی مستحق ہوگی اسی طرح اگر یہ زوجہ مر گئی تو اس کے ورثہ شوہر سے پورے مہر میں حقدار[عہ] ہوں گے۔

(۳) اگر طلاق نہ دی گئی بلکہ اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیا گیا تو یہ زوجہ بھی دوسری کی طرح نفقہ وسکنیٰ اور شب باشی میں مساوات کی مستحق ہوگی اس کا حق ان امور میں دوسری سے کم نہ ہوگا ہاں صرف جماع مساوات کی مستحق نہیں کیونکہ وہ جماع کے قابل ہی نہیں اگر قابل بھی ہوتی جب بھی جماع میں مساوات کرنا واجب نہیں صرف مستحب ہوگا، واللہ اعلم۔ ۱۱ رجمادی الاولیٰ ۴۶ھ۔

ایسی عورت جو کسی علت کے سبب جماع کے قابل نہ رہے اس کے مہر وغیرہ کا کیا حکم ہے

سوال (۱۳) ایک کنواری عورت کے والدین جس کی عمر سترہ برس کی ہے اس کی شادی (ایک شریف نوجوان پردیسی کسی شخص سے کرتے ہیں) بعد رخصتی شب عروسی کے اول وقت میں جبکہ عورت کی ساس کچھ مطابق رسم نصیحت پند کرنے جاتی ہے تو عورت نہایت شرم سے اپنی ساس سے کہتی ہے کہ اماں جو کچھ آپ نے فرمایا یہ درست ہے میں اس کو شکر کیا کروں میں اس قابل ہی نہیں کہ میں ان کے پاس یا وہ میرے پاس آسکیں میں مجبور ہوں زیادہ دریافت حال پر عورت نے کہا کہ میرا جسم اور عورتوں کا سا نہیں ہے قدرت نے پیشاب کے واسطے صرف چھوٹا سا سوراخ عطا کیا ہے تو اسپر اس کی ساس دو عورتوں کو بلاتی ہے اور اس کا جسم دیکھ کر تصدیق کرتی ہے کہ دلہن کا بیان سچ ہے۔

عہ اور اُن ورثہ میں شوہر بھی ہے اس کا حصہ شرعی مہر میں سے معاف ہو جاوے گا ۱۲ اشرف علی

کہاجاتاہے کہ شادی کیوں کرائی ۔ وہ جواب دیتی ہے کہ میرے ماں باپ میں ایک وقت بحث بھی ہوئی مگر میرے والد نے والدہ کو ڈانٹا جو میں نے سُنا اور مجھے بھی خاموش کر دیا گیا میں مجبور تھی ۔ چنانچہ لڑکے کو ہنوز اس عورت کے پاس نہیں جانے دیا اس کے والدین کو بلایا گیا وہ اپنی خطاپر نادم ہو کر لڑکی کو گھر واپس لے گئے اور کہا کہ ہم علاج کرا کر واپس کریں گے علاج کرایا گیا چار برس سے ہنوز آرام نہیں ہوا ۔ لڑکا حیران ہے کہتا ہے کہ طلاق ہی دلا دو میں دوسری جگہ شادی کرلوں میری عمر مت ضائع کرو اس عورت کے ماں باپ زور دیتے ہیں کہ مہر اور ہمارا سامان واپس کردو ۔ لڑکا غریب ہے مجبور ہے لڑکا کہتا ہے میرا اس میں کیا قصور ہے کیا مجھے آپ نے آگاہ کیا میری شادی کرنے کا کیا یہی نتیجہ ہے شادی اسی لئے ہوتی ہے کہ ایسے دھوکہ دیا جاوے محض کسی ناجائز لالچ سے جس کی تم کو خبر تھی افسوس ہے ۔ امید ہے کہ با مُہر فتویٰ مرحمت فرماویں اور چونکہ حضور سادہ کارڈ پر جواب صادر فرماویں گے کچھ تفصیل ضرور ہو کہ ہر آدمی وقت فیصلہ سمجھ سکے حضور کے جواب کا انتظار ہے (۱) یہ کہ ایجاب قبول ہوئے یا نہیں؟ (۲) نکاح ہوا یا نہیں (۳) اس دھوکہ کی صورت میں مہر واجب ہوا یا نہیں؟ جبکہ یہ عورت اور اُس کے ماں باپ کا قصور ہے زیادہ والسلام ۔

الجواب ؛ صورت مسئولہ میں نکاح درست ہوگیا کیونکہ صحت نکاح کے لئے عورت کا عورت ہونا کافی ہے قابل جماع ہونا ضروری نہیں ۔ اب اگر اس کو طلاق دی گئی تو چونکہ یہ طلاق قبل از دخول وخلوت صحیحہ ہے اس لئے شوہر پر مہر کامل تو واجب نہ ہوگا ہاں نصف مہر واجب ہوگا ۔ اور مہر عورت کا حق ہے جو نکاح سے واجب ہو جاتا ہے، عورت یا والدین کے قصور سے مہر ساقط نہیں ہوسکتا ہاں اگر بیوی مہر کو معاف کردے تو وہ اپنا حق معاف کرسکتی ہے، واللہ اعلم ۔ ۲۲ رجب ۴۶ھ ۔

جہیز وغیرہ دینے کا حکم

سوال (۱۴۲) بعد سلام مسنون دیگر ممالک کی مجھے خبر نہیں مگر ہندوستان میں عام طور پر رواج ہے کہ شادی میں لڑکے اور لڑکی کو سسرال سے شادیانہ کپڑے دیئے جاتے ہیں میرے خیال میں عوام اور خواص سب ہی اس کو لازم اور واجب سمجھتے ہیں کیونکہ کوئی شادی آج تک ایسی نہ دیکھی گئی اور نہ سُنی گئی کہ جس میں کپڑے نہ دیئے گئے ہوں کپڑے دینے کے لئے لوگ بہت کچھ اہتمام کرتے ہیں اور شادی کا ایک ضروری جزو سمجھتے ہیں کیا یہ ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ لوگ قولاً اور فعلاً ثابت کر رہے ہیں ۔ جناب حضرت نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی متعدد شادیاں کیں۔ ان کی بنات طیبات کی شادیاں ہوئیں کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شادیوں میں کپڑے لئے دیئے تھے۔ حضرات صحابہؓ اور صحابیاتؓ کی شادیوں میں کپڑوں کے لین دین رائج تھی۔ حضرات تابعین اور تبع تابعین نیز ائمۂ دین متین کے زمانے میں یہ رسم ورواج تھا یا نہیں اگر نہیں تھا تو کب سے رواج ہوا شادیوں میں شادیانہ کپڑے لئے دیئے جائیں یا نہیں۔ جو حکم شرعی ہو مفصل مدلل تحریر فرما کر مخلوقات خدا کو راہِ راست سے واقف فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: باپ کا اپنی لڑکی کو نکاح کے وقت جہیز دینا سنت نبویہ سے ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو شادی کے وقت جہیزؑ دیا ہے۔ اسی طرح نکاح کے وقت شوہر کا عورت کو زیور کپڑے وغیرہ دینا سنت سے ثابت ہے۔ حضرت علیؓ نے جس وقت نکاح کے بعد حضرت فاطمہؓ کے پاس جانا چاہا تو حضور نے فرمایا اعطها شیئا قال ما عندی ما اعطیها قال فاین درعك الحطمية الحديث وفی حدیث الواهبة نفسها لرسول الله صلى الله عليه وسلم ولم یکن له فیها غرض فقام رجل وقال زوجنیها یارسول الله ان لم یکن لك بها حاجة فقال هل عندك ما تعطيها قال لا الا ازاری قال فالتمس شیئا ولو خاتما من الحدید الحدیث کلاهما صحیح۔

ان روایات سے ثابت ہے کہ شوہر کو عورت کے پاس جانے سے پہلے اُس کو کچھ دینا چاہیئے یہ عورت کا حق ہے۔

پس شادی میں کپڑے زیور وغیرہ دینے کا جو رواج ہے یہ رواج فی نفسہٖ خلاف شرع نہیں۔ البتہ اس میں افراط وغلو مناسب نہیں کہ اس قدر اہتمام کیا جائے جس سے پریشانی ہو اور قرض کا بارِ عظیم ہو جائے۔ باقی اپنی حیثیت کے موافق اہتمام کرنا شریعت کے موافق ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور لڑکے کو جو جوڑا دیا جاتا ہے اس کا ثبوت جزئی تو نہیں ہے مگر کلّی ثبوت حدیث

عہ قلت ذکر الحافظ حدیث جهازها وكذا حديث على اعطها درعك الحطمية فی ترجمة فاطمة من الاصابة (ص ۱۵۸ و ۱۵۹ ج ۸) ۱۲ ظفر

تہادوا تحابوا ہے اس کا بھی ہے کیونکہ اس کا منشا محض اکرام و محبت کا اظہار ہے اگر غلو نہ ہو تو اس کا بھی مضائقہ نہیں، واللہ اعلم۔ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۴۷ھ۔

ادائیگی مہر میں شوہر اور بیوی کے درمیان بعض شرائط کا حکم

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے کہ تمہارے دو ہزار روپیہ مہر ہے مگر اس شرط پر کہ تم کو اگر میں نے بلا کسی وجہ کے طلاق دے دیا یا گھر سے نکال دیا تو مہر دے دوں گا خواہ معجل ہو یا غیر معجل ہو کوئی تخصیص نہیں ہے اگر اس قسم کے وجوہات پیش نہ آئے تو مہر نہ دوں گا آیا یہ شرط فاسد ہے یا صحیح ہے نیز اس صورت میں مہر مثل ہوگا یا رقم مذکورہ مبلغ دو ہزار روپیہ جو متعین ہے ادا کرے گا اور عورت کی طرف سے یہ عہد ہے کہ ہر طرح سے خاوند کی فرمانبردار رہوں گی۔ اور اگر خاوند کی مرضی کے خلاف کوئی کام مجھ سے سرزد ہوئے تو معاہدہ مندرجہ بالا کالعدم و باطل تصور ہوگا آیا اس آخری شرط کے ماننے کے بعد مہر مثل ہوگا یا نہیں صاف تحریر فرماویں۔ بغرض مزید تفصیل نقل اقرارنامہ بھی ارسال ہے۔

نقل اقرارنامہ ملخصاً

متمقر نے مسماۃ لطیفن الخ سے نکاح ثانی کر کے اپنی زوجیت میں لایا ہے مسماۃ مذکور کا مہر دو ہزار روپیہ شرائط ذیل پر قرار پایا ہے کہ ہر دو معاقدین کا خداوند عالم اتفاق و محبت سے زندگی بسر کرادے۔ اگر خاوند بلا کسی وجہ یا قصور کے طلاق دے یا گھر سے نکال دے تو مبلغ دو ہزار روپیہ دینا پڑے گا۔ آگے چلکر بیوی کا اقرار ہے

اگر خاوند کی مرضی کے خلاف کوئی کام مجھ سے سرزد ہووے گا تو یہ معاہدہ مندرجہ بالا کالعدم و باطل تصور ہوگا اور متمقر خاوند کو کوئی عورت شادی شدہ یا نکاح ثانی میری موجودگی میں رکھنے کا ہرگز اختیار نہ ہوگا۔

دیگر یہ بھی فرماویں کہ خاوند کے کاروبار خانگی بذمہ عورت کون کون سے ضروری ہیں؟ زیادہ والسلام۔

الجواب! یہ شرط فاسد ہے اور عورت مدخول بہا ہے تو وہ ہر حالت میں دو ہزار کی مستحق ہے خواہ اس کو طلاق دی جائے یا نہ دی جائے گھر سے نکالا جائے یا نہ نکالا جائے اور صورت مسئولہ میں مہر مثل کا کوئی احتمال نہیں لعدم التردید فی

كمية المهر وعدم تعليقه على شئ وانما علق اداءه وعدم اداءه على شرائط بعد ما جعل المهر الفين كما هو ظاهر من نقل اقرارنامة، والله اعلم۔

اور عورت کے عہد سے بھی مہر کا ابطال نہیں ہوا بلکہ وہ عہد ہی لغو ہے وہ جب تک صراحۃً معاف نہ کرے اور خوشی سے معاف نہ کرے تو معاف نہ ہوگا۔

اور بیوی کے ذمہ چار باتیں لازم ہیں جن پر شوہر اس کو مجبور کر سکتا ہے:

(۱) جب شوہر مجامعت کے لئے بلاوے اور عورت بیمار نہ ہو تو انکار نہ کرے۔

(۲) شوہر اگر زینت کا طالب ہو تو اس کے لئے زینت و آرائش کیا کرے بشرطیکہ زینت خلاف شرع نہ ہو۔

(۳) شوہر کے گھر سے بدون اس کی اجازت کے باہر قدم نہ رکھے نہ کسی نامحرم کے سامنے چہرہ کھولے۔

(۴) جس شخص کا گھر میں آنا شوہر کو گوارا نہیں اس کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے۔

ان امور کے سوا اور کسی بات پر مرد عورت کو مجبور نہیں کر سکتا اگر مجبور کرے گا، گنہگار ہوگا۔ البتہ عورت کو دیانۃً واجب ہے کہ شوہر جس مباح شرعی کا امر کرے اور اس کی طاقت سے باہر کام نہ ہو اس کو بجا لائے خواہ شوہر کو اس کے حکم کا حق ہو یا نہ ہو گو وہ بلا استحقاق کسی زائد کام کا بدون رضا کے حکم کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ لیکن اگر وہ عمل شرعاً مباح اور عورت کی قدرت میں داخل تھا تو عورت بھی مخالفت امر زوج سے گنہگار ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یکم ذی الحجہ ۴۷ھ۔

مہر مثل کی تحقیق نہ ہو سکے یا وہ عرفاً مختلف ہو تو کس مہر پر فیصلہ کیا جائے

سوال (۱۶) مہر مثل کی تعریف جو فقہاء نے لکھی ہے اگر اس کی تحقیق نہ ہو سکے یا وہ عرفاً مختلف ہو تو پھر کس مہر پر فیصلہ کیا جاوے گا یا مہر مسمیٰ ہی ہر حالت میں معتبر ہوگا؟

الجواب: فقہاء نے جو مہر مثل کی تعریف لکھی ہے اس کی تحقیق کی ضرورت وہاں ہے جہاں اختلاف صفات زوجین سے مہر خاندانی مختلف ہو جاتا ہے اور جہاں مہر خاندانی ہر حال میں واحد ہو کہ خاندان کی ہر لڑکی کا مہر اس سے کم نہ ہوگا اور غالب احوال میں زیادہ بھی نہیں ہوتا اِلّا نادراً لعارضٍ تو وہاں مہر خاندانی ہی مہر مثل ہوگا اور ہندوستان میں اکثر مقامات پر ہر قوم کا مہر ہر شہر میں رواجاً معین ہے اس سے کم و بیش نہیں ہوتا

پس اسی کو مہر خاندانی کہا جائے گا اور اگر کسی قوم میں مختلف مہور ہوں تو ہر لڑکی کی پھوپیوں، اور چچازاد بہنوں کا مہر اس کے حق میں مہر مثل ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ یکم صفر ۴۸ھ۔

سقوط مہر کے متعلق "بیان القرآن" کی ایک عبارت کی تشریح

سوال (۷)، آپ کے مترجم قرآن عظیم کے والمحصنٰت کے حاشیہ پر یہ مضمون مرقوم ہے کہ اگر صحبت یا خلوت نہیں ہوئی اور[1] مرد چھوڑ دے تو نصف مہر لازم ہوگا یہ تو ظاہر ہے اور آگے یہ لکھا ہے کہ اگر عورت ایسا کام کرے جس سے نکاح ٹوٹ جاوے تو پھر بالکل مہر لازم نہ آئے گا اس سے کفر مراد ہے یا اور کچھ ہے؟

الجواب: عورت کی جانب سے نکاح ٹوٹنے کی صورت ایک یہ بھی ہے کہ عورت مرتد ہو جاوے اور اس کے علاوہ دوسری صورتیں بھی ہیں مثلاً [1] کافر مرد و عورت کا نکاح ہوا تھا مرد مسلمان ہوگیا اور عورت نے اسلام سے انکار کر دیا۔ [2] یا عورت نے خاوند کے بیٹے سے بشہوت تقبیل کی۔ [3] یا رضاع کا تحقق ہوا (یعنی ایک بالغہ سے کسی نے نکاح کیا اور ایک چھوٹی بچی سے جس کی عمر دو سال سے کم ہو اور کبیرہ نے صغیرہ کو دودھ پلا دیا اور اب تک اس سے دخول نہ ہوا تھا تو کبیرہ کا مہر ساقط ہوگیا اور دونوں حرام ہوگئیں کما فی العالمگیریۃ ص ۲۷۵ اذا تزوج الرجل صغیرۃً وکبیرۃً فارضعت الکبیرۃُ الصغیرۃَ حرمتا علی الزوج ثم ان لم یدخل بالکبیرۃ فلا مھر لھا الخ [4] یا خیار بلوغ و عتق کی حالت میں عورت نے نکاح فسخ کر دیا۔ [5] یا کفو نہ ہونے کے سبب۔ کما فی العالمگیریۃ ص ۲۷۲۳ وان جاءت الفرقۃ من جھتھا فلا تجب (ای المتعۃ) کردتھا وابائھا الاسلام وتقبیلھا ابن الزوج بشھوۃ والرضاع و خیار البلوغ وخیار العتق وعدم الکفاءۃ الیٰ ان قال وکل موضع لاتجب المتعۃ فیہ عند عدم التسمیۃ لانصف المسمیٰ عند وجودھا کذا فی التبیین۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔

عورت مہر کا روپیہ کس کس کام میں لا سکتی ہے

سوال (۱۸) زید نے اپنی زوجہ کا مہر ادا کر دیا مہر کا روپیہ زید کی زوجہ کے پاس موجود ہے اب وہ مہر کا روپیہ خیرات کر دیوے یا کسی مسجد یا مدرسہ وغیرہا میں صرف کر دیوے تو جائز ہے یا نہیں علاوہ اس کے مہر کا روپیہ کس کام میں لانا چاہیے؟

[1] یعنی اگر صحبت یا خلوت سے پہلے شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ دلاور حسین (کملائی)

الجواب ؛ اس کی ملک ہے اس کو پورا اختیار ہے جو چاہے کرے۔

تنبیہ :- اگر یہ روپیہ اتنا ہے کہ حج ہو سکے اور اس نے حج نہ کیا ہو تو حج کرنا فرض ہے اور اگر حج کے لئے کافی نہ ہو یا حج کر چکی ہو تو خواہ جمع رکھے اور زکوٰۃ ادا کرتی رہے یا شوہر کو دیدے یا اقارب وغیرہ پر صدقہ یا ھدیہ صرف کر دے خواہ خیرات کر دے ہر طرح اختیار ہے۔

۱۵ ر رمضان ۴۸ھ۔

مہر مثل کے بارے میں

سوال (۱۹) زید ولی بالغ جو چچیرا بھائی ہندہ نابالغہ کا ہے اس نے ہندہ سے گواہوں کے سامنے بعوض پندرہ ہزار روپیہ دین مہر کے اپنا نکاح کر لیا اور اس دیار میں مہر معین نہیں ہے کسی کا چالیس ہزار کسی کا تیس ہزار کسی کا پچیس ہزار کسی کا بیس ہزار کسی کا پندرہ ہزار کسی کا دس ہزار علیٰ ھذا القیاس ہوا کرتا ہے۔ اور ہندہ کی ددھالی عورتوں میں یا اس قبیلہ میں جو ہندہ کے باپ کے قبیلہ کے مماثل ہو۔ کوئی ایسی عورت جو اپنے نکاح کے وقت میں ہندہ کے ساتھ مساوات و مماثلت رکھتی ہو نہیں موجود ہے کہ اس عورت کا جو مہر مقرر ہوا ہو وہی مہر ہندہ کا قرار دیا جائے تو یہ پندرہ ہزار اوپر غبن فاحش ہے یا نہیں اور جبکہ ایسی کوئی عورت جو دونوں میں عقد کے وقت مساوات ہو نہیں ملتی ہے تو یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں۔ اگر نہیں صحیح ہے تو صحیح ہونے کی کیا صورت ہے بینوا توجروا۔

الجواب من بعض العلماء :

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔ جبکہ اس دیار میں تقدیر مہر بمقدار معین نہیں ہے اور نہ کوئی ایسی عورت خاندانی موجود ہے جس میں ہندہ کے اوصاف کا اجتماع ہو تو ولی بالغ کو نابالغہ سے چالیس ہزار یا پچیس ہزار میں اپنے ساتھ نکاح کرنا تھا تاکہ پندرہ ہزار میں غبن متصور نہ ہوتا چونکہ ولی نے اپنے ساتھ پندرہ ہزار میں بلا وجود عورت متساویہ مماثلہ نکاح کیا ہے لہذا یہ نکاح صحیح نہ ہوگا ولی کو پھر نکاح بلا مہر مقرر کئے کرنا چاہیئے کہ اگر پہلا نکاح صحیح نہ ہوا ہو تو نکاح ثانی صحیح ہوگا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے واذا زوج غیر الاب والجد الصغیرۃ فالاحتیاط ان یعقد مرتین مرۃ بمھر مسمی ومرۃ بغیر مھر مسمی لامرین احدھما انہ لو کان فی التسمیۃ نقصان لا یصح النکاح الاول ویصح الثانی بمھر المثل والثانی ان الزوج لو کان حلف بطلاق امرأۃ یتزوجھا بلفظ ان اتزوج او بلفظ کل امرأۃ اتزوجھا

ینعقد الثانی بمہر المثل و تحل انتہی وھکذا فی فتاوی قاضی خان وقال فی رد المحتار (ص۵۱۰) نقلاً عن البحر ولذا ذکرہ فی الخانیۃ وغیرھا ان غیر الاب والجد اذا زوج الصغیرۃ فالاحوط ان یزوجہا مرتین مرۃ بمہر مسمی ومرۃ بغیر التسمیۃ لانہ لوکان فی التسمیۃ نقصان فاحش ولم یصح النکاح الاول یصح الثانی ولیس للتزویج من غیر کفؤ حیلۃ کما لا یخفی۔

ہاں اگر کوئی عورت ہندہ کے دادھالی عورتوں میں سے یا اس قبیلہ میں سے جو ہندہ کے باپ کے قبیلہ کے مماثل ہو۔ ایسی عورت ہو کہ جو اوصاف ہندہ میں ہوں وہ اس عورت میں بھی ہوں تو اس عورت کا جو مہر ہے وہی ہندہ کا ہوگا، اگر اس عورت کا مہر پندرہ ہزار مقرر ہوا تھا تو ہندہ کا بھی پندرہ ہزار یا آٹھ نو ہزار تک ہوسکتا ہے ایسی صورت میں دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں۔ اور مہر بالمثل کی تعریف عالمگیری میں یہ لکھی ہے۔

ومہر مثلہا یعتبر بقوم ابیہا اذا استویا سنا وجمالا و بلدا وعصرا ودینا وبکارۃ وکذا یشترط ان تستویا فی العلم والادب وکمال الخلق وان لا یکون لہما ولد۔ کذا فی التبیین انتہی، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد عبدالرشید۔
ذوالقعدۃ سنہ ۱۳۴۸ھ۔

الجواب من جامع امداد الاحکام:

اس میں شک نہیں کہ دوبارہ تسمیہ مہر نکاح کرلینا احوط ہے لیکن مہر مثل دادھالی خاندانی ہی میں منحصر نہیں بلکہ اگر کسی عورت کا مثل دادھالی خاندان میں نہ ہو تو ننھالی خاندان سے مہر مثل اس کا معلوم کیا جائے اگر اس میں بھی نہ مل سکے تو دوسرے اجنبی خاندانوں میں جو خاندان اس عورت کے باپ کے خاندان کا عرفاً مماثل ہو اس سے مہر مثل معلوم کیا جائے نیز یہ امر بھی قابل تنبیہ ہے کہ مہر مثل میں جن اوصاف کے اندر عورتوں کی مماثلت کو فقہاء نے بیان کیا ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ سب اوصاف میں مماثلت شرط ہے بلکہ بعض اوصاف میں بھی مماثلت کافی ہے صرح بہ فی الشامیۃ (ص ۵۸۳ ج ۲) اس کے بعد امید ہے کہ اس عورت کا مثل اس کے دادھیالی خاندان میں بھی مل جائے گا۔

واللہ اعلم۔ ۱۵ ؍ ذیقعدہ سنہ ۴۸ھ۔

✲✲✲✲

فصل فی القسم عند تعدد الازواج

دن کے وقت بیویوں کے درمیان عدل کرنا واجب نہیں

سوال (۱) بہشتی زیور سے معلوم ہوا ہے کہ بیبیوں کے درمیان رات میں برابری ضرور چاہیئے دن میں برابری نہیں ہے تو اگر کسی بی بی کی باری میں اس کے یہاں دن کو کھانا کھا کر دوسری بی بی کے گھر پر جس کے یہاں باری نہیں ہے دن کو علیحدہ چارپائی پر جا کر سو رہے تو درست ہے یا نہیں ؟

الجواب ؛ یہ صورت درست ہے، واللہ اعلم ۔　　۲۷ شوال ۱۳۴۰ھ ۔

بیویوں کے درمیان عدل کرنے کے معنیٰ اور فقہاء کے کلام پر ایک اشکال کا جواب

سوال (۲) متعدد ازواج میں عدل کا حکم قرآن سے ثابت ہے اور وہاں اسے عام رکھا گیا ہے جس کے معنیٰ یہ سمجھ میں آتے ہیں کہ کم از کم امور اختیاریہ میں تو من کل الوجوہ عدل ہونا چاہیئے یعنی سفر میں اور نفقہ میں اور وطی میں، سفر میں بھی پھر فقہاء نے اجازت دی ہے کہ خواہ جسے لے جاوے ۔ نفقہ میں موسرہ اور معسرہ کی حالت کا اعتبار کیا ہے جس سے ممکن اور اغلب ہے کہ ایک کی حیثیت سنو روپیہ ماہوار کی ہو اور ایک کی دس روپیہ ماہوار کی ۔ وطی میں بھی عدل نہیں ہے بلکہ اختیاری زوجہ پر موقوف ہے ۔ اس کے بعد عدل واقعی نہیں رہتا بلکہ ایک فرضی دکھاوے کی صورت رہ جاتی ہے کہ قسم میں دونوں برابر رہیں ۔

الجواب ؛ آپ نے عدل کے معنی تسویہ سمجھے ہیں اس لئے غلط فہمی ہوئی عدل کے معنی جور[1] کے مقابل ہیں یعنی ہر چیز کے ساتھ اس کے مناسب اور حق واجب کے موافق برتاؤ کرنا پس اگر زوجتین یسار و اعسار میں مساوی ہیں تو نفقہ میں تسویہ ورنہ حسب حیثیت عدل واجب ہے ۔ تعدد ازواج کی صورت میں تسویہ صرف بیتوتہ وصلات زائدہ میں واجب ہے جبکہ سب حرائر ہوں بقیہ امور میں عدل ہی واجب ہے نہ کہ تسویہ ۔　　۸ر شوال ۔

مسائل متفرقہ متعلقہ نکاح

حضرت امام حسینؓ اور حضرت شہر بانو کے نکاح کی تحقیق

سوال (۱) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جو مال غنیمت میں آیا تھا اس میں حضرت شہر بانو رضی اللہ عنہا آئیں تھی اور وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادہ بڑے صاحب کو بغیر نکاح کئے ہوئے دے دی گئیں

[1] یعنی ظلم ۔ دلاور حسین بنگلہ دیشی ۔

چونکہ اتنا تو مجھے معلوم ہے کہ جو مال غنیمت میں اس زمانہ میں آیا کرتا اور اس میں عورتیں یا لڑکے آتے تھے وہ ویسی ہی تقسیم کر دیا جایا کرتا تھا یا آزاد کر دیا جاتا تھا ان سے نکاح اللہ تعالیٰ نے جائز نہیں رکھا تھا اور یہ شیعہ لوگ جو ہیں وہ کہتے ہیں کہ نکاح ہوا ہے۔ ہمارے بھوپال میں ایک شخص سید صاحب مشہور ہیں وہ تو سنت جماعت ہیں انہوں نے اپنے مکان میں ایک شیعہ صاحب یعنی میر صاحب کو مہمان ٹھیرالیا ہے وہ شخص رات دن ہر شخص سے مناظرہ کیا کرتا ہے چونکہ میں بھی ان کے مکان میں رہتا تھا ایک روز مجھ سے میر صاحب نے گفتگو کری، میں نے ان سے سوال کیا کہ ایک بات تم بتاؤ انہوں نے حامی بھری اور فرمایا کہ کہئے میں نے پھر ان سے سوال کیا کہ میر صاحب آپ ہر شخص سے مناظرہ کرتے ہیں ایک بات کا ہماری جواب دے دو حالانکہ میں نے ان سے صرف پہلے اتنا دریافت کیا کہ تم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو حق مانتے ہو تو پھر نکاح تم حضرت شہر بانو کا کہاں سے ثابت کرتے ہو چونکہ ہم نے تو سنا ہے کہ نکاح ثابت نہیں ہے اور نہ نکاح ہوتا ہے جب مال خلافت میں آتا ہے تو ان کا نکاح رب العالمین نے جائز نہیں رکھا ہے لہذا میر صاحب غلطی پر ہو اور نیز میں نے ان کو یہ کہا کہ جو لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو حق مانتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے نکاح جائز نہیں رکھا ہے وہ سید تو حلالی اور جو اس کو نہیں مانتے ہیں وہ حرامی ہیں۔

الجواب: غنیمت میں جو باندیاں آتی ہیں اُن کے ساتھ باندی رکھکر تو بیشک نکاح جائز نہیں۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ جس شخص کو باندی دی جائے وہ اس باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرلے تو ممکن ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہر بانو رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا ہو بدون تحقیق کے اس احتمال کو رد نہیں کیا جاسکتا نیز سائل کا یہ قول بھی غلط ہے کہ جو سید لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو نہیں مانتے وہ حرامی ہیں، حرامی یا حلالی ہونے میں خلافت کے ماننے نہ ماننے کو کیا دخل؟ فقط۔ ۲۶ ربیع الثانی ۴۵ھ

بیوی پر گھر کا کام اور روٹی پکانا واجب ہے یا نہیں

سوال (۲) بیوی کے ذمہ شوھر کے لئے روٹی پکانا اور گھر کے کام کاج کرنا واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب: زوجہ کے ذمہ شوہر کی خدمت واعمال بیت دیانۃً واجب ہیں قضاءً نہیں لہذا شوہر اس کو مجبور نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر انکار کرے گی گنہگار ہوگی (بشرط قدرت تھا

وعدم عجزها) قال فی الدر[1] استاجر امرأته لتخبز له خبزا للاکل لم یجز وللبیع جاز - صیرفیة - قال الشامی قوله لم یجز لان هذا العمل من الواجب علیها دیانة .... وافاد المصنف اٰخر الباب ان استیجار المرأة للطبخ والخبز وسائر اعمال البیت لا تنعقد ونقله عن المضمرات ط قلت کأنه لانه واجب علیها دیانة ثم راجعت باب النفقة فرأیته علل به وزاد ولو شریفة لانه علیه السلام قسم الاعمال الخ وھذا یدل علی ما قدمنا من ان المفتی به عند المتاخرین فی الاستیجار علی الطاعات ما نصوا علیه لا کل طاعة اھ ص ۵۹ ج ۵۔ ۳ر شعبان س۴۱ھ

منکوحہ نومسلمہ اگر بت خانہ میں جاکر افعال شرکیہ کرے تو وہ مسلمہ ہے یا نہیں

سوال (۳) ایک مسلمان شخص نے ایک مشرکہ عورت کو کلمہ وغیرہ پڑھا کر نکاح میں لایا بعد نکاح کے وہی عورت اپنے بت خانوں میں جاتی ہے اور وہاں کے رسم وغیرہ بھی بجا لاتی ہے اور اسکے لڑکے وغیرہ تو سخت تعصب کرتے ہیں کہ مسلمان مذہب کچھ نہیں اور جب تمام گھر والے بت خانے میں جاتے ہیں تو ان کے خاوند بھی ساتھ جاتے ہیں جو کچھ مشرکوں کے یہاں رسم و رواج ہے سب دیکھ بھال کرتے ہیں نہ اپنی عورت کو منع کرتے ہیں نہ اولاد کو ایسے گھروں میں دعوت ہونے سے کچھ کھا سکتے ہیں یا نہیں اگر کسی قوم کے پیشوا نے کھائی تو اس کے پیچھے اقتداء کرنا جائز ہے یا نہیں حالانکہ یہ پیشوا خوب حالت سے واقف ہے اگر نہیں دیکھا تو سُنا ضرور ہے۔

الجواب: جب وہ عورت بدستور بت خانہ میں جاتی ہے اور وہاں جاکر افعال شرکیہ کرتی ہے اور اسکی اولاد یہ کہتی ہے کہ مسلمان مذہب کچھ نہیں تو یہ عورت اور اس کی اولاد مرتد ہے اور اگر شوہر بھی ان کے افعال شرکیہ سے راضی ہے تو وہ بھی مرتد ہے اس کے ساتھ سلام و کلام و تعلقات وغیرہ نہ رکھنا چاہئیں جب تک کہ یہ سب ان افعال سے توبہ نہ کریں اور توبہ کے بعد تجدید نکاح بھی لازم ہے مقتداؤں کو ایسے شخص کے یہاں دعوت قبول نہ کرنا چاہئے لیکن اگر کوئی بیحیائی سے قبول کرے تو اس کے پیچھے نماز درست رہے گی۔ واللہ اعلم۔

۶ر شعبان س۴۳ھ

سالی سے زنا کرنے سے بیوی حرام نہیں ہوتی

سوال (۴) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی بہن سے زنا کرے اور حمل قرار پائے یا نہیں تو اس کی اصل بیوی اس کے تحت میں رہے گی یا نہیں؟

[1] تحت فروع قبیل باب ضمان الاجیر من کتاب الاستیجار ۶: ۶۲ - ایچ - ایم سعید کمپنی۔ دلاور حسین بنگلہ دیشی۔

الجواب: بیوی کی بہن سے زنا کرنے سے اصل بیوی حرام نہیں ہوتی اس کا نکاح بحالہ باقی ہے ہاں زانی کو گناہ شدید ہوگا۔

شوہر اپنی بیوی کو والدین کے گھر سے جبراً لا سکتا ہے

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک شخص کی منکوحہ عقد نکاح کے ایک سال بعد اپنے والدین کے گھر چند روز کے لئے بغرض ملاقات گئی فی الحال عرصہ دو سال کا ہوتا ہے کہ زوجہ مذکورہ اپنے والدین کے گھر ہے شوہر اب تک برابر نان و نفقہ سے خبر گیری کرتا رہا اور چاہتا ہے کہ اپنی بیوی کو اپنے گھر لے آوے مگر بیوی کے والدین بعضے مصالح دنیویہ کی وجہ سے رضامندی سے چھوڑنا نہیں چاہتے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا شوہر کو شرعاً اختیار ہے کہ بجبر و اکراہ اپنی بیوی کو یا باستعانت قانون گورنمنٹ اپنی گھر لے آوے اگر ایسا اختیار ہے تو کتاب کا حوالہ بقید صفحہ تحریر فرما کر ممنون فرماویں۔

الجواب: فی تنویر الابصار ولها منعه من الوطی والسفر بها ولو بعد وطی وخلوة رضیتهما لاخذ ما بین تعجیله او قدر ما یعجل لمثلها عرفا ان لم یوجل کله وقال الشامی (قوله والسفر) الاولیٰ التعبیر بالاخراج کما عبر فی الکنز لیعم الاخراج من بیتها کما قاله شارحوه ط (قوله لاخذ ما بین تعجیله) علة لقوله ولها منعه او غایة له واللام بمعنی الیٰ (قوله او قدر ما یعجل الخ) ای ان لم یبین تعجیله او تعجیل بعضه فلها المنع لاخذ ما یعجل لها عرفا وفی الصیرفیة الفتوی علی اعتبار عرف بلدهما الخ (ص ۵۸۷ و ۵۸۸ ج ۲)۔

پس اگر وہ شخص مہر معجل ادا کر چکا ہے تو اس کو اختیار ہے کہ باوجود عورت یا اس کے والدین کی رضامندی نہ ہونے کے عورت کو لے آوے اور اگر مہر معجل ادا نہیں کیا تو جب تک ادا نکیا جاوے اس وقت تک عورت کو اختیار ہے کہ وہ آنے سے انکار کر دے۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۵ ج ۲ سنہ ۴۴ھ

اور اگر عرف یہ ہو کہ مہر کل مؤجل ہوتا ہو جو موت یا طلاق ہی کے وقت مانگا جاتا ہے جیسا کہ ہماری اطراف میں عرف ہے تو پھر عورت کو انکار کا کچھ حق نہیں اور مسافت قصر سے کم مسافت میں شوہر جہاں چاہے اس کو لیجاوے اور اپنے گھر پر تو جبراً لا سکتا ہے فقط ظفر احمد عفا عنہ ۱۶ ج ۲ سنہ ۴۴ھ

بیوی سے کتنی مدت تک نہ ملنے کی اجازت ہے

سوال (۶) کیا یہ صحیح ہے کہ انسان اگر سفر میں جائے کسی ضروری کام کے لئے اور اس کا وہ کام اب تک ختم نہو اور اس میں چار ماہ ہو جائیں تو بیوی سے چار ماہ میں نہ ملنے سے وہ گنہگار ہوتا ہے؟ یا کہ وہ مختار ہے کہ جہاں تک چاہے سفر میں رہ سکے۔

الجواب: اس صورت میں گناہ ہونا مطلقاً لازم نہیں بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ بیوی سے دیانۃً اتنی مدت تک نہ ملنے سے گناہ ہوتا ہے جس میں اندیشہ اس کی عفت زائل ہونے کا ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ اس کو غیر مردوں کی طرف التفات ہوگا اب اس کو ہر شخص اپنی بیوی کی حالت میں غور کر کے دیکھ لے کہ اس کی بیوی کتنی مدت تک مرد سے صبر کر سکتی ہے اور کتنی مدت میں اس کو مرد کی طرف اشتیاق ہوتا ہے بعض فقہاء نے اندازہ سے چار ماہ اس کی مدت مقرر کی ہے وھی مدۃ الایلاء وبھا امر عمرؓ ان لا یحبس رجل فوقھا فی الجیش. مگر اختلاف حالات وامزجہ سے اس میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے، واللہ اعلم۔ ۱۶؍ج ۱؍ ۱۳۴۶ھ

کیا عورت کا مرد پر حق ہے کہ وہ رات کو اپنے بستر پر لٹائے

سوال (۷) کیا مرد پر عورت کا حق ہے کہ رات کو اپنے بستر پر لٹاوے یا فقط ایک گھر میں۔ یا کچھ بھی ضروری نہیں دوسرے گھر میں بھی رکھ سکتا ہے اور ایفائے حق جماع کے لئے کبھی کبھی اپنے پاس لانے سے ادائے حق سے سبکدوش ہو جائے گی غرض رات کو سونے میں عورت کا حق کہاں پر سونا ہے؟

الجواب: مرد کے ذمہ عورت کو اپنے بستر پر لٹانا واجب نہیں یہ واجب ہے کہ رات کو اسی گھر میں سوئے جہاں عورت سوتی ہے بلکہ دیانۃً یہ واجب ہے کہ عورت کے پاس جانے میں اتنی دیر نہ کرے جس سے عورت کے فساد خیال کا خطرہ ہو البتہ اگر کسی کے دو بیویاں ہوں اور وہ ایک گھر میں سوتا ہو تو اس پر دوسری کے گھر سونا بھی واجب ہے تسویۃً وعدلاً فی البیتوتۃ۔ اور یہ اس وقت ہے جبکہ عورت کو خاوند کے باہر لیٹنے سے وحشت نہوتی ہو اور اگر وحشت ہوتی ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے اور یہ بھی بتلایا جائے کہ دفع وحشت کی اور کوئی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں، فقط۔

۱۵؍ ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ

خرید کردہ آزاد عورت سے بغیر نکاح وطی کا حکم

سوال (۸) اکثر پہاڑی مقامات پر خرید و فروخت مستورات کی ہوتی ہے کسی ہندوستانی خرید کردہ عورت سے (کنیز یا حرم یا

باندی) بغیر نکاح وطی جائز ہے یا نہیں اور ناجائز ہے تو بغیر موجودگی گواہان محض ایجاب و قبول اور تعین مہر کے نکاح ہوسکتا ہے یا موجودگی گواہان ضروری ہے؟ فقط

الجواب: اول تو اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں دوسرے جن روایات میں جواز ہے ان میں قید ہے کہ وہ کفار اس کو جائز سمجھیں اور یہ بھی ہنوز متحقق نہیں (اشرف علی) اس لئے ان خرید کردہ عورتوں کو باندی بنا کر اون سے وطی وغیرہ کرنا جائز نہیں نکاح کر لینا چاہیئے اور نکاح کے لئے دو گواہوں کا ہونا شرط ہے بدون دو گواہوں کے نکاح نہوگا فقط

احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۴ر صفر ۴۵ھ الجواب صحیح ، ظفر احمد عفا عنہ

بدون ادائیگی مہر معجل بیوی سے مجامعت درست ہے یا نہیں

سوال (۹) در مسئلہ مرقومہ علماء محققین چہ میفرمایند۔

بدون مہر معجل مجامعت رواست یا نہ ؟

الجواب: مہر معجل ادا کرنے سے قبل عورت کو حق ہے کہ ہمبستری اور خلوت سے انکار کر دے شوہر کو جبر کرنا جائز نہیں ہے اور اگر ایک مرتبہ خلوت یا ہمبستری کی اجازت دیدی اور بعد میں پھر انکار کر دے تب بھی امام صاحبؒ کے نزدیک انکار کا حق رکھتی ہے پس اس صورت میں شوہر کو اس پر جبر کرنا بھی مختلف فیہ ہے امام اعظمؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی جبر حلال نہیں ہے کما قال الشامی تحت قول الدر (لها منعه) واشار الی انہ لا یحل لہ وطیها علی کرہ منها ان کان امتناعها لطلب المهر عندہ وعندهما یحل کما فی المحیط بحر وینبغی تقیید الخلاف بما اذا کان وطئها اولا برضاها اما اذا لم یطأها ولم یخل بها کذلک فلا یحل اتفاقا۔ اور حق منع میں چونکہ امام صاحب کا قول مفتی بہ ہے لہذا حرمت استمتاع میں بھی (جو کہ اس کی فرع ہے) انہیں کا قول معتبر ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم ۔ ۲۹ر جمادی الاولیٰ ۴۸ھ

بیوی کے بعض حقوق کی وضاحت

سوال (۱۰) السلام علیکم ۔ بعد قدمبوسی مسنونہ کے گذارش ہے کہ احقر نے پہلے خط میں دو ضروری مضمون کے متعلق سوال کیا تھا ان میں سے ایک کا جواب کافی مل گیا دوسرے کے متعلق سوال فرمائے ہیں وہ مضمون خانگی انتظام کے متعلق تھا۔ یعنی احقر کو نوکری کرنے کی وجہ سے ہمیشہ سفر میں رہنا پڑتا ہے اور گھر میں

مربی نہ رہنے کی وجہ سے بیوی صاحبہ کو خورد و پوش دیکر ان کے والد صاحب کے گھر میں رکھتا ہوں انہوں نے بھی رضامندی ظاہر کر کے قبول کر لیا۔ مگر بیوی صاحبہ بوجہ خانگی چون وچرا کے جو عورتوں میں ہوتا ہے وہاں رہنے پر راضی نہیں اس پر حضور والا نے سوال فرمائے ہیں (اپنے پاس کیوں نہیں رکھتے)، جواب دیا تھا کہ اپنے پاس رکھنے کا دو صورت ہے ایک یہ کہ اپنا گھر رکھوں اور خود بھی بوجہ مربی نہ ہونے کے نوکری چھوڑ کر مکان رہوں ان میں کئی طرح کی خرابی ہے ایک یہ کہ ملک میں عام وخاص سب لوگ بدعت ورسوم کے عادی ہیں مکان پر رہ کر ان کے شرور سے محفوظ رہنا دشوار ہوگا، دوسرے ملک میں حلال روزی کی کوئی صورت نہیں لہذا معیشت میں تنگی ہونے کا اندیشہ ہے، تیسرا جمعیت قلب جو اہم ہے فوت ہونے کا اندیشہ ہے۔ ثانی صورت یہ ہے کہ جہاں نوکری کرتا ہوں ان کو ہی وہاں لیجاؤں مگر یہ بھی دو وجہ سے نہیں ہوسکتا ہے ایک یہ کہ وہ اور ان کے والد صاحب سفر میں جانے پر راضی نہیں، دوسرا یہ کہ جہاں نوکری کرتا ہوں وہ محض ایسا گاؤں ہے کہ جو وظیفہ احقر کو ملتا ہے اس سے کوئی مسافر اپنے اہل وعیال کے ساتھ وہاں رہنے کا انتظام کرنا بڑا دشوار ہے۔

اب قابل دریافت یہ ہے کہ باوجود ان موانع کے ان کی رضامندی کو لحاظ کر کے گھر میں مقیم ہونا پڑے گا یا حسب دستور خورد و پوش دیکر ان کے والد صاحب کے گھر رکھا جائیگا اس پر حضور والا نے ارشاد فرمائے ہیں (یہ مشورہ ہے یا مسئلہ، مشورہ دینا میرا معمول نہیں مسئلہ کسی خاص شبہ کے سبب پوچھا جاتا ہے اس میں کیا شبہ ہوا جو حکم شرعی پوچھنے کی ضرورت ہوئی) جواباً عرض کرتا ہوں یہ مسئلہ ہے مشورہ نہیں۔ اس میں خاص شبہ ہوا کہ اپنی مصلحت ومنافع پر نظر کر کے بیوی صاحبہ کو باوجود عدم رضا ان کی حسب دستور خورد و پوش دیکر ان کے والد صاحب کے پاس رکھنا احقر کے لئے شرعاً جائز ہوگا یا نہیں۔ از روئے شفقت کے جواب سے ممنون فرماویں۔

الجواب: عورت کا یہ مطالبہ پورا کرنا تو ضروری ہے کہ اس کو الگ مکان دیا جاوے اور اس کو اس پر مجبور کرنا درست نہیں کہ اپنے والد کے ساتھ رہے۔ البتہ عورت کا یہ مطالبہ کہ اس بستی میں نہ رکھا جاوے اس کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ پس والد صاحب کے مکان کا کوئی مستقل حصہ جس میں کسی اور کا دخل نہ ہو یا اس کے متصل کوئی دوسرا مکان جیسا موقعہ ہو عورت کے واسطے لے دینا کافی ہے۔ ایک ضروری امر قابل غور ہے

یہ ہے کہ خاوند کی آمد ورفت عورت کے پاس بقدر ضرورت ہوتی رہتی ہے یا نہیں اگر عورت کی ضرورت (یعنی خواہش نفسانی) کا لحاظ کر کے اس کی آمد ورفت کافی مقدار میں ہو جاتی ہے تب تو یہی جواب ہے جو صلا میں لکھا گیا ورنہ دیانۃً یہ ضروری ہے کہ عورت کو اپنے ہمراہ رکھے یا آمد ورفت میں بقدر ضرورت اضافہ کرے، واللہ اعلم۔ احقر عبد الکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔ ۲۸ شوال سنہ ۴۸ھ۔

کتاب الطلاق

باب ایقاع الطلاق

زوجہ کو یہ کہنا کہ میں نے تجھ کو صاف دل سے چھوڑ دیا ہے

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور اس کی بہن میں کھانا پکانے کی بابت نزاع ہوا بہن کہتی ہے کہ جب تم نے نکاح کر لیا ہے تو تم بیوی کو کیوں نہیں لاتے؟ میں نے سنا اور اس مکان میں جاکر معلوم کیا کہ تمہاری بیوی حاملہ ہے تم وہاں جاتے ہو اس کو کیوں نہیں لاتے؟ زید نے جواب میں کہا میں تو بھادوں (نام ایک مہینہ کا ہے) میں گیا پھر نہیں گیا میں اس کو نہیں لاؤنگا مَیں نے اس کو چھوڑ دیا ہے میں نے تین بار کہا ہے میں نے صاف دل سے چھوڑ دیا ہے پھر پوچھنے سے وہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق دیا ہے میں نے طلاق دیا ہے میں نے طلاق دیا ہے زبان بندی بالا کا حاصل یہ ہے کہ زید کی بہن کے پاس طلاق کی جو خبر دی اس سے عورت اوس کی مطلقہ ہوگی یا نہیں زبان بندی بالا خبر ہے یا انشاء بصورت اول خبر سے طلاق ہو سکتی ہے یا کیا اور حسب زبان بندی زید کے ایقاع پا یا گیا یا نہیں بغیر ایقاع کے طلاق واقع ہوگی یا نہیں اور جمیع عقود میں انشاء شرط ہے یا نہیں؟ مخفی نہ ہے کہ ماجرائے مذکور میں پیشتر اس کے زید نے طلاق بالکل نہیں دی اب سوال یہ ہے کہ اس خبر سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں برحق جواب حسب مسائل فقہ واصول کے تحریر فرمائیے ماجور ہوں گے۔

الجواب: صورت مسئولہ میں قائل کا یہ قول کہ میں نے صاف دل سے چھوڑ دیا ہے، اس کا قرینہ ہے کہ اس کی مراد انشاء ہے خبر نہیں لہذا منکوحہ زید پر تین طلاق واقع

ہوگئیں اب بدون تحلیل کے کسی طرح اس سے نکاح درست نہیں، واللہ اعلم۔
۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ۔

"ہم تم کو طلاق دیدیں گے" کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال (۲) شوہر نے ایک قصور[1] کے متعلق اپنی بی بی سے پوچھا اس کی بی بی نے اپنے قصور کا اقرار کیا، شوہر نے اپنی بی بی کے قصور کے اقرار کو خوب سمجھ لیا وہ اپنے قصور کے اقرار سے سراپا قصوروار ہے لیکن شوہر نے اقرار کو اپنی بی بی کے اوپر ایسی حیثیت سے ظاہر کیا اور کہا کہ جس میں بی بی کو معلوم ہو کہ شوہر نے ہمارے قصور کے اقرار کو سمجھا نہیں ہم بے قصور ثابت ہوئے اور شوہر کو بھی منظور تھا کہ جس میں بی بی کے اوپر اس کے قصور کے اقرار پر اس کے قصور کی ناسمجھی میری ظاہر ہو، اس خیال سے شوہر نے بی بی کے اوپر اسکے قصور کی ناسمجھی اپنی ظاہر کی اور سوچا کہ اگر قصور پر سزا کرے تب بھی بدر ہو جائے گی اور نہیں سزا کرے تب بھی بدر ہو جائے گی۔ بلکہ مناسب یہ سمجھا کہ اس کے قصور کے اقرار پر اس کے قصور کی ناسمجھی اپنی ظاہر کر کے اس کو ڈرایا اور کہا کہ اگر ایسا قصور تم کئے ہوتی یا تم سے ہوئی ہوتی تو تم کو ہم طلاق دیدیتے اور حقیقت میں بی بی کا قصور ہو اور قصور کے اقرار کو سمجھتے ہوئے شوہر نے ایسا جملہ کہا ہے اور اس کے ہفتہ روز کے بعد کسی قصور پر غصہ ہو کر کہا کہ اگر تم کو ہم طلاق نہیں دیں تو تم ہم کو چمار کہنا تم کو ہم طلاق دیدیں گے تین مرتبہ ایسے جملہ کو شوہر نے کہا ہے لیکن شوہر کو طلاق کے جملوں کا کچھ یاد خیال نہیں ہے بوجہ سہو و شک کے سخت مجبور ہے اگر کوشش کرتا ہے کہ یاد و خیال کریں تو چند طرح کے وہم طلاق کے جملوں کا خیال دل میں پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ جملہ کہا ہو شاید یہ جملہ کہا ہو شاید یہ جملہ کہا ہو غرض ہر چند طرح کے وہمی جملے خیال میں آتے ہیں شوہر کو اپنی تشفی بخش کوئی جملہ یاد و خیال نہیں ہے اور نہ کچھ بیان کرسکتا ہے ایسی حالت میں . . . .
. . . . شوہر نے بی بی سے پوچھا کہ فلاں فلاں وقت میں ہم نے طلاق کا جملہ تم کو کس طرح کہا تھا بی بی نے بیان کیا کہ فلاں وقت میں آپ نے کہا ہے کہ اگر ایسا قصور تم کئے ہوتی یا تم سے ہوئی ہوتی تو تم کو ہم طلاق دیدیتے اور اس کے ہفتہ روز کے بعد آپ نے کہا ہے کہ اگر تم کو ہم طلاق نہیں دیں تو ہم کو چمار کہنا تم کو ہم طلاق دیدیں گے بی بی کے بیان پر شوہر کو کامل تشفی اور یقین اور پورا وثوق ہے اور بی بی کے بیان کو ہم حق سمجھتے ہیں اور بی بی نیک بخت حق گو اور پرہیزگار ہے اس کے بیان پر استفتار ارسال خدمت ہے جواب سے سرفراز فرمایا جاوے؟

[1] یعنی جرم

الجواب؛ صورت مسئولہ میں طلاق نہیں ہوئی نقد صرح الفقہاء بعدم وقوع الطلاق بصیغۃ المضارع الا اذا غلبت فی الحال، واللہ اعلم۔

۶ رجمادی الاولی سنہ ۴۰ھ۔

انتہائی غصہ کی حالت میں طلاق دی تو کیا حکم ہے

سوال (۳) ایک شخص کے گھر میں اسکی بیوی، بہن اور بھائی کے درمیان جھگڑا ہو رہا تھا اتنے میں وہ شخص گھر آنکر اس کے چھوٹے بھائی کو جھگڑا فرو ہونے کیلئے مارا اس سے اس کی ماں اس شخص مذکور پر غصہ ہوئی اور بہت گالی دی اس کے بعد وہ شخص غصہ میں آنکر کہا کہ میں ہفتہ عشرہ میں مکان چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جاؤں گا اس کے بعد اس کی ماں بولی کہ تم اس بدصورت عورت کے لئے مکان چھوڑنا چاہتے ہو اسی وقت وہ شخص بہت غصہ میں تھا کہ مارے غصہ کے سارا بدن کانپتا تھا ایک مکان پر اطمینان سے کھڑا ہو نہیں سکتا تھا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو گئے تھے اسی وقت اس کی زبان سے "ایک طلاق دو طلاق تین طلاق دیا میں" نکل آیا اس کے بعد جب خیال ہوا تو بے اختیار رونے لگا اور کہتا تھا کہ میں نے یہ کیا کیا میرے دل میں طلاق دینے کا ارادہ نہیں تھا خدا جانے کس طرح میرے منہ سے یہ کلمہ نکل آیا۔

الجواب؛ صورت مسئولہ میں اس شخص کی عورت کو اپنے خاوند سے الگ ہو جانا چاہئے اور وہ یہی سمجھے کہ مجھ کو تین طلاق دی گئی ہیں اس کو ہرگز جائز نہیں کہ وہ شوہر کو اپنے اوپر قابو دے یہ حکم تو عورت کے لئے ہے۔ اور مرد کو چاہئے کہ اگر اس کے نزدیک واقعی غصہ میں اس کی عقل و حواس درست نہ رہے تھے اور اس کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ میں زبان سے کیا کہہ رہا ہوں تو وہ کسی حاکم مسلم کے پاس جاکر یہ دعویٰ کرے کہ میں غصہ میں مغلوب الحواس وزائل العقل ہو گیا تھا اور طلاق میں نے بالکل بے خبری کی حالت میں دی ہے حاکم اس سے گواہ طلب کرے گا اس کے بعد اگر حاکم شرعی یہ فیصلہ کر دے کہ میرے نزدیک یہ طلاق واقع نہیں ہوئی تب وہ عورت اس کے لئے حلال ہو سکتی ہے اور بعد حاکم مسلم کے فیصلہ کے عورت کو بھی اس شخص کے پاس رہنا جائز ہوگا اور بدون حکم حاکم کے ہرگز عورت کو اس کے پاس رہنا جائز نہیں کیونکہ بظاہر تین طلاق پڑ چکی ہیں، واللہ اعلم۔ ۲۸ جمادی الثانیہ

شوہر نے طلاق دی مگر یاد نہیں کہ ۲ دیں یا تین

سوال (۴) زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دی مگر یہ یاد نہیں کہ تین طلاق دی یا دو اور کسی جانب رجحان بھی نہیں صورت

مسئولہ میں طلاق بائن واقع ہوگی یا مغلظہ ؟

الجواب: قال فی الخلاصۃ رجل حلف بالطلاق وشک الرجل انہ طلق واحدۃ او ثلاثا فھی واحدۃ حتی یستیقن او یکون اکثر ظنہ علی خلافہ فی ۱۶ ص ۱۲۰ ج ۲ ۔ صورت مذکورہ میں دو طلاق مانی جاویں گی لیکن اگر عورت کو تین طلاق میں شک نہ ہو تو اس کو شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں اور اگر اسے بھی شک ہو تو اس کے لئے وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا، واللہ اعلم۔ حررہ ظفر احمد بامر سیدہ حکیم الامت ۹ شعبان۔

صیغۂ مضارع میں طلاق دینے کا حکم

سوال (۵) ہدیہ سلام مسنون۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر محمودہ بالغ کا عقد شرعی منظر بالغ پسر عمرو سے اس کی خواہش پر بالعوض پانچہزار اشرفی زرسرخ محمد شاہی مہر کے بلا اجازت و اطلاع عمرو کے کردیا، نکاح کے بعد مطلع ہونے پر عمرو اور اس کے دیگر اعزا نے اس نکاح سے اظہار ناخوشی کیا، اور منظر کو کہ اس وقت تک زید کے پاس مقیم تھا اس ارادہ سے طلب کیا کہ میں منظر کا دیگر اعزا کی خوشی و رضامندی سے دوسرا عقد کروں گا، عمرو کی ایسی تحریر آنے پر منظر نے اپنے باپ کے پاس جانے کی اجازت طلب کی اور یہ کہا کہ اور لکھ دیا کہ میں حسب طلب اپنے والد عمرو کے وطن جاتا ہوں اگر وہاں پہنچکر میرے اس نکاح کے معاملہ نے کوئی دوسری نوعیت اختیار کی اور میرا عقد ثانی کسی دوسری جگہ قرار پایا یا اندر میعاد دس ماہ کے میں نے وطن سے واپس آکر محمودہ کی رخصتی نہ کرائی تو یہ تحریر میری محمودہ دختر زید کے حق میں بطور طلاق کے متصور ہوگی اور بعد انقضاء میعاد معینہ زید کو اپنی دختر محمودہ کے دوسرے عقد کردینے کا اختیار ہے میری طرف سے کوئی رکاوٹ نہ ہوگی اب میعاد معینہ میں صرف عرصہ دو ماہ کا باقی ہے اور منظر کی واپسی کی اس وقت تک کوئی امید نہیں معلوم ہوتی میعاد معینہ گذر جانے کے بعد محمودہ منکوحہ کے حق میں شریعت غرا کا کیا حکم ہے جبکہ محمودہ اور منظر کے درمیان خلوت بھی نہ ہوئی ہو اور ایسی صورت میں مہر کے واسطے کیا حکم ہے ؟

الجواب: صورت مذکورہ میں اگر دس ماہ میعاد معینہ کے اندر منظر نے محمودہ کی رخصتی نہ کرائی تو محمودہ پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ اور ہر چند کہ قول منظر بطور طلاق متصور ہوگی الخ صیغہ مضارع کا ہے اور مضارع سے وقوع طلاق نہیں ہوتا مگر جب مضارع بمعنی حال غالب ہو جائے تو فقہاء نے اس سے وقوع طلاق کی تصریح کی ہے اور آجکل

تعلیمیافتہ جماعت نے کچھ ایسا محاورہ اختیار کرلیا ہے کہ وہ حال کے موقع میں اکثر صیغہ مضارع کا استعمال کرتے ہیں لہذا ہمارے نزدیک اس کلام میں مضارع سے حال ہی مراد ہے اور بعد میعاد معینہ گذر جانے کے محمودہ پر طلاق عائد ہو جائے گی جس کا قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد کلام مظہر میں یہ لفظ بصورت حال مذکور ہے اور بعد انقضاء میعاد معینہ زید کو اپنی دختر محمودہ کا دوسرا عقد کرنے کا اختیار ہے الخ یہ صیغہ انشاء اور ایقاع پر صاف دلالت کر رہا ہے، قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ: (سئل) فی رجل قال لزوجتہ تکونی طالقۃ ثلثاً بصیغۃ المضارع وغلب استعمالہ فی الحال عرفاً فہل یقع علیہا الطلاق؟ (الجواب) نعم کما افتی بہ الخیر الرملی، واطال الکلام علی حاشیتہ علی البحر فی اجعہا، اھ ص ۲۰۶ ج ۱۔

اور صورت مذکورہ میں محمودہ پر عدت لازم نہوگی وہ بلا عدت دوسرا نکاح کر سکتی ہے، اور مظہر سے وہ نصف مہر وصول کر لینے کی مستحق ہوگی واللہ اعلم۔ ظفر احمد عفا عنہ۔

صح الجواب، اشرف علی، ۲۲ رمضان سنہ ۴۱ھ۔ ۲۲ رمضان سنہ ۴۱ھ۔

"طلاق دادم" کہنے کے بعد طلاق بائن کا لفظ بولنے کا حکم

سوال (۶) السلام علیکم۔ در رمضان شریف سنہ ۴۱ھ یک استفتاء در خدمت گرامی عرض داشتہ شد خلاصہ مضمونش آنکہ شخص جاہل زن خود را گفت طلاق دادم طالب علمی او را تلقین نمود کہ برائے انفصال مناقشہ بگو کہ طلاق بائن دادم آں چنیں گفت بعدہٗ دیگر طالب علم گفت کہ بائن را نمی فہمند برائے اطمینان جانبین گفتہ آید کہ جواب دادم باز آں شخص چنیں گفت از آنجناب جواب مورخہ ۴ شوال سنہ ۴۱ھ چنیں رسید کہ طلاق مغلظ واقع شد۔ واز جانب حضرت مفتی صاحب دیوبند جواب ارشاد گردید کہ دریں صورت طلاق بائن شدہ است مغلظ نشدہ است توجیہ جواب حضرت مفتی صاحب در فکر قاصر نمی آید مگر وجہ مؤید جواب ایشاں در بیاض واحدی منقولاً عن بیاض ہاشمی در جواب استفتاء ہمرنگ استفتاء ما دیدہ شد کہ البائن لایلحق بالبائن پس در صورت مسئولہ عنہا ہم حسب ارشاد مفتی صاحب عم فیضہ صرف طلاق بائن واقع خواہد شد نہ مغلظ چنانچہ رقمزدہ آنجناب است زیرا کہ دریں صورت یک رجعی ارادۃً و دو بائن بالتفریق تقلیداً ازاں شخص صادر گشتہ پس از یک رجعی و یک بائن تغلیظ نمیگردد و دو بائن دیگر بہ بائن اوّل

ہم لاحق نمیشود تا کہ حکم سہ طلاق کردہ آید باید کہ بر جواب خود ثانیا نظر غائر گماشتہ از تحقیق خود ما مستمندان را مستفید فرمایند و اصل سوال و جواب را از دفتر فتاویٰ تلاش فرمایند فقط

الجواب: اگر میں نے اس صورت مسئولہ میں طلاق مغلّظ کا فتویٰ دیا ہے تو میں اس سے رجوع کرتا ہوں اس صورت میں صرف دو ہی طلاق واقع ہوئیں مگر دونوں بائن ہیں، تجدید نکاح سے تعلق زوجیت قائم ہو سکتا ہے۔ غالباً منشاء میرے اس فتویٰ کا یہ ہوا کہ شخص مذکور نے دوبارہ لفظ طلاق بائن دائم لکھا ہے اور یہ لفظ محض بائن نہیں ہے بلکہ بائن صریح ہے کہ اس سے بدون نیت کے وقوع طلاق ہو جاتا ہے پس میں نے اس کو صریح سمجھکر بائن کو اس کے ساتھ ملحق کر لیا اور اس صورت میں صاحب نہر و بحر کا قول یہی ہے جو میں نے لکھا ہے مگر محقق یہ ہے کہ بائن صرف صریح رجعی سے ملحق ہوتا ہے نہ صریح بائن سے حققہ الشامی (۳، ۷۷، ج ۲) لہذا قول محقق کو اختیار کر کے میں اپنے پہلے قول سے رجوع کرتا ہوں۔ والسلام

شوہر نے عصار سے تین لکیریں کھینچیں اور کہا "ایک دو تین میرے گھر سے چلی جا"

سوال (۷): کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ مجھ مسمی عبداللہ ولد اللہ دیا قوم اوان ساکن موضع ارڑ ضلع جہلم تحصیل پنڈ دادنخاں۔ احقر عرصہ سے بیمار تھا میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم مجھ کو تمام زیور دو جس سے میں اپنی بیماری کا علاج کراؤں فروخت کر کے، میری عورت نے کہا میرے پاس زیور نہیں اور جس جگہ احقر نے زیور رکھا تھا وہاں بھی تلاش کیا مجھ کو نہ ملا اور پھر میں نے اپنے عزیزوں سے دریافت کرایا میری عورت نے ان کو بھی یہ کہہ دیا کہ زیور میرے پاس نہیں اسی کے پاس یعنی عبداللہ کے پاس ہے، میں نے پھر اپنی عورت سے کہا کہ اگر تم مجھ کو زیور نہ دوگی تو میں تم کو لاٹھی سے ماروں گا اس نے پھر بھی نہیں بتلایا میں نے اس سے کہا کہ تو یہ تین لکیر لاٹھی سے کھینچ دیتا ہوں کہ ایک دو تین گھر سے نکل جا اور اتنے زیور نہ دیوے گی گھر میں نہ آنے دوں گا عورت اپنے بھائی اور ماں کے پاس چلی گئی تھوڑے عرصہ کے بعد اس کے بھائی اور ماں نے کہا کہ تم زیور ہم کو دو جس سے ہم گذر کریں اس نے ان کو جواب دیدیا کہ زیور میرے پاس نہیں ہے انہوں نے اس کو تنگ کیا اس گاؤں کا ایک آدمی ہمارے یعنی عبداللہ کے گاؤں کا گیا ہوا تھا اس عورت نے کہا کہ تم میرے خاوند سے کہہ دینا کہ مجھ کو لیجاؤ اس نے میرے سے آکر کہا کہ تمہاری عورت کہتی ہے کہ مجھ کو لیجاؤ میں نے اس آدمی کو جواب دیا کہ تم پھر کبھی جاؤ تو اس سے یہ کہنا کہ اگر تو تمام زیور دیوے تو چلی آوے ورنہ خیر

اس نے کہا یعنی عورت نے کہا کہ میں تمام زیور دے دوں گی مجھ کو میری عورت نے بہت آدمیوں میں جھوٹا کر دیا تھا کہ زیور میرے پاس نہیں ہے عبداللہ کے پاس ہے میں نے اسی وجہ سے اس آدمی سے کہا کہ تم زیور لے آؤ تاکہ ان آدمیوں کو کل حال معلوم ہو جاوے کہ واقعی زیور عورت کے پاس ہے۔ وہ آدمی زیور اور عورت کو لے آیا میں نے وہ زیور اس آدمی کے پاس امانت رکھی کہ ابھی تم ہی رکھو جب کبھی موقع ہوگا تم ان ہی آدمیوں میں مجھ کو دینا جس کے سامنے مجھ کو عورت نے جھوٹا بنایا کچھ عرصہ کے بعد اس نے عورت اور مجھ کو بہت آدمیوں کے سامنے زیور دیدیا، اب میری عورت میرے گھر میں ہے ہمارے گاؤں کے آدمی کہتے ہیں کہ تیرا نکاح نہیں رہا ہمارے گاؤں میں شیعہ لوگ بہت رہتے ہیں وہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ تم پنجوقتی نماز پڑھتے ہو پھر بے نکاحی عورت گھر میں رکھے ہو، اب میرا نکاح رہا یا کہ نہیں آپ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب کے اور شبیر علی صاحب کے بھی دستخط کرا دیں اور حوالۂ حدیث کا بھی دیدیں عین عنایت ہوگی اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرما دیں اس مسئلہ کی خوب صفائی کر دیویں، فقط والسلام۔

الجواب: اگر سائل نے ایک دو تین کہتے ہوئے زبان سے لفظ طلاق نہیں کہا تو محض لکیریں کھینچکر ایک دو تین کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوئی قال فی العالمگیریۃ امرأۃ قال لہا زوجہا انا استنکف عنک فقالت المرأۃ کالبزاق فی الفم فان کنت تستنکف عنہا فارم بہا فقال الزوج تف تف ورمی بالبزاق وقال رمیت ونوی الطلاق لا تطلق کذا فی الظہیریۃ اھ ص ۲۷۰ وفیہ ایضاً: ولو قالت طلقنی فضربہا وقال لہا اینک طلاق لا یقع وفی مجموع النوازل سئل شیخ الاسلام عمن ضرب امرأتہ وقال دار طلاق قال لا تطلق و سئل الامام احمد القلانسی عمن وکز امرأتہ وقال اینک یک طلاق ثم وکزہا ثانیا وقال اینک دو طلاق وکذا الثالث تطلق ثلثاً فشیخ الاسلام یقول سمی الضرب طلاقاً فیبطل والامام احمد یقول سمی الطلاق فیقع اھ (ص ۲۷۲) قلت وفی الصورۃ المسئولۃ لم یسم الطلاق بل خط خطوطا وقال یک و دو وسہ فلا تطلق علی قول احد، واللہ اعلم۔

۲۶ صفر سنہ ۴۳ھ۔

کابین نامہ کے مطابق طلاق واقع ہو جانے کا حکم

سوال (۸) ایک شخص مسمی حافظ زین العابدین جو کہ جمعہ و عیدین کے پیش امام اور مقتدا ہیں۔ اپنی بی بی کی کابین نامہ میں یہ شرط لکھوا کر اپنے ہاتھ سے دستخط کر کے خود جا کر رجسٹری کروا دیا۔ کہ (آپ کی و آپ کی ولی وارث کی بلا اجازت اور آپ کی کل مہر ادا کر کے اس کابین نامہ کی پشت پر وصول دینے کے بغیر غیر کوئی عورت سے نکاح بیاہ نکروں گا۔ اگر کروں تو وہ عورت اسی وقت میرے حق میں ایک دو تین طلاق ہوگی) اتفاقاً بی بی سے کوئی بات میں ناموافقت ہوئی تب وہ طیش میں آکر نہ بی بی سے اجازت لیا نہ بی بی کے ولی وارث سے اجازت لیا۔ نہ مہر انہ کو ادا کیا۔ دوسری ایک عورت سے نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ خفت جفت بود باش خانہ داری کرنے لگا۔ پس مطابق شرع شریف کے اس کی دوسری عورت مطلقہ بسہ طلاق ہوگی یا نہ۔ اور اس عورت کے ساتھ خلوت صحبت کرنا اس کے لئے زنا میں محسوب ہوگا یا نہ۔ اور اس سے اگر اولاد ہو تو حلال زادہ ہوگی یا نہ۔ اور اس شخص کے پیچھے اقتدار درست ہوگی یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں دوسری عورت سے نکاح کرتے ہی اس پر تین طلاق واقع ہو گئی ہیں اب بدون حلالہ کے وہ عورت زین العابدین کے لئے حلال نہیں نہ اس سے زن و شو کا معاملہ درست ہے اور اس حالت میں جو وطی ہوگی وہ حنفیہ کے نزدیک زنا ہوگی مگر اولاد کو حرامی نہ کہا جائے گا لانہ کالوطی بشبھۃ ولان وقوع الطلاق فی ھذہ الحالۃ مختلف فیہ بین الائمۃ فافھم، واللہ اعلم۔ اس شخص کی اقتدار مکروہ ہے نماز تو ہو جائے گی مگر دوسرا نیک امام میسر آسکتا ہو تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی اور اگر دوسرا امام میسر نہ ہو اور نہ اسکو الگ کرنے کی قدرت ہو تو بلا کراہت نماز درست ہے واللہ اعلم۔

۱۳ ر ذیقعدہ سنہ ۴۲ھ۔

اس صورت میں طلاق کا حکم جبکہ زوج منکر ہو اور گواہ ایک مرد اور ایک عورت ہو

سوال (۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ شوہر زوجۂ نابالغہ کو غصہ کے سبب تو ماں اور بہن ہیں دو چار مرتبہ کہدیا کسی نے کہا بیوقوف کیا کہہ رہا ہے کہتے ہی طلاق طلاق سات یا آٹھ بار کہدیا دوسرے یا تیسرے روز اس شخص سے تحقیق کی گئی تو اس نے انکار کر دیا کہ میری زبان سے یہ الفاظ نہیں نکلے (یعنی جو الفاظ اوپر ذکر کئے گئے ہیں) لیکن ایک مرد اور ایک عورت گواہ ہیں اس باب میں شرع شریف کا کیا حکم ہے۔ دیگر مذکورۂ بالا صورت میں دو مرد اگر گواہ ہوں تو کیا حکم ہے؟

الجواب: شوہر کا تو ماں اللہ میں بچہ کہنا تو لغو ہے اس سے کچھ نہیں ہوتا مگر اس کے بعد جو اس نے سات آٹھ بار طلاق کا لفظ کہا ہے اور اب اس سے انکار کرتا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر زوجہ نے طلاق کا لفظ تین بار سن لیا ہو تو اس پر واجب ہے کہ اپنے کو مطلقہ مغلظہ یعنی مطلقہ الثلاث سمجھے اور شوہر سے علیحدہ ہو جائے اور اس کو اپنے اوپر ہرگز قابو نہ دے۔ اور اگر زوجہ نے خود یہ الفاظ نہیں سُنے تو اگر دو نیک مردوں یا ایک نیک مرد اور دو نیک عورتوں نے اس سے ایسا بیان کیا کہ شوہر نے طلاق کا لفظ تین مرتبہ یا اس سے زائد دفعہ استعمال کیا ہے جب بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر ایک مرد اور ایک عورت گواہ ہے تو اس سے قضاءً ثبوت طلاق نہیں ہو سکتا جب تک شوہر خود اقرار نہ کرے البتہ اس صورت میں اگر خبر دینے والا ثقہ ہو یا ثقہ تو نہ ہو مگر عورت کے دل کو یہ بات لگی کہ یہ مرد یا عورت سچ کہہ رہی ہے تو اس کو شوہر سے الگ ہو جانا ضروری ہے اور بعد عدت گذارنے کے دوسرا نکاح کسی دوسرے سے کر سکتی ہے گو اولیٰ یہ ہے کہ الگ تو ہو جائے مگر نکاح غیر سے نہ کرے قال فی الدر عن الجوھرۃ اخبرھا ثقۃ ان زوجھا الغائب مات او طلقھا ثلثًا او اتاھا منہ کتاب علی ید ثقۃ بالطلاق ان اکبر رأیہ انہ حق فلا بأس ان تعتد وتتزوج الخ قال الشامی وقولہ فلا بأس یفید ان الاولیٰ عدمہ اھ (ص ۱۲۰۱۴ ج۲) وفیہ ایضًا تحت قولہ علی ید ثقۃ ھذا غیر قید اھ وفیہ (۷۰۹) والمرأۃ کالقاضی اذا سمعتہ او اخبرھا لا یحل لھا تمکینہ اھ۔ ۳ر ذوالحجۃ س۴۲ھ۔

ازالۃ الاغلاق من اضافۃ الطلاق
طلاق میں عورت کی طرف اضافت کی تحقیق

سوال (۱۰) کیا فرماتے ہیں علماء کرام رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بی بی کو ایک کام خانگی کرنے کو کہا وہ نہیں کی اس لئے میں نے ان کو لات وغیرہ کچھ مارا پھر بھی وہ کام نہیں کی پھر جب اور مارنے کو ارادہ کیا وہ میری ماں کے پیچھے بھاگی اور ماں حائل ہونے کی وجہ سے نہیں مار سکا تب میں نے یوں کہا کہ ایک طلاق دو طلاق تین طلاق بائن اس گھر کا کھانا اگر کھائے گی تو حرام کھائے گی ان سے جب پوچھا کہ یہ جو تم نے کہا کہ اس گھر کا اگر کھانا کھائے گی تو حرام کھائے گی کس کو کہا کیا تمہاری ماں کو کہا یا تمہاری بی بی کو کہا؟ اس نے جواب دیا کہ طلاق جس طرف جائے گی یہ بھی اس طرف جائے گا اب بحکم شرع کیا اس کی بی بی مطلقہ لبسہ طلاق ہو گی؟ بینوا بالدلیل۔

اس مسئلہ میں علماء دو فریق ہیں۔

فریق اول کہتے ہیں کہ مطلقہ بسہ طلاق ہوگی چونکہ صریح الفاظ سے طلاق دیا اگرچہ تم کو یا نام لیکر نہیں دیا مگر اضافت معنویہ موجود ہی بوجہ واقعہ مذکورہ کے اور وہی اضافت معنویہ وقوع طلاق کا شرط ہے لما فی الشامی لترکہ الاضافۃ ای المعنویۃ فانہا الشرط اور اگرچہ لفظ دیا نہیں کہا مگر لفظ طلاق مصدر ہونے کی وجہ سے طلاق واقع ہوگی دیا وغیرہ کا محتاج نہیں ہے لما فی الشامی قولہ وفی انت الطلاق او الطلاق الخ بیان لما اذا اخبر عنہا بمصدر معرفٍ او منکرٍ او اسم فاعلٍ بعدہ مصدر کذلک۔ پس صورت مسئولہ میں طلاق ہوجائے گی فقط

فریق ثانی کہتے ہیں کہ صورت مذکورہ میں طلاق واقع نہوگی چونکہ اضافت نہیں ہے اور لفظ دیا وغیرہ کچھ نہ کہا۔ دلیل ان کی عبارت قاضی خان کی ہے کہ " ارتو زن من سہ طلاق " لا تطلق امرأتہ لانہ ما اضاف الطلاق الیہا، وقولہ رجل قال لامرأتہ اگر تو زن من سہ طلاق مع حذف الیاء لا یقع الخ

الجواب: فریق اول کا قول صحیح ہے اضافت طلاق جو شرط وقوع ہے اس میں اضافۃ معنویہ کافی ہے اور خطاب کے وقت اضافۃ معنویہ موجود ہوتی ہے قال الشامی والخطاب من الاضافۃ المعنویۃ وکذا الاشارۃ وصح قبلہ ان الشرط ھی المعنویۃ لا اللفظیۃ قال ولا یلزم کون الاضافۃ صریحاً فی کلامہ لما فی البحر لو قال طالق فقیل لہ من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأتہ اھ الیٰ ان قال ناقلا عن البحر امرأۃ طالق او قال طلقت امرأۃ وقال لما عن امرأتی یصدق اھ ویفہم منہ انہ لو لم یقل ذلک تطلق امرأتہ لان الظاھر ان من لہ امرأۃ انما یحلف بطلاقہا لا بطلاق غیرہا اھ (ص ۲۷۰۵ ج ۲) ملخصاً۔ اور خانیہ وغیرہ میں جو مذکور ہے کہ ارتو زن من سہ طلاق لا تطلق لانہ ما اضاف الطلاق الیہا۔ اس میں اور صورت واقعہ میں فرق یہ ہے کہ جزئیہ خانیہ[ع] اس

ع پہلے یہاں یہ لکھا گیا تھا کہ جزئیہ خانیہ دیانت پر محمول ہے اور قضاءً طلاق بدون اضافت صریحہ کے بھی واقع ہے جبکہ اضافت معنویہ خطاب و اشارہ موجود ہو اور چونکہ عورت مثل قاضی کے ہے اس لئے دیانت پر (باقی بر صفحہ آئندہ)

صورت میں ہے جبکہ قرائن سے اضافت الی الزوجہ متعین نہو لان الکلام محتمل الصرف عن زوجتہ اذا لم یضف الطلاق الیھا۔ اور صورت مسئولہ میں قرائن قویہ حالیہ و مقالیہ ارادہ اضافت طلاق الی الزوجہ متعین ہے اما الحال فالغضب وارادۃ ضربھا واما المقال فقولہ طلاق جس طرف جائے گی یہ بھی اسی طرف جائے گی اھ پس صورت مسئولہ میں قضاءً بھی طلاق واقع ہو چکی ہے اور دیانۃً بھی لما سیاتی۔ قال الشامی عن القنیۃ عازیًا الی البرھان لصاحب المحیط رجل دعتہ جماعۃ الی شرب الخمر، فقال انی حلفت بالطلاق انی لا اشرب وکان کاذبًا فیہ ثم شرب طلقت وقال صاحب التحفۃ لا تطلق دیانۃً اھ وما فی التحفۃ لا یخالف ما قبلہ لان المراد طلقت قضاءً فقط لما مر انہ لو اخبر بالطلاق کاذبًا لا یقع دیانۃً بخلاف الھازل فھذا یدل علی وقوعہ وان لم یضفہ الی المرأۃ صریحا نعم یمکن حملہ علی ما اذا لم یقل انی اردت الحلف بطلاق غیرھا فلا یخالف ما فی البزازیۃ اھ وھو ما ذکرہ اولًا قال لھا لا تخرجی من الدار الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لا یقع لعدم ذکر حلفہ بطلاقھا ویحتمل الحلف بطلاق غیرھا فالقول لہ قال الشامی المفھوم من کلام البزازیۃ انہ لو اراد الحلف بطلاقھا یقع لانہ جعل القول لہ فی صرفہ الی طلاق غیرھا اھ (ملخصًا متفرقًا، ص ۷۰۵ ج ۲) پس جن جزئیات میں اضافت صریحہ نہونے کی وجہ سے عدم وقوع کا حکم مذکور ہے ان کا مطلب یہی ہے کہ اگر زوج ارادہ طلاق زوجہ کا انکار کرے اور قرائن بھی ارادۂ زوجہ پر قائم نہوں تو طلاق واقع نہوگی لیکن اگر قرائن اضافت الی الزوجہ پر قائم ہوں تو قضاءً بہرحال واقع ہے جبکہ اضافت معنویہ خطاب یا اشارہ موجود ہے، اور عورت مثل قاضی کے ہے وہ اپنے کو مطلقہ ہی سمجھے اور انکار زوج کو ہرگز قبول نکرے، اور صورت مسئولہ میں تو زوج ارادہ طلاق زوجہ کا منکر بھی نہیں پس اس صورت میں تو قضاءً و دیانۃً ہر طرح طلاق واقع ہو چکی۔ واللہ اعلم۔ ۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۵ھ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فتویٰ نہیں دیا جاسکتا اھ پھر اس کو حضرت شیخ کے ارشاد سے بدلا گیا اور تحریر "ازالۃ الاغلاق" جواب سابق ہی پر لکھی گئی ہے ۱۲ منہ

تفصیل الجواب

الملقب

بازالۃ الاغلاق عن اضافۃ الطلاق

اقول وبہ نستعین۔ جوابِ سابق پر دو شبہے کئے ہیں۔ ایک یہ کہ خانیہ وغیرہ کا جزئیہ ”ار توزن من سہ طلاق“ بحذف الباء لا تطلق لانہ ما اضاف الطلاق الیھا عدم وقوع طلاق میں مطلق ہے اس کو دیانت کے ساتھ کس دلیل سے مقید کیا گیا؟

دوسرے یہ عبارت بزازیہ لا تخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق لا یقع لعدم ذکرہ حلفہ بطلاقھا ویحتمل الحلف بطلاق غیرھا فالقول لہ سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اگر زوج ارادۂ طلاق مخاطبہ کا انکار کرے تو قضاءً بھی اس کا قول معتبر ہوگا۔ اسی طرح جزئیہ بحر لو قال امرأۃ طالق او طلقت امرأۃ ثلثاً وقال لم اعن امرأتی یصدق سے بھی تصدیق قضاءً مفہوم ہوتی ہے اور جوابِ سابق میں یہ کہا ہے کہ قضاءً صورت مسئولہ میں انکار ارادۂ طلاق مخاطبہ کی تصدیق نہ ہوگی اس کی کیا وجہ۔

اشکالِ اوّل کا جواب یہ ہے کہ کلام فقہاء میں ایسے جزئیات کا حکم جن میں اضافت لفظیہ نہیں ہے (اور اضافت معنویہ یعنی مخاطبت موجود ہے) مختلف مذکور ہے۔ کہیں حکم وقوع طلاق ہے اور کہیں عدم وقوع طلاق۔

خلاصہ میں ہے لو قالت طلقنی فضربھا وقال اینک طلاق لا یقع ولو قال اینکت طلاق یقع یہاں تو اینک طلاق میں اضافت لفظیہ نہ ہونے کی وجہ سے عدم وقوع کا حکم ہے اس کے بعد ہے وفی مجموع النوازل سئل شیخ الاسلام عمن ضرب امرأتہ وقال دار الطلاق قال لا تطلق وسئل الامام احمد القلانسی عمن وکز امرأتہ وقال اینک یک طلاق ثم وکزھا ثانیاً وقال اینک

عہ جس کی طرف حاشیہ ص۳۹۶ میں اشارہ کیا گیا ہے ۱۲ منہ

دو طلاق وکن الثالث قال تطلق ثلاثا. شیخ الاسلام یقول سمی الضرب طلاقاً فبطل والامام احمد یقول سمی الطلاق ضربا اھ (ص ۷۶ ج ۲)۔ اس میں یہ اختلاف تو مذکور ہے کہ ضرب کو طلاق کہا ہے یا طلاق کو ضرب، لیکن یہ کسی نے نہیں کہا کہ اینک طلاق میں اضافت نہیں اس لئے طلاق نہیں ہوئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اضافت کا تحقق دونوں کے نزدیک ہی حالانکہ اوپر اینٹ اور اینکت میں جو فرق کیا گیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اینٹ میں لفظی اضافت نہیں تو اب ماننا پڑے گا کہ دوسری جگہ اضافت معنویہ کی وجہ سے (جو کہ مخاطبت ہے) وقوع کا حکم کیا گیا ہے، اب اس کے سوا کیا وجہ تطبیق ہوگی کہ جزئیہ اُولیٰ کو دیانت پر حمل کیا جائے اور ثانیہ کو قضاء پر ورنہ ایک کو خطا پر حمل کرنا ہوگا۔

اس کے بعد خلاصہ ہی میں ہے فی الفتاویٰ وفی المحیط (فی) دار طلاق ینوی لعدم الاضافۃ وقیل یقع بغیر نیۃ وھو الاشبہ اھ (ص مذکور) اس میں بھی میرے نزدیک قول اوّل دیانت پر اور ثانی قضاء پر محمول ہی کیونکہ "دار طلاق" میں واقعی اضافت لفظیہ نہیں جس سے یہ مطلب صریح حاصل ہو کہ اپنے اوپر طلاق سمجھے لیکن اضافت معنویہ کی وجہ سے اشبہ یہ ہے کہ قضاءً بلانیت کے طلاق پڑ جائے۔

اسی طرح خلاصہ (ص ۱۳۰ ج ۲) میں ہے رجل قال لامرأتہ ہزار طلاق اگر فلان کار کنی واراد بہ التعلیق لا یتعلق الطلاق بذلک الفعل ولو قال اگر فلان کار کنی ہزار طلاق یتعلق کذا قال صاحب المحیط ومن المتاخرین من قال یتعلق فی الوجھین لان طریق الصحۃ عند تقدیم الشرط ادراج الخطاب وھذا قائم عند تاخیر الشرط اھ قلت فقد اجمعوا ای صاحب المحیط والمتاخرون علی وجود الاضافۃ فی صورۃ تقدیم الشرط وان معنی قولہ اگر فلان کار کنی ہزار طلاق ای تو ہزار طلاق واختلفوا فی صورۃ التاخیر لان الخطاب لم یوجد الابعد قولہ ہزار طلاق فافہم۔

اسی طرح خلاصہ میں ہے وفی نظم الزندویسی لو قال لامرأتہ فی حالۃ الغضب دور فتہ است وسہ رفت وقد کان طلقھا قبل ھذا تطلیقتین ولانیۃ لہ لا یقع الثالث (ص ۷۷ ج ۲) ـــــــ اور ظاہر ہے

کہ قیود[عہ] فقہیہ احترازی ہوتی ہیں پس دلانیۃ لہ کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نیت ہو تو دو رفتہ است وسہ رفت سے تین طلاق پڑجائیں گی حالانکہ یہاں اضافت لفظیہ نہیں۔ اور اس مسئلہ میں نیت کی قید اس وجہ سے نہیں ہے کہ اضافت لفظیہ کے فقدان میں قضاءً نیت کی ضرورت ہے بلکہ یہ قید اس وجہ سے ہے کہ لفظ دو وسہ دو طلاق وسہ طلاق کے معنی میں صریح نہیں بلکہ کنایہ ہے اور کنایہ بھی وہ جس میں بہرحال نیت کی ضرورت ہے جیسے انت واحدۃ۔ پس اگر وضع مسئلہ لفظ دو وسہ سے نہ ہوتی بلکہ دو طلاق رفت وسہ طلاق رفت ہوتا تو نیت کی کچھ ضرورت نہ ہوتی اگر پھر بھی نیت کی ضرورت ہوتی تو دو وسہ کے ساتھ وضع مسئلہ لغو ہوگی اور ظاہر ہے کہ دو طلاق رفت وسہ طلاق رفت میں بھی اضافت لفظیہ نہیں ہے۔

پس اس اختلاف کو دیکھ کر میں یہ سمجھتا ہوں کہ "ار توزن من سہ طلاق" میں جو اضافت لفظیہ کے نہ ہونے سے حکم عدم وقوع دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دیانۃً وقوع نہ ہوگا جبکہ زوج ارادۂ طلاق مخاطبہ کا انکار کرے اور قضاءً واقع ہے کیونکہ اضافت معنویہ مخاطبت موجود ہے جس کی بنا پر اینک طلاق میں حکم وقوع دیا گیا ہے۔

اور اگر یوں کہے اگر فلاں کار کنی بیک طلاق ففعلت طلقت معناہ بیک طلاق ہستی خلاصہ (ص ۹۸ ج ۲) اس میں قضاءً و دیانۃً ہر طرح طلاق واقع ہے کیونکہ اضافت معنویہ کے ساتھ اضافت لفظیہ بھی موجود ہے (لاقتضاء حرف الیاء متعلقا محذوفا وھو ہستی والمقتضی کالملفوظ)۔

علاوہ ازیں اشکال ثانی کے جواب میں جو وجوہ مذکور ہیں وہ بھی اسی کو مقتضی ہیں کہ جس کلام میں اضافت لفظیہ نہ ہو اور معنویہ موجود ہو وہاں قضاءً وقوع[عہ] طلاق ہوگا گو دیانۃً

عہ ورنہ وقد کان طلقہا کی قید کا کیا نفع ہے۔

عہ سئل العلامۃ عبد الحی اللکنوی رح عن رجل قال لامرأتہ المدخول بہا بلفظ واحد طلاق ست طلاق ست طلاق ست پس از وے پرسیدہ شد کہ چند طلاق دادی او بجواب گفت کہ من صرف در تائید یک طلاق باقی الفاظ را اداکردہ ام فاجاب بوقوع الطلقات الثلث قضاءً وان القاضی لا یقبل ارادتہ التاکید وان دین (ص ۸۷ ج ۲ مع الخلاصۃ) ۱۲ منہ

٭٭٭

نیت زوج معتبر ہو۔

رہا یہ کہ خانیہ وغیرہ میں لا تطلق مطلق ہے اُس کا مقید کرنا صحیح نہیں کیونکہ فقہا موقع تقیید میں اطلاق نہیں کیا کرتے۔ تو یہ اشکال اس لئے مسلم نہیں کہ جزئیات فقہیہ میں غور کرنے سے ایسی نظائر بہت ملیں گی کہ فقہاء نے مقام تقیید میں اطلاق کیا ہے۔ چنانچہ جواب سابق میں شامی سے جو برہان محیط کا جزئیہ نقل کیا گیا ہے رجل دعته جماعة الی شرب الخمر الخ اس میں طلقت مطلق ہے جس کو شامی نے قضاءً سے مقید کیا ہے لان المراد طلقت قضاءً الخ و نظائرہ کثیرۃ کما لا یخفی۔

اب رہا **دوسرا اشکال** کہ لو قال امرأۃ طالق او قال طلقت امرأۃ ثلاثا وقال لم اعن امرأتی یصدق اھ سے مفہوم ہوتا ہے کہ عدم اضافت لفظیہ کی صورت میں قضاءً و دیانۃً ہر طرح تصدیق ہوگی اور جواب سابق میں تصدیق کو دیانت سے مقید کیا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک اس جزئیہ میں تو اگر زوج ارادۂ طلاق زوجہ کا انکار کرے تو قضاءً و دیانۃً ہر طرح تصدیق ہوگی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جب اضافت لفظیہ نہ ہو اور اضافت معنویہ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ بات یہ ہے کہ امرأۃ طالق او طلقت امرأۃ میں نفی ارادۂ زوجہ معروفہ کی تصدیق قضاءً اس لئے ہوتی ہے کہ دراصل حالاً اس کلام اضافت نہ لفظی ہے[ع] نہ معنوی ہے بلکہ صرف ایک قرینۂ خارجیہ سے یعنی عادت سے اضافت پیدا کی گئی ہے وھو قولہ لان العادۃ ان من لہ امرأۃ انما یحلف بطلاقھا لا بطلاق غیرھا بخلاف صورت مسئولہ کے کہ اس میں عورت کو مخاطب کر کے ایک طلاق دو طلاق کہا ہے گو لفظ تجھ کو وغیرہ نہیں مگر وہ سامنے موجود ہے اور اسی کو سنایا گیا ہے اور خطاب کا قصد ہے اس لئے اضافت معنویہ بوجہ خطاب کے موجود ہے اب اگر ارادۂ زوجۂ مذکورہ کی نفی کرے گا تو یہ قول قضاءً قبول نہ ہوگا چنانچہ اگر بجائے امرأۃ طالق و طلقت امرأۃ

ع کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک عورت کو طلاق یا ایک عورت کو میں نے طلاق دی جس میں ارادۂ زوجہ پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اخبار عن الغیر کا بھی احتمال ہے کیونکہ مرد وکالۃً غیر منکوحہ کو بھی طلاق دے سکتا ہے ۱۲ منہ

یا امرأتہ[1] طالق کہے تو اس کی زوجہ معروفہ پر قضاءً طلاق واقع ہو جائے گی اور اُس کے ارادہ کی نفی معتبر نہو گی گو صراحۃً یہاں بھی اضافت طلاق کی زوجہ معروفہ کی طرف نہیں کہ نہ اشارہ ہے نہ تسمیۃ بلکہ اضافت اُس عورت کی طرف ہے جو کہ اس کی ہو جس میں غیر معروفہ کا بھی احتمال ہے، مگر چونکہ زوجہ معروفہ ایک ہی ہے اس لئے معنیً اضافت اسی کی طرف ہے اور اُس کی نفی لغو ہے قال فی البحر لو قال امرأتہ طالق ولم یسم ولہ امرأۃ معروفۃٌ طلقت استحسانًا ولو قال لی امرأۃ اخری وایاھا عنیتُ لایقبل إلا ان یقیم البینۃ اھ (ص ۲۵۴ ج ۳) رہا یہ کہ عبارت بزازیہ قال لھا لاتخرجی من الدار الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لایقع لعدم ذکر حلفہ بطلاقھا . ویحتمل الحلف بطلاق غیرھا فالقول لہٗ اھ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ قضاءً اُس کا قول معتبر ہے اگر وہ غیر کا ارادہ بیان کرے اور مخاطبہ کی نفی کرے . اس کا جواب یہ ہے کہ قضاءً یہ جب معتبر ہو گا جبکہ اس کے کوئی اور بیوی بھی مخاطبہ کے سوا ہو ورنہ نہیں قال ابن عابدین فی حاشیۃ البحر ان قول البزازیۃ ھنا لایقع ای قضاءً فیہ مخالفۃ لھذا (ای لما فی القنیۃ عن المحیط رجل دعتہ جماعۃ الی شرب الخمر فقال انی حلفت بالطلاق انی لااشرب وکان کاذبًا فیہ ثم شرب طلقت اھ ای قضاءً) ویمکن ان یوفق بینھما بان ما فی البزازیۃ محمول علی انشاء الحلف لا علی الاخبار وما فی القنیۃ علی الاخبار لقولہ وکان کاذبا فیہ ولکن بعد ھذا یرد علی ما فی القنیۃ ان قولہ بالطلاق یحتمل الحلف بطلاق امرأۃ اخری الا ان یحمل علی انہ لیس لہ امرأۃ اخری غیرھا فیکون اخبارًا عن طلاق مضاف الیھا وما فی البزازیۃ محمول علی ان لہٗ غیرھا والا لا یصدق بدلیل ما یأتی عن الظھیریۃ من قولہ لو قال امرأتہ طالق ولم یسم ولہ امرأۃ معروفہ طلقت استحسانا وان قال لی امرأۃ اخری وایاھا عنیت لایقبل قولہ الا ان یقیم البینۃ اھ (ص ۲۵۳ ج ۳) بہر حال امرأۃ طالق وطلقت امرأۃ میں قضاءً اُس کے قول کی تصدیق کا منشا خلو کلام

[1] یہاں تو صریح اضافت موجود ہے۔

عن الاضافۃ حالاً ہے اور عبارت بزازیہ میں اگر لا یقع کو قضاء پر محمول کیا جائے نہ کہ دیانت پر تو اس کا محمل یہ ہے کہ حالف کے چند بیویاں ہوں۔ اور اگر کسی کے صرف ایک بیوی ہو اور وہ اس کو لڑائی جھگڑے میں ایک طلاق دو طلاق بدون اضافت لفظیہ کے کہے تو قضاءً نفی قصد مخاطبہ کی قبول نہو گی کیونکہ اضافت معنویہ موجود ہے وہو الخطاب اور کوئی بیوی سوائے مخاطبہ کے ہے نہیں تو پھر کیونکر نفی کو مانا جائے فان القاضی انما یتبع الظاھر واللہ یتولی السرائر صرحوا بہ فی مواضع شتی۔ خلاصہ میں ہے سکران ھرب منہ امرأتہ فتبعھا ولم یظفر بھا فقال بالفارسیۃ سہ طلاق ان قال عنیت امرأتی یقع اھ (ص ۷۶ ص ۲) اور ظاہر ہے کہ قیود فقہیہ احترازی ہیں تو اس میں لم یظفر بھا کی قید بتلاتی ہے کہ اگر وہ سہ طلاق ایسی حالت غضب میں عورت کے سامنے کہدے تو اس صورت میں قضاءً عنیت امرأتی کہنے کی ضرورت نہو گی، واللہ اعلم۔ ۱۱رج ۱۳۴۵ھ۔

فذلكة الكلام

بعد جوابات اشکالات کے اب اصل مسئلہ کے متعلق یہ عرض ہے کہ اس میں تو شک نہیں کہ باب طلاق میں دیانت کا مدار صحت معنی پر ہے اور قضاء کا مدار تبادر معنی پر۔ گو اس سے دوسرے معنی لینا بھی صحیح ہوں لیکن جب وہ متبادر کے خلاف ہوں گے تو قضاءً قبول نہو نگے اور معنی متبادر ہی کو صریح کہا جاتا ہے قال فی الدر وصریحہ مالم یستعمل الا فیہ اھ قال الطحطاوی وقع نظیرہ لصاحب النھر حیث قال ھو ما استعمل فی الطلاق دون غیرہ وھما قاضیان بان اللفظ لو استعمل فی غیر الطلاق ولو نادراً یقدح فی صراحتہ فیہ مع انھم نصوا علی ان الترکی یستعمل ھذا اللفظ للطحال ولا یصدق قضاءً انہ ارادہ بل یحکم علیہ بالطلاق ان یقال ان المراد بالحصر کثرۃ الاستعمال فعلی ھذا لو قال صریحہ ماکثر استعمالہ فیہ لکان اولیٰ اھ (ص ۱۷۷ ج ۲) قلت وکذا

صاحب البحر والفتح والشامیۃ مثلہ ۔ پس اب دیکھنا چاہیئے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے لڑائی کی حالت میں ایک طلاق دو طلاق کہے یا فارسی میں ارتو زن منی سہ طلاق کہے تو اس سے متبادر یہی ہے کہ تجکو ایک طلاق دو طلاق اور ارتو زن منی بہ طلاق ہستی اور اس کا خلاف کچھ متبادر نہیں گو لغۃً صحیح ہو سکتا ہے جیسا کہ صاحب بزازیہ نے کہا ہے کہ لاتخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق میں کسی دوسری عورت کی طلاق کا بھی احتمال ہے مگر یہ احتمال ایسا ہی ہے جیسا انت طالق میں طلاق عن الوثاق وعن القید کا احتمال اور یا طالق میں سب وشتم کا احتمال کہ قضاءً مسموع نہو گا گو دیانۃً بوجہ صحت معنی کے مسموع ہو جائے پس سوا اس صورت کے جو شامی نے بیان کی ہے کہ بزازیہ کے قول کو اس پر محمول کیا جائے کہ مرد کی دوسری بیوی بھی معروف ہو اور کوئی وجہ اس کلام کی صحت کی نہیں اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ بیوی کو خطاب کر کے ایک طلاق دو طلاق کہنا اور ارتو زن منی سہ طلاق کہنا اس سے متبادر یہ ہے کہ ارتو زن منی بہ طلاق ہستی، تو اب اس میں عدم وقوع کا مطلقاً حکم کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ بلکہ ان کو دیانت پر حمل کرنا لازم ہے لایقال الصریح انت طالق واذا لم یکن لفظ انت مذکوراً لایبقی صریحاً فکیف یحکم بالوقوع قضاءً اذا انکر ارادۃ المخاطبۃ بہ قلت لفظ انت لا دخل لہ فی الصراحۃ ویبقی الکلام صریحاً بدونہ اذا کان معنی الخطاب متبادراً قال ابن عابدین فی حاشیۃ البحر الصریح ما فیہ مادۃ ط ل ق کطالق وطلاق وتطلیق ونحوہ فقولہ انت طالق صریح ولا مدخل لقولہ "انت" فی صراحتہ اھ (ص ۲۶۱ ج ۳) ۔ ولعل الکلام فی البحث عن المسئلۃ قد تم وعم والحمد للہ علی ما علم وافہم ۔ ۱۱ ر ۱۲ ۴۵ھ

حضرت شیخ نے اس تحریر کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک فقہاء کی عبارات مطلقہ درباب عدم وقوع بسبب عدم اضافت کو دیانت پر محمول کرنا تقیید اطلاق ہے کیونکہ لایقع میں نکرہ تحت نفی ہے جو عام ہے اس کو بلا دلیل خاص نہیں کر سکتے ہاں یقع نکرہ تحت الاثبات ہے جو عموم میں نص نہیں اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس کو عدم وجود قرائن پر محمول کیا جائے اور عبارات مفیدہ کو قرائن پر کما فی الجواب ۔ قلت والیہ یمیل قلبی ولکن فی النفس بعد شیء ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً ۱۲

طلاق میں عورت کے قول کا اعتبار، جبکہ میاں بیوی میں اختلاف ہو

(سوال) بیان زوجہ کا:۔ زوجہ و شوہر دونوں ایک جگہ اس طرح ہے کہ زوجہ دالان کے اندر تھی اور شوہر سائبان میں تھا، اور دالان میں تین دروازے تھے جس میں سے دو دروازے بند تھے اور صرف ایک دروازہ کھلا تھا، میں نے دالان کے اندر سے سُنا کہ شوہر نے مجھ کو کہا کہ " میں نے تم کو طلاق دیا " مجھے اٹکل سے معلوم ہوا کہ یہ الفاظ تین دفعہ کہا تھا میں نے لفظ " نہ " نہیں سُنا تھا فقط۔

بیان شوہر کا:۔ میں نے اپنی چھوٹی بہن کو بھیجا کہ جاکر اپنی بھاوج کو بلالاؤ چنانچہ وہ گئی اور واپس آکر کہا کہ نماز پڑھکر آویں گی، میں نے کہا اچھا۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد آئیں اور کہا کہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ نیند معلوم ہوتی ہو سونے دو۔ چند منٹ گفتگو ہوتی رہی میں آنکھ بند کئے پڑا رہا کہ وہ اندر مکان کے گئیں میں نے کہا کہ کہاں جاتی ہو جواب ملا کہ آتی ہوں۔ میں نے کہا اچھا۔ وہ اندر سے کہنے لگیں کہ طلاق کا لفظ کیسا کہا ہے؟ میں نے فوراً جواب دیا کہ طلاق کیسا میں نے نام بھی نہیں لیا ہے، انہوں نے کہا کہ شاید سننے میں فرق ہوگیا ہو، میں خاموش تھا، انہوں نے کہا کہ جانتے ہو طلاق کیسے دیا جاتا ہے میں نے کہا کہ نہیں، کہا کہ اس طرح دیا جاتا ہے " میں نے تم کو طلاق دیا " میں نے کہا ہوں، کہا کہو، اس وقت میں نے کہا کہ ہم نے تم کو طلاق نہ دیا، انہوں نے کہا کہ نہ کا لفظ نہیں کہا جاتا ہے، میں نے کہا کہ ہاں نہ کا لفظ میں نے بہت زور سے نہیں کہا ہے میں سائبان میں تھا اور وہ دالان میں تھیں میں نے پھر کہا کہ طلاق وغیرہ کا نام میں نے نہیں لیا ہے اس کا خیال مت کرنا تب انہوں نے کہا کہ ہاں ہمارے سننے میں فرق پڑ گیا ہوگا فقط۔

استفتار:۔ زوجہ و شوہر کا بیان اوپر لکھا گیا ہے گواہ دونوں میں کسی کے پاس نہیں ہیں عرصہ دس بارہ سال کا ہوا کہ یہ واقعہ ہوا تھا اس وقت سے دونوں علیحدہ ہے اور پردہ رہا اب زوجہ و شوہر دونوں راضی ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ اگر شرع شریف اجازت دے تو آپس میں میل کرلیں کیا حکم علماء کا ہے احکام شرع سے آگاہ فرماویں اجر عظیم اللہ تعالیٰ سے پاویں گے فقط۔

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر زوجہ کو خوب پختگی سے یہ یاد ہے کہ شوہر

نے (میں نے تم کو طلاق دیا) تین بار کہا تھا تو اب اس کو اس شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں اور بدون حلالہ کے دوسرا نکاح بھی اس سے نہیں کرسکتی اور اگر تین بار کے سننے میں شک ہو یعنی تین دفعہ لفظ مذکور کہنے کا ایسا یقین نہیں کہ اس پر حلف کرسکے تو وہ بدونِ حلالہ کے تجدید نکاح کرکے اس شخص کے پاس رہ سکتی ہے گو بیانِ شوہر کے مطابق تجدید نکاح کی بھی ضرورت نہیں تھی مگر جب عورت کو طلاق کا لفظ بدون لفظ " نہ " کے مسموع ہوا ہے تو اس کو بدون تجدید نکاح کے اس کے پاس رہنا اُس وقت بھی جائز نہیں جبکہ تین بار میں شک ہو لأن المرأة كالقاضي فلا تؤمر الا بعلمها وسماعها ولزوم التجديد لمضي العدة والا فالطلاق وقع رجعيا لو اقل من الثلث، والله اعلم۔

۸ رجمادی الاخری ۴۳ھ۔

کابین نامہ میں لکھ دیا کہ دوسرا عقد کروں تو اس پر ایک دو تین طلاق ہو جائیگی۔ اس اقرار نامہ کی خلاف ورزی پر زوجہ ثانیہ پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں

(سوال) ایک شخص نے کسی کی ایک نابالغ لڑکی سے ارادہ نکاح کا کیا اور اپنے مربّی بزرگوں سے چند آدمیوں کو لڑکی کے باپ کے پاس بھیجدیا تاکہ نکاح کا پیغام کریں اور بات چیت ٹھیک کریں وے لوگ لڑکی کے باپ کے پاس گئے اور نکاح کی درخواست کی۔ لڑکی کے باپ نکاح دینے پر راضی ہوا لیکن یہ بات کہا کہ کابین نامہ نکاح کا قبل عقد نکاح کے رجسٹری کروا دینا ہوگا۔ اور کابین نامہ کے شرائط میں اپنی مرضی کے موافق لکھاؤں گا دوسری کوئی کابین نامہ پر حوالت و برات نہیں۔ اگر یہ بات منظور ہو تو میں اپنی لڑکی اسے نکاح دے سکتا ہوں، وے لوگ اس بات پر راضی ہوگئے اور جاکر ناکح کو آگاہ کیا ناکح نے کابین نامہ لکھوانے کے واسطے کاغذ خرید کر کے لڑکی کے باپ کے پاس بھیجدیا اور کاتب کی اُجرت بھی ایک روپیہ بھیجدیا۔ پس لڑکی کے باپ نے کابین نامہ لکھوایا اور ناکح کے پاس بھیجا اور ایک شخص نے کابین نامہ مرقومہ ناکح کو پڑھکر سنایا۔ پس ناکح نے کابین نامہ سُنکر اور شرائط و مضامین سے آگاہ ہوکر کابین نامہ پر اپنی دستخط کرکے رجسٹرار کے پاس لے گیا۔ اور اپنا انگوٹھا[1]

[1] نشان انگوٹھا۔

چھپا کئے پھر دستخط کر کے اپنی طرف سے فیس دے کے کابین نامہ کو رجسٹری کروادیا بعد اس کے اس لڑکی سے عقد نکاح ہوگیا۔ واضح رہے کہ کابین نامہ مذکورہ میں یہ شرط لکھی گئی تھی کہ (آپ[1] کی اور آپ کے ولی وارث کی بلا اجازت اور آپ کے مہرانے کا کل روپیہ نقد ادا کر کے پشت کابین نامہ ہذا پر وصول لکھوا دینے کے بغیر اگر کوئی غیر عورت سے نکاح کروں تو وہ عورت اسی وقت ایک[1] دو[2] تین[3] طلاق ہوجائے گی) اب اس شخص نے اس بیوی کے اوپر ایک دوسری عورت سے نکاح کرلیا اور اس کے ساتھ بودوباش کرنے لگا۔ نہ بی بی سے اجازت لی اور نہ بی بی کے ولی وارث سے پوچھا۔ اور نہ زر نقد مہرانہ ادا کر کے پشت کابین نامہ پر وصول لکھوادیا۔ پس اس صورت میں اس کی دوسری عورت مطلقہ ب۳ طلاق ہوگئی یا نہیں۔ اور اس عورت کے ساتھ خلوت، صحبت کرنا زنا میں محسوب ہوگا یا نہیں اور وہ شخص اس وقت یہ عذر پیش کرتا ہے کہ یہ کابین نامہ میں نے رجسٹری کروایا سو صحیح ہے اور دستخط وتھام بھی میرا ہی ہے لیکن میں نے قبل عقد نکاح کے بین نامہ دیا۔ اور میں نے زبانی اقرار نہیں کیا۔ اور نہ کسی کو اپنے اقرار پر گواہ رکھا۔ اور نہ کسی کو لکھنے کے واسطے حکم دیا۔ پس اس صورت میں اس کا یہ سب عذر سنا جائے گا یا نہیں۔ اور کابین نامہ قبل عقد نکاح کے ہونا شرط مذکورہ کو مضر ہے یا نہیں۔ اور رجسٹری کردہ کابین نامہ مثل اقراری باللسان کردہ خط کے ہے یا نہیں۔ اور رجسٹری سے اقرار خط[2] کا ثابت ہوتا ہے یا نہیں، اور رجسٹری کردہ خط کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مذکورہ میں دوسری عورت پر نکاح کرتے ہی تین طلاق واقع ہوگئیں اور اس سے وطی وخلوت سب داخل زنا ہے الا انہا لو اتت منہ باولاد بھذا الوطی لا تکون اولاد الزنا ومسلوبۃ النسب بل تعد ولد الحلال لکونہ وطیاً بشبہۃ۔ اور شخص مذکور کے جملہ اعذار لغو ہیں جب ناکح نے کابین نامہ خود خرید کر بھیجا اور لڑکی کے باپ کو اختیار دیا کہ جو چاہو لکھوالو،

---

[1] اپنی زوجہ کو خطاب کرتا ہے۔ [2] ای اقرار بالا۔

اور خود اجرت کتابت دی اور اس کو سُن لیا اور شرائط و مضامین سے آگاہ ہو کر اس پر دستخط کر دئے اور اس کو خود رجسٹری کرایا اور اب بھی اقرار ہے کہ یہ دستخط وغیرہ سب میرے ہیں تو یہ بمنزلہ قول باللسان کے ہے قال فی الشامیۃ ولو استکتب من اٰخر کتابا بطلاقہا وقرأہ علی الزوج وختمہ وعنونہ وبعث بہ الیہا فاتاھا وقع (الطلاق) ان اقر الزوج انہ کتابہ اھ (ص ۷۰۴ ج ۲) واللہ اعلم۔ ۲۲ رجب ۴۳ھ۔

تتمہ جواب: اقول وباللہ التوفیق۔ صورت مسئولہ میں چونکہ کابین نامہ قبل نکاح لکھا گیا ہے اس لئے اس میں چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ یوں لکھا ہو کہ اگر میں تجھ سے نکاح کر لوں پھر تیری یا تیرے ولی کی اجازت کے بغیر اور مہر وغیرہ ادا کئے بغیر کسی عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق، اس صورت میں تو جب عورت مخطوبہ سے نکاح کر کے کسی عورت سے اس کی یا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کریگا تو منکوحہ ثانیہ پر طلاق پڑ جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یوں لکھا جائے کہ جب تک تو میرے نکاح میں رہے پھر میں تیری یا تیرے ولی کی اجازت کے بغیر اور بدون مہر کل ادا کئے کسی سے نکاح کروں الخ اس صورت میں منکوحہ ثانیہ پر طلاق واقع نہیں ہوگی قال فی العالمگیریۃ قال لاجنبیۃ مادمت فی نکاحی نکل امرأۃ اتزوجہا فہی طالق ثم زوجہا فتزوج علیہا امرأۃ لا یقع ولو قال ان تزوجتک فما دمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجہا علیہا والمسألۃ بحالہا یقع کذا فی الوجیز للکردری اھ (ص ۱۰۱ ج ۲) قال سیدی حکیم الامۃ: والفرق بینہما ان فی الاول علق طلاق الثانیۃ علی بقاء نکاح الاولیٰ والبقاء لا یتصور بدون الحدوث فلا یصح تعلیق شیٔ علی بقاء النکاح اذا کان الخطاب مع الاجنبیۃ فیلغوا الکلام ولا یقع بہ علی الثانیۃ شیٔ۔ وفی المسئلۃ الثانیۃ علق الطلاق علی انشاء النکاح بالمخاطبۃ ویصح انشاء النکاح بکل اجنبیۃ فیصح التعلیق واذا تزوج علیہا اخریٰ طلقت اھ پس صورت مسئولہ کا جو جواب دیا گیا ہے وہ اس بنا پر ہے کہ اس کابین نامہ کی عبارت کاملہ سے تعلیق طلاق منکوحہ ثانیہ

علی انتشار النکاح بالاولیٰ ہو اور اگر تعلیق انتشار النکاح بالاولی پر نہیں ہے بلکہ اس کے نکاح کے بقاء پر طلاق ثانیہ کو معلق کیا ہے تو وقوع طلاق نہ ہوگا چونکہ عبارت کابین نامہ مختصر تھی اور وہ کسی ایک مراد میں نص نہ تھی اس لئے تردد ہو گیا آپ ان لوگوں کے محاورات وطرز کتابت سے واقف ہیں جس صورت میں داخل سمجھیں اس کا حکم لگا دیں۔

۳۰ رجب ۴۳ھ۔

مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت نہیں الخ کے الفاظ سے طلاق نہیں ہوتی

(سوال) (۱) زید نے اپنی لڑکی کی شادی عمرو سے کردی (۲) عرصہ ڈیڑھ سال کا ہو گیا عمرو نے لے جانے سے انکار کر دیا (۳) اگر اس سے طلاق کے واسطے کہا گیا تو کچھ جواب نہیں دیا (۴) کچھ عرصہ کے بعد اس نے ایک خط لکھا جو کہ میرے پاس موجود ہے اور اس میں لکھتا ہے کہ "یا تو ۸ یوم کے اندر میری بیوی کو روانہ کرو ورنہ میری تمہاری رشتہ داری نہیں ہے، اور نہ مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت" مکرر دو فقرے یہ لکھتا ہے کہ مجھ کو ضرورت نہیں چاہئے تم کچھ کرو میں بڑا نیک ہوں اور شادی کر لوں گا"۔

(۵) بندہ بہت غریب آدمی ہے خود نان و نفقہ کو محتاج ہے تو کیا میں دوسرا نکاح لڑکی کا کر سکتا ہوں؟

(۶) مکرر فقرہ جو اس نے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ "میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ تمہاری لڑکی کی مجھ کو کچھ ضرورت نہیں ہے"۔

الجواب: عمرو نے جو لکھا ہے کہ مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت نہیں ہے اس لفظ سے طلاق نہیں ہوئی کما فی فتاوی قاضی خاں (ص ۲۱۷ جلد ۲) ولو قال لاحاجة لی فیك ونوی الطلاق لا یقع اھ وھکذا فی العالمگیریة ص۶۹ ج۲۔

عبدالکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ۔

حکم طلاق بلفظ اگر گفتے نزد تو کلام دروغ گویم تا بعد نکاح زوجہ ام سہ طلاق خواہد شد

(سوال) اگر کوئی شخص پرچہ پر لکھے یا اور کسی شخص کو خطاب کر کے کہے کہ من از امروز تا زندگی نزد تو کلامے دروغ نخواہم گفت۔ اگر گفتے نزد تو کلام دروغ گویم تا بعد نکاحم۔ زوجہ ام ۳ طلاق بائن خواہد شد بعد دو ماہ چنداں نکاح کنم۔ ہر زوجہ ام را اکنون طلاق بائنہ دادم بعد دو ماہ اگر وقتے نزد تو دروغ گویم۔ سچ مچ یہی عبارت کہا اور لکھا اور کاتب وقائل نے

یہ کلام قبل نکاح وبعد نکاح بارہا ساتھ مخاطب مذکور کے جھوٹ بات کہا تو کیا زوجہ پر قائل وکاتب کی طلاق پڑگئی؟ اور اگر مطلقہ ہو جائے تو جتنے نکاح کرے گا تو سب عورت مطلقہ ہو جائے گی یا نہ اور اگر سب عورت مطلقہ ہو جائے تو کیا وہ شخص تمام عمر بے زن رہے گا یا واسطے قائم رہنے نکاح کے کوئی صورت ہو سکتا ہے اور اگر ہو سکے تو وہ صورت کیا از روئے مہربانی جواب سے مشکور وممنون فرمادیں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں قائل کے کلام میں دو جملے ہیں ایک "اگر گہے نزد تو کلام دروغ گویم تا بعد نکاح م زوجہ ام سہ طلاق بائن خواہد شد بعد دو ماہ" یہ تو تعلیق ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر قائل نے مخاطب سے کلام دروغ قبل از نکاح کر لیا اور پیچھے نکاح کیا اور نکاح کے بعد دروغ نہیں کہا تو منکوحہ پر طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر نکاح پہلے کیا اور کلام دروغ بعد میں کیا تو منکوحہ اولیٰ پر طلاق ثلث واقع ہو جاوے گی بعد دو ماہ کے، اور اس کے بعد تعلیق ختم ہو جاوے گی۔ دوسری بیوی پر دروغ سے طلاق واقع نہ ہوگی قال فی الشامیۃ قال کل امرأۃ اتزوجھا فھی طالق ان کلمت فلانا فکلم ثم تزوج لا یقع الطلاق علیھا وان کلم ثم تزوج ثم کلم طلقت المتزوجۃ بعد کلام الاول خانیہ (ص ۸۱۳ ج ۲) وفی الدر کلمات الشرط ان واذا، واذا ما وکل، وکلما ومتی، ومتی ما۔ وفیھا تنحل الیمین اذا وجد الشرط مرۃ الا فی کلما قلت ولفظ "گہے" فی الفارسیۃ بمعنی "متی" واللہ اعلم۔ اور جملہ ثانیہ میں تعلیق نہیں ہے بلکہ اکنوں طلاق دادم انشار حال پر دال ہے اس سے کسی منکوحہ بعد الکلام پر طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ظفر احمد

اگر تو اپنے باپ سے ملے گی یا اپنے باپ کے گھر جائیگی تو تجھ پر طلاق، اور عورت باپ کے مرنے کے بعد باپ کے گھر گئی تو طلاق نہیں ہوگی

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمار دین مفتیانِ شرع چراغ راہ دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ اگر تو اپنے باپ سے ملے گی یا اپنے باپ کے گھر جاوے گی تو تجھ پر طلاق ہے آپ مع کتب معتبرہ وعبارت عربی ارسال فرمائیں کہ آیا اس کا نکاح فاسد ہو گیا یا کہ نہیں جبکہ وہ اپنے باپ کے گھر بعد اپنے باپ کے انتقال کے گئی، بینوا توجروا۔

الجواب: بظاہر شوہر کے ان الفاظ سے "کہ اگر تو اپنے باپ کے گھر جاویگی الخ

نہی مراد ہے جو پہلے جملہ سے مراد ہے یعنی باپ سے گھر جا کر ملنا اس لئے بعد انتقال والد کے اگر یہ عورت اس کے گھر گئی تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر اس جملہ سے مستقلاً باپ کے گھر سے روکنا مراد ہے جب بھی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ گھر کو باپ کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور موت سے یہ اضافت منقطع ہوگئی قال فی الشامیۃ لو مات مالک الدار (فیما اذا حلف لا یدخل دار زید) فدخل لا یحنث لانتقالها للورثۃ ولو کان علیہ دین مستغرق قال محمد بن مسلمۃ یحنث وقال ابو اللیث لا وعلیہ الفتوی لانها وان لم یملکها الورثۃ وبقیت علی حکم ملک المیت ولکن لم تکن مملوکۃ لہ من کل وجہ اھ (ص ۱۲۸ ج ۳) واللہ اعلم

ربیع الاول ۴۴ھ۔

اگر تو چاند جیسی حسینہ نہیں تو تجھ پر تین طلاق کہنے سے بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی

(سوال) ایک شخص نے اپنی زوجہ کو کہا کہ اگر تو چاند جیسی حسینہ نہیں تو تجھ پر تین طلاق ہیں اب ایک مولوی صاحب نے کہا ہے کہ اس پر طلاق نہیں واقع ہوئی کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ہم نے جنس انسان کو اچھی صورت میں پیدا کیا ہے، تو اگر عورت جیسی بھی قبیحۃ المنظر ہو وہ چاند سے خوبصورت ہے۔ اور ایک مولوی صاحب نے فرمایا ہے کہ طلاق واقع ہو جاتی ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے جعل الشمس ضیاء والقمر نورًا تو گویا قمر نورانی چیز ہے اور عورت چاند جیسی منورہ نہیں اس واسطے طلاق واقع ہوگئی۔ تحریر فرماؤ کہ کس کی دلیل قوی ہے؟

الجواب: الضوء والنور ما یفرق البصر والحسن والجمال ما یمیل بالقلب ویجلبہ الیہ عرفا صورت مذکورہ میں ہمارے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ گو چاند کا عورت سے انور ہونا یقینی ہے مگر احسن ہونا یقینی نہیں کیونکہ حسن کا مدار صرف نور پر نہیں بلکہ اور بہت سی اداؤں کو بھی اس میں دخل ہے قال الشاعر

؎ ففیک من الشمس المنیرۃ ضوءها ؛ ولیس لها منک التبسم والثغر

وقال آخر ؎

خوبی ہمیں کرشمہ ناز و خرام نیست ؛ بسیار شیوہ ہاست بتاں راکہ نام نیست

اس لئے چاند کا اس عورت سے احسن ہونا مشکوک ہوگیا و لا یقع الطلاق بالشک

قلتُ ثم ظفرت بجزئية صريحة فى الباب ذكره العلامة المحدث ابوبكر ابن العربى فى احكام القرآن له فى تفسير سورة التين وقد اخبرنا المبارك بن عبد الجبار الازدرى اخبرنا القاضى ابو قاسم على بن ابى على القاضى المحسن عن ابيه يومًا كان عيسى بن موسى الهاشمى يحب زوجه حبًّا شديدًا فقال لها يومًا انت طالق ثلاثا ان لم تكونى احسن من القمر فنهضت واحتجبت عنه وقالت طلقتنى وبات بليلة عظيمة ولما اصبح غدا الى دار المنصور فاخبره الخبر وقال يا امير المؤمنين ان تم على طلاقها تصلفت نفسى غما وكان الموت احب الى من الحياة واظهر للمنصور جزعًا عظيمًا فاستحضر الفقهاء واستفتاهم فقال جميع من حضر قد طلقت الا رجلًا واحدًا من اصحاب ابى حنيفة فانه كان ساكتًا فقال له المنصور مالك لا تتكلم فقال له الرجل "بسم الله الرحمن الرحيم والتين والزيتون وطور سينين وهذا البلد الامين لقد خلقنا الانسان فى احسن تقويم" يا امير المؤمنين الانسان احسن الاشياء ولا شئ احسن منه فقال المنصور لعيسى بن موسى الامر كما قال فاقبل على زوجتك فارسل ابو جعفر المنصور الى زوجته ان اطيعى زوجك ولا تعصيه فما طلقك فهذا يدل على ان الانسان احسن خلق الله باطنًا وهو احسن خلق الله ظاهرًا جمال هيئته وبديع تركيب الرأس بما فيه والصدر بما جمعه والبطن بما حواه والفرج وما طواه واليدان وما بطشاه والرجلان وما احتملاه ولذلك قالت الفلاسفة انه العالم الاصغر اذ كل ما فى المخلوقات اجمع فيه هذا على الجملة وكيف على التفصيل يتناسب المحاسن فهو احسن من الشمس والقمر بالمعنيين جميعًا (ص ۳۱۳ ج ۲) - ۲ / رمضان المبارک ۴۲ھ -

بطور وظیفہ صیغۂ طلاق کہنے سے قضاءً طلاق ہو جاتی ہے

ایک مولوی صاحب نے ایک جاہل کو تعلیم دی کہ تو کہا کر کہ یا امرأتی انت طالق ثلاثا تو خدا تجھ کو بہت سامان دے گا اب وہ گھر بیٹھ کر یہ وظیفہ اپنی عورت کو سناتا رہا اور عورت بھی

خوب توجہ سے سنتی رہی آیا طلاق اس عورت پر واقع ہوگئی یا نہ جواب دلیل سے تحریر فرماویں؟

الجواب: اس جاہل کی بیوی پر دیانۃً اس وظیفہ سے طلاق واقع نہیں ہوئی اور قضاءً واقع ہوگئی پس مرد کو تو اس عورت سے استمتاع جائز ہے لیکن عورت کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ مرد نے میرے پاس جو وظیفہ پڑھا تھا اس کے معنی طلاق کے ہیں تو اس کو اس مرد کے پاس رہنا جائز نہیں وہ اپنے کو مطلقہ ہی سمجھے اور اگر اُسے یہ معلوم نہیں ہوا تو اس کو بتلانا ضروری نہیں قال فی الشامیۃ قالت لن وجہا اقرأ علی اعتدی انت طالق ثلاثا ففعل طلقت ثلاثا فی القضاء لا فیما بینہ و بین اللہ اذا لم ینو الزوج ولم یعلم بمعناہ اھ (ص۶۹۸ج۲) ۳۰ ربیع الاول ۴۴ھ

حکم طلاقِ ہازل

(سوال) زید کو دو زوجہ ہے ثانیہ کو طلاق دینے کے واسطے دو ایک بار لوگوں کو بلایا ولیکن طلاق نہیں دی بعد چند روز ایک آدمی نے ان سے پوچھا کہ میں نے سُنا کہ تم عورت ثانیہ کو چھوڑ دی زید نے بولا ہاں چھوڑ دی بعد اس کے پوچھا کتنے طلاق دی وہ بولا تین ۳ طلاق اس وقت دو مرد اور دو عورت نے اس اقرار کو سنا۔ اس وقت انہوں سے دوسرے شخص نے پوچھا کہ یکبارگی صاف کر دی؟ زید نے بولا ہاں یکبارگی صاف۔ گواہوں سے ایک آدمی نے کہا کہ تمہاری عورت مطلقہ ثلاثہ ہوگئی، زید نے بولا نہیں ایسا ہی طلاق سے ہرگز طلاق نہ ہوگی۔ زید جاہل ہے مسئلہ طلاق نہیں جانتا ولیکن وہ بولتا ہے کہ میں حقیقت میں طلاق نہیں دی سائلوں کا جواب کہا۔ اور زید دعوی کذب اور ہزل کا کرتا ہے لیکن اس میں گواہ نہیں یعنی اقرار کذب کا اور ہزل کا گواہ نہیں۔ جیسا کہ کتب فقہ میں الا اذا اشہد قبل ذلک لکھا ہے مگر اس قدر جو اوپر گذرا یعنی دو ایک دفعہ لوگوں کو طلاق دینے کے واسطے بلائیں طلاق نہیں دی ولیکن انہوں کو خبر کذب کا گواہ نہیں بنائیں، اب وہ لوگ خبر کذب اور ہزل کا گواہ ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے اس حادثہ میں حکم تین طلاق قضاءً کیا ہے نہ دیانۃً اور دلیل ان کی یہ ہے شامی کتاب الطلاق لو اقر بالطلاق کاذبا الی قولہ وقع قضاءً چونکہ قبل تکلم ایسا گواہ نہیں بنایا کہ تم لوگ گواہ رہیو کہ میں اقرار خبر کذب اور ہزل کا کروں گا فی الواقع طلاق نہیں دوں گا۔ اگر کوئی ایک عورت قضاءً تین طلاق ہو جاوے تو اس عورت کیلئے بدون تفریق کے اپنے شوہر کے ساتھ میاں بیوی جیسا برتاؤ کرنا جائز ہے؟ اس حادثہ میں دوسرے

مولوی صاحب دیانۃً اور قضاءً عدم وقوع طلاق کا گیا اور بدون تفریق کے زید کے ساتھ برتاؤ کا حکم دیا چونکہ عنداللہ طلاق نہیں اور دلیل ان کا یہ ہے در مختار مع رد المحتار قولہ او ھازلاً کی تفسیر میں علامہ شامی نے دلیل خانیہ اور تلویح سے استدلال کیا اور زید جو لوگوں کو طلاق دینے کے واسطے بلایا لیکن انہوں کے سامنے طلاق ندی اس کو منزلہ میں شہادت خبر کاذب اور ہزل کا گردانتا ہے اگرچہ زید ویسا نہیں کہتا۔ مولینا تھانوی صاحب نے ایک فتویٰ وقوع قضاءً وعدم وقوع دیانتہً تتمہ جلد ثانی کتاب الطلاق ص۱۰۱ میں لکھا ہے وہاں بھی خانیہ اور تلویح کی عبارت سے دلیل پیش کی اس کی کیا توجیہ ہے؟ زید نے دوسری مجلس میں بھی مذکورہ گواہوں کے سوائے اور دو آدمی کے پاس اقرار بالا کیا پوچھا گیا کہ عورت کو چھوڑ دی؟ زید نے بولا ہاں چھوڑ دی کتنے طلاق دی؟ بولا ۳ تین طلاق اور بالکل صاف کر دیا۔ فقط۔

الجواب: فقہاء نے تصریح کی ہے المرأۃ کالقاضی فلا یحل لہا ان تمکنہ اذا سمعت منہ ذلک او علمت بہ لانہا لا تعلم الا الظاہر اھ فتاوی حامدیۃ (ص ۳۷ ج ۱) ومثلہ فی الشامیۃ وغیرہا ایضاً پس بعض علماء نے جو یہ کہا ہے کہ اقرار کاذباً سے قضاءً طلاق ہوتی ہے نہ کہ دیانۃً یہ تو صحیح ہے لیکن اس میں اتنی قید کی اور ضرورت ہے کہ اگر عورت نے زوج کے منہ سے الفاظ طلاق خود سن لئے یا کسی عادل نے اس کو خبر دی ہو تو عورت کو تمکین زوج من نفسہا جائز نہیں بلکہ اس پر لازم ہے کہ اپنے کو مطلقہ ثلاث مغلظہ ہی سمجھے اور دو ایک دفعہ لوگوں کو طلاق دینے کے لئے بلانا اشہاد نہیں ہے بلکہ اشہاد یہ ہے کہ ان سے یہ کہہ دیا جاتا کہ میں کاذباً یا ہازلاً ایسا کہوں گا۔ اور یہ بھی اُس وقت ہے جبکہ زید اس اقرار میں اقرار کاذباً کا دعوی کرتا ہو اور اگر ہزل کا مدعی ہے پھر تو قضاءً ودیانۃً وقوع طلقات ثلاث ہو چکا اس صورت میں تو چاہے عورت کو علم نہ بھی ہو جب بھی یہ شخص اس بیوی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا قال فی الدر او ہازلاً قال الشامی ای فیقع قضاءً ودیانۃً کما یذکرہ الشارح وبہ صرح فی الخلاصۃ وکذا فی البزازیۃ اھ (ص۶۹۴ ج۲) واللہ اعلم۔

نوٹ :۔ ہم نے امداد الفتاوی تتمہ جلد ثانی (ص ۱۰۱) کا مطالعہ کیا اس میں بھی یہی حکم ہے جو جواب ہذا میں مذکور ہے، فلیراجع بتدبر، فقط ۔ ۱۷ر ذیقعدہ ۴۴ھ

طلاق کی ایک صورت کا حکم

سوال، احمد نے اپنی عورت کو ایک کاغذ کے اوپر اس طرح سے طلاق لکھی کہ میں ڈابھیل کا رہنے والا احمد اسماعیل گارڈی میں اپنی عورت مسماۃ مریم کو جو کہ میرے ساتھ رہتی نہیں ہے آج کے روز اپنی خوشی اور ہوشیاری وعقل سے میں اس کو فارغ خطی دیتا ہوں میں نے آج کے روز سے اس کو اپنے نکاح سے فارغ کردیا ہے میں نے اپنی راضی وخوشی سے طلاق دی ہے اس میں کسی کا کچھ چلے گا نہیں میں نے طلاق دیتے وقت پانچ آدمی کے روبرو فارغ خطی دی ہے یہ صحیح ہے دستخط احمد اسماعیل بقلم خود، شاہد اسماعیل ابراہیم بقلم خود، شاہد صالح محمد بقلم خود، شاہد صالح ابراہیم بقلم خود، شاہدہ ابراہیم کی عورت، شاہدہ خدیجہ پٹیل کی عورت۔ ان پانچ شاہدوں کا یہ اقرار ہے کہ بلا جبر احمد نے ایک کاغذ کے اوپر طلاق اس طرح سے لکھی اور زبانی بھی ہمارے روبرو میں مریم کو تین مرتبہ طلاق دی، اس واقعہ کے بعد تین چار اشخاص احمد کے پاس گئے اور اس سے اس کے متعلق پوچھا تو احمد نے اس بات کا اقرار کیا کہ میں مریم کو طلاق دے چکا ہوں یہ صحیح بات ہے اور کئی آدمی کو وہ کہتا رہا کہ میں طلاق دے چکا ہوں ابھی تک وہ اس طرح سے کہتا رہتا ہے یہ طلاق سب لوگوں میں مشہور ہو چکی اس کے بعد یہ واقعہ ہوا کہ احمد کا بھائی محمود اس کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا اور احمد کو دیوانہ ثابت کیا اور مریم کے ماموں کے پاس وکیل کی معرفت نوٹس بھیجا کہ یہ دیوانہ ہو گیا ہے اس نے طلاق نہیں دی ہے اور اگر دی ہے تو وہ دیوانہ ہے میں اس کا والی ہوں اس کا طلاق دینا صحیح نہیں، مریم کے ماموں نے یہ جواب دیا کہ طلاق ہو چکی ہے اور احمد دیوانہ نہیں ہے وہ تجارت کرتا ہے سُنا ہے بمبئی جاتا آتا ہے مال خریدتا ہے بیچتا ہے اس کے روپئے وصول کرتا ہے روپئے امانت رکھتا ہے وہاں سے لیتا دیتا ہے ڈاکخانہ میں اس کے نام سے اس کا بڑا بھائی روپئے رجسٹری خط وغیرہ بھیجتا ہے وہ وصول کرتا ہے اور حساب کتاب سب اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے تنہا نوساری سورت وغیرہ جاتا ہے وہاں سے بھی مال لاتا ہے اور خرید وفروخت کرتا ہے اس لئے یہ دیوانہ نہیں ہے صورت مسئولہ میں طلب امر یہ ہے کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں اور مریم اس کے نکاح سے نکل گئی یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب ؛ اگر احمد واقع میں دیوانہ نہیں ہے تو ڈاکٹر کے ثابت کرنے سے کچھ نہیں

ہوتا اور دیوانہ وہ ہے جو بے سمجھی کی الٹی سیدھی باتیں بکتا ہو اور مارتا اور گالیاں بکتا ہو اور اگر گالیاں نہ بکتا ہو نہ مارتا ہو مگر بے سمجھی کی اُلٹی سیدھی بہکی ہوئی باتیں کرتا ہو تو وہ بھی ایک قسم کا جنون ہے پس اگر احمد عقل کی باتیں کرتا ہو جیسا کہ سوال میں خرید و فروخت وغیرہ درج ہی تو وہ مجنوں نہیں اور طلاق واقع ہوگئی و نیز اگر اس کو بعد طلاق دینے کے جو مجنون ثابت کیا گیا ہے اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ طلاق دینے کے وقت بھی وہ مجنون تھا پس جب اس امر کے شاہد موجود ہیں کہ عقل و ہوشیاری سے طلاق دی گئی ہے تو بعد میں اگر واقع میں مجنون بھی ہوجاتا تو جو طلاق واقع ہو چکی ہی وہ کیسے باطل ہوسکتی ہی پس مریم اس کے نکاح سے نکل گئی اور بدون حلالہ کے اب اس کا نکاح احمد سے نہیں ہوسکتا قال الشامی تحت قول (الدر (والمعتوہ) من العتہ وھو اختلال فی العقل ھذا ذکرہ فی البحر تعریفا للجنون وقال یدخل فیہ المعتوہ واحسن الاقوال فی الفرق بینھما ان المعتوہ ھو قلیل الفھم المختلط الکلام الفاسد التدبیر لکن لا یضرب ولا یشتم بخلاف المجنون اھ

احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ۔ ۲۰ شوال ۴۳؁ھ۔

الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۰ شوال ۴۳؁ھ۔

طلاق اور رجعت کی ایک صورت کا حکم

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید نے ایک عورت مسماۃ ہندہ سے نکاح کیا اور قبل جانے مسماۃ مذکورہ کے اپنے سسرال کے مسمی مذکور الصدر نے اسے ایک طلاق رجعیہ دے دی، اب بوجہ ہونے ناشزنی باہم زوج اور زوجہ مذکورہ کے، مسماۃ مذکورہ قسم اٹھاتی ہی کہ مسمی مذکور نے ابتداء نکاح سے لیکر اب تک میرے ساتھ ہرگز دخول اور خلوت نہیں کی ہی اور مسمی مذکور کہتا ہی کہ میں نے اپنی عورت مذکورہ سے دخول وغیرہ کیا ہے اور اپنے اس دعوی پر گواہ پیش کرتا ہی گواہوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں رمضان ولد حاجی ، قطب الدین ولد میر ، نور حسن ولد حیات بخش ، اللہ دتا ولد اللہ لوک، ان میں سے رمضان اور قطب الدین کا یہ بیان ہے کہ ہم نے زید اور ہندہ مذکورہ کو ایک مکان میں اکٹھا دیکھا ہی جو کہ ان کے پاس تیسرا شخص نہ تھا بلکہ اتنی بات تھی کہ غلہ گندم مسمی مذکور مکان کے سقف پر چڑھا رہا تھا اور باقیوں کا بیان ہے کہ مسمی مذکور کو اپنے سسرال کے یہاں شب و روز آتے جاتے دیکھا ہے ۔ کیا یہ طلاق رجعی ہوسکتی ہے یا کہ نہیں اگر طلاق رجعیہ ہی

تو نکاح ان کا برحال ہے یا کہ نہیں کیونکہ مسمیٰ مذکور عدت ہی میں رجوع کر چکا ہے اگر یہ طلاق رجعیہ نہیں تو تجدید نکاح کی ضرورت ہے یا کہ نہیں اگر عورت نکاح نہ کرے تو دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے یا کہ نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: طلاق قبل الدخول (خواہ بعد خلوۃ صحیحہ ہو) بائنہ واقع ہوتی ہے اور جب زوجین میں درباره دخول اختلاف ہو تو خلوت ثابت ہونے پر خاوند کا قول معتبر ہوتا ہے اور اگر خلوۃ کا ثبوت نہ ہو تو عورت کا قول معتبر ہوتا ہے۔ اور واقعہ مذکورہ میں شب و روز سسرال میں آنے جانے کی شہادت شہادت علی الخلوۃ نہیں ہے باقی رہی شہادت قطب الدین اور رمضان کی سو اس میں یہ دیکھنا چاہئے کہ جس مکان میں زید اور اس کی بیوی تھے اس کا دروازہ بند تھا یا کھلا ہوا اگر کھلا ہوا تب تو خلوت ثابت نہیں ہوتی اور اگر دروازہ بند تھا تو خلوت ثابت ہو جاوے گی بشرطیکہ اس روز رمضان کا روزہ نہ ہو اور دونوں میں سے کوئی ایسا بیمار نہ ہو کہ صحبت نہ ہو سکے اور عورت حائضہ نہ ہو فی الدر المختار (ولو خلا بها ثم انكره) اى الوطء (ثم طلقها لا) يملك الرجعة لان الشرع لم يكذبه ولو اقربه وانكرته فله الرجعة ولو لم يخل بها فلا رجعة له لان الظاهر شاهد لها والولجية وقال الشامى تحت (قوله لان الشرع لم يكذبه) لانه لا يملك الرجعة الا فى عدة الدخول لا فى عدة الخلوة الخ ص۸۸۱ ج ۲ وفى العالمگيرية (ص۲۲۴ ج۲) وفى البيوتات الثلثة او الاربعة واحد بعد واحد اذا خلا بامرأته فى البيت القصوى ان كانت الابواب مفتوحة من اراد ان يدخل عليهما يدخل من غير استيذان لا يصح الخلوة وكذا لو خلا بها فى بيت من دار ولبيت باب مفتوح فى الدار اذا اراد ان يدخل عليهما غيرهما من المحارم والاجانب يدخل لا يصح الخلوة كذا فى فتاوى قاضى خان وفيه ايضا والخلوة الصحيحة ان يجتمعا فى مكان ليس هناك مانع يمنعه من الوطئ حسا او شرعا او طبعا كذا فى فتاوى قاضى خان۔ پس اگر خلوت ثابت ہو جاوے تو زید کی رجعت صحیح ہو گئی جب کہ رجعت عدت میں تھی اور جب رجعت ہو چکی تو دوبارہ نکاح کی

ضرورت نہیں اور اگر خلوت ثابت نہ ہو تو طلاق بائن واقع ہوگئی عورت جس سے چاہے نکاح کرے خواہ زید سے یا اور کسی سے۔ واللہ اعلم - احقر عبد الکریم گمتھلوی عفی عنہ۔

۵ ر ذوی القعدہ ۴۳ھ۔

اور ثبوت رجعت محض شوہر کے قول اور گواہوں کے بیان سے بدون حاکم یا حکم مسلم کے سامنے بیان کئے نہ ہوگا اور اگر گواہ حاکم یا حکم مسلم کے سامنے گواہی دیں کہ ہم نے دونوں میاں بی بی کو با قاعدہ خلوت میں یکجا دیکھا ہے اور وہ گواہی قبول کرلے تب ثبوت رجعت ہوگا۔

فقط - الجواب صحیح - ظفر احمد عفا عنہ، ۵ ر ذیقعدہ ۴۳ھ۔

طلاق کے ساتھ لفظ انشاء اللہ ماشاء اللہ کہنے کا حکم

(سوال) صورت مرقومۃ الذیل کا حکم تحریر فرماکر ممنون و مشکور فرماویں۔

کوئی شخص اپنے بھائی کی بیوی کے ساتھ کچھ گفتگو کر رہا تھا اتفاقاً کسی بات کی وجہ سے وہ اس عورت پر ناشاد ہو کر اپنے باپ سے انصاف چاہا اس وقت شخص مذکور کی ایک بہن بول اٹھی کہ تم جس بات سے اپنے بھائی کی بیوی پر خفا ہو رہے تمہاری بیوی بھی تو اس طرح کی باتیں تمہیں کہتی ہے دریغ نہیں کرتی ہے اس نے کہا میں تو نہیں جانتا اگر وہ واقع میں ایسا کہتی ہے تو تم ہی اُسے دیکھ بھال کرائی ہو پھر بہن نے کہا کہ تم بھی تو دیکھ کرلائے ہو اس وقت اس نے کہا کہ اگر تم کہتی ہو کہ میں دیکھ بھال کرلایا ہوں تو ایک[۱] دو[۲] تین[۳] طلاق انشاء اللہ۔

پھر اُس نے اِس واقعہ کو کسی منشی جی سے سناتے وقت کہا کہ میں نے ایک[۱] دو[۲] تین[۳] طلاق دیا ماشاء اللہ، بار دیگر اُسے پوچھنے سے کہتا ہے میں نے ایک[۱] دو[۲] تین[۳] طلاق دیا انشاء اللہ منشی جی سے ماشاء اللہ کہنے پر جرح قدح کہتا ہے کہ میں نے اس دفعہ ماشاء اللہ غلطی سے کہا ہے ورنہ پہلے ہی میں نے انشاء اللہ کہا ہے۔

باپ کی شہادت: باپ کہتا ہے کہ میں نے یہ سُنا " میں نے اس بیوی کو ایک[۱] دو[۲] تین[۳] طلاق دیا" باپ گھر کے اندر تھا اور مطلقہ آنگن میں۔

بہن کی شہادت: وہ کہتی ہے کہ میں نے یہ سُنا " میں نے ایک[۱] دو[۲] تین[۳] طلاق دیا ماشاء اللہ" پھر اسے پوچھنے سے کہتی ہے کہ میں نے یہ سُنا " میں نے ایک دو تین طلاق دیا انشاء اللہ"۔

اپنی بیوی کی شہادت: وہ کہتی ہے کہ میں نے سُنا " ایک[۱] دو[۲] تین[۳] طلاق دیا ماشاء اللہ"۔

اپنے بھائی کی بیوی کی شہادت : وہ کہتی ہے کہ میں نے سُنا " میں نے ایک ٌ دو ٌ تین ٌ طلاق دیا، فقط۔

الجواب : چونکہ انشاء اللہ اور ماشاء اللہ کہنے کا ایک ہی حکم ہے اس لئے ہر حال میں طلاق واقع نہیں ہوئی چاہے اس نے انشاء اللہ کہا ہو چاہے ماشاء اللہ فی الدر المختار ومثل ان الا وان لم واذا وما ولم یشا وفی الشامی تحت (قولہ وما) ای ماشاء اللہ تعالیٰ فلا یقع الخ (ص ۸۴۱ ج ۲) وفی العالمگیریۃ (ص ۱۱۸ ج ۲) لو قال انت طالق ماشاء اللہ کان وکذا لو قال انت طالق الا ماشاء اللہ لا یقع شیٔ کذا فی فتاوی قاضیخان۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، ۹ ربیع الثانی ۴۴ھ

الجواب صحیح ظفر احمد، ۹ ربیع الثانی ۴۴ھ۔

مجھ کو ضرورت نہیں، یا طلاق ہی سی ہے، سے طلاق کا حکم

سوال) التماس ہے کہ ایک شخص اپنے بیوی بچے کو چھوڑ کر ایک غیر مذہب کی عورت لیکر فرار ہو گیا تھا اس کی عورت نے کئی سال تک اس کا انتظار کیا مگر وہ واپس آیا نہ کوئی خبر بھیجی مجبور یہ اپنے ایک برادری کے شخص کے یہاں ایک دوسرے گاؤں میں آکر رہنے لگی بعد کو اس کا خاوند معہ فرار شدہ عورت کے اپنے مکان پر آگیا اس نے اپنی بیوی بچے کی پروا نہ کی اب اس عورت نے اپنے خاوند کے پاس دو شخص ایک اپنی برادری کا دوسرا مسلم جاٹ بھیجے اور ان دونوں سے اس عورت نے کہہ دیا کہ میری طرف سے میرے خاوند کو کہہ دینا کہ مجھ کو آکر لے جاؤ اگر وہ کسی وجہ میرا لیجانا پسند نہ کرے کیونکہ اس کے پاس عورت موجود ہے تو میری طرف سے حکم شرع لے لینا یعنی طلاق کا سوال کر دینا اور جواب لینا لہذا یہ ہر دو شخص اس کے پاس گئے اور اس شخص سے عورت کی طرف سے اول سوال لیجانے کا کیا اس پر وہ جواب دیتا ہے مجھ کو ضرورت نہیں، تب بعد کو سوال دوسرا یعنی طلاق کا کیا گیا تو جواب دیتا ہے کہ طلاق ہی سی ہے مکرر کہا گیا تو پھر کہتا ہے مدت سے طلاق ہی سی ہے۔ اب عرض ہے کہ یہ لفظ عورت پر طلاق پڑنے والے ہوئے یا نہیں برائے کرم مفصل حکم سے جلد مطلع فرمائیں؟ عین عنایت ہوگی زیادہ حد ادب، فقط۔

الجواب : صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی ونظیرہ فی العالمگیریۃ ص ۲۷۲ ج ۲ ولو قال لھا بعد ما طلبت منہ الطلاق گفتہ گیر لا یقع وان نوی کذا فی الخلاصہ واللہ اعلم۔ کتبہ عبدالکریم عفی عنہ۔ الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۹ ربیع الثانی ۴۴ھ

مسئلہ طلاق

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان (شرع متین نیچے لکھے ہوئے مسئلہ میں کہ زید کی دو بی بیاں ہیں ان دونوں نے آپس میں جھگڑا کیا زید کے نسبتی بھائی (یعنی بی بی کلثوم کے بھائی نے) آگر زید سے پوچھا کہ تیرے گھر میں ہمیشہ اسی طرح کیوں جھگڑا ہوتا ہے پس زید نے بولا کہ تری بہن کو (کلثوم کو) لیجاؤ کہ میں نے اس کو رخصت دی ہوں کہ تین مہینہ ہوئے بعد اس کی نسبتی بھائی نے ثالث کو جمع کیا پس ثالث نے زید سے پوچھا کہ تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو؟ زید نے جواب دیا جو بولا سو بولا پس ابھی میں نے بی بی مذکورہ (یعنی کلثوم کو طلاق بائن دی پس بعد اس کی زید وہاں سے اٹھ کر تھوڑا دور جاکر غضبناک ہو کر مارنے لگا اور کہا بی بی مذکورہ کو کہ تم گھر سے باہر ہو اور زیورات رکھ کر چلے جاؤ اس کے بعد بی بی مذکورہ اپنے بھائی کے ساتھ چلی گئی۔ غرض یہ ہے کہ جناب بی بی مذکورہ پر تین طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور اس شوہر نے بی بی مذکورہ کو رکھ سکتا ہے یا نہیں اگر رکھ سکتا ہے تو کس طرح؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں کلثوم پر دو طلاق تو بلا نیت واقع ہو گئیں ایک تو میں نے اس کو رخصت دی ہوں کہنے سے کیونکہ حالت غضب میں اس لفظ سے بدون نیت طلاق پڑجاتی ہے فی تنویر الابصار ونحو اعتدی الی سرحتك فارقتك لا یحتمل السب والرد ففی حالة الغضب تتوقف الاقسام علی نیته وفی الغضب الاولان وقال الشامی تحت (قوله الاولان) ای ما یصلح ردا وجوابا وما یصلح سبا وجوابا ولا یتوقف ما یتعین للجواب (۶۴ ج ۲) قلت وفی اللغة الهندیة رخصت دی مثل سرحتك اور دوسری طلاق صریح دی ہے اور تیسری طلاق گھر باہر ہو الخ سے واقع ہونے کے لئے نیت کی ضرورت ہے بدون نیت حالت غضب و مذاکرات طلاق میں بھی اس لفظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی کما فی تنویر الابصار ایضاً فنحو اخرجی واذهبی وقومی یحتمل ردا وقال الشامی ای ویصلح جوابا ص ۶۱ ج ۲ ومر توقف هذا القسم علی النیة فی حالة الغضب وفیه ایضاً (ص ۶۵ ج ۲) وفی مذاکرة الطلاق یتوقف الاول وفی الشامی ای ما یصلح للرد والجواب پس اگر زید نیت طلاق سے انکار کرتا ہے اور وہ حاکم اسلام یا عورت کے سامنے قسم کھاجاوے کہ میں نے اس لفظ سے طلاق کی نیت نہیں کی تو تیسری طلاق واقع نہیں ہوئی اور زید و کلثوم کا نکاح ہو سکتا ہے اور اگر زید نے لفظ مذکور سے طلاق کی نیت کی تھی تو تین طلاق واقع ہو گئیں اور زید و کلثوم کا نکاح جائز نہیں فی الدر

القول له فی عدم النیة ویکفی تحلیفها له فی منزله فان ابی رفعته للحاکم فان نکل فرق بینهما مجتبی (شامی ص ۷۶۴ ج ۲) احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۵ ربیع الاول

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ، ۱۶ ربیع الاول ۴۷ھ۔

طلاقن اور مطلقہ وغیرہ الفاظ سے بیوی کو مخاطب کرنے سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو بعض اوقات خانگی کشیدگی اور جھگڑوں میں بطور تنبیہ اور اظہار نفرت وبیزاری کے طلاقن مطلقہ، طلاق پانے کے قابل۔ وغیرہم کلمات کہدیئے اگرچہ زید نے ایسے کلمات ناراضگی میں منہ سے نکالے لیکن ہندہ کو کبھی اس قسم کا خیال بھی نہیں گذرا۔ وہ محض معمولی خانگی جھگڑوں پر محمول کرتی رہی اور نہ یہ کلمے کسی تیسرے شخص کی موجودگی اور مواجہ میں کہے گئے غرض بجز زید کے کسی کے وہم وگمان میں بھی طلاق کا مذکور نہیں۔ اب زید ان کلمات کے منہ سے نکال دینے کی وجہ سے چند روز سے اپنی زوجہ ہندہ کو مشکوک نظر سے دیکھتا ہے اور متردد ہے کہ کہیں ہندہ پر طلاق تو نہیں پڑگئی، ہندہ کی گود میں زید کا شیر خوار بچہ بھی ہے اور فریقین کردنی ناکردنی پر توبہ استغفار کر کے رجوع کرنے پر مائل ہیں نیز زید کی خانہ آبادی بھی ہندہ کے دم سے متصور ہے اب مستفسر ہے کہ شرعاً ایسی لغویات کی کیا اصل ہے اور اب رجوع وانابت کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: قال فی الدر ولو قال لها کونی طالقا...... اویا مطلقة وقع (ای من غیر نیة لانه صریح ۱۲ شامی وفیه ایضاً عن التاتارخانیة عن المحیط قال انت طالق ثم قال یامطلقة لاتقع اخری اھ ص ۷۱۳ ج ۲)

صورت مسئولہ میں یہ لفظ تو موجب طلاق نہیں کہ "طلاق پانے کے قابل" البتہ طلاقن اور مطلقہ کہکر پکارنے سے زوجہ پر ایک طلاق رجعی واقع ہوچکی ہے اگر اس واقعہ کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا اور عدت پوری نہیں ہوئی تو زبان سے بیوی کو اتنا کہدیا جائے کہ میں نے رجعت کرلی اور عدت پوری ہوچکی ہے تو نکاح دوبارہ کرسکتا ہے بشرطیکہ عورت بھی تجدید نکاح پر راضی ہو ورنہ وہ جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے اور آئندہ ایسی لغویات سے احتراز کرنا لازم ہے قلت ولا یقع الثانیة ولا الثالثة بقوله یامطلقة لانها اتصفت بها بالاول فیکون حکایة له۔ واللہ اعلم۔

۲۴ ربیع الاول ۴۶ھ۔

ساس کے مطالبۂ طلاق پر شوہر کے یہ کہنے سے کہ جادی، جادی۔ طلاق رجعی و مغلظہ واقع ہونے میں تردد کا بیان

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس صورت میں کہ زید اور اس کی ساس میں کچھ جھگڑا ہوا اور زید کی ساس نے زید سے کہا کہ تو میری لڑکی کو طلاق دیدے، زید چونکہ غصہ کی حالت میں تھا اس نے فوراً طلاق دیدی اس کے بعد جب زید سے اس کی بیوی کو جدا کیا گیا تو زید یہ کہتا ہے کہ چونکہ میں نے صرف دو مرتبہ ان الفاظ میں طلاق دی ہے کہ جادی جادی اس لئے صرف دو طلاقیں واقع ہوئیں اور مجھے رجعت کا حق ہے لیکن طلاق دیتے وقت جو لوگ موجود تھے ان کے بیانات مختلف ہیں ایک شخص کہتا ہے کہ زید نے یہ بھی نہیں کہا کہ جادی۔ جادی۔ ایک بیان کرتا ہے کہ میں نے یہ نہیں سُنا کہ زید نے یہ کہا ہو کہ جادی، جادی بلکہ زید کی ساس طلب کرتی تھی اور زید یہ جواب دیتا تھا کہ دیدوں گا۔ اور ایک شخص جو کہ معتبر بھی سمجھا جاتا ہے یہ بیان کرتا ہے کہ میرے سامنے زید نے دو مرتبہ طلاق دی اور میں نے زید کو اس فعل سے روکا اور میں وہاں سے فوراً چلا گیا۔ اور دو آدمی یہ بیان کرتے ہیں کہ زید نے تین مرتبہ سے زیادہ طلاق دی اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہ یہ کہتے ہیں کہ زید نے تین مرتبہ سے زیادہ دی ہے لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ مجمع میں چل کر جہاں اور لوگوں سے تحقیق کی جاری ہے بیان کرو تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم کسی کے جھگڑے میں شریک نہیں ہوتے۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے کہ زید کی بیوی پر طلاق ہوئی یا نہیں اور اگر ہوئی تو کیسی طلاق ہوئی آیا زید کو رجعت کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

تنقیح:۔ صورت مسئولہ میں سائل کو یہ بھی بتلانا چاہئے کہ زید کی بیوی کیا کہتی ہے وہ قول زید کی تصدیق کرتی ہے یا اُن لوگوں کے قول کی جو تین طلاق یا اس سے زائد کے شاہد ہیں اور یہ شاہد شریعت کے پابند اور عادل ہیں یا نہیں اس کے بعد حکم بتلایا جائے گا۔ فقط۔

ظفر احمد عفا عنہ ۳۰ ربیع الثانی ۴۹ھ

جواب تنقیح:۔ (۱) زید کی بیوی اُن لوگوں کے قول کی تصدیق کرتی ہے جو تین طلاق یا اس سے زائد کے شاہد ہیں۔

(۲) یہ شاہد نماز پابندی سے نہیں پڑھتے اور چونکہ نائی ہیں حجامت بھی ہر قسم کی بناتے ہیں

لوگوں کی ڈاڑھیاں مونڈتے ہیں غرض پابند شریعت نہیں ہیں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر زید کی بیوی اس مجلس میں موجود تھی جبکہ زید نے جادی، جادی کہا تھا اور زوجہ زید کہتی ہے کہ اُس نے تین بار یا اس سے زائد یہ لفظ کہا ہے تو اس عورت کو زید کے پاس رہنا جائز نہیں وہ اس سے علیحدہ ہو جاوے اس پر بوجہ اس کے اقرار طلقات ثلث کے زید کے پاس رہنا جائز نہیں اور زید اگر تین طلاق کا منکر ہے تو اس کو اس عورت کا اپنے پاس رکھنا جائز ہے گو عورت کو اس کے پاس رہنا جائز نہیں اب اس اختلاف کا ارتفاع مفتی کے فتوے سے نہیں ہوسکتا مفتی اس صورت میں مرد و عورت کو الگ الگ فتوٰی دے گا اس کے ارتفاع کی صورت یہ ہے کہ زوجین کسی حاکم مسلم یا حَکَم عالم کے پاس مرافعہ کریں وہ تحقیق بقاعدۂ شرعیہ کر کے اس واقعہ کا جو فیصلہ کر دے اس پر زوجین کو عمل جائز ہوگا اور اگر زوجۂ زید خود اس مجلس نزاع و طلاق میں موجود نہ تھی بلکہ صرف شہود کے بیان سے اس کو علم ہوا ہے تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ واللہ اعلم۔ ۱۱ر جمادی الاولی ۴۶ھ۔

اس تحریر کے بعد احقر کی رائے بدل گئی اور یہ سمجھ میں آیا کہ اگر صورت مسئولہ میں زید نے طلاق کا لفظ زبان سے نہیں کہا بلکہ صرف جادی جادی مکرر کہا اور عورت کہتی ہے کہ زید نے لفظ جادی تین بار یا زائد کہا ہے اور وہ بھی طلاق کا لفظ سُننا بیان نہیں کرتی تو صرف لفظ جادی کے تین بار یا زائد کہنے سے تین طلاق بدون نیت زید کے واقع نہیں ہوسکتیں اور زید کی نیت تین طلاق کی نہ تھی جیسا کہ سوال سے معلوم ہوا اس لئے اس کی زوجہ پر تین طلاق واقع نہیں ہوئیں اور اگر عورت تین مرتبہ اس لفظ کے سننے کی مدعی ہے کہ جا طلاق دی تو اس صورت میں اس اختلاف کو حاکم یا حکم مرتفع کرے گا ووجہ ذلك انا اوقعنا الطلاق بلفظ جادی لکونہ فی معنی نعم وقد رأیت فی الخلاصۃ سئل محمد عن رجل قیل لہ أطلقت امرأتك ثلاثا فقال نعم قال القیاس ان یقع الثلاث ولکن استحسن واجعلہا واحدۃ اھ (ص ۸۵ ج ۲) وفی الخلاصۃ ایضاً وفی ایمان مجموع النوازل سئل نجم الدین عن امرأۃ قالت لزوجہا مرا طلاق کن مرا طلاق کن فقال

عہ قلت وھو نظیر قولہ نعم اوبلٰی فی جواب من سئل اطلقت امرأتك وقد صرح فی الدر والشامیۃ بوقوع الطلاق بہما بلانیۃ (ص ج ۲) فجعلہ کالصریح لکون السوال فیہ معاداً واللہ اعلم ۱۲ منہ

الزوج کردم کردم کردم قال تطلق ثلاث وکذا اجاب السید الامام اشرف بن محمد بن شجاعؒ قال الشیخ الامام عمر بن ابی بکرؒ تطلق واحدۃ اھ (ص ۸۲ ج ۲)

قلت ووجہ الاول حمل التکرار فی قولہ کردم فی جواب التکرار فی قولھا مرا طلاق کن وھو الظاھرؑ فکان کل فرد منہ انشاءً وحملہ الشیخ عمر علی التاکید لکونہ محتملا ایضاً والتاکید فی لفظ الطلاق انما لا یجعل واحدۃً قضاءً للاجماع ولا اجماع فی تکرار مثل قولہ کردم بدون لفظ الطلاق فیتوقف کونہا ثلاثاً علی نیۃ القائل ولا یقع فوق الواحدۃ بدون النیۃ ھذا ما ظھر لی قلت وھذا الاختلاف انما ھو فیما اذا کررت المرأۃ قولھا مرا طلاق کن ثلاثا واما اذا لم تکررہ وقالت مرۃً مرا طلاق کن وکرر الزوج قولہ کردم فی جوابھا فالظاھر انہ لا یقع الثلاث بدون النیۃ عندھم جمیعاً لعدم ما یدل علی کونہ انشاء براسہ وفی الصورۃ المسئولۃ لم یثبت تکرار قول المرأۃ ولم ینو الزوج بتکرار قولہ جادی الثلاث فلا یقع الا واحدۃ او ثنتان حسب ما نوی واللہ اعلم۔ ۱۴ جمادی الاولیٰ ۴۶ھ

مکرر آنکہ ان دونوں جوابوں کو احقر نے حضرت حکیم الامۃ دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کیا فرمایا کہ جواب اول تو قواعد عامہ کے موافق ہے اور جواب ثانی میں جو جزئیات نقل کی گئی ہیں اُن کا مبنی صحیح سمجھ میں نہیں آیا اور جو مبنی ظاہر کیا گیا ہے وہ کچھ جی کو نہیں لگا (اور احقر کاتب بھی اس مبنی کی صحت میں متردد ہے) لیکن چونکہ یہ جزئیات جواب اول کے ظاہراً منافی ہیں اس لئے اس جواب سابق میں بھی تردد ہے اور ثانی میں بھی تردد ہے بوجہ دلیل جزئیات مفہوم نہ ہونے کے، دوسرا سبب تردد یہ بھی ہے کہ ہر زبان کے محاورات جدا ہوتے ہیں اُن میں توافق ضرور نہیں اس لئے دونوں جوابوں کو قلم زد کر دیا گیا ہے کسی اور محقق عالم سے استفتاء کر لیا جائے اور یہ سب روایات اس کے سامنے پیش کر دی جائیں واللہ اعلم۔

۱۵ جمادی الاولیٰ ۴۶ھ۔

ان الفاظ سے طلاق کا حکم کہ ہمارے چلے جانے ہی کو تین طلاق سمجھا جائے گا؛

(سوال) جناب مولانا صاحب گزارش خدمت اقدس ہے کہ کسی نے اپنی لڑکی کو گھر میں خانہ داماد رکھ کر شادی کی تھی

ع وھو الذی صححہ فی الہندیۃ ص ۴۷ ج ۲ - ۱۲ ظفر

لیکن بعد عقد نکاح کے اس داماد کو مربیان محلہ داران نے یہ شرط سنائی کہ اگر تم اس بی بی سے یا بیوی کے گھر والوں سے کسی سے جھگڑا فساد کر کے تین ماہ دس دن اور کہیں چلے جاؤ گے تو اس بیوی کا اپنی زوجیت میں کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے ہو یعنی جب تین مہینہ دس دن گذر جائیں گے تو وہ بیوی اپنی خوشی سے دوسرا خاوند قبول کر سکتی ہے اس میں تمہارا کوئی عذر نہ ہوگا تمہارے چلے جانے ہی کو تین طلاق سمجھا جائے گا اس نے کہا ہاں میں نے قبول کیا اب وہ خانہ داماد بعد عرصہ چار سال کے اپنی ساس سے جھگڑا کر کے دوسری جگہ میں چلا گیا سال بھر تک اسی حالت جدائی میں رہا اب جو مربیان محلہ داران بیوی سے اور اس کی ماں سے پوچھتے ہیں تو وہ کہتی ہیں کہ اگر شریعت اجازت دے تو پھر میں اپنے داماد کو گھر میں بلالوں گی یا انہیں کے ساتھ اپنی لڑکی دے دوں گی لیکن اس کے قبل دو تین مہینہ کے انہیں مربیان نے انہوں سے دریافت کیا اس وقت دونوں ماں بیٹی نے ناراضی ظاہر کی اور ماں نے کہا میں اپنی بیٹی کو ہرگز نہیں دوں گی۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ داماد پر کسی صورت وہ راضی ہو گئی ہیں آیا اس رضامندی سے ان کا نکاح باقی رہا یا جاتا رہا؟ موافق کتاب اللہ وسنت رسول اس کے جواب عنایت کیجئے۔

الجواب: اگر صورت واقعہ یہی ہے جو سوال میں درج ہے اور مربیان محلہ داران کے الفاظ یہی تھے جو مذکور ہوئے تو شوہر کے اس کہنے سے کہ ہاں میں نے قبول کیا یہ کلام تعلیق طلاق یا تعلیق تفویض کو موجب نہیں اور شوہر کے چلے جانے سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

لان قول القائل اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے لیس من الفاظ الطلاق وکذا قولہ تو وہ بیوی اپنی خوشی سے دوسرا خاوند قبول کر سکتی ہے۔ واما قولہ تمہارے چلے جانے ہی کو تین طلاق سمجھا جاوے گا فقد جعل فیہ غیر الطلاق طلاقاً وھو لغو وفیہ ایضاً من لفظ المضارع المفید للاستقبال المحتمل للوعد فلا یکون قبولہ طلاقاً ولا تعلیقاً سئل شیخ الاسلام عمن ضرب امرأتہ وقال دار طلاق قال لا تطلق، شیخ الاسلام یقول سمی الضرب طلاقاً فیبطل اھ عالمگیریہ ج ۲ ص ۷۳، قلت وفی الصورۃ المسئولۃ جعل الغیابۃ طلاقاً صراحۃً ولم یتکلم احد بما یفید تعلیق الطلاق اصلاً، واللہ اعلم۔ ظفر احمد۔

۱۷؍ جمادی الاخری ۴۶ھ۔

فرار عن الطلاق کی نیت سے بیوی کا نام بدل کر طلاق دے دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اندریں مسئلہ کہ زوجہ منکوحہ جناب علی منشی مسماۃ ایم النساء بی بی بنت فرمان ملا بمرض درد شکم احیاناً چار پانچ روز مبتلا رہتی ہے اور اس کی بجز ایک لڑکی کے اور کوئی اولاد بھی نہیں۔

ازیں جہت دوسرا نکاح کرنے کے ارادہ سے ایک دولہن اپنے مکان میں لایا بعد ازاں بقصد عقد بست مجلس میں بیٹھ گیا تو اقرباء و اولیاء مخطوبہ میں محیی الدین سردار دفعۃً از دست خود ایک کاغذ جناب علی کے سامنے رکھ دیا اور بہ تحدید شدت مکرر سکرر یہ کہتے رہے کہ تم اپنی اگلی بی بی کو طلاق نامہ لکھ دو تو ہم دوسری دولہن سے تمہارا عقد کردیں گے۔ تب جناب علی چند منٹ سکوت ہو کر شش و پنج میں رہا آخر الامر سوچ بچار سے کچھ کام نہ چلا پھر اپنی پہلی ایم النساء کے نام کو قصداً بدل کر امر جان بی بی بنت فرمان ملا کو میں نے تین طلاق دیا اس مضمون کو لکھدیا، لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا اس تحریر تسمیہ تبدیل و عدم نیت سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ بینوا بجوالہ دلیل توجروا عند اللہ الجزیل۔

(الجواب) اگر جناب علی کی نیت طلاق کی نہ تھی اور اُس نے اپنی بی بی کا نام اسی ارادہ سے بدلا ہے کہ بی بی پر طلاق واقع نہ ہو تو اس کی زوجہ ایم النساء پر طلاق واقع نہیں ہوئی قال فی العالمگیریۃ ولو قال امرأتہ عمرۃ بنت صبیح طالق و امرأتہ عمرۃ بنت حفص ولا نیۃ لہ لا تطلق امرأتہ وکذا اذا سمی بغیر اسمھا ولا نیۃ لہ فی طلاق امرأتہ فان نوی طلاق امراتہ فی ھذہ الوجوہ طلقت امرأتہ کذا فی الذخیرۃ اھ ملخصا (ج ۲ ص ۵۸) اور اگر صورت سوال میں اکراہ بمعنی اکراہ شرعی متحقق ہو تو یہ ایک دوسری وجہ عدم وقوع طلاق کی ہوجائے گی کیونکہ کتابت طلاق بالاکراہ موجب طلاق نہیں صرح بہ فی الدر والشامیۃ فی فصل الطلاق بالکتابۃ، واللہ اعلم۔

۷ رمضان سنہ ۴۶ھ

حکم طلاق بلفظ طلاق ہی سمجھو

(سوال) مخدوم گرامی اعلیٰ حضرت قبلہ و کعبہ ام عالیجناب مولانا صاحب مدظلہ العالی!

السلام علیکم معاملہ نکاح لڑکی مسماۃ جمیلہ خاتون کے متعلق حسب الارشاد جملہ صاحبان کے بیانات تحریری علیحدہ علیحدہ لکھوا کر حضور انور میں پیش کرنا چاہتا ہوں، فقط والسلام۔

نوٹ :۔ یہ چھ عدد تحریرات تھیں ۔ ۱ میں زوج کا کوئی لفظ موجب طلاق نہیں صرف ایک لفظ مذکور ہے کہ میں نے طے کر لیا ہے کہ میں علیحدگی کر دوں (جو مضارع کا صیغہ ہی) تحریر دوم میں یہ لفظ بھی نہیں بلکہ صرف اس قدر ہے کہ زوج نے اول یہ کہا کہ فلاں فلاں صاحب میرے ساتھ مظفر نگر چلیں میں وہاں اس معاملہ کا تصفیہ کر دوں گا پھر اس سے کہا گیا کہ وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے جب تم تصفیہ کے لئے تیار ہو تو ابھی کر دو اس کے جواب میں زوج نے کہا کہ میں اپنے والدین سے مشورہ کے بعد بتلاؤں گا ۔

بقیہ تحریرات میں جو الفاظ تھے ان کو جواب اول میں نقل کیا گیا ہے اور انہی سے بحث کی گئی ہے ۱۲ ظفر

الجواب الاوّل : ان تحریرات میں تحریر سوم و چہارم و ششم میں یہ لفظ مذکور ہے کہ محمود نے کہا " اب بھی جواب دینے کو طیار ہوں میری طرف سے جواب ہی سمجھیں " اس کے بعد کسی میں یہ ہے کہ " ذرا میں جرتھاول ہو آؤں وہاں سے آ کر تصفیہ کر دوں گا " کسی میں یہ ہے کہ مجھ کو دعویٰ مہر کا کھٹکا ہے اس لئے مظفر نگر چل کر تم معافی نامہ مہر لکھ دو پھر میں طلاق نامہ لکھدونگا ۔

بہر حال لفظ جواب سمجھیں طلاق کا صریح لفظ نہیں بلکہ کنایہ ہے اور کنایہ بھی ایسا جو مذاکرہ طلاق میں بھی محتاج نیت ہے بوجہ لفظ سمجھیں بڑھانے کے جو ترجمہ گیر وانگار کا ہے جس میں فقہاء نے نیت کی ضرورت کی تصریح کی ہے ۔

عالمگیری میں ہے امرأة قالت لزوجها مرا طلاق ده فقال الزوج داده گیر او کرده گیر ان نوی یقع ویکون رجعیا وان لم ینو لا یقع ولو قال داده انگار او کرده انگار لا یقع وان نوی (ج ۲ ص ۲۷) قلت وهذا یدل علی الفرق بین گیر وانگار فی عرفهم ولیس ذلك فی بلادنا بل ترجمة کل واحد منهما عندنا واحدة ۔ وهذا کما تری قد صرحوا فیه بالوقوع بالنیة مع کون التکلم به بعد مذاکرة الطلاق ۔

اور تحریر پنجم میں یہ لفظ ہے کہ محمود نے یوں کہا کہ " میں تو رات بھی طلاق کی بابت کہا تھا میں تو رات بھی طیار تھا اور اس وقت بھی طیار ہوں جیسا زبان سے کہدیا ویسے دے دی ، اب تو کاغذ وغیرہ لکھنا باقی ہے وہ بھی لکھ دوں گا "

یہ بھی طلاق دینے میں صریح نہیں کیونکہ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جیسا زبان سے کہدیا کہ میں طیار ہوں ویسا ہی یہ کہنا ہو کہ طلاق دے دی اور اس سے بھی طلاق کا وقوع نہیں

ہو سکتا۔ بہر حال صورت مسئولہ میں جب تک شوہر یہ نہ کہے کہ میں نے یہ الفاظ (جن سے اس وقت جواب میں بحث کی گئی ہے)، طلاق کی نیت سے کہے تھے اُس وقت تک طلاق نہیں واقع ہوئی، فقط۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۳ / ربیع الاول ۴۷ھ

الجواب الثانی

من بعض علماء دیوبند

اللّٰھم انت الموفق للصواب

مجھ سے کہا گیا ہے کہ بعض اکابر نے امر کیا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق تو اپنا خیال ظاہر کر۔ اس لئے میں اظہار خیال پر مجبور ہوں اور چونکہ میرا منصب فتویٰ نویسی نہیں ہے اور مفتی کیلئے جس وسعت نظر کی ضرورت ہے میں اس کے بعید تر مقام پر بھی نہیں رکھا جا سکتا ہوں، اس لئے اگر اس میں غلطی ہو تو مستبعد نہیں اور اگر صحیح ہو تو اس کو آمر مدظلہ کی کرامت خیال فرمایا جاوے۔ اس گذارش کا منشا فقط یہ ہے کہ میری یہ تحریر چند پریشان خیالوں کا مجموعہ ہے اگر اکابر امت اس کی تصدیق کریں تو قابل عمل ہے ورنہ ردی کاغذ سے زیادہ اس کی وقعت نہیں۔ میں ان تمام کاغذات منسلکہ کو دیکھنے کے بعد سمجھتا ہوں کہ صورت زیر بحث میں طلاق بائنہ واقع ہو گئی ہے کیونکہ حسب بیان مستفتی زوجہ غیر مدخول بہا ہے۔

اس خیال کی بنیاد امور ذیل ہیں:

۱ اگر اس تدقیق میں وقت صرف نہ کیا جاوے کہ "دادہ گیر" اور "جواب ہی سمجھیں" میں ترجمۃً فرق ہے تاہم جب یہ مان لیا گیا کہ اس قسم کے الفاظ کنایات طلاق میں سے ہیں تو پھر طلاق نہ ہونا دشوار ہے کیونکہ وہ صریح سے صریح الفاظ اظہار نیت کے لئے بول رہا ہے کہتا ہے کہ پہلے بھی طیار تھا اب بھی طیار ہوں پھر اگر ان الفاظ سے نیت طلاق کا پتہ نہیں چلتا ہے تو اور کس طرح چلے گا۔ ہمارے پاس قائل کے الفاظ ہی ایسی چیز ہیں جن سے ہم اس کے ارادہ اور نیت کا پتہ چلا سکتے ہیں اور اگر ایک شخص کے الفاظ ہی اس کی نیت کو نہیں بتلا سکتے ہیں تو اگر کوئی شخص بصراحت بھی کہے کہ میری نیت یہ تھی قابل اعتبار نہ ہونا چاہئے۔ اس سے بھی قطع نظر نہ ہونا چاہئے کہ قتل عمد میں صرف آلہ جارحہ کے استعمال کو نیت قتل کے اظہار کا قطعی ذریعہ مان لیا گیا ہے۔ اگر قاتل بالآلات الجارحہ قسمیں کھا کر نیت قتل کا انکار کرے تو معتبر نہیں ہوتا تو جب قصاص ایسی مہتم بالشان چیز میں ایک قوی قرینے کو اس قدر درجہ

دے دیا گیا کہ نیت کا انکار معتبر نہیں تو اگر کسی شخص کے الفاظ اس کی نیت کو ظاہر کریں تو نیت پر جزم کرنا امر مستبعد نہیں۔ پس اگر باوجود مذاکرۂ طلاق کے ان الفاظ میں نیت طلاق شرط بھی ہو تب بھی نیت طلاق موجود ہے ملاحظہ ہو کاغذ ۳، ۴، ۵، ۶۔

۲ تحریر ۵ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ زوج نے کہا کہ "جیسا زبان سے کہدیا ویسے دیدی اب تو کاغذ وغیرہ لکھنا باقی ہے" اس سے صاف ظاہر ہے کہ زوج کے نزدیک تعلقاتِ زوجیت کے انقطاع کے تمام مراحل طے ہو گئے صرف کاغذ پر لکھنا باقی ہے اور ظاہر ہے کہ طلاق لسان سے ہے نہ کتابت سے پس طلاق واقع ہو گئی۔

۳ میرا خیال ہے کہ زوج کے یہ الفاظ کنایہ کی اس قسم میں داخل ہیں جن کو "صالح للجواب عن سوال المرأة طلاقها فقط" میں داخل کیا جا سکتا ہے ان میں رد وغیرہ کا احتمال میری فہم سے بالا ہے اور اس قسم کے الفاظ کا حکم فتاوی القرویہ میں اس طرح ہے ففی حال الرضاء لا یقع الطلاق بشئ منها والقول له مع یمینه وفی حال لمذاکرة الطلاق یقع بالصالح للجواب والرد بالنیة ویقع الطلاق بالصالح للجواب فقط والصالح للجواب والشتم بدون النیة وفی حال الغضب یقع بالصالح للجواب فقط بلانیة ویقع بالصالح للجواب والرد والصالح للجواب والشتم بالنیة۔ اسی کے حاشیہ پر ملتقی الابحر سے نقل کیا ہے فلو انکر النیة صدق مطلقا حالة الرضاء ولا یصدق قضاءً عند مذاکرة الطلاق فیما یصلح للجواب دون الرد والشتم۔

پس میرے خیال میں مذاکرۂ طلاق کی صورت میں یہ الفاظ محتاج نیت بھی نہیں ہیں۔

خلاصۂ گزارش یہ ہے کہ یا تو یہ الفاظ محتاج نیت ہی نہیں ہیں اور اگر ہیں تو زوج ہی کے الفاظ اس کی نیت طلاق کو بتا رہے ہیں اور حسب بیان مستفتی زوجہ غیر مدخول بہا ہی لہذا زوجہ مطلقہ بائنہ ہے بلا انقضاء عدت اس کا نکاح دوسرے شخص سے کیا جا سکتا ہی واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ محمد اعزاز علی غفرلہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ۔

اقول وباللہ التوفیق

احقر کی رائے میں بھی اس صورت میں طلاق بائنہ واقع ہو گئی جس کی تفصیل تحریر بالا میں مذکور ہے۔ فالجواب صحیح فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ دیوبندی۔ ☐ نشان مہر

احقر بھی حضرت مفتی صاحب کی تحریر سے اتفاق رکھتا ہے۔

الجواب صحیح، احقر محمد حمید حسن عفی عنہ دیوبندی۔

الجواب صواب، تبیہ حسن عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح مسعود احمد عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند، ۷ ربیع ۲ سنہ ۴۷ھ

الجواب صحیح، احقر الزمان گل محمد خان خادم دار العلوم دیوبند۔

الکلام علی ثانی الجواب

(من جامع امداد الاحکام)

واللہ الملھم للصواب

اقول وباللہ التوفیق وھو خیر معین ورفیق۔

① فاضل مجیب نے ۱۷ میں جس تدقیق میں وقت صرف نہیں کیا درحقیقت وہی قابل غور ہے اور اس میں ان کو تامل وغور کرنا اور وقت صرف کرنا لازم تھا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہم لوگ مجتہد نہیں بلکہ مقلد ہیں پس ہم کو فقہاء کے کلام میں غور کرکے کوئی نظیر واقعہ مسؤلہ کی نکالنا چاہئے تاکہ جواب محض قیاس مقلد پر مبنی نہ ہو بلکہ کلام فقہاء پر مبنی ہو۔ سو ہم نے جو اس واقعہ میں غور کیا تو متکلم کے لفظ "آپ میری طرف سے جواب ہی سمجھیں" کی چند نظائر کلام فقہاء میں ہم کو ملی ہیں ایک "دادہ گیر و کردہ گیر" جس کو جواب اول میں نقل کیا گیا ہے عالمگیری (ج۲ ص ۷۵) میں اس جزئیہ کو زیادہ وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ولفظہ فی النسفیۃ سئل عن امرأۃ قالت لزوجھا با تونمی باشم قال نا باشیدہ گیر فقالت ایں چہ سخن بود آن کن کہ خدائے تعالیٰ ورسول خدا فرمود۔ نیکو بگو طلاق تا بروم فقال طلاق کردہ گیر برو۔ ھل یقع الطلاق ان نوی الایقاع؟ یقع واحدۃ اھ وفی الخلاصۃ ولو قالت مرا ایلہ کن فقال ایلہ کردہ گیر ان نوی یقع اھ (ج۲ ص ۷۹)ع اور ظاہر ہے کہ طلاق کردہ گیر اور یلہ کردہ گیر الفاظ کنایات طلاق میں سے ہیں ورنہ بعد نیت کے بھی اُن سے وقوع نہ ہوتا مگر بایں ہمہ بعد طلب طلاق ومذاکرۂ طلاق کے بھی وقوع طلاق کو

ع قلت وقد صرح فی العالمگیریۃ ان قولہ یلہ کردم ترا تفسیر قولہ طلقتک عرفا حتی یکون رجعیا ویقع بدون النیۃ اھ ج۲ ص ۷۲۔ وانما صار کنایۃً لزیادۃ قولہ گیر فافھم ۱۲ منہ

مقید بالنیۃ کیا گیا ہے۔ اور یہاں یہ بات قابل تنبیہ ہے کہ فقہاء نے جن الفاظ میں باوجود مذاکرۂ طلاق کے بھی وقوع طلاق کے لئے نیت کو شرط قرار دیا ہے وہاں مطلب یہ ہے کہ متکلم بوقت تکلم کے ان الفاظ سے ایقاع طلاق کی نیت کرے محض قرائن نیت کافی نہ ہوں گے ورنہ مذاکرۂ طلاق کے بعد جو کہ نیت کا قوی قرینہ ہے کما صرحوا بہ قاطبۃً نیت کا شرط کرنا محض فضول و لغو ہوگا۔ اس سے فاضل مجیب کے اس قول کا جواب معلوم ہو گیا کہ:

"جب یہ مان لیا گیا کہ الفاظ کنایات طلاق سے ہیں تو پھر طلاق نہ ہونا دشوار ہے کیونکہ جو صریح سے صریح الفاظ اظہار نیت کے لئے بول رہا ہے کہتا ہے کہ پہلے بھی طیار تھا اب بھی طیار ہوں الخ۔"

کیونکہ اول تو اس میں صرف آمادگی کا اظہار ہے اور آمادگی بر طلاق عزم طلاق کو مستلزم نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ آمادگی کسی مصلحت یا شرط کے ساتھ مشروط ہو کہ بدون اس کے تحقق کی آمادگی ہی متحقق نہ ہوگی تا بالعزم چہ رسد اور واقعہ مسئول عنہا میں زوج نے جس قدر بھی آمادگی طلاق پر ظاہر کی ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اول دین مہر کی طرف سے اس کا کافی اطمینان ہو جاوے بدون اس شرط کے تحقق کے نہ اس کی طرف سے آمادگی کا تحقق ہے نہ عزم کا اور اس شرط کے ذکر پر تمام شہود متفق ہیں پس اول تو آمادگی بر طلاق عزم طلاق کو مستلزم نہیں اور اگر ہو بھی تو ان قرائن کی حیثیت مذاکرۂ طلاق سے زیادہ نہیں مگر فقہاء نظائر مذکورہ میں باوجود مذاکرہ کے جو ان کے نزدیک قرینہ قویہ نیت طلاق کا ہے پھر بھی نیت زوج کو ضروری بتلاتے ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان الفاظ کے تکلم کے وقت ایقاع طلاق کی نیت شرط ہے جو بدون اقرار زوج کے معلوم نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد میں فاضل مجیب کو اس پر بھی متوجہ کرتا ہوں کہ انہوں نے اس مقام پر قتل کی نظیر بیان کرنے میں سخت مسامحت کی ہے کیونکہ قتل افعال حسیہ میں سے ہے، عقود و فسوخ کی جنس سے نہیں ہے عقود و فسوخ کا تحقق محض الفاظ سے ہوتا ہے اس لئے وہاں صریح و کنایات اور نیت سے بحث لازم ہے اور افعال حسیہ کا وجود الفاظ سے نہیں ہوتا بلکہ فعل حسی سے ہوتا ہے وہاں نیت سے کچھ بحث نہیں۔ پس جب فعل حسی یعنی قتل بالجارحہ کا تحقق ثابت ہو گیا اب نیت قتل کا انکار نفی قتل میں لغو ہے۔ اور اگر طلاق و نکاح کا تحقق بھی ایجاب و قبول یعنی الفاظ سے نہ ہوا کرتا بلکہ کسی عمل سے ہوتا تو بعد ثبوت

عمل یہاں بھی نیت کی بحث کو لغو کہا جاتا اور قتل و زنا میں بھی اگر ایسی صورت ہو جہاں ثبوت زنا و قتل کا مدار بیّنہ پر نہ ہو بلکہ صرف اقرار ملزم پر ہو اور اس صورت میں ملزم یوں کہے کہ "آپ مجھ کو ہی قاتل سمجھ لیں" یا یوں کہے کہ "مجھی کو زانی سمجھ لیں" تو ہم یقین کرتے ہیں کہ ایسے مجمل و محتمل اقرار سے فاضل مجیب بھی اُس کو محل قصاص و محل رجم نہ قرار دیں گے۔

فاضل مجیب کو طلاق کی نظیر میں نکاح و بیع وغیرہ کا ذکر مناسب تھا جو مثل طلاق کے الفاظ سے ثابت ہوتے ہیں۔ اب وہ غور کریں کہ اگر کوئی شخص نکاح کی مجلس میں ایجاب کے بعد یہ نہ کہے کہ میں نے قبول و منظور کیا بلکہ یوں کہے کہ آپ میری طرف سے قبول ہی سمجھیں تو کیا اس کو بدون نیت کے صریح قبول مانا جائے گا گو وہ اس سے پہلے قبول نکاح پر کیسی ہی آمادگی اور طیاری ظاہر کر چکا ہو؟ یقیناً یہاں آپ بھی یہی کہیں گے کہ یہ الفاظ قبول میں صریح نہیں بلکہ نیت پر مدار رکھا جائے گا اگر اس نے اس لفظ سے انشاء قبول کی نیت کی ہے تو قبول ہے ورنہ محض وعدہ ہے قال فی الخلاصة لو قال لامرأة اجنبية خويشتن بزنی بمن ده فقالت داده گیران نوت وهناك شهود صح قال واما فی البيع والاجارة وكل ما يتعلق بالمال بان قيل لرجل بع هذه الدار منی فقال فروخته گیر وقبل فلان فلا يصح اھ (ج ۲ ص ۹۷)۔

دوسری نظیر واقعہ مسئولہ کی فقہاء کے کلام میں دادہ انگار و کردہ انگار ہے جس میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ باوجود نیت کے بھی وقوع طلاق نہ ہوگا۔ قاضی خان نے اس کو زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے امرأة قالت لزوجها مرا طلاق ده وقال الزوج داده انگار او قال کرده انگار لا يقع الطلاق وان نوى كانه قال لها بالعربية احسبی انك طالق وان قال ذلك لا يقع وان نوى اھ (ج ۲ ص ۲۱۰) اسی قاضیخان میں (ج ۲ ص ۲۱۴) پر ہے ولو قيل لرجل اطلقت امرأتك؟ فقال عدها مطلقة او احسبها مطلقة لا تطلق امرأته اھ اور اگر تامل صادق سے کام لیا جائے تو لفظ جواب ہی سمجھیں کا ترجمہ طلاق دادہ گیر سے زیادہ قریب طلاق دادہ انگار و احسبی انك طالق و عدها مطلقة ہے اور ان میں فقہاء باوجود نیت کے بھی وقوع طلاق کے قائل نہیں اور دادہ گیر کا ترجمہ صحیح یہ ہے کہ "طلاق ہی مان لو"۔ پس صورت مسئولہ میں اگر متکلم نے یوں کہا ہوتا کہ "آپ میری طرف سے جواب ہی مان لیں" تو بیشک یہ لفظ طلاق دادہ گیر

کی صریح نظیر تھی جس سے لبشرط نیت الیقاع بوقت تکلم وقوع طلاق کا ہوجاتا اور جواب ہی سمجھیں میں حکم وقوع طلاق دشوار ہے اور بدون نیت بوقت تکلم کے تو دشوار تر ہی فاضل مجیب وقت صرف کرکے اس میں دوبارہ غور کریں۔

(۲) فاضل مجیب نے اس نمبر میں سخت مسامحت سے کام لیا ہے کہ زوج کے قول کو نقل کرکے یہ نہیں بتلایا کہ الیقاع طلاق کا حکم کس لفظ کی وجہ سے ہی زوج کے الفاظ یہ ہیں "میں نے تو رات بھی طلاق کی بابت کہا تھا میں تو رات بھی طیار تھا اور اس وقت بھی طیار ہوں جیسا زبان سے کہدیا ویسے دے دی اب تو کاغذ وغیرہ لکھنا باقی ہے وہ بھی لکھدونگا" فاضل مجیب کو چاہیئے تھا کہ اس کلام میں وہ لفظ معین کرتے جس سے ایقاع طلاق ثابت کیا گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ زوج کے نزدیک تعلقات زوجیت کے انقطاع کے تمام مراحل طے ہو گئے صرف کاغذ پر لکھنا باقی ہے الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مجیب کے نزدیک لفظ "اب تو کاغذ وغیرہ پر لکھنا باقی ہے" سے وقوع طلاق کا ہوا ہے حالانکہ یہ لفظ الفاظ الیقاع میں سے ہرگز نہیں اگر کسی شخص نے ایک مرتبہ بھی انشار طلاق و الیقاع کا لفظ زبان سے نہ نکالا ہو اور وہ لاکھ مرتبہ یہ کہتا پھرے کہ " اب تو کاغذ وغیرہ لکھنا باقی ہے" تو ہرگز کوئی مفتی اس لفظ سے الیقاع طلاق کی جرأت نہیں کرسکتا اور اگر لفظ "جیسا زبان سے کہدیا ویسا دیدی" کو موجب وقوع سمجھا گیا ہے تو فاضل مجیب کو لازم تھا کہ سیاق وسباق کے ساتھ ملا کر اس مہمل جملہ کا مطلب بھی واضح کرتے تاکہ دوسروں کو غور کا موقعہ ملتا کہ فاضل مجیب نے اس کے کیا معنی سمجھے اور اس کو کس قاعدہ سے موجب الیقاع طلاق قرار دیا ظاہر ہے کہ اس جملہ میں لفظ جیسا ویسا تشبیہ کا حرف ہے جس سے قائل نے ایک شے کے دینے کو زبان سے کہی ہوئی بات کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور زبان سے جو بات اس سے پہلے کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ "میں رات بھی طیار تھا اور اس وقت بھی طیار ہوں" جس کا حاصل صرف یہ ہے کہ وہ آمادگی بر طلاق کو اعطار طلاق کے ساتھ تشبیہ دے رہا ہے یعنی تم میری اس ظاہر کردہ آمادگی کو مثل طلاق دینے ہی کے سمجھو اب ہم منتظر ہیں کہ فاضل مجیب فقہ کی کس جزئی سے اس کا ثبوت دیں گے کہ تشبیہ آمادگی بر طلاق با اعطار طلاق یا اس کا عکس موجب وقوع طلاق ہے میرا خیال ہے کہ وہ اس کو ہرگز ثابت نہیں کرسکتے پھر حیرت ہی کہ متکلم کے کلام کا تو کوئی جزو موجب وقوع نہیں اور فاضل مجیب اس کا خلاصہ اپنی

عبارت میں نکال کر حکم وقوع کر رہے ہیں۔

اس کے بعد فاضل مجیب نے دوسری مسامحت یہ کی کہ اس امر میں غور نہیں کیا کہ جس لفظ سے وہ نمبر دوم میں بحث کر رہے ہیں اس کا ناقل وشاہد صرف ایک شخص ہے اور ایک شخص کا قول باوجود عدالت کے بھی باب طلاق میں حجت نہیں پھر جس لفظ کے ناقل دو تین بھی ہیں ان میں بھی عدالت شرط ہے فاضل مجیب کو حکم وقوع لگانے سے پہلے یہ معلوم کرلینا ضروری تھا کہ عدد شہادت کامل ہے یا نہیں اور شہود عادل ہیں یا نہیں، اور کوئی وجہ مخاصمت بالزوج یا اتحاد مع الزوجہ تو موجود نہیں اور اس کی ضرورت مجیب اول کو نہ تھی کیونکہ اس نے عدم وقوع کا فتویٰ دیا ہے ولاحاجۃ فی عدم الوقوع الیٰ ھذہ الشرائط ھذا وقد صرح الفقھا بلزوم الافتاء بالقضاء لا بالدیانۃ کما فی اوائل رد المحتار واواخر الحامدیۃ۔

(۳) اس نمبر میں فاضل مجیب نے فیصلہ کیا ہے کہ میرے خیال میں زوج کے یہ الفاظ کنایہ کی اس قسم میں داخل ہیں جن کو صالح للجواب عن سوال المرأۃ طلاقھا فقط میں داخل کیا جاسکتا ہے الخ

اس کے متعلق عرض ہے کہ ہمارا اور آپ کا محض خیال فتویٰ میں کافی نہیں بلکہ زوج کی طرف جو الفاظ شہود نے منسوب کئے ہیں ان کو فقہاء کے کلام میں غور کرکے کسی جزئی پر منطبق کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ لفظ فلاں لفظ کی نظیر ہے جو محض صالح للجواب ہے، اس لئے یہ بھی محض صالح للجواب ہے اس کے بعد حکم وقوع صحیح ہوگا والافلا اور محض قاعدہ کلیہ بیان کردینا کافی نہیں اس سے تو ہر طالب علم واقف ہے۔

آپ کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہے کہ ان میں ردوشتم کا احتمال فہم سے بالا ہے لیکن ان الفاظ میں احتمال وعدوتسلیہ ضرور ہے ہمارے محاورہ میں وعدہ کے وقت کہا کرتے ہیں کہ اس کام کو ہوا ہی سمجھو، تم میرے پیغام کو نکاح ہی سمجھو، میری بات کو قبول ہی سمجھو۔ اسی قبیل سے یہ قول ہے کہ آپ جواب ہی سمجھیں۔ یعنی جواب ہوا ہی چاہتا ہے۔ اور جب یہ کلام محتمل وعدوتسلیہ ہے تو پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہے کہ یہ صالح للجواب عن سوال الطلاق فقط میں داخل ہے۔ فاضل مجیب غور فرمائیں کہ عورت کے سوال طلاق کے بعد شوہر کا یہ کہنا طلاق دادہ گیر یا یلہ کردہ گیر اس میں کیا احتمال ردوشتم کا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ

ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ جواب سوال طلاق کے سوا کسی شئ کو رد و شتم میں سے محتمل نہیں مگر چونکہ اس میں دہی احتمال وعدہ کا اور امید دلانے کا ہے اس لئے فقہاء نے اس میں باوجود مذاکرۂ طلاق کے نیت القاع کو شرط کیا ہے اور طلاق انگار و احسبی انک طالقۃ وعدھا مطلقۃ و احسبھا مطلقۃ میں باوجود نیت کے بھی عدم وقوع کی تصریح فرمائی ہے کیونکہ یہ لفظ معنئ وعدہ میں صریح ہے جس کی نظیر[عہ] یہ ہے کہ کوئی سوال طلاق کے بعد یوں کہے طلاق کنم طلاق کنم تو اس سے بوجہ معنئ وعد کے وقوع نہ ہوگا قال فی الھندیۃ قالت لزوجھا من با تو نمی باشم فقال الزوج مباش فقالت طلاق بدست تو است مرا طلاق کن فقال الزوج طلاق میکنم وکرر ثلاثا طلقت ثلاثا بخلاف قولہ کنم لانہ استقبال فلم یکن تحقیقاً بالشک وفی المحیط لو قال بالعربیۃ اطلق لایکون طلاقا ای مع النیۃ کما صرحوا بہ ۱۲ منہ الا اذا غلب استعمالہ للحال اھ (ج ۲ ص ۴۷)۔

یہ تو جملہ اولی کے متعلق گذارش تھی اب جملہ ثانیہ کے بابت جو تحریر ۵ میں ہی عرض ہے کہ لفظ جیسا زبان سے کہدیا ویسے دیدی اب تو کاغذ وغیرہ لکھنا باقی ہے الخ یہ الفاظ طلاق میں سے ہے ہی نہیں کیونکہ اس میں محض تشبیہ اعطاء طلاق بالقول السابق ہی اور اس سے وقوع طلاق کا کوئی احتمال نہیں پھر اس قول میں کہ جیسا زبان سے کہدیا ویسے دے دی اضافت طلاق الی المرأۃ بالکل نہیں ہے نہ لفظاً کما ھو ظاھر نہ معنیً کیونکہ عورت کو خطاب نہیں نہ بوقت اس کلام کے وہ سامنے تھی اور طلاق کا جو ذکر اس سے پہلے ہو رہا تھا وہ بھی ابہام کے ساتھ بدون اضافت کے تھا قال فی الخانیۃ امرأۃ قالت طلقنی ثلاثا فقال الزوج اینک ہزار طلاق لا تطلق امرأتہ لانہ کلام محتمل (ج ۲ ص ۲۱۵) ای لعدم الاضافۃ بخلاف قولہ اینکت ہزار طلاق حیث تطلق ثلاثا کما فی الخلاصۃ واللہ تعالیٰ اعلم اور عدم اضافت کا احتمال لفظ اول میں بھی ہے یعنی قول زوج آپ جواب ہی سمجھیں میں کیونکہ بجز ایک شاہد کے

عہ اور یہ بھی پوری نظیر نہیں کیونکہ مضارع میں بعد نیت کے وقوع ہوجاتا ہی اور الفاظ مذکورہ میں بعد نیت کے بھی وقوع نہیں ہوتا لیکن اس کو محض اس بات کے بتلانے کے لئے ذکر کیا گیا ہی کہ معنی وعد کا احتمال وقوع طلاق کی نفی کر دیتا ہے ۱۲ منہ

کسی نے اضافت کی تصریح نہیں کی پس فاضل مجیب کو حکم وقوع طلاق کرتے ہوئے سب پہلوؤں پر غور کرنا لازم تھا اور باب طلاق میں اضافت کا مسئلہ ایسا مشکل ہے جس کو بہت ہی کم لوگ حل کر سکتے ہیں لاختلاف اقوال الفقهاء فیها، و تشابه النظائر وتشاکلها، هذا ما عندی ولم آلُ جهدًا فی تحقیق المسئلة وتنقیحها وشرحها وتلقیحها وفوق کل ذی علم علیم، فالله سبحانه وتعالی اعلم، وعلمه اتم واحکم.

حررہ ظفر احمد ۱۱ ربیع الثانی سنہ ۴۷ھ۔

| تحقیق مسئلہ ہدم بزبان عربی |

الاستفتاء:- رجل طلق امرأته مرتین واثناء عدتها ما راجعها وما امسکها وما طلقها ثالثة حتی انقضت عدتها وبانت منه وهی منفردة منه فی بیتها وبعد برهة من الزمان سنح له ان ینکحها نکاحًا جدیدًا فنکحها لکن بعد مدة حدث حادث ما، فطلقها طلقة واحدة. فی هذه الصورة یقول عامة الفقهاء الاعلام انها فی هذه الطلقة الواحدة حرمت علیه حرمة غلیظة حتی لا تحل له حتی تنکح زوجًا غیره وهذا لا یفقهه حق التفقه وما ذکروا فی الکتب لا ینتقح البتة بل ینصرح خلافه فیاله من داء عقام ولعمری من این اخذ واهذا الحکم الشدید الضیق کثیر الحرج غایتها أمن القرآن الحکیم او من السنة السنیة الصحیحة ومن القرآن الشریف لا تصل الی ایدیهم الا آیة اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ الآیة وکلما یغور النظر فی الآیة یجدها آبیة من ان یمکن منها اخذه کیف والآیة تحکم بان الرجل اذا نکح امرأة یملكعه طلقات ثلثة فان طلق مرتین فله اختیار امرین اما یراجعها ویمسکها او یسرحها

عه لم یتعرض القرآن بذلك صریحا وانما ثبت ذلك بسنة، فان کانت السنة حجة فی ذلك فلتکن حجة فی غیره من الاحکام ۱۲ منه۔

ای یطلقها مرة ثالثة حیث فسر النبی صلعم کذا فی جواب سوال الصحابی فاین الثالثة؟ قال او یسرحها فالصورة المحکومة علیها فی القرآن ان الرجل اذا طلق امرأته مرتین فله ان یراجعها او یطلقها ثالثا فی اثناء عدتها اذ الرجعة انما تتصور فی العدة والطلقة الثالثة تنفذ[عه] اذا وقعت فی العدة فان طلقها کذا فلا تحل له حتی الآیة فقوله تعالیٰ فان طلقها اعادة للتسریح المذکور یترتب علیها الحکم الآتی وانت خبیر انما الآیة تقتضی ان الطلقة الثالثة اخرجتها عن صلوحها لمحلیة النکاح الجدید بالمطلق حتی تنکح زوجًا غیره والصورة المستشکلة وراء تلک الصورة لا یوافقها بل یباینها اذ فی هذا ما امسکها وما سرحها بل ترکها علی حالها حتی بانت وعادت الیٰ حالتها الاولیٰ حیث لا تحل له حتی ینکحها نکاحًا صحیحًا جدیدًا اذ النکاح بانقضاء العدة قد انعدم بالمرة وانصرم بالکلیة ولم یبق اثره البتة الیس حین بانت منه بانقضاء عدتها صارت اجنبیة منه ولم تصلح محلاً بالتصرف ولا یحل له وطیها ولا مسها بشهوة ولا ینفذ تطلیقها ثالثًا اذ التطلیق انما تتصور فی النکاح اما قبل حدوثه او بعد زواله فلا اذ لم یصادف محلاً وهل تجب علیه بعد انبتات عدتها نفقتها او کسوتها وغیر ذلک ولا اظن احدًا هجس به نفسه فتفوه به الیٰ ورے ان مات هو لا تعتد هی عدة الوفاة ولا ترثه وهو لا یرثها ان ماتت هی حین بانت منه بانقضاء العدة فبعده ان نکحها کان نکاحًا جدیدًا[عه] ولابد

عہ لانسلم توقف نفاذها علی العدة؛ بل تنفذ بعد العدة أیضا إذا تزوجها ثانیا، وقوله تعالیٰ "أو تسریح بإحسان" یعم التسریح فی العدة وبعدها، فمن أین للسائل أن یقیده بزمان العدة؟ ۱۲ منہ۔

عہ لقائل أن یقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثًا فکیف حرمها الله تعالیٰ علیه حتی تنکح زوجًا غیره؟ فهل إذا انکحت غیره یکون نکاحه بها نکاحًا جدیدًا؟ ولا یکون کذالک إذا انکحها بغیر ذلک، مع أنها صارت أجنبیة عنه، لا یرثها ولا ترثه، فإن کان لتتزوج بزوج آخر یغیر المرأة عن حالها، ولا تتغیر بدون ذلک، أی: الحل، فکذا یجوز أن لا یتغیر حال إمرأة بقضاء عدتها بعد طلقتین کل التغییر وإن کان قد تغیر تغییر امّا، فافهم ۱۲ منہ۔

اذا الايجاب والقبول جديدان والتراضى جديد والمهر جديد وكذا الشهود ولا يمكن ان يكون هذا النكاح هو الاول والا يلزم اعادة المعدوم او تحصيل الحاصل وقوانين الشرع لا تساعده شيئا وهى حينئذٍ تكون تصلح لنكاح كل احد وخطبته واذا النكاح الاول كان باقيا كانت لم تصلح فاذن قد ثبت ان النكاح الاول وتوابعه بمعزل من ان يعد او ينضاف الى هذا وصار كان لم يكن شيئاً مذكورا وانقضاء عدة الطلقة الثانية لا يخرجها عن صلاحها لمحلية النكاح الجديد بالمطلق نعم ازال مالكية للطلقة الثالثة بالمرة وبعبارة اخرى وطى الزوج الثانى فى الصورة المحكومة عليها فى القرآن الشريف لا يملكه للطلقات الثلاثه جديدا بالذات بل بالعرض انما يأهله لان ينكحها جديدا فهذا النكاح الجديد يصيره مالكا للطلقات الثلاثة بالذات او هو يملك بنفسه للطلقات الثلاثة بعد النكاح و حيث لا يتوقف نكاحا جديداً ايضا لا يتوقف مالكيته للطلقات الثلاثة البتة والاثر المروى يحدث عن رجل من قومه عن رجل من اصحابه صلعم فيه ضعف ومجهول بيّن كيف يوخذ منه الحكم الشديد الضيق كثير الحرج ينبغى لرجل فقيه ان يسلك مسلك اليسر والرفق دون العسر و الرتق مهما امكن يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر ما جعل عليكم فى الدين من حرج سيما اذا قامت عليه الحجة فهى المحجة كيف

عه وان ادعى احد ان توقف جواز النكاح بعد الطلقات الثلاث على النكاح بزوجٍ آخر من الحرج فهل يقول السائل بجوازه بدونه؟ ۱۲ منه.

يجترأ احد وكيف يسوغ لفقيه ان يحرم فرجًا[عه] على من اباحه الله تعالى ليعين من النكاح ويحل على رجل حرمها عليه وليس معه حجة قوية نفيحة ولا سنة صريحة صحيحة ونحن نذعن ان الصحابة كانوا اعمق علمًا و ارزق ذهنًا واحق حكمًا وادق فقها ورئيا فنتحير كيف سلكوا هذا المسلك الوعرة بل نظن وقع الغلط فى النقل[عه] عنهم[له] نعم يتضح هذا فى ما اذا امسكها وراجعها واعادها اليه فى اثناء عدتها حيث تعود اليه بما بقى وقول ابن[عه] عباس رضى الله عنه نكاح جديد وطلاق جديد لعمرى هو اشبه واحق واحرى بالقبول ولا يتوقف هذا على نكاح زوج الثانى اواصابته اذلا اثر له ولا تعلق بوجه ما البتة ليس الا وذكر الزوج الثانى انما هو بالاتفاق اذ الحادث لعله قد اتفق كذا واما بالحكم فلامساس له البتة كما لا يخفى وتحس اثرا اوتشم رائحة من قول حبر الائمة ابن عباس رضى الله تعالى عنه نكاح جديد وطلاق جديد ان تجدد النكاح انما تكون اذا اصابها زوج اٰخر كلا ولم يثبت ولم يتحقق فيها قضاء رسول الله صلى الله عليه وسلم بذلك كيف ولو كان فما بال حبر الائمة امام الائمة نحريرا النجمة اذقد خفى عليه مثل هذا القضاء مع سعة الفضاء والعجب على العجب من الفقهاء الاعلام كيف سطحوا[للعه] النظر

عه وكيف يجوز لعالم ان يحلل فرجا حرمه الله ورسوله لاحد ۱۲.

عه واختلط الصور بعضها ببعض وهو برئ منه وكيف ماهو والله اعلم ۱۲ من السائل.

له على الناقل تصحيح النقل فان ابن عباس لم يقل بذلك الا اذا مات زوجها بعد تخلل النكاح بزوج غيره ۱۲ -

للعه يا عجبا ممن لا يحسن العربية ولا كتابة كيف يطعن على الفقهاء الاعلام ويجعل نظرهم سطحيا ونظره غائرا وهل هذا الا الضلال ۱۲ ظفر .

ههنا غاية السطيحة ولم يعمقوها قليلاً فزعموا بما هو مخالف العقل و النقل هذا ولعل الله يحدث بعد ذلك امراً۔

الجواب: اقول وبالله التوفيق۔ كلما ذكره السائل اغلوطة محضة لا يلتفت اليها مؤمن فی قلبه حب الله ورسوله وعزة الايمان وليت شعری هل هو مجتهد ام مقلد فان كان مجتهداً فليجعل نفسهٔ عرضة للامتحان لكی يكرم او يهان وايضاً فلا يجوز لمجتهد احداث قول قد اجمع السابقون من المجتهدين علی بطلانه وان كان مقلداً فليس له الا التسليم لما قاله الفقهاء المجتهدون قبله ومن اين له ان يعترض علی النقل الصحيح والافير تفع الامان عن الشريعة المطهرة علی مبلّغها الف الف تحية۔ هذا وقد اجمع المجتهدون من الفقهاء والمحدثون من العلماء والراسخون من الفضلاء علی ان المرأ اذا طلق امرأته ثلاثا مجتمعة او متفرقة سواء كان بعد ما تزوجها ثانيا بشرط عدم تخلل نكاحها بزوج اٰخر دونه فهی طالق عليه ثلاثا لا تحل له حتی تنكح زوجا غيره واما ابن عباس فانما قال نكاح جديد وطلاق جديد اذا تزوجها الاول بعد تخلل نكاحها بزوج اٰخر فقال يهدم الواحدة والثنتين و الثلاث وبمثله قال ابن عمر كما فی كتاب الاٰثار لمحمد بن حسن (رض) ولم ينقل ذلك اذا تزوج بها من غير تخلل النكاح بغيره ومن ادعی فعليه البيان والی الله المشتكی مما احدثه هذا السائل فی الشرع فلم يسبقه احد اليه، والله تعالیٰ اعلم۔

وايضا فان قوله تعالیٰ او تسريح باحسان ليس بصريح فی الطلقة الثالثة وانما يوخذ منها ذلك ببيان الصحابة عن رسول الله صلی الله عليه وسلم وليس فی القراٰن ان الرجل يملك علی زوجته ثلاث تطليقات وانما فيه الطلاق مرتان فلما كان بيان الرسول بنقل اصحابه حجة فی تفسير التسريح بالاحسان بالطلاق الثالث فليكن كذلك قولهم ان التسريح يعم ما اذا طلقها ثالثا فی النكاح الاول او فی الثانی او فی الثالث

مالم یتخلل النکاح بزوج اٰخر غیرہ، نافہم۔

۸ رجمادی الاولیٰ سنہ ۴۸ھ

حکم لزوم کفارہ وعدم وقوع طلاق جبکہ شوہر یہ حلف اٹھائے کہ خدا کی قسم تیرے ہاتھ کا کھانا کھاؤں تو اپنی ماں سے زنا کروں

(سوال) کسی نے حالت غصہ میں اپنی زوجہ کو کہا کہ تیرے ہاتھ سے کبھی نہیں کھائیں گے خدا کی قسم اگر کھائیں تو میں میرے ماں کے ساتھ زنا کروں گا کئی دن بعد اس نے اس کے ہاتھ سے کھانا شروع کر دیا اس پر طلاق واقع ہوگا یا نہیں اگر واقع ہو تو کے طلاق اور کیا کرنا ہوگا اور اگر نہ ہو تو حلف صادق آئے گا یا نہیں اور اگر صادق ہو تو کفارہ لازم ہوگا یا نہیں اگر ہو تو کیسا بالتفسیر لکھنا، فقط؟

الجواب؛ صورت مسئولہ میں یعنی جبکہ بیوی سے یوں کہا خدا کی قسم اگر تیرے ہاتھ کا کھانا کھاؤں تو اپنی ماں کے ساتھ زنا کروں اور پھر اس کے ہاتھ کا کھانا کھالیا تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ قسم کا کفارہ دینا لازم ہوگا ۔ واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، ۹ رشوال ۴۵ھ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۰ رشوال ۴۵ھ۔

وقوع طلاق کے لئے الفاظ طلاق پر تلفظ شرط ہے

(سوال) معروض یہ ہے کہ ایک شخص نے بلا تلفظ یعنی دونوں ہونٹ بند ہونے کی حالت میں اپنی زوجہ کو طلاق دی اور کچھ حرکت دونوں ہونٹ میں اور زبان میں بھی اندر ہی اندر ہوئی یعنی ہلنا پایا گیا غرض دونوں ہونٹ ایک دوسرے کے ساتھ ملے رہے اور زبان میں اندر ہی اندر حرکت ہوئی اور دونوں ہونٹ میں بھی حرکت ہوئی بند ہونے کے حالت میں جس قدر حرکت ہو سکے اور بے تلفظ اپنی زوجہ کو طلاق دی یہ طلاق واقع ہوئی یا نہ ہوئی امید ہے کہ جواب سے ممنون فرمادیں؟ الحاصل یہ طلاق دینا تلفظ کے ساتھ نہ ہوا اور دل ہی دل میں بھی نہیں بلکہ بین بین جیسا کہ تفصیلاً عرض کیا گیا زبان میں اور دونوں ہونٹوں میں بند ہونے کی حالت میں جس قدر حرکت ہو سکے حرکت پائی گئی مگر تلفظ قطعاً نہیں جب تلفظ نہیں تو دل ہی دل میں شمار کیا جاوے یا نہیں؟

الجواب؛ صورۃ مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ وقوع طلاق کے لئے تلفظ شرط ہے اور منہ بند کر کے جو زبان کو حرکت دی گئی ہے وہ تلفظ نہیں ہے لان المشائخ

اختلفوا فی حد النطق والتلفظ علی ثلثة اقوال فبعضهم قالوا هو خروج صوت یصل الی اذنه (ای ولو حکما کما کان هناك مانع من صمم او جلبة اصوات او نحو ذلك قاله الشامی) وبعضهم قالوا هو خروج الصوت من الفم وان لم یصل الی اذنه لکن بشرط کونه مسموعًا فی الجملة حتی لو ادنی صماخه الیٰ فیه یسمع والقول الثالث انه یکفی تصحیح الحروف کما هو المذکور فی البحر و رد المحتار وفتح القدیر وغیرها من کتب الفقه ولا یخفی ان الصورة المسئولة لا یصدق علیه حد التلفظ علی احد من الاقوال الثلثة اما علی الاول والثانی فظاهر لا یحتاج الی البیان واما علی الثالث فنقول ان المراد بکفایة تصحیح الحروف ان مجرد خروج الصوت (ای الهواء المتموج) من الفم یکفی وان لم یکن مسموعا قط ولیس مرادهم ان مجرد تحریك اللسان ووضعه علی المخارج یکفی بدون الصوت لان الصوت ماخوذ فی حد الحرف کما قال صاحب کشاف الاصطلاحات عرفه القراء بانه صوت معتمد علی مقطع محقق او مقدر وعرفه ابن سینا بانه کیفیة للصوت بها یمتاز الصوت عن صوت آخر (ص ۳۱۹) والصوت کیفیة تحدث فی الهواء من تموجه بسبب قرع او قلع مع المقاومة کما فی حاشیة المیبذی عن العلمی۔ فثبت ان تصحیح الحرف لا یاتی بدون التموج فی الهواء و لا یخفی ان التموج لا یحدث بغیر انفتاح الشفتین، والله اعلم۔

فائدہ:۔ القول الاول اصح وارجح لاعتماد اکثر علمائنا علیه کما نقله الشامی عن فتاوی الخیریة واختاره صاحب التنویر فی القراءة وقال بعدہ یجری ذلك فی کل ما یتعلق بنطق کتسمیة علی ذبیحة ووجوب سجدة تلاوة وعتاق وطلاق وقال صاحب الدر متفرعًا علیه فلو طلق او استثنیٰ ولم یسمع نفسه لم یصح فی الاصح ولکن القول الثالث ایضًا مصحح کما فی الشامی عن الخیریة ایضًا فینبغی الاخذ بالاحوط ای یعمل بالاول فی القراءة والتسمیة و الاستثناء وبالثالث فی السجدة والعتاق والطلاق وهذا آخر ما اردنا ایراده فی هذا المقام بتوفیق الملك العزیز العلام، کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ ۸ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ

حکم طلاق مدہوش وغیرہ

(سوال) چہ میفرمایند علمائے شریعت غرا و فضلائے ملت بیضاء اندرینکہ شخصے مسمی بطفیل علی چہار پنج سال میگذارد کہ وے بمرضے شدید تا مدت مدید مبتلا گشتہ بود کہ اندرون دہان او دُمّلی ہائل وجراحتی عظیم پیدا شد تکالیف شاقہ و آلام و اوجاع متنوعہ ازان کشیدہ بود دو سہ بار طبیب نشتر زدہ آنرا شگافتہ انواع مواد فاسدہ از ریم واز و آب وخون فاسد ازان برآوردہ بود بالجملہ قریب بمرگ رسیدہ بود و در بستر موت خفتہ اما بسبب بقائے مدت حیات بحکم این مقولہ صادقہ بیت ؎

اگر در حیاتت بماندہ است دیر ؛ نہ مارت گزاید نہ شمشیر و شیر

آہستہ آہستہ ازین مرض ہائل سبکدوش گردید اما اثرش تاہنوز باقی ست کہ اگر خلاف مرضی چیزے از کسی از زن و فرزند و مادر و برادرش سرزد شود چنان در طیش آید کہ چشمش خیرہ و دماغش متغیر و عقلش مختل گردد و اقوال و افعال برون از حد اعتدال و خارج از جادہ استقامت ازو سرزد شود ہمچون مدہوشان و مجنونان اما بیخبر محض نشود و ادراک و علم و ارادہ بالکلیہ زوال پذیر نگردد یاری وے درچنیں حالت اختلال عقل زن خود را طلاق داد آیا شرعاً زنش مطلقہ ثلاث شدہ است یا نہ وکسیکہ حالش دو سہ بار چنین شدہ اگر دعوی تطلیق دراینچنان حالت نماید شرعاً قولش معتبر شود یا نہ ؟ بینوا توجروا ۔

جواب آمدہ از بنگال بغرض تصدیق

درصورت سوال آن شرعاً مطلقہ نشدہ است فی رد المحتار ثالمہ نعتبر اقوال المعتوہ مع انہ لا یلزم فیہ ان یصل الی حالۃ لا یعلم فیہا ما یقول ولا یریدہ وایضاً فیہ والذی یظہر لی ان کلا من المدہوش والغضبان لا یلزم فیہ ان یکون بحیث لا یعلم ما یقول بل یکتفی فیہ بغلبۃ الہذیان واختلاط الجد بالہزل کما ہو المفتی بہ فی السکران ۔ وایضاً فیہ فان بعض المجانین یعرف ما یقول ویریدہ ویذکر ما یشہد الجاہل بہ بانہ عاقل ثم یظہر منہ فی مجلسہ ما ینافیہ فاذا کان المجنون حقیقۃ قد یعرف ما یقول ویقصدہ فغیرہ بالاولی فالذی ینبغی التعویل علیہ فی المدہوش ونحوہ اناطۃ الحکم بغلبۃ الخلل فی اقوالہ وافعالہ الخارجۃ عن عادتہ وکذا یقال فیمن اختل

عقله لكبر او لمرض او لمصيبة فاجأته فما دام فى حال غلبة الخلل فى الاقوال و
الافعال لا تعتبر اقواله وان كان يعلمها ويريدها لان هذه المعرفة
والارادة غير معتبر لعدم حصولها عن ادراك صحيح كما لا تعتبر من الصبى
العاقل انتهى۔ ازیں عبارات بخوبی مدرک گردید کہ زن طفیل علی مطلقہ ثلاث نشدہ
است اگرچہ وی درانحالت اختلال عقل بعلم وارادہ وقصد ایقاع طلاق دادہ باشد
بسبب عدم صحت ادراک او دعوی تطلیق او درآنچناں حالت شرعاً معتبر ومقبول گردد
فى رد المحتار واذا كان يعتاده بان عرف منه الدهش مرة يصدق بلا برهان،
فى الهداية: فصار كما اذا قال طلقت او اعتقت وانا مجنون والجنون منه كان
معهودًا فى حاشية الهداية قوله كما اذا قال الخ فالقول قوله حتى لا يقع
الطلاق والعتاق لاضافته الى حالة منافية للايقاع ۱۲ ع انتهى فقط والله
اعلم بالصواب۔

المجیب احقر فیض اللہ عفی عنہ مدرس ومفتی مدرسہ معین الاسلام ہاٹہزاری چاٹگام

اصاب فیما اجاب فقد اصاب المجیب المجیب مصیب
خلیل الرحمن عفی عنہ یعقوب عفا اللہ عنہ عبد الوہاب عفی عنہ

جواب از خانقاہ

یہ تو صحیح ہے کہ مدہوش کی طلاق واقع نہیں ہوتی ولیکن اولاً اس کی تحقیق ضروری ہے
کہ وہ مدہوش ہے یا نہیں۔ یعنی جو حالت سوال میں لکھی ہے اگر اس کو کم از کم دو ثقہ اور شناخت
رکھنے والے آدمیوں نے معائنہ کر کے تجویز کیا ہو کہ یہ شخص مدہوش ملحق بالمجنون ہے تب
مدہوش ہونا ثابت ہوگا اور اگر یہ معائنہ اس وقت ہوا ہو جس وقت کہ اس نے طلاق
دی ہے تب تو یہ دو گواہ کسی حاکم یا محکم کے سامنے گواہی دیدیں اس پر عدم وقوع کا حکم
ہو جائے گا اور اگر طلاق کے واقعہ سے قبل معائنہ ہوا ہو تو معائنہ پر گواہی لینے کے بعد خاوند
سے قسم بھی لی جاوے کہ اس وقت اس کا ہوش ٹھکانے نہ تھا تب عدم وقوع کا حکم دیا جائے
بدون یمین اور بینہ کے عدم وقوع کا فتویٰ دینا درست نہیں فتویٰ میں ضروری قیود
کا ذکر کرنا لازم ہے ورنہ جاہل لوگ فتوی دیکھتے ہی اپنا مطلب نکال لیتے ہیں قیود وشروط

کی طرف اصلا التفات نہیں کرتے، فقط والسلام۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، ۴ محرم الحرام ۵۲ھ۔

فصل فی الطلاق الصریح

طلاقِ صریح میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں

(سوال) کیا فرماتے علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے بیوی کو دو مرتبہ دو شخصوں کے روبرو دو طلاقیں صریح دیں جس کے یہ لفظ تھے کہ "میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی" اور دونوں مرتبہ یہ کہا کہ "تو میری ماں ہے" اور یہ الفاظ اس سے حالت غصہ میں نکلے بعد میں یہ کہتا ہے کہ اس کو میری نیت جُدا کرنے کی نہ تھی اب اس کے واسطے نکاح جدید کی بغیر حلال ہو سکتی ہی یا نہیں بغیر نکاح ثانی کئے ؟

الجواب : اگر زید نے اپنی بیوی کے متعلق یہ لفظ کہے کہ "میں نے تجھے طلاق دی" تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی خواہ اس کی نیت طلاق کی ہو یا نہ ہو، اب اگر یہ لفظ دوبار کہا تو دو طلاقیں رجعی پڑیں جن سے عدت کے اندر نہ نکاح ٹوٹا نہ حرمت ثابت ہوئی عدت کے اندر اگر وہ اس کے پاس چلا جاوے یا شہوت سے اس کو چھوئے یا زبان سے یہ کہہ دے کہ میں نے رجعت کرلی تو بدستور نکاح قائم رہے گا اور اگر عدت گذر گئی تو نکاح جدید کی ضرورت ہوگی اور اگر خدانخواستہ طلاق کا لفظ تین بار زبان سے نکل گیا ہو تو پھر یہ حکم نہیں ہے اگر ایسا ہوا ہو تو دوبارہ سوال کریں تین بار طلاق کا لفظ کہنے سے بدون حلالہ کے کسی طرح نکاح نہیں ہو سکتا۔ باقی زید کا یہ کہنا کہ "تو میری ماں ہے" اس سے کچھ نہیں ہوا البتہ بیوی کو ایسا لفظ کہنا مکروہ اور بُری بات ہے اور اگر یہ کہا ہو کہ "تو میری ماں جیسی ہے" تو اس کا دوسرا حکم ہے اگر ایسا ہو تو دوبارہ سوال کیا جائے۔ قال فی الدر وان قال تعمدته تخویفا لم یصدق قضاء اھ وفیه ایضا ویقع بها (ای بالفاظ الصریح) واحدة رجعیة وان نوی خلافها او لم ینو شیئا اھ ص۷۰۶ و ص۷۰۷ ج ۲ - وفیه ایضا ویقع حکم لفظ "انت علی مثل امی وکامی" ما نصه والا ینو شیئا او حذف الکاف لغا. ویکره قوله "انت امی و یا ابنتی و یا اختی" ونحوه اھ ص۹۴۹ و ص۹۵۰ ج ۲ واللہ اعلم۔ ظفر احمد ۳ ذی الحجۃ ۱۳۴۰ھ

لفظ "چھوڑ دی" سے طلاق صریح واقع ہو جائے گی خواہ نیت کرے یا نہ

سوال) ایک شخص بیٹھا تھا دوسرا آدمی جو آیا اس نے کہا کہ بیوی چھوڑ دی بیٹھے ہوئے شخص نے جواب دیا کہ چھوڑ دی اور کچھ نہیں کہا نہ کسی قسم کا دل میں خیال تھا تو بیٹھے ہوئے شخص کے لئے کیا حکم ہے اور اس کے نکاح میں کوئی فرق تو نہیں آیا۔ یہی بیٹھا ہوا شخص اس بات کے کہنے سے جو اوپر معلوم کی دو ڈھائی مہینے یا اس سے زائد تین یا چار مہینے بعد اپنی بیوی سے تنہائی ایک مکان میں ہوئی جس میں سوائے شوہر اور بیوی کے کوئی نہیں تھا مگر ہم بستری نہیں ہوئی بوجہ بیوی کی بیماری کے، تو اس بیٹھے ہوئے شخص کے لئے کیا حکم ہے نکاح اس کا جائز رہا یا نہیں؟ مدت جو اوپر لکھی دو ڈھائی مہینے یا تین چار مہینے یہ ٹھیک یاد نہیں مگر دو مہینہ سے کم نہیں اور چار سے زائد نہیں۔

الجواب: شامی میں چھوڑ دینے کا ترجمہ سرحت کا لکھا ہے اور سرحت کا لفظ کنایات میں سے ہے اور احتمال رد اور شتم کا نہیں رکھتا اس واسطے طلاق کا واقع ہونا نیت پر موقوف ہے اور جبکہ طلاق دینے کی نیت نہیں تھی تو طلاق نہیں ہوئی، تنویر الابصار میں ہے فغی حالة الرضی تتوقف الاقسام علی النیة فقط واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر افضال احمد عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح،

عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند ۱۷ر جمادی الثانیہ ۴۱ھ

الجواب غیر صحیح عندنا قال فی العالمگیریة ولو قال الرجل لامرأته تراچنگ باز داشتم او بهشتم او یله کردم او پائے کشاده کردم ترا فهذا کله تفسیر قوله طلقتك عرفا حتی یکون رجعیا ویقع بدون النیة کذا فی الخلاصة وکان الشیخ الامام ظهیر الدین المرغینانی یفتی فی قوله بهشتم بالوقوع بلانیة ویکون الواقع رجعیا الخ ص ۲۷۲ج ۲۔ اور ظاہر ہے کہ لفظ چھوڑ دی ہماری زبان میں بہشتم کا ترجمہ ہے اور معنی طلاق میں صریح ہے لہذا صورت مسئولہ میں قائل کی بیوی پر طلاق رجعی واقع ہو گئی خواہ نیت ہو یا نہ ہو اگر عدت کے اندر اس نے اپنی بیوی سے قولاً رجوع کر لیا یا اس کو شہوت سے چھو لیا تب تو نکاح فاسد نہیں ہوا ورنہ عدت گذرنے پر نکاح ٹوٹ گیا دوبارہ نکاح کر سکتا ہے، واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ بامر سیدی حکیم الامت ۱۰ر رجب ۴۱ھ

"جا تجھے ایک طلاق دیا میں" اس کو شوہر نے کئی بار کہا تو کیا حکم ہے

(سوال) ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بی بی سے کہا جا تجھے ایک طلاق دیا میں ۔ جا تجھے ایک طلاق دیا میں ۔ جا تجھے ایک طلاق دیا میں" مگر بیوی تینوں دفعہ جانے سے انکار کرتی ہے اور کہتی تھی مجھے صاف کر کے دو تب جاؤں گی اور شوہر ہر مرتبہ جا تجھے ایک طلاق دیا میں کہتا رہا اب زید قسمیہ سے کہتا ہے کہ مجھ کو صرف ایک طلاق دینے کی نیت تھی اور باقی دو دفعہ صرف زوجہ کے جواب میں اعادہ کیا تھا اور زید قرآن مجید لیکر قسم کھا کر کہتا ہے مجھ کو صرف ایک طلاق کی نیت تھی اب زید کے زوجہ پر آیا ایک ہی طلاق ہوگی یا دو طلاق یا تین طلاق ؟

الجواب ؛ قال فی العالمگیریۃ رجل قال لامرتہ انت طالق انت طالق انت طالق فقال عنیت بالاولی الاولی بالثانیۃ والثالثۃ افھا مها صدق دیانۃً وفی القضاء طلقت ثلاثاً کذا فی فتاوی قاضی خاں متی کرر لفظ الطلاق بحرف الواو او بغیر حرف الواو یتعدد الطلاق وان عنی بالثانی الاولی لم یصدق فی القضاء کقولہ یا مطلقۃ انت طالق ولو ذکر الثانی بحرف التفسیر وھو حرف الفاء لا یقع الاخری الا بالنیۃ کقولہ طلقتک فانت طالق کذا فی الظہیریۃ ولو طلقها ثم قال لها طلاق دادمت یقع اخری ولو قال طلاق دادہ امت لا یقع اخری اھ ص ٥٦ ج ٢ ۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ اولیٰ میں اگر عورت مدخولہ ہے تو قضاءً تین طلاق واقع ہوگئی ہیں ۔ والمرأۃ کالقاضی لہذا عورت کو یہی سمجھنا واجب ہے کہ مجھ کو تین طلاق ملی ہیں گو دیانۃً شوہر کی نیت اگر تاکید وافہام کی تھی تو اس کے حق میں طلاق ایک ہی ہوئی مگر عورت کو ایک سمجھنا جائز نہیں وہ اپنے کو مطلقہ ثلث ہی سمجھے اور شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے بلکہ اس سے الگ ہو جائے اور بدون تحلیل کے اس کو اپنے لئے حلال نہ سمجھے ۔ واللہ اعلم ۔

٦ر شوال ۱۳۴۱ھ

شوہر نے دو مرتبہ کہا "میں نے تجھ کو آزاد کر دیا تو میری بہن ہے

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ۔ ایک شخص زید نے غصہ و لڑائی میں اپنی زوجہ کو دو دفعہ یہ کہہ دیا کہ میں نے تجھ کو آزاد کر دیا تو میری بہن ہے ۔ بعد دور ہونے غصہ کے ہوش و حواس درست ہونے پر

بہت پچھتایا۔ اب ایسی طلاق جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب ؛ قال فی العالمگیریۃ وکان الشیخ الامام ظہیر الدین المرغینانی یفتی فی قولہ بہشتم بالوقوع بلا نیۃ ویکون الواقع رجعیًا ویفتی فیما سواھا باشتراط النیۃ ویکون الواقع بائنًا کذا فی الذخیرۃ اھ (ص ۲۷۲ ج ۲) وفیہ ایضًا (ص ۲۵۲ ج ۲) واما حکمہ فوقوع الفرقۃ بانقضاء العدۃ فی الرجعی وبدونہ فی البائن کذا فی فتح القدیر وزوال حل المناکحۃ متی تم ثلثا کذا فی محیط السرخسی اھ وفی الدر وان نوی بانت علیّ مثل امی اوکامی برًا اوظہارًا او طلاقًا صحت نیتہ ووقع مانواہ لانہ کنایۃ والاینو شیئًا اوحذف الکاف بان قال انت امی لغا ویکرہ قولہ "انت امی ویا ابنتی ویا اختی" اھ قال الشامی وفیہ حدیث رواہ ابوداود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع رجلا یقول لامرأتہ یا اخیۃ فکرہ ذلک ونہی عنہ فلم یبین فیہ حکما سوی الکراھۃ والنہی اھ (ص ۹۵۰ ج ۲) قلت ولفظ آزاد کردن من الصریح عندی فی عرف اھل الہند لا یطلقونہ علی النساء الا فی معنی الطلاق۔

صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر دو طلاق رجعی پڑ گئیں جن سے نکاح نہیں ٹوٹا پہلا نکاح بدستور باقی ہے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں (لیکن نئے سرے سے احتیاطًا نکاح پڑھالیں تو اچھا ہے گو ضرورت نہیں قلت ووجہہ الشبۃ فی کون اللفظ صریحۃً اوکنایۃً فان بعض الناس یعدونہ کالاعتاق فی العربیۃ وھو کنایۃ ۱۲) اب تک تو نکاح نہیں ٹوٹا لیکن اس کے بعد اگر کسی وقت خدانخواستہ زید کی زبان سے ایک دفعہ طلاق کا لفظ اور نکل گیا تو پھر اس کی بیوی ہمیشہ ہی کے لئے حرام ہو جاوے گی نکاح سے بھی حلال نہو سکے گی بلکہ اس وقت حلالہ کرنا پڑے گا اول دوسرے مرد سے نکاح کرے پھر وہ طلاق دیدے یا مرجائے تو زید اس کے بعد نکاح کر سکے گا لہٰذا اب زید کو اپنی زبان ہمیشہ سنبھالنی چاہئے اور طلاق کو کھیل نہ بنانا چاہئے کہ سخت گناہ ہے واللہ اعلم ۱۶ رمضان ۴۶ھ

" جا تجھ کو چھوڑ دیا " استقبال کی نیت کے ساتھ کہنے کا حکم

(سوال) زید اور زوجۂ زید مسماۃ ہندہ میں کچھ معاشرت کے متعلق گفتگو ہوئی ہندہ مذکورہ سے زید نے کہا کہ "اب تو میں تجھ کو چھوڑ ہی دیا ہوں اب میں کیا شکایت تیرے والدین سے کروں"۔ زید عبارت مذکورہ

کی توجیہ یوں بیان کرتا ہے کہ میرا مقصود نہ طلاق دینا تھا اور نہ میں نے طلاق ماضیہ کے خبر دی بلکہ مقصود صرف تہدید تھی چونکہ میرا خیال تھا کہ اس سے قطع تعلق کر دینا چاہیئے اور بناءً علیہ اس جملہ کا صدور ہوا کہ تو طالق ہونے والی ہے زمانۂ استقبال میں اس کو تعبیر کیا لفظ ماضی کے ساتھ نہ باعتبار ماکان کے بلکہ باعتبار مایکون ۔ آیا زید کی یہ نیت شرعًا معتبر ہو گی یا نہیں اگر معتبر نہیں تو طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں ؟

الجواب ؛ زید کا یہ لفظ کہ "اب تو میں نے تجھ کو چھوڑ ہی دیا ہے" اردو میں طلاق کے لئے صریح ہے جس سے بدون نیت کے وقوع طلاق کا ہو جاتا ہے اور عبارت سوال بتلا رہی ہو کہ زید نے بھی معنیٔ طلاق کا قصد کیا تھا مگر اس نے ماضی و حال کے اعتبار سے قصد نہیں کیا بلکہ آئندہ کے لحاظ سے قصد کیا ہے مگر یہ نیت لغو ہے کیونکہ صیغہ تطلیق فی الحال میں صریح ہے اس سے تطلیق مستقبل کی نیت صحیح نہیں ہو سکتی پس صیغۂ مذکور سے طلاق کا وقوع ہو گیا، واللہ اعلم ۔

۱۵ ر ذی الحجہ ۳۲ھ

تجھے القط کیا ، آزاد کیا کے الفاظ سے وقوع طلاق کا حکم

سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میں نے اپنی لڑکی کی شادی اپنے سگے بھانجے کے ساتھ عرصہ ۳ سال کا ہوا کر دی تھی امسال جو طاعون پھیلا تو میرے بھانجہ کے ۳ بھائی مر گئے اور دو تین لڑکیاں اور لڑکے بھی مر گئے ان کی وجہ سے میری لڑکی کو ہر وقت یہ کہا گیا کہ "تو نے میرے بھائیوں کو کھا لیا تو سخت منحوس اور کمبخت ہے جا نکل جا اپنا منہ کالا کر جا میں تجھے ساری عمر کو القط و آزاد کیا" کچھ روز کے بعد لڑکی کی والدہ لڑکی کو لینے گئیں تھیں تو کہا کہ تم اس کو ساری عمر کو اور سب دن کو لے جاؤ یہ کلمہ سنکر لڑکی کی والدہ لڑکی کو نہیں لائیں پھر دوسرے دن لڑکی کو میں خود لینے گیا جب پر لڑکی کو یہ کہا کہ میں نے ساری عمر کو القط کر دی آزاد کر دی میں اپنے مکان پر لڑکی کو لے آیا پھر چار پانچ دن کے بعد لینے کو آ گیا تو میں نے اپنے داماد سے یہ کہا کہ جب تو نے ساری عمر کو القط کر دیا ہے اور آزاد کر دیا ہے تو طلاق دیدے اس کے جواب میں کہا میں طلاق تو نہیں دینے کا ساری عمر یوں ہی رکھوں گا لڑکی کے والدین سے لڑکی کو لیجانے کو کہا پھر لڑکی کے والدین نے کہا کہ ہم دو ماہ کے بعد بھیجدیں گے اس پر سخت ناراض ہو کر کہا کہ تم ساری عمر کو رکھو میں نے القط کیا ساری عمر کو آزاد کیا اور سخت سے سخت الفاظ کہکر چلا گیا اور اب پھر بارہ چودہ روز کے بعد لینے کو آ گیا ۔ اس حالت کے چند لوگ گواہ

بھی ہیں اس معاملہ میں حکم شرع کیا ہے۔ لڑکی کو بھیجدی جاوے یا طلاق ہوگئی یا پھر دوبارہ نکاح کیا جاوے کیا کرنا چاہیئے، اور یہ بھی کہتا تھا کہ میں بھی بڑا ہٹیلا ہوں اب لینے کو نہیں آنے کا اور تم اس کو اور دوسرا کرا دینا، ایک لڑکا بھی اس سے پیدا ہوا ہے اور اس حال کا خود اقراری ہے کہ میں نے یہ لفظ کہے ہیں۔ فقط

تنقیح :- یہ بتلایا جاوے کہ شوہر نے یہ الفاظ۔ جا نکل جا، منہ کالا کر جا، میں نے تجھے ساری عمر کو القط کیا، آزاد کیا۔ ایک ساتھ ایک ہی مجلس میں کہے۔ یا الگ الگ کئی مجلسوں میں کہے کہ ایک دفعہ جا نکل جا کہدیا۔ پھر دوسری مجلس میں یا اسی مجلس میں اور کام کر کے یا اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے پھر منہ کالا کر جا کہدیا پھر کسی مجلس میں تجھے القط کر دیا کہدیا پھر کسی مجلس میں آزاد کر دیا کہدیا یا ایسا نہیں ہوا بلکہ ایک ہی مجلس میں ساتھ ساتھ یہ سب الفاظ کہے نیز یہ بھی بتلایا جاوے کہ شوہر کے ان الفاظ کہنے کے بعد لڑکی کو ایام ماہواری کتنی دفعہ ہو چکے ہیں؟ فقط۔ ۲۷ محرم الحرام ۴۳ھ

جواب تنقیح :- پہلے گھر میں مستورات کے سامنے جا نکل جا، کالا منہ کر جا، دفعہ ہو جا ایک مرتبہ ایک جلسہ میں کہا اور اس بات کو چار مہینہ ہو گئے اور جب میں لینے کو گیا تھا تو ساری عمر کو القط کیا ساری عمر کو آزاد کیا دوسرے جلسہ میں کہا پونے دو ماہ ہوگئے اور پھر ان سب باتوں کو اقرار کیا ایک مجمع عام میں سوا مہینہ کی بات ہے اور پھر تیسری مجلس میں یہ کہا کہ میں ساری عمر کو چھوڑ چلا کوئی سوا مہینہ کی بات ہے خود مجھ سے یہ کہا کہ میں تمہاری لڑکی کو ساری عمر کو لینے کو نہیں آؤں گا دوسرا کرا دینا یونہی تباہی رکھوں گا کوئی سوا مہینہ کی بات ہے۔ ایام ماہواری کا حساب حضور کو خود ظاہر ہو جائے گا۔ پھر ایک موقع مذکورہ بالا میں یہ لفظ کئی کئی مرتبہ ادھر ادھر کی باتوں کر کے پھر بھی کہا ہے اور زبان سے ایک ساتھ دو ایک دفعہ کہکر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ اور علیحدہ علیحدہ مجلس میں ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد بھی کہا ہے اور میں سنت جماعت ہوں میرے گھر لڑکی کو آئے ہوئے دو ماہ ہو گئے ہیں اور چار ماہ سے یہ جھگڑے شروع ہو گئے تھے۔

الجواب عن السوال ؛ صورت مسئولہ میں مسماۃ پر دو طلاق رجعی تو ضرور پڑ گئی ہیں شوہر کے اس لفظ سے کہ تجھے القط کیا آزاد کیا، اور اگر اس لفظ کو شوہر نے ایک دفعہ سے زائد کہا تو تین طلاق پڑ چکی ہیں یہ الفاظ تو صریح ہیں ان میں نیت طلاق کی ضرورت نہیں۔

اور اگر شوہر نے جا نکل جا، منہ کالا کر جا، دفع ہو جا بھی طلاق کی نیت سے کہے ہیں تب یہ الفاظ پہلے الفاظ سے مل کر تین طلاق کو مفید ہیں بہرحال یہ لڑکی بعد عدت تمام ہونے کے جو کہ وقت طلاق سے تین حیض ہونے چاہئیں دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے بشرطیکہ طلاق رجعی کی صورت میں شوہر نے رجوع عدت کے اندر نہ کیا ہو اور تین طلاق کی صورت میں تو رجوع لغو ہے۔ واللہ اعلم۔

لفظ "چھوڑ دی" صریح طلاق میں سے ہے | **سوال**) زید بیٹھا ہے عمر نے کہا کہ بیوی چھوڑ دی زید نے جواب دیا چھوڑ دی اور کچھ نہیں کہا اس الفاظ کے کہنے کے بعد جو اوپر لکھا ہے زید اپنی بیوی سے چھ مہینہ تک بالکل نہیں ملا نہ بات چیت کی نہ صورت دیکھی تو اس کے لئے کیا حکم ہے صاف تشریح کے ساتھ لکھئے؟

الجواب: فی الشامی (ص ۵۰۷ ج ۲) ولا یلزم کون الاضافة صریحة فی کلامه لما فی البحر ولو قال طالق فقیل له من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأته ایضًا وبعد اسطر ویؤیده ما فی البحر لو قال امرأة طالق او قال طلقت امرأة ثلثا وقال لم اعن امرأتی یصدق اھ ویفهم منه انه لو لم یقل ذلک تطلق امرأته لان العادة ان من له امرأة انما یحلف بطلاقها لا بطلاق غیرها فقوله انی حلفت بالطلاق ینصرف الیها مالم یرد غیرها لانه یحتمله کلامه۔

پس اس کی عورت پر ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی اگر اب تک عدت ختم نہوئی ہو تو رجوع کر سکتا ہے اور عدت ختم ہو چکی تو نکاح ہو سکتا ہے، اور اگر وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے اپنی عورت کے متعلق نہیں کہا تو اس سے نیت کا مفصل حال دریافت کر کے لکھا جاوے کہ پھر اس نے بیوی سے کونسی بیوی مراد لی ہے فقط۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ، یکم شعبان ۴۴ھ۔

الجواب صحیح۔

ظفر احمد عفا عنہ، یکم شعبان ۴۴ھ۔

ے اور عدت اگر معلوم نہ ہو تو یہاں سے پوچھ لو۔

دو طلاق صریح دینے کے بعد شوہر نے کہا فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا تو قول ثانی اول کا بیان سمجھا جائیگا یا مستقل طلاق ہوکر حرمت مغلظ ہو گئی

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی کے ساتھ جھگڑا کر کے کہا "ایک طلاق دو طلاق فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا" اب اس کی بی بی پر کتنی طلاق واقع ہوں گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مذکورہ میں اس کی بی بی پر دو طلاق بائن واقع ہوں گی کیونکہ مطلِّق کا قول اخیر بیان ہے اول قول کا یعنی پہلی دو طلاق۔ طلاق بائن ہیں کما فی الھدایۃ فی الجلد الثانی فی صفحۃ ۳۴۹ فاذا وصف الطلاق بضرب من الزیادۃ والشدۃ کان بائناً مثل ان یقول انت طالق بائن او البتۃ فیکون ھذا الوصف لتعیین احد المحتملین الی الرجعی والبائن۔ پس معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں اس کی بی بی پر ۲ دو طلاق بائن واقع ہوں گی فقط واللہ اعلم۔ کتبہٗ احقر محمود اللہ عفی عنہ

الکلام علی الجواب المذکور

یہ جواب غلط ہے اور صورت مسئولہ میں شخص مذکورہ کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئیں اور عبارت ہدایہ کا مطلب صرف اتنا ہے کہ جب طلاق کے ساتھ کوئی وصف مفید معنی زیادت وشدت ملحق ہوگا تو طلاق بائن ہو جائیگی اس کا مقتضا یہ ہے کہ شخص مذکور نے جو تیسری بار کہا فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا تو وصف بائن سے یہ طلاق بائن ہو گئی۔ رہا یہ کہ اس وصف کے بڑھانے سے لفظ طلاق بائن دیا موجب وقوع نہوگا۔ بلکہ پہلے کلام کا بیان ہوگا عبارت ہدایہ اس پر دال نہیں۔ والدلیل علی وقوع الثالث بقولہ طلاق بائن دیا مافی ردالمحتار تحت قول الدر لایلحق البائن البائن اذا امکن جعلہ اخبارا عن الاول کانت بائن ابنتک بتطلیقۃ فلا یقع لانہ اخبار فلا ضرورۃ فی جعلہ انشاء اھ مانصہ اشار بہ الی انہ لایشترط اتحاد اللفظین فشمل ما اذا کان الاول بلفظ الکنایۃ البائنۃ او الخلع او الطلاق الصریح اذا کان علی مال او موصوفاً بما ینبئ عن البینونۃ کما علم مما قدمناہ بعد کون الثانی بلفظ الکنایۃ البائنۃ کالخلع ونحوہ ومما یتوقف علی النیۃ ولو باعتبار الاصل کانت حرام بخلاف الکنایات الرجعیہ فانھا فی حکم الصریح تتلحق

البائن کما مر اھ (ج ۲ ص ۴۷۷) تحت قول الدر والبائن یلحق الصریح الخ مانصه یدخل فیه الطلاق الرجعی والطلاق علی مال ولکن اما من الفاظ الصریح الواقع بها البائن مثل انت طالق بائن او البتة او افحش الطلاق الخ فهذا کله صریح لایتوقف علی النیة ویقع به البائن ویلحق الصریح والبائن اھ

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ طلاق متاخر کو متقدم کا بیان اس وقت قرار دیا جاتا ہے جبکہ اول سے طلاق بائن واقع ہوئی ہو۔ اور ثانی کنایہ متوقف علی النیۃ ہو۔ اور اگر اول سے طلاق رجعی واقع ہوئی ہو اور ثانی کنایہ موقوف علی النیۃ نہ ہو تو ثانی کو بیان نہیں قرار دیا جائے گا بلکہ وہ اول کے ساتھ ملحق ہو کر عدد طلاق کو بڑھا دے گا۔ اور صورت مسئولہ میں لفظ اول ودوم صریح ہے اور لفظ سوم کنایہ موقوف علی النیۃ نہیں بلکہ وہ بھی صریح ہے گو اس سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے اس لئے ثالث اولین سے ملحق ہوگا اور زوجہ پر تین طلاق واقع ہوں گی۔ یہ جواب اس وقت ہے جبکہ متکلم نے لفظ سوم کو اول کا بیان قرار دینے کی نیت نہ کی ہو۔ اور اگر اس نے بیان کی نیت کی ہو تو دیانۃً اس کا قول قبول کیا جائے گا نہ قضاءً اور چونکہ عورت طلاق کے بارہ میں مثل قاضی کے ہے اور اس نے یہ الفاظ خود سُنے ہیں جیسا کہ سوال سے مفہوم ہو رہا ہے اس لئے عورت شوہر کی اس نیت کو قبول نہیں کر سکتی اس پر یہی لازم ہے کہ اپنے کو مطلقہ الثلث سمجھے اور اس شوہر سے بالکلیہ علیحدگی اختیار کرے اور بعد عدت کے بدون تحلیل کے اس سے نکاح نہ کرے، واللہ اعلم۔

۱۳ر صفر ۴۷ھ

حکم طلاق بلفظ بہشتم اورا

(سوال) کتب رجل الی سلفه وهو یشکو نشوز امرأته [illegible] ترجمته بالفارسیة "بہشتم اورا" المعنی طلقتها بالعربیة ثم قال وفرق بینی وبینها معاشرة بمن یلائمها بالرفاء والهناء لکیلا یحل بی اثم وکفیٰ به حوبا کبیرا ولا تبال بانها سلفة لك فانك خلیلی وشتان ما بینك فهل یقع الطلاق ام لا بیّنوا توجروا۔

الجواب: یقع الطلاق لان قوله لامرأته "ہشتم" صریح فی الطلاق فیقع الواحدة الرجعیة نوی الطلاق او لم ینو شیئا قال شمس الائمة السرخسی

بعد ما ذکر الاختلاف بین الائمۃ فی انہ صریح او کنایۃٌ لکنا نقول نحن اعرف بلغتنا منھم والواقع بھذا اللفظ عندنا تطلیقۃ رجعیۃ سواء نوی الطلاق او لم ینوا ونوی الثلاث او لم ینولان ھذا اللفظ فی لساننا صریح بمنزلۃ الطلاق فی لسان العرب ثم ان البیان بالکتاب بمنزلۃ البیان باللسان ولا سیما اذا کان الکتابۃ مرسومۃ قال الشمس المذکور بعد ذکر نوعی الکتابۃ والثالث ان یکتب علی رسم الرسالۃ طلاق امرأتہ او عتاق عبدہ فیقع الطلاق والعتاق بھذا فی القضاء وان قال عنیت بہ تجربۃ الخط لا یدین فی القضاء لانہ خلاف الظاھر وھو مالو قال انت طالق ثم قال عنیت بہ الطلاق من وثاق۔ اقول وھھنا مع ذلک من قرائن تدل علی ان الکتاب نوی الطلاق لا غیر کما لا یخفی علی من امعن نظرہ فی عبارۃ الکتاب وایضًا یقع الطلاق بمجرد الکتابۃ حیث قال الامام المذکور ثم ینظر الی المکتوب فان کتب " امرأتہ طالق " فھی طالق سواء بعث الکتاب الیھا او لم یبعث ھذا واللہ عندہ ام الکتاب والیہ المرجع والمآب۔ حررہ ابو السولیٰ محمد شمس الھدیٰ

صانہ اللہ عن الھلک والردیٰ

نعم الجواب، مخلص الرحمٰن اسلام آبادی مدرس مدرسہ پانچ باغ

صح الجواب، محمد عتیق اللہ خان یوسفی ۱۲ر نومبر سنہ ۲۸ء

اقول

اذا قال الرجل لامرأتہ " بہشتم ترا از زنے " فاعلم بان ھذہ اللفظۃ استعملھا اھل خراسان واھل عراق فی الطلاق وانھا صریحۃٌ عند ابی یوسفؒ حتی کان الواقع بھا رجعیًا ویقع بدون النیۃ وفی الخلاصۃ وبہ اخذ الفقیہ ابو اللیث وفی التفرید وعلیہ الفتویٰ کذا فی التتارخانیۃ۔

احقر الناس منیر الدین احمد عفی عنہ احد مدرسی المدرسۃ الاسلامیۃ الواقعۃ بپانچ باغ

صورت مسئولہ میں طلاق رجعی واقع ہوگی اور چونکہ عدت گذر گئی ہے لہذا تجدید نکاح

کی ضرورت ہے ۔ اصاب من اجاب سید احمد غفرلہ سیتاپوری مولوی فاضل

صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ ڈھاکہ

ما حققه المحقق فهو حق وخلافه باطل ۔ حررہ ابو الفضل عبد الحميد

خادم الطلبة مدرسہ اسلامیہ ڈھاکہ

وذكر في العالمگيرية ولو قال الرجل لامرأته " تراچنگ باز داشتم " " او بهشتم او یلہ کردم ترا " " پائے کشادم ترا " فهذا كله تفسير قوله طلقتك عرفاً حتى يكون رجعياً ويقع بدون النية كذا في الخلاصة ۔ محمد ناصر الدين عفا الله عنه

مدرس مدرسة پانچ باغ

المجيب مصيب لا شك فيه كما لا يخفى ۔ محمد ايوب علی عفی عنه

مدرس مدرسة حمادیہ ڈھاکہ ۔

طلاق رجعی پڑگئی اب بغیر تجدید نکاح زوج کو اوس کے ساتھ مباشرت درست نہیں

احقر ابو الحسن غفرلہ غازی پوری معلم العربیہ فی المدرسۃ الاسلامیہ ڈھاکہ ۔

المجيب مصيب ۔ هذا الصريح ان استعمل في معنى موضوع له وخص به

محمد سعید الرحمن عفی عنہ مدرس مدرسہ حمادیہ ڈھاکہ



تنقیح

بنگالی الفاظ کا ترجمہ فارسی وعربی اگر لغت عربی وفارسی میں صریح ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بنگلہ میں بھی وہ لفظ صریح ہو پس سوال مذکور کے جواب میں صرف عالمگیری وتاتارخانیہ سے "بہشتم" کا رجعی ہونا نقل کردینا کافی نہیں بلکہ اہل عرف بنگال سے اس بات کے نقل کی ضرورت ہے کہ یہ لفظ ان کی زبان میں صریح ہے بدون اس کے یہ تمام جوابات ناکافی ہیں اور لفظ " بہشتم اورا " کے ترجمہ کے بعد جو الفاظ ہیں وہ محض مشورہ وغیرہ پر دال ہیں الفاظ ایقاع سے نہیں ہیں اور ان کو مذاکرۂ طلاق ہیں بھی داخل نہیں کرسکتے کیونکہ مذاکرۂ طلاق لفظ طلاق سے مقدم ہوتا ہے نہ مؤخر قال فی الدر المختار ص۰۷۶ ج ۲ نقلاً عن النهر تحت قول الدر لا تطلق بها اى بالكنايات الا بنية او دلالة الحال وهى حال مذاكرة الطلاق ما نصه ان دلالة الحال تعم دلالة المقال قال وعلى

هذا فتفسر المذاكرة بسوال الطلاق او تقديم الایقاع وقال قبله المذاكرة ان تسال هی او اجنبی الطلاق اھ. قلت ولا شك فی اشتراط تقدم سوال الطلاق عن لفظ الکنایة حتی یحمل الجواب بالکنایة علی الایقاع بقرینة السوال وقد صرح باشتراط التقدیم فی الایقاع فثبت ان المذاکرة التی تفید تعیین الکنایة للایقاع انما ھی المتقدمة لا المتاخرة وفی الصورة المسئولة لم توجد المذاکرة الا متاخرة فتلغو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ رمضان سنہ ۴۷ھ

فصل فی الطلاق بالکنایات

اس کی ماں کو کہدینا کہ دوسری شادی کردے اب ہم اس کو نہیں چاہتے۔ کنایہ کے حکم میں ہے اور طلاق کنایہ کے بعد طلاق صریح کا حکم

(سوال) اس خط میں جو عبارت خط کشیدہ ہے آیا اس سے طلاق ہوگئی یا نہیں اگر ہوگئی تو کیسی ہوئی۔

جناب بخدمت شریف چچا صاحب جناب چچی صاحبہ ومما نی صاحبہ وسب صاحبان کو سلام علیکم، بابو عزیزم لوگوں کو پیار۔ میں ساتھ خیریت کے ہوں آپ لوگوں کی خیریت نیک چاہتا ہوں جو دل میں تشفی ہو۔ دیگر حال یہ ہے کہ ہمارے گھر میں بھاگ گئی ہے کس بات سے ہم اس کو ایک دم نہیں چاہتے ہیں اس کی ماں کو کہدینا کہ دوسرا شادی کردے اب ہم اس کو نہیں چاہتے ہیں ہم کو بہت شرمندہ کیا ہے اور پھر بھاگ گئی کیا اس کو تکلیف ہوا کہ بھاگ گئی خیر چلی گئی تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اور ہمارا ابھی جان ہلکا ہوا اور ہم تو اب جارہے ہیں جہاز میں تین چار برس کے لئے اور جو کچھ ہمارے مکان سے لے گئی ہے اس کو بھیجدو گے اور اس کو ہم نے طلاق دیتے ہیں دس آدمی کے سامنے خط پڑھا کر سنا دینا اور سو کہا وبراتی چچا کے سامنے سو کہا چچا وبراتی چچا وحفیظ بھائی وغیرہ سب کے سامنے ہم طلاق دیتے ہیں سب کو جمع کرکے خط دیدینا اور سنا دینا اور جناب چچی صاحبہ کو معلوم ہو کہ تم کوئی بات نہیں چھپاؤ گی وہیں سب بات کہدینا نہیں تو تم لوگ کہو تو ہم آکر کے صفائی کردے اور نہیں تو خط سے ہوجائے گا تو ہم کو جانا کیا ضرور ہے۔

تنقیح:- جب صریح الفاظ طلاق کے اس نے کہدیئے اب کنایات کی تحقیق

کی کیا ضرورت ہے البتہ اگر وہ اب رجوع کرنے کا ارادہ کرے اس وقت کنایات کی تحقیق کی ضرورت ہوگی۔ اشرف علی

جواب:۔ رجوع کرنا چاہتا ہے۔

الجواب: صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئیں کیونکہ شوہر کا یہ لفظ کہ "اس کی ماں کو کہدینا کہ دوسری شادی کردے اب ہم اس کو نہیں چاہتے" کنایہ طلاق کا لفظ ہے اس کے بعد اس نے دو مرتبہ "اس کو ہم طلاق دیتے ہیں" تحریر کیا ہے جو کہ طلاق کا صریح لفظ ہے و الصریح یلحق البائن اس لئے مجموعہ تین طلاق ہوگئیں، البتہ اگر اس نے دوسرے اور تیسرے لفظ سے انشاء طلاق کا قصد نہ کیا ہو بلکہ پہلے طلاق کی اخبار کا قصد کیا ہو تو اس صورت میں دیانۃً ایک یا دو طلاق ہوں گی تین نہ ہوں گی مگر اس صورت میں اگر عورت کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مجکو تین طلاق دی گئی ہیں تو اس کو شوہر کے پاس رہنا اور اس کو اپنے اوپر قابو دینا حرام ہے کیونکہ قضاءً تین طلاق ہو ہی چکی ہیں والمرأۃ کالقاضی، واللہ اعلم۔

اور اگر عورت کو تین طلاق کا علم نہیں ہوا بلکہ ایک یا دو کا علم ہوا ہے یا کچھ بھی علم نہیں ہوا تو شوہر کے پاس صورت ثانیہ میں جبکہ اس نے اخبار کا قصد کیا ہو وہ رہ سکتی ہے اور اگر اس نے اخبار کا قصد نہیں کیا بلکہ ہر لفظ میں انشاء کا قصد کیا ہے یا کچھ بھی نیت نہ تھی تو زوجہ پر قضاءً و دیانۃً تین طلاق کا وقوع ہو چکا ہے اب بدون حلالہ کے وہ حلال نہیں ہو سکتی واللہ اعلم

وفی التجرید لو قال وھبتك لاھلك اولابیك اولامك اوللازواج ونوی الطلاق فھی طالق اھ خلاصہ (ج ۲ ص ۹۹) وفی الدر المختار کرر لفظ الطلاق وقع الکل وان نوی التاکید دین اھ وردالمحتار قال فی الفتح والتاکید خلاف الظاھر وعلمت ان المرأۃ کالقاضی لا یحل لھا ان تمکنہ اذا علمت منہ ما ظاھرہ خلاف مدعاہ اھ (ص ۷۶۹ ج ۲) ۱۵ جمادی الاخری سنہ ۴۰ھ

شوہر کا اپنی بیوی کو کہنا "تم کو حرام کیا"

سوال (۱) ایک عورت کو اس کے شوہر نے یہ کہا کہ تمہارے ہاتھ کا کھانا حرام ہے بلکہ تم کو حرام کیا اور قیامت تک تمہاری طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھیں گے جس کو ڈیڑھ برس کا زمانہ ہوا۔ اور اب تک اپنی حالت پر قائم ہے نہ آمد و رفت نہ نان نفقہ۔

(۲) جس صورت میں وہ بد باطن ہے اور عورت کو پریشان رکھنے کے لئے صاف بات

نہیں کرتا ہے اور عورت بھی اس کے برتاؤ سے بیزار ہے۔ اور ۲ کا جو واقعہ گذرا ہے اس کے بعد اس عورت کے والد نے لڑکی کی مرضی سے دوسرے سے عقد کردیا، یہ عقد جائز ہے یا نہیں؟

(۳) جو صورتیں اوپر گذری ہیں ان سے اگر عقد جائز نہیں ہوا تو جواز عقد کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب: قال فی الدر المختار قال لامرأته انت علی حرام ونحو ذلک کانت معی فی الحرام ایلاء ان نوی التحریم او لم ینو شیئاً وظهاراً ان نواه وهدراً ان نوی الکذب وذا دیانة واما قضاءً فایلاء قهستانی وتطلیقة بائنة ان نوی الطلاق وثلاث ان نواها ویفتی بانه طلاق بائن وان لم ینوه لغلبة العرف اھ ص ۹۱۰ و ۹۱۱ ج ۲ - وفی رد المحتار ص ۷۶۲ ج ۲ وسیأتی وقوع البائن به (ای بالحرام) بلا نیة فی زماننا للتعارف لافرق فی ذلک بین محرمة وحرمتک سواء قال علیّ اولا اھ -

قائل نے اپنی بیوی کو جو یہ لفظ کہا ہے کہ "بلکہ تم کو حرام کیا" متأخرین نے عرف کی وجہ سے اس کو طلاق بائن مانا ہے جہاں ہم نے تحقیق کیا ہے ہم کو بھی اس وقت یہی معلوم ہوا کہ بیوی کو حرام کرنے سے عوام کو طلاق کے ہی معنی متبادر ہوتے ہیں دوسرے معنی کی طرف ذہن نہیں جاتا لہذا اس تقدیر پر صورت مسئولہ میں طلاق بائن واقع ہوگئی، اور اگر دوسرا نکاح اس عورت کا اس واقعہ سے بعد تین حیض گذرنے کے ہوا ہے تو وہ نکاح بھی صحیح ہوگیا۔ اور اگر سائل کے یہاں لفظ حرام سے کوئی دوسرے معنی بھی مفہوم ہوتے ہیں یا قائل نے کسی دوسرے معنی کا قصد کیا تھا تو وہ اس کو مفصل لکھے پھر جواب دیا جائے گا، واللہ اعلم۔ ۶ر شوال ۱۳۴۰ھ

شوہر کی نیت کے مطابق ایک طلاق بائن یا تین طلاق کا واقع ہونا

(سوال) نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں جو شخص اس قسم کا طلاق نامہ لکھ کر اپنی بیوی کو دے جاوے تو اس طلاق نامہ سے طلاق رجعی پڑتی ہے یا طلاق بائن یا مغلظ پڑتی ہے۔ جواب سے مطلع فرمادیں مہربانی ہوگی۔ طلاق نامہ کی نقل ذیل میں درج ہے:

نقل طلاق نامہ

منکہ عبدالحفیظ ولد محمد مہنگا سکنہ موضع کھوئیاں ڈاکخانہ ڈبوالی تحصیل سرسہ ضلع حصار کا ہوں کہ رحمی دختر کریم بخش موضع سوانہ مال ضلع رہتک کے ساتھ میرا نکاح ہوا میں نے طلاق نامہ

لکھ دیا ہے تاکہ سند رہے مہر اس کا میں چار ماہ کے اندر انشاء اللہ روانہ کردوں گا جو مبلغ ۳۶ روپئے ہیں جو مہر میں اس کا ادا نہیں کروں گا خدا کے ہاں دین دار ہوں گا اور میرا اس عورت سے کچھ دعویٰ نہیں اس کے باپ کو اختیار ہے جہاں مرضی ہو بٹھا دیوے۔

نوٹ:۔ اصل طلاق نامہ پر عبدالحفیظ کا نشان انگوٹھہ ہے اور تین شخصوں کے دستخط اور پانچ شخصوں کے انگوٹھے ہیں۔

الجواب: قال فی العالمگیریة ولو قال فی حال مذاکرة الطلاق باینتك او ابنتك او ابنت منك اولا سلطان لی علیك اوسرحتك او وھبتك لنفسك اوخلیت سبیلك الی اٰخر الامثلة یقع الطلاق وان قال لم انو الطلاق لم یصدق قضاءً ا۔ وفیھا ایضًا روی الحسن عن ابی حنیفةؒ انه اذا قال وھبتك لاھلك اولأبیك اولأمك اوللازواج فھو طلاق اذا نوی اھ ص ۶۹ ج ۲۔ پس صورت مسئولہ میں بموجب الفاظ اس طلاق نامہ کے مسماۃ رحمی پر ایک[1] طلاق بائن واقع ہوگئی بشرطیکہ شوہر نے تین طلاق کی نیت نہ کی ہو اب بدون تجدید نکاح کے وہ اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہ سکتی اور اگر شوہر نے طلاق نامہ لکھنے سے پہلے یا اس کے بعد زبان سے بھی طلاق دی ہو تو اگر دوبار اس نے طلاق کا لفظ استعمال کیا ہوگا تو مسماۃ رحمی پر تین طلاق پڑ جائیں گے۔ اسی طرح اگر اس نے زبان سے تو کچھ نہ کہا ہو لیکن طلاق نامہ لکھتے ہوئے تین طلاق کی نیت کی ہو تب بھی مسماۃ پر تین طلاق پڑ جائیں گی۔ پس دوسری صورت میں عبدالحفیظ سے اس کی نیت کا حال دریافت کیا جاوے اگر اس نے ایک طلاق کی نیت کی ہو تو ایک ہے اور اگر تین کی نیت کی ہے تو تین طلاق مغلظ واقع ہوجائیں گی واللہ اعلم۔

۱۱ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ۔

"میں تم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں" یہ الفاظ شوہر نے کہے

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین متین و مفتیان شرع مبین کہ زید نے ہندہ کو تہمت زنا لگایا خالد کے ساتھ جو ہندہ کا ماموں زاد بھائی اور اب وہ بمنزلہ حقیقی بھائی کے ہے اسی خیال پر زید نے ہندہ سے کہا کہ میں تم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں اور اپنے باپ اور قاضی کو بلالو

[1] قلت ثم ظھر لی ان الواقع فی ھذہ الصورة طلقتان کما سیأتی ۱۲ منه

میں بخوشی اسی وقت تمہارا نکاح خالد سے کئے دیتا ہوں ۔ اب ہندہ زید سے سخت ناخوش ہے اور اس سے قبل زید ہندہ سے ناراضگی کی حالت میں بارہا یہ الفاظ بھی کہہ چکا ہے کہ تم اپنے باپ کے گھر بیٹھی رہو ۔ میں اپنے گھر خوش تم اپنے گھر خوش، اور خرچ وغیرہ بھی تم کو نہیں دوں گا اب ہندہ زید سے علیحدگی چاہتی ہے، اس حالت میں ہندہ کی زید سے علیحدگی کی موافق شرع شریف کے کیا صورت ہونی چاہئے بینوا توجروا ۔ (بعض کلمات دوسرے پرچہ میں ہیں)

میں تم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں اور اپنے باپ اور قاضی کو بلالو میں بخوشی لادعوی ہوتا ہوں ۔ اور اسی وقت تمہارا نکاح خالد سے کئے دیتا ہوں ۔ میں خوشی سے لادعوی ہوا ۔ اور پھر چھاتی ٹھوک کر کہا کہ میں لادعویٰ ہو چکا ، یہ الفاظ تین مرتبہ کہا اور یہ الفاظ کہے ہوئے آٹھ ماہ کا عرصہ ہو چکا اور اس پر پردہ کرا دیا گیا ہے ۔

الجواب ؛ صورت مسؤلہ میں عورت پر تین طلاق مغلظ واقع ہو چکیں اگر زید کو یہ الفاظ کہے ہوئے اتنا عرصہ گذر چکا جس میں ہندہ کو تین حیض آچکے ہوں تو وہ اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے اور اگر تین حیض ان کلمات کے بعد سے ابھی تک پورے نہیں ہوئے تو بعد اتمام عدت دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے زید سے بدون تحلیل کے اس کا نکاح درست نہیں فان قوله علیحدگی اختیار کرتا ہوں بمعنی جدائی وصرح فی الخلاصة ص۱۰۱ ج۲ ان فی لفظة جدائی لا یحتاج الی النیة ثم قوله خوشی سے لادعوی ہوتا ہوں اور لادعویٰ ہو چکا و ان کان من الکنایات فانها تلحق بالصریح ولا یحتاج الی النیة فی حالة الغضب فانها لا تصلح الا للطلاق والجواب فی عرفنا کما لا یخفی ۔ واللہ اعلم ۔

۲۷ رجمادی الثانیہ ۱۳۴۱ھ

شوہر کا کہنا "میرا اس عورت پر کچھ دعوے نہیں"

(سوال) علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں : یہ طلاق نامہ کی نقل آپ کی خدمت میں ارسال ہے ، طلاق لکھنے والا یعنی طلاق دینے والا کہتا ہے کہ میں نے طلاق نامہ لکھتے وقت نیت طلاقِ رجعی کی کی تھی اور عدت ہی کے اندر دو گواہوں کے سامنے اپنی بیوی کو رجوع کر لیا تھا اور رجوع کرنے کی خبر بذریعہ خط اپنی عورت کو دیدی تھی آیا یہ رجعت درست ہوئی یا نہیں یا طلاق بائن ہوئی یا مغلظ ؟

نقل طلاق نامہ :۔ منکہ عبدالحفیظ ولد محمد مہنگا سکنہ موضع کھوئیاں ڈاکخانہ

ڈیوالی تحصیل سرسہ ضلع حصار کا ہوں کہ رحیمی دختر کریم بخش موضع سوانہ مال ضلع رہتک کے ساتھ میرا نکاح ہوا تھا میں نے طلاق نامہ لکھدیا ہے تاکہ سند رہے مہر اس کا میں چار ماہ کے اندر انشاء اللہ روانہ کر دوں گا جو مبلغ ۳۶ روپیہ ہیں جو مہر میں اس کا ادا نہیں کروں گا خدا کے ہاں دیندار ہوں گا اور پھر اس عورت سے کچھ دعویٰ نہیں اس کے باپ کو اختیار ہے جہاں مرضی ہو بٹھا دیوے۔

نوٹ: اصل طلاق نامہ پر عبدالحفیظ کا نشان انگوٹھا ہے اور تین شخصوں کے دستخط اور پانچ شخصوں کے انگوٹھے ہیں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں مسماۃ رحیمی پر دو طلاق بائن واقع ہو گئی ہیں ایک طلاق اس لفظ سے واقع ہو گئی "میں نے[ع۵] طلاق نامہ لکھدیا ہے" اور دوسری اس لفظ سے "میرا اس عورت پر کچھ دعویٰ نہیں" فانہ بمعنی لا سبیل لی علیک ولا سلطان لی علیک والبائن یلحق الصریح فیکون الکل بائنا پس عبدالحفیظ کا رجوع کرنا صحیح نہیں ہوا۔ ہاں اگر عورت راضی ہو تو نکاح دوبارہ ہو سکتا ہے، واللہ اعلم۔

۲۷ جمادی الثانیہ

شوہر نے کہا: "میں تیرا روادار نہیں، نہ تو میری کچھ لگتی ہے نہ میں تیرا کچھ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین متین مسئلہ ہذا میں کہ مسمی زید نے اپنی بیوی مسماۃ ہندہ سے بوجہ عقیمہ (بانجھ) ہونے کے قطع تعلق کر دیا حتی کہ بات چیت بھی نہیں کرتا اور اکثر یہ الفاظ کہتا رہتا ہے کہ تیرا دل جس جگہ چاہے چلی جا میں تیرا روادار نہیں نہ تو میری کچھ لگتی ہے نہ میں تیرا کچھ لگتا ہوں۔ میری طرف سے تجھکو طلاق ہے اور مسماۃ مذکورہ اس پر کہتی ہے کہ ایک کاغذ طلاق نامہ کا مجھے لکھدے مگر زید مذکور زبانی طلاق تو اکثر دیتا رہتا ہے کاغذ پر طلاق نامہ لکھ کر نہیں دیتا اس لئے کہ عورت مہر کا دعویٰ نہ کر دے اور پھر مہر ادا کرنا پڑے گا۔ لہذا ایسی صورت میں مسماۃ مذکورہ کیا کرے کیا ایسی صورت میں طلاق پڑ جاتی ہے یا نہیں اگر ایسی صورت میں طلاق ہو جاوے تو کسی دوسرے آدمی سے بعد عدت کے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں ہندہ پر تین طلاق پڑ گئیں اب اس کو زید کے پاس رہنا ہرگز جائز نہیں عدت کے بعد وہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے طلاق نامہ لکھنے پر وقوع

ع۵ لانہ یتضمن الاقرار بالطلاق السابق واقرار الطلاق طلاق کما عرف فی موضعہ ۱۲ منہ

طلاق موقوف نہیں ہوا کرتی ۔ قال فی العالمگیریۃ ولو قال لہا مرا باتو کارے نیست وترا بامن نے اعطینی ماکان لی عندك واذھبی حیث شئت لایقع بدون النیۃ کذا فی الخلاصۃ اھ ص۲۷۵ ج ۲ قلت وھو یفید الوقوع بالنیۃ ومذاکرۃ الطلاق فی حکم النیۃ کما عرف فیقع واحدۃ بقولہٗ تیرا دل جس جگہ چاہے چلی جا میں تیرا روادار نہیں" والثانیۃ بقولہٗ "نہ میں تیرا کچھ لگتا ہوں نہ تو میری کچھ لگتی ہے" فی العالمگیریۃ ولو قال ما انت لی بامرأۃ ولست لك بزوج ونوی الطلاق یقع عند ابی حنیفۃ اھ ص۲۶۹ ج۲ اور جب شوہر نے زبانی طلاق اکثر دی ہے تب تو صراحۃً ہندہ پر تین طلاق واقع ہوگئیں اب وہ بدون تحلیل کے زید کے لئے حلال نہیں ہوسکتی، واللہ اعلم - ۱۹ ر رجب ۱۳۴۱ھ

بامر سیدی حکیم الامت

طلاق بلفظ "جا نکاح کر" و تفصیل حکم کنایات دیانۃً وقضاءً

(سوال) زید نے مسماۃ ہندہ سے کہا کہ "اب تو دوسرا نکاح کرے گی ہی فلاں سے" یا یوں کہا "جا نکاح کر" یا ہندہ کے گھر والوں سے کہا کہ "جاؤ دوسرا انتظام کردو"۔ لفظ ثالث سے مقصود طلاق نہیں علیٰ ہذا ماقبل کے دونوں لفظوں سے بھی طلاق کا خیال نہیں ۔ زید کہتا ہے کہ میں نے الفاظ مذکورہ اس وجہ سے استعمال کیا کہ آئندہ ہندہ کو عبرت ہو پھر ایسے حرکت ناشائستہ نہ کرے ممکن ہے کہ آئندہ اپنی حرکت نامعقول سے باز آجاوے ۔ جب مقصود تنبیہ ہے طلاق نہیں تو کیا دلالت حال کا اعتبار کر کے شرع وقوع طلاق کا حکم لگا سکتی ہے یا نہیں اگر یہ الفاظ مذاکرۃ طلاق اور حالت غضب میں نہ کہے جاویں بلکہ استہزاءً کہے جاویں تو کیا حکم ہے ؟

(۲) فقہاء نے کنایہ کی تعریف یہ کی ہے : مایوضع لہ ولغیرہ ولا یقع الطلاق الا بالنیۃ اوبدلالتہ کحالۃ الغضب ومذاکرۃ الطلاق ۔ سوال یہ ہے کہ دلالت اس وقت بھی معتبر ہے جبکہ کنایات سے مقصود طلاق نہ ہو صرف علیٰ سبیل التنبیہ و التہدید تلفظ کئے گئے ہوں جیسا کہ صور مذکورہ میں، یا ایسے صورت میں دلالت معتبر نہیں اور طلاق واقع نہیں ہوگی ۔

(۳) اگر زید کی نیت قضاءً معتبر نہ ہو تو کیا دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ بھی معتبر نہ ہوگی یعنی اگر قضاءً ہندہ طالق ہوگئی تو فیما بینہٗ وبین اللہ بھی طالق ہوئی یا نہیں اگر دیانۃً طلاق نہیں پڑی تو کیا تعلق رکھنا ہندہ سے جائز ہے یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے ؟

(۴) زید نے ہندہ کو دو طلاق رجعی دی (اس واقعہ کے قبل) اور رجعت بھی کرلی پھر ایک مدۃ کے بعد الفاظ کنایہ کا تکلم کیا جن سے ایک طلاق بائن پڑی۔ اب سوال یہ ہے کہ دو اور ایک ملکر تین طلاقیں ہوئیں اور ہندہ مغلظہ ہو گئی یا ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے مغلظہ نہیں ہوئی۔ ازمنۂ متفرقہ کی تین طلاقین جو مغلظ ہو جاتی ہیں وہ رجعی اور ایک قسم کے طلاق کا مسئلہ ہے یا دو قسموں کا بھی یہی حکم ہے؟

حاصل مرام یہ ہے کہ اب جوازِ تعلق کی کوئی صورت ہندہ سے ہے یا نہیں بالتفصیل سوالات مذکورہ بالا کا جواب دے کر فلاح دارین حاصل کیجئے نقط بینوا توجروا۔

الجواب: زید کا یہ قول کہ "اب تو تو دوسرا نکاح کرے گی ہی" کنایہ یا صریح کچھ نہیں اس سے انشاء طلاق کا قصد محاورات میں نہیں ہو سکتا اور دوسرا اور تیسرا لفظ یعنی یعنی "جا نکاح کر" یا ہندہ کے اہل سے کہا "جاؤ دوسرا انتظام کرو" یہ کنایات طلاق میں سے ہے جس کا حکم یہ ہے کہ قضاءً دلالت حال غضب یا مذاکرہ کے ہوتے ہوئے بدون نیت کے اس سے طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر دلالت حال ومقال نہ ہو تو بدون نیت کے وقوع نہ ہو گا۔ اور دلالت حال غضب کے ہوتے ہوئے قضاءً نیت تہدید مسموع نہ ہوگی اور عورت قضاء کا سا معاملہ کرے گی اور دیانۃً جمیع کنایات میں بدون نیت کے طلاق واقع نہیں ہوتی کما یظہر من الدر والشامیۃ (ص ۶۴، ۷ و ۶۵، ۷ ج ۲) من تقییدہما مسئلۃ وقوع الطلاق بہا بدلالۃ الحال من غیر نیۃ بالقضاء وتعلیلہما ایاہا بانہ صرف عن الظاہر فلذا وقع بہا قضاءً بلا توقفٍ علی النیۃ کما فی صریح الطلاق اذا نوی بہ الطلاق عن وثاق اھ قلت وقد مر فی باب الصریح انہ لو نوی بہ الطلاق عن وثاقٍ دُیِّنَ فکذا فی المشبہ فافہم۔

(۲) دلالت قائم مقام نیت کے ہے بلکہ اس سے اقویٰ ہے قال فی الدر وفی مذاکرۃ الطلاق یتوقف الاول فقط ویقع بالاخیرین وان لم ینویا لان مع الدلالۃ لا یصدق قضاءً فی نفی النیۃ لانہا اقویٰ لکونہا ظاہرۃ والنیۃ باطنۃ اھ (ص ۶۵، ۷ ج ۲) لہذا دلالت حال کے ہوتے ہوئے نیت کی کوئی ضرورت نہیں بدون نیت کے بھی قضاءً وقوع طلاق ہو جائے گا البتہ دیانۃً کنایات سے دلالت حال کے بعد بھی نیت ہی سے وقوع ہوتا ہے بدون نیت کے وقوع نہیں ہوتا۔

(۴) جن صورتوں میں قضاءً وقوع طلاق ہوتا ہے اور دیانۃً نہیں ہوتا وہاں حکم یہ ہے

کہ شوہر کو تو بیوی کے ساتھ معاملۂ زوجیت جائز ہے لیکن اگر عورت نے الفاظ طلاق کنایہ وغیرہ خود سُنے ہیں یا تو کسی عادل نے اسے خبر دی ہے تو اس کو شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں اور نہ تمکین جائز ہے لانہا کالقاضی لاتقبل منہ الا ما یقبلہ القاضی وتس دّ مایس دّہٗ۔

(۴) دو طلاق رجعی کے بعد تیسری طلاق کنایہ خواہ متصل دے یا منفصل وہ دو پہلی طلاقوں کے ساتھ مل کر تین طلاق ہو جائیں گی خواہ تیسری کتنے ہی زمانہ کے بعد دے پس جس عورت کو دو طلاق رجعی پہلے مل چکی ہوں پھر عرصہ کے بعد طلاق بائن دی گئی ہو وہ اب تین طلاق کے ساتھ مغلظہ ہو جائے گی جو بدون تحلیل کے اپنے شوہر کے واسطے حلال نہیں ہو سکتی، واللہ اعلم۔ ۱۵ ذی الحجہ ۴۲ھ

تیرے ساتھ جماع کروں تو ماں بہن سے جماع کروں میں نے تجھ کو چھوڑ دیا، تیرا میرا کچھ تعلق نہیں کہنے سے طلاق بائن واقع ہونے کا حکم

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ "اگر میں تیرے ساتھ جماع کروں تو میں اپنی ماں بہن کے ساتھ کروں، میں نے تجھ کو چھوڑ دیا میرا تیرا کچھ تعلق نہیں خواہ تو کہیں رہ میں کہیں رہوں"۔ پھر واپس نہیں آیا اپنی دوکان میں خود رہنے لگ گیا اور عورت کو گھر چھوڑ گیا پھر گھر نہیں آیا پھر عورت کا مقدمہ وغیرہ چلایا اور جب اس سے دریافت کیا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے اس کی بدچلنی دیکھ کر اس سے اظہار ناراضگی کی تھی طلاق کا میرا ارادہ نہیں تھا جب پوچھا جاتا ہے کہ پھر تو اس کے پاس کیوں نہیں پہونچا تو کہتا ہے کہ یہ بدافعالی سے باز نہیں آتی تھی میرے کہنے پر عمل نہ کرتی تھی اور مجھ میں اتنی قوت وطاقت نہیں جو مقدمہ چلاؤں یا جس کے گھر میں ہے اس سے مقابلہ کروں میرا معاملہ اللہ کے یہاں ہے اگر میری ہوگی تو مل جائے گی ورنہ بروز قیامت سمجھوں گا تو کیا اس سے طلاق ہو گئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اس شخص کا یہ قول تو محض لغو ہے کہ "اگر تیرے ساتھ جماع کروں تو اپنی ماں بہن کے ساتھ کروں" البتہ اُس کا یہ قول "میں نے تجھ کو چھوڑ دیا" طلاق میں صریح ہے اور یہ لفظ "میرا تیرا کچھ تعلق نہیں" کنایہ ہے اور چونکہ مذاکرۂ طلاق میں واقع ہوا ہے اس لئے محتاج نیت نہیں پس اس شخص کی بیوی پر دو طلاق بائن واقع ہو گئیں۔ اگر طرفین راضی ہوں تو عدت میں یا بعد عدت کے تجدید نکاح کر کے باہم رہ سکتے ہیں اگر تجدید نکاح نہ کریں تو بعد عدت کے یہ عورت دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے قال فی الھندیۃ ولو قال الرجل تراچنگ باز داشتم او بہشتم اویلہ کردم ترا فھذا کلہ تفسیر قولہ طلقتك عرفا حتی یکون رجعیا ویقع بدون

النية من الخلاصة (ص ۷۲ ج ۲) وفيه ايضاً لو قال ان وطئتك وطئت امي فلا شيء عليه كذا في غاية السروجي (ص ۱۴۷ ج ۲) ولحوق البائن بالصريح معروف والله اعلم۔
۲۵ محرم ۴۵ھ

شوہر کا بیوی سے یہ کہنا کہ "تجھ کو میری طرف سے جواب ہے"

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمارِ دین متین و مفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زینب کا شوہر عرصہ سے زینب کا نان و نفقہ ادا نہیں کرتا ہے آج جو زینب اپنے نان و نفقہ کے تقاضا کے لئے شوہر کے پاس گئی اور شوہر سے اپنا نان و نفقہ مانگا تو اس کے شوہر نے جواب میں مندرجہ ذیل الفاظ کہے "تیرے سترہ خصم ہیں خدا کی قسم تجھ کو میری طرف سے جواب ہے" ان الفاظ سے زینب کو کیا سمجھنا چاہئے طلاق ہوگی یا نہیں اور ہوگئی تو کس قسم کی طلاق ہوئی؟ بینوا توجروا۔

تنقیح اوّل :۔ یہ الفاظ کتنے مرتبہ کہے اور غصہ میں کہے تھے یا بدون غصہ کے اور عورت نے ان الفاظ سے قبل طلاق کا مطالبہ کیا تھا یا نہیں اس کا مفصل جواب مع اس پرچہ کے روانہ کیا جائے۔

جواب تنقیح اوّل :۔ زینب کے شوہر نے الفاظ مذکورہ فی الفتویٰ کو دو بار کہا اور غصہ کی حالت میں کہا زینب نے اس الفاظ سے قبل طلاق کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

تنقیح ثانی :۔ اس استفتاء کے متعلق ابھی یہ امر قابلِ تحقیق ہے کہ خاوند کیا کہتا ہے اس لفظ کہتے وقت کیا نیت بتلاتا ہے اور یہ بھی لکھیں کہ نفقہ کا مطالبہ کرنے پر فوراً اس نے یہ لفظ مذکور فی السوال کہدیئے یا مطالبہ کے بعد اور کچھ گفتگو بھی ہوئی تھی صاف لکھیں کہ یہ الفاظ کس سوال اور گفتگو کے بعد کہے تھے ؟

جواب تنقیح ثانی :۔ زینب بغرض دریافت نیت بوقت تکلم الفاظ مذکور فی الفتویٰ شوہر کے پاس گئی شوہر نے ہاتھ پکڑ کر دروازہ کی طرف کر دیا اور کہا کہ میں تجھ سے کہہ چکا ہوں تجھے میری طرف سے جواب ہے چاہے جہاں جا" ان الفاظ کو چند مرتبہ کہا۔ نیز وہ الفاظ فی السوال شوہر نے اس مطالبہ کے بعد فوراً ہی کہدیئے تھے اور کچھ گفتگو نہیں کی تھی۔

الجواب ؛ صورت مسئولہ میں شوہر کا بیوی کو ہاتھ پکڑ کر نکالنا اور یہ کہہ دینا کہ تجھے میری طرف سے جواب ہے چاہے جہاں جا" معنی طلاق کو مفید ہے لفظ جواب ہمارے محاورے میں کنایہ ہے جو غضب وغیرہا کے قرینہ کے بعد محتاج نیت نہ رہے گا لہٰذا زینب پر

صورت مسئولہ میں ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ان الفاظ کو چند دفعہ کہنے سے متعدد طلاق نہ ہوں گی لان البائن لا یلحق البائن اور عدت پہلی بار کے قول سے شمار ہوگی۔

۹ جمادی الثانیہ ۴۵ھ

لفظ "صاف جواب ہے" سے بشرط نیت طلاق بائن واقع ہوگی

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع مبین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی نابالغ کا نکاح ایک شخص بالغ کے ساتھ کر دیا اس کے کچھ عرصہ بعد اس شخص کو لڑکی والے نے کہا کہ تم اپنی بیوی کو لے جاؤ اس کا انتظام کھانے کپڑے کا کرو میں غریب آدمی ہوں مجھ سے خرچ نہیں اوٹھ سکتا ہے۔ اوس شخص نے جواب دیا کہ میں ذمہ دار نہیں ہوں تمہاری خوشی ہے اور تم کو اختیار ہے کہ اپنی لڑکی کا چاہے جہاں نکاح کردو میں مزاحم نہیں ہوں میری طرف سے صاف جواب ہے میں تمہاری لڑکی کو نہیں رکھ سکتا ہوں اور نہ رکھوں گا"۔ اور اب تک یہ لڑکی منکوحہ نابالغ ہی ہے بالغ بھی نہیں ہوئی ہے صرف اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا تھا اور بلکہ اس شخص نے اس سے پہلے ایک اپنی بیوی جان سے مار ہی ڈالی تھی یہ شخص ظالم اور خونی بھی ہو چکا ہے اب اس لڑکی کا باپ لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر سکتا ہے یا کہ نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ یہ غریب آدمی ہی اس قدر خرچہ نہیں اوٹھا سکتا ہے برائے عنایت اس کا جواب با صواب مرحمت فرمائیں بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر اس شخص نے لفظ "صاف جواب ہے" سے یا اس کے قبل الفاظ سے نیتِ طلاق کی ہے اس لڑکی پر ایک طلاق بائن واقع ہو چکی ہے لان قولہ "چاہے جہاں نکاح کردو" وقولہ" صاف جواب ہے" مستعمل فی الطلاق عرفاً ولکنہ کنایۃ فیحتاج الی النیۃ۔ پس بعد انقضاء عدت کے اس لڑکی کا دوسرا نکاح ہو سکتا ہے۔ اور اگر زوج نیت طلاق سے انکار کرے اور اس پر حلف کرلے تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔

واللہ اعلم۔ ۱۵ شعبان ۴۴ھ

لفظ حرام سے بلا نیت طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے

(سوال) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تم میرے واسطے حرام ہوگئی تو اس کا شرع میں کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اگر تین کی نیت نہ کی ہو اور بدون دوبارہ نکاح کئے وہ اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی اور اگر تین کی نیت کی ہے تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ قال فی الشامیۃ والحاصل ان المتاخرین

خالفوا المتقدمین فی وقوع البائن بالحرام بلا نیة حتی لو قال لم انو لم یصدق لاجل العرف الحادث فی زمان المتاخرین الی ان قال ان لفظ حرام معناه عدم حل الوطئ ودواعیه وذلك یکون بالایلاء مع بقاء العقد وهو غیر متعارف ویکون بالطلاق الرافع للعقد وهو قسمان بائن ورجعی لکن الرجعی لا یحرم الوطئ فتعین البائن وکونه التحق بالصریح للعرف لاینافی وقوع البائن به فان الصریح قد یقع به (البائن) کتطلیقة شدیدة کما ان بعض الکنایات قد یقع به الرجعی مثل اعتدی ونحوه والحاصل انه لما تعورف به الطلاق صار معناه تحریم الزوجة وتحریمها لایکون الا بالبائن اھ (ص ۲۶۳ ج ۲) قلت وکذا هو عرفنا اهل الهند تعورف للطلاق ولایفهم به الایلاء فی العرف اصلا، والله اعلم۔

۱۱ر محرم ۳۵ھ

وہ میری زوجیت سے باہر ہے وہ میرے لئے مرگئی اور میں اس سے مرگیا کہنے سے بلانیت طلاق واقع نہیں ہوگی

سوال: کیا فرماتے ہیں مندرجہ ذیل بیان کے واسطے:

جناب خالد خان بات یہ ہے کہ میں آصف نگر جارہا ہوں اور برخوردار حافظ کو جو ایک سال عمر کا ہے، اپنے ہمراہ لے جارہا ہوں اور تمہاری ہمشیرہ بغیر میری اجازت کے چلی آئی ہے یہ کام اچھا نہیں۔ اس واسطے وہ میری زوجیت سے باہر ہے وہ میرے سے مرگئی اور میں اس سے مرگیا فقط۔ یہ ایک ردی کاغذ پر ہے دستخط کوئی نہیں ہے شہادت کوئی نہیں نہ زوجہ سامنے ہے صرف ردی کاغذ پر لکھا ہے۔ سوال: کیا یہ طلاق ہوگئی نکاح سے خارج ہوگئی زوجیت سے باہر ہے یہ کہنا درست ہے کیوں کہ وہ پاس نہیں نکاح سے باہر نہیں کہا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں زوج کی نیت پر مدار ہے اگر اس کی نیت طلاق کی تھی تو طلاق واقع ہوگئی ورنہ نہیں لما فی العالمگیریة (ص ۶۹ ج ۲) ولو قال ما انت لی بامرأة ولست لك بزوج ونوی الطلاق یقع عند ابی حنیفة وعندهما لا یقع وفیه ایضا (ص ۷۱ ج ۲) وان کانت (ای الکتابة) مستبینة غیر مرسومة ان نوی الطلاق یقع والا فلا فقط - کتبه عبدالکریم عفی عنه، ۲۸ر ۱۲ر ۴۴ھ

الجواب صحیح۔

ظفر احمد عفا عنه، ۲۸ر ۱۲ر ۴۴ھ

"تجھ سے کوئی سروکار نہیں نہ میں شوہر نہ تو زوجہ" کہنے سے طلاق کا حکم

سوال، اگر کسی نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ "اگر اس مکان سے فلاں مکان میں گئی تو مجھے تجھ سے کوئی سروکار و واسطہ نہیں اور نہ میں شوہر اور نہ تو زوجہ" اور وہ عورت اُس مکان میں چلی گئی جس کی ممانعت تھی اور وہاں ہی ہے۔ ایسی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب؛ فی العالمگیریة (۲۶۹ ج ۲) ولو قال لم یبق بینی وبینک شئ ونوی به الطلاق لا یقع وفی الفتاوی لم یبق بینی وبینک عمل ونوی یقع وفی العتابیه ولو قال لها مرا با تو کارے نیست وترا با من نے اعطنی ما کان عندك لا یقع بدون النیة اھ خلاصه (ص ۲۹۸ ج ۲) وفی الدر لست لك بزوج او لست لی بامرأة طلاق ان نواہ خلافا لهما اھ قال الشامی اشار بقوله طلاق الی ان الواقع بهذه الکنایة رجعی اھ (ص ۷۴۴ ج ۲) وفی الشامیة تحت قوله (فلا یرد الخ) ای اذا علمت ان الضمیر فی باقیها عائد الی الالفاظ المذکورة فی المتن فلا یرد ان غیرها من الفاظ الکنایات قد یقع به الرجعی من کل کنایة فیها ذکر الطلاق الخ (ص ۷۶۶ ج ۲) وفیه بعد اسطر عن البحر وجود الطلاق مقتضی او مضمرا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اگر نیت طلاق کی تھی تو ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی اور اگر طلاق کی نیت نہ تھی تو ظاہر کیا جاوے کہ کیا نیت تھی۔ ۲ رجب ۴۴ھ

رانڈ کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں۔ اگر طلاق کی نیت سے نہ کہے ہوں تو طلاق واقع نہیں ہو گی

سوال، کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اہل السنة والجماعت کثر اللہ جماعتہم سوالات مستفسرہ ذیل کے جواب میں:۔

ہندہ کا نکاح جبکہ عمر اس کی گیارہ سال کی تھی زید کے ساتھ ہوا۔ بعد شادی ہندہ اپنے میکہ میں قریب ڈیڑھ سال رہی اور میاں بیوی میں یکجائی و تنہائی (زفاف) نہیں ہوا بعد میں زید بیمار ہوا قریباً ۱۵ یا ۱۶ روز تک بیمار رہا۔ اس عرصہ بیماری میں زید نے اور اس کے رشتہ داروں نے ہندہ کو اس کے میکہ میں چند مرتبہ بلاوا بھیجا۔ لیکن ہندہ اپنے خاوند زید کے مکان نہیں گئی اور زید کی وفات کے ۳ یا ۴ یوم قبل زید نے اپنے حقیقی چچا کو ہندہ کو لانے کے لئے بھیجا اس لئے کہ ہندہ سے مہر بخشوالیا جاوے۔ لیکن ہندہ نہیں آئی یہ واقعہ زید کے پاس بیان کیا گیا زید نے کہا کہ "رانڈ کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں" بعد میں زید مر گیا۔ اس واقعہ کے ایک ماہ بعد ہندہ کا نکاح خالد کے ساتھ ہندہ کی سسرال میں جبکہ وہ زید کی وفات کے بعد اپنی سسرال میں آئی ہوئی

تھی کر دیا گیا بعد نکاح ہندہ نے اپنی والدہ و بھائیوں سے بلا رضامندی اس کے نکاح پڑھا دیا جانا بیان کیا۔ اس کی بابت ہندہ کے بھائی نے جملہ مسلمانانِ ڈیڈوانہ کے سامنے سوال پیش کیا۔ انہوں نے گواہان کو جن کے سامنے مذکورہ الفاظ زید نے استعمال کئے تھے بلایا و نیز قاضی طلب کیا گیا۔ گواہ عبداللہ کا یہ بیان ہے کہ زید نے اس کے سامنے قریب ۸ بجے رات کو بموجود رحیم بخش وسمن یہ کہا تھا کہ "رانڈ کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں"۔

ذمہ دار قاضی کا یہ بیان ہے کہ میں نے نکاح پڑھانے والے کے کہنے پر نکاح پڑھانے کی اجازت دے دی تھی۔ نکاح پڑھانے والے کا (یعنی پسر قاضی کا) بیان ہے کہ میرے پاس زید کی وفات سے ۶ یا ۷ روز بعد زید کا چچا سمن میرے پاس آیا اور کہا کہ زید کا مہر دیکھ دو کیونکہ متوفی نے مرنے سے پہلے یہ کہا تھا کہ رانڈ کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں اس کا مہر دے دینا۔ چنانچہ مہر دینا ہی اس پر نکاح پڑھانے والے نے کتاب دیکھکر نکاح ثانی بلا عدت ہو سکنے کا کہدیا پھر نکاح پڑھانیوالے نے سمن رحیم بخش و عبداللہ گواہان متذکرہ بالا کو بلا کر دریافت کیا تھا تو گواہان نے اس کے سامنے یہ کہا تھا کہ مرنے والے نے یہ الفاظ کہے تھے کہ "رانڈ میرے کام کی نہیں مت بلاؤ اس کا مہر دیدینا" اس پر نکاح پڑھا دیا گیا اور اُن کا استدلال بہشتی زیور حصہ چہارم[۱] ص ۳۵ باب رخصتی سے پہلے طلاق ہو جانے کا بیان پر ہے جس میں جملہ گول مول لفظوں پر طلاق کا ہونا قیاس کیا گیا ہے، گواہ سمن بوجود نہیں ہے گاؤں گیا ہوا ہے لیکن اس امر کو رفع حجت و اطمینان دائمی کے لئے دریافت کرنا ضروری ہے۔ لہذا بحالات مذکورہ شرعاً ہندہ کا نکاح خالد کے ساتھ جائز ہوا؟

سوال: رضامندی اور بلا رضامندی کی یہ کیفیت ہے کہ نکاح پڑھانے والے کا یہ بیان کہ اس نے ہندہ سے دریافت کیا کہ خالد کے ساتھ تم نکاح پڑھنے کے لئے رضامند ہو تو اس کی تصدیق عمر اور بکر گواہاں سے کی۔ ہندہ سے دریافت کیا گیا تو اس نے ایسی رضامندی دینے سے قطعی انکار کر دیا اور قریب عمر اور بکر کی موجودگی بیان کی اور ایک شخص حامد کو بتلایا جس کا یہ بیان ہے کہ ہندہ نے میرے سامنے نکاح سے انکار کیا۔ جب قاضی پیچھے ہٹ گیا پھر ہندہ نے کہا کہ میں اپنی سسرال کا گھر چھوڑنا نہیں چاہتی پھر اس نے رضامندی دے دی۔

---

[۱] بہشتی زیور حصہ چہارم میں طلاق کنایہ کا حکم بھی تو دیکھنا چاہئے تھا جس میں تصریح ہے کہ بدون نیت کے یا مذاکرۂ طلاق کے وقوع طلاق نہ ہوگا۔ ۱۲ ظفر

صورتِ مذکورہ بالا میں

(۱) رضامندی صریح یا معنوی ہوتی ہے یا نہیں ؟

(۲) کیا زید کے الفاظ کہ رانڈ میرے کام کی نہیں مت بلاؤ طلاق بالکنایہ کی حد کو پہنچتے ہیں ؟

(۳) اگر طلاق کی حد کو پہنچتے ہیں تو کونسی طلاق پڑے گی ؟

(۴) اگر طلاق بالکنایہ کی حد کو نہیں پہنچتے ہیں تو خالد کے ساتھ ہندہ کا نکاح ناجائز ہے یا جائز ؟

غرضیکہ حالات مندرجہ بالا کو بغور ملاحظہ فرما کر بالتشریح جواب معہ حوالہ حدیث و فقہ و قرآن عنایت فرمایا جاوے بینوا توجروا۔

الجواب : یہ لفظ " رانڈ کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں " الفاظ طلاق میں سے صریحہ نہیں اور کنایہ کی اس قسم سے ہے جو سبّ و شتم کو بھی محتمل ہیں اور جو کنایات محتمل سبّ و شتم ہوں ان سے طلاق کا واقع ہونا جمیع حالات میں نیت زوج پر موقوف ہے اور صورت مسئولہ میں زید نے اس لفظ سے ارادہ طلاق بیان نہیں کیا پس ہندہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور جب زید اس واقعہ کے تین چار روز کے بعد مرگیا تو ہندہ پر عدتِ وفات چار ماہ دس دن واجب ہوگئی لکونہا منکوحۃ غیر مطلقۃ وقت موتہ اور چار ماہ دس دن گزرنے سے پہلے جو ہندہ کا نکاح خالد کے ساتھ ہوا ہے وہ صحیح نہیں ہوا اور اب اگر ہندہ خالد ہی کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو وفات زید سے چار ماہ دس دن گذرنے کے بعد نکاح خالد سے کرسکتی ہے اور اگر خالد کے سوا کسی اور سے کرنا چاہے تو اگر خالد سے ہمبستری ہوچکی ہے تو جب تک خالد سے علیحدگی کے بعد دوسری عدت نہ گذرے غیر خالد سے نکاح درست نہیں اور اگر خالد سے ہمبستری نہیں ہوئی تو دوسری عدت کی ضرورت نہیں اور عدت ثانیہ تین حیض ہے اگر ہندہ کو حیض آتا ہو اور اگر حیض نہ آتا ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے اور اس کو بھی واضح کیا جائے کہ خالد سے ہمبستری ہوئی تھی یا نہیں، واللہ اعلم۔ ۲۱ ذی الحجہ ۴۹ھ

لفظ آزاد کے کنایہ ہونے اور نہ ہونے کی تحقیق

(سوال) محمد یامین سکنہ پسر حافظ قطب الدین مرحوم سکنہ دیوبند اپنی جا ملازمت سہارنپور سے اپنی اہلیہ کو لینے کی غرض سے دیوبند آیا چونکہ اہلیہ بجائے اپنے والدین کے اپنی پھوپھی کے ہاں گئی ہوئی تھی اہلیہ سے کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی، اہلیہ کے برادر سید حسن سے کہا گیا کہ تم ڈولی سے اپنی ہمشیرہ کو اپنے یہاں لے آؤ میں اس سے کچھ گفتگو کروں گا۔ برادر اہلیہ نے کہا کہ میں بعد نماز جمعہ ڈولی بھیجدوں گا

چنانچہ میں تین بجے کے قریب سسرال میں گیا وہاں پر خسر صاحب کے دریافت کرنے پر کہ کیا تم لینے کے لئے آئے ہو، میں نے ظاہر کیا ہے کہ ہاں لینے ہی آیا تھا مگر خسر صاحب نے اس پر کچھ ناراضگی ظاہر کی میں خاموش ان کی گفتگو کو سنتا رہا بعدہٗ سید حسن برادر اہلیہ سے دریافت کیا کہ تم سے ڈولی کے لئے کہا تھا اس پر جواب ملا کہ والد نے منع کر دیا ہے اس وجہ سے ڈولی نہیں بھیجی، میں سید حسن کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے سید محمد محتشم کے مکان پر جہاں میری والدہ بھی مقیم تھیں گیا سید حسن نے واپس مکان چاہا تو میں نے اس کو یہ کہکر روک لیا کہ باغ دیکھنے شبیر احمد کے ہمراہ چلیں گے مگر شبیر احمد اس وقت تک اپنے مکان سے نہیں آئے تھے، میں نے والدہ صاحبہ سے کہا کہ جب کبھی لے جانے کا ذکر ہوتا ہے تو خسر صاحب کو ناگوار گذرتا ہے اس سے بہتر ہے کہ آپ یہاں سے کسی کو بھیجکر سہارنپور سے اپنا اسباب منگالو اور یہاں ہی رہو کیونکہ وہاں مکان کرایہ پر ہے اور اسباب کی وجہ سے خالی مکان کا کرایہ دینا پڑتا ہے، والدہ صاحبہ نے جواب دیا کہ دو چار روز میں میں بہو کو لیکر چلی آوٗں گی مکان کو ابھی نہیں چھوڑنا چاہئے، کیونکہ مجھے اس وقت یہ خیال پختہ نہ تھا کہ خسر صاحب اہلیہ کے بھیجنے پر رضا مند نہیں ہیں۔ میں نے والدہ کو جواب دیا کہ میری طرف سے تم بھی آزاد ہو اور وہ بھی آزاد ہے جب چاہو آوٗ میری تکلیف کی کسی کو بھی پرواہ نہیں اور میرا نقصان کرا رہی ہو اس وقت یہ الفاظ محض اس نیت سے کہے گئے تھے کہ گویا تم دونوں کو میری کچھ فکر نہیں ہے طلاق کی نیت سے یہ الفاظ نہیں کہے گئے اور میں ایک خط خسر صاحب کو لکھنے کے لئے وہاں ہی بیٹھ گیا خط لکھتے ہوئے دیکھ کر والدہ نے کہا کہ میرے منہ کو کیوں کمبل بندھوائے ہے، میں نے جواب میں باآواز کہا کہ میں بے شرع نہیں ہوں اور نہ میں طلاق نامہ لکھ رہا ہوں محض ایک خط لکھ رہا ہوں جس کا جواب سید حسن مجھے لادے گا اور میں شام کی گاڑی سے واپس چلا جاوٗں گا، تھوڑی ہی دیر میں شبیر احمد بھی آگئے اور والدہ صاحبہ کے اشارہ پر کاغذ کو میرے ہاتھ سے لینا چاہا، میں نے ان کو یہی جواب دیکر کاغذ واپس لے لیا کہ مجھے خط پورا کرنے دو پھر دیکھ لینا چنانچہ میں نے خط کو پورا کر کے شبیر احمد کو دے دیا کہ اب تم خود بھی پڑھ لو اور والدہ صاحبہ کو بھی سنا دو، اس خط کو شبیر احمد نے پڑھا اور سید محمد محتشم کو جو اس وقت مکان میں موجود تھے دکھانے کے لئے اندر لے گئے میں بھی بعد کو اندر گیا تو محمد محتشم نے مجھ سے کہا کہ تم عقلمند ہو بڑوں کو اس قسم کے خطوط نہیں لکھا کرتے اس خط کو مت بھیجو اور اگر وہ تمہاری اہلیہ کو نہیں جانے دیتے تو تم ہی خاموش ہو جاوٗ

دیکھیں کب تک رکھتے ہیں اپنے آپ بھیجدیں گے ۔ میں نے اس خط کو اپنے پاس رکھ لیا اور باہر آگر دیکھا تو سید حسن نہیں ملا، میں نے وہ خط مولوی نورالحسن صاحب کو دکھایا مولوی صاحب نے اس کو پڑھکر پھاڑ دیا اور کہا کہ بڑوں کو ایسے الفاظ نہیں لکھا کرتے ۔ کیونکہ میرے خط میں الفاظ سخت تھے ، اس وجہ سے میں بھی خاموش ہوگیا مگر خط میں اہلیہ کا کوئی تذکرہ نہ تھا ۔ اگلے روز شام کے وقت مجھے معلوم ہوا کہ اہلیہ کی پھوپھی آئی تھیں اور کہتی تھیں کہ سید حسن نے یہ جاکر کہا کہ محمد یامین نے طلاق دے دی ہے ۔ چنانچہ ان کو جواب دیا گیا کہ یہ بالکل غلط ہے اور یامین صبح سے باغ میں گیا ہوا ہے ۔ شام کو جب میں باغ سے واپس آیا تو والدصاحبہ نے یہ قصہ مجھ سے کہا ۔ میں نے مولوی نورالحسن صاحب کو اطلاع دی کہ ایسی افواہ اڑا دی گئی ہے اگر اس خط کو نہ پھاڑتے تو اس وقت وہ خط ان کو دکھا کر تسلی کردی جاتی خیر مولوی صاحب نے اُس وقت تو مجھ سے یہ کہکر ٹال دیا کہ ہم خود اس معاملہ کو حل کردیں گے، سید حسن بچہ ہے وہ اس معاملہ کو کیا جانے ۔ اتوار کے روز صبح کو مولوی صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ تمہارے خسر صاحب بلاتے ہیں ۔ چنانچہ میں گیا اور خسر صاحب سے گفتگو کی میں نے خسر صاحب کو یہ یقین دلانا چاہا کہ میں نے طلاق نہیں دی اور نہ طلاق کے الفاظ استعمال کئے مگر ان کو یقین نہیں آیا اور یہ کہکر چلے گئے کہ شام کو اس کا جواب دوں گا ، چنانچہ میں نے پیر کے روز خود اہلیہ کی پھوپھی اور برادر اولاد حسین سے اس واقعہ کی تردید کی اور شام تک انتظار دیکھ کر منگل کے روز اپنی جائے ملازمت پر سہارنپور واپس چلا آیا ۔ جو اصلی اور صحیح واقعات شروع سے اخیر تک گذرے ہیں وہ نہایت ایمانداری اور سچائی کے ساتھ اس تحریر میں درج کردیئے ، میں طلاق کو عدمِ طلاق اور عدمِ طلاق کو طلاق بنانا نہیں چاہتا اور قسمیہ تحریر ہے کہ میرے الفاظ بہ نیت طلاق نہ تھے ۔ اس پر مفتیان شرع متین فتویٰ دیں کہ آیا اس واقعہ سے طلاق ہوئی یا نہیں ؟ تاکہ میں اور اہلیہ آخرت کی خرابی سے بچ جاویں، فقط ۔

الجواب : حامداً و مصلیاً ، جو الفاظ سوال میں مذکور ہیں وہ کنایاتؑ طلاق کے ہیں لیکن مابعد کا کلام اور متکلم کا ان سے طلاق کا ارادہ نہ کرنا معنی طلاق کی ان الفاظ سے نفی کر رہا ہے اس لئے اس صورت میں دیانۃً کسی قسم کی طلاق شرعاً واقع نہیں

عہ ہم نے اپنے جواب میں اس کا کنایاتِ طلاق سے ہونا صورۃ مسئولہ میں تسلیم نہیں کیا ۱۲ ظفر

ہوگی، واللہ اعلم بالصواب۔

رقمہ ضیاء احمد عفاعنہ ۹ رجمادی الاولیٰ ۴۶ھ

الجواب صحیح، عنایت الٰہی عفاعنہ۔

الجواب من جامع امداد الاحکام بتھانہ بھون؛ واللہ الموفق للصواب

صورت مسئولہ میں متکلم کا یہ قول کہ "میری طرف سے تم بھی آزاد ہو اور وہ بھی آزاد ہے جب چاہے آؤ" نہ کنایات طلاق سے ہے نہ صریح سے اس لئے اس سے کسی قسم کی طلاق پڑنے کا احتمال نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کنایہ وہ ہے جس میں احتمال ارادۂ رفع قید نکاح بھی ہو اور اس کے غیر کا احتمال بھی ہو اور لفظ آزاد ہر حالت اور ہر استعمال میں کنایۂ طلاق نہیں بلکہ یہ کنایات میں اُس وقت داخل ہے جبکہ خلاف ارادۂ طلاق کا قرینہ کلام میں نہ ہو مثلاً یوں کہا جائے کہ میری بیوی آزاد ہے یا تو آزاد ہے یا وہ آزاد ہے اور وہ ہر طرح مجھ سے آزاد ہے اور تو پوری طرح آزاد ہے ان استعمالات میں بیشک یہ کنایات کی قبیل سے ہے اور اگر ارادۂ طلاق کا قرینہ قائم ہو تو پھر یہ لفظ صریح ہو جاتا ہے مثلاً یوں کہا جائے کہ میری بیوی میرے نکاح سے آزاد ہے۔ یا میں نے اس کو اپنے نکاح سے آزاد کیا۔ اور میں نے اس کو اپنے سے آزاد کر دیا۔ اور اگر کلام میں عدم ارادۂ طلاق کا قرینہ قائم ہو جائے تو پھر یہ نہ صریح طلاق سے ہے نہ کنایات سے مثلاً یوں کہا جائے کہ تو آزاد ہے جو چاہے کھا پی اور میں نے اپنی بیوی کو آزاد کیا چاہے وہ میرے پاس رہے یا اپنے گھر اور وہ آزاد ہے جب اس کا جی چاہے آوے۔ ان استعمالات میں ہرگز کوئی شخص محض مادۂ آزاد کی وجہ سے اس کلام کو کنایۂ طلاق سے نہیں کہہ سکتا بلکہ اباحت افعال و تخییر وغیرہ پر محمول کرے گا بشرطیکہ اس کو محاورات لسان پر کافی اطلاع ہو اور ایک لفظ کا صریح طلاق اور کنایۂ طلاق ہونا اور گاہے دونوں سے خالی ہونا اہل علم پر مخفی نہیں ملاحظہ لفظ طالق اور طلقتک معنی طلاق میں شرعاً صریح ہے لیکن انت مطلقة بسکون الطاء من الاطلاق فکنایة ولو صرح بنحو انت طالق عن الوثاق او القید فانه یصدق قضاء ودیانة فی عدم ارادة الطلاق الرافع لقید النکاح الا اذا قرنه بعدد فلا یصدق اصلاً صرح به فی الدر والشامیة فی باب الصریح وهل هذا الا ان اللفظ یختلف فی الدلالة علیٰ معناه بحسب اختلاف استعماله وان کان مادته

واحدۃ فی جمیع الاستعمالات ۔

پس ہمارے نزدیک صورت مسئولہ میں متکلم کا اپنی ماں کو خطاب کرکے یہ کہنا کہ "تم بھی آزاد ہو اور وہ بھی آزاد ہے جب چاہے آؤ"۔ اس میں "جب چاہے آؤ" یہ قرینہ نفی ارادۂ طلاق کا ہے نیز اس کے ساتھ یہ بھی قرینہ ہے کہ متکلم نے اپنی ماں کو بھی آزاد کہا ہے اور وہاں یقیناً معنیٰ طلاق مراد نہیں ہے تو اس سے اس کے قرین پر بھی اثر پہونچتا ہے کہ جو معنی آزاد کے اول جملہ میں ہیں وہی دوسرے جملہ میں ہوں گے اور لفظ جب چاہے آؤ نے اس کو واضح کردیا کہ مراد آزادئ آمد ورفت کی ہے نہ کہ نکاح سے آزادی اور اس کے بعد سائل نے اسی جلسہ میں یہ بھی تصریح کردی کہ میں بے شرع نہیں ہوں نہ طلاق نامہ لکھ رہا ہوں جس سے ارادۂ طلاق کی نفی مؤکد ہوگئی ۔ پس صورت مسئولہ میں طلاق کے وقوع کا کوئی احتمال نہیں اور زوجۂ سائل کو عدۃ طلاق گزارنا جائز نہیں جب تک کہ اس کے پاس دو ثقہ عادل ان الفاظ کا متکلم کی زبان سے صادر ہونا بیان نہ کریں جو اس مادہ میں موجب وقوع طلاق ہو سکتے ہیں جس کی قدرے تفصیل اوپر گزر چکی ۔ اور سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسماۃ کے پاس خبر لیجانیوالا سوائے اس کے بھائی کے اور کوئی نہیں تو اس صورت میں اگر اس کا بھائی ایسے الفاظ بھی بیان کرے جو درحقیقت موجب طلاق ہوں جب بھی مسماۃ کو اس کی تصدیق جائز نہیں جبکہ شوہر اس سے منکر ہے، واللہ اعلم ۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۔

۲ رجب المرجب ۴۶ھ ۔

کنایہ طلاق کے اندر اگر نیت میں شک ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی

سوال، اپنی عورت کے ساتھ نزاع کے وقت مرد کی زبان سے الفاظ "نکل جا، اپنی ماں کے گھر چلی جا" نکلے۔ ان الفاظ کے نکلنے کے بعد اس کو جب نیت کا خیال ہوا تو شک پڑ گیا کہ نیت تھی یا نہیں عورت کو ان الفاظ کے احکام کا علم نہیں ۔ وہ خاوند کے ہاں رہنے پر مصر ہے، اور طلاق کا مطالبہ نہیں کرتی ۔ پس ارشاد فرمایا جاوے کہ :

(۱) نیت کے مشکوک ہونے کی صورت میں طلاق پڑ جائے گی یا اس شک کا لحاظ کر کرکے عورت سے تعلقات رکھنا جائز ہے؟

(۲) خدانخواستہ اگر ان الفاظ سے طلاق واقع ہو جائے تو رجوع کی کیا صورت ۔ مخفی مبادکہ دو تین سال قبل اسی قسم کے الفاظ عورت کے سوال " پالنا ہو تو پالو ورنہ چھوڑ دو" پر

"جاؤ اپنی ماں کے گھر جاؤ" بلانیت طلاق نکلے پھر اس خیال سے کہ ان الفاظ سے طلاق واقع ہوجاتی ہے "گوشہ ہوجاؤ اب مجھ سے کچھ تعلق نہ رہا" کہا گیا۔ بنا بر استفتار بعض علمار نے طلاق واقع ہوگا اور بعض نے بلانیت واقع نہ ہوگی فرمایا اس لئے احتیاطاً اس وقت تجدید نکاح کرلیا گیا تھا۔

الجواب: قال فی الدر علم انہ حلف ولم یدر بطلاق او غیرہ لغا کما لو شك أطلق أم لا (ص ۷۴۵ ج ۲) چونکہ صورت مسئولہ میں لفظ صریح نہیں بلکہ کنایہ محتاج نیت ہے اور نیت میں شک ہے اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی۔

۲۰ر شعبان ۴۶ھ

منکرہ نے فرار عن الطلاق کی نیت سے لفظ تلاہے، تلاہے، تلاہے تین مرتبہ دہرایا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

سوال) زید نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دی عدت کے بعد عمرو نے زوجۂ زید سے نکاح کرلیا یہ خبر پاکر زید طلاق سے مُنکر ہوگیا اور عمرو پر دعویٰ دائر کردیا چونکہ زید روپے والا تھا عدالت سے مقدمہ جیت گیا۔ اب زید نے عمرو کو مجبور کیا کہ تم اس کو طلاق دو۔ عمرو نے کہا کہ جب تم نے اس کو طلاق ہی نہیں دی تھی تو میرا نکاح ہی نہیں ہوا پھر میری طلاق کی کیا ضرورت ہے۔ زید نے کہا کہ تم کو طلاق دینا پڑے گی ورنہ تمہاری خیر نہیں۔ چونکہ زید ایک زبردست آدمی تھا اس لئے عمرو اُس کے سامنے مجبور ہوگیا بالآخر اس نے کسی قدر فاصلہ سے کھڑے کھڑے یوں کہا "تلاہے، تلاہے، تلاہے" اور طلاق کی نیت نہیں کی بلکہ اپنے اوپر سے بلا ٹالنا چاہی اس لئے یہ مہمل لفظ استعمال کیا۔ پس صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔

الجواب: اس سوال کا جواب چند مقدمات پر مبنی ہے۔ مقدمہ (۱) اس میں تو شک نہیں کہ عوام طلاق دیتے ہوئے مخارج سے ادائے حروف کی سعی نہیں کرتے اسی لئے فقہار نے تلاک، تلاغ وغیرہ کو بھی موجب طلاق قرار دیا ہے (۲) نیز حرف اخیر جبکہ وقف ہو عام طور پر بعض اہل ہند صاف نہیں بولتے اور بعض دفعہ شبہ ہوجاتا ہے کہ شاید اکتفاءً حرف اخیر کو حذف کردیا ہے مثلاً دوست کا دوس گوشت کا گوش جناب کا جنا، سلام کا سلا مفہوم ہوا کرتا ہے (۳) اس میں بھی شک نہیں کہ لفظ تلا اگر بدون قرینہ کے استعمال کیا جائے لفظ مہمل ہے یا مختلف معانی کو محتمل ہے کہ جوتے کا تلا مراد ہے یا کیا (۴) اور اگر مذاکرۂ طلاق

کے بعد یا بیوی کے سامنے غضب کی حالت میں استعمال کیا جائے توان قرائن کے انضمام سے متبادر یہی ہوگا کہ طلاق مراد ہے اور اکتفاءً یا سرعت نطق کی وجہ سے حرف اخیر حذف کردیا، یا مفہوم نہیں ہوا۔

خلاصہ یہ کہ یہ لفظ کنایات طلاق سے ہے جو مذاکرہ وغیرہ کے وقت طلاق کو موجب ہوگا۔ چونکہ صورت مسئولہ میں عمرو نے یہ لفظ مذاکرۂ طلاق کے بعد استعمال کیا ہے اس لئے قضاءً اس سے وقوع طلاق ہوگیا اور اضافت الی الزوجہ معنًی موجود ہے کیونکہ زید نے اُسی عورت کی طلاق پر اکراہ کیا تھا جس کے متعلق نزاع تھا۔ لیکن چونکہ عمرو کی نیت طلاق کی نہ تھی اس لئے دیانۃً وقوع طلاق نہیں ہوا۔ اور قضاءً بھی عمرو کا دعویٰ عدمِ نیت یمین کے بعد قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ گو ایک قرینہ مذاکرۂ طلاق مؤید ارادۂ طلاق بلفظ تلا ہے مگر دوسرا قرینہ یعنی اکراہ مؤید ارادۂ فرار عن الطلاق باستعمال اللفظ المہمل المغیر ہے کیونکہ اکراہ کی حالت میں غالب یہ ہے کہ طلاق کی نیت ہوتی اب اگر لفظ صریح ہو تو دعوی عدمِ نیت بوجہ صراحت کے رد ہوگا اور اگر لفظ مصحف یا مغیر ہو اور مُکرَہ یہ دعویٰ کرے کہ میں نے تصحیف عمداً کی ہے تاکہ طلاق واقع نہ ہو تو یہ دعویٰ یمین کے ساتھ مقبول ہوگا اور اصل یمین قاضی کے سامنے ہونا چاہئے مگر طلاق کے معاملہ میں عورت کالقاضی ہے اس لئے یہ بھی کافی ہے کہ عورت گھر ہی میں شوہر سے قسم لیلے اگر وہ قسم کھالے کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی بلکہ فرار عن الطلاق کی تھی تو اس کے بعد عورت کو عمرو کے نکاح میں بدستور رہنا جائز ہے۔

والمسئلة ماخوذة عن الدر والشامية (ص ۱۳ ج ۲ و ص ۶۴ ج ۲) باب الصريح والكنايات - والله اعلم۔　　۵ رمضان ۴۶ھ

میں نے ہندہ کو اجازت دی ہے کہ جس سے چاہے نکاح کرلے مجھ کو کچھ غرض نہیں، کہنے سے بلانیت طلاق بائن کا وقوع

سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ ایک شریف خاندان کی لڑکی بباعث بے وارثی ہونے کے دھوکہ سے زید کے نکاح میں آگئی۔ زید تارک الصلوٰۃ، تارک الجمعہ، تارک الصوم ہندہ کو نان ونفقہ نہیں دیتا تھا نہ اس کے بچوں کو پرورش کرتا تھا اور اگر کبھی دوچار ماہ کو ہمراہ لے بھی گیا تو قسم قسم کی ایذاء سے ہندہ کو دق کرتا رہتا تھا اور اس کو اس کی ماں بیوہ کے پاس لاکر خود بھی اپنا خرچ اس کی ماں بیوہ کے ذمہ ڈال دیتا تھا حتّٰی کہ والدہ ہندہ سخت محتاج اور پریشان تھی عرصہ آٹھ نو سال تک اس ظلم کو بوجہ

بے وارثی سہتی رہی اور باقی یتیم پریشان رہ گئے سب مال دھمکا دھمکا کر زید کھا گیا۔ اب عرصہ ایک سال سے زید ایک عورت نامحرم سے تعلق بے جا کرکے فرار ہوگیا اور ہندہ اور ہندہ کی والدہ کو مکرر سہ کرر چند آدمیوں کے سامنے یہ جواب دے گیا کہ "میں نے بخوشی اجازت دی ہندہ اور نکاح کرلے، ہندہ سے کہا کہ میں نے تجھ کو خوشی سے اجازت دی تو جس سے چاہے نکاح کرلے مجھ کو کچھ غرض نہیں میں نان ونفقہ دوں نہ کمائی کروں تجھ کو اپنے نفس کا اختیار ہے" اب ہندہ نے ایک سال کے بعد اپنے خورد ونوش کے لئے مزدوری اختیار کی ہے آیا ہندہ کو باہر نکلنا کسی کے گھر جانا یا کسی کے بچہ کو دودھ پلانا یا دوسرا نکاح کرلینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر صورت سوال صحیح ہے تو صورت مسئولہ میں ہندہ پر طلاق بائن واقع ہوگئی لان الاذن فی النکاح بمعنی ابتغی الازواج فیقع الطلاق اذا کان فی حالۃ الغضب او المذاکرۃ وعندی ان قولہ "میں نے ہندہ کو اجازت دی کہ جس سے چاہے نکاح کرلے مجھے کچھ غرض نہیں" بمنزلۃ قولہ أبرأتک عن الزوجیۃ وبہ یقع الطلاق من غیر نیۃ فی الرضاء والغضب (عالمگیریہ ص ۲۷۰ ج ۲) فکذا ھذا الکلام بمجموعہ کالصریح عندی وکذا قال بعض اھل اللسان و وافقونی علیہ اسی طرح زوج کا یہ قول "مجھے کچھ غرض نہیں" بمعنی قولہ لاعلاقۃ لی بھا ولا سبیل لی علیھا اور اس سے پہلا کلام ارادۂ محض طلاق کو مفید ہے اس لئے بھی طلاق بائن میں شک نہیں پس ہندہ زید کے اس قول کے بعد سے تین حیض گزار کر جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے، واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

خلاصہ یہ کہ اگر جزو اول کا مؤثر ہونا کچھ خفی بھی ہو مگر جزو ثانی میں کچھ خفا نہیں ۱۲ اشرف علی

۲۵ ر شوال ۴۶ھ

حکم بعض الفاظ کنایہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید اپنی زوجہ منکوحہ ہندہ نامی کو عرصہ ڈھائی سال کا ہوا بسبب تنازعہ ونفاق باہمی کے یہ الفاظ کہہ کر کہ تو میرے شرع سے باہر ہوگئی ہے۔ میرے لائق نہیں ہے۔ میں تیرا راضی ساتھی نہیں ہوں۔ میرے گھر سے نکل جا۔ جہاں تیرا جی چاہے جا۔ ہم سے کوئی واسطہ نہیں اپنے گھر سے نکال دیا۔ ہندہ مجبوراً اس کے پاس سے چلی آئی اور چونکہ اس کا کفیل اور دستگیر نہ تھا اس نے اپنے گذر معاش اور اوقات بسری کے لئے اپنے ایک ہم کفو بکر نامی کے یہاں قیام کیا اور اس گذشتہ

ڈھائی سال تک ہندہ علی الاعلان جو کہ زید و نیز تمام لوگوں کو بخوبی ظاہر تھا بغیر نکاح کئے ہوئے بکر کی زوجیت میں اس وقت تک رہی اور بکر مطابق سلوکات زن و شوہر ہندہ کے ہر قسم کے پرورش نان نفقہ اور ضروریات کا ذمہ دار رہا۔ زید نے نکال دینے کے بعد پھر ہندہ کو نہ رکھا نہ اس کے کسی قسم کے نان نفقہ کی فکر کی اور نہ کوئی تعلقات زن و شوہر کے قائم رہے اب عرصہ اٹھارہ یوم کا ہوا کہ زید قضاء الٰہی سے فوت ہوگیا ایسی صورت میں اس وقت ہندہ کو بکر کے ساتھ نکاح پڑھانے کے لئے زید کے فوت ہو جانے کی وجہ سے سوگ کرنے اور ایام عدت پورا کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں اور یہ کہ ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ بغیر ایام عدت پورا کئے ہوئے اب اس وقت ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب : زید کا یہ قول "تو میرے شرع سے باہر ہوگئی" اس میں شرع سے مراد نکاح ہے اس لئے معنی طلاق میں صریح ہے لکونہ مثل قولہ ابرأتك عن الزوجية وقد صرح فی الهندية بكونه صريحًا فی الطلاق (ص ۲۷۰ ج ۲) اس لئے ایک طلاق تو اس لفظ سے پڑ گئی اس کے بعد کہا ہے "میرے گھر سے نکل جا" یہ کنایہ ہے جو وقوع طلاق میں بہرحال محتاج نیت ہے اس کے بعد کہا ہے "مجھ سے کچھ واسطہ نہیں" یہ بحالت مذاکرۂ طلاق محتاج نیت نہیں اس لئے ہندہ پر دو طلاق بائن واقع ہوگئیں اور عدت کے بعد اس کا نکاح بکر سے جائز ہے اور عدت طلاق کے وقت سے شمار کی جاوے گی جب طلاق کے وقت سے تین حیض پورے ہو چکیں اسی وقت نکاح درست ہے غالباً اس ڈھائی سال میں تین حیض ہندہ کو آگئے ہوں گے اگر نہ آئے ہوں تو تین حیض پورے ہونے کے بعد بکر سے نکاح کرلے۔ اور بکر کے ساتھ جو ہندہ ڈھائی سال تک رہی اور اُس سے مقاربت ہوئی یہ محض زنا ہے اس کی وجہ سے کوئی عدت لازم نہیں۔ واللہ اعلم۔

۲ ذیقعدہ ۴۶ھ

طلاق بائن کی ایک صورت کا حکم

(سوال) نحمدہ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و حامئ شرع متین اس باب میں کہ زید نے زبیدہ سے جو بیوہ تھی اس کی رضامندی سے عرصہ گیارہ سال کا ہوتا ہے نکاح کیا اور زید بسلسلۂ ملازمت پردیس چلا گیا کچھ عرصے بعد زبیدہ کا زید کے نام یہ خط پہونچتا ہے کہ اس خط کے دیکھتے ہی فوراً کہہ دینا کہ میں نے تم کو آزاد کر دیا زید نے کراہتًا ایسا ہی کیا اور ذریعہ تحریر زبیدہ کو اس کی اطلاع دے دی زید کو اس معاملہ سے زبیدہ کی جانب سے بدگمانی ہوئی اور وہ یہ سمجھ چکا کہ کسی دوسرے

شخص کی وجہ وہ زید کے نکاح میں نہیں رہنا چاہتی۔ مگر زید عرصہ دو یا تین سال بعد جب وطن آتا ہے تو زبیدہ کو حسب معمول اپنا مائل پاتا ہے اور زید اُس کو کسی قسم کی طلاق اس وجہ سے نہیں دیتا کہ وہ ہر طرح سے اس کی فرمانبردار نظر آتی ہے اور بدگمانی کے متعلق حلف اٹھا کر صفائی کر دیتی ہے زید اُس سے مقاربت کرتا ہے اور پھر تھوڑے عرصے رہ کر پردیس چلا جاتا ہے، پردیس جانے کے بعد بعض ذرائع اور قرائن معتبرہ سے زید یہ معلوم کر لیتا ہے کہ زبیدہ کا ناجائز تعلق کسی غیر شخص سے ہے۔ اس پر وہ سخت برہم ہو کر لکھ دیتا ہے کہ مجھ سے تیرا کوئی تعلق نہیں رہا یا میں نے تجھ کو آزاد کر دیا" وغیرہ مگر زبیدہ کی جانب سے اس بات کے قبول کرنے یا نہ کرنے کا کوئی جواب ملنا یا نہ ملنا یاد نہیں رہا مگر زید اس کو اپنی کم علمی کی وجہ یہ سمجھ چکا کہ زبیدہ مجھ سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ اور حرام ہوگئی بلکہ اثنائے تذکرہ میں زبیدہ کی نسبت مطلقہ ہونے کا ذکر بیان کرتا ہے اور اس کو اپنی بہن وغیرہ سے تعبیر کرتا رہا ہے۔ اب زید عرصۂ دو سال بعد پھر وطن واپس آیا ہے تو زبیدہ کہتی اور دعویٰ کرتی ہے کہ میں تجھ پر کسی طرح حرام نہیں ہوئی میں تیری منکوحہ ہوں از روئے شرع شریف مجھ پر کوئی طلاق وغیرہ عائد نہیں ہو سکتی اور بدگمانی کی نسبت ہر طرح حلف وغیرہ اور خدائے واحد کو درمیان کر کے قسم کھا کر کہتی ہے کہ اگر میں نے تیری امانت میں خیانت کی ہو یا سوائے تیرے کسی غیر شخص سے حرام کیا ہو تو قیامت میں میرا دامن اور تیرا ہاتھ ہوگا اور اگر تو بلا وجہ اور بے گناہ محض بدگمانی اور قیاس پر مجھے چھوڑتا ہے تو قیامت میں تیرا دامن اور میرا ہاتھ ہوگا۔

اب زید نہایت مضطرب ہے اور چاہتا ہے کہ زبیدہ کو نہ چھوڑے بشرطیکہ شرع متین کی رُو سے زبیدہ اس کی ہو سکتی ہو۔ بینوا توجروا۔

نوٹ :۔ زبیدہ کا نکاح بغیر کسی مقررہ دین مہر کے ہوا تھا تو کیا شرع پیمبری کا مقررہ مہر ادا کرنا ہوگا؟

زبیدہ کا نکاح ایک عالم اور ایک جاہل جو گواہ کی صورت میں تھا دو شخصوں کے مواجہ میں ہوا تھا وہ نکاح صحیح ہے یا غیر صحیح؟ بینوا توجروا۔

تنقیح :۔ زید نے زبیدہ کا خط آنے پر جو زبان سے کہا کہ "میں نے تجھ کو آزاد کیا" اور بذریعہ تحریر زبیدہ کو اُس کی اطلاع بھی دیدی۔ اس کے متعلق یہ امر تنقیح طلب ہے کہ زید نے خط پڑھ کر یہی الفاظ مذکورہ کہے یا بیوی کا نام لیکر یوں کہا کہ میں نے زبیدہ کو آزاد کر دیا۔ اور

صورت اولیٰ میں جبکہ " میں نے تجھ کو آزاد کیا" کہا ہو نیت طلاق کی تھی یا نہیں ؟ اور زبیدہ کو جو بذریعہ تحریر اطلاع دی کن الفاظ سے اطلاع دی وہ الفاظ صحیح طور پر بلا کم و بیش لکھے جائیں۔ فان وجوہ الاضافۃ فی الخطاب مع عدم المخاطب مختلف فیہ کما یظھر من عبارات الفقھاء التی ذکرھا فی ردالمحتار (ص ۷۰۵ ج۲) والخلاصۃ (ص ۹۱ ج ۲) اس کے بعد جو زید نے بدگمانی کی وجہ سے زبیدہ کو یہ لکھا کہ میرا تجھ سے تعلق نہیں رہا میں نے تجھ کو آزاد کر دیا۔ اس لفظ سے زبیدہ پر طلاق بائن پڑ گئی۔ لیکن یہ امر تنقیح طلب ہے کہ اس نے ان دونوں لفظوں کو ایک شمار کیا یا دونوں کو الگ الگ بہ نیت طلاق استعمال کیا ہے۔ رہا یہ کہ اب زبیدہ سے زید کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں اس کا جواب تنقیح بالا پر دیا جائے گا۔ سائل کو مذکورہ بالا دونوں تنقیحوں کا جواب دینا چاہئے تاکہ یہ واضح ہو کہ زبیدہ پر تین طلاقیں واقع ہوئیں یا اُس سے کم۔

اور مہر مقرر نہ کرنے کی صورت میں زوجہ کا خاندانی مہر شوہر کے ذمہ لازم ہوتا ہے اور ایک عالم اور ایک جاہل مل کر دو گواہ پورے ہونے سے بھی نکاح منعقد و صحیح ہو جاتا ہے، واللہ اعلم۔

جواب تنقیح :۔ (۱) زبیدہ کا خط بایں مضمون ہمدست ہوا تھا کہ یہ خط پہونچتے ہی تم کہہ دینا کہ میں نے تم کو آزاد کیا چنانچہ زید نے صرف اسی قدر الفاظ کہے تھے (کہ میں نے تم کو آزاد کیا) بُعدِ زمانہ کے باعث اس قدر خیال نہیں رہا کہ زبیدہ کا نام بھی لیا تھا یا نہیں یہ الفاظ کہتے ہوئے زید کو نیت طلاق کی تو نہ تھی مگر اپنی لاعلمی کی وجہ سے خیال کرتا تھا کہ اب زبیدہ اُس سے چھوٹ گئی۔ زبیدہ کو جو اطلاع دی گئی وہ بھی الفاظ مذکورہ کا اعادہ تھا بس۔

(۲) چونکہ زید اپنے خیال میں یہ تصور کر چکا تھا کہ زبیدہ اس سے گئی ان الفاظ سے وہ آزاد ہو گئی مگر نیت طلاق کی پھر بھی نہ تھی۔ بار اول مجبوراً و کراہتہً زبیدہ کے لکھنے پر یہ الفاظ کہے گئے بار دیگر بدگمانی کی وجہ۔ اس کے بعد ایک عرصے تک خط و کتابت بند رہنے سے زید زبیدہ سے بیحد بدگمان ہو کر ہمیشہ اس کو مطلقہ تصور کرتا رہا مگر دو بدو کبھی ایسے الفاظ نہیں کہے گئے بلکہ محض تحریراً۔

(۳) ایک صاحب جو عالم بھی ہیں مغالطہ ڈال رہے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ تاوقتیکہ زبیدہ نکاح کے وقت خود موجود رہ کر اپنی زبان سے ایجاب و قبول نہ کرے یا اس کی جانب سے

کوئی وکیل درمیان میں نہ ہو صرف ایک عالم اور ایک جاہل کے موجود رہنے سے بلا واسطہ نکاح صحیح نہیں ہوا ناکح وکیل یا گواہ نہیں بن سکتا، واللہ اعلم۔

مفصلاً نکاح کی کیفیت مکرر عرض کرتا ہوں۔ زبیدہ نے زید سے کہا کہ میں تجھ سے راضی ہو چکی تو میرا نکاح پڑھوا لے چنانچہ زید نے ایک عالم سے عرض کیا انہوں نے زبیدہ کی موجودگی یا اس کی جانب سے کسی وکیل وغیرہ کی موجودگی کی ضرورت تصور نہ فرما کر محض زید کے بیان پر بھروسہ کر کے ایک جاہل شخص جو اُن کے پاس بیٹھا ہوا تھا نکاح پڑھ دیا اور خود زید سے ایجاب و قبول کرایا تو کیا ایسی صورت میں نکاح صحیح ہو گیا اور اگر صحیح نہیں ہوا تو کیا اس وقت تک زید و زبیدہ کا تعلق ناجائز رہا اور اس کا ذمہ دار کون ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱و۲) صورت مسئولہ میں زید نے جو زبیدہ کا خط پڑھ کر یہ لفظ کہا کہ "میں نے تجھ کو آزاد کیا" اس سے طلاق نہیں پڑی کیونکہ اضافت موجود نہیں خطاب بوقت حضور مخاطب اضافت ہے وقت غیبت میں اضافت نہیں قال فی الخلاصة ان الکتابة من الغائب کالخطاب من الحاضر (ص ۹۱ ج ۲) قلت فیہ دلالة علیٰ ان الخطاب من الغائب لیس بشیٔ۔

البتہ اس کے بعد جو بدگمانی کی وجہ سے زید نے زبیدہ کو لکھا کہ "میرا تجھ سے تعلق نہیں رہا میں نے تجھ کو آزاد کر دیا" اس سے زبیدہ پر طلاق بائن پڑ گئی دوبارہ نکاح کر کے تعلقِ زوجیت قائم ہو سکتا ہے بدون نکاح کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔

(۳) اس عالم نے صحیح نہیں کہا ناکح شاہد ہو سکتا ہے۔ قال فی الدر امر الأب رجلاً ان یزوج صغیرته فزوجها عند رجل او امرأتین والحال ان الاب حاضر صح لانه یجعل عاقداً حکماً والا لا ولو زوج بنته البالغة العاقلة بمحضر شاهد واحد جاز ان کانت ابنته حاضرة لانها تجعل عاقدة و الا لا والاصل ان الآمر متی حضر جعل مباشراً اھ (ص ۴۴۹ ج ۲) قلت وفیه ایضاً ان الواحد یتولی طرفی العقد اذا لم یکن فضولیاً من الطرفین وفی الصورة المسئولة وکلت زبیدة زیداً التزویج نفسها منه فصار اصیلاً ووکیلاً فیجوز العقد بعقد العالم عند شاهد واحد و زید حاضر واللہ اعلم۔

۲۴ ذی الحجة سنہ ۴۶ھ

دو طلاق صریح دینے کے بعد شوہر نے کہا "فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا" تو قول ثانی اول کا بیان سمجھا جائیگا یا مستقل طلاق ہو کر حرمت مغلظہ ہوگئی

سوال، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی کے ساتھ جھگڑا کر کے کہا "ایک طلاق دو طلاق فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا" اب اس کی بی بی پر کتنی طلاق واقع ہوں گی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب: صورت مذکورہ میں اُس کی بی بی پر دو طلاق بائن واقع ہوں گی کیونکہ مُطلق کا بیان خبر بیان ہے اول قول کا یعنی پہلی دو طلاق، طلاق بائن ہیں کما فی الهداية المجلد الثانی صفحہ ۳۴۹ فاذا وصف الطلاق بضرب من الزيادة والشدة كان بائناً مثل ان يقول انت طالق بائن او البتة فيكون هذا الوصف لتعيين احد المحتملين الى الرجعي والبائن۔ پس معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں اس کی بی بی پر دو طلاق بائن واقع ہوں گی، فقط واللہ اعلم۔

کتبہ احقر محمود اللہ عفی عنہ

الکلام علی الجواب المذکور

یہ جواب غلط ہے اور صورت مسئولہ میں شخص مذکور کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئیں۔ اور عبارت ہدایہ کا مطلب صرف اتنا ہے کہ جب طلاق کے ساتھ کوئی وصف مفید معنی زیادت وشدت ملحق ہوگا تو طلاق بائن ہو جائے گی اس کا مقتضاء یہ ہے کہ شخص مذکور نے جو تیسری بار کہا فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا تو وصف بائن سے یہ طلاق بائن ہوگئی۔ رہا یہ کہ اس وصف کے بڑھانے سے لفظ طلاق بائن دیا موجب وقوع طلاق نہ ہوگا بلکہ پہلے کلام کا بیان ہوگا عبارت ہدایہ اس پر دال نہیں والدليل على وقوع الثالث بقوله طلاق بائن دیا ما فی ردالمحتار تحت قول الدر لايلحق البائن البائن اذا امكن جعله اخبارا عن الاول كانت بائن ابنتك بتطليقة فلا يقع لانه اخبار فلا ضرورة فی جعله انشاء اھ ما نصه اشار به الى انه لايشترط اتحاد اللفظين فشمل ما اذا كان الاول بلفظ الكناية البائنة او الخلع او الطلاق الصريح اذا كان على مال او موصوفا بما ينبئ عن البينونة كما علم مما قدمناه بعد كون الثانی بلفظ الكناية البائنة كالخلع ونحوه مما يتوقف على النية ولو باعتبار الاصل كانت حرام

طلاق بالکتابت کی ایک صورت

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی بچپن میں ہوئی۔ مگر زید نے بالغ ہونے کے کچھ مدت بعد عمرو سے کہا کہ ایک طلاق نامہ لکھدو تو عمرو نے پوچھا کہ کیا تم اپنی بی بی کو طلاق دو گے؟ تو زید نے کہا ہاں تو عمرو نے تین طلاق لکھکر زید کو دیدیا اور زید نے اسے بکر کو دیا کہ اس کو پڑھکر سنادو زید نے سننے کے بعد طلاق نامہ پر دستخط نہیں کیا اور طلاق نامہ لیکر رکھ لیا۔ کچھ روز کے بعد زید نے اس کو پھاڑ ڈالا۔ اس کے بعد زید کے گھر والوں کو خیال ہوا کہ اس کی بی بی کو بلایا جائے تو زید نے کہا کہ میں

نے ایک طلاق نامہ لکھوایا تھا مگر اس پر دستخط نہیں کیا تھا۔ اگر طلاق واقع ہوگئی ہو تو نہ بلایا جائے اور اگر نہ واقع ہوئی ہو تو بلایا جائے اور پنچایت میں لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیوں لکھوایا تھا تمہاری کیا نیت تھی تو زید نے جواب دیا کہ چھوڑنے کی نیت تھی آیا اسی صورت میں طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر واقعہ صرف اتنا ہی ہے جتنا سوال میں درج ہے کہ عمرو نے خود طلاق نامہ لکھ دیا زید نے مضمون نہیں بتلایا تو زید کی بیوی پر طلاق نہیں پڑی اور اگر زید نے مضمون طلاق نامہ اپنی زبان سے عمرو کو بتلایا کہ اس مضمون کا طلاق نامہ لکھ دو تو اس مضمون کو بیان کر کے سوال دوبارہ کیا جائے۔

قال فی رد المحتار وکذا کل کتاب لم یکتبہ بخطہ ولم یملہ بنفسہ لا یقع الطلاق مالم یقر انہ کتابہ اھ (ص۷۰۴ ج۲) واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۰ محرم ۱۳۴۹ھ

فصل فی تفویض الطلاق

تفویض طلاق کی ایک صورت اور اس کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص مسمی اسمٰعیل نے اس کے بڑے بھائی مسمی آدم کو کہا کہ یہ عورت مسمی خدیجہ کی طلاق دینا یا نہ دینا ہر حال میں تجھے اختیار ہے تو چاہے میری طرف سے طلاق دے یا نہ دے تو جیسا بھی کریں اسپر راضی ہوں اور تجھے طلاق دینے میں میری رضا ہے۔ اب یہ شخص مسمی آدم کو ایک شخص مسمی ابراہیم اور دوسرا شخص مسمی حسن نے پوچھا کہ تیرے بھائی کی عورت مسمی خدیجہ کو طلاق کے بارہ میں تو کیا کہتا ہے تو آدم نے جواب دیا کہ ہمارے بھائی کی عورت مسمی خدیجہ کو طلاق دی چھوڑ دی ہے اب گھڑی گھڑی طلاق دینے کی ضرورت نہیں اس کو تو طلاق ہی ہے طلاق ہے کیا آدم کے یہ کہنے سے دو آدمی کے سامنے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ وہ مع حوالہ کتب جواب دیجئے۔ بینوا توجروا۔

تنقیح:۔ (۱) مسمی آدم نے یہ الفاظ اسی مجلس میں کہے ہیں جسمیں اسمٰعیل نے اسکو اپنی بیوی کی طلاق کا اختیار دیا تھا یا دوسری مجلس میں کہے ہیں؟ (۲) اگر اسی مجلس میں کہے ہیں تو ان الفاظ سے پہلے اور اسمٰعیل کے کلام کے بعد درمیان میں آدم نے کوئی کام یا کلام اجنبی کیا ہے یا نہیں؟ ان دونوں سوالوں کے جواب کے بعد حکم شرعی بتلایا جائے گا۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ

جواب تنقیح :- (۱) مسمی اسمٰعیل نے آدم کو یہ اختیار پہلے دو چار روز پہلے بھی دیا تھا اور جس روز کہ یہ الفاظ کہے اس روز بھی چار گواہوں کے روبرو اسمٰعیل نے آدم کو تاکیداً یہ کہا کہ میری عورت مسمی خدیجہ کی طلاق چاہے اس مجلس میں دے ہر جگہ ہر مجلس میں تجھے اختیار ہے اور میری رضا ہے

۲- جب اسمٰعیل نے یہ کلام کہا فوراً آدم اسمٰعیل کے مکان سے جس جگہ یعنی مسجد کے سامنے جماعت مومنین جمع ہو رہی تھی آیا اور مذکورہ حروف مذکورہ گواہاں کے روبرو کہہ دے یعنی کہکر اور پھر خود کسی کام کے واسطے چلا گیا درمیان میں کوئی اجنبی بات آدم یا اسمٰعیل نے نہیں کی اور اسی وقت کا ذکر ہے مذکورہ حرف مذکورہ گواہ کے علاوہ بھی دیگر کئی شخص نے سنے ہیں فقط۔

الجواب :-

صورت مذکورہ میں جب اسمٰعیل نے آدم سے یہ الفاظ کہے کہ (میری عورت مسمی خدیجہ کو طلاق دینے کا تجھے اختیار ہے) اگر اسماعیل کی نیت تین طلاق کا اختیار دینے کی نہ تھی تو آدم کے ان الفاظ مذکورہ سے خدیجہ پر صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوئی ہے ایک سے زیادہ واقع نہیں ہوئی۔ عدت کے اندر اسمٰعیل اپنی بیوی سے رجعت کر سکتا ہے اور اگر اسمٰعیل کی نیت تین طلاق کا اختیار دینے کی تھی تو آدم کے انہی الفاظ سے خدیجہ پر تین طلاق واقع ہو گئیں کیونکہ اسنے تین مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کیا ہے اس صورت میں خدیجہ بدون حلالہ کے اسمٰعیل کے واسطے حلال نہیں ہو سکتی اور اگر اسمٰعیل کی کچھ نیت نہ تھی تب بھی ایک طلاق رجعی ہوئی۔

قال فی العالمگیریۃ: اذا قال لھا طلقی نفسک سواء قال لھا ان شئت اولا فلھا ان تطلق نفسھا فی ذلک المجلس خاصۃ ولیس لہ ان یعزلھا قال الرجل طلق امرأتی وقرنہ بالمشیئۃ فھو کذلک اھ وفیہ اذ قال لھا طلقی حتی شئت فلھا ان تطلق حتی شاءت فی المجلس وبعدہ اھ قلت وفی الصورۃ مسئولۃ فوض الطلاق الیہ بلفظ العموم فھی نظیر الثانیۃ

تفویض طلاق میں مجلس علم میں طلاق واقع کرنا شرط ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ مسمی عبدل ولد پیر خان جو کہ مسماۃ چنیاں کمہارن غیر مسلمہ کے ساتھ تعلق ناجائز رکھتا تھا (جب مسماۃ حوراں بنت نبی بخش سے شادی کرنے گیا تو نبی بخش نے ناجائز تعلق کے سبب سے عبدل سے ایک اسٹامپ تحریر کرایا کہ اگر دوبارہ میں ایسا کام کروں گا تو نبی بخش کو اور میری عورت کو اختیار ہے جیسا کہ نمبر ۵ میں تحریر ہے کہ میں اپنے نکاح سے لادعوی ہوں۔ اب عبدل نے اس چنیاں کمارن کو دوبارہ

اپنے گھر لایا ہے اور ناجائز تعلق قائم کیا اور حوراں اپنے والد کے گھر چلی آئی ہے اور کہتی ہے کہ مجھکو اختیار دیا تھا اس لئے میں نکاح سے خروج کو اختیار کرتی ہوں۔ آیا یہ حوراں عبدل کے نکاح سے خارج ہوئی یا نہ؟ اور نمبر ۴ کا بھی عبدل مرتکب ہوا ہے۔ بینوا توجروا

المستفتی بلیغ احمد ولد کاول ملک گجرات
ضلع پنچ محال قصبہ دوحد

نقل اسٹامپ شامل استفتاء ہے ملاحظہ ہو۔

اقرار نامہ

لکھنے والا میں بنام عبدل ولد بیرخان ساکن دھار بمحلہ چھتری پورہ، لکھدیتا ہوں ایسا کہ نبی بخش ولد بخشا سلاوٹ ساکن دہاری محلہ کھاری باوڑی ان کی لڑکی مسماۃ حوراں سے میری شادی ہونا قرار پایا ہے اس کی نسبت چند کلمہ حسب ذیل بطور سند کے لکھدیتا ہوں۔

(۱) ـــــ اول: لڑکی نبی بخش صاحب مسماۃ حوراں کی بھرمنگنی دیگر جگہ ہو گئی اس کی نسبت جو جھگڑا جار پنچ یا عدالت سے بھرجاوے گا وہ دینا مجھکو منظور ہے۔

(۲) ـــــ دوسری: میں لڑکی کو شہر دہار میں سے کہیں لیجانے کا مجاز نہیں روزگار وغیرہ کے لئے دیگر جگہ میں خود جاؤں گا۔

(۳) ـــــ لڑکی کو کسی طرح کی تکلیف وغیرہ پہونچانے کا مجھے اختیار نہیں۔ اقرار مہر حوراں جب چاہے لے سکتی ہے۔

(۴) ـــــ لڑکی کو کسی طرح کی تکلیف ہوگی تو میرے سسر نبی بخش کو اختیار ہے فوراً وہ میرے بغیر اجازت میرے مکان سے لے جانے کا اختیار ہے۔

(۵) ـــــ میرا برتاؤ برخلاف اگر ظہور میں آوے گا تو میرے سسر صاحب کو مجاز ہے کہ میں اپنے نکاح سے گویا لادعوی ہو گیا۔ اسی قدر مجاز مسماۃ حوراں بنت نبی بخش کو بھی ہے وہ اپنے اقراز نکاح سے دور ہوسکتی ہے۔

الجواب ـــــ

صورت مسئولہ میں مسمی نبی بخش کو تو طلاق واقع کرنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ عبدل کے یہ الفاظ کہ میرے سسر صاحب کو مجاز ہے کہ میں اپنے نکاح سے گویا لادعوی ہو گیا۔ تفویض طلاق کے الفاظ نہیں البتہ عبدل کے یہ الفاظ (اسی قدر مجاز مسماۃ حوراں بنت نبی بخش کو بھی ہے وہ اپنے اقراز نکاح سے دور ہوسکتی ہے) تفویض طلاق کے الفاظ ہیں جو کہ برتاؤ برخلاف ظہور میں

آنے پر معلق ہے پس اگر مسمی عبدل کا برتاؤ اس کے وعدہ کے برخلاف ظہور میں آیا ہے تو مسماۃ حوراں کو اپنے نفس پر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہے مگر شرط یہ ہے کہ جس مجلس میں مخالفت کا علم ہوا ہے اسی مجلس میں فوراً اپنے کو طلاق دے اگر اس مجلس سے اٹھ جانے کے بعد طلاق اختیار کرنا چاہے تو وقوع طلاق نہ ہوگا جیسا کہ آگے آتا ہے۔ صورت سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسماۃ حوراں نے یہ الفاظ کہ میں نکاح سے خروج کو اختیار کرتی ہوں اپنے باپ کے گھر جاکر کہے مجلس علم مخالفت میں نہیں۔ اس لئے صورت مسئولہ میں اسپر طلاق واقع نہیں ہوئی اور اب اختیار اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ واللہ اعلم

فی مجمع النوازل لو قال للصکاک اکتب لھا خط الامر علی انی متی سافرت بغیر اذنھا فھی تطلق نفسھا واحدۃ کلما شاءت یصیر الامر بیدھا فی تطلیقۃ واحدۃ اھ ملخصا۔ عالمگیریہ ج ۲ ص ۸۰ وفیہ (ص ۸۳ ج ۲) سئل جدی عمن جعل امر امرأتہ بیدھا اگر قمار کند ثم قامر فطلقت المرأۃ نفسھا ثم ادعی الزوج انک قد علمت منذ ثلثۃ ایام ولم تطلقی فی مجلس علمک و قالت المرأۃ لا بل علمت الاٰن فطلقت نفسی علی الفور لمن یکون؟ اجاب: ان القول للمرأۃ کذا فی الفصول العمادیۃ اھ قلت والمسئلہ نظیر الصورۃ الثانیۃ فی کون التفویض موقوفا علی المجلس، واللہ اعلم۔

تفویض طلاق کے اندر مجلس علم میں طلاق واقع کرنا شرط ہے

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمأ دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا نکاح ہندہ کے ساتھ کیا۔ جس کو عرصہ پانچ سال اور کچھ ماہ کا گزر گیا نکاح کے تین سال اور کچھ ماہ بعد بوجہ باہمی نااتفاقی کے ہندہ کو ایک اقرار نامہ بطور اطمینان کے بابت دینے نان ونفقہ اور نہ کرنے مار پیٹ و برتاؤ بے رحمانہ و ظالمانہ کے اپنے ہاتھ سے تحریر کرکے دیدیا اور ہندہ کو اپنے گھر لے گیا بعد کو قریب ایک ماہ کے بعد ہندہ کو مار پیٹ کر اور اس کی چیز وغیرہ اتار کر اس کے والدین کے گھر بھیجدیا کہ جس کو عرصہ دو سال اور کچھ ماہ کا گذر گیا تاہنوز نان نفقہ کچھ نہیں دیا حالانکہ اپنے تحریری اقرار نامہ میں یہ تحریر کرچکا ہے کہ اگر کسی وجہ سے زوجہ منمقر سے نااتفاقی ہوجاوے اور عرصہ تین ماہ تک مبلغ دس روپیہ ماہوار کے اس کو نہ بھیجوں تو بموجب شرع محمدی کے اپنی زوجہ منکوحہ کو طلاق تفویض کردوں کہ وہ قید نکاح سے اختیار آزادی کا رکھتی ہے اب سوال یہ ہے کہ بموجب تحریر زید کے اگر ہندہ پر خلع واجب ہوگئی ہو تو فتویٰ دیجئے خداوند کریم اجر خیر دے

مقام شہر میرٹھ محلہ مہا بیر پورہ ۔ منشی حبیب الرحمن

الجواب :- قال فی العالمگیریۃ وقد وردت الفتوی عمن قال لامرأتہ اگر بعد از دہ روز پنج دینار زر بتو نرسانم فامرک بیدک لتطلقی نفسک متی شئت دہ روز گزشت وان زر سانید ہل لہا ان تطلق نفسہا قلت نعم اھ (صـ۴۲ ج ۲)

وفیہا ایضا التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان یکون موقتا فان کان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فامرک بیدک فقدم فلان فالامر بیدھا اذا علمت فی مجلسہا الذی قدم فیہ الی ان قال ولو قال اذا مضی ھذا الشہر فامرھا بیدہ فلان فمضی الشہر فامرھا بیدہ فی مجلس علمہ وان علم بعد شہرین لان التفویض معلق بمضی الشہر والمعلق بالشرط یصیر مرسلا عند وجود الشرط ولو ارسل التفویض بعد مضی الشہر یقتصر علی مجلس علمہ فکذا ھذا اھ (ص ۸۳ ج ۲) صورت مسئولہ میں جب تفویض کے بعد تین مہینہ بدون نفقہ گزر جانے پر عورت نے اپنے کو طلاق نہیں دی حتی کہ دو سال گزر گئے تو اب ہندہ اپنے اوپر خود طلاق واقع نہیں کر سکتی اس کو چاہیئے تھا کہ جب سے شوہر نے نفقہ بند کیا تھا اسی وقت سے دن شمار کرنا شروع کرتی اور اس وقت سے جب تین ماہ پورے ہوجاتے تو اسی ساعت اور اسی مجلس میں اپنے آپ کو طلاق دیدیتی مگر ہندہ نے ایسا نہیں کیا اس نے تین ماہ بدون نفقہ کے گزرنے کے بعد اپنے کو طلاق نہیں دی تو اب تفویض ختم ہو چکی وہ اپنے کو خود طلاق نہیں دے سکتی۔ (البتہ اگر زوج نے زبانی یہ بات کہی ہو کہ تین ماہ تک نفقہ نہ دوں تو ہندہ ہر وقت اپنے کو قید نکاح سے آزاد کر سکتی ہے تو ہندہ اب بھی اپنے کو طلاق دے سکتی ہے ۱۲ واللہ اعلم)

تفویض طلاق کے اندر مجلس علم میں طلاق واقع کرنا شرط ہے

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ نکاح میں کہ ایک عورت کا شوہر عرصہ ۸ سال سے پردیس چلا گیا اور اپنی کسی حالت سے آگاہی نہیں دیتا اور وہاں سے نہ کچھ خرچ دیتا ہے لہٰذا اس عرصہ کے اندر چھ برس نوکری کرتے ہوئے بڑی مشکل سے گزری اور کسی طرح اپنے دن کاٹے اور اپنی عصمت کو قائم رکھا نیز کسی سبب سے اس کی ملازمت جاتی رہی پھر وہ ۲ برس بے کار رہ کر بڑی مصیبتیں اٹھاتی رہی جب بہت تنگ ہوئی تو خیالات کچھ تبدیل ہوتے ہوئے پھر برادریوں سے داد خواہ ہوئی لیکن برادری جواب دینے سے قاصر تھے جب بہت پیچھے پڑی تو برادریوں نے اس کے بھائی سے کہا کہ تم اس کی پرورش کرو اس کے بھائی نے انکار کیا اور کہا کہ میری ماں کی بات نہیں ہے اس وقت برادریوں نے اس کے بھائی سے کہا کہ تم ہم سب کی

طرف سے ایک پنچایت نامہ اس کے پاس تحریر کرکے جملہ پنچ تم کو بتاکید لکھتے ہیں کہ تم دیکھتے ہی خط کے بہت جلد آؤ یا تم اس کو طلاق دیدو کیونکہ اس کا گزر نہیں ہوتا ہے اس برادریوں کی تحریر پر اس نے یہ جواب تحریر کیا کہ ہم آپ لوگوں سے ۲ ماہ کی مہلت چیت بیساکھ بھر کی اور مانگتا ہوں بیساکھ میں ضرور آجاؤں گا اگر میں اپنے وعدہ پر نہ آؤں تو اس کو اختیار ہے میرا سب برادریوں کو السلام علیکم لہٰذا اس تحریر پر اس کی طلاق ہوسکتی ہے یا نہیں چنانچہ پھر وہ ایک سال تک انتظار کرتی رہی بعد دس سال کے پریشانی اوٹھاکر اپنا نکاح ثانی ایک برادری سے کرلیا۔ اب اس کے بھائی وغیرہ اس کے خلاف ہوکر یہ کہتے ہیں کہ اس نے بلا ہم لوگوں کی مرضی نکاح کیوں کیا اور ہر قسم کی جھوٹی دلیلیں کرتے ہوئے ستر برس عورت کے بیٹھے رہنے کا مسئلہ پیش کرتے ہیں اس لئے تمام لوگوں کو بڑی تشویش اس مسئلہ میں ہورہی ہے بھلا یہ ایسی صورت میں کس حد تک جائز سمجھا جاوے اور اگر وہ بیٹھی رہے تو کیا کھائے مفقود کی کوئی جائیداد نہیں جس سے گزر ہو اس کے خویش اقربا اس کے شریک نہیں۔ عورت کے بھائی وغیرہ میں قوت کھلانے کی نہیں جو دو برس بھی نباہ سکے ستر برس تو کیا دس برس میں قلع قمع ہوگیا یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ پچھلا سا زمانہ نہیں ایسی عمریں اور ایسی نیتیں نہیں اس قدر مستقل مزاجی نہیں پھر اس قدر مدت دراز کی قید میں رہ کر کیسے گزر کرے اور کس طرح متحمل ہوسکے یہاں عیسائیوں کی پرفریب گھاتوں میں لانے والی باتیں ادھر ادھر پھیلائی جایا کرتی ہیں جس وقت غافل پاتے ہیں فوراً دام میں پھانس لیتے ہیں ایک واقعہ ابھی ایک عورت کا اسی طرح گزر چکا ہے جو پٹھان لوگوں نے اسے عرصہ تک جھلایا کیا اور اس کو بہت آزادی دیتے ہوئے ایک مدت سے تڑپا رہے تھے پریشانی اٹھاتے اٹھاتے تنگ ہوچکی تھی۔ گھبراکر پھنس گئی اسی وجہ سے ایک برادری نے جب یہ دیکھا کہ یہ بھی قریب اس کے پہونچ جانے والی ہے جب دس برس کے بعد جب اس کے شوہر کی تحریر پر جواب پاتے ہوئے نکاح میں لے لیا۔ لہٰذا ان دونوں مسئلوں کا جواب بہت جلد برائے خدا مع ثبوت قرآن وحدیث اور چند علماء دین کی مہروں کے عنایت فرمایا جاوے۔

غلام محی الدین خان مدرس

ضلع گونڈہ مقام مسکنواں ڈاکخانہ مسکنواں بازار مکتب اسلامیہ متصل مسجد ہیں۔

الجواب:۔ فی العالمگیریۃ التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان یکون موقتا فان کان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فامرک بیدک فقدم فلان فالامر بیدها اذا علمت فی مجلسها الذی قدم فیه

الی ان قال ولو قال اذا مضی ہذا الشہر فامرہا بیدہ فلان فمضی الشہر فامرہا بیدہ فی مجلس علمہ وان علم بعد شہرین لان التفویض معلق بمضی الشہر والمعلق بالشرط یصیر مرسلا عند وجود الشرط ولو ارسل التفویض بعد مضی الشہر یقتصر علی مجلس علمہ فکذا ہذا۔ اھ (ص ۸۳ ج ۲)

صورت مسئولہ میں اگر دو مہینے گزرنے کے بعد ہی فوراً اس مجلس میں جسمیں بروقت تمام ہونے مدت کے وہ موجود ہوتی اپنی زبان سے یہ کہدیتی کہ میں اپنے نفس کو اختیار کرتی ہوں تب اس پر طلاق واقع ہوجاتی لیکن جب دو مہینہ کے بعد مدت گزرگئی اور عورت نے اپنے نفس کو اختیار نہیں کیا تو اب وہ اپنے اوپر طلاق واقع نہیں کرسکتی لہذا جب تک شوہر طلاق نہ دے اس وقت تک کسی سے اسکا نکاح درست نہیں ہوسکتا پس جو نکاح دوسرا اس عورت نے کیا ہے۔ وہ صحیح نہیں ہوا۔ باقی جتنی باتیں سائل نے لکھی ہیں وہ سب فضول ہیں ساٹھ ستر برس کا انتظار مفقود کی زوجہ کے لئے اور صورت مسئولہ میں جب شوہر کے پاس خطوط پہونچے ہیں اور اس کی جگہ معلوم ہے تو وہ مفقود نہیں ہے اس صورت میں تو اگر شوہر سو برس تک بھی طلاق نہ دے جب بھی یہ عورت کسی سے نکاح نہیں کرسکتی اب صرف ایک صورت ہے وہ یہ کہ برادری کے لوگ شوہر کو مجبور کرکے اس سے جبراً طلاق دلوادیں باقی یہ جو سائل نے لکھا ہے۔ کہ عورت اس طرح کیونکر گزر کرسکتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی عورت سے کوئی شخص بھی نکاح نہ کرے تو وہ کیا کرے گی پس یہ عورت بھی وہی کرے جو ایسی عورت کیا کرتی ہے یعنی صبر کرے اور محنت و مزدوری سے اپنا کام چلائے اور اگر وہ معذور ہو تو مسلمانوں کو چاہیئے ایسی عورت کے لئے چندہ کرکے اسکی معیشت کا سامان کردیں تاکہ وہ کفار کے پھندہ میں نہ آجاوے۔

۲۶ رجب سنہ ۵۱ھ

تفویض طلاق میں مجلس کی شرط ہے

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بروقت نکاح ایک اقرار نامہ تحریر کیا اور اس اقرار نامہ کی رو سے یہ تسلیم کیا کہ اگر میں عقد ثانی کروں تو میری زوجہ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے کو مطلقہ تصور کرے منجملہ دیگر شرائط یہ ایک شرط بھی ہے اب زید نے دو سال کے بعد عقد ثانی اس وجہ سے کیا کہ والدین زوجہ نے زید کی زوجہ کو زید کے ہمراہ جانے سے روکا۔ اس شرط متذکرہ بالا کی بنا پر زید کی زوجہ خود کو مطلقہ تصور کرکے عقد کرتی ہے ایسی صورت میں یہ عقد جائز ہوگا؟ اور زوجہ زید مطلقہ تصور کی جاسکتی ہے؟

الجواب:۔ قال فی العالمگیریۃ والخیار اذا کان موقتا یبطل بمضی الوقت

سواء علمت او لم تعلم بخلاف ما اذا کان غیر موقت کذا فی السراج الوھاج (ص۶۷ ج ۲) وفیہ ایضاً التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان یکون موقتا فان کان مطلقا بان قال اذا اقدم فلان فامرک بیدک فقدم فلان فالامر بیدھا اذا علمت فی مجلسھا الذی قدم فیہ الخ (ص۸۲ ج ۲)

صورت مسئولہ میں اگر زوجۂ اولیٰ زید نے عقد ثانی کی خبر سنتے ہی اسی مجلس میں یہ کہدیا تھا کہ میں طلاق کو اختیار کرتی ہوں تب تو وہ مطلقہ ہو سکتی ہے اور اگر خبر سننے کے بعد فوراً اسی مجلس میں ایسا نہیں کہا تو اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ اختیار اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ۲ ؍ شوال ۱۳۸۱ھ

تفویض طلاق کی ایک صورت

سوال:۔ گزارش یہ ہے کہ دو قلم از روئے بندہ نوازی تحریر فرما کے اس مسئلہ کے جواب سے مطلع فرماویں صورت مسئلہ بعینہ یہ ہے کہ زید نے اپنے بھائی عمرو کے پاس ایک خط لکھا تھا کہ میں پردیس یعنی دوسرا ملک میں ہوں میری بیوی کا حق مجھ سے ادا نہیں ہوتا ہے اس لئے میری طلاق دینے کی جو طاقت اور قوت ہے وہ اس کو سپرد کرتا ہوں اگر وہ چاہے تو دوسر جگہ نکاح بیٹھ سکتی ہے فقط اور کچھ تفصیل نہ کی۔

۱ - عمرو نے اس خط کو اپنے پاس رکھا اور کچھ ظاہر نہیں کیا اس وقت منکوحہ مطلقہ ہوگی یا نہیں۔

۲ - پھر اگر منکوحہ نے اس خبر کو سن کر طلاق اختیار کرے تو کتنے واقع ہوگا۔ فقط والسلام

احقر محمد بدیع الزماں نواکھالی

جواب:۔ صورت مسئولہ میں یہ صیغہ تفویض طلاق کا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جس وقت عورت کو تفویض کا علم ہوا اسی وقت مجلس علم میں ہی طلاق لے لیگی تو طلاق پڑجاوے گی اور اگر اس کو تفویض کا علم ہی نہ ہو یا علم ہو اور وہ طلاق نہ لے تو وقوع طلاق نہ ہوگا ایسے ہی اگر مجلس علم کے بعد طلاق لے تب بھی وقوع نہ ہوگا یا مجلس علم میں سنتے ہی کسی اور بات میں لگ جاوے جس کو تفویض سے کچھ علاقہ نہیں پھر اس بات کے بعد میں طلاق لے تب بھی کچھ نہ ہوگا۔

قال فی الدر فلھا ان تطلق فی مجلس علمھا بہ مشافھۃ او اخبارا وان طال یوما او اکثر مالم تقم لتبدل مجلسھا حقیقۃ او حکما بان تعمل ما یقطعہ مما یدل علی الاعراض اھ (ص۸۱ ج الشامی)

۲ - صورت مسئولہ میں عورت بعد علم کے اگر تین طلاق لینا چاہے تو لے سکتی ہے کیونکہ شوہر کے الفاظ یہ ہیں کہ "میرے طلاق دینے کی جو طاقت اور قوت ہے وہ اس کو سپرد کرتا ہوں" اس سے

بظاہر تین طلاق تک کی تفویض مفہوم ہوتی ہے اور اگر شوہر کی نیت ان الفاظ سے تین طلاق سپرد کرنے کی نہ تھی بلکہ ایک ہی طلاق سپرد کرنے کی نیت تھی تو عورت صرف ایک لے سکتی ہے۔ واللہ اعلم

احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۳۴۳ھ

ایک شخص نے باپ کو اپنی بیوی کی طلاق کا حق سپرد کیا باپ نے اس کے سسر کو اس کا اختیار دے دیا تو کیا سسر اس کی بیوی پر طلاق واقع کر سکتا ہے

سوال - مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق اپنے باپ کو سپرد کیا تھا کتنے روز کے بعد اس کے باپ نے وہ طلاق دینے کا حق اس شخص کے سسر کو سپرد کیا ہے۔ اس شخص کے سسر نے طلاق دیکر اپنی بیٹی کو عدت کے بعد دوسرے سے نکاح دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔ بحوالہ کتاب معتبرہ زیادۃ، فقط والسلام

عاصی محمد یٰسین خان موضع الکدیہ پوسٹ بوگیا ضلع جسر

الجواب:- طلاق میں وکیل کو اختیار نہیں کہ دوسرے شخص کو وکیل بنائے اس لئے سسر کو طلاق دینے کا اختیار نہیں ہے۔

فی الدر الوکیل لا یوکل الا باذن آمرہ وفیہ بعدأ سطر (والتفویض الی رائیہ) کالعمل برأیک (کالاذن فی التوکیل) الا فی طلاقٍ وعتاقٍ (شامی ص ۶۳۴ ج ۴)

احقر عبد الکریم عفی عنہ

نوٹ:- اگر سسر کے طلاق دینے کے بعد عورت کے شوہر نے یا عورت کے خسر نے بھی کچھ کہا ہو تو اس کو لکھ کر دوبارہ سوال کیا جاوے۔ ۱۲

ظفر احمد عفا اللہ ۵، ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ

ان الفاظ سے کہ "زوجہ مذکورہ جس وجہ سے چاہے ہر وجہ سے ہم کو تین طلاق دینے کے لئے میری اختیار زوجہ کو سپرد کیا۔ بیوی کو طلاق کا حق مل سکتا ہے یا نہیں

سوال - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ کو شادی کر کے چند روز بعد پردیس چلا گیا۔ قریب تین سال تک پردیس میں رہا۔ نہ خورد پوشش دے رہا نہ خط و خطوط سے خبر گیری کر رہا۔ نہ خط لکھنے سے جواب دیتا ہے۔ شادی کے وقت ایک کابین نامہ رجسٹری کر کے دیا تھا اب زوجہ مذکورہ کو بہت تکلیف ہو رہی ہے اس صورت میں اس کابین نامہ کی شرائط کے مطابق وہ زوجہ اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے یا نہیں۔ بر تقدیر اول بلا اطلاع زوج ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بر صورت ثانیہ اطلاع کے بعد جواب نہ دینے سے طلاق کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

کابین نامہ کی دفعہ نمبر ۵ کا اردو ترجمہ حسب ذیل ارسال خدمت ہے:-

اگر میں چھ مہینے سے زیادہ مدت تک کوئی پردیس میں رہوں یا دیس میں رہ کر بی بی مذکورہ کی خبر گیری نہ کروں یا شرائط بالا میں سے کوئی شرط کا خلاف کروں یا شرط کی کوئی جزو کے خلاف کروں یا یوانہ کروں تو شرط کے خلاف کرنے کے بعد زوجہ مذکورہ جس وجہ سے چاہے ہر وجہ سے ہمکو تین طلاق دینے کے لئے میرے اختیار زوجہ مذکورہ کو سپرد کیا اس سپرد کردہ اختیار کی قوت سے جو کوئی وجہ سے طلاق دے تو میں کوئی عدالت میں زوجیت کا دعوی نہیں کر سکوں گا اور نہیں کروں گا اس بنا پر کابین نامہ لکھدیا۔

تنقیح بر سوال

یہ کابین نامہ نکاح کے قبل لکھا گیا ہے یا نکاح کے بعد؟

جواب تنقیح :- کابین نامہ نکاح کے بعد لکھا گیا ہے۔

الجواب :- اس کابین نامہ میں جو الفاظ طلاق ہیں وہ لغو ہیں اس واسطے اس کابین نامہ کی بنا پر عورت کو طلاق کا کوئی حق نہیں ہے فی الدر المختار انا منک طالق او بری لیس بشئی و نوی به الطلاق و فی رد المختار لان محلیة الطلاق قائمة بها لا به فالاضافة الیه الی غیر محله فیلغو هز، و الله اعلم۔

تنبیہ :- ہمارے ملک میں اس جملہ مذکورہ فی السوال کے یہی معنی ہیں جو موجب طلاق نہیں یعنی ہم کو طلاق دینا ترجمہ ہے - تطلیقھا ایای کا - اگر بنگالہ میں جو فقرہ استعمال کیا ہے اس کا یہی مطلب ہے تو یہ کابین نامہ بیکار ہے جیسا کہ جواب میں لکھا گیا اور اگر ہم کو طلاق دینا بنگالہ میں ترجمہ ہوتا - تطلیقی ایاھا کا تو پھر کابین نامہ معتبر ہوگا اور عورت کو صورت مسئولہ بالا میں طلاق واقع کر لینے کا اختیار ہوگا اور خاوند کو اطلاع دینا وقوع طلاق کی شرط نہیں ہے۔

ولا یرد ان التفویض المعلق بحرف ان یقتصر علی مجلس وجود الشرط کما هو المصرح به فی کتب الفقه و فی الواقعة المسئولة عنها تعلیق بحرف ان لان فی هذه الواقعة علق التفویض بلفظة "مذکورہ شرط کے خلاف کرنے کے بعد الخ" و حکمه ما فی العالمگیریه (ص ۸۳ ج ۲) من انه قال لها ان لم اوصل الیک خمسة دنانیر بعد عشرة ایام فامرک بیدک فی طلاق هتی شئت فمضی الایام و لم یرسل الیها النفقة ان کان الزوج اراد به الفور لها الایقاع و ان لم یرد الفور لا تملک الایقاع حتی یموت احدهما کذا فی الوجیز للکردری اھ - و الظاهر المتبادر ان الزوج فی هذه الواقعة

المسئولة عنها لم يرد الفور فالمرأة بالخيار من حين وجود الشرط الى الموت ولا يقتصر خيارها على مجلس وجود الشرط فقط والسلام -

عبدالکریم عفی عنہ از تھانہ بھون مورخہ ۵۱ھ

تفویض طلاق بالتعلیق بلفظ، اگر میں عورت کو د توع طلاق کا اختیار مجلس د توع شرط و مجلس علم بالوقوع تک خاص ہوتا ہے

سوال - ماقولکم ایہا العلماء العظام رحمکم اللہ تعالیٰ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی صفی اللہ نے اپنی بی بی مسمات آسیہ خاتون کے کابین نامہ میں چند شرطوں کو اقرار کر کے دستخط کیا اور محکمہ سرکار میں رجسٹری کرایا منجملہ شرطوں میں سے چوتھی شرط یہ ہے کہ "اگر مرے رشتہ دار کے ساتھ آپ کی مخالفت ہو یا مرے گھر کی آب وہوا موافق نہ ہو - آپ اپنی سکونت کے لئے جہاں چاہیں وہیں پردہ پوشی کر کے مسلمان شریف عورتوں کی طرح خود دپوشش دیکے اوقات بسر کرتے رہیں گے - اپنی طبیعت خواہ مقام سے دوسرے مقام نہیں لے جاسکیں گے" اور شرط آخیر یہ ہے کہ "اگر مرقومۂ بالا شرطوں میں سے کسی شرط کو یا کسی شرط کے کوئی جزو کو خلاف کردوں تب آپ کو مرے تین طلاق دینے کی اختیار ہے وہ آپ کو آج ہی سے سپرد کرتا ہوں - آپ اختیار مفوضہ کی رو سے خود مختار ہو کے نفس نفیسہ کو ایک دو تین طلاق دے کے مرے زوجیت کے دعویٰ سے رہائی پا کے دوسرا شوہر قبول کر سکتی ہیں" - اب صفی اللہ مذکور نے بعض شرائط کابین نامہ کے مخالفت کی ہے خصوصاً شرط مرقوم الصدر کو - لہٰذا آسیہ خاتون مذکور نے شرط اخیر کے مطابق اپنے نفس پر ایک دو تین طلاق واقع کر کے دوسرا شوہر قبول کر سکتی ہے یا نہیں آپ اس کا جواب بالتفصیل کتب فقہ سے دیویں اور خدائے بزرگ سے نعمت دارین حاصل کریں -

الجواب :- اگر اس اقرار نامہ پر صفی اللہ نے نکاح ہونے کے بعد دستخط کئے ہیں تو یہ اقرار نامہ صحیح ہے اور اس کے بموجب جب کسی شرط کا خلاف ہوا ہو اور اسی وقت منکوحہ نے اپنے اوپر طلاق واقع کی ہو تو طلاق ہو جائے گی ورنہ نہیں -

اور اگر دستخط بعد نکاح نہیں بلکہ نکاح سے پہلے ہوئے ہیں تو یہ اقرار نامہ لغو ہے -

محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی -

الجواب صحیح
محمد مظہر اللہ غفر لہ، امام مسجد فتحپوری دہلی

الجواب صحیح
عبدالوحید عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی -

الجواب صحیح
خادم العلماء سلطان محمود، مدرسہ فتحپوری دہلی

الجواب صحیح
بندہ ضیاء الحق عفی عنہ مدرس امینیہ دہلی

الجواب صحیح
محمد شفیع عفی عنہ مدرس مدرسہ مولوی عبدالرب صاحب مرحوم دہلی

الجواب صحیح
محبوب الٰہی غفرلہ مدرسہ مولوی عبدالرب صاحب دہلی

الجواب صواب
ضیاء احمد عفی عنہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
۲۰ شوال ۴۸ھ

الجواب صحیح
عبداللطیف عفا اللہ عنہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
۲۳ شوال ۴۸ھ

قد صح الجواب بغیر ارتیاب
ریاض الدین عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند
۱۴ شوال ۴۸ھ

بندہ حسن عفا اللہ عنہ
مدرس دارالعلوم دیوبند
۱۰ شوال ۱۳۴۸ھ

الجواب ہو الجواب
محمد اعزاز علی غفرلہ مدرس دارالعلوم دیوبند
۱۴ شوال ۱۳۴۸ھ

مہر مدرسہ دارالعلوم دیوبند

للہ در المجیب المصیب حیث اجاد واصاب فیما اجاب انہ ہو الحق لاریب فیہ ولا مریۃ ولا ارتیاب فیہ ولا فریہ وماذا بعد الحق الا الضلال۔ کتبہ بقلمہ وقالہ بفمہ احقر العبد محمد نوراللہ النواکھالوی غفرلہ ربہ دارالعلوم دیوبند
جامعہ قاسمیہ ۲۷ / ۱۰ / ۴۸ھ

الجواب من جامع امداد الاحکام بتھانہ بھون

صورت مسئولہ میں تفویض طلاق بالتعلیق ہے اور تعلیق لفظ "اگر" سے ہے اور تفویض معلق کا حکم یہ ہے کہ جس وقت شرط کا وقوع ہو اور عورت کے سامنے وقوع ہو تو عورت کو ایقاع طلاق کا اختیار مجلس وقوع تک ہے۔ بعد انقضائے مجلس اس کو اختیار نہ رہے گا اور عورت کے سامنے وقوع شرط نہ ہو تو جس مجلس میں اُس کو وقوع شرط کا علم ہوا ہے۔ اسی مجلس تک عورت کو ایقاع طلاق کا اختیار ہے اس کے بعد نہیں۔ پھر لفظ اگر سے تعلیق ہو تو ایک بار وقوع شرط سے تعلیق باطل ہو جاتی ہے اس کے بعد وقوع شرط سے حکم تعلیق ثابت نہ ہوگا۔

قال فی العالمگیریۃ التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان یکون موقتا فان کان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فقدم فلان فالامر بیدھا اذا علمت فی مجلسھا الذی قدم فیہ وان کان موقتا بان قال اذا قدم فلان فامرک بیدک یوما اوقال الیوم الذی یقدم فیہ فالامر بیدھا فی

ذلک الوقت کلہ اذا علمت بالقدوم ولا یبطل بالقیام عن المجلس الخ ملخصا (ص ۸۲ ج ۲) وفیہ ایضا الفاظ الشرط ان واذا واذا ما وکل وکلما ومتی ومتی ما ففی ھذہ الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت الیمین وانتھت لانہا لا تقتضی العموم والتکرار فبوجود الفعل مرۃ تم الشرط وانحلت الیمین فلا یتحقق الحنث بعدہ الا فی کلما لانہا توجب عموم الافعال الی ان قال والفاظ التی للشرط بالفارسیۃ اگر وہمی وہمیشہ وہرگاہ وہرزمان وہر بار فالاول بمعنی قولہ ان فلا یحنث الدرۃ و الثانی بمعنی متی لا یحنث الامرۃ والثالث کالثانی ومعناھما واحد وفی الرابع والخامس یحنث مرۃ لانہ بمعنی کل وھو الصحیح والسادس بمعنی کلما یحنث کل مرۃ کذا فی محیط السرخی اھ (ص ۹۴ ج ۲)

اور ظاہر ہے کہ کابین نامہ کی شرط اخیر میں تعلیق لفظ اگر کے ساتھ ہے کوئی لفظ معنی کلما کا مترجم نہیں اور تعلیق مطلق ہے موقت نہیں۔

لہٰذا عورت کو اس تفویض معلق کی وجہ سے ایقاع طلاق کا اختیار صرف اس مجلس میں تھا جس میں زوج نے عورت کے سامنے پہلی بار کسی شرط کی مخالفت کی تھی یا جس مجلس میں عورت کو مخالفت کا علم ہوا تھا اگر اس کے سامنے وقوع مخالفت ہوئی تھی اس مجلس کے بعد عورت کو ایقاع کا اختیار باقی نہیں رہا اور دوسری بار کسی شرط کی مخالفت سے بھی عورت کو اختیار حاصل نہ ہوگا کیونکہ ایک بار مخالفت شرط سے تعلیق باطل ہوچکی ہے اور عورت نے پہلی بار مخالفت کے وقت مجلس علم مخالفت میں اپنے اوپر طلاق واقع نہیں کی جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے تو اب اس کابین نامہ کی وجہ سے جو اختیارؔ اس کو حاصل تھا وہ باطل ہوچکا خواہ کابین نامہ کی تکمیل نکاح کے بعد ہی ہوئی اور اگر پہلے تکمیل ہوچکی تھی تو اس کا لغو ہونا تو ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون ۲۸ شوال ۴۸ھ

نکاح کے بعد عورتوں کو پیش آنے والے مصائب کا سہل علاج **سوال**:- آج کل عورتوں کو نکاح کے بعد جس قدر پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے۔ محتاج بیان نہیں کبھی مرد ظلم کرتا اور بے رخی سے پیش آتا ہے کبھی بال بچوں سے بےفکر ہو کر پردیس چلا جاتا اور لاپتہ ہو جاتا ہے۔ کبھی نامرد نکلتا ہے۔ بعض دفعہ باکرہ کا نکاح ولی اپنی رائے سے کر دیتا ہے اور بعد نکاح عورت مرد میں توافق نہیں۔ بعض دفعہ مرد مجنون بھی ہو جاتا ہے۔ اگر ہندوستان میں قاضی شرعی کا وجود ہوتا تو ان سب پریشانیوں کا علاج تھا مگر اب جبکہ قاضی

ؔ کہ زوج سے مخالفت صادر ہوچکی اور عورت نے ہنوز ایقاع نہیں کیا بلکہ استفتاء کر رہی ہے ۱۲

شرعی موجود نہیں ۔ عورتوں کو سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے وہ نکاح کو فسخ کرنے کے لئے عدالت میں دعویٰ دائر کریں تو بعض دفعہ حاکم غیر مسلم اس کا فیصلہ کرتا ہے جو شرعاً معتبر نہیں بعض حاکم مسلم فیصلہ کرتا ہے مگر وہ قاعدۂ شرعیہ کی پابندی سے فیصلہ نہیں کرتا اس لئے وہ فیصلہ بھی قابل اطمینان نہیں ہوتا پس علمائے سے دریافت کیا جاتا ہے کہ اس صورت کا کوئی سہل علاج ارشاد فرمائیں ۔ تاکہ عورتیں مصیبت کے وقت اس پر عمل کر کے ظلم و معصیت سے نجات پائیں ۔ بینوا توجروا ولکم الاجر الجزیل

الجواب :-

حیلۃ اخری فی اصل المسئلۃ ان تقول المرأۃ للمحلل زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید ثم یقبل الزوج فیصیر الامر بیدھا تطلق نفسھا کلما ارادت (عالمگیریۃ صفحہ ۲۶۲ ج۲)

صورت مسئولہ میں عورتوں کی اس مصیبت کا سہل علاج یہ ہے کہ عورت بوقت نکاح کے (یا اس کا وکیل قاضی نکاح خواں) مرد ناکح سے یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے نکاح میں (یا قاضی یوں کہے کہ میں نے مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیدیا کہ معاملہ کا اختیار مسماۃ فلاں کے ہاتھ میں ہوگا وہ جب اور جس وقت چاہے گی اپنے آپ کو طلاق دے لیگی اس کے جواب میں مرد ناکح یوں کہے گا کہ میں نے قبول کرلیا تو معاملہ عورت کے اختیار میں ہوگا وہ جب اپنے اوپر مصیبت و ظلم دیکھے اپنے آپ کو خود ایک طلاق بائن دیکر شوہر کے نکاح سے نکل جائے گی اور اس صورت کے جواز میں علمائے حنفیہ کا اختلاف نہیں ہے بعض لوگوں نے اس کو نکاح معلق میں داخل سمجھکر شبہ کیا ہے مگر درحقیقت یہ نکاح معلق نہیں بلکہ نکاح منجز ہے جو مشروط باختیار معلق ہے ۔ نکاح معلق وہ ہے کہ اس وقت نکاح ہی نہیں جیسے عورت یوں کہے کہ میں نے اپنے کو نکاح میں دیدیا اگر میرا باپ راضی ہو یا مرد یوں کہے میں نے قبول کرلیا ۔ اگر زید راضی ہو اسی صورت میں نکاح نہیں ہوتا اور اگر اصل نکاح کو معلق نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ کوئی شرط زائد لگائی جائے تو یہ جائز ہے ۔ جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مجلس عقد میں نکاح اسی وقت ہو رہا ہے مگر اس کے ساتھ ایک شرط ہے جس کو شوہر سے منوایا جاتا ہے ۔ فافہم واللہ تعالیٰ اعلم ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون ۔ خانقاہ امدادیہ ۲۸ ذیقعدہ ۴۹ھ



فصل فی تعلیق الطلاق

"اگر تو اس گھر میں آئی تو تجھے سات طلاق ہیں"

سوال - کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں زید معہ اپنی زوجہ کے ایک مکان میں رہتے تھے اور وہ مکان ان کا ذاتی نہ تھا اور نہ وہ کرایہ دار تھے بلکہ صاحب خانہ کے دیرینہ مراسم کی وجہ سے وہ وہاں فروکش تھے کچھ عرصہ گزرنے پر کسی معاملہ میں زید کی ان مکان والوں سے لڑائی ہوگئی اور زید نے غصہ میں اپنی زوجہ سے یہ الفاظ کہے کہ اگر تو اس گھر میں آئی تو تجھے سات طلاق ہیں۔ یا اگر تو نے اس گھر میں قدم رکھا تو سات طلاق ہیں - یا تجھ کو اس گھر میں سات طلاق ہیں اور اسی وقت سے زید نے معہ اپنی زوجہ کے وہ مکان چھوڑ دیا اور الگ مکان کرایہ پر لے کر رہنے لگے جب سال ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر گیا تو زید کی اس پہلے مکان والوں سے جن سے اس کی لڑائی ہوئی تھی اور جس بنا پر علیحدگی اختیار کی گئی تھی مصالحت ہوگئی - تو اب زید یہ چاہتا ہے کہ اپنی زوجہ کو اس مکان میں اپنی مرضی سے بھیجے - تو کیا زید اپنی مرضی سے اپنی زوجہ کو اس مکان میں بھیج سکتا ہے اور طلاق تو نہیں ہوگی؟

سید رشید احمد - فیض بازار محلہ قاضی واڑہ دہلی -

الجواب :- صورت مسئولہ میں اگر زید نے اپنی بیوی کو یہ الفاظ "اگر تو نے اس گھر میں قدم رکھا تو سات طلاق ہیں" - اس بنا پر کہے ہیں کہ ان گھر والوں سے لڑائی ہوئی تھی تو بعد مصالحت کے یہ طلاق معلق باقی نہ رہے گی اور بیوی کو وہاں بھیجنے سے طلاق نہ ہوگی۔ مثل السلطان اذا حلف انسانا لیرفعن الیہ خبر کل داعر فی المدینۃ کان علی مدۃ اقامتہ ومثلہ تحلیف رب الدین الغریم ان لا یخرج من البلد الا باذنہ تقید بقیام الدین - شامی ص ۸۴۹ ج ۲ والحاصل ان الیمین تخصص بدلالۃ الحال والعادۃ والعرف صرح بہ فی الشامیۃ ص ۸۵ ج ۲ - وقال فی باب یمین الفور انفرد الامام باظهارها وکانت الیمین اولا قسمین مؤبدۃ ای مطلقۃ ومؤقتۃ وھذہ مؤبدۃ لفظا مؤقتۃ معنی تتقید بالحال اما بان تکون بناءً علی امر حالی کما مثل او تقع جوابا لکلام یتعلق بالحال اھ ص ۱۳۰ ج ۳ -

باقی بہتر یہ ہے کہ بیوی کو اس گھر میں کبھی نہ بھیجے کیونکہ الفاظ زید کے عام ہیں اور مسئلہ اختلافی ہے اور اختلاف سے بچنا اولیٰ ہے - واللہ اعلم - حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۰ صفر سنہ ۴۷ھ

تعلیق طلاق کی ایک خاص صورت اور اس کا حکم

سوال :- ایک مرد کا ایک عورت سے ناجائز تعلق ہے ایک روز اس مرد نے اس عورت سے کہا کہ اگر میں شادی بھی کسی اور عورت سے کر لوں اسوقت بھی اگر تجھ کو اپنے تصرف میں نہیں رکھوں گا تو میری بیوی طلاق ہو جاوے گی اھ اب وہ اس ناجائز تعلق کو چھوڑ کر اور کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا طلاق واقع ہو جاویگی یا نہیں۔

الجواب :- اگر قائل کا مقصود اس قول سے صرف اس فاحشہ کو راضی کرنا تھا اور منکوحہ آئندہ پر ایقاع طلاق کا قصد نہ تھا تو اس صورت میں اگر وہ کسی عورت سے شادی کر لے اور اس فاحشہ سے تعلق قطع کر دے منکوحہ پر طلاق نہ پڑے گی اور اگر ایقاع طلاق کا قصد تھا تو منکوحہ پر نکاح کرتے ہی طلاق بائن پڑ جائے گی۔

فی العالمگیریة اذا قال لامرأته فی حالة الغضب ان فعلت کذا الی خمس سنین تصیری مطلقة منی واراد بذلک تخویفها ففعلت ذلک الفعل قبل انقضاء المدة التی ذکرها فانه یسئل الزوج هل کان حلف بطلاقها فان اخبر انه کان حلف بطلاقها یعمل بخبره ویحکم بوقوع الطلاق وان اخبر انه لم یحلف به قُبل قوله کذا فی المحیط (صفحہ ۱۰۶ ج ۲) اور وقوع طلاق کی صورت میں طلاق بائن بلا عدۃ کے ہوگی اور اس سے یمین ختم ہو جائے گی پھر اسی عورت سے اسی وقت دوبارہ نکاح کرے تو دوبارہ طلاق نہ ہوگی۔

الفاظ الشرط ان واذا واذا ما وکل وکلما ومتی ومتی ما ففی هذه الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت الیمین وانتهت لانها لاتقتضی العموم والتکرار فبوجود الفعل مرة تم الشرط وانحلت الیمین فلا یتحقق الحنث بعده الافی کلما اھ (ص ۹۴ ج ۲ عالمگیر)

البتہ اگر یہ حیلہ کرے کہ کسی عورت سے خود نکاح نہ کرے بلکہ اس کی طرف سے کوئی دوسرا شخص بدون اس کے امر کے از خود ایجاب و قبول کر لے اور یہ زبان سے اس نکاح کو نافذ نہ کرے بلکہ عملاً نافذ کر دے کہ بیوی کے پاس چلا جاوے تو اس صورت میں منکوحہ پر بالکل طلاق نہ ہوگی۔ فی الظهیریة فی الثانی من الطلاق لو قال ان تزوجت امرأة فهی طالق ثلاثا فالحیلة فی ذلک ان یعقد فضولی بینهما عقد النکاح فیجیزه بالفعل، لایحنث اھ کذا فی تنقیح الفتاوی الحامدیه (صفحہ ۴۰ ج ۱) وفیه ایضا صیغة المضارع لا یقع بها الطلاق الا اذا غلب فی الحال صرح به الکمال بن الهمام اھ (ص ۳۸ ج ۱) اور بظاہر اہل بنگالہ (طلاق ہو جاویگی) کے لفظ کو بمعنی حال ہی استعمال کرتے ہیں لہٰذا وقوع طلاق کا حکم دیا گیا اور اگر بمعنے استقبال کے استعمال

ہوتا ہو تو وقوع طلاق نہ ہو گا ۔ الا اذا نوی الحال ۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۔ ۱۵ ربیع الثانی ۵۴ھ

تعلیق طلاق کی ایک صورت

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو عمر کے یہاں جانے سے بحالت کہ زید و عمر میں خصومت ناچاقی تھی منع کیا اور اپنے اقامت کے شہر سے زوجہ ہندہ کو اس کے والدہ کے مکان پر جو عمر کی سکونت گاہ سے کچھ فاصلہ پر ہے روانہ کرتے وقت کہا کہ تجھے صرف والدہ کے مکان پر جانیکی اجازت ہے مگر عمرو کے یہاں کی اجازت نہیں اگر گئی تو تین طلاق ہیں ۔ ہندہ زید سے رخصت ہو کر میکے گئی اور تقریباً تین ماہ تک وہاں مقیم رہی حالانکہ عمر کا مکان بھی وہاں سے قریب ہی فاصلہ پر تھا مگر نہیں گئی ۔ اور اپنے شوہر زید کے پاس چلی آئی کچھ دنوں بعد پھر ہندہ کو میکے جانیکا اتفاق ہوا اس نے اپنے شوہر زید سے یہ اجازت طلب کی کہ اگر مجھے آپ کی غیر موجودگی میں کہیں جانے کی ضرورت درپیش آئے تو مجھے یہ اختیار حاصل ہے کہ میں ہر حالت میں جا سکوں؟ زید نے یہ کہکر رخصت کیا کہ ہاں اجازت ہے کہ تو اپنی والدہ کے ہمراہ کہیں جا سکتی ہے چونکہ گذشتہ بغض و عداوت اور طلاق والی باتیں زید، عمر و ہندہ کے خیال میں تھیں کہ جس شرط پر طلاق معلق تھا ان صورتوں میں اب اگر ہندہ اپنی والدہ کے ساتھ بھائی عمر کے ہاں کسی ضرورت سے جائے تو کیا زید و ہندہ کے درمیان طلاق واقعی ضرور ہو گا نہیں؟ بینوا توجروا ۔

حافظ محمود احمد امام ہندوستانی مسجد سہر پروم (ایہ برھما)

الجواب :- صورت مذکورہ میں جب ہندہ پہلی مرتبہ اپنے میکے گئی اور زید نے روانہ کرتے ہوئے اس سے یہ کہا کہ تجھکو صرف والدہ کے مکان پر جانیکی اجازت ہے مگر عمر کے یہاں کی اجازت نہیں اگر گئی تو تین طلاق ہیں الخ یہ طلاق اسی سفر کے ساتھ مخصوص تھی جب ہندہ اس سفر میں عمر کے یہاں نہیں گئی تو اس کلام سے آئندہ وقوع طلاق نہ ہو گا پس دوسری مرتبہ جب ہندہ اپنے میکے گئی اور شوہر سے اسنے پوچھا کہ اگر مجھے آپ کی غیر موجودگی میں کہیں جانے کی ضرورت پیش آئی تو مجھے یہ اختیار حاصل ہے کہ میں ہر حالت میں جا سکوں اور زید نے یہ کہکر رخصت کیا کہ تو اپنی والدہ کے ہمراہ ہر کہیں جا سکتی ہے ۔ اس سفر میں اگر ہندہ اپنی والدہ کے ساتھ عمر کے یہاں چلی جائے تو طلاق واقع نہ ہو گی ۔ لیکن اگر زید نے پہلے کلام سے ہمیشہ کے لئے ممانعت کا قصد کیا ہو اور ہمیشہ کے لئے کسیوقت کے جانے پر تین طلاق واقع کرنے کی نیت کی ہو تو اس صورت میں دوسری سفر میں اگر ہندہ اپنی ماں کے ساتھ بھی جائے گی تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی واللہ اعلم ۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۸ رجب ۵۴ھ

اگراس گھر میں جاؤ گی تو طلاق ہو جاوے گی، کا حکم

سوال ۔ معظم مکرم محترم بندہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ یہ خاکسار بہ سرپرستی جناب دلدار خان صاحب کانپور ٹینری میں ملازم ہے دو قطعہ مکان کارخانہ کے ہیں قرب و مکانیت دونوں مکانوں کی یکساں ہے اور ایک دوسرے مکان میں جانیکا راستہ بھی ہے میں ایک قطعہ میں رہتا ہوں دوسرے میں داروغہ عبدالحلیم صاحب جو کارخانہ میں ملازم ہیں رہتے ہیں میں نے اپنی بھاوج بیوہ کے ہمراہ جن کے دو لڑکے ہیں بعض دور اندیشیوں کے خیال سے ایام رمضان شریف گذشتہ میں عقد کر لیا ہے ۔ اہلیہ سابق و حال دونوں اس مکان میں مشترک رہتی ہیں خورد و نوش نشست و برخاست یکجا ہی ہے باہمی بظاہر کوئی شکایت نہیں ہے کل بروز بدھ قبل مغرب جب کارخانہ سے فرصت پا کر گھر گیا تو اہلیہ سابق کو غمگین دیکھکر دریافت کیا کیسا مزاج ہے اونہوں نے میری ذات پر رنج کا اظہار کیا اور چند کلمہ جھوٹ کہے جس سے مجھکو ناگوار معلوم ہوا میں نے کہا نماز پڑھ لوں تو تمہارا انتظام کر دوں وہ ناخوش ہو کر بالاخانہ پر جانے لگیں اسوقت میں نے روک کر کہا کہ چابی مکان کی اور زیور دیدو وہ چابیاں دیکر بالاخانہ پر چڑھکر اندر سے کواڑ بند کر لیا میں نماز مغرب میں مشغول ہو گیا نماز کے بعد بالاخانہ پر گیا معلوم ہوا نہیں ہیں ۔ داروغہ عبدالحلیم صاحب کے گھر میں ہیں بعدہٗ اہلیہ کو بہت سمجھانے کے بعد گھر واپس آکر بالاخانہ پر چلی گئیں نہ مجھ سے مخاطب ہوئیں نہ معذرت کیا بہر صورت جب مجھ سے صبر نہ ہو سکا تو میں نے اپنے لڑکے فریدالدین کو پکار کر کہا کہ اپنی والدہ کو کھانے کے لئے بھیجدو بعد تامل وہ بالاخانہ سے اتر کر باورچی خانہ میں جاکر تنہا کھانا کھانے لگیں میں آنگن میں بیٹھا غصہ میں کچھ باتیں فراز و نشیب کی بطور نصیحت کرتا رہا اسی حالت میں یہ کہکر اٹھا کہ اگر اس گھر میں جاؤ گی طلاق ہو جاویگی اور متواتر اس کلمہ کو کہا اور دروازہ کھڑکی میں احتیاطاً قفل لگا دیا کہ اس امر کا وقوع سہواً یا عمداً نہ ہو ۔ بہشتی زیور میں اس مسئلہ میں غور کیا گیا جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ بالکل مطابقت کرتے ہیں ۔

تنقیح از جانب حضرت مولانا تھانوی مدفیضہم

اس مقام پر بہشتی زیور کی عبارت نقل کرنا چاہیئے تاکہ مطابقت دیکھی جاوے ۔

(بقیہ خط بالا)

یہ میری سرگذشت ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان الفاظوں کو جو میں نے غضبناک ہو کر کہے ہیں اور یہ نیت نہیں ہے کہ اگر ایسا ہو گا تو یہ ہو گا بلکہ غصہ میں کہہ گیا کہ کسی شرعی حکم سے واپس لے سکتا ہوں اور اس کے بعد داروغہ عبدالحلیم صاحب کے گھر میں اہلیہ کے جانے کا کچھ حرج تو نہیں ہے ۔ داروغہ

عبدالحلیم کے گھر میں تنہا ہیں اور نہایت نیک اور حافظ قرآن ہیں اور ان کے بچہ ہونے والا ہے - کوئی ظاہری معاونت ان کے ساتھ نہیں ہے - اگر ان کو کوئی تکلیف بچہ پیدا ہونے کی حالت میں پہونچی تو مروت اور حق ہمسائیگی کے خلاف ہے اور حق تلفی ہے بایں وجہ قطع مراسم اچھا نہیں معلوم ہوتا موجودہ کبیدگی وکشیدگی کا باعث عقد ثانی ضرور ہے - اگر میں اہلیہ ثانی کو علیحدہ مکان میں رکھوں تو بھی ان کی کشیدگی مجھ سے دفع نہ ہوگی یہ خلقی مادہ ہے - زیادہ والسلام - السائل آپ کا خادم سعادت علی از کانپور ٹیزی کانپور سہانہ پورہ -

جواب تنقیح از جانب سائل

قبلہ حاجات حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب دامت برکاتکم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج مقدس بموجب ارشاد حضور والا مسئلہ مندرجہ بہشتی زیور جس سے اس نادان نے اپنے کلمات کو منطبق کئے ہیں ذیل میں درج کر کے اطمینان کا طالب ہے - زیادہ والسلام -

مسئلہ مندرجہ بہشتی زیور حصہ چہارم صنہ اپنی بی بی سے کہا اگر اس گھر میں جاوے تو تجھکو طلاق -

الجواب :- صورۃ مسئولہ میں سائل نے صیغہ مضارع کا استعمال کیا ہے جس سے طلاق کا وقوع اسوقت ہوتا ہے جبکہ مضارع کا استعمال بمعنی حال غالب ہوگیا ہو - اردو میں چونکہ حال واستقبال کا صیغہ جداجدا ہے اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مضارع بمعنی حال غالب ہے - پس صورۃ مسئولہ میں سائل کا یہ قول کہ آئندہ اگر اس گھر میں جاؤگی طلاق ہوجاویگی - تعلیق طلاق نہیں بلکہ محض وعید اور دھمکی ہے جیسا کہ سائل کے بیان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے - کہ اسکا ارادہ تعلیق کا نہ تھا - لہٰذا اگر زوجہ اس گھر میں چلی جاوے گی تو شرعاً طلاق عائد نہ ہوگی - قال فی العالمگیریۃ اذاقال لامرأته فی حالة الغضب ان فعلت كذا الی خمس سنین تصیری مطلقة حتی واراد بذلك تخويفها ففعلت ذلك الفعل قبل انقضاء المدة التی ذكرها فانه يسئل الزوج هل كان حلف بطلاقها فان اخبرانه كان حلف يعمل بخبره ويحكم بوقوع الطلاق وان اخبرانه لم يحلف به قبل قوله كذا فی المحيط ص۱۰۶ ج۲

لیکن اگر زوج کی نیت محض دھمکی کی نہ تھی بلکہ طلاق کو معلق کرنے ہی کی نیت تھی تو اس گھر میں جانے سے زوجہ پر طلاق پڑجائے گی لہٰذا سائل اپنی نیت کو خود سوچ سمجھ لے اور اس صورت ثانیہ یعنی نیت تعلیق میں صرف طلاق رجعی ہوگی جس سے عدت کے اندر نکاح فسخ نہیں ہوتا - زبان سے بھی رجعت کرسکتے ہیں اور

تقبیل وغیرہ سے بھی رجعت ہو جاتی ہے اور ایک مرتبہ کے بعد پھر آئندہ اس گھر میں عورت کے جانے سے دوبارہ اس پر طلاق نہ ہوگی ۔

لان ان و اذا و اذا ما و کل و متی و متی ما ففی ہذہ الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت الیمین و انتہت لانہا لا تقتضی العموم والتکرار اھ (عالمگیری ص ۹۴ ج ۲)

واللہ اعلم

تنبیہ :- بہشتی زیور کی عبارت میں جس کا سائل نے حوالہ دیا ہے صیغۂ مضارع نہیں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں (مسئلہ) اپنی بی بی سے کہا تھا اگر اس گھر میں جاوے تو تجھ کو طلاق ہے اور وہ چلی گئی اور طلاق ہو گئی الخ (ص ۳۵ ج ۴) ان الفاظ کے ساتھ وقوع شرط پر وقوع طلاق لازمی ہے کیونکہ الفاظ انشاء صریح موجود ہیں اور سائل کے الفاظ میں (طلاق ہو جاوے گی) کا لفظ ہے جو کہ انشاء میں صریح نہیں ۔ واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۸ محرم ۱۳۴۱ھ

اگر تو اس بات کا تذکرہ کسی سے کریگی تو تجھ پر تین طلاق اور پھر بعد میں خود تذکرہ کی اجازت دیدی تو کیا حکم ہے ۔

سوال ۔ ایک شخص (زید) نے اپنی بیوی سے ایک واقعہ بیان کیا اور اس کے پوشیدہ رکھنے کے لئے کہا مگر اس کی عورت نے کہا کہ میں اس کا تذکرہ ضرور کروں گی خاوند (زید) نے اس بات کو پوشیدہ رکھنے کی مصلحت کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی عورت کو قسم دیدی ۔ کہ اگر تو اس کا تذکرہ کسی سے بھی کرے گی تو تجھ پر تین طلاق، معاملہ رفع دفع ہوا اور عورت نے کسی سے تذکرہ نہیں کیا مگر یہ دونوں ایک ہی جگہ قیام پذیر رہے ۔ بیس پچیس روز کے بعد ان دونوں میں کچھ عرصہ کے لئے جدائی ہونے لگی یعنی (زید کی) عورت جس کو قسم دی گئی تھی اپنے میکے یا کسی قریبی عزیز کے یہاں جانے لگی ۔ چلتے وقت خاوند نے اپنی بیوی سے نہ معلوم کسی مصلحت سے یا ویسے ہی یہ کہدیا کہ اگر اس واقعہ کا جس پر مندرجہ بالا قسم دی گئی ہے کسی سے تذکرہ بھی کردے گی تو کوئی حرج نہیں ہے میں اپنی قسم واپس لیتا ہوں کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اس اجازت دیتے وقت قسم دینے والے (خاوند) کی نیت بھی قسم کے واپس لینے کی تھی ما اس قسم کے واپس لینے کے بعد سے ابھی تک عورت نے کسی سے تذکرہ نہیں کیا ہے مگر خیال ہے کہ مبادا اس خیال سے کہ خاوند نے اجازت تو دیدی ہے ذکر نہ کردے ۔ اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ اگر وہ عورت جس کو قسم دی گئی ہے اس اجازت سے فائدہ حاصل کر کے ذکر کر بھی دے تو کیا اس عورت پر طلاق تو نہیں پڑے گی اور خاوند کو اس قسم یا شرط کے واپس لینے کا حق حاصل ہے یا نہیں ، ایک امر اور بھی قابل ذکر ہے کہ خاوند کی نیت قسم دیتے وقت کوئی خاص نہیں

تھی یعنی وہ شرط کو واپس لے گیا نہیں اور نہ اس وقت کسی اجازت کا خیال تھا البتہ اجازت دیتے وقت اس امر کی نیت ضرور تھی کہ اگر یہ کہدے تو کوئی طلاق پڑے۔

السائل جمیل احمد نائب تحصیلدار مقام الور للاویہ دروازہ

الجواب :-

صورت مسئولہ میں زید کا اپنی عورت کو اس طرح قسم دینا کہ " اگر تو اس بات کا تذکرہ کسی سے کرے گی تو تجھ پر تین طلاق " عرفاً اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جب تک اخفاء کی ضرورت ہے اس وقت تک اگر کسی سے تذکرہ کیا تو یہ حکم ہے پس جب شوہر کے نزدیک اخفاء کی ضرورت باقی نہیں رہی اس کے بعد اگر وہ عورت کسی سے تذکرہ کرے تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی

قال فی العالمگیریۃ رجل خرج مع الوالی وحلف بالطلاق ان لا یرجع الا باذنہ وسقط منہ شیئ ورجع لذلک لا تطلق و لو حلف علی امرأتہ بطلاقہا ان لا تخرج من الدار الا باذنی او حلف السلطان رجلاً بطلاق امرأتہ ان لا یخرج من البلدۃ الا باذنہ او حلف صاحب الدین مدیونہ ان لا یخرج من البلدۃ الا باذنہ فالیمین مقیدۃ بحال قیام الزوجیۃ ۔ والسلطنۃ والدین بانت المرأۃ وعزل السلطان وسقط الدین وانحلت الیمین ثم لا تعود ابدا او ان عادت الولایۃ للزوج والسلطان وعاد الدین اھ ج ۲ ص ۱۱۱ ۔ وفیہا ایضاً ولو قال لہا اگر تو با کسے حرام کنی فانت طالق ثلثا فابانہا فجامعہا فی العدۃ طلقت عندہما لانہما یعتبران عموم اللفظ وابو یوسف رح یعتبر الغرض فعلی قیاس قولہ لا تطلق وعلیہ الفتوی اھ ج ۲ ص ۱۰۷ ۔ لیکن اگر صورت مسئولہ میں عورت احتیاط رکھے اور وہ بات کبھی کسی سے نہ کہے تو یہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۲ محرم ۱۳۴۱ھ

سوال ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم الاستفتاء ۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین	اگر اپنے بچہ کو فلاں قصبہ میں پانچ سال تک روانہ کروں تو اس کی ماں پر تین طلاق ۔ بعد میں بچہ کو خود وہاں لے گیا

اس مسئلہ میں کہ زید ایک شہر کا رہنے والا ہے جس کا نکاح ایک قصبہ میں ہوا جو بذریعہ ریل دو سو میل پر واقع ہے چونکہ زید کو اس کے سسرال والے اپنے قصبہ میں بود و باش اختیار کرنے پر مجبور کرتے تھے اس لئے جب کبھی زید کی منکوحہ اپنے پیہر (میکے) جاتی تو اس کی واپسی میں زید کے

خسرال والے کچھ نہ کچھ جھگڑا ضرور کرتے ایک مرتبہ زید کی بیوی اپنی بہن کی شادی میں شرکت کے لئے قصبہ میں بلائی گئی زید نے اپنی بیوی کو پندرہ روز کی اجازت دیدی مگر اپنے تین سالہ لڑکے کو اس خیال سے روک لینا چاہا کہ اس بچہ کے میرے پاس ہونے سے نہ تو خسرال والوں کو میری بیوی کے روکنے کی جرأت ہوگی اور نہ خود بیوی بھی بوجہ مہر مادری وہاں زائد قیام کر سکے گی - مگر زید کی بیوی نے بچہ کے اپنے ہمراہ لیجانے میں سخت اصرار کیا لیکن زید نے مذکورہ مصلحت کیوجہ سے اپنی بیوی کی بات نہ مانی، روانہ ہوتے وقت بیوی نے غصہ سے کہا تم دیکھنا میں اپنے باپ کو بھیجکر بچہ کو کیسے بلاتی ہوں اس پر زید نے یہ قسم کھائی اگر میں بچہ کو کسی طرح بھی قصبہ کو پانچ سال تک روانہ کروں تو اس کی والدہ پر تین طلاق جو متواتر کا حکم رکھیں - بیوی کے چلے جانے کے بعد ایک سال تک اس طرف سے لڑکے کی طلبی میں اور زید کیطرف سے بیوی کی طلبی میں خط وکتابت ہوتی رہی جس میں ایک خط مولوی ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب نقشبندی کا وصول ہوا جو خسر زید کے ملاقاتی اور زید کے مشفق ہیں اس خط میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے خسر زید کے خاص الفاظ یوں تحریر کئے کہ " ہم آپ کو اپنی لڑکی کے روانہ کرنے میں کچھ عذر نہیں ہم کب نہیں کہتے (یعنی بھیجنے میں ہم کو انکار نہیں) وہ بچہ کو لائیں اور ان کو (بچہ کی والدہ کو) لے جائیں یہاں (قصبہ میں) جو لوگوں نے افواہ اڑائی ہے کہ اب وہ ہرگز نہ آئیں گے اور اپنا قطع تعلق کر لیا ہے - وہ جھوٹے ٹھہریں اور لڑکا روانہ کرنے کی اگر قسم کھائی ہے تو ساتھ لانے میں قسم بھی نہیں ٹوٹتی مخالفین کی افواہ بھی رد ہوتی ہے - ہم روانہ کرنے سے انکار نہیں کرتے " چنانچہ اس خط سے جب زید نے اپنے خیال اور نیت کے موافق اپنے خسر کا بھی خیال لڑکے کے لیجانے اور قسم میں خرابی واقع نہ ہونے میں پایا تو بلحاظ سہولیت طرفین قسم کھانے کے ایک سال بعد بچہ کو اپنے ساتھ لے گیا - قسم میں الفاظ خاص کسی طرح بھی روانہ کروں سے زید کی مراد اور نیت میں اس کا مقصد بہ استثنا خود دوسرے کے ساتھ کسی طرح بھی روانہ نہ کروں گا ہے - جو وجہ اور محل قسم یعنی زید کی بیوی کا غصہ سے یہ کہنا کہ تم دیکھنا کہ میں اپنے باپ کو بھیجکر بچہ کو کیسے بلاتی ہوں - اس کے جواب میں صاف ظاہر ہیں اور لفظ روانہ کروں کے صریح وحقیقی معنی عرف میں دوسرے کے ساتھ بھیجنے کے ہوتے ہیں - لہذا زید کا یہی مطلب تھا - الحاصل مذکورہ صورت میں کیا زید کی بیوی پر طلاق واقع ہو سکتی ہے ؟

بینوا وتوجروا - المستفتی عبدالرحمن شاہجہان خان عفی عنہ

محلہ کالوپور سوداگر پول احمد آباد -

الجواب :- قال فی العالمگیریہ ولو قال لہا (اگر تو بکسے حرام کنی) فانت طالق ثلثا فابانہا فجامعہا فی العدۃ طلقت عندہما لانہما یعتبران عموم اللفظ و ابو یوسف یعتبر الغرض فعلی قیاس قولہ لا تطلق وعلیہ الفتوی الخ صفحہ ۱۰۷ ج ۲

صورت مسئولہ میں جب زید کی غرض اور نیت کلام مذکور میں یہ تھی کہ کسی دوسرے کے ساتھ کبھی نہ روانہ کروں گا تو لڑکے کو اپنے ساتھ لیجانے سے اس کی زوجہ پر طلاق واقع نہ ہوگی ۔ واللہ اعلم ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۶ صفر ۴۱

سوال :- اگر تو فلاں شخص سے بات کرے تو تجھ پر تین طلاق اور اپنے ذہن میں اجازت دینے کی صورت کو مستثنی کر لیا

ایک شخص اپنی بیوی سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر تو فلاں شخص سے بات کرے گی تو تجھ کو تین طلاق مگر اس کے خیال میں یہ بات تھی کہ موقع ضرورت پر بات کرنے کی اجازت دیدوں گا مذکور خطاب میں لفظ ہمیشہ وغیرہ جو دوام پر دلالت کرے نہیں ذکر کیا پس اس صورت میں اگر اپنی بیوی کو اس شخص سے بات کرنے کی اجازت دی تو وہ عورت بات کر سکتی ہے یا بات کرنے سے طلاق واقع ہوگی ۔

مذکور خطاب عام ہے مقید بوقت محدود میں نہیں ۔ خادم محمد عبد القادر ۔ از مقام کلاں ضلع جنوبی ارکاٹ

الجواب :- قال فی الدر المختار الایمان بنیۃ علی الالفاظ لا علی الاغراض اھ (ص ۱۱۰ ج ۳) وفیہ ایضا نیۃ تخصیص العام تصح دیانۃ اجماعا فلو قال کل امرأۃ اتزوجہا فہی طالق ثم قال نویت کذا لا یصدق قضاءً وفی رد المحتار ومثلہ لا اتزوج امرأۃ ونوی حبشیۃ او عربیۃ فانہا بعض افراد العام لان الانسان انواع حبشی وعربی ورومی اھ (ص ۱۵۰ ج ۳) قلت وکذا الکلام متنوع الی ضروری وغیر ضروری فلو نوی احد النوعین یصح ۔ صورت مسئولہ میں جبکہ زوج کی نیت اس کلام سے کہ اگر تو فلاں شخص سے بات کرے گی تو تجھکو تین طلاق ، بے ضرورت و بے اجازت بات کرنا تو بروقت ضرورت شوہر کی اجازت سے اگر وہ بات کرے تو اس پر طلاق کا وقوع نہ ہوگا ۔ ۲ ، شوال ۴۱ھ

سوال :- حالت اکراہ میں تعلیق طلاق کا حکم

چہ فرمایند علمائے دین متین رحمہم اللہ تعالی اندرین کہ دو برادران مسمیان عبد الودود و عبد النصیر میاں جی بحضور مجمع عام کہ چندکس عالمان شریعت غرا نیز دران حاضر بودند اقرار نمودند کہ روزے بوجہ خصومت گروہے متخاصمین برایشان غلبہ کردہ ہر دو برادران را مکر خانہ بردند وصاحب خانہ کہ سرگروہ متخاصمین بود ایشان را ہمی زد و میگفت کہ بگوئید کہ بجا نہائے پنڈت وامید علی منشی و یوسف ماجھی پیش بخواہد رفت چونکہ برادران مذکور بدست متعلقین عاجز آمدہ

بودند چارهٔ رہائی نمی دیدند ناچار گفتند نخواہیم رفت باز گفتند کہ بگوئیکہ در تھانہ ودر کچھری بے اجازت من نخواہید رفت برادران گفتند نخواہیم رفت باز پرسید اگر روید بر زنان شما طلاق ثلث خواہد شد یا نہ برادران پاسخ دادند خواہد شد۔ باز سوال کرد کہ چہ خواہد شد گفتند طلاق خواہد شد باز پرسید کہ چہ چیز طلاق خواہد شد گفتند آیا نمی دانید کہ چہ چیز طلاق شود باز سوال نمود زنان شما طلاق خواہد شد یا نہ گفتند آرے اکنوں سوال اینکہ در صورت مرقومہ بر تقدیر صحت معاملہ درحالیکہ برادران مذکور در خانہا ے نامیدگاں کہ ایشاں بالفعل باحیات باقی نیستند و در تھانہ و کچھری بلا اجازت متغلب آمد و شد نمودند حسب حکم مذہب حنفی بر زنان مسمیاں طلاق ثلث واقع شود یا چہ واضح باشد کہ کسے از مسمیان مذکور و زنان ایشاں بر طلاق راضی نیست بلکہ برخلاف آن بخوف آنکہ فتوی عالمان دریں باب بر وقوع طلاق صادر یابد بسکہ غمگین ہستند و پیوستہ گریہ وزاری ہمی دادند تاآنکہ زنان ایشاں از تاریخ معاملہ خوردونوش ترک گفتہ اند۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ طلاق واقع نخواہد شد بچند وجوہ۔ اول ایں کہ از جہت ثبوت تعلق جزا بالشرط اتصال کلام باید۔ وسکوت و انفصال مانع تعلق است و فصل کلام صیرورت یمیں را فشاید۔ کما فی فتاوی قاضی خان فی باب الایمان السکوت یمنع تعلق الجزاء بالشرط و ایضا فیہ رجل اخذہ السلطان و اراد ان یحلفہ فقال لہ قل بایزد فقال الرجل بایزد ثم قال السلطان کہ بروز آدینہ بیائی فقال الرجل بروز ادینہ بیایم فلم یات الرجل یوم الجمعۃ قالوا لم یحنث لانہ لما قال لہ قل بایزد و سکت صار فاصلا فلا یصیر یمینا بعد ذلک انتہی۔

وجہ دوم آنکہ مسمیان مذکور حسب شروط یمین در خانہائے نامیدگان کہ پنڈت وامید علی منشی و یوسف مانجھی اند نرفتہ اند بلکہ در خانہائے ورثہ ایشاں رفتہ اند کہ بعد موت ایشاں خانہا در ملک وارثاں انتقال یافتہ است کما فی فتاوی قاضی خان رجل حلف و قال امرأتہ طالق ان دخلت دار فلان فمات صاحب الدار فدخل ان لم یکن للمیت دین مستغرق لا یحنث لانہا انتقلت الی الورثۃ وان کان علیہ دین مستغرق الی قولہ قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ لا یحنث فی یمینہ و در فتاوی سراجیہ نوشتہ حلف لا یدخل دار فلان فدخل بعد الموت لہ یحنث انتہی۔

پس درحالیکہ مسمیان بلا اجازت متغلب مذکور در تھانہ و کچھری رفتہ اند بوجہ فوات

شروط اول کہ رفتن درخانہائے نامیدگاں بود حنث لازم نیاید ۔ زیرا کہ جزا بر ہر دو گونہ شرائط مترتب بود کمافی فتاوی سراجیہ ۔ حلف لا یکلم فلانا و فلانا لو یحنث بکلام احدهما انتهى ۔ و فی فتاوی قاضی خان لو قال کل امراۃ اتزوج ما دمتما حیین او قال بالفارسیہ ۔ ہر زنے کہ بخواہیم تا ایشان زندہ اند تطلق کل امراۃ یتزوج فی حیوتهما لان کلمۃ کل توجب تعمیم النساء وان مات احد ابویہ فتزوج امراۃ تکلموا فیہ و عن محمد رح انها لا تطلق وتسقط الیمین بموت احدهما وبہ اخذ فقیہ ابو اللیث لان شرط الحنث التزوج فی حیوتهما ولم یوجد انتهى و فی الحمادیہ رجل حلف لا یکلم فلانا و فلانا فهذا علی ثلثہ اوجہ اما ان نوی ان یحنث بکلام کل واحد منهما او نوی ان لا یحنث حتی یکلمهما او لم ینو شیأ ففی الوجہ الاول اذا کلم احدهما یحنث لانہ نوی ما یحتملہ و فی الوجہ الثانی لا یحنث ما لم یکلمهما لانہ نوی حقیقۃ ما تکلمہ بہ و فی الوجہ الثالث کذالک انتهى ۔

پس بہر حال باولہ بالا میرہن می شود کہ حنث لازم نیاید فلا تطلقان ولا احدهما هکذا حکم الکتاب واللہ اعلم بالصواب ۔ الکاتب العاصی مختار احمد صدیقی

کالی پور

تنقیح الجواب من جامع امداد الاحکام

قال فی العالمگیریۃ ص ۵۰۷ ج ۲ ۔ قیل لرجل الست طلقت امراتک فقال بلی تطلق کانہ قال طلقت لانہ جواب الاستفهام بالاثبات اھ وفیها ایضا رجل قال لغیرہ اطلقت امراتک فقال نعم بالهجاء او قال بلی بالهجاء ولم یتکلم بہ یقع الطلاق کذا فی فتاوی قاضی خان اھ وفیها ایضا قیل لرجل اطلقت امراتک ثلثا قال نعم واحدۃ قال القیاس ان یقع علیها ثلث تطلیقات ولکنا نستحسن و نجعلها واحدۃ اھ قلت وجہ الاستحسان زیادۃ قولہ واحدۃ بعد قولہ نعم فلو کان اکتفی بقولہ نعم وقعت ثلث تطلیقات کما لا یخفی وفیها ص ۱۱۶ ج ۲ ۔ رجل اراد السفر فحلفہ صهرہ وقال ان غبت بعد هذا عن امراتک

فلم ترجع اليها عند رأس الشهر فامرأتک طالق فقال الختن بالفارسية
هست ولم يزد على ذلك ثم غاب اكثر من شهر طلقت امرأته لانه
اجاب كلام الصهر والجواب يتضمن اعادة ما فى السوال فتطلق امرأته كذا
فى فتاوى قاضى خان اهـ فقول القائل فى الصورة المسئولة اگر رويد برزنان شما
طلاق ثلث خواهد شد يا نه برادراں پاسخ دادند خواهد شد - فهو بعينه نظير هذه
المسائل فصح التعليق بالشرط فاذا وجد الشرط طلقت امراتاهما و ما نقله
المجيب من قاضى خان ان السكوت يمنع تعليق الجزاء بالشرط - معناه ان ينطق
بالشرط ويسكت ثم ينطق بالجزاء بعده مثلاً لو قال المتغلب للاخوين قولا
اگر رويم وقالا اگر رويم ثم قال المتغلب قولا برزنان ما طلاق ثلث خواهد شد و
قالا برزنان ما طلاق ثلث خواهد شد لا تطلق امراتاهما فى هذه الصورة لان
الجزاء قد انفصل عن الشرط وبقى قولهما "برزنان ما طلاق ثلاث خواهد
شد منفردا عنه ولا يقع به شئ لانه بمعنى الاستقبال لا للانشاء
الحال واما فى الصورة المسئولة فان المتغلب نطق بالشرط والجزاء معاً
فلا انفصال بينهما وقالا فى الجواب "خواهد شد و باز گفتند آرے فهو نظير
ما اذا قال نعم فى جواب قول القائل اطلقت امراتک فانهم نعم لو نوى الاخوان
بقولهما خواهد شد و بقولهما آرے معنى التنجيز ولم يروا معنى
التعليق بالشرط لا يقع الطلاق على امرأتيهما لكونه بمعنى الاستقبال
المنجز وقد عرفت عدم وقوع الطلاق بالاستقبال تنجيزا - وهذا انما
هو فى الديانة واما فى القضاء فلا يصح ارادتهما معنى التنجيز بهذا
الكلام لكونه خلاف الظاهر قال العلامة الشامى قال فى الخانية رجل
حلف رجلا فحلف ونوى غير ما يريد المستحلف ان بالطلاق والعتاق و
نحوه يعتبر نية الحالف اذا لم ينو الحالف خلاف الظاهر ظالماً كان الحالف
او مظلوماً وان كانت اليمين بالله تعالى فلو الحالف مظلوماً فالنية فيه
اليه وان كان ظالماً يريد ابطال حق الغير اعتبر نية المستحلف وهو قول
ابى حنيفة ومحمد اهـ قلت وتقييده بما اذا لم ينو خلاف الظاهر يدل على

ان المراد باعتبار نیۃ الحالف اعتبارھا فی القضاء اذلاخلاف فی اعتبار نیته دیانة وبه علم الفرق بینه وبین مذھب الخصاف فان عنده تعتبر نیته فی القضاء ایضاً ویفتی بقوله اذا کان الحالف مظلوماً اھ (ص ۱۵۲ ج ۳)

وعلی ھذا فلا یجاب بعدم وقوع الطلاق مالم یستفسر الزوجان عن نیتھا بقولھما خواہد شد وبقولھما آرے انھما ہل اراد بذالک معنی التعلیق او معنی التنجیز۔ واما قول المجیب فی الوجہ الثالث پس درحالیکہ مسمیان بلا اجازت متغلب مذکور درتھانہ و کچہری دفعۃ اند بوجہ شرط اوّل کہ رفتن درخانہائے نامیدگاں بود حنث لازم نیاید زیراکہ جزا بہر دو شرائط مترتب بود کما فی فتاوی سراجیہ حلف لایکلم فلاناً وفلاناً لم یحنث بکلام احدھما اھ ففیہ نظر ایضاً من وجوہ:

الاوّل لان ترتب الجزاء علی مجموع الشرطین لایظہر مالم یبین الحالف او المستحلف انہ اراد الترتب علی المجموع کما نقلہ المجیب عن الحمادیہ فی قول رجل حلف لایکلم فلاناً وفلاناً فہذا علی ثلاثہ اوجہ الخ فلا یصح الجواب بعدم الوقوع قبل البیان والثانی لانہ یظہر من السوال ان المستحلف حلف اولاً علی عدم الدخول فی بیوت الرجال المعلومین فلما اقرالاخوان بذلک اخذ منھما العھد ثانیا علی عدم الذہاب الی دیوان الحکومۃ بغیر اذنہ فلم یجتمع الامیران فی عہد واحدٍ لاسیما اذا جعلنا السکوت فاصلاً بین الکلامین فکیف یصح ترتب الجزاء علی مجموع العھدین بل الظاہر ترتبہ علی شرط عدم ذہابھما الدیوان بغیر اذنہ فقط وقد وجد ذلک فلازمہ وقوع الطلاق ولو سلم ان الکلام یحتمل ترتب الجزاء علی المجموع ایضاً فانما یجاب بعدم الوقوع اذا بیّنا انھما نویا ذلک او نویا الحنث بکل واحد منھما فلا شک فی الوقوع باحد الشرطین ولو لم یکن لھما نیۃ فالظاہر الوقوع ایضاً لان المتغلب انما اخذ العھد علی کل واحد من الامیرین علی حدۃٍ علی حدۃٍ وبعد ما اخذ العھد علی امرٍ ثم اخذ العھد ثانیاً علی امر آخر والسکوت یعد فاصلاً فالاصل فی ہذا الکلام تعلق الشرط بالعھد الثانی المتصل بہ فقط دون الاوّل فافہم۔ واللہ تعالیٰ اعلم صورت مسئولہ میں یہ امر تنقیح طلب ہے کہ برادران مظلومین نے اپنے قول میں لفظ خواہد شد ولفظ آرے سے کس معنی کا قصد کیا تھا آیا ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم نے افعال مذکورہ کئے تو ہماری بیبیوں پر طلاق ہو جائے گی یا تعلیق بالشرط کا قصد نہ تھا بلکہ تنجیز کا قصد تھا یا کچھ نیت نہ تھی اسی طرح بصورت معنی تعلیق آیا ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم نے یہ افعال مذکورہ مجموعی طور پر کئے تو طلاق ہو گئی یا علیحدہ علیحدہ ہر امر کے ارتکاب پر طلاق کو معلق کرنا مقصود تھا یا ان میں سے بھی کسی ایک شق کی نیت تھی جب تک اس تنقیح کا جواب نہ آجاوے اس وقت تک وقوع یا عدم وقوع طلاق کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۴ شوال سنہ ۴۱ھ

جواب تنقیح :- اگر تو زبان درازی کریگی تو تجھ سے تعلق نہ رکھونگا اور نیت کچھ نہیں کی تو کیا حکم ہے۔

بر استفسار از نیات ایشان ہر دو برادران صاف می گویند کہ ایشان نیت تطلیق مطلق نہ تعلیقانہ تنجیزا بلکہ رہائی از دست المتغلبین منظور داشتہ چیزی گفتند ہر چہ گویا ندید۔ علاوہ ایں کہ ایں سوالات وجوابات کہ میاں ہر دو فریق رخت بیارپے وبالاتصال نبود بلکہ سائل در بیان سوالات خود گاہ گاہ بار فقائش توجہ می داشت وباہم شورک می کردند کہ در باب این دو برادران چہ کنند وچہا پرسند نیز ایک صاف وجہ یہ ہے کہ تھانہ اور کچہری میں حکام کی طلب پر مجبوری گئے (از خود نہیں گئے) اور اس سے حنث نہیں ہوتا ہے۔

الجواب :-

سوال وجواب سے معلوم ہوا کہ مسمیان نے تعلیق وتنجیز وغیرہ کا کچھ قصد نہیں کیا ان کا ارادہ صرف رہائی از دست متغلبین تھا۔ نہ مسمیان نے طلاق خواہد شد وآرے وغیرہ میں یہ نیت کی کہ یہ جزا مجموعہ شروط کیساتھ ہے یا صرف اول کی ساتھ ہے۔ نہ ثانی کے یا صرف ثانی کے ساتھ ہے نہ اول کے۔ پس اس صورت میں چونکہ لفظ طلاق صریح بولا گیا ہے جس سے ایقاع ووقوع بدون نیت کے بھی ہو جاتا ہے۔ نیت پر لفظ کنایہ سے وقوع موقوف ہوتا ہے۔ نہ صریح سے اور حنفیہ کے نزدیک طلاق مکرہ واقع ہے۔

ووجھہ ان المبتلی اذا ابتلی ببلیتین یختار اھونھما فالمکرہ اذا نطق بلفظ الطلاق للتوقی عن الضرب وجد منہ اختیارہ للطلاق علی الضرب وھذا بعینہ ھو الارادۃ لا یوجد الرضا فی تلک الحالۃ والطلاق لا یتوقف علیہ فثبت تعلیق الطلاق من الرجلین المذکورین ولما لم ینویا ارتباطہ بمجموع الشروط او واحد منھا معینا فالظاھر ارتباط بالشرط الاخیر۔ لما ذکرہ السائل ان المستحلف قال اولاً بگوئید کہ در خانہائی پنڈت وامید علی ویوسف مانجھی پیش نخواہید رفت، برادران گفتند نخواہیم رفت۔ باز گفت (یعنی ثم قال بعد سکوتہ لیسیرا وزمان السکوت ھو زمان اجابۃ الاخرین لکلامہ ونحوہ) بگوئید کہ در تھانہ وکچہری بلا اجازت من نخواہید رفت گفتند نخواہیم رفت پرسید اگر روید (یعنی در تھانہ وکچہری لکونہ مذکورا متصلا وماقبلہ صار منفصلا بالسکوت ونحوہ) بر زمان شما طلاق ثلث خواہد شد۔ یانہ گفتند خواہد شد ولو سلمنا السکوت فاصلا بین کل واحد من الشروط فلا یخفی ان لفظۃ روید یقتضی تقدیر المفعول فلا بد منہ۔ ولو نوی الحالف شیئا معینا یرجح ارادتہ والا فالراجح الاقرب۔ وعلی کل حال قولہ

اگر روید طلاق ثلث خواہد شد یا نہ لیس بمرتبط بمجموع الشروط بدون النیۃ بل الظاہر ارتباطہ بالاخیر فحسب وقد وجد الشرط فلا بد من وقوع الثلث ظاہرا بقی ان وقوع الشرط لم یکن باختیار الحالفین بل کان بطلب الحکام وہو فی حکم الاکراہ - قلت نعم ہذا مما یرجح الافتاء بعدم وقوع الطلقات - لان شرط الحنث وجودی وہو الذہاب الی الدیوان وہو فعل اختیاری فیتوقف علی الاختیار - وینعدم بانعدامہ کما لو حلف لا اسکن ہذہ الدار فقید او منع اولم یمکنہ الخروج لعذر لیل ونحوہ لم یحنث لانہ یعد مسکناً لا ساکناً - فلم یتحقق شرط الحنث - حققہ فی رد المحتار (جلد ۳ صـ۱۱۹ و ج ۲ صـ۸۵۳ و ۸۵۴)

وایضاً یقید الذہاب الی الدیوان بما اذا کان لمخاصمۃ المستحلفین وللادعاء علیہم لا لو کان لغرض آخر فان غرض المستحلف انما ہو الاول لا الثانی - والیمین تتقید بمقتضی الحال ودلالتہا - ہکذا ینبغی ان یفہم ہذا المقام - خلاصہ یہ کہ اگر مسمیان عدالت و کچہری میں از خود بمقابلہ مستحلفین نہیں گئے بلکہ بطلب حکام گئے ہیں تو صورت موجودہ میں طلاق ان کی ازواج پر واقع نہیں ہوئی - اسی طرح اگر از خود بھی عدالت و کچہری میں جائیں - لیکن مستحلف کے مقابلہ کیلئے نہ جائیں - بلکہ کسی اور غرض سے جائیں تب بھی طلاق واقع نہ ہوگی - ہاں اگر مستحلفین سے خصومت کرنے کے لئے از خود کچہری میں بدون اذن مستحلف گئے ہوں یا جائیں تو طلاق واقع ہو جائے گی - اور اس صورت میں بھی اگر از خود نہ گئے ہوں بلکہ بطلب حکام گئے ہوں یا آئندہ جائیں تو طلاق کا وقوع نہ ہوگا - کما ہو واللہ اعلم، حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ - ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

اگر توزبان درازی کرے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا" اور نیت کچھ نہیں کی تو کیا حکم ہے؟

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں ایک شخص نے حالت غصہ میں اپنی بی بی سے کہا اگر تو زبان درازی کرے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا کیونکہ وہ عورت زبان کی تلخ ہے اور اس وقت ان دونوں میں باہم تکرار بھی اور میاں نے یہ لفظ بہت مرتبہ کہا کہ تو سختی کلام سے باز آ مگر اس کلام سے یعنی باہم تکرار سے وہ عورت باز نہ آئی اس کے بعد بہت مرتبہ آپسمیں تکرار ہوئی اور میاں کی نصیحت اسپر اثر نہ کی ابھی تک وقتاً فوقتاً جھگڑا ہو ہی جاتا ہے اس واقعہ کو ہوئے تخمیناً چھ برس ہوا جب سے تین بچہ بھی ہوئے اب شوہر کے دل پر یہ وسوسہ غالب ہوا کہ جب میں نے بی بی سے کہا کہ اگر تو سخت کلامی سے باز نہ آئے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا اسی وقت یہ بھی دو ایک مرتبہ کہہ دیا کہ اگر تو زبان درازی کرے گی تو تعلق نہ رہے گا مگر شوہر کے خیال میں یہ بات تھی کہ کوئی ایسی لفظ نہ نکل جائے جس سے طلاق ہو جائے فقط عورت کو دھمکی دیتا تھا کہ شاید عورت اس بات کے کہنے سے کھٹکا کرے کہ ایسا نہ ہو میاں طلاق دیدے مگر وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئی اسی واقعہ کے بعد بہت مرتبہ تکرار ہوئی - اب شوہر اس بات پر نادم ہے

کہ میں نے حالت غصہ میں یہ بھی دو ایک مرتبہ کہدیا ہے کہ اگر پھر سخت کلامی کرے گی تو تعلق نہ رہے گا کبھی تو دل کہتا ہے کہ یہ بات کہا اور کبھی دل کہتا ہے کہ نہیں یہ لفظ نہیں کہا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ کوئی لفظ ایسا نہ نکل جائے جس سے طلاق ہو جائے اب نہ دل یکدم ہاں کہتا ہے اور نہ یکدم نہیں کہتا اور جب یہ واقعہ ہوا تھا اس وقت کوئی بات نہ تھی بعد تین یا چار برس کے دل پر خلجان اور شک غالب ہوا ایسی پس و پیش میں تھا آج چھٹے برس حضور کے پاس تحریر کیا اب حضور غور سے ملاحظہ فرمائیں طلاق ہوئی کہ نہیں اگر ہوئی تو دوسرا نکاح ہو سکتا ہے کہ نہیں کیونکہ تعلق نہ رہے گا ایک یا دو مرتبہ کہا تھا یا طلاق بائن پڑ گئی۔ حضور صاف اردو زبان میں جواب تحریر فرمائیں۔ تاکہ سمجھ میں آجائے اور جبکہ یہ کہا تھا کہ تعلق نہ رکھوں گا تو اس وقت کوئی گڑبڑ نہ تھی۔ کیونکہ اس وقت کوئی بات کا یہ خیال نہ تھا کہ میں نے ایسی بات کہدیا جس سے طلاق ہوا۔ بہت دنوں کے بعد یہ خیال ہوا کہ شاید میں نے اسی غصہ کی حالت میں یہ لفظ تعلق نہ رہے گا دو ایک مرتبہ کہدیا ہے مگر اس میں بھی شک ہے کبھی تو دل کہتا ہے ہاں کہا اور کبھی کہتا ہے نہیں کہا اور نہ اس جگہ پر کوئی دوسرا شخص تھا کہ اس سے دریافت کیا جائے۔ کہ کیا لفظ کہا۔ فقط والسلام۔

الجواب :-

قال فی العالمگیریۃ اذا قال لامراتہ فی حالت الغضب ان فعلت کذا الی خمس سنین تصیری مطلقۃ منی واراد بذلک تخویفھا ففعلت ذالک الفعل قبل انقضاء المدۃ التی ذکرھا فانہ یسئل الزوج ھل کان حلف بطلاقھا فان کان اخبر انہ کان حلف یعمل بخبرہ ویحکم بوقوع الطلاق علیھا وان کان اخبر انہ لم یحلف بہ قبل قولہ کذا فی المحیط اھ ص ۱۰۶ ج ۲ ——

جب صورت مسئولہ میں شوہر کی نیت عورت کو دھمکانے کی تھی خصوصاً جبکہ اس نے الفاظ کنایہ استعمال کئے ہیں صاف طلاق کا لفظ نہیں بولا اور کنایہ سے وقوع طلاق بعد نیت کے ہوتا ہے جو کہ یہاں مفقود ہے تو شوہر کے اس قول سے کہ اگر تو زبان درازی کرے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا یا تعلق نہ رہے گا عورت پر طلاق نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲ شوال ۱۳۴۲ھ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔

اگر تو نہ آویگی تو تین طلاق ، شوہر کا یہ کہنا اور طلاق کا آخر زندگی میں واقع ہونا | **سوال** :- کیا فرماتے ہیں

علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بنام بقریدی بن عبدل کی طرف سے مریم بنت رسول بخش کو لکھتا ہے کہ معلوم ہو کہ میں نے سنا ہے کہ تیرا باپ مجھ پر فریادی کرے گا تو وہ فریادی کر کے میرا کیا

اکھاڑ لے گا تو بھی آنے کو بولی مگر آئی نہیں ابھی بھی کہتا ہوں کہ تو چلی آ۔ باپ کے سکھانے پڑھانے میں مت پڑ اگر تو نہ آوے گی تو تجھ پر تین طلاق تو میری بیٹی میں تیرا باپ۔ دیکھ پھر بھی کہتا ہوں کہ تو آئندہ بہت پچھتائے گی ورنہ چلی آ۔ میں نے تیری خطا معاف کی تجھ سے کچھ نہ کہوں گا نہیں تو تیرا پیچھا ہرگز نہ چھوڑوں گا فریادی کا خیال بھول جا یہ خط پڑھ کر پھاڑ پھاڑ کر پھینک دینا۔ فقط۔ بقریدی بن عبدل نے جو ایسی صورت میں تین طلاق لکھا ہے تو تین طلاق واقع ہو گئے یا نہیں اور لکھا تو میری بیٹی میں تیرا باپ اس لفظ کے کہنے سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ اور بقریدی نے کوئی دن تاریخ وقت مقرر لکھا نہیں ہے ایسی صورت میں تین طلاق واقع ہوئی یا نہیں شرعاً حکم کیسا ہے خلاصہ تحریر فرمادیں؟

الجواب:۔

جب بقریدی بن عبدل نے صرف یہ لکھا ہے کہ اگر تو نہ آوے گی تو تجھ پر تین طلاق، اور کوئی مدت آنے نہ آنے کی متعین نہیں کی تو اگر اس کی نیت میں بھی کوئی مدت نہ تھی تو ابھی اس کی زوجہ پر طلاق نہیں پڑی بلکہ زندگی بھر نہ آوے تو آخر وقت زندگی میں طلاق پڑے گی۔

لانه طلاق معلق على العدم والعدم متحقق مستمر لكنه لما علق بالمستقبل صلح لجميع زمان الاستقبال لوجوده فلا يتعين له وقت الى ان ينتهى الى آخر جزء من الحيواة فيتضيق فيقع اهـ كذا فى الشامى (ص ۸۱۱ ج ۲)

اور اگر اس نے معنی فور کی نیت کی تھی اور مطلب یہ تھا کہ اگر خط دیکھتے ہی فوراً نہ آوے گی تو طلاق یا کوئی خاص مدت ذہن میں تھی مثلاً اس ماہ میں نہ آوے گی تو طلاق۔ اس صورت میں جب اس کی نیت کے خلاف عورت کی طرف سے عملدرآمد ہوا اسی وقت طلاق پڑ جائیگی۔ بہرحال اس مسئلہ میں طلاق کا واقع ہونا یا نہ ہونا اس پر موقوف ہے کہ شوہر نے کسی مدت تک نہ آنے کی نیت کی تھی یا کچھ نیت نہ تھی۔ صورت اول میں اس مدت تک نہ آنے سے طلاق ہو جائیگی اور دوسری صورت میں زندگی بھر نہ آنے سے طلاق ہوگی اب شوہر اپنی نیت کا حال سوچکر عمل کرے۔ واللہ اعلم قال فى الدر دنية تخصيص العام تصح ديانة اتفاقاً (ص ۱۵۱ ج ۳)

وفيه ايضا فى "لا تخرجى الا باذنى" لو نوى الاذن مرة دين واحتمالهما (ص ۱۴۷ ج ۳)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۲ ؍ رجب ۴۲ھ

اگر شرائط کی خلاف ورزی کی تو وہ خلاف ورزی بمنزلہ طلاق بائن متصور ہوگی اس صورت میں طلاق کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہاجرہ بیگم کا نکاح اپنے تائی کے لڑکے مسمی

محمد ابراہیم کے ساتھ ۱۹۱۱ء میں ہوا ۔ تقریباً پانچ سال تک مسمیٰ محمد ابراہیم نے اپنے مسماۃ ہاجرہ بیگم سے اپنے بد چلن اور آوارگی کے باعث بے اتفاقی رکھی ۔ چنانچہ مسماۃ ہاجرہ بیگم کے رشتہ داروں نے جو مسمی محمد ابراہیم کے رشتہ دار بھی تھے مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۱۷ء کو تنگ آکر اپنی برادری کے چند معزز اشخاص کو اکٹھا کر کے مسمی محمد ابراہیم سے اس مضمون کا ایک اقرار نامہ ۔ جس کی نقل استفتاء ہذا ہے ۔ لینا پڑا کہ اگر مسمی ابراہیم اپنا چال چلن درست نہ کرے اور اپنی زوجہ مسماۃ ہاجرہ بیگم کو نان ونفقہ خورد پوشش وبود باش میں اسائش نہ دے اور حق زوجیت جو بروئے شرع شریف اس پر لازم و واجب ہے ۔ کماحقہ ادا نہ کرے تو شرائط متذکرہ صدر میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی مظہر مقر سے ثابت ہونے پر وہ خلاف ورزی بمنزلہ طلاق بائن تصور ہوگی ۔ اقرار نامہ دینے پر بھی مسمی محمد ابراہیم نے اپنا چال چلن درست نہیں کیا ۔ عرصہ تیرہ چودہ سال میں ایک کوڑی گھر میں نہیں دی ۔ اور نہ اپنی زوجہ مسماۃ ہاجرہ بیگم کو گھر میں آباد کیا ۔ مسماۃ ہاجرہ بیگم اپنے چچا کی لڑکی مسماۃ سکینہ بیگم کے گھر میں گزر اوقات کرتی رہی ۔ اور اپنے والد کی زمین کی جو اناج وغیرہ آتا تھا اور آتا ہے اس سے اپنا پیٹ پالتی رہی اتفاقاً اس کی ہمشیرہ سکینہ بیگم کو اپنے والد کے پاس بردوان جانا پڑا ۔ مسماۃ ہاجرہ بیگم بھی اس کی ہمراہ بردوان بدیں خیال چلی گئی کہ چونکہ اس کا خاوند وہاں اپنے چچا کے پاس موجود ہے ۔ ممکن ہے وہ اس کے وہاں جانے سے التفات کرنے لگے ۔ مسمیٰ محمد ابراہیم کے چال چلن اور آوارگی میں فرق نہ آیا ۔ لیکن چونکہ خاوند بیوی کا ملنا جلنا وہاں ہوتا تھا ۔ مسمیٰ محمد ابراہیم کے نطفہ سے مسماۃ ہاجرہ بیگم کو حمل قرار پاگیا ۔ وضع کے لئے مسماۃ ہاجرہ بیگم واپس امرتسر آگئی ۔ لڑکا جس کا نام محمد یٰسین ہے ۔ اور جس کا عمر تقریباً پانچ سال ہے تولد ہوا ۔ مسماۃ ہاجرہ بیگم کا خیال تھا کہ اس کا خاوند شاید صاحب اولاد ہو کر درست ہو جائے ۔ لیکن لڑکے کی ولادت کے بعد آج تک مسمی محمد ابراہیم نے ایک حبہ تک بھی اپنی زوجہ کو نہیں بھیجا نہ خطوط کا جواب دیا ۔ اور نہ خود آج تک امرتسر آیا ۔ نہ ہی اس کو مسماۃ ہاجرہ بیگم کے آباد کرنے کا خیال ہے ۔ چونکہ ان حالات میں مسماۃ ہاجرہ بیگم کی باقی عمر کا گذرنا محال ہے ۔ اس لئے التماس ہے کہ جو شرعی حکم اس بارہ میں ہو اس سے مطلع فرمادیں کہ آیا مسماۃ ہاجرہ بیگم بروئے اقرار نامہ مطلقہ ہو چکی ہے یا نہیں تاکہ مسماۃ مذکورہ کا عقد نکاح کسی دوسرے شریف آدمی کے ہمراہ کرادیا جاوے ۔ اور وہ باقی ماندہ زندگی آرام سے گذارے ۔

خادم العلماء احقر فتح محمد خواجہ عفی عنہ ۔ پوسٹ ماسٹر ڈگشائی ۔

کیا مسماۃ ہاجرہ بیگم بروئے اقرار نامہ لڑکے کی ولادت سے پہلے ہی مطلقہ ہو چکی ہے یا نہیں ؟

(نقل اقرار نامہ جو ایک روپیہ کے کاغذ پر لکھا گیا تھا)

منکہ محمد ابراہیم ولد محمد رمضان قوم کشمیری ساکن امرتسر کٹڑہ کہریا سنگھ کوچہ سلطان پہلوان کا ہوں جو کہ مظہر کا عقد نکاح بروئے شرع محمدی ہمراہ مسماۃ ہاجرہ بیگم بنت کریم شیخ قوم کشمیری ساکن امرتسر کٹڑہ کرم سنگھ نے پڑھا ہوا ہے اور مسماۃ مذکورہ بخانہ مظہر بطریق منکوحہ عورت کے آباد ہیں۔ اب عرصہ تخمیناً پانچ سال سے باعث بے اتفاقی مظہر باہمی فریقین میں شکر رنجی ہے۔ اس لئے اب مظہر بہ ثبات عقل وبقائمی ہوش بلا ترغیب تحریری اقرار کرتا ہے اور لکھ دیتا ہے کہ مظہر مقر مسماۃ ہاجرہ بیگم منکوحہ خود کو ہر طرح سے نان ونفقہ وخورد پوشتن وبود وباش میں اسائش دیا کرے گا۔ اور ہر طرح کے حقوق زوجیت جو بذمہ مظہر بروئے شرع شریف واجب ولازم ہیں۔ کا حق ادا کیا کرے گا۔ کسی طرح کی تکلیف مسماۃ ہاجرہ بیگم مذکورہ کو نہ دے گا اور اپنے چال چلن میں جو آوارگی آج سے سابق تھی ترک کر کے نیک چلن بن کر گزرا وقات کیا کرے گا۔ اگر شرائط متذکرہ صدر میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی مظہر مقر سے ثابت ہوگی تو وہ خلاف ورزی بمنزلہ طلاق بائن کے تصور ہوگی جس میں میرا کچھ عذر قابل سماعت نہ ہوگی۔ اور مسماۃ مذکورہ مطلقہ سمجھی جاوئیگی اس لئے یہ چند حروف اقرار نامہ تحریر کر دئے کہ سند رہے اور وقت ضرورت کے کام آویں۔

تحریر بتاریخ ۳۱ مئی ۱۹۱۷ء بقلم غلام رسول، عرضی نویس کٹڑہ کرم سنگھ

العبد محمد ابراہیم مذکور داغ دنبل بر بنڈلی چپ۔ عمر ۲۳ سال۔

دستخط محمد ابراہیم۔

دستخط گواہ شدہ۔ خواجہ محمد عبد العزیز ولد خواجہ عبد الوہاب قوم کشمیری سوداگر۔

دستخط۔ میاں عبد السبحان ولد امیر الٰہی قوم کشمیری۔ دستخط۔ محمد عبد اللہ ولد محمد رمضان قوم کشمیری

الجواب:۔

بموجب عبارت اقرار نامہ مذکورہ کے جس وقت مسمی ابراہیم کی طرف سے زوجہ کے نان ونفقہ وغیرہ میں خلاف ورزی اقرار کی ظاہر ہوتی ہے۔ اسی وقت سے مسماۃ ہاجرہ بیگم مطلقہ بائنہ ہوگی (حکم طلاق بلفظ اگر شرائط کی خلاف ورزی کی تو وہ خلاف ورزی بمنزلہ طلاق بائن متصور ہوگی) اور اگر اس وقت سے اس وقت تک اس کو تین حیض آچکے ہیں تو وہ عدت سے بھی فارغ ہوگئی۔ فراغ از عدت کے بعد وہ اپنا دوسرا نکاح جس سے چاہے کر سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون صفر ۴۲ھ

تعلیق طلاق کی ایک صورت | **سوال:۔** اس کابین کے بارے میں منکہ ناکح سید احمد ولد بخش علی حاجی مرحوم ساکن یوپی شمالی۔ ضلع اکیاب ہستم مسماۃ شوابی بنت منور علی مرحوم ساکن ایضاً بعوض مہر مبلغ ہفتاد سیم درائج باصحت ذات وثبات عقل بلا جبر واکراہ بہ ہمیں یک شرط مرقوم الذیل درحبالہ عقد خود در

آوردم وآں شرط موصوف الصدر ایں کہ با مسماۃ ماجدہ خاتون بنت مولوی عبدالجلیل صاحب ساکن وغیرہ ایضاً کہ الحال منکوحۂ منست بوجہ عدم موافقت درخانہ پور بطور ناشزہ سکونت می ورزد تا زوجیت شوابی در سلک ازدواج من منسلک ماند ہرگز ہرآشنہ امر زن وشوئی بظہور نیا دم واگر خلاف ایں ورزم بر ماجدہ خاتون مذکورہ ۳ طلاق واقع خواہد شد ایں چند کلمہ بطور کابین نامہ دادم تا عند الحاجت بکار آید - ایں کابین بالا مذکورہ کو ایک مولوی صاحب نے لکھا وہ جس کے واسطے لکھا وہ بھی مولوی اور ناکح مولوی صاحب نے محض دستخط کیا اور زبان سے اقرار نہیں کیا - اور دستخط ہرگز نہ کرتا لیکن ان کے مربیوں نے بہت اصرار کئے - اور عبارت کابین میں بھی نقص معلوم ہوا وہ نقص یہ ہے کہ اگر خلاف ایں ورزم بر ماجدہ خاتون مذکورہ ۳ طلاق واقع خواہد شد کہ واقع خواہد شد صیغۂ استقبال ہے اور صیغۂ استقبال سے بغیر ارادہ طلاق، طلاق واقع نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ واقع خواہد شد خبر ہے - والخبر محتمل الصدق والکذب الخ والموضع للاخبار قد استعمل فی الانشاء یہ خلاف قیاس ہے اور خلاف قیاس اپنے مورد میں منحصر ہے وہ ماضی ہے نہ لفظ واقع خواہد شد اور وقوع طلاق کے واسطے انشاء ہونا چاہئیے - خواہ تعلیق ہو یا تنجیز ہو یہ نقص خیال کر کے دستخط کی اگر یہ شبہ نہ ہوتا ہرگز دستخط نہ کرتا کیونکہ طلاق کا منشا بالکل نہیں ہے - اب عند وجود شرط طلاق، طلاق واقع ہوگی یا نہیں اگر ہوگی پس اس کا مطلب کیا ہے ان فعلت کذا الی خمسین سنۃ تصیری مطلقۃ بطاقہا بل قال علی وجہ التخویف لم یقع ویکون القول قول الزوج کتبہ فی الخانیۃ بینوا توجروا -

الجواب عند وجود الشرط :-

صورت مذکورہ میں مسماۃ ماجدہ خاتون پر تین طلاق واقع ہوگئی ہیں قضاءً لان المضارع فی القضاء بالشرطیہ غالب للانشاء فدعوی خلاف الظاہر فلا یقبلہ القاضی ولا المرأۃ لانہا کالقاضی لا تعلم الا الظاہر پس ماجدہ پر واجب ہے کہ اپنے کو مطلقۃ الثلث سمجھے اور زوج سے علیحدہ ہو کر عدت تمام کر کے وہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اور عبارت عالمگیریہ سے استدلال نہیں ہوسکتا - کیونکہ اس میں تعلیق طلاق علی فعل المرأۃ ہے اور عورت کی فعل پر طلاق کو معلق کرنے میں تخویف کا احتمال بعید تھی بلکہ دھمکانے کے طور پر کسی کام سے روکنے کے لئے ایسا کر دیا کرتے ہیں لہٰذا وہاں نیت زوج کا اعتبار ہے اور یہاں تعلیق علی فعل الزوج ہے - اس میں تخویف وغیرہ کا احتمال نہیں لہٰذا نیت زوج معتبر نہیں - لان لفظ الطلاق صریح، فقط واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲ صفر ۴۳ھ

لفظ طلاق واقع خواہد شد سے تعلیق طلاق پر شبہ کا جواب

سوال: عرضداشت آنکہ شخصے کہ خویشتن را از زمرہ علماء شمارہ حسب ہمیں ترتیب بار اوّل بزن دوم معیت ، زن اولش در خانہ پدر خویش بزن اول یک کابین نامہ کہ صرف ازاں مانحن فیہ در قرطاس منقول بداد وجہ کابین دوم این کہ او ذلم میکند بلفظ واقع خواہد شد کہ در کابین اول جزائے شرط واقع شدہ باستقبالیت آن طلاق عند الشرط واقع نگردد - چنانچہ در تنجیز نگردد - و صالح تنجیز نباشد مر تعلیق را ہم صالح نباشد کہ جزائے شرط قبل تعلیق تنجیز و فعل مستقبل مر تنجیز را نشاید - ہمچنیں مر تعلیق را نیز و حکم ہر دو دریں باب یکیست عبارت کابین اول و آں یک شرط موصوف الصدر ایں کہ تا زوجیت مسماۃ شوابی در سلک ازدواج من منسلک ماند با مسماۃ ماجدہ خاتون بنت مولوی عبد الجلیل ساکنہ سیند نگ حلقہ ایضاً علاقہ مذکورہ ضلع مزبورہ کہ الحال منکوحہ ست و بعد اتفاق و موافقت در خانہ پدر خویش سکونت ورزد بہر گز امر زن شوئی بظہور نیاورم و اگر خلاف ورزم بر مستورۂ ماجدہ موصوفہ سہ طلاق واقع خواہد شد - فقط

تصحیح الجواب:-

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ سئل فی رجل قال لزوجتہ تکونی طلقۃ ثلثا بصیغۃ المضارع وغلب استعمالہ فی الحال عرفاً یقع الطلاق (الجواب) نعم کما افتی بہ الخیر الرملی و اطال الکلام علی ذالک فی حاشیتہ علی البحر فراجعہا (ص ۴۶ ج ۱)

صورت مسئولہ میں زوج کا یہ قول " اگر خلاف ورزم بر مستورۂ ماجدہ سہ طلاق واقع خواہد شد " عرفاً تعلیق طلاق ہے اور خواہد شد - اس موقع میں وعدہ کے لئے نہیں ہوتا بلکہ انشاء طلاق بوقت وجود شرط پر دلالت کرتا ہے اور تعلیق چونکہ امر مستقبل ہی کی ہوتی ہے اس لئے اس کے واسطے مستقبل کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے پس عرفاً یہ کلام وقوع طلاق ثلث بوقت شرط کو مقتضی ہے اور قضاءً وقوع ہی کا حکم کیا جائے گا والمرأۃ کالقاضی کے قاعدہ سے عورت کو بھی لازم ہے کہ اپنے کو مطلقہ ثلث سمجھے اگر شرط کا وقوع ہو گیا ہے

تنبیہ:- سائل نے جو بہشتی زیور کی عبارت سے استدلال کیا ہے وہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ بہشتی زیور کی عبارت صراحۃً معنی وعدہ پر دلالت کر رہی ہے وہذا - کسی نے کہا یوں تجھ کو طلاق دونگا تو اس سے طلاق نہیں ہوتی اسی طرح کسی بات پر یوں کہا کہ اگر فلانہ کام کرے گی تو طلاق دیدوں گا تب بھی طلاق نہیں ہوتی اھ (ص ۳۰ ج ۲) ان الفاظ میں معنیٰ وعدہ و تخویف مرأۃ کا احتمال ہے اس لئے طلاق نہیں ہوتی اگر سائل بھی یوں کہتا کہ :- " اگر خلاف ورزم ماجدہ را سہ طلاق دادہ خواہد شد - تو اس پر بھی وقوع کا حکم نہ ہوتا باقی اس

کے موجودہ الفاظ میں تو وعدہ وتخویف کا کوئی احتمال ہے ہی نہیں صاف تعلیق انشاء طلاق ہے۔

واللہ اعلم۔

ہمارے سوا کسی سے نکاح کریں تو اس کو طلاق ہوگی " سے تعلیق طلاق کا حیات زوجہ کے ساتھ مقید ہونا جبکہ شوہر کی نیت اخر

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نہایت اہم کام کے لئے آں قبلہ کو تکلیف دینے کو مستفید ہوا امید قوی کہ حضور احقر کی گستاخی معاف فرماکر جواب شافی سے احقر کو مطلع فرماکر مطمئن و سرفراز فرمائیں اور للہ اس ناچیز کے ہر طرح کی دینی ودنیاوی بہبودی کے لئے دعا فرمادیں احقر نے اپنی اہلیہ سے کسی بات پر اس طرح وعدہ کیا تھا کہ اگر تمہارے سوا کسی سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہوگی میری اہلیہ کو آج تقریباً تیرہ برس ہوئے انتقال ہوگیا جیسے میں اس خوف سے کہ شاید اور نکاح کرنا جائز نہ ہوگا اس مدت دراز تک بغیر نکاح کئے رہا اب مجھ سے رہا نہیں جاتا طبیعت بھی اکثر ناساز رہتی۔ علاج سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا میری کل عمر ۳۶ برس کی ہے۔ اب حضور سے التجا ہے کہ اس کے جواز کی شرعاً کوئی صورت ہے یا نہیں اگر ہے تو کس طریقہ سے یہ جائز ہو سکتا ہے از راہ کرم خلاصہ تحریر فرماکر اس ناچیز کو سرفراز فرمائیں۔ اطباء کی بھی یہی رائے ہے کہ بغیر نکاح کے صحت ٹھیک نہیں ہوگی۔

تنقیح :- ان الفاظ کے کہتے ہوئے کچھ نیت بھی تھی یا نہیں یعنی یہ نیت کہ زندگی میں کروں تو طلاق یا یہ نیت تھی کہ کسی وقت بھی کروں تو طلاق یا کچھ نیت نہیں تھی یا نیت یاد نہیں نیز طلاق کا لفظ ایک دفعہ کہا تھا یا زیادہ اس کا جواب دیا جائے۔ فقط ۱۲ ربیع الاول ۴۳ھ از تھانہ بھون

جواب تنقیح :-

ایک بار تو یوں اپنی اہلیہ کو اعتبار دلانیکی غرض سے کہ سوائے ان کے اور نکاح نہ کروں گا اور اگر کروں گا تو طلاق ہوگی وعدہ کیا تھا پھر اسی مجلس میں ان سب باتوں کے آخر میں یہ بھی کہا تھا مگر تمہاری اجازت دینے سے ضرور ہم کر سکیں گے مطلب یہ تھا کہ تمہاری اجازت دینے سے یہ شرط باقی نہ رہے گی زندگی یا موت کی بات یاد نہیں اور طلاق کا کئی دفعہ کہنا بھی یاد نہیں چند روز بعد مرض الموت میں ہم کو نکاح کی اجازت دی تھی۔ مجھے یہ فکر ہے کہ اخیر میں یہ بات جو میں نے کہی شرعاً معتبر ہوگی یا نہیں اور اس مجلس میں سوائے ان سب باتوں کے اور کوئی ذکر نہ تھا

(سید سراج الحق)

الجواب : صورت مسئولہ میں یہ تعلق طلاق حیات زوجہ کیساتھ مقید تھا۔ لہٰذا اس کی موت کے بعد سائل کو نکاح درست ہے۔ قال الشامی تحت قول الدر حنث لا یرجع الدار ثم رجع لشئی نسیہ لا یحنث مانصہ والحاصل ان ھذہ المسئلۃ تخصصت الیمین فیھا

بدلالة العادة و العادة مخصصة كما تقرر فی کتب الاصول ونظیر ذلك ما فی الخانیة اتهمته امرأته بجاریة فحلف لا یمسها النفس فی انی المس الذی تکسه المرأة اھ (۸۵۰ ج ۲) ونظیرہ ولو حلف الوالی لیعلمنه بکل مفسد تقیید بحال ولایة اھ شامی (ص ۸۲۳ ج ۲)

اور ظاہر ہے کہ شوہر نے یہ قسم عورت کو اعتبار دلانے اور راضی کرنے کے لئے کھائی تھی پس حیات زوجہ کے ساتھ مقید ہوگی اور بہتر یہ ہے کہ عورت سے نکاح کیا جائے اول قلیل مہر پر جو ادنیٰ مقدار مہر ہے باذن ولی و اذن امرأۃ نکاح کیا جائے اور قبل دخول اس مہر کا نصف عورت کو ادا کیا جائے اس احتمال پر کہ شاید تعلیق میں نیت دوام کی کی ہو اور اس پر طلاق واقع ہوگئی ہو پھر اسی عورت کے ساتھ معاً دوسرا نکاح اس کی اجازت سے مہر کامل پر کر لیا جائے۔

واذا لنسی طلق واحدۃ ام ثنتین او ثلثاً یحمل علی الادنی اور ایک بار طلاق کے بعد دوبارہ طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ کلما وغیرہ الفاظ عموم میں سے کوئی نہیں ہے فقط واللہ اعلم

حررہ المولینا الصوفی الاستاذی مکرم ظفر احمد صاحب عفا اللہ عنہ از خانقاہ۔ امدادیہ تھانہ بھون ۱۳۴۲ھ

تعلیق طلاق کی ایک صورت | **سوال**:- میں اُن تکالیف کو محسوس کرتے ہوئے جو میری زوجہ محمودہ بیگم بنت شیخ عزیز الرحمٰن صاحب مرحوم کو میری طرف سے اس وقت تک میری لاپرواہی اور بدسلوکی کی وجہ سے برداشت کرنی پڑیں۔ حسب ذیل تحریر اپنے ہوش حواس اور بلا کسی جبر کے اس کی تسکین کے لئے پیش کرتا ہوں کہ آج بتاریخ ۲۲ جولائی ۱۹۶۸ء سے لے کر ۶ ماہ کے اندر اندر میں اپنی بیوی موسومہ بالا پر ثابت کر دوں گا میں اس کو حسب حیثیت تمام عمر خوش رکھوں گا اور یہ کہ میرے تعلقات خوشگوار رہیں گے جس کا ثبوت میری بیوی کی تصدیق ہوگی گویا صرف میری بیوی کو حق ہوگا کہ وہ میرے تعلقات خوشگوار یا ناخوشگوار کو ظاہر کرے اگر میں مقررہ متذکرہ بالا میعاد یعنی چھ ماہ میں اس قسم کے تعلقات ثابت نہ کر سکا اور یہ کہ میری بیوی نے اس کے خلاف ظاہر کیا تو میری طرف سے اس کو تین طلاق ہوگی۔ گویا میرا اور اس کا تعلق شرعی قائم نہ رہے گا (دستخط عبد الحمید)

(استفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ عبد الحمید نے اپنی تحریر کے مطابق اس عرصہ میں مجھ کو خوش نہ رکھا اور نہ یہ ثابت کیا کہ وہ مجھ کو آئندہ خوش رکھیں گے بلکہ اس عرصہ میں بھی برابر مجھ کو تکالیف ومظالم کا شکار بنائے رکھا میرا بیان ہے کہ وہ اپنی تحریر کے مطابق مجھ کو خوش نہ رکھ سکے میعاد منقضی ہو چکی اس لئے میں فتویٰ علماء دین سے طلب کرتی ہوں کہ اس تحریر کے مطابق میرا اس سے قطع تعلق ہو گیا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (نوٹ) اس چھ مہینے کے بعد سے میں اپنے والدین کے یہاں مقیم ہوں

تنقیح :-

صورت مسئولہ میں مسمیٰ عبد الحمید کیا کہتا ہے کیا وہ بھی اس کو تسلیم کرتا ہے کہ شرط طلاق متحقق ہوگئی یا وہ تحقق شرط سے انکار کرتا ہے۔ اس کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائے گا۔ نیز عبد الحمید کی تحریر میں جو یہ لفظ ہے " اور یہ کہ میری بیوی نے اس کے خلاف ظاہر کیا " اس میں حرف (یہ کہ) کیا ہے یہ محض فضول لکھا ہے یا اس سے عطف مراد ہے اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ " میں اس قسم کے تعلقات کو ثابت نہ کرسکا یا میری بیوی نے اس کے خلاف ظاہر کیا "۔ بہرحال سائل کے ذہن میں اس عبارت سے جو مطلب آیا ہو اس کو بیان کرے اور اپنی بستی کے دو چار عقلاء سے بھی پوچھے کہ اس عبارت سے کیا مطلب مفہوم ہوتا ہے۔ فقط

احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۵ / محرم ۴۵ھ

جواب تنقیح بالا :

۱۔ مسمیٰ عبد الحمید کوئی جواب کسی تحریر کا نہیں دیتا بلکہ سنا ہے کہ وہ اپنے مکان پر بھی نہیں ہے اس کو نوٹس اور رجسٹری خطوط بھجوائے گئے مگر جواب نہیں دیا اس کی خاموشی بظاہر اسی پر دال ہے کہ وہ طلاق کا مقر ہے۔

۲ (یہ کہ) سے تجدید اپنے پہلے قول کی ہے جو یہ ہے کہ میں اس کو حسب حیثیت تمام عمر خوش رکھوں گا اور یہ ہے کہ میرے تعلقات خوشگوار رہیں گے بظاہر یہ مراد ہے کہ خورد و نوش وغیرہ کی کفالت اپنی حیثیت کے موافق رکھوں گا یہ فقرہ اول کی مراد ہے اور فقرہ دوم سے یہ مراد ہے کہ میرے دوسرے تعلقات زن و شوہر کے بھی خوشگوار ہوں گے مگر دونوں باتوں میں وہ ناکام رہا ہے نیز لفظ (یہ کہ) بطور عطف کے واقع ہوا ہے۔

۳۔ مستفتی کے ذہن میں تو دونوں امور کے متعلق بھی آتا ہے جو عرض کیا گیا اور اس کے متعلق چند دوسری جگہ فتوی بھجوایا تھا اس کی عبارت بجنسہٖ یہی تھی جو اس استفتاء کی ہے وہاں سے جواب حسب ذیل آئے ہیں جو نقل ہیں

از دیوبند الجواب ۔

شوہر کے تحریر کے مطابق مسماۃ محمودہ بیگم بنت شیخ عزیز الرحمن پر تین طلاق واقع ہوگئی اور زوجین کا باہمی قطع تعلق ہوگیا اب علاقہ نکاح کا مابین ان کے باقی نہیں رہا۔ مسماۃ مذکور کو اختیار ہے کہ بعد ختم ہونے عدت دوسرے شخص سے حسب قاعدہ شرعیہ نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی دار العلوم دیوبند ۱۶ محرم ۴۵ھ

الجواب از مدرسہ ارشاد العلوم رامپور :- الجواب و اللہ سبحانہ الموفق للصواب

جبکہ شوہر نے طلاق کو اپنی بیوی کے فعل اور اس کے بیان اور اظہار کے ساتھ معلق کیا ہے تو حسب تعلیق

زوج بموجب بیان اخبار زوجہ بلا حلف صورۃ مستفسرہ میں طلاق مذکور کے واقع ہو جانے میں کوئی تردد نہیں ہے در مختار[1] میں ہے۔ وما لا یعلم وجوده الا منها صدقت فی حق نفسها خاصة استحسانا بلا یمین انتهی۔

شامی میں اس قول پر تحریر فرماتے ہیں:۔ وجه الاستحسان ان هذا والامر لا یعرف الامن قبلها وقد ترتب علیه حکم شرعی فیجب علیها ان تخبر کیلا تقع فی الحرام اذا لاجتناب عنه واجب علیهما شرعا فیجب طریقه وهو الاخبار فتعینت له فیجب قبول قولها لتخرج عن عهدة الواجب زیلعی انتهی۔

هذا احکم الکتاب والله اعلم۔

العبد	الجواب صواب العبد	العبد
محمد غفران حسین احمد مجددی	محمد ریحان حسن احمد مجددی	محمد شجاعت علی عفی عنہ
ناظم مدرسہ ارشاد العلوم واقع ریاست رامپور محلہ چاہ پو	مدرسہ ارشاد العلوم رامپور	مدرس مدرسہ ارشاد العلوم رامپور
(مہر)	(مہر)	

از فرنگی محل لکھنو، ہو المصوب

صورت مسئولہ میں طلاق ہو گئی زن و شوہر کا تعلق زوجیت منقطع ہو گیا عورت کو بعد عدت اپنا دوسرا نکاح کر لینے کا اختیار ہے واللہ اعلم بالصواب، کتبہ محمد شفیع حجت اللہ الانصاری فرنگی محل لکھنو۔

امیدوار ہوں کہ بعد ملاحظہ جواب فتویٰ مرحمت فرمایا جاوے فقط خاکسار ظہیر الدین محمود ترا ہا بیرم خان محلہ مفتی صاحب چھتہ والی حویلی دہلی

۲۴، محرم الحرام ۱۳۵۵ھ

الجواب من جامع امداد الاحکام

صورت مسئولہ میں شوہر مسمیٰ عبد الحمید نے طلقات ثلث کو دو باتوں پر معلق کیا ہے ایک مدت ششماہ میں خوشگوار تعلق کو ثابت نہ کر سکنا (جو زوج کا فعل ہے) دوسرے بیوی کا اس کے خلاف ظاہر کرنا (جو بیوی کا فعل ہے) پس شرط طلاق تحقق جب ہوگا کہ دونوں باتیں پائی جائیں۔ سوال سے دوسری شرط کا تحقق تو ظاہر ہے۔ کیونکہ مسماۃ کا بیان ہے کہ عبد الحمید مذکور اپنی تحریر کے مطابق مجھ کو خوش نہ رکھ سکے۔ اور مسمیٰ عبد الحمید کے سکوت سے اور اپنی بیوی کے بیان کے خلاف بیان نہ دینے سے شرط اول کا تحقق بھی ہو گیا۔ کیونکہ وہ میعاد مقررہ میں قولاً حجۃً اپنی طرف سے خوشگوار تعلق کو ثابت نہیں کر سکا اور

[1] راجع باب التعلیق ۳: ۳۵۸ ایچ ایم سعید کمپنی۔ دلاور حسین کملائی۔

عام طور پر محاورات میں ثابت کرنا اور ثابت کرسکنا اثبات قولی ہی میں مستعمل ہے اور اگر اس سے اثبات عملی ہی مراد لیا جاوے جیسا کہ "اس کا یہ قول کہ میں ۲۲ر جولائی سے چھ ماہ کے اندر اندر اپنی بیوی پر ثابت کردوں گا کہ میں اس کو حسب حیثیت تمام عمر خوش رکھوں گا۔" اس کا قرینہ ہے کہ اس کی مراد ثابت کرنے سے قولی اثبات نہیں، بلکہ عملی اثبات ہے مگر چونکہ اس کے بعد عبدالحمید مذکور نے اس عملی طریقہ ثبوت کو محض بی بی کی تصدیق میں منحصر کردیا ہے اور بیوی اس کی تصدیق نہیں کرتی بلکہ اس کے خلاف ظاہر کرتی ہے اس لئے عبدالحمید مذکور کی طرف سے عملی ثبوت بھی نہیں پایا گیا اور ہر حال میں شرط دوم کی طرح شرط اول کا تحقق بھی ہوگیا اس لئے وجود شرط کے ساتھ مسماۃ محمودہ بیگم پر تین طلاق واقع ہوگئیں اگر مسمیٰ عبدالحمید کو شرط اول کے تحقق میں کچھ کلام ہو تو وہ اپنا خدشہ ظاہر کرے ہم کو صورت واقعہ سے دونوں شرطوں کا تحقق معلوم ہوتا ہے اس لئے تین طلاق واقع ہونے کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۔ از تھانہ بھون ۲۷ر محرم ۴۵ھ

نعم التوضیح ونعم التنقیح ۔ اشرف علی ۲۷ر محرم ۴۵ھ

بیان حیلۂ نکاح جب کہ یہ حلف کرے کہ فلاں کام کروں تو میں جو کام کروں اور جب کروں جس سے کروں اسے تین طلاق ہیں۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے یہ عہد کیا کہ فلاں کام جو محرمات شرعیہ سے ہے ہرگز نہیں کروں گا اور اگر اس کام کو کروں تو میں جو نکاح کروں اور جب نکاح کروں اور جس سے نکاح کروں اسے تین طلاقیں ہوں پھر ایک مدت کے بعد زید نے جس کام کے نہ کرنے کا عہد کیا تھا اسے کیا تو اب ظاہر ہے کہ علماء احناف کے نزدیک جس عورت سے نکاح کرے گا وہ مطلقہ ثلثہ ہوجاوے گی۔ اور حیلہ جواز جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے کہ اگر کوئی فضولی نکاح کردے اور زید اسے قبول کرلے تو نکاح ہوجاویگا اور تین طلاقیں نہیں ہوں گی تو یہ اتفاقی صورت ہے کہ کوئی فضولی کسی کا اتفاقاً نکاح کردے اور نیز آخر زید کب تک اس انتظار میں رہے کہ مردے از غیب بروں آید وکارے بکند۔ اور نہ معلوم فضولی اس کا نکاح کس سے کرے اور کب کرے اور وہ نکاح اس کی منشاء کے موافق بھی ہو یا نہیں ہو۔ یہاں دو صورتیں زید کی نکاح کی علیحدہ علیحدہ تحریر کی جاتی ہیں۔ درخواست ہے کہ ان کے بھی جواز وعدم جواز پر فتویٰ تحریر فرمایا جاوے۔

۱:۔ اول یہ کہ زید کسی شخص کو اپنا وکیل بنائے اور اسے اپنے نکاح کا مختار کردے اور وہ وکیل مجلس نکاح میں کہ جس میں خود زید بحیثیت نوشہ موجود ہے زید کا نکاح کردے تو یہ نکاح اگرچہ زید کے امر

سے ہو گا مگر یہ صادق آئے گا کہ زید نے اپنا نکاح خود نہیں کیا اور زید کے نکاح کا انعقاد زید کے قول سے نہیں ہوا اور زید نے جو عہد کیا ہے چونکہ وہ قضیہ شرطیہ ہے اور اس میں ہے کہ میں جو نکاح کروں اور جس سے جب نکاح کروں اسے تین طلاقیں ہوں تو یہ نکاح چونکہ زید نے نہیں کیا بلکہ زید کے وکیل نے کیا ہے اس لئے افراد مقدم میں داخل نہیں ہو گا اور جب افراد مقدم سے خارج ہوا تو تالی کو بھی مستلزم نہیں ہو گا اس سے لئے چاہیئے کہ نکاح درست ہو اور طلاقیں واقع نہ ہوں - لہذا عرض یہ ہے کہ اس صورت میں طلاقیں ہوں گی یا نہیں (تذئیل) جب مجلس نکاح میں زید کا نکاح خود زید کے سامنے اس کے وکیل نے کر دیا تو اب قاضی کو زید سے قبول یا عدم قبول کے دریافت کی ضرورت ہے یا نہیں اور اگر قاضی نے دریافت کیا اور زید نے کہہ دیا کہ میرا نکاح جو میرے وکیل نے کر دیا ہے - وہ مجھے قبول ہے تو کچھ حرج تو نہیں ہے لہذا اس صورت میں کہ زید کسی کو اپنا وکیل بنا کر اس طرح نکاح کرائے طلاقیں ہوں گی یا نہیں ؟

۲ :———— دوسری صورت یہ ہے کہ زید نے کسی شخص کو وکیل تو نہیں بنایا بلکہ ایک سے یا ایک سے زیادہ آدمیوں سے یہ واقعہ بیان کیا اور سمجھایا کہ اگر میں خود قبول کروں گا تو طلاقیں ہو جاویں گی یا میں کسی کو وکیل بناؤں گا جب بھی طلاقیں ہو جائیں گی بلکہ میری نکاح کی یہ صورت ہے کہ میرے بغیر امر اور بغیر وکیل بنائے کوئی شخص قبول کرے ۔میری طرف سے نکاح ہو جائے گا - اور وہ ایک آدمی ———————— یا ایک سے زیادہ معاملہ کو سمجھکر چپ ہو رہیں اور نکاح کے وقت وہ ایک آدمی یا ان آدمیوں میں سے جنہیں سمجھایا گیا تھا کوئی قبول کرے تو نکاح درست ہو گا یا نہیں اور طلاقیں واقع ہوں گی یا نہیں ؟

تذنیب :- اگر اس آدمی کے قبول کرنے کے بعد لڑکی والے اصرار کریں کہ زید کو بھی قبول کرنا چاہیئے اور زید بایں الفاظ قبول کر لے کہ اس آدمی نے جو میرا نکاح کر دیا ہے وہ مجھے منظور ہے تو طلاقیں ہوں گی یا نہیں ؟ فقط ۳۰ رجب ۲۵ھ عرض ہے کہ فتوی مفصل تحریر فرمایا جاوے جو ہر شق پر مفصل روشنی ڈالے اور قابل تسکین ہو - پتہ :- سرونج مالوہ حکیم فخر احمد خان طبیب ریاست -

الجواب :-

۱ :———— صورت اولیٰ میں وکیل کے نکاح کرتے ہی طلاق پڑ جائے گی اس لئے کہ فعل وکیل فعل مؤکل ہے ظاہر ہے کہ وکیل اپنا نکاح نہیں کر رہا بلکہ بامر موکل موکل کا نکاح کر رہا ہے - اور شرعاً فعل وکیل مؤکل کی طرف سے مضاف ہوتا ہے خصوصاً نکاح و طلاق میں کہ ان میں وکیل محض معبر و سفیر ہوتا ہے اور دلیل اس کی آئندہ آتی ہے - تذییل کا جواب یہ ہے کہ جب زید نے خود کسی کو وکیل بنایا ہے - اس صورت میں چاہے زید اپنی زبان سے قبول کرے یا نہ کرے بہر حال نکاح کے ساتھ ہی طلاقیں واقع ہو جائیں گی -

۲ :۔۔۔۔۔۔ دوسری صورت میں نکاح فضولی کے بعد طلاق واقع نہ ہوں گی بشرطیکہ زید کسی سے امر کے ساتھ یہ نہ کہے کہ تو فضولی بن کر میرا نکاح کر دے بلکہ صرف قاعدہ بیان کر دے کہ اگر کوئی فضولی بن کر ایسا کر دے گا تو میرا کام ہو جائے گا نیز یہ بھی شرط ہے کہ زید فضولی کے عقد کو زبان سے قبول نہ کرے بلکہ فعلاً نافذ کر دے کہ خاموش رہ کر اسی وقت عورت کے پاس مہر کا کچھ حصہ بھیجدے اور اس کے بعد اس کے پاس چلا جاوے اور بہتر یہ ہے کہ کسی محقق عالم کے سامنے اپنا واقعہ بیان کر دے اور یہ کہدے کہ مجھے عقد فضولی کی حاجت ہے یہ نہ کہے کہ تم فضولی بن کر ایسا کر دو۔ عالم واقعہ ہی سے سمجھ جائے گا۔ کہ سائل کو ایسی حاجت ہے پھر وہ بدوں اس کے کچھ کہے خود ہی عقد کر دے گا۔

قال الشامی ناقلا عن البحر عن البزازیة وینبغی ان یجئ الی عالم ویقول له ما حلف واحتیاجه الی عقد الفضولی فیزوجه العالم امرأة ویجیز بالفعل وکذا اذا قال لجماعة لی حاجة الی نکاح الفضولی فزوجه واحد منهم اما اذا قال لرجل اعقد لی عقد فضولی یکون توکیلا اھ (ص ۱۱۶ ج ۲)

جواب تذنیب :۔

زبان سے قبول کرنے سے پھر طلاق پڑ جائیں گی اس لئے نکاح فضولی کو زید زبان سے قبول نہ کرے بلکہ فعلاً نافذ کر دے یعنی عورت کے پاس چلا جائے یا مہر کا کچھ حصہ عورت کو پہونچا دے۔ قال الحموی فی شرح الاسناد قوله فالحیلة ان یزوجه الفضولی ویجیزه بالفعل هذا هو المختار کما فی الزیلعی وعلیه الفتوی کما فی المنح الغفار نقلاً عن الخانیة لکن فی جامع الفصولین فی فصل الرابع والعشرین فی تصرفات الفضولی ان الاصح انه لا یحنث بالقول ایضا وقد تقدم ان الفتوی علی خلافه وانما لم یحنث بالفعل لان المحلوف علیه هو التزوج وهو عبارة عن العقد وهو یختص بالقول والاجازة بالفعل کبعث المهر او شئ منه والمراد الوصول الیها ذکره الصدر الشهید وقیل سوق المهر یکفی مطلقا لان المجوز الاجازة بالفعل وقد تحقق بالسوق وبعث الهدیة لایکون اجازة لانها لا تختص بالنکاح اھ (ص ۳۰۴)

هذا والله تعالیٰ اعلم، حرره الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۴ شعبان ۴۳ھ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

استفتاء بمذہب شافعیہ ضمیمہ اوّل

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان

شرع متین کہ زید نے یہ عہد کیا کہ فلاں کام نہیں کروں گا اور اگر کروں تو جو نکاح کروں اور جب نکاح اور جس عورت سے نکاح کروں اسے تین طلاقیں ہوں اور پھر ایک مدت کے بعد زید نے اس کام کو جس کے نہ کرنے کا عہد کیا تھا اسے کیا تو اب اگر زید کوئی نکاح کرے تو امام شافعی کے نزدیک طلاقیں ہوں گی یا نہیں ؟

الجواب :-

حنفی مفتی کو مذہب غیر پر فتوی دینے سے فقہائے نے منع کیا ہے لہذا ہم فتوی مذہب شافعی پر نہیں دے سکتے۔ فی الرد ان المفتی لایفتی صاحب الحادثۃ بمایتوصل بہ الی فسخ الیمین فلا تقول لہ ارفع الامر الی شافعی اوحکمہ فی ذلک اواستفتہ یقول یقع علیک الطلاق لان علیہ ان یجیب بمایعتقدہ ولیس لہ ان ید لہ علی مایھدم مذھبہ اھ (ص ۱۶ ج ۲ شامی) فقط حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۔ ۱۳ ۔ شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ

طلاق معلق کے بارے میں ایک فتوی

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رجب خان نے اپنی بیوی شبراتن کو یہ تحریر لکھدی کہ اگر میں اپنے بھائی کے گھر جاؤں تو تم پر طلاق ہے اس کے بعد رجب خان اپنے بھائی کے گھر گیا تو شبراتن نے جانے کے ایک ماہ بعد رجب خان کو جو کہ پردیس میں تھا بذریعہ رجسٹری کے خط لکھا کہ تم تحریر کے بعد اپنے بھائی کے گھر گئے تھے لہذا مجھ پر طلاق پڑگئی اب تم مجھے اپنی زوجہ نہ خیال کرو مجھے اپنے نفس کا اختیار ہے اس پر رجب خان نے جاہل ملاؤں سے جن کو یہ اپنی نادانی سے عالم کامل سمجھتا ہے دریافت کرکے لکھا کہ میں نے علماء سے دریافت کیا انہوں نے بتلایا ہے کہ اس صورت میں طلاق نہیں پڑی یہ جواب رجب خان کا اپنے بھائی کے گھر جانے کے دو ماہ بعد یعنی قبل انقضاء عدت کے یا پانچ ماہ کے بعد یعنی بعد انقضاء عدت کے آیا اس کے بعد سے اب تک کہ ڈھائی برس گزر چکے رجب خان نہ تو اپنے وطن شبراتن کے پاس آیا اور نہ کوئی مراسلت و مکاتبت طرفین سے ہوئی ۔ غرض رجب خان سے کوئی فعل دال علی الرجوع نہ پایا گیا اور قولاً اس نے رجوع کرلی ہو تو اس کا اب تک شبراتن کو کوئی علم نہیں ایسی صورت میں یہ تو ظاہر ہے کہ طلاق رجعی واقع ہوگئی لیکن سوال طلب یہ امر ہے کہ اب اسے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہ اور اگر بعد نکاح کے شوہر یہ کہے کہ میں نے قولاً زمانہ عدۃ ہی میں رجوع کرلی تھی مگر تمہیں میں نے اب تک اطلاع نہیں دی تھی اور وہ اپنے رجوع قولی پر بیّنہ بھی پیش کرے تو ایسی صورت میں نکاح ثانی قضاءً و دیانۃً باقی رہے گا یا نہ اور یہ کس کی زوجہ سمجھی جائے گی اور اس نکاح ثانی سے دنیا و آخرت میں شبراتن اور اس کا زوج ثانی کسی عقوبت کے مستحق ہوں گے یا نہ زوجہ کو ایک دشواری یہ ہے کہ رجب خان بدچلن ہے

اس لئے زوجہ رجب خان سے بذریعہ خط وغیرہ یہ استفسار نہیں کر سکتی کہ تم نے ایام عدۃ میں قولاً رجوع کیا تھا یا نہ کیونکہ اس استفسار سے وہ فوراً متنبہ ہو جائے گا کہ مجھے شرعاً قولاً بلا اعلام زوجہ حق رجوع تھا جس کی وجہ سے یہ رجوع نہ بھی کیا ہوگا جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے پھر بھی وہ جھوٹ موٹ اپنے رجوع کو ظاہر کرے گا اور جھوٹے گواہوں سے ثبوت بہم پہونچا لیگا ایسی حالت میں زوجہ کو مفر کی کیا صورت ہے؟ جواب ہر جز کا دیانۃً و قضاءً دونوں کے اعتبار سے مفصل و مدلل مرحمت فرمایا جائے ۔ فقط بینوا توجروا۔

الجواب :-

صورت مسئولہ میں مطلقہ مذکورہ کو کسی شخص سے اپنا نکاح کر لینا درست ہے اور اگر بعد نکاح کے زوج اول یہ دعوی کرے کہ میں نے عدت میں قولاً رجوع کر لیا تھا اور حاکم مسلم کے سامنے اس پر بیّنہ قائم کر دی تو زوج ثانی میں اور عورت میں تفریق کرا دی جائے گی اور مطلقہ مذکورہ پر نکاح ثانی کرنے سے کچھ گناہ نہ ہوگا۔

قال فی الدر وندب اعلامھا بھا لئلا تنکح غیرہ بعد العدۃ فان نکحت فرق بینھما وان دخل شمنی اھ قال الشامی قولہ لئلا تنکح غیرہ اولی من قول الھدایۃ لئلا تقع فی المعصیۃ اذ لا معصیۃ فیہ مع عدم علمھا بالرجعۃ وان اجیب بان المعصیۃ لتقصیرھا بترک السوال لما فیہ من ایجاب السوال علیھا ——— (ص ۸۴۲ - ج ۲) وقولہ فرق بینھما ای اذا ثبت المراجعۃ بالبینۃ وقولہ وان دخل ای الزوج الثانی اھ

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۷ شوال سنہ ۴۳ھ از تھانہ بھون

سوال : نکاح سے قبل کابین نامہ میں لکھدیا کہ اگر تمہارے زندہ رہنے کی حالت میں نکاح کروں تو دوسری بی بی مطلقہ ثلاثہ ہو جائے گی اور زوج اوّل کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیا ۔ تو دوسرا نکاح کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی الخ

کیا فرماتے ہیں حضور اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو ایک کابین نامہ دیکے نکاح کیا اس میں لکھا ہوا تھا کہ اگر تمہارے زندہ رہنے کی حالت میں اگر دوسرا اور شادی کروں تو وہ دوسرا بی بی مطلقہ ثلثہ ہو جاوے گی مگر یہ شرائط نامہ عقد نکاح کے دو مہینہ قبل ہوا ہے ۔ اور یہ کابین ہندو سب رجسٹرار کے پاس رجسٹری ہوا ہے وہ سب شرائط شادی کے مجلس میں پڑھا نہیں اور سنایا بھی نہیں گیا اور نا کچھ

انکار کرتا ہے کہ یہ ایک شرط جو کابین میں لکھا گیا ہے وہ ہرگز مجھے معلوم نہیں اس طرف کے بے دینوں کی زیرکی اور چالاکی سے یہ شرط لکھی گئی میں نے خود کابین لکھا نہیں پڑھا بھی نہیں اگر میں جانتا کہ ایسا ناقابل شرط کابین میں لکھی گئی ہے تو میں ہرگز راضی نہ ہوتا۔ بعد شادی زید کو معلوم ہوا کہ ہندہ بے نمازی ہے موافق شریعت کے ہر قسم کا علاج کیا مگر کام میں نہ آیا۔ ایک روز بہت عذاب کیا چند ساعت کے بعد ہندہ نے کہا کہ اگر جان تن سے نکل جاوے تب بھی نماز نہ پڑھوں گی۔ یہ جواب عجیب سن کر زید نے اس ہندہ کو تین طلاق بائن دیکر دوسرا شادی کر لیا۔ اس حالت میں زید کی دوسری بی بی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ کابین نامہ نکاح سے پہلے لکھا گیا ہے اور تعلیق میں طلاق ثانیہ کو نکاح اولیٰ کے ساتھ مشروط نہیں کیا گیا بلکہ امر آخر یعنی زندہ رہنے کی حالت کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے اور اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

قال فی العالمگیریہ قال لاجنبیة مادمت فی نکاحی فکل امرأة اتزوجها فھی طالق ثم زوجھا فتزوج علیھا امرأةً لایقع ولو قال ان تزوجتک فمادمت فی نکاحی فکل امرأة اتزوجھا علیھا والمسئلة بحالھا یقع کذا فی الوجیز للکردری اھ (ص ۱۰۱ ج ۲) قال سیدی حکیم الامت والفرق بینھما ان فی الاول علق طلاق الثانیة علی بقاء نکاح الاولی والبقاء لایتصور بدون الحدوث وھو منعدم فی الاجنبیة فلا یصلح تعلیق شئی علی بقاء النکاح اذا کان الخطاب مع الاجنبیة فیلغو الکلام ولا یقع بہ شئی وفی المسئلة الثانیة علق طلاق الاخری علی النکاح بالاولی ویصح انشاء النکاح بکل اجنبیة فصح التعلیق واذا تزوج علیھا اخری طلقت اھ قلت وقولہ ان تزوجت علیک فی حیاتک معناہ فی حیاتک بعد نکاحی کما لا یخفی فکان فیہ تعلیق الطلاق علی بقاء نکاح الاولیٰ۔ نیز جب ۶ فاالکلام کا کہ۔ اگر تمہاری زندہ رہنے کی حالت میں دوسری اور شادی کروں الخ مطلب یہ ہے کہ جب تک تم میرے نکاح میں زندہ رہو تو اب جبکہ اس شخص نے اولیٰ کو طلاق بائن دیکر نکاح ثانی کیا ہے تو ثانیہ پر وقوع طلاق کی کوئی وجہ نہیں۔

قال فی العالمگیریة ولو قال ان تزوجت علیک فالتی اتزوج طالق فطلق

امرأته طلاقاً بائناً ثم تزوج امرأةً أخری فی عدتها لا تطلق اھ (ص ۱۰۱ ج ۲) نیز جب تعلیق زید نے خود نہیں لکھی اور نہ اس کو کابین نامہ پڑھ کر سنایا گیا بلکہ ویسے ہی دستخط کرا لئے گئے تو یہ تعلیق اس اعتبار سے بھی لغو ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ

سوال: تعلیق کے بعد تنجیز طلاق کا حکم | کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اول تو اپنی زوجہ کو یہ تحریر بھیجی کہ تم جو کہتی ہو کہ میں نے تم کو بارہ دن مکان میں بند رکھکر بے آب و دانہ محبوس کیا اور مارنے کو تیار تھا اگر تم اس دعوی میں صادق ہو تو تم پر طلاق واقع ہے۔ یہ شرطیہ طلاق ہے پھر جب زوجہ کے اقرباء نے کہا کہ تم نے تو طلاق کا وعدہ کیا تھا یہ مہمل الفاظ کیوں لکھے تو زید نے برجستہ جواب دیا کہ آپ لوگ کیا کرتے رہے ہیں ہم نے تو طلاق دیدیا ہے طلاق دیدیا ہے طلاق دیدیا ہے اب جھگڑا ہی کیا ہے بیسیوں بار گھر میں اور باہر یہ الفاظ کہئے اب طلاق ہوئی کہ نہیں۔

حکیم امانت اللہ ڈاکخانہ معونات بھجن محلہ ڈومن پورہ اعظم گڑھ

جواب:۔ زید نے جو الفاظ بعد میں چار آدمیوں کے سامنے کہے ہیں اُن سے تین طلاق مغلظہ واقع ہو گئیں۔ قال فی الدر ویبطل تنجیز الثلاث للحرة والثنتین للامة تعلیقه الثلاث او مادونها اھ (ص ۸۱۷ ج ۲) اور اس کا قول میں نے تو طلاق دیدیا ہے طلاق منجز ہے اس میں کوئی تعلیق نہیں۔

واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون۔ ۱۰ محرم ۴۵ھ

سوال: تعلیق طلاق کی ایک خاص صورت کا حکم | کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عباس علی نے اپنی دختر مسماۃ فاطمہ کا نکاح شنایاں سے کر دینے کی بات طے ہو چکنے پر شنایاں سے ایک اس قسم کا اقرار نامہ کہ اگر اس نے عقد کے بعد دس دن کے اندر کابین نامہ رجسٹری کرا کے نہ دیا تو مسماۃ مذکورہ کو تین طلاق ہو جاوے گی کا مطالبہ کیا چنانچہ حسب طلب برضائے طرفین اقرار نامہ کا مسودہ ہوا اور شنایاں و دیگر حاضرین کے سامنے پڑھکر سنایا گیا مگر چونکہ رجسٹری کا خرچ عباس علی کا ذمہ تھا۔ اور وہ دس دن کے اندر خرچ کے مہیا کرنے سے عاجز تھا لہذا اس نے بطور خود مہلت کی مدت میں اور دس روز کا اضافہ کرا دیا اور اقرار نامہ کے دس کے ہندسہ کو کاتب کے ہاتھ عقد سے پہلے بیس بنوا دیا۔ مگر اس بات کی خبر دوسرے کسی کو یہاں تک شنایاں کو بھی نہیں کی اس کے بعد عقد ہوا۔ عقد ہو چکنے کے بعد نکاح خواں نے اقرار نامہ کا لپیٹا ہوا پرچہ ہاتھ لیکر بغیر پڑھے دولہا سے دریافت کیا کہ اقرار نامہ تم کو منظور ہے اس نے جی ہاں کہکر جواب دیا بعد ازاں دس دن کے بعد بیس دن سے پہلے کابین نامہ کی رجسٹری ہوئی۔ یہ بھی واضح رہے کہ کاتب نے جس

وقت اقرار نامہ کے دس کے ہندسہ کو بیس ۲۰ بنایا اس وقت عباس علی وہاں موجود نہیں تھا اور نہ عباس علی کو لکھنا پڑھنا آتا ہے ۔ امی محض ہے صرف کاتب کی بات پر اعتبار کر کے دعوی کرتا ہے ۔ اب عباس علی کہتا ہے کہ ہم نے یہ کاروائی عقد سے پہلے کی تھی اور منظوری کے وقت اقرار نامہ میں بیس ۲۰ تھا اور کاتب بھی معترف ہے کہ عباس علی کے کہنے سے اس نے عقد اور منظوری سے پہلے دس کو بیس بنا دیا تھا اور ان کے خلاف کوئی ایسا گواہ جو یہ بتلا سکتا ہو کہ منظوری کے وقت بیس ۲۰ نہیں تھا بلکہ دس تھا اور انہوں نے یہ کاروائی عقد اور منظوری کے بعد میں کی اب اس صورت میں شرعا کیا حکم ہوگا عباس علی اور کاتب کی بات کی تصدیق کی جاویگی یا نہیں اور بانوے مذکورہ کو دس دن کے بعد بیس دن سے پہلے طلاق ہو جاوے گی یا نہیں ۔

تتمہ سوال :-

جناب عالی میں نے کل گزشتہ ایک استفتاء حضرت کی خدمت میں بھیجا مگر پرچہ جو اس کے ہمراہ بھیجنے کے لئے لکھا تھا لفافہ میں استفتاء کے ہمراہ وہ پرچہ دینے کو بھول گیا اب گذارش یہ ہے کہ وہ استفتاء مذکورہ جس میں عباس علی کی بیٹی مسماۃ فاطمہ منکوحہ مسمی شامیاں کی طلاق ہونے نہ ہونے کے متعلق دریافت کیا گیا۔ للہ جہاں تک جلد ممکن ہو جواب با دلائل وحوالہ کتب لکھکر بھیج دیں ۔ کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی ۔ اور بعض کہتے ہیں کہ طلاق ہوگئی ۔ اس وجہ سے لوگ بہت تردد میں ہیں اور مسماۃ مذکورہ اب تک شامیاں کے پاس رہتی ہے اور اس سے حاملہ ہوئی لہذا جلد جواب عنایت فرمادیں ۔ تاکہ اس کے مطابق عمل کیا جاوے ۔ والسلام۔

نذیر احمد ۔ ڈاکخانہ لال موہن چرکسبیہ ضلع بریسال (بنگال)

الجواب :- قال صاحب البحر الرائق وفيها (المحيط) دعا امرأته الى الوقاع فابت فقال متى يكون قالت غدا فقال ان لم تفعلى هذا المراد غدا فانت طالق ثم نسيا حتى مضى الغد لا يحنث وهذا يتشنى من قولهم ان المحلوف عليه ناسيا يحنث والجواب ان الحنث شرطه ان يطلب منها غدا وتمتنع ولم يطلب فلا استثناء (ص ۲۲ ج ۴) وهكذا فى الدر المختار وقال لا يقع بدل لا يحنث وقال الشامى تحت (قوله لا يقع) لان الحنث شرطه ان يطلب منها غدا وتمتنع ولم يطلب بحر ونحوه فى التتارخانية عن المنتقى قلت ومقتضاه ان النسيان لا تاثير له هنا لكن سياتى فى الايمان تعليله بان امكان البر شرط لبقاء اليمين بعد انعقادها كما هو شرط لانعقادها خلافا لابى يوسف ولا يخفى ما فيه فان امكان البر محقق بالتذكر على انه يلزم ان يكون النسيان عذرا

فی عدم الحنث فی غیر ھذہ الصورۃ ایضا وھو خلاف المنصوص فافھم (ص۴۳۸ ج ۲) و فی العالمگیریۃ (ص۱۰۶ ج ۲) سکران دعا امرأتہ الی فراشہ فابت فقال لہا ان امتثلت و ساعدتنی و الا فانت طالق فساعدتہ بعد ما دعاھا فی المستقبل بعد الیمین لا یحنث وان دعاھا فی المستقبل ولم تساعدہ حنث قال مولانا وینبغی ان یحنث اذا لم تساعدہ وان لم یجددہ الدعاء لان الناس یریدون بہذا الامتثال للامر السابق اھ. بحرالرائق وشامی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ عباس علی نے رجسٹری کا مطالبہ نہیں کیا اگر وہ مطالبہ کرتا اور پھر شامیاں رجسٹری نہ کراتا تو طلاق واقع ہوتی لیکن اگر وہاں یہ عرف ہو کہ دوبارہ مطالبہ کئے بدون بھی ان الفاظ سے شامیاں کے ذمہ رجسٹری کرانا لزوماً مفہوم ہوتا ہو تو صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوگئی جیسا کہ عالمگیریہ کی روایت میں مصرح ہے۔ واللہ اعلم۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ سوال میں سائل نے لکھا ہے کہ رجسٹری کا خرچ عباس علی کے ذمہ تھا اور ظاہر یہ ہے کہ شامیاں بھی اس کو جانتا تھا کہ خرچ میرے ذمہ نہیں۔ پس اس کابین نامہ کی اس عبارت کہ اگر اس نے عقد کے بعد دس دن کے اندر کابین نامہ رجسٹری کرا کے نہ دیا۔ تو مسماۃ پر تین طلاق ہوجائیں گی [۱] کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ شامیاں سے اگر مطالبہ نہ کیا جاوے تو وہ خود اپنے خرچ سے رجسٹری کرا کے دے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دس دن کے اندر اگر عباس علی اس سے رجسٹری کا مطالبہ کرے تو اس کا ساتھ دے اس سے انکار نہ کرے چونکہ عباس علی نے دس دن کے اندر مطالبہ ہی نہیں کیا اس لئے شامیاں حلف میں حانث نہیں ہوا یہ جواب تو اس معنی پر ہے جو اس عبارت سوال سے ہم سمجھتے ہیں باقی اگر کچھ اور مطلب ہے تو یہ جواب نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

اور ایک امر قابل تحریر یہ ہے کہ کابین نامہ رجسٹری کرانے کے متعلق جو اقرار نامہ ان لفظوں سے لکھا ہے

---

[۱] البتہ اگر یہ الفاظ ہوتے کہ اگر فلاں عورت سے نکاح کردوں اور اتنے روز تک کابین نامہ رجسٹری نہ کرادوں تو اس پر تین طلاق تو وہ تعلیق صحیح ہوجاتی کما فی العالمگیریہ (ص۲۷ ج۲) التعلیق بصریح الشرط وھو ان یذکر حرف الشرط یؤثر فی المرأۃ المعینۃ وغیر المعینۃ والتعلیل بمعنی الشرط یعمل فی غیر المعینۃ کما لو قال المرأۃ التی اتزوجھا فھی طالق فلا یعمل فی المعینۃ فان قال ھذہ المرأۃ التی اتزوجھا فھی طالق فتزوجھا لا تطلق کذا فی معراج الدرایۃ ۱۲

(کہ اگر اس نے عقد کے بعد دس دن کے اندر کابین نامہ رجسٹری کرا کے نہ دیا تو مسماۃ مذکورہ کو تین طلاق ہو جاوے گی) وہ اقرار نامہ یعنی یہ تعلیق طلاق صحیح نہیں ہوئی تھی اگر فقط اس تحریر کے بعد نکاح ہو جاتا اور کابین نامہ کی رجسٹری نہ ہوتی تو طلاق نہ ہوتی لیکن عقد کے بعد اس اقرار نامہ کو منظور کرنا انشاء تعلیق قرار دی جاوے گی اور چونکہ اس کو یعنی زوج کو دس ہی روز کی تعلیق کا علم تھا اس لئے دس روز پر معلق ہوگا۔ اگر عقد کے بعد منظوری کے وقت زوج کو اس تغیر کی اطلاع ہو جاتی تو بیس روز کی تعلیق صحیح ہو جاتی اور اب چونکہ دس روز کی تعلیق صحیح ہے اس لئے اسی شرط کے وقوع پر طلاق واقع ہو جاوے گی اور اس شرط کا وقوع ہونے یا نہ ہونے کی تفصیل اوپر معلوم ہو چکی ہے۔ والروایات هذه فی الدر ویکفی معنی الشرط الا فی المعینة باسم او النسب او اشارة فلو قال المرأة التی اتزوجها طالق تطلق بتزوجها ولو قال هذه المرأة الخ لتعریفها بالاشارة فلغا الوصف وقال الشامی تحت (قوله باسم او النسب) الذی فی البحر وغیرہ ونسب بالواو وقال فلو قال فلانة بنت فلان التی اتزوجها طالق فتزوجها لم تطلق اھ ای لانه لما لغا الوصف بالتزوج بقی قوله فلانة بنت فلان طالق وهی اجنبیة ولم توجد الاضافة الی الملک فلا یقع اذا تزوجها (قوله او اشارة) التعریف بالاشارة فی الحاضرة و بالاسم والنسب فی الغائبة حتی لو کانت المرأة حاضرة عند الحلف لا یحصل التعریف بذکر اسمها ونسبها ولا تلغو الصفة ویتعلق الطلاق بالتزوج الخ (ص ۸۱۳ ج ۲) وقال الشامی ایضاً وکذا کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع الطلاق ما لم یقر انه کتابه اھ ملخصاً (ص ۸۰۲ ج ۲) وفی العالمگیریہ (ص ۱۱۶ ج ۲) رجل اراد السفر فحلفه صهره وقال ان غبت بعد هذا عن امرأتک فلم ترجع الیها عند رأس الشهر فامرأتک طالق فقال الختن بالفارسیة هست، ولم یزد علی ذلک ثم غاب اکثر من شهر طلقت امرأته لانه اجاب کلام الصهر والجواب یتضمن اعادة ما فی السوال فتطلق امرأته کذا فی فتاوی قاضی خان اھ واللہ اعلم بالصواب۔

تنبیہ: حمل کے متعلق بصورت عدم وقوع طلاق تو سوال کی ضرورت ہی نہیں اور اگر وہاں کے محاورہ میں یہ الفاظ موجب طلاق ہوں تو حمل سے سوال دوبارہ کیا جاوے۔ احقر عبد الکریم گمتھلوی عفی عنہ ۲۵ ذوالقعدہ ۵۳ھ

الجواب صحیح : ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۶ ذیقعدہ ۴۳ھ

اس کہنے کا حکم کہ فلاں کام نہ کروں تو مجھ پر زن طلاق ہے

سوال :- بحضور حضرت مولانا دام عم فیوضہم معروض یہ ہے کہ ایک شخص کی مویشی چوری ہوئی ایک معزز نے چوروں کے پاس جا کر کہا کہ مویشی واپس کر دو چوروں نے کہا کہ ہم واپس کر دیں گے - چار ماہ تک یہی کہتے رہے بعد چار ماہ کے انہوں نے کہا کہ ہم نہیں دیتے تب اس معزز نے بسبب غصہ کے اپنے جی میں کہا کہ میں بھی ان چوروں کا اتنا ہی نقصان کر دوں گا جتنا انہوں نے کیا ہے - اگر نہ کروں گا تو مجھ پر زن طلاق ہے اب معزز کو اللہ میاں سے خوف آ گیا کہ چوری کا کام کیوں کروں اب ملتمس ہوں کہ ان الفاظ کا کیا حکم ہے؟ فقط

تنقیح :- اس کا کیا مطلب ہے آیا صرف دل میں خیال کیا زبان کو حرکت نہیں ہوئی یا زبان سے بھی مگر آہستہ کہا کہ اور کسی نے نہیں سنا نیز طلاق کا کوئی عدد بھی کہا یا نہیں ہے

جواب تنقیح : حضور سائل سے دریافت کیا گیا سائل نے زبان کو حرکت بھی دی بلکہ ایک گواہ کے روبرو یہ لفظ کہا اور ایک دفعہ کہا ہے صرف -

الجواب :-

فی العالمگیریۃ (ص۸۸ ج۳) وان حلف لیفعلن کذا ابراً بالفعل مرۃ واحدۃ سواء کان مکرھا فیہ او ناسیا او وکیلا عن غیرہ فاذا لم یفعل لا یحکم بوقوع الحنث حتی یقع الیأس من الفعل وذلک بموت الحالف قبل الفعل فیجب علیہ ان یوصی بالکفارۃ او بفوت محل الفعل کما لو حلف لیضربن زیداً او لیاکلن ھذا الرغیف فمات زید واکل الرغیف قبل اکلہ یحنث الخ

اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ شخص ان چوروں کا نقصان نہ کرے اور ان میں سے کوئی مر جاوے تو ایک طلاق رجعی واقع ہو جاوے گی اور اگر وہ چور زندہ رہیں تو عمر بھر طلاق واقع نہ ہو گی لیکن اس معزز کی موت کے وقت طلاق واقع ہو جائے گی - واللہ اعلم - احقر عبد الکریم عفی عنہ -

خانقاہ تھانہ بھون - الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ -

یکم شعبان ۴۴ھ

بیوی کے ہاتھ کے پکائے ہوئے کھانے کے ساتھ تعلیق طلاق کی ایک صورت کا حکم

(سوال) (۱) کوئی شوہر بی بی سے لڑائی کیا اور بی بی پکانے جا رہی تھی اسوقت یوں بولا تم مت پکاؤ تمہاری ہاتھ کا پکایا ہوا چیز ہم کھانیسے تم طلاق ہو جاویگی۔ یا یوں بولا اگر کھائے تو تمپر طلاق ابھی یا جب یا ہمیشہ اب تو کوئی لفظ جیسے ہمیشہ یا جب کھائے تو طلاق ہوئے استعمال نہیں کیا اب سوال یہ ہے کہ (۱) جب کھائے تب طلاق ہوتا یا نہیں (۲) اگر شوہر کا لفظ یہ ہے کہ اسدن یا اسوقت کھائے تو طلاق ہوئے (۳) اگر ہمیشہ لفظ یعنی جب کھائے تب ہوئے (۴) اگر کچھ لفظ خاص نہیں تھا صرف اوپر بیان کیا گیا ویسا بولا۔ تب جب کھائے تب طلاق ہوتا یا نہیں۔

فدویم
محمد سید عتیق اللہ وکیل

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں اگر شوہر کی نیت یہ ہے کہ اسدن یا اسوقت کھاؤں تو طلاق۔ تو اسدن یا اسوقت کے بعد اسکے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانیسے طلاق نہ ہوگی اور اگر ہمیشہ کی نیت تھی تو جب کھائیگا اسیوقت طلاق ہو جاویگی لیکن ایک طلاق واقع ہونیسے یہ تعلیق ختم ہو جاویگی کیونکہ تعلیق بلفظ اگر ہے کلما کیساتھ نہیں جو عموم فعل و تکرار کو مفید ہو پس ایک طلاق واقع ہونیکے بعد دوبارہ اُسکا پکایا ہوا کھانیسے طلاق نہ پڑیگی۔ اور ایک طلاق سے نکاح میں نقصان نہیں آتا جب کہ عدت کے اندر اندر رجوع کر لیا جائے اور کچھ نیت نہ تھی تو بظاہر اس کلام سے متبادر یمین الفور ہے جو اسیوقت اور اسی حالت کے ساتھ مقید ہوتی ہے جسمیں یمین صادر ہوئی اسکے بعد کیساتھ یمین کا تعلق نہیں ہوتا وقال الشامی فی یمین الفور تھیأت للخروج فقال لا تخرجی و حلف فاذا جلست ساعۃ وخرجت لا یحنث لان قصدہ منعھا من الخروج الذی تھیأت لہ فکأنہ قال: ان خرجت الساعۃ و ھذا اذا لم یکن لہ نیۃ فان نوی شیئا عمل بہ شرنبلالیہ اھ (ص ۱۲۹ ج ۳) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ۔ ۱۱ رمضان ۴۶ھ

طلاق معلق بلفظ "اگر" بیں مرۃ واحدہ سے یمین منحل ہوجاتی ہے اس لئے دوسری مرتبہ نکاح کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت کہ عبدالمالک تعلقدار نے اپنا نکاح مسماۃ خیرالنساء سے کیا اور اس بی بی کو کابین نامہ چند شرائط کا دیا جسمیں یہ شرط بھی تھی کہ تمہارے زمانہ نابالغی سے تا زمانہ بلوغ یعنی تمہاری زندگی میں دوسرا نکاح کوئی نہیں کرونگا اگر دوسرا کوئی نکاح بیاہ کیا تو زوجہ ثانیہ پر تین طلاق واقع ہوگی اور وہ مجھ پر حرام ہوگی۔ پھر بعد چند مدت بوجہ ضرورت اُس نے دوسرا نکاح کر لیا اولیاء زوجۂ اول نے اس عقد ثانی کی خبر سنکر اُس کابین کی شرط کو دکھلایا کہ یہ ثانی بی بی پر تو طلاق ہوگئی پھر اس کے بعد زوج مذکور الصدر نے اس شرط کی واپسی لکھوالی کہ اب بخوشی دوسرا نکاح کرلیں اسمیں مجھکو کچھ عذر نہیں بعد ازاں عبدالمالک نے عقد ثالث کیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زوجہ ثالثہ پر طلاق ہوتی ہے یا نہیں اگر ہوئی ہے تو عبدالمالک کیلئے حلالی ہونیکی کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں زوجہ ثالثہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ یہ طلاق معلق بلفظ اگر ھے جو ترجمہ اِن و اِذا کا ہے جس کا حکم یہ ہے کہ مرۃ واحدہ سے یمین منحل ہوجاتی ہے قال فی العالمگیریہ: الفاظ الشرط ان، و اذا، و اذا ما وکل، وکلما، ومتی، ومتی ما، ففی ھذہ الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت الیمین و انتھت لانہا لا تقتضی العموم والتکرار فبوجود الفعل مرۃ تم الشرط وانحلت الیمین فلا یتحقق الحنث بعدہ الا فی کلما لانہا توجب عموم الافعال اھ (ج ۲ ص ۹۴) قلت وفی الصورۃ المسئولۃ لیس الطلاق بمعلق بکلما کما ھو الظاھر من الفاظ السوال، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ، ررمضان ۴۶ھ

وقوع شرط میں شبہ اور تردد ہو تو طلاق نہ ہوگی

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید نے عمرو سے بطور حلف کے کہا اگر میں نے تمہاری کوئی شکایت تمہارے مکان والوں سے بغرض نقصان پہونچانے کے کی ہو تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے خارج ہوں اور نکاح کرتے ہی طلاق ہو اور حلف کھاتے وقت یقین تھا کہ کوئی شکایت نہیں کی اور بعد میں کوئی لفظ شکایت کا معلوم ہوجائے یعنی یمین لغو کی صورت ہو تو کیا حکم ہے۔ اور اگر اطمینان کیلئے

احتیاطاً شافعی المذہب پر اعتقاد رکھے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

فقط عبدالصمد میمن سنگی۔

الجواب:۔ جب تک غلبہ ظن بالیقین شکایت کرنیکا نہ ہو اسوقت تک یہ کلام موجب وقوع طلاق بر منکوحہ نہیں۔ پس تردد سے منکوحہ پر طلاق نہ ہوگی اور اگر یمین کے وقت یقین یا غلبہ ظن تھا کہ شکایت نہیں کی اسی بنا پر قسم کھالی بعد میں معلوم ہوا کہ شکایت کی تھی تو دیانۃً یہ حلف موجب طلاق منکوحہ نہوگا ہاں قضاءً موجب طلاق ہو جائیگا۔ فان القاضی لا یقبل الا الظاھر و المرأۃ کالقاضی۔ اور اگر حلف کیوقت غلبہ ظن یا علم شکایت کرنیکا تھا تو اب اپنی اطمینان کیلئے شافعی المذہب پر اعتقاد رکھنا اس شرط سے جائز ہے کہ نکاح بھی کسی شافعی عورت سے کیا جائے۔ حنفی عورت سے اس مسئلہ میں مذہب شافعی پر اعتقاد کر کے نکاح جائز نہیں کیونکہ منکوحہ کے مذہب میں نکاح کیساتھ ہی طلاق واقع ہو چکی ہے تو عورت کو اُسکے مذہب کے خلاف کا مرتکب بنانا اور دھوکہ میں رکھنا جائز نہیں۔ اس صورت میں اگر حنفی عورت سے نکاح کیا جائے تو فضولی کو واسطہ بنایا جائے جسکی تفصیل زبانی عالم محقق سے معلوم ہو سکتی ہے یا اولیاء زوجہ سے اس واقعہ کو بیان کر کے یہ کہا جائے کہ میں نے ایسا حلف کر لیا تھا جسکی وجہ سے منکوحہ پر نکاح کرتے ہی ایک طلاق بائن واقع ہو جائیگی اس لئے منکوحہ کو بھی اسکی اطلاع کر دی جائے اور نکاح دو مرتبہ کیا جائے پہلی دفعہ نکاح کر کے طلاق واقع ہوگی دوبارہ اسی عورت کی اجازت سے پھر نکاح کیا جائے گا تو اب دوبارہ طلاق کا وقوع نہوگا کیونکہ حلف میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو کلما کی طرح موجب تکرار طلاق ہو اور نہ اُسمیں عدد ثلاث کا ذکر ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ

۱۹ رمضان ۴۶ھ

حکم تعلیق: طلاق بلفظ جو عورت میں نکاح میں لاؤنگا مجھ پر طلاق ہے۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے تعلیق کر دی ایسے طور سے کہ زید نے کہا اگر میں یہ فعل کرونگا تو جو عورت میں نکاح میں لاونگا۔ مجھ پر طلاق ہے اب اس سے وہ فعل تین چار مرتبہ صادر ہوا۔ تو آیا جو عورت طلاق ہوجاویگی وہ مطلقہ ہوگی ساتھ طلاق رجعی کے یا مغلظ ہوگی۔ اور اگر تعلیق سے پہلے اس کا منکوحہ ہو تو

وہ مطلقہ ہوتی ہے یا نہ اور اگر مطلقہ ہوتی ہے تو مطلقہ رجعی ہوتی ہے یا مغلظہ؟ بینوا توجروا۔

المعروض کمترین عبدالرزاق از مدرسہ میرٹھ صدر بازار۔

الجواب: اگر زید نے تعلیق مذکور میں یہی کہا ہے جو سوال میں مذکور ہے کہ مجھ پر طلاق ہے تو یہ کلام لغو ہے اس سے یہ تعلیق طلاق نہیں ہوئی اور اس صورت میں کسی عورت سے نکاح پر طلاق کا وقوع نہ ہوگا نہ رجعی کا نہ بائن کا فقد صرح الفقہاء بانہ ان قال انا منک طالق لم یقع وان نوی وان قال انا منک بائن یقع بہ بائنۃ ان نوی (در صفحہ ۷۳۲/۲) اور اگر یہ کہا ہے کہ اس پر طلاق ہے تو سوال واضح کر کے دوبارہ کیا جائے۔

فقط حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۱۱ شوال ۴۶ھ

بصورت تعلیق اگر عدد طلاق میں شوہر کو شک ہو اور بیوی کہتی ہو کہ شوہر نے تین طلاق کہا تھا تو طلاق رجعی واقع ہوگی یا مغلظہ جبکہ شرط پائی گئی ہو۔

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ یہ کہتی ہے کہ تو نے تین طلاق کو کہا تھا زوج طلاق دینے کا اقراری ہے لیکن یہ کہتا ہے کہ مجھے تین طلاقیں معلق کرنیکا شک ہے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ تین طلاقیں معلق کی ہیں ہاں ایک طلاق ضرور دی ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں تین طلاق رجعی متصور ہے یا مغلظہ؟ بینوا توجروا

عبدالرحیم موضع نگلہ ضلع میرٹھ

الجواب: صورت مذکورہ میں جب عورت کو تین طلاقیں معلق کرنے کا یقین ہے تو اس مرد سے علیحدگی واجب ہے اسکو اسکے ساتھ رہنا جائز نہیں بلکہ عدت کے بعد جس سے چاہے نکاح کرلے پھر اگر دوسرا شخص بعد دخول کے طلاق دیدے تو زوج اول سے نکاح کر سکتی ہے بعد عدت ثانی کے اور یہ جب ہے کہ عورت کو تین طلاق کا یقین ہو اور اگر اسکو بھی شک ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ رہا یہ کہ مرد تین طلاق کا منکر ہے اور اسکو اس میں شک ہے تو اس اختلاف کا فیصلہ مفتی نہیں کر سکتا بلکہ قاضی اسلام کر سکتا ہے یا وہ مسلمان شخص جس کے پاس فریقین فیصلہ کیلئے مقدمہ پیش کریں اور وہ قاعدہ شرعیہ کے موافق تحقیق کرکے

فیصلہ کرےعـــه مگر جب عورت کو تین طلاق کا یقین ہو تو اُسکو قاضی یا محکم کے پاس مرافعہ جائز نہیں جب کہ زوج سے علیحدہ ہو جانے پر قادر ہو ہاں اگر زوج سے علیحدہ ہونے پر قادر نہ ہو تو مرافعہ کرنا چاہئے پھر اگر فیصلہ عورت کے قول پر نہ ہو تو عورت کو گناہ نہ ہوگا بلکہ زوج کو گناہ ہوگا اگر وہ کاذب ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۱۲ شوال ۱۳۴۶ھ

تعلیق طلاق باداء دین کی ایک صورت کا حکم

(سوال) مدیون نے وعدہ کیا کہ دائن کو مبلغ للعہ ماہ بھادون میں یکمشت ادا کر دونگا بلا عذر اگر اسوقت ندوں تو میری عورت پر تین طلاق پڑ جائے اھ ماہ بھادون قبل کچھ مدت کہا کہ دائن کی برادر زادی جو کہ میری بہو ہے وہ چالیس روپیہ میری مکان سے چوری کر کے لیگئی اور دائن کو دیدیا جو کہ اسکا چچا ہے مگر چوری کا ثبوت ابتک نہیں ہوا عوام نے اور نیز چند مولویوں نے مجلسیں کیں مگر شور و شغب ہوگیا اور کچھ ثابت نہ ہوا، اب عرض ہے کہ سرقہ ثابت ہو کر دائن کو روپیہ ملجانا بھی ثابت ہو جائے یا سرقہ ہی ثابت نہو تو ان دونوں صورتوں میں تعلیق طلاق کا کیا حکم ہوگا بصورت عدم ثبوت سرقہ و عدم وصول دین الی الدائن وقوع جزا تو ظاہر ہے مگر بصورت ثبوت بھی راجح وقوع جزا ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ مدیون کی عبارت (یکمشت ادا کر دونگا) میں نسبت ایصال الی نفسہ ہے اور بصورت ثبوت سرقہ وصول دراہم الی الدائن ایصال من نفسہ نہ پایا گیا حالانکہ وہ ایصال پر قادر تھا اگرچہ وہ مال مسروقہ کے سوا دوسری دراہم دیدیتا سوال کے قیود کو ملحوظ فرما کر جواب سے مسرور الوقت فرمائیں۔

عبد السلام ڈاکخانہ بینچے رامپور معرفت پوسٹماسٹر ضلع تیرہعـــه ملک بنگلہ

عـــه اور اگر یہ حکم عورت کے خلاف فیصلہ کرے اور عورت کو تین طلاق کا یقین ہے قلت فھو کما قضی القاضی بعدم وقوع الثلث لعدم الشھادۃ وھی متیقنۃ بالثلث فان المحکم کالقاضی الا فی الحدود و القصاص قال الشامی و فی البزازیۃ عن الاوزجندی انھا ترفع الامر للقاضی فان حلف ولا بینۃ لھا فالاثم علیہ اھ قلت ای اذا لم تقدر علی الفداء او الھرب ولا علی منعہ عنھا فلا ینافی ماقبلہ اھ (ص ج ۲) قلت قولہ اذا لم تقدر الخ قید لقولہ ترفع الامر الی القاضی ومفادہ انھا لا ترفع الامر الی القاضی اذا قدرت علی احد الامور المذکورۃ واللہ اعلم۔ ظفر ۱۲

عـــه آجکل اس ضلع کا نام کملا ہے۔ دلاور حسین کملائی۔

الجواب: ہاں الفاظ تعلیق کے ظاہری مقتضا تو وہی ہے جو سائل نے سمجھا ہے لیکن بدلالت حال یہ تعلیق محتمل تخصیص کو ہے جسکی نظیر یہ ہے جو فقہاء نے باب الیمین میں بیان کی ہے لو حلف لیخبرن الوالی بکل داعر یدخل فی البلد ثم عزل الوالی فلا یحنث بترك الاخبار لانه مقید بحال ولایته ایسے ہی یہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ حالف کا یہ کہنا کہ دائن کو بھادوں میں للعہ یکشمت ادا کردونگا اگر ندوں تو بیوی پر تین طلاق پڑجائے اھ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اگر دائن کسی ذریعہ سے خود اس رقم کو میرے مال سے وصول نکرے، کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر دائن اسکے مال میں سے للعہ خود سرقہ کرلیتا تو اس صورت میں حالف بوجہ عدم اداء کے حانث نہ ہوتا کیونکہ حالف نے اداء دین کی بابت حلف کیا ہے اور اس صورت میں وہ مدیون نہیں رہا اسیطرح اگر دائن نے خود سرقہ نہیں کیا بلکہ کسی دوسرے نے حالف کے مال میں سے للعہ چرائے اور دائن کو دیدئے اور دائن کو سرقہ کا حال معلوم ہے تو اس کے ذمہ اس کا اظہار واجب ہے اور بصورت کتمان وہ بھی سارق ہوا لہذا مدیون دین سے بری ہوجائے گا اور عدم اداء سے حانث نہ ہوگا یہ اس صورت میں ہے جب کہ سرقہ کا واقعہ صحیح ہو اور اس رقم مسروقہ کا دائن کے پاس پہونچنا محقق ہوجائے گو شہادت سے ثبوت نہ ہو مگر حالف کے نزدیک یہ امر محقق ہوچکا ہو اگر ایسا نہ ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے، **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون ۲۶ رجب ۴۷ھ

تعلیق طلاق کی ایک صورت

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور نکاح کے کچھ عرصہ بعد اقرار نامہ ایک روپیہ کے کاغذ پر تحریر کیا جسکی عبارت مقصودہ بعینہ نقل کیجاتی ہے:

اقرار کرتا ہوں کہ زوجہ خود اور موجودہ بچہ کی پرورش کا خرچ حسب حیثیت خود ماہ بماہ ہر ایک ماہ کی یکم تاریخ کو ان کے والدین کے نام بذریعہ منی آرڈر روانہ کرتا رہونگا کوئی ماہ ناغہ نہ کرونگا بصورت عدم ادائیگی خرچ مقررہ بالا مسلسل تین ماہ متواتر روانہ نہ کروں تو زوجہ میری اسیوقت میری جانب سے مطلقہ متصور کی جاویگی اور زوجہ میری مذکور کو اختیار ہوگا کہ وہ مجھ سے دوری علیحدگی اختیار کرے اور اسکے والدین کو اختیار ہوگا کہ وہ برائے آئندہ اسکی

تجویز ثانی بمرضی خود جائے دیگر کردے میں اوسمیں کوئی عذر اعتراض نہ کرونگا اگر کرونگا تو وہ میرا عذر روبروئے برادری واہل محلہ وحکام وقت قطعی قابل سماعت نہ ہوگا { اور ساتھ ہی پورے اصل اقرار نامہ کی نقل بھی روانہ کیجاتی ہے جسمیں سے یہ عبارت روانہ کیگئی ہے } یہ اقرار نامہ ۸ اگست ۱۹۲۶ء کو لکھا گیا۔ زید نے اکتوبر ۱۹۲۶ء کے آخر میں جبکہ تین ماہ گزرجانے والے تھے محض مبلغ ۵ر پانچ روپیہ عورت کے والدین کے نام روانہ کئے اُس سے پہلے بالکل روانہ نہیں کیا اب یہ دوسری سہ ماہی گزررہی ہے ابھی تک کچھ روانہ نہیں کیا ہے۔ لائق سوال یہ امر ہے کہ عبارت بالا کے اعتبار سے اس عورت پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور کس صورت میں تین طلاق واقع ہوگی؟ فقط۔

حافظ محمد غوث محلہ اندر کوٹ توپچی واڑہ شہر میرٹھ

الجواب:۔ بغیر خرچ بھیجنے کے کوئی سہ ماہی گزرجائیگی تو زید کی زوجہ پر طلاق واقع ہوجائیگی اسوجہ سے کہ زوج کہہ سکتا ہے کہ سہ ماہی گزشتہ میں میری حیثیت پانچ ہی روپیہ کی تھی ہاں اگر حیثیت کی مقدار معین کرکے وقوع طلاق کو معلق کرتا اسکے نہ بھیجنے پر تو مقدار سے کم بھیجنے پر طلاق واقع ہوجاتی ہے لہذا زید کی زوجہ پر ابتک طلاق واقع نہیں ہوئی ہے۔

واللہ اعلم۔ اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دھلی۔

صورت مندرجہ سوال میں زید کی زوجہ مطلقہ ہوگی کیونکہ زید کہتا ہے کہ ہر ماہ کی یکم کو ماہ بماہ خرچ بھیجا کروں گا اور مسلسل متواتر تین ماہ روانہ نہ کروں تو مطلقہ متصور ہوگی جبکہ زید نے اوّل ماہ کی یکم کو اور دوسرے ماہ کی یکم کو اور نہ تیسرے ماہ کی یکم کو خرچ نہیں بھیجا تسلسل تواتر جاتا رہا شرط کا تحقق ہوگیا طلاق پڑگئی۔ ہدایہ میں ہے واذا اضافہ الی شرط وقع عقیب الشرط۔ واللہ اعلم ریاض الدین عفی عنہ

ہمارے نزدیک پہلا جواب صحیح ہے کہ زید کی زوجہ پر ابتک طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ مسلسل تین ماہ خرچ روانہ نہ کرنا اسوقت صادق آسکتا ہے جبکہ پورے تین ۳ مہینے ہی بدون خرچ بھیجے گزرجائیں اور صورت مسئولہ میں اگست کا مہینہ ناقص ہے اور اکتوبر میں خرچ آہی گیا اور عرف یہ ہے کہ جس مہینے کے اندر کوئی معاملہ ہوتا ہے تو ابتداء

اُسی تاریخ سے ہوتی ہے پس لازم ہے کہ اس مہینہ کی آٹھ تاریخ سے تیسرے مہینہ کی آٹھ تاریخ تک زمانہ بدون خرچ بھیجے گزر جاتا تو طلاق واقع ہو جاتی مگر یہاں تو اس مدت کے اندر ہی خرچ آگیا ہے لہٰذا طلاق واقع نہ ہوگی اب دوسری سہ ماہی کی ابتداء ۸ نومبر کے بعد سے ہوگی خرچ پہونچنے کی تاریخ سے نہ ہوگی کیونکہ بظاہر زید نے یہ خرچ ایک سہ ماہی کا بھیجا ہے اور چونکہ اقرار نامہ میں خرچ کی مقدار کو واضح نہیں کرایا گیا بلکہ زید نے اس کا معیار اپنی حیثیت پر رکھا ہے اسلئے اسکو یہ گنجائش ہے کہ اس خرچ کو پوری سہ ماہی کا خرچ بتلائے اگر عورت زید کی حیثیت اس سے زائد سمجھتی ہے تو حکومت سے مرافعہ کرے کہ اس اختلاف کا فیصلہ حکومت ہی کر سکتی ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۵ رمضان ۴۷ھ

شوہر کابین نامہ میں لکھدے کہ زوجۂ اولیٰ کی زندگی میں بدون اذن زوجہ و اولیاء زوجہ نکاح کروں تو زوجہ ثانیہ طلاق مطلقہ ہوگی۔ پھر شوہر صرف بیوی سے اجازت لیکر نکاح کرے تو الخ۔

(سوال) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امابعد معروض خدمت اقدس ہے کہ حسب تحریر جناب صورت مسئولہ کے متعلق کابین نامہ کی بنگالہ عبارت اور بعینہ اردو ترجمہ مع تقریر فریقین پیش خدمت ہے امید قوی کہ مع الدلائل جواب تحریر ہوویگا اور حضور پر نور کے دستخط مبارک سے مزین فرمایا جاویگا دیگر عبارت کابین نامہ کی مسئلہ مبحوث عنہا سے کوئی تعلق نہیں رکھتی وہ بالکل علیحدہ باتیں ہیں لھذا تحریر نہیں کیگئی۔

العارض احقر الناس محمد عبد الغنی غفرلہ ولوالدیہ ۲۱ ر دسمبر ۲۶ء

ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ: اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کی کابین نامہ میں چند شرائط لکھدے انہیں سے ایک یہ ہے کہ آپکے زندہ رہتے ہوئے میں دوسرا کوئی نکاح نہیں کرونگا اور سریہ نہیں رکھونگا اور نکاح فضولی نہیں کرونگا اگر کروں یا رکھوں ظاہر ہوتے ہی وہ عورتیں (۱) (۲) (۳) طلاق ہوئے۔ اگر اتفاقاً دوسرے نکاح کرنیکی ضرورت ہوئے تو آپ اور آپکے اولیاء سے علیحدہ علیحدہ اذن لیکر کرونگا۔

بعد مدت کے اس شخص نے بلا اذن ولی کے فقط زوجہ سے اذن لیکر دوسرا نکاح کیا ہے اب اس دوسری زوجہ کی طلاق پڑنے میں علماء دو فریق ہیں۔ ایک فریق ایک طلاق بائن

کہتے ہیں۔ دوسرا فریق طلاق ثلثہ مغلظ فرماتے ہیں۔

(تقریر فریق اوّل یعنی قائلین واحد طلاق بائن)

یہ ہے کہ صورت مرقومہ میں ایک طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ جملہ (۱) (۲) (۳) طلاق ہوئے تفریق طلاق ہے اور طلاق غیر مدخول بہا کی تفریق طلاق سے ایک طلاق بائن ہوتی ہے بدلیل۔ قال لزوجته غیر المدخول بہا انت ثلاثا وقعن وان فرق بوصف نحو انت طالق واحدۃ و واحدۃ و واحدۃ او خبر نحو انت طالق طالق طالق او جمل نحو انت طالق انت طالق انت طالق بانت بالاولیٰ ولم تقع الثانیۃ والثالثۃ۔

(در مختار مع رد المحتار)

(تقریر فریق ثانی یعنی قائلین ثلاثہ مغلظہ یہ ہے)

کہ صورت مسئولہ میں طلاق ثلثہ مغلظ واقع ہوگی دو وجہ سے (وجہ اول) یہ ہے کہ صورت مسئولہ کو انت طالق واحدۃ واحدۃ واحدۃ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ اسمیں تین احاد کو جداگانہ کہا ہے اور صورت مسئولہ میں تین احاد کو جمع کرتے ہوئے کہا ہے یعنی (۱) کیساتھ اور (۱) جمع کرکے (۲) اور (۲) کیساتھ اور (۱) جمع کرکے (۳) کہا گیا۔ اور آخر کلام مغیر ہے واسطے اول کلام کے پس ۱-۲-۳- طلاق کے لفظ سے مجموع تین طلاق دفعۃً واقع ہوئیں نہ متفرق طور پر کیونکہ تفریق طلاق پر محمول ہونیکے لئے یہ شرط ہے کہ آخر کلام مغیر اول کلام کا نہو جیسا کہ

فتح القدیر۔ مصری ج ۳ صـ۳۹۲ میں ہے۔ قولہ وان فرق الطلاق بانت بالاولیٰ ولم یقع الثانیہ) وذلک کقولہ انت طالق طالق طالق لانہ لیس فی اٰخر الکلام ما یغیر اولہ لیتوقف اولہ فلم یقع بطالق الاول شیئ فان قیل لو قال بالواو طالق وطالق وطالق او طالق واحدۃ وواحدۃ وواحدۃ فالحکم کذلک مع ان الواو للجمع وھو یغیر حکم التفریق اذ الحاصل بہ کالحاصل بطالق ثلاثا وحکمھا مختلف لان فی التفریق تبین بواحدۃ فینبغی ان یتوقف الصدر فیقع الثلث کما قال مالکؒ واحمدؒ قلنا الجمع الذی یباین التفریق حکمًا ھو الجمع بمعنی المعیۃ المغیر لہ کلفظ ثلاثا ونحوہٗ ولیس الواو للجمع بھذا المعنی الخ اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ لفظ ثلاثًا مغیر تفریق ہے پس واحدۃً کے بعد اگر ثلاثًا مذکور ہو تو فقط واحدۃ سے ایک طلاق واقع نہوگی

بلکہ ثلاثاً پر موقوف رہنے کیوجہ سے مجموع تین طلاق واقع ہوگی جیسا کہ صورت مسئولہ میں ہے۔
سوال۔ یہ تو تنجیز طلاق میں ہے اور صورت مسئولہ تو تعلیق طلاق ہے اور شرط وجزا ایک کلام ہے اور اسمیں آخیر کلام (جزا) اول کلام (شرط) کا مغیر نہیں ہے جواب ا۔۲۔۳۔ طلاق کا لفظ جب حکم میں تفریق کے نہیں ہے بلکہ حکم میں جمع کے ہے تو صورت تعلیق میں اسکا حکم بعینہٖ ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثاً کے حکم میں ہوگا یعنی بعد وجود شرط کے تین طلاق واقع ہونگی کما لایخفٰی (وجہ ثانی) یہ ہے کہ قاعدہ مسلمہ فقہیہ ہے الطلاق یقع بعدد قرن بہ لا بہ نفسہ اور ولا بد من کون العدد متصلاً بالایقاع۔ درمحتار مع رد المحتار ج ۲ صـ۴۹۴ مصری، بحر الرائق مصری ج ۳ صـ۳۱۵۔ اور صورت مرقومہ میں ایقاع کے لفظ (یعنی طلاق ہووے) کیساتھ ۳ کا عدد متصل ہے نہ ۱۔ اور ۲۔ پس ۳ ہی موثر ہوگا نہ ۱۔ اور ۲۔ پس طلاق ثلاثہ مغلظ واقع ہوگی۔ سوال۔ ۱۔ اور ۲ کے عدد سے ۱۔ طلاق۔ ۲ طلاق مراد ہے پس ۱۔ اور ۲ بھی متصل بالطلاق ہے جواب فقہ کا متفق قاعدہ ہے الوقوع بلفظہ لا بقصدہ درمختار۔ ۱۔ اور ۲ کیساتھ جب طلاق ملفوظ نہیں مراد اور مقصود ہونے سے وقوع طلاق میں ہرگز موثر نہیں ہوگا۔ انتھی۔ اب معروض خدمت اقدس ہے کہ کس فریق کا حکم صحیح اور نافذ ہے بادلائل تحریر فرما کر بندگان خدا کو ورطہ ہلاکت سے نجات دیویں! جزاکم اللہ تعالیٰ خیراً۔

الجواب: فریق ثانی کا جواب صحیح ہے یعنی صورت مسئولہ میں طلاق ثلثہ کی تعلیق ہوئی تھی اور وجود شرط کیوقت ہر سہ طلاق مجموعۃً واقع ہوگئیں اور فریق اول نے جو قاعدہ نقل کیا ہے وہ صحیح تو ہے لیکن اسمیں کلام ہے کہ صورت مسئولہ میں جو الفاظ تحریر کئے گئے ہیں وہ تفریق طلاق پر دال ہیں یا نہیں اور اُردو کے الفاظ کو عربی پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ دونوں کا محاورہ عدد معدود کے استعمال میں مختلف ہے اور اُردو فارسی کا محاورہ اس باب میں متحد ہے اسلئے فارسی پر قیاس کیا جاویگا اور فارسی کے جزئیہ کا حکم خلاصۃ الفتاوی صـ۸۳ ج ۲ میں صریح موجود ہے قال وکذا لو قال اگر فلانہ بری کنم از من بیک طلاق ودو طلاق وسہ طلاق فتزوجہا تطلق واحدۃ ولو قال بیکی و دو وسہ طلاق ثم تزوجہا یقع الثلاث وتمام ھذا فی خزانۃ الواقعات اھ اور جب صریح جزئیہ موجود ہے تو قواعد میں غور کرنیکی حاجت نہیں

اسلئے فریق ثانی کے ادلہ کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی[عہ] فقط

تنبیہ : سوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ میں وقوع طلاق کا حکم اس بنا پر کیا گیا ہے اس شخص نے اولیاء زوجہ سے اجازت نہیں لی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ اولیاء زوجہ سے اجازت لے لیتا تو طلاق واقع نہ سمجھی جاتی اور یہ صحیح نہیں اسلئے لکھا جاتا ہے کہ کابین نامہ میں طلاق کے متعلق جملہ ختم کرنیکے بعد جو کلام مستانف لکھا ہے کہ اگر اتفاقاً دوسرے نکاح کی ضرورت ہوتی توالخ یہ جملہ طلاق کی قید نہیں بلکہ کلام مستقل ہے اور جملہ تعلیقیہ میں صرف تاحیات عورت کیساتھ طلاق اُخری کو معلق کیا ہے پس اگر اولیاء سے بھی اجازت لیکر نکاح ہوتا تب بھی وقوع کا حکم کیا جاتا اور اب جب تک زوجہ اولیٰ حیات ہے اسوقت تک کوئی نکاح کریگا تو منکوحہ جدیدہ پر تین طلاق واقع ہو جاوینگی اگرچہ وہ نکاح زوجہ اور اولیاء زوجہ کی رضامندی ہی سے ہو بلکہ اس عورت موجودہ کو جس کیلئے یہ کابین نامہ مذکورہ لکھا ہے یہ شخص اگر طلاق دیدے تب بھی عورت موجودہ کی حیات میں دوسری عورت سے نکاح کرنے پر طلاق مغلظہ ہو جاویگی البتہ جس عورت پر طلاق ہو چکی ہے اُس سے عورت مذکورہ کی حیات میں بھی بعد زوج ثانی مع شرائط معلومہ نکاح کیا جاوے تو وقوع طلاق کا حکم نہ کیا جاویگا قال فی تنویر الابصار و الفاظ الشرط ان و اذا و اذا ما و کل و کلما و متیٰ و متیٰ ما وفیھا) کلھا (تنحل الیمین اذا وجد الشرط مرۃً الا فی کلما الخ) (شامی ص۸۲۱ ج ۲) -

اور صورت مسؤلہ میں اگر کروں یا رکھوں تو وہ عورتیں الخ مشتمل ہے کلمہ ان پر لفظاً اور کلمہ کل پر تقدیراً۔ پس اس قول کی عموم انکحہ پر دلالت نہوگی فقط عموم منکوحات پر دلالت ہو گی کہ پہلی مرتبہ ہر عورت سے نکاح موجب طلاق ہوگا قال الشامی تحت (قولہ وکذا کل امرأۃ الخ) ای اذا قال کل امرأۃٍ اتزوجھا طالق والحیلۃ فیہ ما فی البحر من انہ یزوجہ[عہ] فضولی و یجیز بالفعل کسوق الواجب الیھا او یتزوجھا بعد ما وقع الطلاق علیھا لان کلمۃ کل لا تقتضی التکرار اھ (ص۸۱۳)

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ تھانہ بھون۔ الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۲۳ ج ۲ سنہ ۵۴ھ ماشاء اللہ (از حضرت مولانا مدظلہم)

عہ چونکہ دلائل مسطورہ میں کلام ہے جسکے واسطے بسط کی ضرورت ہے اسو اسطے اس مختصر پر کفایت کی بلا ضرورت تطویل نہیں کیگئی ۱۲ منہ

عہ صورت مسؤلہ میں تزویج فضولی کی بحث شامی میں دیکھی جاوے قبیل فصل المشیئۃ باب النذر ۱۲ منہ

ارتداد سے یمین باطل ہوجاتی ہے تعلیق باطل نہیں ہوتی

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں جوابات مشرح اور صاف ہوں صحیح حالات حسب ذیل ہیں۔

سوال اول: زید حنفی نے اپنی حالت بلوغ میں کہ ابھی اسکی شادی نکاح نہیں ہوئی تھی اس سے قبل ہی کسی صاحب کے کہنے پر اسطرح پر حلف کیا کہ اگر میں آیندہ فلاں فعل حرام شرعی کا مرتکب ہوں تو میری بیوی پر طلاق اور جب کبھی میں نکاح کروں میری بیوی پر طلاق اور انشاء اللہ وغیرہ کچھ نہیں کہا دو تین دن کے بعد اسے معلوم ہوا کہ انشاء اللہ کہنے سے یہ تعلیق طلاق کیلئے مفید نہیں رہتی لیکن انشاء اللہ حنفی مذہب کے مطابق متصل ہونا چاہیئے تاہم اگر منفصلاً یعنی اب بھی اس نیت سے انشاء اللہ کہہ لیا جائے تو امام شافعی کے مسلک کے مطابق جائز ہے؏ بہر حال زید نے انشاء اللہ کہہ لیا اور عرصہ تک اپنے حلف پر قائم رہا پھر بدقسمتی سے نکاح سے قبل ہی اس فعل حرام شرعی کا مرتکب ہوگیا جس پر حلف کیا تھا اور زید کو اپنے حانث ہونیکا یقین کامل ہوگیا کہ اب میں تمام عمر شادی نہیں کر سکتا اگرچہ شافعی کے مذہب کے مطابق وہ جواز سمجھتا تھا مگر حنفی ہونے کے ساتھ یہ گوارا نہ ہوا کہ محض نفس کے لئے مذہب راجح کو ترک کرے بہت پریشان ہوا اور بالقصد کلمۂ کفر زبان سے نکالکر بالقصد مرتد ہوگیا تاکہ عقود اسلامی سے چھوٹ جائے اور کوئی ذمہ داری نہ رہے پھر تجدید کلمہ کرکے مسلمان ہوگیا اب اس کا یہ خیال ہے کہ اس حیلۂ ارتداد کی وجہ سے وہ تعلیق مفقود ہوگئی اور میں نکاح کرسکتا ہوں جواب عنایت ہو کہ اسکو نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں اور پھر اسکا نکاح باقی رہے گا یا نہیں؟ صاف مشرح ارشاد ہو۔

عبد الرحمٰن از حیدرآباد دکن

الجواب وهو الموفق للصواب: فی الدر المختار (وهو) ای الکفر (یبطلها اذا عرض بعدها (فلو حلف مسلما ثم ارتد) والعیاذ باللہ تعالیٰ (ثم اسلم ثم حنث فلا کفارة) اصلا لما تقرر ان الاوصاف الراجعة للمحل یستوی فیها الابتداء والبقاء وقال الشامی تحت قوله (لما تقرر) علة لکون الکفر العارض مبطلا للیمین کالکفر الاصلی (ص ۹۵ ج ۳) وقال ایضا (ص ۶۹) تحت قوله (وشرطها الاسلام) واعلم ان اشتراط الاسلام انما یناسب

؏ کہاں لکھا ہے ۱۲ اشرف علی

الیمین باللہ تعالیٰ والیمین بالقرب نحو ان فعلت کذا فعلی صلاۃ واما
الیمین بغیر تقرب نحو ان فعلت کذا فانت طالق فلا یشترط لہ الاسلام
کما لا یخفی اھ روایت اولی سے معلوم ہوا کہ ارتداد سے یمین باطل ہونیکی وجہ یہ ہے کہ کفر
منافی یمین ہے اور روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ کفر منافی تعلیق نہیں پس جب تعلیق کیلئے اسلام
شرط نہیں ہے تو ارتداد سے تعلیق باطل نہیں ہوتی پس ارتداد سے اعمال اسلام کا بطلان
وغیرہ بیحد نقصان وخسارہ حاصل ہوا اور جو نفع اپنی غلطی سے سوچکر اسقدر جرم عظیم کا
ارتکاب کیا وہ حاصل بھی نہ ہوا۔

اور اب بھی وہی صورت اختیار کرنی پڑیگی جو ارتداد سے قبل ہوسکتی تھی بڑے افسوس کی
بات ہے کہ اس وقت دریافت نہ کیا اور معصیت سے بچنے کے واسطے راس المعاصی کو ترجیح
دی جو بعید از قیاس ہے اللہ تعالیٰ ایسی کجی اور اغوائے شیطانی ونفسانی سے پناہ میں رکھے
(آمین ثم آمین)۔

اب حنفی مذہب کے مطابق حسب تصریحات فقہاء اس شخص کے واسطے نکاح کی ایک
سبیل ہے وہ یہ کہ کوئی فضولی اسکا نکاح کردے اور یہ اس نکاح فضولی کو قولاً قبول نہ کرے
بلکہ فعلاً قبول کرنا ظاہر کرے مثلاً کل یا بعض مہر ادا کردے اسطرح نکاح بھی صحیح ہوجائیگا اور
اس عورت پر طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

تنبیہ: فضولی اسکو کہتے ہیں جو اپنی طرف سے بطور خود بغیر وکالت وولایت کسی دوسرے
کا نکاح کردے پس اگر یہ شخص کسی کو یوں کہے کہ تم فضولی ہوکر میرا نکاح کردو تو اسکے کہنے سے
وہ وکیل بن جائے گا فضولی نہ رہے گا اور مقصود حاصل نہ ہوگا اس واسطے کسی سے فضولی
بننے کی درخواست نہ کرے بلکہ دو تین آدمیوں کے سامنے یوں کہے کہ مجھے اس کی ضرورت ہے کہ
کوئی فضولی میرا نکاح کردے پھر اُن میں سے کوئی شخص بطور خود اسکی طرف سے ایجاب یا قبول کرلے
کما فی الشامی عن البحر وینبغی ان یجئ الی عالم ویقول لہ ماحلف واحتیاجہ
الی نکاح الفضولی فیزوجہ العالم امرأۃ ویجیز بالفعل فلا یحنث وکذا
اذا قال لجماعۃ لی حاجۃ الی نکاح الفضولی فزوجہ واحد منہم اما اذا قال
لرجل اعقد لی عقد فضولی یکون توکیلا اھ (ص۲۶۳ ج۳) فقط واللہ اعلم

تعلیق طلاق کا ایک مسئلہ

(سوال) عبدالرحمٰن اور اسکی بیوی ہاجرہ میں باہمی تنازعت

تھی اسی وجہ سے ہاجرہ اپنے ماموں کے گھر مقیم تھی ماموں اس کو خاوند کے سپرد کرنے سے (تا آنکہ وہ کافی اطمینان اسکے ساتھ حسن معاشرت کا نہ دلائے) مانع وحارج تھا عبد الرحمٰن ایک مرتبہ ہاجرہ کو لینے کیلئے ماموں کے گھر آیا اور اطمینان کیلئے یہ تحریر لکھدی الفاظ تحریر بعینہا یہ ہیں۔

میں کہ عبد الرحمٰن پسر حاجی عبد الکریم مرحوم قوم شیخ ساکن گڈھی پختہ ضلع مظفر نگر کا ہوں جو کہ میری زوجہ ہاجرہ خاتون اپنے حقیقی ماموں مسمی عبد الحکیم کے یہاں ہے میں اسکو اپنے یہاں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں کہ جس وقت اُسکے ماموں مسمی عبد الحکیم اسکے بلانے کا نوٹس مجھکو دینگے میں اندر میعاد ایک ماہ کے اپنی زوجہ کو اسکے ماموں کے مکان پر پہونچادونگا۔ اور انکار نہ کرونگا اور اگر اس صورت میں نہ بھیجوں اور بھیجنے سے انکار کروں تو اس انکار سے میری زوجہ کو طلاق بائن واقع ہو جائیگی۔

اس تحریر کے لکھنے پر ہاجرہ کا ماموں اُس کو عبد الرحمٰن کے ساتھ بھیجنے پر آمادہ ہو گیا مگر چونکہ زیور یہاں موجود نہ تھا بلکہ دہرہ دون کسی کے پاس رکھا ہوا تھا اسلئے زیور کے انتظار میں بتراضی طرفین اس وقت ہاجرہ کو نہیں بھیجا گیا اور خاوند بخوشی اس کو چھوڑ کر گڈھی چلا گیا چار پانچ روز کے بعد پھر آیا اس وقت بھی زیور دہرہ دون سے نہ آیا تھا۔ شوہر پھر زیور کی انتظار کیوجہ سے چھوڑ کر چلا گیا اس دفعہ ماموں کے دل میں کچھ شبہات پیدا ہو گئے پھر تیسری دفعہ شوہر آیا تو ماموں نے اس سے اپنے شبہات پیش کئے اُسپر عبد الرحمٰن نے مزید اطمینان کیلئے زبانی یہ الفاظ کہے: ”اگر میری طرف سے بدگمانی ہے کسی قسم کی مارپیٹ کروں تو زبانی الفاظ سے تم لوگوں کو اطمینان کر دیتا ہوں وہ یہ کہ اگر میں ماروں تو میری طرف سے جواب ہے۔ یہ جملے کہتے وقت فوراً ہی یہ کہا کہ میں نے ان الفاظ سے نیت طلاق کی نہیں کی“۔

ماموں نے ان الفاظ کو لکھوانا چاہا خاوند نے لکھنے سے انکار کیا اور اسپر تنازع بڑھ گیا اور عبد الرحمٰن نے کہا کہ بھیجو نہ بھیجو تم کو اختیار ہے میں لکھوں گا نہیں اور پھر یہ کہا کہ ”وہ میری تحریر، رفروری ۱۹۲۹ء کی جو تمنے لکھائی تھی وہ میں نے اسی روز کیلئے لکھی تھی آج سے وہ میری تحریر کالعدم ہو گئی کیونکہ اس روز میرے ساتھ نہیں بھیجا الخ“۔ اس کے بعد خاوند نے بلانے کا نوٹس دیا تو بعض مصالح کی بناپر یہ تجویز کیا گیا کہ لڑکی نوٹس کا جواب خود دے اور یہ لکھے کہ میں تیار ہوں تم آکر لیجاؤ چنانچہ خود آکر لیگیا۔ اور وہاں جاکر لڑکی پر تشدد کیا۔ مارپیٹ بھی ہوئی۔ ماموں نے بلانے کا نوٹس دیا تو بھیجا نہیں

پھر خود لینے کیلئے گیا اس وقت بھی نہیں بھیجا۔ اسپر ماموں نے یہ سمجھکر کہ ایک ماہ تک نہ بھیجنے کی وجہ سے طلاق پڑ گئی ہے۔ خفیہ لڑکی کو اُس کے گھر سے نکال کر ہمراہ لے آیا اب سوال یہ ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

جواب اول از دیوبند:

بحث وتفتیش کے بعد سوال میں یہ جزو قابل غور رہ گیا ہے کہ عبدالرحمٰن کی پہلی تحریر جسمیں انکار کو طلاق قرار دیا ہے وہ کس چیز پر معلق ہے آیا ماموں کی عدم ممانعت پر یا اپنے فعل یعنی لیجانے پر کیونکہ عبارت تحریر بغیر اسکے کہ بطور اقتضاء النص کے کوئی عبارت مقدر مانی جائے درست نہیں ہوسکتی اور تقدیر عبارت دو احتمال ہیں۔

(۱) اول یہ کہ میں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں کہ اگر اسکا ماموں بھیجنے میں حارج ومانع نہو تو پھر جب وہ بلائیگا میں بھیجنے سے انکار نہ کروں گا تو یہ انکار طلاق بائن ہوگا۔

(۲) دوسرے یہ کہ میں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں کہ اگر میں اس کو لے گیا تو جب ماموں بلائیگا تو بھیجنے سے انکار نہ کرونگا الخ

الغرض یہ تعلیق کسی فعل مقدر پر ہے یا ماموں کے فعل بھیجنے اور عدم ممانعت پر اور یا اپنے فعل یعنی لیجانے پر۔

پہلی صورت میں وقوع طلاق ظاہر ہے کیونکہ ماموں اسکے بھیجنے سے اسوقت حارج ومانع نہیں ہوا لہذا تحقق شرط کیوجہ سے یہ تحریری تعلیق منعقد رہی اور جب خاوند نے ماموں کے بلانے پر بھیجنے سے انکار کیا تو طلاق واقع ہوگئی۔

اور دوسری صورت میں عدم وقوع طلاق متعین ہے کیونکہ لیجانے کا تحقق اسوقت نہیں ہوا اب مدار بحث ان دونوں احتمالوں میں سے ایک کی تعیین پر ہے جسکے لئے کوئی حتمی چیز تو خیال میں نہیں آتی۔ البتہ قرائن احتمال اول کیلئے زیادہ معلوم ہوتے ہیں، واللہ اعلم۔

قرینہ اولی یہ ہے کہ گفتگو اور بحث ابتداء سے خاوند کے فعل یعنی لیجانے میں نہ تھی بلکہ ماموں کے فعل یعنی ارسال وعدم ممانعت میں کلام تھا

قرینہ ثانیہ تحریر لکھنے کا منشاء کوئی ابتداءً کی تعلیق نہ تھی کہ اپنے فعل پر

معلق کیا جاتا بلکہ ماموں کا اطمینان دلانا مقصود تھا اسکی عدم ممانعت کے صلہ میں یہ تعلیق بطور اطمینان دلانے کے کیگئی ہے۔

قرینہ ثالثہ خاوند نے اپنی آخری گفتگو میں خود یہ الفاظ کہے ہیں کہ:

وہ میری تحریر کالعدم ہوگئی کیونکہ اس روز میرے ساتھ نہیں بھیجا اس میں تصریح ہے کہ وہ اس تحریر کو اسلئے کالعدم کہتا ہے کہ بزعم خود ماموں نے نہیں بھیجا اپنے نہ لیجانے کو حجت میں پیش نہیں کرتا بلکہ ماموں کے نہ بھیجنے کو سبب سقوط تعلیق قرار دیتا ہے یہ قرائن احتمال اول کے موید ہیں جن سے وقوع طلاق مستفاد ہوتا ہے اور احتمال ثانی کا قرینہ صرف یہ ہے کہ اس نے اپنے الفاظ میں یہ کہا ہے۔ کہ میں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں جسمیں لیجانے کا تذکرہ ھے بھیجنے کا نہیں۔

پھر احتمال اول پر تو خواہ تعلیق کو یمین موید قرار دیا جائے یا موافقت بالمرۃ الاولی بہردو صورت طلاق واقع ہوگی کیونکہ عدم ممانعت اول مرتبہ متحقق ہوچکی۔ اور احتمال ثانی پر موبد ہونیکی صورت میں طلاق ہوگی کیونکہ بآخر لیجانا متحقق ہوگیا جو شرط تعلیق تھا ولو بعد حین - اور موقت بالمرۃ الاولی ہونیکی صورت میں طلاق نہ ہوگی کیونکہ مرۃ اولی میں لیجانا متحقق نہیں ہوا باقی درمیانی گفتگو جسمیں یہ لفظ کہے تھے کہ اگر میں ماروں تو میری طرف سے جواب ہے، یہ زائد سے زائد کنایہ طلاق ہوسکتا ہے مگر خاوند نیت طلاق کا انکار کرتا ہے اگر وہ اس پر حلف کرے تو ان لفظوں سے کوئی طلاق نہ پڑے گی اس لئے اس سے تعرض جواب میں نہیں کیا گیا، واللہ اعلم۔ بندہ محمد شفیع دیوبندی

جواب دوم از تھانہ بھون:

احقر کے فہم ناقص میں یہ آتا ہے کہ صورت مسؤلہ میں گو لفظاً یمین موبد ہے ولیکن عرفاً قرینۂ مقالیہ کے باعث یہ یمین مقید ہے اسی سلسلہ گفتگو میں لیجانے کیساتھ یعنی اگر میں اس سلسلہ میں لیگیا اور ماموں کے بلانے پر نہ بھیجا تو طلاق واقع ہوگی اور اگر اس سلسلہ میں نہ لیگیا تو اس صورت میں تعلیق نہیں ہے ونظیرہ ما فی الھدایہ وغیرہ من انہ اذا استحلف الوالی رجلا لیعلمنہ بکل داعر

عہ الاوطلاق ۱۲ منہ

دخل البلد فھذا علی حال و لایته خاصة اور اسیطرح زبانی تعلیق یعنی اگر ماروں تو جواب ہے وہ بھی مقید ہے اسی وقت[عہ] لیجانے کیساتھ لدلالۃ الحال علیه عرفاً اور اس وقت[سہ] لیجانا متحقق نہیں ہوا لہذا دوسرے موقع پر لیجانے سے خاوند کے ذمہ اس تعلیق کی پابندی ضروری نہ تھی اور عدم پابندی سے طلاق واقع نہ ہوگی خواہ اس نہ لیجانے کا باعث ماموں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو بہرحال نہ لیجانے سے یمین باطل ہوگئی اور نہ مفتی صاحب نے جو تحریر فرمایا ہے کہ نہ لیجانے پر آئندہ تعلیق نہیں بلکہ نہ بھیجنے پر ہے اور ماموں نے بھیجنے سے انکار نہیں کیا اسلئے تعلیق باقی رہی اور نہ بھیجنا اقتضاءً معلوم ہوتا ہے اسمیں احقر کو یہ اشکال[لہ] ہے کہ اقتضاءً کوئی دوسرا لفظ نکالا جاتا ہے جبکہ اس کے بدون کلام صحیح نہ ہو اور یہاں کلام بالکل صحیح ہے کیونکہ لیجانے پر تعلیق کرنا بالکل صحیح ہے پس کسی قرینہ پر دوسرا لفظ نکالنے کی حاجت نہیں خواہ قصہ کچھ ہی تھا مگر اس نے تعلیق کو مشروط کیا ہے لیجانے کیساتھ اور جو لفظ اس نے نہیں کہے وہ بلا ضرورت اسکے ذمہ نہ لگائے جاوینگے اور اخیر میں اس نے جو کہا کہ تم نے بھیجا نہیں اس سے وہ اپنے نہ لیجانے کی وجہ بیان کر رہا ہے اسمیں یہ اقرار نہیں ہے کہ تمہارے بھیجنے پر میں نے تعلیق کو معلق کیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ
خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔

جواب سوم از سہارنپور:

حامداً و مصلیاً۔ اولاً جواب لکھا جاتا ہے اسکے بعد دوسرے جوابات کے متعلق عرض کیا جائیگا تحریر طلاق نامہ کے موافق اگر عبدالرحمٰن نے نوٹس کے بعد ایک ماہ کے اندر اپنی زوجہ کو اس کے ماموں کے یہاں نہیں بھیجا اور انکار کر دیا تو اس کی زوجہ پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اور اگر ایک ماہ کے اندر اُس نے اُسکے بھیجنے سے انکار نہیں کیا بلکہ

عہ یعنی اسی سلسلہ میں ۱۲ منہ

سہ یعنی اس سلسلہ میں جانا نہیں ہوا بلکہ اس کو ماموں نے منقطع کر دیا اور بھیجنے سے صریح انکار کر دیا ۱۲ منہ

لہ اشکال سے قطع نظر کر کے اگر بھیجنے کو معلق علیہ کہا جاوے تب ہی اس پورے سلسلہ میں حارج نہ ہونا مشروط ہوگا اور جب اخیر میں حارج ہوگیا تو شرط فوت ہوگئی ۱۲ منہ

وہ خود نہیں آئی یا اسکو کوئی لینے نہیں گیا تو طلاق واقع نہیں کیونکہ زوج نے جو طلاق نامہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ "دو اپنی زوجہ کو اس کے ماموں کے مکان پر پہونچا دونگا اور انکار نہ کرونگا"، یہ محض وعدہ ہے جو تعلیق سے خارج ہے تعلیق اس کلام کے بعد ہے۔

اور جو الفاظ اس نے زبانی کہے ہیں کہ "دو اگر میں ماروں تو میری طرف سے جواب ہے"، یہ کنایات طلاق سے ہیں اسکے متعلق اس نے یہ بیان کیا کہ اس سے میری نیت طلاق کی نہیں تھی اسمیں محض اسکا قول معتبر نہیں ہاں اگر وہ حلیفہ بیان کرے کہ اس سے میری نیت طلاق کی نہیں تھی تو اسکا قول معتبر ہے والقول لہ بیمینہ فی عدم النیۃ ویکفی تحلیفھا لہ فی منزلہ فان ابی رفعتہ للحاکم فان نکل فرق بینھما در مختار شامی ج ۲ ص ۶۴۳

اور مولانا محمد شفیع صاحب نے جو معلق علیہ میں تشقیق فرمائی ہے احقر کے خیال ناقص میں اسکی ضرورت نہیں اور مفتی ثانی کی رائے اس کے متعلق درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ زوج خود اپنی تحریر میں لکھتا ہے کہ: اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں، لہذا اسکی تصریح کے ہوتے ہوئے احتمال آخر کی ضرورت نہیں باقی اس تعلیق کو یمین مقید قرار دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا اسوجہ سے کہ زوج کا اس وقت نہ لیجانا اور بعد میں تین بار آنا اور تیسری مرتبہ میں یہ الفاظ کہنے کہ "آج سے وہ میری تحریر کالعدم ہوگئی" یمین مقید ہونیکے[لہ] صریح مخالف ہے اور مفتی ثانی نے جس قرینہ مقالیہ کیوجہ سے اسکو مقید قرار دیا ہے وہ اتنا صریح نہیں نیز اسکی مفتی صاحب نے جواب میں تعیین ہی نہیں فرمائی اسلئے یمین مقید قرار دینا قطعاً صحیح معلوم نہیں ہوتا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ سعید احمد مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۳ر شوال ۵۰ھ

الجواب صحیح عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم ۱۰ر ذیقعدہ ۵۰ھ

احقر کے نزدیک یہ جواب اقرب (الی ظاہر الفاظ السوال) معلوم ہوتا ہے۔

بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ

خلاصۂ جوابات

(۱) جواب دیوبند کا یہ حاصل ہے کہ ایک طلاق بائن واقع ہوچکی ہے کیونکہ

[لہ] یہ تو جب ہوتا جبکہ متقید کہا جاتا اول روز کیساتھ اور سلسلہ گفتگو کیساتھ مقید کیا گیا اور گفتگو کا سلسلہ ہنوز چل رہا تھا تو دوبارہ سہ بارہ آنا خلاف کیسے ہوا ۱۲ عبدالکریم عفی عنہ

گفتگو بھیجنے پر ہو رہی تھی اسواسطے تقدیر کلام کی یوں ہوگی کہ اگر اسکا ماموں بھیجنے میں (اسوقت) حارج نہ ہو تو پھر جب وہ بلاویگا میں بھیجدونگا اور اگر ایک ماہ تک نہ بھیجوں تو طلاق بائن واقع ہوجاویگا اور ماموں اسوقت بھیجنے میں حارج ہوا نہیں بلکہ زیور کی وجہ سے بتراضی طرفین بھیجنے میں تاخیر ہوئی ہے۔

(۲) اور احقر کے خیال ناقص میں خط کشیدہ تقدیر کی ضرورت نہیں بلکہ صریح لفظ جو اس نے شروع کلام میں استعمال کئے ہیں وہی مقدر مانے جائیں گے تقدیر یوں ہوگی کہ اگر میں اسوقت لیگیا یعنی اس سلسلہ میں تو پھر جب اُسکا ماموں بلاویگا الخ اور اس وقت وہ لیکر نہیں گیا بلکہ ماموں نے انکار کردیا اور انکار سے وہ سلسلہ گفتگوئے صلح کا منقطع ہوگیا اسلئے دوسرے موقع پر لیجانے کے بعد ماموں کے بلانے سے بھیجدینا لازم نہ تھا لہذا اس نہ بھیجنے سے طلاق نہیں ہوئی۔

(۳) جواب سہارنپور کا حاصل یہ ہے کہ تقدیر تو وہی صحیح ہے جو ۲ میں لکھی ہے لیکن اس وقت کیساتھ لیجانے کی قید مسلم نہیں بلکہ جب کبھی بھی لے گیا ہو بہرحال خاوند کے ذمہ لازم تھا کہ ماموں کے بلانے پر ایک ماہ کے اندر بھیجدیتا چونکہ اس نے بھیجا نہیں اس واسطے طلاق واقع ہوگئی۔

اختلاف کا منشا یہ ہے کہ جواب ۲ میں تعلیق کیلئے دو شرطیں قرار دیگئی ہیں اوّل لیجانا دوسرے اسی وقت لیجانا مجیب اول کو اسی وقت کی قید تو تسلیم ہے مگر بجائے لیجانے کے بھیجنے میں حارج نہ ہونا قید لگاتے ہیں اور مجیب ثالث کو اسی وقت کی قید میں کلام ہے اور لیجانے کو تسلیم کرتے ہیں اور جواب ۲ میں جو ہر دو قید ملحوظ رکھی ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ خاوند کے یہ لفظ لکھے کہ میں اسکو اپنے ہاں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں الخ اس سے بوجہ صیغہ حال کے ونیز عرف کے اسی وقت یعنی اسی گفتگو کے دوران میں لیجانے کی شرط ظاہر ہے، فقط واللہ اعلم۔

یہ خلاصہ مع اصل اجوبہ حضرت مولانا مدظلہم العالی کی خدمت میں پیش کیا گیا حضرت والا نے ملاحظہ فرما کر مولوی حبیب احمد صاحب کو بھی بلایا اور احقر کو بھی اور بعد گفتگو کے یہ طے فرمایا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی یعنی جواب دوم کو صحیح فرمایا اور جواب دوم پر حاشیہ ۱ و ۲ مولوی حبیب احمد صاحب نے

وضاحت کیلئے اور حاشیہ سے حضرت والا نے تائید کے واسطے لکھوایا فقط والسلام

احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ

مورخہ ۲۳ ذیقعدہ سنہ ۵۰ھ

سسر نے داماد سے اس تحریر پر کہ تو میرے حکم اور مرضی کے بغیر گھر سے نکلیگا الخ الیٰ قولہ تو میری لڑکی کو تین طلاقیں ہو جائیگی الخ دستخط کرائے پھر شوہر اسکے مظالم سے تنگ آکر بغیر اجازت کے نکل گیا تو اسکی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس ذیل کے مسئلہ میں کہ ساؤتھ افریقہ میں ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اسکی رضا اور خوشی سے اور پھر عورت کے ساتھ عورت کے باپ کے گھر رہنے لگا اور بعد چند مدت کے عورت کے باپ کے ساتھ جھگڑا ہوا اور گھر سے نکل کر کوئی دوسری جگہ پر اکیلا رہنے لگا اور بعد چند مدت کے وہ مرد پھر عورت کے باپ کے گھر رہنے کیلئے آیا تب اُس عورت کے باپ نے اس قسم سے ایک کاغذ لکھکر اسپر اس مرد کے دستخط کروائے کہ اگر ایکے تو میرے حکم اور مرضی کے بغیر میرے گھر سے نکلیگا اور میرے حکم اور مرضی کے بغیر کوئی کام کریگا یا کسی جگہ پر نوکری کریگا تو مری لڑکی کو تین طلاقیں ہو جائینگی اور اب اس مرد پر عورت کے باپ نے بہت ظلم کیا اور تکلیف دی تو وہ مرد بدون عورت کے باپ کے حکم اور مرضی کے گھر سے نکل کر دوسری جگہ پر اکیلا رہنے لگا اور نوکری کرنے لگا تو اب ایسی صورت میں عورت اس مرد کے نکاح میں رہ سکتی ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو اسکی کیا دلیل ہے اور اگر رہ سکتی ہو تو اب کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں اُس عورت پر تین طلاق واقع ہو چکیں خسر نے اس شخص پر جو ظلم کیا ہے اس کا گناہ خسر کے ذمہ رہیگا مگر اس ظلم کیوجہ سے جانیکا حکم طلاق کے بارے میں وہی رہیگا جو بلا ظلم جانے سے ہوتا کما ھو مصرح فی کتب الفقہ و نقل فی الفتاوی الھندیہ عن الخلاصۃ وقوع الطلاق وفی آخرہ لان الاتیان مکرھًا او ناسیًا او عامدًا سواء فی تحقق الحنث فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

مورخہ ۳۰ ربیع الاول ۵۱ھ

(**سوال**) مخدوم ومحترم دامت برکاتکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
التماس ہے کہ ان دنوں ہمارے اطراف
میں ایک مسئلہ میں علماؤں کا اختلاف ہو رہا ہے
واقعہ ہے کہ ملک بنگال میں گورنمنٹ کی طرف سے
قاعدہ مقرر ہے کہ نکاح وطلاق دونوں کی رجسٹری

نکاح سے قبل کابین نامہ میں لکھدیا کہ ہمارے تمہارے
درمیان نکاح قائم رہتے ہوئے اگر ہم بلا اجازت
تمہاری دوسری عورت کے ساتھ نکاح کریں تو
اسکو طلاق ہے الخ پھر شوہر بلا اجازت زوجۂ اولیٰ
کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرلے تو زوجۂ پر
طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔

ہوتی ہے یعنی زوج اپنی زوجہ کو ایک کابین نامہ لکھ کر دیتا ہے اسی کی رجسٹری ہوتی ہے اور اُسمیں یعنی کابین نامہ میں بہت سی شرطیں ہوتی ہیں جسکے آخر میں وہ لکھتا ہے کہ اگر میں ان تمام شرطوں میں سے کسی ایک شرط کے بھی خلاف کروں تو میری زوجہ کو اختیار رہے کہ وہ اپنے نفس کو طلاق دیکر آزاد ہو جائے مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا، فی الحال ایک نکاح ہوا ہے اور محفل عقد میں قبل نکاح ہونیکے زوج نے اولیائے مخطوبہ سے زبانی اقرار کیا اور کابین نامہ بھی لکھ کر دیا اُس میں منجملہ تمام شرائطوں کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ہمارے تمہارے درمیان نکاح قائم رہتے ہوئے اگر ہم بلا اجازت تمہاری دوسری عورت کیساتھ نکاح کریں تو اس کو طلاق ہے۔ بعد اس اقرار کے عقد پڑھایا گیا۔ نکاح ہونے کے کچھ دن بعد اُس نے ایک دوسری عورت سے نکاح کیا اور زوجہ اولیٰ سے اجازت بھی نہ لیا۔ اب علماء میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ بعض زوجہ ثانیہ کے مطلقہ ہونے کے قائل ہیں اور بعض نہیں۔ احقر نے بھی اپنی استعداد کے موافق تحقیق کی مگر تشفی نہیں ہوئی بلکہ اور بھی الجھن بڑھ گئی۔ لہذا رفع شک کیلئے مکلف ہے امید کہ اس تصدیقہ معاف فرماوینگے اور جواب شافی عنایت فرماویں گے

فتاوی عالمگیری میں لکھتے ہیں۔ رجل قال لاجنبیۃ ما دمت فی نکاحی فکل امراۃ اتزوجها فهی طالق ثم تزوجها فتزوج علیها امراۃ لایقع۔ اس سے معلوم ہوا کہ وقت تعلیق معلق بہ کا موجود ہونا شرط ہے اور یہاں پر نکاح معلق بہ ہے وہ وقت تعلیق موجود نہیں لہذا زوجہ ثانیہ مطلقہ نہیں ہوگی، اور قاضی خان میں ایک جگہ یہ دیکھا رجل قال ان تزوجت امراۃ من بنات فلان فهی طالق ولیس بفلان وقت الیمین بنت ثم جاءت لہ بنت فتزوجها الحالف قالوا لا یحنث فی یمینہ ویشترط قیام البنت وقت الیمین ولایدخل

فی الیمین ما یحدث بعد الیمین۔ اسکے بعد نظیر میں ایک مسئلہ اور بھی لائے ہیں اُسکے بعد لکھتے ہیں۔ الاان ھذا الجواب یوافق قول محمدؒ۔ اما فی قیاس قول ابی حنیفہؒ وابی یوسفؒ یدخل فی ھذہ الیمین ما کانت موجودۃ وقت الیمین وما یحدث بعدہ کما لو حلف ان لا یکلم ابن فلان ولیس بفلان ابن ثم ولد لہ ابن وکلمہ الحالف یحنث فی قول ابی حنیفہ وابی یوسف رحمھم اللہ ولا یحنث فی قول محمدؒ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد صاحبؒ کے نزدیک وقت تعلیق معلق بہ کا ہونا ضروری ہے اور شیخین کے نزدیک ضروری نہیں، اب مسئلہ مستفسرہ میں امام محمدؒ کے قول سے تو زوجہ ثانیہ مطلقہ نہ ہوگی کیونکہ قبل نکاح یہ سب شرطیں ہوئی نہیں اور شیخین کے قول کیطرف نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زوجہ ثانیہ مطلقہ ہوجائیگی اگرچہ وقت تعلیق نکاح نہیں ہوا تھا مگر نکاح ثانی کیوقت زوجہ اولی اسکے نکاح میں موجود ہے لہذا تعلیق صحیح ہوگی اور زوجہ ثانیہ مطلقہ ہوگی۔

قاضی خان فصل فی رسم المفتی میں لکھتے ہیں۔ وان کانت مختلفا فیھا بین اصحابنا فان کان مع ابی حنیفۃ رحمھم اللہ احد صاحبیہ یاخذ بقولھما لوفور الشرائط واستجماع ادلۃ الصواب فیھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخین کے قول کو اس جگہ ترجیح ہوگی۔ اور زوجہ ثانیہ مطلقہ ہوجائیگی۔ لیکن عالمگیری سے جو جزئیہ نقل کیا وہ اس قدر صاف ہے کہ دوسری بات قبول کرنے میں الجھن پیدا ہوتی ہے۔ اسلئے آپکی طرف رجوع کیا تاکہ سیدھا راستہ دکھلادیں واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ المکلف خادم العلماء فدوی ابوسعید محمد عبدالشہید ھاتیوی لوا کھالوی۔

الجواب: مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپنے عالمگیریہ کے جزئیہ میں غور نہیں فرمایا۔ عالمگیریہ میں عبارت مذکورہ کے بعد یہ بھی لکھا ہے۔ ولو قال ان تزوجتک فما دمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجھا علیھا والمسئلۃ بحالھا یقع کذا فی الوجیز للکردی (صفحہ ۱) اس سے معلوم ہوا کہ صورت اولی میں عدم وقوع طلاق کا سبب یہ ہے کہ اجنبیہ کے بقاء نکاح کو امرأۃ متزوج علیھا کی طلاق کا مدار بنایا گیا ہے اور جب اس سے نکاح نہیں ہوا نہ اسکے نکاح پر دوسری

عورت کے تزوج کو مرتب کیا گیا تو کلام لغو ہو گیا اور یہ بالکل ایسا ہے جیسا کوئی کسی عورت کو راستہ میں دیکھ کر یہ کہدے کہ اگر میں اس عورت کے اوپر کوئی اور نکاح کروں تو ثانیہ کو طلاق۔ یقیناً یہ کلام بالاتفاق لغو ہے کیونکہ وہ اجنبیہ نہ اسکے نکاح میں ہے نہ اُسکے نکاح پر دوسرے نکاح کو مرتب کیا گیا۔ اور صورت ثانیہ میں وقوع طلاق کا سبب یہ ہے کہ گو وہاں بھی عورت اولی ہنوز اُسکے نکاح میں نہیں مگر اسکے نکاح پر دوسرے کے نکاح کا ترتب ظاہر کر کے ثانیہ کی طلاق کو معلق کیا گیا ہے یہ تعلیق صحیح ہے کیونکہ اس صورت میں ثانیہ کو اولی کے لحاظ سے متزوج علیہا کہنا ہی صحیح نہیں:

خلاصہ یہ کہ ثانیہ کو اس شرط سے طلاق دیگئی ہے کہ وہ متزوج علی الاولی ہو اور متزوج علی الاولی ہونا اسپر موقوف ہے کہ یا اولی نکاح میں ہو یا اولی کے نکاح پر ثانیہ کے نکاح کو مرتب کیا گیا ہو کیونکہ بغیر اسکے ثانیہ متزوج علی الاولی نہو گی پس عالمگیریہ کے جزئیہ سابقہ میں عدم وقوع طلاق کا سبب کلام کا لغو ہونا ہے اور امام صاحبؒ اور محمدؒ میں جو اختلاف ہے وہ اس صورت میں ہے جبکہ کلام کے معنی صحیح ہوں کہ اجنبیہ کی طلاق کو خود اُسکے نکاح پر معلق کیا گیا ہو اس صورت میں یہ گفتگو ہے کہ اُس اجنبیہ کا وقت تعلیق کے موجود ہونا ضروری ہے یا نہیں اور صورت سوال میں اجنبیہ کے نکاح پر اُسکی طلاق کو معلق نہیں کیا بلکہ ثانیہ کی طلاق کو اس بات پر معلق کیا گیا ہے کہ وہ اولی کے اعتبار سے متزوج علیہا ہو اور جب اولی خود منکوحہ نہیں نہ کلام میں اُسکے نکاح پر ثانیہ کا نکاح مرتب ہے تو ثانیہ کو متزوج علی الاولی کہنا غلط ہے، فافہم واللہ تعالی اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۹ر شوال ۴۸ھ

طلاق معلق سے بچنے کا حیلہ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے غصہ میں اپنی منکوحہ سے یہ کہا کہ اگر تو اپنے باپ کے گھر جاوےگی تو تجھے تین طلاق ہیں اور ابتک وہ اپنے باپ کے گھر نہیں گئی۔ اب دریافت کرنا ہے کہ کوئی صورت ایسی بھی ہے کہ وہ اپنے باپ کے گھر چلی بھی جایا کرے اور طلاق نہ پڑے؟ فقط والسلام

احمد حاجی موسیٰ ڈابھیلی

الجواب: صورت مسئولہ میں حیلہ یہ ہے کہ شوہر اپنی اس بیوی کو ایک طلاق

بائن دیدے اور عدت طلاق گذر جانے پر عورت اپنے باپ کے گھر چلی جاوے تو اس جانے سے طلاق واقع نہ ہوگا کیونکہ وہ اسوقت نکاح میں نہیں ہے اور اس جانے سے طلاق معلق کی تعلیق ختم ہوجائے گی کیونکہ کوئی لفظ تعلیق میں تکرار فعل پر دال نہیں نہ استمرار زمان پر اسکے بعد شوہر اس عورت سے نکاح کی تجدید کرے اب نکاح میں آنے کے بعد بھی وہ اپنے باپ کے یہاں آمد ورفت کر سکے گی لانحلال الشرط قال فی الھندیۃ اذا حلف بثلث تطلیقات ان لا یکلم فلانا فالسبیل ان یطلقھا واحدۃ بائنۃ ویدعھا حتی تنقضی عدتھا ثم یکلم فلانا ثم یتزوجھا کذا فی السراجیہ (ص۲۶۳ ج۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔

۱۰ ذیقعدہ ۴۹ھ تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔

حکم تعلیق طلاق زوجۂ ثانیہ بحیات زوجۂ اول۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین صورت مسئولہ مندرجہ ذیل کے بارے میں کہ عمرو ملکی رواج کے مطابق برات لیکر زید کے پاس گیا تو زید نے کہا کہ بغیر تحریر سند طلاق اضافی کے عمرو کو نکاح دختر نہیں دونگا لھذا بعد چند قیل و قال کے عمرو نے ایک کاتب کو سند تحریر کرنیکی اجازت دی جو صرف بحرف ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

من کہ علی افسر شاہ ولد عبداللہ شاہ قوم سید شہیدی ساکن نڑان تحصیل مظفر آباد کا ہوں۔ چونکہ اس وقت ساتھ قائم عقل و حواس خمسہ یہ سند بیوی جان دختر بیولا شاہ ساکن موضع بھیکڑی والا کی زیر نکاح خود لاکر تحریر کر دیتا ہوں کہ اگر درحین حیات عورتِ مذکورہ کوئی دیگر عورت نکاح کر دوں تو تین طلاق سے طلاق ہوگی وہ عورت ثانیہ سند مذکورۃ الصدر میں زید اور عمرو کا تخالف بایں طور ہے کہ زید کا دعویٰ ہے کہ بیوی جان کی تمام زندگی میں علی افسر شاہ دوسری عورت سے نکاح نہیں کر سکتا اگرچہ بیوی جان کو طلاق ہی دیدے۔ کیونکہ الفاظ محررہ صریح ہیں۔ اور زید در مختار کی اس عبارت کو بھی بطور استدلال پیش کرتا ہے: لان الایمان مبنیۃ علی الالفاظ لا علی الاغراض، درمختار۔ وفی رد المحتار علی ھذا: لو قال لامرأتہ کل امراۃ اتزوجھا بغیر اذنک فھی طالق، فطلق امرأتہ طلاقاً بائناً او ثلاثاً ثم تزوج بغیر اذنھا طلقت لانہ لم یتقید یمینہ ببقاء نکاح الخ "، اور عمرو کا دعویٰ ہے کہ اگر بیوی جان کو علی افسر شاہ طلاق دیکر دوسری عورت سے نکاح کر لے تو جائز ہے عمرو کی حجت دو مفتی صاحبان کا فتوی ہے ایک مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ سند میں جو عورتم کا لفظ ہے یہ لفظ بقاء نکاح کا فائدہ دیتا ہے اور یہ جو لفظ ہے کہ تین طلاق ہوگی یہ اس کا کہنا ایسا ہے جیسے " طلقت امرأتی من ثلاث تطلیقات "، اور من تبعیضیہ ہے حین حیات والی ترکیب یہ ترکیب اضافی ہے ترکیب اضافی چنداں مفید نہیں ہوا کرتی ——— دوسرے مفتی صاحب " حین حیات " کے لفظ پر صاحب ھدایہ وغیرہ کتب فقہ کی تقریر جو لفظ حین پر ہے وہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لفظ " حین " کی صورت میں یہ حلف چھ ماہ میں ختم ہو جائیگا والا جو نیت کریگا، اور در مختار کے ان جزئیات کو بھی بطور استشہاد پیش کرتے ہیں جیسے " لیعلمنہ بکل داعٍ " میں حالف کے حلف مستحلف کی ولایت کے ساتھ مقید ہے اسطرح علی افسر شاہ

کی یہ حلف بھی بیوی جان کے نکاح کے ساتھ مقید ہے جس طرح حلف کفیل کے اس شہر سے بدون اذن مکفول لہ کے نہ نکلونگا بقائے دین وکفالہ کے ساتھ مقید ہے اسیطرح علی افسر شاہ کے بھی۔ بنکاح بیوی جان مقید ہے، اور مدار یمین کا عرف پر ہوتا ہے جیسے درمختار میں ہے جلد ۲ ص ۱۹۱: ومدار الیمین علی العرف ۔ بینوا و توجروا۔

الجواب: جس شخص نے حین حیات میں لفظ "حین" کو چھ ماہ پر محمول کیا ہے اس نے بالکل غلط کہا، کیونکہ لفظ "حین" کا چھ ماہ کیلئے ہونا لغت عربیہ کے ساتھ مختص ہے اور وہ بھی اس وقت جبکہ لفظ "حین" مطلق ہو جیسے یوں کہے۔ "واللہ افعل کذا الی حین" اور جبکہ مضاف ہو تو اس صورت میں کوئی اس کا قائل نہیں کہ لفظ "حین" چھ ماہ کیلئے ہے جیسے لا اکلمک حین شبابک مثلاً۔ اور لغت فارسیہ وغیرہ میں اس لفظ کا چھ ماہ کیلئے ہونا مسلم نہیں، اور جس شخص نے لفظ "حین حیات" کی وجہ سے مطلقاً وقوع طلاق علی الزوجۃ الثانیۃ کا فتویٰ دیا ہے اس کا قول قضاءً صحیح ہے کیونکہ ظاہر اس لفظ سے یہی ہے وقوع طلاق علی الثانیہ بیوی جان کی حیات پر معلق ہے نہ کہ بقاء زوجیت پر۔

البتہ اگر علی افسر شاہ اس امر کا دعویٰ کرے کہ میں نے "حین حیات" سے تا وقت حین حیات او در نکاح من کی نیت کی تھی تو وہ حلف واثق کے ساتھ اس نیت کو بیان کرے تو جواب میں دوبارہ غور کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۸ جمادی الاول ۴۸ھ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شخصے مسمّی عبد الرحمٰن بحضور مجلس ثبوت عقل بلا جبر و اکراہ اپنی بیوی سے خانگی معاملات میں ناراض ہو کر بلکہ بیوی کے اصرار سے	شوہر نے کہا واپسی زیور کی شرط پر طلاق دوں گا بیوی اسپر رضامند ہو گئی تو شوہر نے محرر سے دو طلاق لکھوائے اگر بیوی زیورات شوہر کے حوالہ نہ کرے تو طلاق واقع ہو گی یا نہیں

مرد نے محرر کو کہا: دو طلاق دونگا بشرطیکہ زیورات مجھے دینے پر رضامند ہو، تو بیوی نے کہا کہ میں زیورات سب دیدونگی یعنی بیوی زیورات دینے پر راضی ہو گئی یعنی قبول کیا تو شخص مذکور نے محرر کو کہا: "دو طلاق لکھو"، تو محرر نے اسکی اجازت سے دو طلاق لکھدی،

اب اس کے بعد عورت نے زیورات مرد کے حوالہ نہ کیے پس صورت مسئولہ میں شرعاً طلاق واقع ہوگی یا نہیں ؟

اب عرض یہ ہے کہ صورت مسئولہ عنہا میں اس دیار کے علماء کا اختلاف ہے: بعض کا یہ قول ہے کہ طلاق نہ ہوگی، چونکہ یہ تعلیق بالشرط ہے اور شرط معدوم ہے اسلئے مشروط بھی معدوم "اذا فات الشرط الخ" یعنی شرط حوالہ زیور کو قرار دیتے ہیں، اور یہ بھی قول ہے کہ لکھوانے سے طلاق واقع نہ ہوگی، دلیل یہ پیش کرتے ہیں "لو اکره علی ان یکتب طلاق امرأته فکتب لا تطلق لان الکتابة اقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة و لا حاجة هنا ــــــ اور دوسری جماعت علماء کا یہ خیال ہے کہ لکھوانے سے بھی طلاق واقع ہوتی ہے۔ "کما قال الشامی :- ولو قال للکاتب: "اکتب طلاق امرأتی" کان اقراراً بالطلاق و ان لم یکتب"، اور دوسری وجہ وقوع طلاق کی یہ ہے کہ مرد کا قول "دو طلاق لکھو" اگر زیور دینے پر رضامند ہو اسمیں صرف قبول مرأة پر طلاق واقع ہوگی کیونکہ شرط پائی گئی. مشروط بھی مرتب ہونا چاہیے کیونکہ عورت رضامند ہوگئی تھی اگرچہ حوالہ نہ کیا ہو. "کما فی البحر نقلا عن الخانیة:- و لو قال لامرأته "انت طالق علی ان تعطینی الف درهم" فقالت: "قبلت" تطلق للحال و ان لم تعط الفاً. وکذا فی الشامی: اذا قال لها: علی ان تعطینی کذا فهی تعلیق علی فعل مستقبل صالح للمعاوضة فیشترط قبولها الیلزمها المال فصار کانه علقه علی القبول، اذ به یحصل غرضه من الطلاق بعوض و تطلق بالقبول و ان لم تعطه فی الحال" ــــــ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبول مرأة کو شرط قرار دیا ہے چونکہ شرط قبول مرأة پائی گئی اسلئے جزاء یعنی وقوع طلاق بھی مرتب ہوگا اور حوالہ زیور شرط نہیں۔ کما یظهر من عبارة المرقومة۔

اب جناب عالی کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ کون سے فریق حق پر ہے دو قلم تحریر فرمادیں، اگر عدم وقوع والا حق پر ہے تو ان دلائل کا کیا جواب ہوگا جو فریق ثانی نے وقوع طلاق پر پیش کیا؟ فقط والسلام

سائل عبد الکریم از سندی پرانگ اسکول۔
علاقہ بہو تھید نگ ضلع اکیاب۔

تنقیح :۔ وہ تحریر بجنسہ یا اسکی نقل بھیجی جائے جو محرر نے شوہر کے حکم سے لکھی ہے اس کے بعد حکم بتلایا جائیگا۔ یہ تحریر بھی واپس کی جائے فقط۔

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۲۷ ربیع الاول ۴۸ھ۔

جواب تنقیح :۔ حسب تحریر جنابعالی نقل طلاق نامہ روانہ خدمت ہے جو حسب ذیل ہے :۔

نقل طلاق نامہ :۔ باعث تحریر یہ ہے کہ میں عبد الرحمن بن فلاں باشندہ مقام فلاں اقرار کرتا ہوں چونکہ میری بیوی ہندہ اپنے زیور وغیرہ مجھے دیدینے پر رضامند ہوگئی ہے اسلئے میں دو طلاق دیکر طلاق نامہ کا کاغذ دے رہا ہوں تاکہ عند العدالت مجھے دعویٰ کا حق نہ رہے۔

دستخط عبد الرحمن طالق

اب حضور والا سے درخواست ہے کہ تحریر فرمادیں کہ قائل بالوتوع کا قول صحیح ہے یا قائل عدم وتوع کا۔ والسلام۔

الجواب :۔ صورت مسئولہ میں عورت پر دو طلاق واقع ہوگئی ہیں۔ بالدلائل التی ذکرھا السائل واما قول من قال: ان الطلاق لم یقع بدلیل ما فی الشامیۃ وغیرہ "ولو اکرہ علی کتابۃ الطلاق الخ" فقد سہا سہواً بیناً، فان الجزئیۃ المذکورۃ انما ھی فی الاکراہ ولا اکراہ ھنا۔ واما قولہ: ان الطلاق معلق فغلط ایضاً لفقدان حرف الشرط فی قولہ "دو طلاق لکھو" وفی طلاق نامۃ التی امر بکتابتہا وانما کان الشرط قبل ذلک ولا عبرۃ بہ حیث لم یقید ایقاعہ بہ فافھم، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۸ جمادی الاول ۴۸ھ

فصل

فی طلاق المریض و الصبی و السکران و المجنون

"اللوح المنقوش فی حکم طلاق المدھوش"
یعنی مدہوش کی طلاق کا حکم

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ (۱) زید نے اپنی منکوحہ کو غصہ کی حالت میں یہ کہا کہ میں نے تجھکو تین طلاق دی، تو مجھ سے پردہ کرے، اس صورت میں تین طلاق پڑیں گی یا ایک؟ ہندوستان میں فرقہ غیر مقلدین کے نزدیک ان لفظوں سے صرف ایک طلاق ہوتی ہے آیا اس قول پر فتوٰی دینا یا ضرورت کے وقت اس پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے بعد میں یہ دعوٰی کیا کہ میں نے غصہ میں مغلوب العقل ہو کر طلاق دی تھی۔ مغلوب العقل جس کی طلاق شرعاً واقع نہیں ہوتی کسے کہتے ہیں اور طلاق دیکر کوئی شخص مغلوب العقل ہونیکا دعوٰی کرنے لگے تو اس دعوٰی کے قبول ہونیکی کیا شرائط ہیں؟

(۳) ایسی صورت میں عورت مطلقہ کیلئے شرعاً کیا حکم ہے؟ آیا اسکو شوہر کے اس دعوٰی کا قبول کرنا اور اس کے نکاح میں رہنا جائز ہوگا یا نہیں؟ **بینوا وفقکم اللہ للامر الصواب ولکم عند اللہ جزیل ثواب۔**

الجواب:- (۱) صورت مذکورہ میں آئمہ اربعہ وجماہیر سلف وخلف کے نزدیک تین طلاق واقع ہوگئیں اور منکوحہ زید اسپر حرام ہوگئی، اب بدون تحلیل کے ہرگز اس کیلئے جائز نہیں ہوسکتی۔ اور ان لفظوں سے ایک طلاق واقع ہونیکا فتوٰی بجز گمراہ شخص کے کوئی نہیں دے سکتا فقہاء حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ اگر قاضی اسلام تین طلاق کے ایک ہونیکا فیصلہ کردے تو اسکی قضاءً باطل ہے حالانکہ مسائل مجتہد فیہا میں قضاء قاضی سے ایک جانب راجح ہو جاتی ہے مگر اس صورت میں خود قضاء باطل ہوجاتی ہے کیونکہ اس مسئلہ میں جن لوگوں نے جمہور اُمت کا خلاف کیا ہے فقہاء نے انکے خلاف کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ بوجہ اجماع منعقد ہوجانے کے اس مسئلہ میں اجتہاد

کی گنجائش نہیں رہی۔

قال فی عدۃ ارباب الفتویٰ (ص ۲۳) لاینزل قولہ لہا انت طالق ثلاثاً طلقۃ واحدۃ ولا یفتی بذالک إلّا من اضل اللہ تعالیٰ والواقع ثلاث طلقات وقد بانت بیونۃ کبریٰ لاتحل لہ الا بعد زوج آخر اھ

وفی رد المختار:۔ (ص ۶۸۸ ج ۲) وذھب جمھور الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من آئمۃ المسلمین الی انہ یقع ثلاث (الی قولہ) وقد ثبت النقل عن اکثرھم صریحاً بایقاع الثلاث ولم یظھر لھم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال، وعن ھذا قلنا: لو حکم حاکم بانہا واحدۃ لم ینفذ حکمہ، لانہ لایسوغ الاجتہاد فیہ فھو خلاف لا اختلاف اھ

وقال الامام النووی فی شرح مسلم (ص ۴۷۸-ج ۱) قد اختلف العلماء فیمن قال لامرأتہ "انت طالق ثلاثاً" فقال الشافعی ومالک وابو حنیفۃ واحمد وجماھیر العلماء من السلف والخلف: یقع الثلاث اھ

اور جس حدیث سے غیر مقلدین نے وقوع طلاق واحدۃ پر استدلال کیا ہے اسکو محقق ابن ھمام نے منسوخ بتلایا ہے اور امام نووی نے بعض کا ضعیف ہونا اور بعض کا مؤول ہونا ثابت کیا ہے لھذا غیر مقلدین کے فتویٰ پر اس صورت میں عمل کرنا ہرگز درست نہیں اور جو ایسا فتویٰ دے وہ تصریحات علماء حنفیہ کے موافق سراسر گمراہ ہے، فماذا بعد الحق الّا الضلال۔

(۲) مغلوب العقل جسکی طلاق واقع نہیں ہوتی وہ ہے کہ جسکی عقل غصہ یا خوف وغیرہ کی وجہ سے جاتی رہی ہو۔ اور اس سے باتیں بہکی بہکی صادر ہونے لگیں اور مجنونوں جیسے افعال ظاہر ہونے لگیں جیسا کہ بعض لوگ غصہ میں برتن توڑنے پھوڑنے اور دیوار وغیرہ میں سر مارنے لگتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جو شخص غصہ وغیرہ میں ایسا حواس باختہ ہو جائے کہ اس پر جنون کے آثار پائے جانے لگیں وہ شرعاً مدہوش ہے اور ایسے مغلوب العقل کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

قال فی الفتاویٰ الکاملیۃ: (ص ۲۸) سئلت عن المدھوش ھل یعتبر طلاقہ فاجبت، بان المحقق الرملی رفع الیہ سوال عن المدھوش ھذا

لفظہ سئل فی طلاق المدھوش ھل ھو واقع ام لا وما تعیین المدھوش وھل القول قولہ فی الدھش؟ فاجاب عنہ بقولہ صرح فی التتارخانیۃ نقلاً عن شرح الطحاوی بعدم وقوع طلاق المدھوش وکذا المحقق ابن الھمام فی فتحہ وکذا الک المرحوم العلامۃ الغزی فی متنہ تنویر الابصار: واعلم انھم اجمعوا علی ان غیر العاقل لایقع طلاقہ الا اذا کان زوال عقلہ بسبب السکر مما ھو معصیۃ فانہ یقع طلاقہ زجراً لہ عندنا فدخل فی غیر العاقل کل من زال عقلہ بجنونٍ او عتہٍ اوبرسام او اغماء او دھش، والجنون داء معروف (الی ان قال) والدھش ذھاب العقل من ذھل او ولہ (الی ان قال) والمدھوش ھنا الذاھب العقل بسبب احدھما فاذا علمت ذالک علمت التسویۃ فی الحکم بین طلاق المجنون وبین طلاق من ذکر والمجنون اذا عرف انہ جنّ مرۃ فطلق وقال عاودنی الجنون فتکلمت بذالک وانا مجنون ان القول قولہ بیمینہ وان لم یعرف بالجنون مرۃ لم یقبل قولہ کما فی الخانیۃ و التاتارخانیۃ وغیرھما فظھر لک من ھذا: ان المدھوش ان عرف منہ الدھش مرۃً فالقول قولہ بیمینہ وان لم یعرف لم یقبل قولہ قضاءً الا ببینۃ اذ الثابت بالبینۃ کالثابت عیاناً اما دیانۃً فیقبل لانہ اخبر بنفسہ اھ قلت[ع] : ولایفتی فی ذالک بالدیانۃ لما ثبت ان المرأۃ فی احکام الطلاق کالقاضی لایجوز لھا ان تصدق الزوج فیما یخالف الظاھر ولایحل لھا ان تمکنہ من نفسھا اذا علمت منہ ذالک کما سیأتی۔

اس عبارت سے مغلوب العقل میں، زوال عقل وذہاب عقل کا شرط ہونا اور اس کا

ع قال فی عدۃ ارباب الفتوٰی (ص ۲۸ ج ۱) وما لا یصدق فیہ المرأ عند القاضی لایفتی فیہ کما لا یقضی فیہ وقال فی شرح نظم النقایہ وکما لا یدینہ القاضی کذالک اذا سمعتہ منہ المرأہ اوشھد بہ عندھا عدول لا یسعھا ان تدینہ لانھا کالقاضی لا تعرف منہ الا الظاھر انتھٰی ۱۲ منہ -

مجنون کے مشابہ ہونا صاف مصرح ہے۔

وقال فی رد المحتار: (ص ۷۰۰ ج ۲) وللحافظ ابن القیم الحنبلی رسالۃ فی طلاق الغضبان قال فیہا: انہ علی ثلاثۃ اقسام احدھا ان یحصل لہ مبادی الغضب بحیث لا یتغیر عقلہ ویعلم ما یقول ویقصدہ وھذا لا اشکال فیہ۔ الثانی: ان یبلغ النہایۃ فلا یعلم ما یقول ولا یریدہ فھذا لاریب انہ لا ینفذ شیئ من اقوالہ۔ الثالث: من توسط بین المرتبتین بحیث لم یصر کالمجنون فھذا محل النظر والادلۃ تدل علی عدم نفوذ اقوالہ اھ ملخصاً من شرح الغایۃ الحنبلیۃ لکن اشار فی الغایۃ الی مخالفتہ فی الثالث حیث قال ویقع طلاق من غضب خلافاً لابن القیم اھ وھذا الموافق لما عندنا کما مر فی المدھوش اھ

اس میں تصریح ہے کہ غصہ کے تین درجے ہیں:

ایک یہ کہ: غصہ کے ابتدائی آثار پیدا ہوں اور اسکی عقل متغیر نہ ہو اور جو بات وہ کہتا ہے اسکو جانتا ہے اور ارادہ سے کہتا ہے اسکی طلاق بلاشبہ واقع ہے۔

دوسرے یہ کہ: غصہ انتہا کو پہنچ جائے حتیٰ کہ اسکو یہ بھی خبر نہ رہے کہ اسکی زبان سے کیا نکل رہا ہے اور قصد وارادہ بھی باقی نہ رہے (اور مجنون کی طرح ہو جائے) اسکی طلاق بلاشبہ واقع نہیں ہوتی۔

تیسرے یہ کہ: اسکی حالت ان دونوں درجوں کے بین بین ہو کہ مجنون کی طرح نہ ہوا ہو حنفیہ کے نزدیک اسکی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے، وبہ قالت الحنابلۃ ولم یعتبروا بقول ابن القیم فی ذالک، اس کے بعد علامہ شامیؒ نے اپنی ایک رائے ظاہر کی ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ مغلوب العقل کی طلاق واقع نہ ہونے میں یہ شرط میرے نزدیک ضروری نہیں کہ اسکو اپنی بات کی خبر نہ رہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور نہ یہ ضروری ہے کہ ارادہ وقصد بھی باقی نہ رہے بلکہ صرف اتنا کافی ہے کہ اس سے غصہ میں بہکی بہکی باتیں صادر ہونے لگیں اور بے ڈھنگا پن افعال میں ظاہر ہو۔

ونصہ والذی یظھر لی ان کلا من المدھوش والغضبان لا یلزم فیہ ان یکون بحیث لا یعلم ما یقول بل یکتفی فیہ بغلبۃ الھذیان و

اختلاف الجد بالھزل کما ھو المفتی بہ فی السکران علی ما مر ولا ینافیہ تعریف الدھش بذھاب العقل فان الجنون فنون اھ (ص ۱۰۷ ج ۲)

لیکن یہ علامہ شامیؒ کی ذاتی رائے ہے فتویٰ نہیں ہے کیونکہ اوپر انکے کلام سے معلوم ہو چکا ہے کہ قسم ثالث میں حنفیہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جاتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ مذہب حنفیہ میں مغلوب العقل کی طلاق واقع نہ ہونیکیلئے عدم شعور و عدم ارادہ بھی شرط ہے اور آگے چل کر علامہ شامیؒ نے اپنی اس رائے پر خود ہی اشکال توی بھی وارد کیا ہے جس کا جواب بہت تکلف کرکے دیا ہے۔

ونصہ نعم یشکل علیہ ما سیأتی فی التعلیق عن البحر وصرح بہ فی الفتح والخانیۃ وغیرھما وھو لو طلق فشھد عندہ اثنان انک استثنیت وھو غیر ذاکر ان کان بحیث اذا غضب لا یدری ما یقول یقع طلاقہ والا فلا حاجۃ الی الاخذ بقولھما انک استثنیت وھذا اشکل جدا اھ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حنفیہ کے نزدیک غلبہ عقل کیلئے عدم شعور شرط ہے اور علامہ شامیؒ نے جو اسکو سکران پر قیاس کرکے محض ھذیان اور خلل افعال کو کافی سمجھا ہے درحقیقت یہ قیاس مع الفارق ہے لان السکر مزیل للعقل عادۃً فیحکم بادنی القرائن بزوال العقل بخلاف الغضب ونحوہ فانہ لیس بمزیل للعقل عادۃ فلا یحکم فیہ بزوالہ الا بقرینۃ قویۃ وھو ان یکون بحیث لا یدری ما یقول ویبقی عدیم الشعور وایضاً فان طلاق السکران یقع عندنا زجراً لہ و طلاق المدھوش لا یقع فقیاس احدھما علی الآخر غیر صحیح فان الطلاق الصادر عن المکلف لا یحکم بعدم وقوعہ الا اذا تحقق انہ صار کالمجنون ــــــ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ فتویٰ منقول پر ہوا کرتا ہے کسی مصنف کی رائے پر فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ الا اذا ظھر تائیدہ بالمنقول، اور تمام کتب فتاویٰ میں مدھوش کی تعریف میں زوال عقل و ذہاب عقل وغیرہ الفاظ اسپر دال ہیں کہ عدم شعور بھی اسمیں شرط ہے۔

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ (ص ۳۸) الدھش ھو ذھاب العقل من ذھل او ولہ وقد صرح فی التنویر والتتارخانیۃ وغیرھما بعدم وقوع

طلاق المدھوش فعلی ھذا حیث حصل الوجل دھش زال بہ عقلہ وصار لا شعور لہ لا یقع طلاق و القول قولہ بیمینہ ان عرف منہ الدھش و ان لم یعرف منہ لا یقبل قولہ قضاءً الا ببینۃ، کما صرح بذالک علماء الحنفیۃ اھ۔

اس میں لفظ "صار لا شعور لہ" بالکل صاف ہے اور علامہ شامیؒ نے تنقیح میں اس پر کلام نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے نزدیک فتویٰ اس پر ہے کہ مغلوب العقل بے شعور ہونا بھی شرط ہے کیونکہ یہ کتاب علامہ شامیؒ کی "رد المختار" کے بعد کی تصنیف ہے پس رد المختار میں جو رائے مذکور ہے وہ فتویٰ نہیں۔ بلکہ محض ایک عالمانہ بحث ہے اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ابحاث ابن ھمام میں فتویٰ نہیں دیا جاسکتا (حالانکہ وہ مثل مجتہد ہیں) پس دوسروں کی رائے اور بحث پر فتویٰ کیونکر ہو سکتا ہے! پس جب کوئی شخص طلاق کے بعد مغلوب العقل ہونیکا دعویٰ کرے اس کے قبول ہونیکے لئے سب سے اول شرط یہ ہے کہ طلاق دینے کے وقت غلبہ عقل اور دھش کی جو علامتیں اوپر مذکور ہوئی ہیں یعنی بہکی بہکی باتیں کرنا، افعال میں بے ڈھنگا پن ظاہر ہونا وغیرہ وغیرہ پائی گئی ہوں اور وہ یہ دعویٰ کرے کہ میری زبان سے طلاق کا لفظ بے خبری میں نکل گیا تھا میں نے اس کا ارادہ و قصد نہ کیا تھا اور نہ مجھے شعور تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں دوسرے یہ کہ واقعہ طلاق سے پہلے بھی اسکو ایسا واقعہ پیش آچکا ہو کہ وہ غصہ میں خارج از عقل ہو جاتا ہو اور لوگ اسکو جانتے ہوں اس صورت میں قاضی شرعی شوہر سے قسم لیکر اسکی بات کو قبول کرے اور عدم وقوع طلاق کا حکم کر دے اور اگر پہلے کبھی اسکو ایسا واقعہ پیش نہیں آیا یا آیا مگر لوگ نہیں جانتے کہ غصہ میں یہ شخص خارج از عقل ہو جاتا ہے تو اس صورت میں قاضی بدون دو گواہوں کے شوہر کا یہ دعویٰ قبول نہ کرے کہ میں مغلوب العقل تھا وقد مرت دلائلہ فیما مر عن الکاملۃ و الفتاویٰ الحامدیہ اس پر تنبیہ ضروری ہے کہ شوہر سے قسم یا گواہ دونوں حالتوں میں قاضی شرعی یا حکم لیگا۔ غیر قاضی حکم کے سامنے قسم کھا لینے یا گواہ قائم کر دینے اور اسکے فیصلہ کر دینے سے کچھ نہ ہوگا نہ بیوی اسکے لئے حلال ہوگی نہ وہ شرعاً مدہوش مانا جائیگا۔

قال فی الدر:- قیدنا بتحلیف الحاکم لانھما لو اصطلحا علی ان

یحلف عند غیر قاضٍ ویکون برئیًا فھو باطل لان الیمین حق القاضی مع طلب الخصم ولا عبرۃ لیمین ولا نکول عند غیر القاضی اھ (ص ٦۵۲ - ج ۴)

وفی الھندیۃ :- ولو حلف بطلب المدعی یمینہ بین یدی القاضی من غیر استحلاف القاضی فھذا لیس بتحلیف فان التحلیف حق القاضی ۔ کذا فی القنیۃ و ھکذا فی البحر اھ (ص ١٠ - ج ۵) ــــــ قلت :- واشتراط مجلس القضاء فی البینۃ لا یخفی علی احد ۔ قلت : ولکن یکفی تحلیف المرأۃ ایاہ کما ذکروہ فی باب الکنایات قال فی الدر :- ویکفی تحلیفھا لہ فی منزلہ فان ابی رفعتہ للحاکم فان نکل فرق بینھما مجتبیٰ اھ قال الشامی فان نکل ای عند القاضی ان النکول عند غیرہ لا یعتبر (ص ٧٦۴ ج ٢)

(٣) عورت کیلئے اس صورت میں حکم یہ ہے کہ وہ شوہر کے اس دعویٰ کو قبول نہ کرے کیونکہ مغلوب العقل ہونا عاقل بالغ کی حالت سے خلاف ظاہر ہے اور امور مخالفہ للظاہر میں عورت بمنزلہ قاضی کے ہے کہ جسطرح قاضی کو انکی تصدیق جائز نہیں اسیطرح عورت کو بھی تصدیق جائز نہیں۔ پس وہ یہی سمجھے کہ مجھکو تین طلاق دیدی گئیں اور اب میں اسکے لئے حلال نہیں۔ اور جبتک قاضی شرعی قسم لیکر یا گواہ لیکر یہ فیصلہ کر دے کہ زید مغلوب العقل تھا اور اسکی طلاق واقع نہیں ہوئی اس وقت تک عورت کو اپنے اوپر زید کو قدرت دینا قطعًا حرام ہے۔

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ (ص ٢٧ ج ١) وقال فی الخانیۃ لو قال انت طالق انت طالق وقال اردت بہ التکرار صدق دیانۃً وفی القضاء طلقت ثلاثًا اھ ۔ ومثلہ فی الاشباہ والحدادی وزاد الزیلعی ان المرأۃ کالقاضی فلا یحل لھا ان تمکنہ اذا سمعت منہ ذالک او علمت بہ لانھا لا تعلم الا الظاھر اھ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۴ ربیع الثانی ١٣۴٠ھ

عقل زائل ہوجانیکی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی

(سوال) ایک شخص کی والدہ نے انکی زوجہ کو بیحد گالی دی لھذا اس نے کہا کہ اے والدہ! آپ کیوں مفت میں گالی دیتی ہیں۔ خبردار! اچھا نہ ہوگا اس گفتگو پر اسکی والدہ نے شام کو انکے والد صاحب سے کہا تمہارا لڑکا مجھے ایسی ویسی کہتا ہے ازیں وجہ اسکے والد اور والدہ اور چچا وغیرہ سب نے ملکر انکو

مارنا شروع کیا اس حالت میں اس کے منہ سے "آرے سالہ جاتین طلاق" نکلا تب اس سے پوچھا گیا تم نے طلاق کس کو دی؟ اس نے جواب دیا میں نے تو طلاق کسی کو نہ دی اور میرے منہ سے کیا نکلا معلوم بھی نہیں میں بسبب مار کے بے ہوش تھا ہنوز اسکی زوجہ اس صورت میں مطلقہ ہوگی یا نہ ہوگی؟

الجواب:۔ قال فی العالمگیریۃ:۔ ولو زال عقلہ بالضرب او ضرب ہو علی راسہ حتی زال عقلہ وطلق لا یقع طلاقہ کذا فی فتاوی قاضی خان اھ (ص ۵۵ ج ۲)

صورت مسئولہ میں اگر شخص مذکور کی عقل ضرب سے زائل ہوگئی تھی جیسا کہ وہ دعوی کرتا ہے کہ میں بسبب مار کے بیہوش تھا تو اسکی طلاق زوجہ پر واقع نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۶ صفر ۴۱ھ

نابالغ کی طلاق کا حکم

(سوال) ایک مسئلہ دریافت کرتا ہوں فقہ کی کتابوں میں طلاق نابالغ کے عدم جواز کو تحریر کرتے ہیں مگر سرخسیؒ کی ایک روایت جو مسلم الثبوت کے اخیر صفحات پر اور (شامی ج ۲۔ ص ۲۹۰) باب نکاح الکافر وغیرہ میں نقل کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ عند الحاجۃ نابالغ کی طلاق صحیح ہے اس عند الحاجۃ سے عام مراد ہے یا صرف ارتداد اور مجبوب کی صورت کی تخصیص ہے جواب سے مشرف فرمائیں گے یہ روایت سرخسیؒ کی شامی ج ۲۔ ص ۳۹۰) پر موجود ہے مسلم الثبوت مجتبائی کے اخیر میں بھی ہے۔ فقط والسلام۔

بندہ عبد الشکور مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

الجواب:۔ شامی اور درمختار کی پوری عبارت میں غور نہیں کیا گیا اس سے خود معلوم ہو رہا ہے کہ ابتداءً صبی کی طلاق واقع نہیں ہوسکتی ہاں، جب ضرورت کے وقت قاضی صبی میں اور اسکی بیوی میں تفریق کردے تو اس وقت یہ تفریق طلاق شمار ہوتی ہے۔

حتی اذا تحققت الحاجۃ الی صحۃ ایقاع الطلاق من جہتہ لدفع الضرر کان صحیحًا فاذا اسلمت زوجتہ وابی فرق بینہما وکان طلاقًا عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ واذا ارتد والعیاذ باللہ وقعت البینونۃ وکان طلاقًا عند محمدؒ الی ان قال وحاصلہ انہ کالبالغ فی وقوع الطلاق

منہ بھذہ الاسباب الا انہ لایصح ایقاعہ منہ ابتداءً للضرر علیہ و مثلہ المجنون اھ (ص ۶۳۹ ج ۲)

اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ یہ حکم انہی صورتوں کے ساتھ مخصوص ہے جہاں ضرورت کی وجہ سے قاضی کو تفریق بین الصبی والمجنون وبین زوجتھا کا اختیار دیا گیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سرخسیؒ جواز طلاق من الصبی ابتداءً کا قائل ہیں ورنہ لازم آئیگا کہ جواز طلاق مجنون کے بھی وہ قائل ہوں ولم یقل بہ احد، واللہ اعلم۔

وصرح الشامی فی باب الطلاق (ص ۶۹۱ ج ۲) بتخصیص ھذا الوقوع بالارتداد والجب وقال محشی الدر وجوزہ احمد اھ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۹ رجماد الثانی ۴۴ھ

نابالغ نہ خود طلاق دے سکتا ہے نہ اس کا ولی دے سکتا ہے

(**سوال**) زید نے اپنی بنت صغیر سن کو عمرو کے ابن صغیر کے ساتھ نکاح کردیا مرور ایام کے بعد لڑکی بالغ ہوگئی اور لڑکا نابالغ رہا اب جانبین چاہتے ہیں کہ زید کی کسی کم سن لڑکی سے عمرو کے اس لڑکے کی شادی کرائیں پہلی لڑکی کو کون طلاق دیگا (یعنی صغیر طلاق کا مالک ہوگا یا اس کا والد) اس مسئلہ میں حوالہ کتب دینی سے جواب ارشاد فرمائیں بہت سے علماء ممنون ہونگے۔

سائل عبدالصمد مدرسہ محمدیہ نواپاڑہ ڈاک خانہ خاص ضلع جسر

الجواب:۔ جب شوہر نابالغ ہے تو اسکی بیوی کو کوئی طلاق نہیں دے سکتا بلکہ اس لڑکے کے بلوغ کا انتظار لازم ہے وہ بالغ ہوکر خود طلاق دے تو وقوع طلاق ہوسکتا ہے ورنہ نہیں۔

صرح بہ فی الدر والشامیہ: باب الطلاق بقولہ: والصبی ولو مراھقاً ای لایقع طلاقہ ص ۶۹۹ ج ۲ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون ۱۸ ر رجب ۴۸ھ

حکم تفریق زوجہ نابالغ

(**سوال**)۔۔۔۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ایک جوان عورت مسماۃ ھندہ مسلمان قوم نائی ایک مسلمان مرد زید کے ساتھ اپنے شوہر محمود کے گھر سے نکل گئی مسماۃ ھندہ کے شوہر محمود کی عمر اس وقت نو سال ہے مسماۃ ھندہ پانچ چھ مہینہ

کے بعد واپس آئی۔ اسکی واپسی پر محمود نابالغ کا باپ احمد حسین نے اپنے لڑکے کا نکاح اس وقت پڑھا ہے جب محمود کی عمر ۴ سال کی تھی کہتا ہے کہ تو میرے لڑکے محمود کے قابل اور کام کی نہیں ہے، میرے گھر سے نکل جا، وہ نکل گئی، چونکہ مسماۃ ھندہ کے ماں باپ مرچکے ہیں اس وجہ سے وہ آوارہ پھر رہی ہے لوگوں کے کہنے سے مسماۃ آمادہ ہے کہ اگر میرا نکاح کسی مرد جوان سے کر دیا جائے تو پابندی کے ساتھ رہونگی اور اسکے شوہر کا باپ احمد بھی چاہتا ہے کہ اگر کوئی صورت ایسی ہو کہ جس سے طلاق ہو جائے تو میں خود طلاق دیدوں یا اپنے لڑکے سے دلادوں لھذا یہ التماس ہے کہ جو مناسب صورت طلاق کی ہو اس سے سرفراز فرمائیں تاکہ اس مسماۃ کو فعل بد سے بچانیکی کوئی تدبیر کی جائے۔ اگر اسکی طلاق نہ ہوئی تو جن لوگوں نے اسلامی ھمدردی اور ایک مسلمان عورت کو اب سے عزت بچانے کیلئے اپنے یہاں رکھ لیا ہے انکو کیا کرنا چاھیئے؟ ان میں مسماۃ کی کفالت کرنیکی قدرت نہیں ہے اور چند روز سے مسماۃ ھندہ کے شوہر کا باپ احمد بھی غریب ہوگیا ہے خود نان شبینہ کا محتاج ہے محمود لڑکا کمزور ہے مزدوری کے قابل نہیں ہے اگر امداد کر کے احمد سے کہا بھی جائے کہ تو رکھ لے تو وہ اس وجہ سے اور بھی رکھنے سے مجبور ہے کہ وہ اپنی برادری سے علیحدہ کر دیا جائیگا۔ کمترین عبدالسلام عفی عنہ از کانپور محلہ نیچا باغ ۹ جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ

الجواب: نابالغ بچہ کی طلاق واقع نہیں ہوسکتی اور خسر بھی طلاق کا اختیار نہیں رکھتا جب وہ لڑکا بالغ ہو جائے پھر اسکو اختیار ہے چاھے اس عورت کو رکھے یا نہ رکھے اور جب وہ عورت جوان ہے تو اس کا نان و نفقہ خاوند کے ذمہ سے بشرطیکہ وہ خود خاوند کے گھر سے نہ جائے اور اگر خود کہیں چلی جائے تو اسکو نفقہ نہ ملے گا ہاں چلی جانیکے بعد پھر واپس آجائے تو پھر نفقہ کی مستحق ہوگی۔ اور اگر وہ عورت خاوند کے گھر رھنا چاھے اور خسر نکالدے تو اس صورت میں عورت کا نفقہ واجب رہیگا اور اگر صغیر مفلس ہے تو اسکی زوجہ کا نفقہ صغیر کے باپ پر ادا کرنا لازم ہے اگر ہندوستان میں قاضی اسلام ہوتا تو اس صورت میں وہ خسر کو بہو کے نفقہ پر مجبور کرتا یعنی اس نابالغ کے باپ کو اس صغیر کی بیوی پر نفقہ خرچ کرنیکا حکم کیا جاتا اور کہدیا جاتا کہ بعد بلوغ کے لڑکے سے نفقہ کا رجوع کرے اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ باپ نے صغیر کی بیوی کے نفقہ کی ضمانت نہ کی ہو، اور اگر وہ ضامن بنگیا ہو خواہ قولاً صریحاً یا عرفاً دلالۃً لان المعروف کالمشروط تو خود باپ ہی کے ذمہ اس صورت میں نفقہ عورت صغیر کا واجب ہوگا، اور ہندوستان کا عرف یہی ہے کہ اگر لڑکی بالغ ہو جائے اور لڑکا نابالغ ہو تو لڑکے کا باپ اپنی بہو کے نفقہ کا ضامن ہوتا ہے۔

قال فی الشامیہ عن الخانیۃ، وکانت کبیرۃ ولیس للصغیر مال لایجب علی الاب نفقتھا ویستدین الاب علیہ ثم یرجع علی الابن اذا الیسر اھ۔ وفی الحاکم فان کان صغیراً لامال لہ لم یوخذ ابوہ بنفقۃ زوجتہ الاان یکون ضمنھا اھ ومثلہ فی الزیلعی وغیرہ، قلت: وھو مخالف لما سیذکرہ الشارح فی باب النفقۃ من الفروع حیث قال: وفی الدرالمختار، والملتقی: ونفقۃ زوجۃ الابن علی ابیہ ان کان صغیراً فقیراً اوزمناً اھ اللّٰھم الا ان یحمل ما سیأتی علی انہ یومر بالانفاق لیرجع بما انفقہ علی الابن اذا الیسر الخ ص۵۸۵ وص۵۸۶ ج۲ وفی الدر فی باب النفقۃ: ویجبر الاب علی نفقۃ امرأۃ ابنہ الغائب وولدھا وکذا الام علی نفقۃ الولد لترجع بھا علی الاب اھ وتاقلہ الشامی بما قال آنفاً ان معناہ الامر بالانفاق (ص ۱۱۰۹ ج ۲)۔

اور جب قاضی اسلام نہیں تو عورت یا تو برادری اور پنچائیت کے سامنے یہ واقعہ پیش کرے یا عدالت موجودہ ہیں خسر پر نان ونفقہ کا دعویٰ دائر کرے یا صبر کرے باقی یہ جو سائل نے لکھا ہے کہ اگر طلاق کی کوئی صورت نہ ہوئی تو عورت آوارہ ہوجائیگی۔ اسکی ہم ذمہ دار نہیں جبکہ ان بلاد میں قاضی اسلام نہیں اگر قاضی اسلام ہوتا تو ھم اسکی تدبیر یہی بتا دیتے اور پنچائیت کا فیصلہ نہایت ظلم پر مبنی ہے کہ وہ خسر کو بہو کے نفقہ وسُکنیٰ سے روکتی ہے اسکی شرارت کی سزا کچھ اور دی جائے اسکے حق نفقہ وسُکنیٰ کو کیوں باطل کیا جاتا ہے؟ خسر کو لازم ہے کہ پنچائیت کے اس فیصلہ کی پرواہ نہ کرے اور بہو کو اپنے گھر رکھکر نفقہ دے۔

فقط مولوی عبدالکریم بقلم ظفر احمد عفاعنہ

۲۵ ر ج ۲ سنہ ۴۵ ھ

فصل فی طلاق الثلاث واحکامه

مطلقہ ثلاثہ کا حکم

(سوال) ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی پھر اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے جب تک عورت کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ نہ ہو جائے اور اس سے طلاق نہ ملی پہلے کے ساتھ نکاح جائز نہیں لیکن کیا دوسرے نکاح کے ساتھ صحبت بھی شرط ہے اگر عورت انکار کرے یا مرد خود نہ چاہے یا اسی وقت دوسرے کے ساتھ نکاح کرا کر طلاق دلوا دیں اور پہلے شوہر کے ساتھ اسی وقت نکاح کر دیں کسی طرح صحیح جائز ہے؟

الجواب :۔ اگر تین طلاق دیدی ہیں تو جب تک دوسرا شوہر اس عورت سے صحبت نہ کرے اس وقت تک حلالہ نہیں ہیں پہلے شوہر سے نکاح جب درست ہے جبکہ دوسرا شوہر صحبت کے بعد طلاق دے اور طلاق کے بعد عدت بھی گذر جائے۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ۔ ۲۶ ربیع الثانی ۴۰ھ

ایک وقت میں تین طلاق دینے سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حافظ رجب نے ۲۴ نومبر ۴۱ء کو بحالت غصہ اپنی بیوی کو بہت آدمیوں کے سامنے چار مرتبہ اسطور سے طلاق دی کہ تین مرتبہ اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا کہ "تجھکو طلاق دیا"، "تجھکو طلاق دیا"، "تجھکو طلاق دیا" اور ایک مرتبہ نام لیکر کہا کہ "فلانی! تجھکو ہم نے طلاق دیا"، درمیان میں لوگوں نے ہرچند سمجھایا اور منع کیا ایسا نہ کرو۔ زبان بند کرو ورنہ بعد میں افسوس کرو گے مگر اس نے ایک نہ مانا اور طلاق دی ھے۔ حافظ رجب مذکور کی مطلقہ طلاق پانے کے بعد ایک روز زوج کے گھر دوسروں کی نگرانی میں رہی، دوسرے روز اپنے باپ کے گھر چلی گئی اور ابتک اپنے باپ کے گھر میں ہے ہرچند لوگوں کے اغوا سے حافظ رجب نے غیر مقلد علماء سے استفتاء کیا چنانچہ انہوں نے اپنے اعتقاد کے مطابق لکھدیا کہ ایک ہی طلاق ہوئی اور رجوع ممکن ہے اسی فتویٰ کی بہانے پر حافظ رجب نے ۱۴ فروری ۴۲ء کو چند آدمی جمع کر کے یہ کہا کہ میں نے اپنی عورت کو طلاق دی تھی تم لوگ گواہ رہو کہ میں رجعت کرتا ہوں اور مطلقہ سے اس سے ملاقات تک نہیں اسلئے کہ وہ اپنے باپ کے گھر میں ہے اور اس لفظی رجعت

کے وقت بھی اقرار طلاق بدون حالت غصہ موجود ہے کیونکہ زوجین ہمیشہ سے حنفی المذہب ہیں، اسلئے بربناء مذہب حنفیہ جو حکم شریعت ہو بحوالہ عبارت کتب جواب شافی سے ماجور عند اللہ وممنون عندالناس ہونگے۔ المستفتی۔ بچی نداف سوامہ محلہ ابو جلم پٹی ضلع الہ آباد۔

الجواب:۔ صورت مذکورہ میں ائمہ اربعہ وجمہور سلف وخلف کے نزدیک تین طلاق واقع ہوگئیں اور منکوحۂ حافظ رجب ہمیشہ کیلئے اسپر حرام ہوگئی اب بدون تحلیل کے ہرگز اس کیلئے حلال نہیں ہوسکتی اور اس صورت میں ایک طلاق واقع ہونیکا فتویٰ بجز گمراہ شخص کے کوئی نہیں دے سکتا۔

قال: فی عدۃ ارباب الفتوٰی (ص ۲۳): ولا ینزل قولہ لھا: انت طالق ثلاثًا طلقۃ واحدۃ، ولا یفتی بذالك الا من اضلہ اللہ تعالٰی. والمواقع ثلاث طلقات وقد بانت بینونۃ کبرٰی لا تحل لہ الا بعد زوج آخر اھ

وفی رد المحتار: (ص ۶۸۸ ج ۲): وقد ذھب جمھور الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من ائمۃ المسلمین الی انہ یقع ثلاث (الی ان قال) وقد ثبت النقل عن اکثرھم صریحًا بایقاع الثلث ولم یظھر لھم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال وعن ھذا قلنا: لو حکم حاکم بانھا واحدۃ، لم ینفذ حکمہ، لانہ لا یسوغ الاجتھاد فھو خلاف لا اختلاف اھ

پس صورت مذکورہ میں غیر مقلدین کے فتوٰی پر عمل کرنا ہرگز جائز نہیں۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۸ر جمادی الآخرہ ۴۰ھ

طلاق کنایہ کے ساتھ طلاق صریح ملکر تین طلاق واقع ہوگئیں

(سوال) کیا حکم ہے اس معاملہ میں شریعت مطہرہ کا کہ زید اپنی بیوی ھندہ سے کسی وجہ سے ناخوش ہوگیا اور اس نے غصہ کی حالت میں ایک خط اپنی ساس اور بیوی کے نام لکھا۔ زید نے کوئی تاریخ نہیں لکھی اور نہ مضمونِ خط کے آخر میں اپنا دستخط کیا لیکن خط کے مضمون میں ایک مقام پر اپنا نام ظاہر کردیا ہے اور اس میں مطلق شبہ نہیں ہے کہ مذکورہ خط زید کا لکھا ہوا ہے زید اپنی ساس کو برا بھلا لکھنے کے بعد اپنی بیوی کو لکھتا ہے "اگر چُلّو بھر پانی ملے تو ڈوب مرو، منہ کالا کرکے نکل جاؤ، میں تم سے عاجز تم مجھ سے بیزار میں تم سے ہمیشہ کیلئے الگ تم سے نفرت تم اپنا انتظام کرلو، مجھ سے اب

کوئی مطلب نہیں۔ خبردار! آج کی تاریخ سے مجھکو غیر سمجھکر (جیسا کہ تم نے آجکل سمجھا ہے) کوئی خط مت لکھنا میں تمہارا خط دیکھنا گوارا نہیں کرسکتا، مجھکو آج معلوم ہوا ھے کہ تم اپنے باپ کا بدلہ لینا چاھتی ہو اگر تم بدلہ لوگی تو میں بھی باپ کا بیٹا ہوں بیٹی نہیں ہوں تم ضرور بدلہ لو۔ میں نے تم کو آزاد کردیا اپنے باپ سے لکھکر طے کرلو اور جس دن کہو میں آکر باضابطہ آزاد کردوں اور قطع تعلق کرلوں میرے لئے تو قطع تعلق ہوگیا میں تو بیزار ہوں۔ اچھا ھے کہ تم الگ ہوجاؤ اور دوسرا عقد کرلو۔"

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مضمونِ مندرجۂ بالا سے کیا طلاق واقع ہوگئی اور اگر ہوئی تو رجعی ھے یا بائن؟ اگر رجعی ھے تو کس شکل سے اور کس مدت کے اندر رجعت ہوسکتی ہے۔ اور اگر بائن طلاق پڑگئی تو ھندہ کیلئے اب کیا حکم شریعت ہے؟۔

السائل شیخ محمد زکریا ساکن مچھلی شہر ضلع جونپور

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں زید نے متعدد الفاظ کنایات طلاق میں سے استعمال کئے ہیں مثلاً "منہ کالا کرکے نکل جاؤ" "میں تم سے ہمیشہ کیلئے الگ" "تم اپنا انتظام کرلو" "مجھ سے کوئی مطلب نہیں" ان سب کے بعد اس نے لکھا ہے "میں نے تم کو آزاد کردیا" جو کہ اردو میں طلاق کیلئے صریح ہے۔ پھر لکھا ہے: "میرے لئے تو قطع تعلق ہوگیا" یہ بھی ارادۂ طلاق کا مؤید ہے، لھذا صورت مذکورہ میں اگر زید اقرار کرے کہ یہ خط اس کا لکھا ہوا ہے تو ھندہ پر تین طلاق مغلظ پڑگئیں اب بدون حلالہ کے زید سے نکاح درست نہیں۔

وفی العالمگیریۃ:۔ والحق ابو یوسف بخلیۃ اربعۃ اخری ذکر منھا فارقتک

وفی الفتاوی:۔ لو یبق بینی و بینک عمل ونوی یقع ولو قال ابعدی عنی ونوی الطلاق یقع۔

وفی مجموع النوازل:۔ لو قال لھا: اذھبی الی جھنم ونوی الطلاق یقع ولو قال: اعتقتک طلقت بالنیۃ اھ (ص ۶۹ و ۷۰۔ ج ۲)

وفیہ:۔ لایقع بھا ای بالکنایات الطلاق الا بالنیۃ او بدلالۃ حال اھ

قلت: وفی الصورۃ المسئولۃ دلالۃ الحال شاھدۃ بارادۃ الطلاق۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲ر رمضان ۳۰ھ

یکبارگی تین طلاق دیدینے سے تین طلاق واقع ہوجانیکا بیان اور اسکی تحقیق اور اعتراضات کا جواب

(سوال) صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور زمانۂ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دو برس تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں بھی جاری تھا کہ کوئی شخص یکبارگی تین طلاق دیتا تھا تو وہ ایک طلاق شمار کیا جاتا تھا تو مولانا صاحب وہ ایک طلاق شمار کرنیکی علت کیا تھی کیا سب سے ایک ہی طلاق ہوتا تھا جس وجہ سے ایک طلاق قائم کیا جاتا تھا۔ اسکی دلیل بھی تحریر فرمادیں کیونکہ غیر مقلدین اس حدیث کے اوپر دلیل پکڑتے ہوئے حنفی کو گمراہ کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حنفی کی کوئی دلیل قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے

۱ر حنفی لوگوں کی ایک جلسہ میں تین طلاق کا دینا وہ طلاق تین واقع ہونا کون سی آیت اور کون کون سی حدیث شریف سے ثابت ہے وہ آیت اور حدیث شریف تحریر فرمائیں؟

۲ر یہ حدیث جس کا اشارہ تحریر ہے یہ حدیث ناسخ ہے یا منسوخ ہے؟

۳ر جو لوگ تین طلاق دیکر ایک قائم کرکے عورت کو رکھ لیتے ہیں انکو قیامت کے دن عذاب ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو اسکی دلیل کیا ہے؟

۴ر حدیث مذکورہ صحیح ہے یا غیر صحیح؟

۵ر اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس حدیث کے خلاف حنفی عمل کرتے ہیں تو ان کو عذاب ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب:۔ قال اللہ تعالیٰ: اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ، الی ان قال: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ قال الحافظ فی الفتح: قال القرطبی: وحجۃ الجمھور فی اللزوم من حیث النظر ظاھرۃ جدًا وھو ان المطلقۃ ثلاثًا لا تحل للمطلق حتی تنکح زوجًا غیرہ ولا فرق بین مجموعھا ومفرقھا لغۃً وشرعًا وما یتخیل من الفرق صوری الغاہ الشرع اتفاقًا فی النکاح والمعتق والاقاریر اھ (ص ۳۱۸)

قلت: وقد اخرج الطبری فی تفسیرہ عن انس وعن ابی ھریرۃ وعائشۃ وابن عباس وابن عمر کلھم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الرجل یطلق زوجتہ ثلاثًا ثم تتزوج برجل آخر ھل تحل للاول قال لا حتی

يذوق عسيلتها وتذوق هى من عسيلته وهو حديث مشهور مطلق لم يفرق فيه بين المجموع والمفترق۔ واخرج البخارى حديث امرأة رفاعة انها قالت طلقنى رفاعة (الى) ثلث تطليقا وانى نكحت بعده عبد الرحمٰن ــــــ وفيه ــــ قوله عليه الصلاة والسلام لا حتى يذوق عسيلتك وتذوقى عسيلته۔ واخرج البخارى عن عائشة: ان رجلا طلق امرأته ثلاثًا فتزوجت فطلق فسئل النبى صلى الله عليه وسلم اتحل للاول قال لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الاول۔ (فتح البارى ص۳۳۱ ج ۲)

قال الحافظ: فالتمسك بظاهر قولها طلقها ثلاثًا فانه ظاهر فى كونها مجموعة اھ۔

وقال النووى: واحتج الجمهور بقوله تعالىٰ: ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذالك اھ

قالوا: معناه: ان المطلق قد يحدث له ندم فلا يمكنه تداركه لوقوع البينونة فلو كانت الثلث لم يقع طلاقه هذا الا رجعيًا فلا يندم، واحتجوا ايضًا بحديث ركانة انه طلق امرأته البتة فقال له النبى النبى صلى الله عليه وسلم آلله ما اردت الا واحدة قال آلله ما اردت الا واحدة فهذا دليل على انه لو اراد الثلاث لوقعن والا فلم يكن لتحليفه معنى اھ (ص ۴۷۸ - ج - ۱)

واخرج ابو داؤد بسند صحيح من طريق مجاهد قال: كنت ابن عباس فجاءه رجل فقال: انه طلق امرأته ثلاثًا، فسكت حتى ظننت انه سيرده اليه فقال ينطلق احدكم فيركب الاحموقة ثم يقول يا ابن عباس! يا ابن عباس! ان الله قال: ومن يتق الله يجعل له مخرجًا ...... وانك لم تتق الله - فلا أجد لك مخرجًا عصيت ربك وبانت منك امراتك اھ كذا فى الفتح (ص۔ ۳۱۶ - ج - ۸)

قلت: وزاد الطبرى ثم قرأ ابن عباس قوله تعالىٰ: يا ايها النبى اذا طلقتم النساء فطلقوهن فى قبل[1] عدتهن اھ واخرج الطبرى

[1] یہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراۃ ہے، اور مشہور قراۃ "لعدتهن" ہے۔ دیکھئے تفسیر مظہری ۹: ۳۱۸ من سورة الطلاق۔ دلاور حسین عفی عنہ

بسند صحیح عن الزهری فی قصة فاطمة بنت قیس فقالت فاطمة: بینی وبینکم کتاب الله، قال الله جل ثناءه: فطلقوهن لعدهن حتی بلغ لعل الله یحدث بعد ذالک امرا، قالت: فان امر یحدث بعد الثلاث وانما هو فی مراجعة الرجل امرأته اھ ملخصًا ص ۸۷ ج - واخرج عن الحسن وعکرمه بسند صحیح یقولان: المطلقة ثلاثًا والمتوفی عنها زوجها لاسکنیٰ لها ونفقة قال فقال عکرمة: لعل الله یحدث بعد ذالک امرًا، فقال: ما یحدث بعد الثلاث اھ ص ۸۸ - ج ۲۸ - واخرج الطبری فی تفسیر قوله تعالیٰ: الطلاق مرتان فامساک بمعروف اوتسریح باحسان[1] عن عروة بن الزبیر وقتادة وابن زید وغیرهم قالوا کان الطلاق قبل ان یجعل الله
الطلاق ثلاثًا لیس له ان یطلق الرجل امرأته مائة ثم ان اراد ان یراجعها قبل ان تحل کان ذالک له فجعل الله الطلاق ثلاث تطلیقات اھ ملخصًا واسانیدها صحاح - وقال السیوطی فی الدر المنثور (ص ۲۷۷ ج - ۱) واخرج الترمذی وابن مردویه والحاکم وصححه والبیهقی فی سننه عن عائشة انها قالت: کان الناس والرجل یطلق امرأته ماشاء الله ان یطلقها وهی امرأته اذا ارتجعها حتی نزل القرآن: الطلاق مرتان فامساک بمعروف اوتسریح باحسان» - واخرج ابن مردویه والبیهقی عن عائشة قالت: لم یکن للطلاق وقت یطلق امرأته ثم یراجعها مالم تنقض العدة فانزل الله فیه الطلاق مرتان فوقت لهم الطلاق ثلاثًا یراجعها فی الواحدة وفی اثنتین ولیس فی الثالثة رجعة حتی تنکح زوجًا غیره ——— واخرج ابوداؤد والنسائی والبیهقی عن ابن عباس ان الرجل کان اذا طلق امرأته فهو احق برجعتها وان طلقها ثلاثًا فنسخ ذالک فقال: الطلاق مرتان اھ قلت: وقواه الحافظ فی الفتح (ص ۳۱۷ - ج - ۸) قال السیوطی واخرج مالک والشافعی وابوداؤد والبیهقی عن محمد بن ایاس بن البکیر قال طلق

[1] من سورة البقرة ۲ : ۴۵۶ مطبع دار الفکر بیروت - دلاور حسین عفی عنه

رجل امرأته ثلاثًا قبل ان یدخل بها ثم بدا له ان ینکحها فجاء یستفتی فذهبت معه اسأل له فسأل اباهریرة وعبد اللّٰه بن عباس عن ذالک فقالا: لا نرٰی ان تنکحها حتی تنکح زوجًا غیرک قال: انما کان طلاقی ایاها واحدة قال ابن عباس: انک ارسلت من یدک ماکان لک من فضل اھ (ص ۲۷۸ ج-۱) قلت:- واحادیث مالک صحاح اخرجه محمد فی موطاه (ص ۲۵۹) عن مالک عن الزھری عن محمد بن عبد الرحمٰن بن ثوبان عن محمد بن ایاس بن البکیر وکلهم ثقات لا یسأل عن مثلهم — واخرج مالک انه بلغه ان رجلًا قال لابن عباس انی طلقت امرأتی مائة تطلیقة فما ذاترٰی علیّ؟ فقال له ابن عباس: طلقت منک بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها آیات اللّٰه هزوًا مالک انه بلغه رجلًا جاء الی ابن مسعود فقال انی طلقت امرأتی بمأتی تطلیقات فقال ابن مسعود فماذا قیل لک قال قیل لی انها قد بانت منی فقال ابن مسعود: صدقوا اھ (ص ۱۹۹)۔ قلت: وبلاغات مالک صحاح کما تقرر عند المحدثین۔ والجواب عن حدیث طاؤس عن ابن عباس الذی اخرجه مسلم وغیره بوجوه الاول ان حدیث طاؤس هذا شاذ خالف فیه العدد الکثیر من اصحاب ابن عباس وهی طریقة البیهقی فانه ساق الروایات عن ابن عباس بلزوم الثلاث ثم نقل عن ابن المنذر انه لایظن بابن عباس انه یحفظ عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم شیئًا ویفتی بخلافه فتیعین المصیر الی الترجیح والاخذ بقول الاکثر اولٰی من الاخذ بقول الواحد اذا خالفهم۔ وقال: ابن العربی هذا حدیث مختلف فی صحته فکیف یقدم علی الاجماع اھ کذا قال الحافظ فی الفتح (ص ۳۱۷ ج ۸) —— وفی زاد المعاد لابن القیم قال البیهقی فهذه روایة سعید بن جبیر وعطاء بن ابی رباح ومجاهد وعکرمة و عمرو بن دینار ومالک بن الحرث ومحمد بن ایاس بن البکیر قال ورویناه عن معاویة بن ابی عیاش الانصاری کلهم عن ابن عباس انه اجاز

الثلاث وامضاهن اھ (ص ٢٥٨ ج-٢)۔ الثانی: دعوی الاضطراب، قال القرطبی فی المفهم وقع فیه مع الاختلاف علی ابن عباس الاضطراب فی لفظه وظاهر سیاقه یقتضی النقل عن جمیعهم ان معظمهم کانوا یرون ذالك والعادة فی مثل هذا ان یفشو الحکم وینتشر فکیف ینفرد به واحد عن واحد قال فهذا الوجه یقتضی التوقف عن العمل بظاهره ان لم یقتض القطع ببطلانه اھ کذا قال الحافظ فی الفتح (ص ٣١٨ ج ٨) قلت:۔ ودلیل الاضطراب ان ابا داؤد اخرجه بلفظ "اما علمت ان الرجل کان اذا طلق امرأته ثلاثا قبل ان یدخل بها جعلوها واحدة" قال الحافظ: فتمسك بهذا السیاق من اعلی الحدیث اھ (ص ٣١٧ ج ٨) الجواب الثالث: انه ورد فی صورة خاصة فقال ابن سریج وغیره: یشبه ان یکون ورد فی تکریر اللفظ کان یقول انت طالق انت طالق انت طالق وکانوا اولا علی سلامة صدورهم یقبل منهم انهم ارادوا التاکید فلما کثر الناس فی زمن عمرؓ وکثر فیهم الخداع ونحوه مما یمنع قبول من ادعی التاکید جعل عمر اللفظ علی ظاهر التکرار فامضاه علیهم۔ وهذا الجواب ارتضاه القرطبی وکذا قال النووی: هذا اصح الاجوبة (فتح ٣١٨ ج-٨) الجواب الرابع:۔ حمل قوله ثلاثاً علی المراد بها لفظ "البتة" کما فی حدیث رُکانة سواء وهو من روایة ابن عباس ایضاً فکان بعض رواته حمل لفظ "البتة" علی الثلاث لاشتهار التسویة بینهما فرواها بلفظ ثلاث، وانما المراد لفظ البتة وکانوا فی العصر الاول یقبلون ممن قال اردت بالبتة الواحدة فلما کان عهد عمر امضی الثلاث فی ظاهر الحکم اھ کذا قال الحافظ فی الفتح (ص ٣١٨-ج ٨) وحاصل هذا الجواب عندنا: ان لفظ "البتة" کان فی العصر الاول من الکنایات لم یکن صریحاً فی ارادة التحریم المغلظ فیقبل ممن قال اردت به واحدة فلما کان عهد عمر تتابع الناس فی استعمال هذا اللفظ وصار کالصریح فی

معنی الحرمة المغلظة وامضی عمر به الطلقات الثلاث والحقه بقول القائل انت طالق ثلاثاً لعرف اهل زمانه، یؤیده ما اخرجه مالک عن یحیٰی بن سعید عن ابی بکر بن حزم: ان عمر بن عبدالعزیز قال: "البتة" ما یقول الناس فیها، قال ابو بکر فقلت له کان ابان بن عثمان یجعلها واحدة فقال عمر بن عبد العزیز لو کان الطلاق الفا ما ابقت البتة منه شیئاً، من قال البتة فقد رمی الغایة القصوٰی، و مالک عن ابن شهاب: ان مروان بن الحکم کان یقضی فی الذی یطلق امرأته البتة انها ثلاث تطلیقات و مالک عن ابن شهاب یقول فی الرجل یقول لامرأته برأتُ منی و برأتُ منک انها ثلاث تطلیقات بمنزلة البتة اھ (ص ۲۰۰ مؤطا مالک)۔ فهذه کلها تدل علی ان لفظ "البتة" کان عندهم بمنزلة الطلقات الثلاث عرفاً ـــــــ فان قلت: فلما انعقد الاجماع علی کون البتة ثلاثاً فلم خالف الحنفیة فیه؟ ـــــــ قلنا:- کان سبب الاجماع عرف اهل زمانهم والّا فهذا اللفظ فی الاصل من الکنایات فلما تغیر العرف فی زمن ابی حنیفةؒ تغیر الحکم ایضاً وعاد الیٰ اصله وعلی هذا فمعنیٰ قول ابی الصهباء لابن عباس اتعلم انها کانت الثلاث تجعل واحدة علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر و ثلاثاً من امارة عمر قال ابن عباس نعم: یعنی اتعلم ان لفظ البتة الذی یراد به الآن الطلقات الثلاث کانت تجعل واحدة فی عهده صلی الله علیه وسلم وابی بکر وصدراً من خلافة عمر قال ابن عباس، فلما کان فی عهد عمر تتابع الناس فی الطلاق فاجازه علیهم یعنی تتابع الناس فی الطلاق فی الثلاث هذا والله تعالیٰ اعلم۔

تین طلاق دینے سے تین طلاق واقع ہونیکی دلیل حق تعالیٰ کا یہ قول ہے، اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۔ الیٰ قوله ۔ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۔ یعنی طلاق رجعی دو طلاق ہیں اسکے بعد یا تو قاعدہ کے موافق بیوی کو روک لے یا خوبی سے علیحدہ کردے، آگے ارشاد ہے کہ "دو کے بعد اگر دوسری طلاق دیدی تو وہ عورت اب شوہر کیلئے حلال نہ رہیگی جب تک وہ کسی دوسرے

سے نکاح نہ کرے ،، اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاق کے بعد حرمتِ مغلظہ ثابت ہو جاتی ہے خواہ ایک مجلس میں دی یا الگ الگ دو مجلسوں میں کیونکہ الفاظ آیت کے مطلق ہیں اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم مطلق ہی ہے جیسا کہ آئندہ آئیگا۔ دوسری دلیل حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ،، ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً ،، جو کوئی خداوندی حدود سے تجاوز کرے اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ اے (طلاق دینے والے) شخص تجھکو کیا معلوم ہے شاید حق تعالیٰ اسکے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دیں (یعنی شاید طلاق کے بعد تجھکو ندامت ہو اور تو بیوی کو رکھنا چاہے اسلئے حد سے آگے نہ بڑھ) اور طلاق رجعی کی حد پہلی آیت میں معلوم ہو چکی ہے کہ دو تک ہے) پس اگر تین طلاق دینے سے ایک ہی واقع ہوا کرے تو لازم آتا ہے کہ حد سے تجاوز کرنے میں اسکو کچھ بھی ندامت نہ ہو حالانکہ آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ حد سے تجاوز کرنے والا اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔ اور شاید بعد میں اسکو ندامت ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاق دینے سے تین ہی پڑتی ہیں اور جو تفسیر ہم نے ان آیات کی بیان کی ہے احادیث سے اسکی تائید ہوتی ہے چنانچہ ملاحظہ ہو:

(۱) طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت انس و ابوہریرۃ و حضرت عائشہ و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دی ہوں پھر اس نے دوسرے شخص سے نکاح کیا ہو اور اس نے بھی طلاق دیدی ہو تو وہ پہلے کیلئے حلال ہو گئی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ جب تک وہ اس کا مزہ نہ چکھے اور عورت اس کا مزہ نہ چکھے یہ حدیث مشہور ہے جس میں حضورؐ نے تین طلاق کا حکم عام بیان فرمایا ہے خواہ تینوں ایک مجلس میں دی گئی ہوں یا الگ الگ۔

(۲) بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دیں پھر اس نے نکاح کیا پھر اس (دوسرے) نے بھی طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ وہ پہلے شوہر کیلئے حلال ہو گئی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک وہ دوسرا بھی اس کا مزہ نہ چکھے جیسا کہ پہلے نے مزہ چکھا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس میں لفظ طلقہا ثلاثاً سے ظاہری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں

طلاق ایکدم سے دی گئی ہیں (ص ۳۲۱ ج ۸)۔
(۳) رُکانہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو لفظ البتہ سے طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ کیا تم قسم کھا کر کہہ سکتے ہو کہ تم نے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی رکانہ نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بتلارہی ہے کہ اگر رکانہ نے تین طلاق کی نیت کی ہوتی تو تینوں واقع ہوجاتیں اگر تین کی نیت سے بھی ایک ھی واقع ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رکانہ سے قسم لینا بیکار ہوجاتا ھے۔ یہ حدیث صحیح ہے ملاحظہ ہو نووی شرح مسلم ص ۴۲۶ ج ۱۲)
(۴) ابوداؤد نے بسند صحیح مجاھد سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک شخص آیا اس نے کہا کہ میں نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دی ہیں ابن عباس نے (کچھ دیر) سکوت کیا جس سے مجھے گمان ہوا کہ شاید وہ اسکی بیوی کو اسی کی طرف واپس کردینگے مگر ابن عباس نے فرمایا کہ بعض لوگ جاکر حماقت کرتے ہیں پھر آکر (مجھے) پکارتے ہیں۔ اے ابن عباس! اے ابن عباس! حالانکہ حق تعالےٰ فرماتے ہیں "ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا" جو شخص خدا سے ڈرے گا حق تعالیٰ اس کے لئے راستہ نکالدینگے اور تو نے خدا سے خوف نہیں کیا اسلئے میں تیرے واسطے کوئی راستہ نہیں پاتا تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ سے جدا ہوگئی (فتح ص ۳۱۶ ج ۸)
اور طبری کی روایت میں اتنی اور زیادتی ہے کہ ابن عباس نے یہ آیت پڑھی "یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن فی قبل عدتھن" اھ۔ اس سے صاف معلوم ہورہا ہے کہ اس شخص نے تین طلاق ایک مجلس میں دی تھیں کیونکہ متفرقاً تین طلاق دینا معصیت نہیں ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ بایں وجہ یہ فرمایا کہ تیری بیوی تجھ پر حرام ہوگئی اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاق ایک مجلس میں ایک دم سے دی جائیں تو وہ واقع اور لازم ہوجاتی ہیں۔
(۵) طبری نے سند صحیح کے ساتھ زہری سے قصہ فاطمہ بنت قیس کو روایت کیا ہے جس کے آخر میں فاطمہ بنت قیس کا یہ قول ھے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں "لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذالك امراً" اے مخاطب! تو نہیں جانتا شاید حق تعالیٰ اسکے بعد کوئی نئی بات پیدا کردیں، فاطمہ بنت قیس نے کہا کہ بتلاؤ تین طلاق کے بعد کونسی نئی بات پیدا ہونیکی امید ھے پس یہ حکم جو اس آیت میں مذکور ہے طلاق رجعی کا ھے اھ (ص ۸۸ ج ۲۸)۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ تین طلاق کے بعد پھر رجعت وغیرہ کی کچھ گنجائش نہیں رہتی۔

(۶) طبری نے آیت، الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان کی تفسیر میں عروۃ بن الزبیر اور قتادہ وابن زید وغیرھم سے روایت کی ہے وہ سب کہتے ہیں کہ پہلے طلاق کیلئے کچھ حد نہیں تھی آدمی اپنی بیوی کو سو طلاق دیدیتا پھر اگر عدت تمام ہونے سے پہلے وہ رجوع کر لیتا تو اسکو یہ حق حاصل تھا پھر حق تعالیٰ نے طلاق کی حد تین تک مقرر کردی (کہ اب تین طلاق کے بعد رجوع کا حق بالکل نہیں رہتا) اھ (ص ۲۷۷-ج-۱) انکی اسناد صحیح ہے ــــــ اس سے صاف معلوم ہوا کہ تین طلاق زبان سے نکالتے ہی عورت بالکل حرام ہو جاتی ہے۔

(۷) علامہ سیوطیؒ درمنثور میں فرماتے ہیں کہ ترمذی اور ابن مردویہ اور حاکم نے روایت کی ہے اور حاکم نے اسکو صحیح کہا ہے نیز بیہقی نے بھی اپنی سنن میں بیان کیا ھے سب کے سب حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ پہلے لوگ اس حالت میں تھے کہ ایک آدمی اپنی بیوی کو جتنی چاھے طلاق دیدیتا اور جب وہ رجوع کر لیتا تو وہ اسکی بیوی ھی رہتی تھی یہاں تک کہ آیت " الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان "، نازل ہوئی، دوسری روایت میں ھے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے طلاق کی حد مقرر کر دی، پس ایک اور دو میں رجوع کر سکتا ہے اور تین میں رجعت کا حق نہیں جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔

(۸) ابوداؤد اور نسائی نے اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ھے کہ پہلے جب آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیدیتا تو اسکو رجعت کا حق حاصل رہتا تھا اگرچہ اس نے تین ھی طلاق دیدی ہوں پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا (اب تین کے بعد حق رجوع حاصل نہیں)۔ اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے قوی کہا ہے۔

(۹) علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ مالک اور شافعی اور ابوداؤد اور بیہقی محمد بن ایاس بن بکیر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں قبل دخول کے پھر وہ استفتاء کرتا ہوا آیا تو میں بھی اس کے ساتھ مسئلہ دریافت کرنیکیلئے ہو لیا تو اس نے حضرت ابوھریرہ وابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا دونوں نے فرمایا کہ ہم تیرے واسطے اس عورت سے نکاح جائز نہیں سمجھتے جب تک وہ تیرے سوا کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے، اس نے

کہا کہ میں نے تو اسکو ایکدم سے طلاق دی تھی، ابن عباس نے فرمایا کہ تو نے اپنے ہاتھ سے وہ فضیلت خود نکالدی جو تجھے حاصل تھی۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو امام محمدؒ نے اپنے مؤطا میں مالک سے بسند صحیح روایت کیا ہے ـــــ اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ تین طلاق ایکدم دینے میں بھی تینوں واقع اور لازم ہو جاتی ہیں۔

(۱۰) امام مالک مؤطا میں فرماتے ہیں کہ انکو یہ حدیث پہنچی ھے کہ ایک شخص نے ابن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاق دیدیں تو آپ میرے لئے کیا فرماتے ہیں؟ ابن عباس نے فرمایا کہ وہ عورت تین طلاق سے تجھ پر حرام ہوگئی اور ۹۷ طلاقوں سے تو نے خدا کی آیات سے استہزاء کیا۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث بھی پہنچی ھے کہ ایک شخص ابن مسعود کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو دو سو طلاق دیدیں۔ ابن مسعود نے کہا پھر تجھ سے لوگوں نے کیا کہا؟ کہنے لگا کہ مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ وہ عورت مجھ پر حرام ہوگئی۔ ابن مسعود نے فرمایا کہ لوگوں نے سچ کہا اھ (ص ۱۹۹) ـــــ میں کہتا ہوں کہ بلاغات امام مالکؒ محدثین کے نزدیک صحیح ہیں اور اس سے بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص سو طلاق یا دو سو طلاق ایک دم سے دیدے تو تین طلاق پڑ جاتی ہیں۔ گو ایک ھی لفظ سے طلاق دی۔ اور ایک ھی مجلس میں دے یہ دلائل تو جمہور کی طرف سے ہیں اب اس حدیث کا جواب سنئے جو غیر مقلد اپنی دلیل میں بیان کرتے ہیں اسکے چند جواب ہیں:

(۱) یہ کہ اس حدیث کو ابن عباس سے صرف طاؤس نے روایت کیا ھے اور ابن عباس کے دوسرے شاگرد یعنی سعید بن جبیر و عطاء بن ابی رباح و مجاہد و عکرمہ و عمرو بن دینار و مالک بن حرث و محمد بن ایاس بن بکیر و معاویہ بن ابی عیاش انصاری اسکے خلاف ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے تین طلاق کو (ایک مجلس میں ایک لفظ سے) نافذ اور واقع کیا ہے چنانچہ بیہقی نے ان سب روایتوں کو نقل کر کے ابن منذر کا قول بیان کیا ہے کہ ابن عباس پر یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات یاد رکھتے ہوئے اسکے خلاف فتویٰ دیں پس لا محالہ ان میں سے ایک کو ترجیح دینی لازم ہے اور ظاہر ھے کہ جو بات جماعت کثیر نے ابن عباس سے بیان کی ہے اسکو اخذ کرنا ایک شخص کی روایت کو اخذ کرنے سے زیادہ بہتر ھے جبکہ وہ ایک شخص سب کے خلاف روایت کرتا ھے (فتح الباری ص ۳۱۷۔ ج ۸) ـــــ حاصل یہ ہوا کہ طاؤس کی روایت شاذ

ھے اور روایت شاذ مردود ہوتی ہے۔

(۲) طاؤس کی یہ روایت مضطرب ہے قرطبی نے مفہم شرح مسلم میں کہا ہے کہ اس حدیث میں باوجود اصحاب ابن عباس کے مخالفت کے الفاظ میں بھی اضطراب واقع ہے اور نیز طاؤس کی اس حدیث سے بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ اکثر صحابہ کو یہ بات معلوم تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین طلاق کو ایک سمجھا کرتے تھے اور ایسی بات عادۃً شائع اور منتشر ہونی چاھئے تھی پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ اسکو نقل کرنے والا ایک ھی شخص ہے (یعنی طاؤس) اور وہ بھی ایک ھی شخص سے روایت کرتا ہے (یعنی ابن عباس سے) اگر یہ مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتا اور اکثر صحابہ اسکو جانتے تو بہت سے تابعین بہت سے صحابہ سے اسکو روایت کرتے اسلئے اگر اسکو قطعی طور پر باطل نہ کہا جائے تب بھی طاؤس کی حدیث پر عمل کرنے سے توقف کرنا لازم ہے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر طاؤس کی روایت کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک خاص صورت کے متعلق ھے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص الفاظ طلاق کو تین بار مکرر کہے کہ تجھکو طلاق تجھکو طلاق تجھکو طلاق اور پھر یہ دعویٰ کرے کہ میری نیت صرف ایک طلاق دینے کی تھی اور میں نے تین بار محض تاکید کیلئے کہا تھا تو اس صورت میں زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر اور تین سال خلافتِ عمر میں شوہر کا قول مان لیا جاتا تھا کیونکہ اس زمانہ میں لوگ جھوٹ نہ بولتے تھے صلاحیت اور تقویٰ کا اس زمانہ میں غلبہ تھا، حضرت عمر کے زمانہ میں جب کذب وخداع لوگوں میں زیادہ ہو گیا تو حضرت عمر نے حکم دیدیا کہ اب جو شخص تین بار لفظ طلاق مکرر کہکر ایک طلاق کی نیت کا دعویٰ کرے گا قضاءً یہ دعویٰ قبول نہ ہوگا۔ قرطبی اور نووی نے اس مطلب کو صحیح کہا ہے ۔ اور اگر صاف یہ کہدے کہ تجھکو تین طلاق تو اسکو کسی وقت میں ایک شمار نہیں کیا گیا اور نہ حدیث اس پر دال ہے۔

(۴) چوتھا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں راوی نے لفظ "البتۃ" کی جگہ لفظ "ثلاثا" کہدیا ہے کیونکہ اس وقت لفظ البتۃ اور تین طلاق کا یکساں ہونا مشہور تھا چنانچہ رُکانہ کی حدیث میں بھی بعض راویوں نے لفظ "البتۃ" کی جگہ لفظ "ثلاثا" کہدیا ہے، پس مطلب حدیث کا یہ ہے کہ ابوالصہباء نے ابن عباس سے دریافت کیا کہ کیا آپکو یہ بات

معلوم ہے کہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ وشروع خلافت عمرؓ میں "طلاق البتۃ" کو (جو آجکل تین طلاق شمار ہوتے ہیں) ایک طلاق شمار کیا جاتا تھا ابن عباس نے کہا ہاں اھ سو بات یہ ہے کہ لفظ "البتۃ" اصل میں کنایہ ہے اور کنایات کا قاعدہ یہ ہے کہ اس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور اگر تین طلاق کی نیت کرے تو تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں پس ابتداء زمانہ اسلام میں یہ لفظ تین طلاق کیلئے صریح نہ تھا ایک طلاق کی نیت قبول کی جاتی تھی، پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسکا استعمال تین کے معنیٰ میں بہت شائع ہو گیا حتیٰ کہ وہ اس معنی میں صریح ہو گیا کنایہ باقی نہ رہا اسلئے حضرت عمرؓ نے حکم دیدیا کہ اب اس لفظ سے طلاق واحد کی نیت قبول نہ ہوگی کیونکہ اب کثرت استعمال سے یہ تین طلاق کے معنیٰ میں صریح ہو گیا ہے باقی یہ مطلب اس کا ہرگز نہیں کہ صاف صاف تین طلاق دینے کے بعد بھی بوجہ اتحاد مجلس کے یا بوجہ اتحاد کلمہ کے انکو ایک شمار کیا جائیگا جو کوئی یہ دعویٰ کرے وہ دلیل بیان کرے اور جو دلیل غیر مقلد بیان کرتے ہیں اسمیں علاوہ شذوذ واضطراب کے یہ دو احتمال قوی موجود ہیں۔ جو ہم نے بیان کیے ہیں "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" یعنی احتمال کے ہوتے ہوئے استدلال باطل ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں یہ کہ جماہیر اُمت کا اسپر اجماع ہو چکا ہے کہ تین طلاق ایک مجلس میں ایک ہی لفظ سے دی جائیں تو وہ ضرور واقع ہو جاتی ہیں۔ خواہ مدخول بھا ہو یا نہ ہو اور ایک مجلس میں تین لفظ سے دی جائیں تو اس میں مدخول بھا وغیر مدخول بھا کی حالت سے فرق ہو جاتا ہے، مدخول بھا پر بالاجماع تینوں پڑجاتی ہیں۔ اور غیر مدخول بھا میں اختلاف ہے اور اجماع کی مخالفت حرام ہے، لھذا جو لوگ یہ کہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے ایک واقع ہوتی ہے وہ مرتکب معصیت اور سخت گمراہ و گناہ گار ہیں۔

قال الحافظ فی الفتح : وفی الجملۃ فالذی وقع فی ھذہ المسئلۃ نظیر ما وقع فی مسئلۃ المتعۃ سواء اعنی قول جابر انھا کانت تفعل فی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وصدر من خلافۃ عمر ثم نھانا عمر عنھا فانتھینا فالراجح فی الموضعین تحریم المتعۃ وایقاع الثلاث للاجماع الذی انعقد فی عھد عمر علی ذالک ولا یحفظ ان احدا فی عھد عمر خالفہ فی واحدۃ منھما وقد دل اجماعھم علی وجود ناسخ

وان کان خفی عن بعضهم قبل ذالک حتی ظهر لجمیعهم فی عهد عمر فالمخالف بعد هذا الاجماع منابذ له والجمهور علی عدم اعتبار من احدث الاختلاف بعد الاتفاق (ص۳۱۹ ج ۸) واللہ اعلم۔

"لفظ طلاق کو تین بار کہنے سے مطلقہ مغلظہ ہوجانے کا حکم"

(سوال) شخصے جاہل نزد عالمی برای طلاق دادن بزن خود آمد ہماں عالم صاحب بہ طالب علمے خود فرمود کہ این را تلقین طلاق نمودہ ایقاع طلاق کناں او بروئے خود طالب علم بآں شخص گفت کہ طلاق بائن بدہ آں گفت "طلاق دادم" بعدہ طالب علم ہمیں خیال نمودہ کہ برائے دفع مناقشہ زوجین طلاق رجعی کافی نیست بآں شخص گفت کہ بگو طلاق بائن دادم بعدہ گفت طلاق بائن دادم و آن دم ہماں عالم صاحب فرمود کہ لفظ بائن را مردم بے علم نمی فہمند برای اطمینان طرفین گفتہ آید کہ جواب دادم باز آں شخص بزن خود گفت کہ جواب دادم (وجواب دادن در عرف این ملک بائن می شود) دریں صورت بر مستفتی عنہا طلاق رجعی واقع شد یا بائن یا مغلظہ آں شخص بے علم بود مرادش طلاق مطلق دادن بود بغیر لحاظ وصفے وعددے مگر حسب گفتن طالب علم وعالم تفسیرًا باز طلاق بائن بعدہ جواب دادم گفتہ۔ از تکرار چنیں الفاظ (جواب دادم وبائن) مراد ملقنان طلاق طلاق دہم مراد مرد مطلق تقریر طلاق نبود صرف تعیین نوع طلاق (بائن) بود، بینوا توجروا بالبرھان۔

سائل بندہ دین محمد فیروز شاہی معلم مدرسہ مقام پاٹ اسٹیشن پیارہ گوٹھ ضلع لاڑکانہ (سندھ)

الجواب[ع] :۔ صورت مسؤلہ میں تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں اب بدون حلالہ کے عورت اس مرد کیلئے حلال نہیں ہوسکتی۔

قال فی العالمگیریۃ: متی کرر لفظ الطلاق بحرف الواو وبغیر حرف الواو یتعدد الطلاق وان عنی بالثانیۃ الاولیٰ لم یصدق فی القضاء اھ (ص۵۶ ج۲)

قلت: وفی الصورۃ المسئولۃ لا یصدق دیانۃً ایضًا لان الزوج جاھل تکلم بما لقنہ الملقن واما التفسیر بالبائن ونحوہ فھذا انما ھو فی ذھن الملقن فحسب لا فی ذھن المطلق کما یظھر من السوال، واللہ اعلم۔

۲، شوال سنہ۱۴۰۱ھ

ع اس سوال کے جواب سے بعد میں رجوع کیا گیا۔

"جا تجھکو طلاق دی میں نے"، پھر کہا "تجھکو دو طلاق دی"، تو عورت اگر مدخول بہا ہے تو تین واقع ہو گئیں

(**سوال**) زید نے اپنی بیوی سے کہا "جا تجھکو طلاق دی ہیں"، تھوڑی دیر کے بعد کہا "جا تجھکو دو طلاق دی ہیں"، اب زید کے پاس ۵ شخص موجود تھے دو شخص کہتے ہیں کہ زید نے صرف "جا تجھکو دو طلاق دی ہیں" کہا اور "جا تجھکو طلاق دی ہیں" نہیں کہا اور باقی تین ہی شخص کہتے ہیں کہ زید نے پہلے "جا تجھکو طلاق دی ہیں" کہا تھوڑی دیر کے بعد کہا "جا تجھکو دو طلاق دی ہیں"، اور زید ان تین شخصوں کی گواہی کو انکار کرتا ہے حالانکہ پانچوں شخص ایک ہی جگہ پر بیٹھے تھے اور زید پہلے دو شخص کی شہادت کا اقرار کرتا ہے، اب صورت مذکورہ میں کتنی طلاق پڑیگی؟ اور صورت اولیٰ میں آیا ایک ہی طلاق پڑیگی یا تین؟ اور صورت ثانیہ میں دو طلاق پڑیگی یا نہیں؟ جواب مدلل بحوالہ کتب مرحمت فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ قال فی العالمگیریۃ: ولو قال للمدخولۃ انت طالق واحدۃ لا بل ثنتین یقع الثلاث اھ (ص ۶۱ ج ۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسری صورت میں اگر شوہر نے پہلے "جا تجھکو طلاق دی ہیں" کہکر پھر "جا تجھکو دو طلاق دی ہیں"، کہا ہے تو عورت پر اگر وہ مدخولہ ہے تین طلاق واقع ہوگئیں اور پہلے "جا تجھکو طلاق دی ہیں"، نہیں کہا تھا تو صرف دو طلاق واقع ہوئیں اور غیر مدخولہ کا حکم دوسرا ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۶ شوال ۱۳۴۲ھ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

حکم طلاق ثلاث بدون اضافت،

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین ان مسائل میں کہ:

(۱) ایک شخص اپنی بیوی کو کسی وجہ سے زد و کوب کیا پھر وہاں سے اندازاً پچاس قدم ہٹ کر کہنے لگا کہ "ایک طلاق، دو طلاق، سات طلاق"، بس اس سے اسکی بیوی مطلقہ ہوگئی یا نہیں؟ اور ایک طلاق دو طلاق جو الفاظ مذکور ہے اس سے مراد اضافتِ معنویہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ قال فی الشامیۃ: ولا یلزم کون الاضافۃ صریحۃ فی کلامہ لما فی البحر: لو قال: طالق، فقیل لہ: من عنیت؟ فقال: امرأتی طلقت امرأتہ اھ۔

وفی البحر :۔ لو قال : امرأة طالق او قال طلقت امرأة ثلاثًا و قال لم اعن امرأتی یصدق اھ ویفہم منہ انہ لو لم یقل ذالک تطلق امرأتہ لان العادة ان من لہ امرأة انما یحلف بطلاقہا لا بطلاق غیرہا فقولہ انی حلفت بالطلاق ینصرف الیہا مالم یرد غیرہا لانہ یحتملہ کلامہ اھ (ص ۵۰۷ ج ۲)۔

صورتِ مذکورہ میں جب اس شخص نے ایک طلاق دو طلاق سات طلاق کہنے کے بعد یہ نہیں کہا کہ میری مراد بیوی کو طلاق دینا نہیں بلکہ کسی اور کو طلاق دینا ہے تو اب اسکی بیوی پر تین طلاق مغلظ واقع ہوگئیں کیونکہ بظاہر اسکی نیت اسی عورت کو طلاق دینے کی ھے جس کو زدوکوب کیا تھا پس بدون تحلیل کے وہ عورت اپنے شوہر کیلئے حلال نہیں ہوسکتی۔ واللہ اعلم۔

"تجھکو آزاد کی، اور طلاق دی، تو چلی جا" کہنے سے وقوع طلاق کا حکم۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ زید اپنی زوجہ کے ساتھ ہمیشہ تکرار اور جھگڑا کرتا ہے، جب وہ زیادہ تنگ کرتا ہے اسکی زوجہ اپنے باپ کے یہاں چلی آتی ہے، دو چار مہینہ کے بعد پھر زید آتا ہے معافی چاھتا ہے پھر لے جاتا ہے چند روز وہاں رہتی ہے پھر اپنی زوجہ کے باپ کو زید تحریر کرتا ہے اسکو لیجاؤ اسیطرح چند مرتبہ ایسا واقعہ ہوچکا ہے، اب آخر میں جو تکرار ہوا اسکے بعد زید نے اپنا لڑکا بیوی سے چھین لیا اور یہ کہا: "جا تجھکو آزاد کیا، اور طلاق دی، تو چلی جا"، اس نے باپ کو بلا کر اسکے ہمراہ چلی آئی۔ جسکو عرصہ آٹھ ماہ کا ہوچکا ہے۔ زید نہ لینے آیا اور نہ خرچہ دیا۔ اس صورت میں زید کی بیوی کو طلاق ہوگئ یا نہیں۔ اور اس کا نکاح دوسری جگہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ مولوی محمد یعقوب۔

الجواب :۔ صورت مسئولہ میں عورت پر تین طلاق واقع ہوچکی ہیں۔ اگر لفظ "چلی جا" سے نیت طلاق کی، کی ہو۔ ایک اس لفظ سے "جا تجھکو آزاد کیا"، دوسری اس لفظ "اور طلاق دی"، تیسری اس لفظ سے "تو چلی جا"۔ لانّ اذھبی واخرجی کنایة و البائن یلحق الصریح ۔ البتہ اگر شوہر نے "تو چلی جا" سے تیسری طلاق کا قصد نہ کیا ہو بلکہ تاکیداً پہلے کلام کا اثر ونتیجہ بیان کرنیکا قصد کیا ہو تو تین طلاق واقع نہ ہونگی صرف دو طلاق واقع ہونگی۔ لان نحو اذھبی واخرجی لا یقع بہ الطلاق الا بالنیة

مطلقاً سواء کان حالۃ الرضی او الغضب او المذاکرۃ صرح بہ الشامی۔

(ص ۶۵۷ ج-۲)

پس اگر شوہر نے "تو چلی جا" سے بھی طلاق کا قصد کیا ہو تب تو یہ اسکے لئے بالکل حرام ہو چکی کہ بدون حلالہ کے دوسرا نکاح بھی اس سے نہیں ہو سکتا اور اگر اس لفظ سے طلاق کا ارادہ نہ تھا تو اسمیں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس آٹھ ماہ کے عرصہ میں عورت کو تین حیض آچکے جب تو وہ زید کے نکاح سے نکل چکی اور دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ھے، اور اگر اس عرصہ میں تین حیض نہیں آئے تو ابھی عدت پوری نہیں ہوئی، دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی۔ بلکہ اگر زید رجوع کرنا چاھے تو تین حیض گذرنے سے پہلے رجوع کر سکتا ہے، تجدید نکاح کی ضرورت نہیں اور اگر تین حیض آچکے تو اس صورت میں جبکہ دو ہی طلاق واقع ہوئیں زید سے دوسرا نکاح ہو سکتا ہے، حلالہ کی ضرورت نہ ہوگی اور تین حیض کے آنے یا نہ آنے کے باب میں عورت ہی کا قول معتبر ہوگا اور اگر اختلاف ہو تو عورت کا قول مع قسم کے معتبر ہوگا۔

قالت: مضت عدتی، و انکر الزوج فالقول لھا لانھا امینۃ،

(در مختار ص ۸۷۶ ج-۲) واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

مورخہ ۲۵ رصفر ۴۵ھ۔

"تجھکو قطعاً چھوڑ دیا، تو میری بیوی گری سے نکل گئی تجھکو بائیکاٹ کر دیا" سے وقوع طلاق کی ایک صورت کا حکم۔

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو بارہا اس قسم کے الفاظ تحریر کئے ہیں جیسا کہ نقل ایک تحریر کی منسلک استفتاء ھذا ھے الفاظ یہ ھیں:

"اب آج کی تاریخ سے ہم سے اور تم سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ہم نے تم کو قطعاً چھوڑ دیا ہے جو تمہارا دل چاھے سو کرو، تم میری بیوی گری سے بخدا قطعاً نکل گئی ہو میں تم سے مستثنی ہوں اور تم کو قطعاً بائیکاٹ کر دیا ہے"

جناب والا! یہ الفاظ مکرر سہ کرر خطوط میں لکھا ہے مگر باوجود اس تحریر کے نشست و برخاست بات چیت بند نہیں ہوئی پس اس صورت میں کیا ہندہ پر طلاق بائن ہوئی یا مغلظ؟ امیدوار ہوں کہ جواب باصواب مع حوالۂ کتاب تحریر فرمادیں،

بینوا توجروا۔ کمترین محمود عالم از فیض آباد۔
معرفت حکیم عادل حسین عفا عنہ ۳ رجمادی الاولیٰ ۲۵ ھ

(نقل تحریر منجانب زید بنام ھندہ)

ہندہ کو معلوم ہو کہ اب آج کی تاریخ سے ہم سے اور تم سے کچھ تعلق نہیں ہے اور میں نے تمکو قطعاً چھوڑ دیا ہے اور نہ اب میں تمہاری زندگی بھر صورت دیکھونگا۔ اگر میں اپنے ایک باپ کا پیدا ہوں تو ضرور یہی بات کر کے دکھاؤنگا اطلاعاً لکھا گیا ہے لھذا تاکیداً لکھا جاتا ہے کہ تم اسکو مثل نوٹ کے سمجھو اور مذاق نہ سمجھو ورنہ تم بہت بہت پچھتاؤگی اور سخت رُووگی آئندہ تم کو اختیار ہے اور اب تم اپنی تمام عمر بھر کیلئے مجھ سے ہاتھ دھو کے۔ ہائے! میں جدا ہوں جو تمہارا دل چاہے سو اب تم کرو تم اب میری بیوی گری سے بخدا قطعاً نکل گئی ہو میں تم سے مستثنیٰ ہوں اور اب حلف کی رو سے میں دس آدمیوں کے سامنے کہدونگا کہ یعنی خالد کی لڑکی مجھ سے ۲۵ ر شب برات سے ترک ہوگئی ہے ایک مہینہ بھر تک مجھ سے ہندہ سے تعلق رہا اور پھر بعد اسکے ہندہ نے میرے خلاف از حد یہ نالائق حرکتیں کیں اسلئے میں نے اسکو ترک کر دیا اور جو اب تمہارا دل چاھے شوق سے کرو اور نہ اب تمہاری صورت دیکھونگا اگرچہ تم ایک اپنے باپ سے پیدا ہوگی تو اسکو جھوٹ نہ سمجھوگی، اور تم کو قطعاً بائیکاٹ کر دیا ہے حلف کی رُو سے میری بیوی ہندہ نہیں ہے زندگی بھر تک اسکی اب صورت نہ دیکھونگا اور اب یہاں سے بھی کہیں دور جاتا ہوں جب تک تم لکھنؤ رہوگی تب تک میں یہاں سے الگ رہونگا اور جب تم الہ آباد چلی جاؤگی جب میں یہاں رہونگا اب تک میں نے کوئی طرح کی بات چیت نہیں کی ہے مگر اب ایسا کرونگا پھر چاھے لفٹننٹ گورنر چلے آئینگے تب بھی میں تمہارے قریب نہ آؤنگا اور بھی میں نے اپنا انتظام الگ کرلیا ہے زیادہ کیا لکھوں۔

مؤرخہ ۲۲ر جولائی ۲۶ء بقلم خود اندازیخانی ٹولہ ضلع گولڈہ ۵۔ ۱۲

واضح رہے کہ شوہر نے خط میں انھی جملوں کو "ہندہ میری بیوی نہیں، خالد کی دختر میری کوئی نہیں، میری کوئی نہیں، میری کوئی نہیں" وغیرہ، تین تین مرتبہ لکھا ہے۔ برائے کرم اس کی روشنی میں جواب عنایت فرماویں کہ زید کی بیوی مطلقہ ہوگئی یا نہیں؟۔

الجواب :- صورت مسئولہ میں مسماۃ ھندہ پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوچکیں، ایک اس لفظ سے "میں نے تم کو قطعاً چھوڑ دیا ھے"، جو طلاق میں صریح ہے۔ دوسری اس لفظ سے "تم میری بیوی گری سے قطعاً نکل گئی ہو"، جسکے معنی زوجیت سے نکلنا ہے، تیسری اس لفظ سے "تم کو قطعاً بائیکاٹ کردیا ہے تم میری بیوی نہیں ہو" اھ۔ ان کے علاوہ اور الفاظ بھی اس خط میں موجب طلاق ہیں جو قرینہ سابقہ سے ملکر طلاق کو موجب ہیں لیکن یہ الفاظ تو بہت صاف ہیں۔ وقد صرح الفقہاء بلحوق البائن بالصریح — پس ھندہ کو اس شوہر سے یعنی زید سے قطعاً علیحدگی اختیار کرلینا چاھئے اور اس تحریر کے بعد سے تین حیض عدت کے پوری کرکے وہ جس سے چاھے نکاح کرلے اور زید سے ہی نکاح کرنا چاھے تو جب تک دوسرے شخص سے نکاح اور دخول اور طلاق یا موتِ زوجِ ثانی اور اتمام عدت نہ ہو اس وقت تک وہ زید سے نکاح نہیں کرسکتی ھے کہ تین طلاق کا یہی حکم ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ از تھانہ بھون
خانقاہ امدادیہ۔ ۶ رجمادی الاولیٰ ۴۵ھ

"اگر مجھے مارنے کا اختیار نہیں، تو میں نے طلاق دی"، تین مرتبہ یہ جملہ کہنے سے طلاق مغلظہ واقع ہوگی۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمّیٰ عمروؔ اپنی بیوی پر کچھ کار خانگی نقصان کردینے پر غصہ ہوا اور دو ایک طمانچہ بھی مارے اسپر عمروؔ کا بھائی آکر مانع ہوا اور ڈانتے ہوئے کہا تجھے کیا اختیار ہے مارنے کا۔ عمروؔ نے جھنجھلا کے کہا کہ "اگر مجھے مارنے کا اختیار نہیں ہے تو میں نے طلاق دی" اور تین مرتبہ یہی کہا۔ اب عند الشرع انکے لئے کیا حکم ہے،

پتہ :- نیاز مند قاضی ابوالحسن تجارہ راجپوتانہ محلہ قاضیان۔

الجواب : قال فی الدر[1] :- وأن لایقصد بہ المجازاۃ ، فلو قالت: یا سفلہ ! فقال : ان کنت کما قلت فانت کذا تنجیز کان کذالک اولا اھ۔

[1] فی أول باب التعلیق من کتاب الطلاق۔ دلاور حسین بنگلہ دیشی

وفی الشامیة: والمختار والفتوٰی انه ان کان فی حالة الغضب فهو علی المجازاة والا فعلی الشرط اھ (ص ۸۱۲ - ج-۲)

قلت: والظاهر من صورة السوال کونه تنجیزاً والتعلیق للمجازاة دون الشرط۔

ہمارے نزدیک صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہو چکی ہیں اس شخص کی بیوی کو اس صورت میں اسکے پاس رہنا جائز نہیں اور نہ اب بدون حلالہ کے اسکو اس شخص سے نکاح درست ہے عدت کے بعد وہ کسی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔ باقی اور علماء سے بھی دریافت کر لیا جائے۔

فقط حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۳۰ جمادی الاخریٰ ۴۳ھ

طلاق بائن کے بعد تین طلاق دی تو بینونہ غلیظہ ہو جائیگی یا نہیں

(سوال) زید نے اپنی منکوحہ کو کہا "تو میرے اوپر حرام ہے" پھر اسی وقت کہا کہ "تین طلاق سے طلاق ہے"، چونکہ تین طلاقیں صریح لفظ سے بائن غلیظ کہلاتی ہیں اور بائن کے ساتھ بائن ملحق نہیں ہوتی اس قاعدہ کے مطابق یہاں اس صورت میں بائن خفیفہ ہوگی یا بائن غلیظ اگر ملحق ہو کر بائن غلیظ ہو گئی تو "عینی شرح کنز" کی اس عبارت کا کیا مطلب ہوگا؟ والبائن لا یلحق البائن الا اذا کان معلقاً صورته اذا قال لامرأته: ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثاً ثم ابانها فدخلت الدار وهی فی العدة طلقت ای وقع علیها الثلاث المعلق ــ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بصورت تنجیز اسی وقت طلقات ثلاث واقع کرے تو ملحق نہ ہونگی اور صرف لفظ حرام سے بائن خفیفہ ہو جائیگی۔ بندہ محمد عرفان۔

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں منکوحہ زید مطلقہ ثلاثہ ہو گئی ہے بدون تزوج بزوج آخر وحصول طلاق ازاں وگذشتن عدت زید کیلئے حلال نہیں ہو سکتی۔ اور سائل نے جو شبہ کیا ہے کہ تین طلاقیں صریح لفظ سے بائن غلیظ کہلاتی ہیں اور بائن کو بائن ملحق نہیں ہوتی یہ شبہ غلط ہے کیونکہ "البائن لا یلحق البائن" میں بائن سے وہ مراد ہے جو بلفظ کنایہ ہو اور بائن بلفظ صریحہ ہو وہ بائن وصریح دونوں

کو ملحق ہوتا ہے۔

قال فی الدر :۔ الصریح یلحق الصریح والبائن۔ والبائن یلحق الصریح مالا یحتاج الی نیۃ بائنًا کان الواقع بہ اورجعیًا "فتح" فمنہ الطلاق الثلاث فیلحقھما (ای البائن والصریح) وکذا الطلاق علی مال فیلحق الرجعی لا یلحق البائن اھ۔

قال الشامی : ای اذا عرفت ان قولہ الصریح یلحق الصریح والبائن المراد بالصریح فیہ ما ذکر ظھر ان منہ الطلاق الثلاث فیلحقھما ای یلحق الصریح والبائن، فاذا ابان امرأتہ ثم طلقھا ثلاثًا فی العدۃ وقع وھی واقعۃ حلب ـــ قال فی الفتح القدیر : الحق انہ یلحقھا لما سمعت من ان الصریح وان کان بائنًا یلحق البائن ومن ان المراد بالبائن الذی لا یلحق ھو ما کان کنایۃ اھ۔ وتبعہ تلمیذہ ابن الشحنۃ فی عقد الفرائد، وکذا صاحب البحر والنھر والمنح والمقدسی والشرنبلالی وغیرھم، وھو صریح ما نقلناہ آنفًا عن الخلاصۃ وایدہ صاحب الدرر والغرر کما نذکرہ قریبًا خلافًا لمن رجح عدم وقوع الثلاث فانہ خلاف المشھور کما یاتی اھ (ص۷۷۱ ج۔۲)۔

وفیہ ایضًا :۔ قولہ لا یلحق البائن البائن المراد بالبائن الذی لا یلحق ھو ما کان بلفظ الکنایۃ اھ (ص۷۷۲ ج۔۲)۔ وما نقلہ الزاھدی عازیًا الی الاسرار لنجم الدین قال : لھا انت بائن ثم قال فی العدۃ انت طالق ثلاثًا لا یقع الثلاث عند ابی حنیفۃ رح لکون الثلاث بینونۃ غلیظۃ فی المعنیٰ، وعندھما یقع لکونھا صریحًا فی اللفظ فقد ردہ الشامی رح بابلغ رد واحسنہ وقال : قد تقرر ان الزاھدی ینقل الروایات الضعیفۃ فلا یتابع فیما ینفرد بہ وقد وجد النقل عن الخلاصۃ والبزازیۃ وغیرھما بما یخالفہ کما قدمناہ اھ (ص مذکورہ) والمآل

فیہ فاجاد۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۴ محرم ۴۵ھ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔

حکم طلاق ثلاث نابالغہ غیر مدخولہ | (**سوال**) کیا فرماتے ہیں حضرات علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ زید نے بموجودگی چند اشخاص کے جن میں اس کا بالغ لڑکا مسمیٰ عمرو بھی موجود تھا بدون اسکے استخراج واستیذان کے ایک طلاق نامہ اسکی طرف سے لکھوایا جس کا عنوان اور رسم یہ تھا "میں مسمیٰ عمرو ولد زید نے اپنی نابالغہ غیر مدخولہ بیوی مسماۃ فلانہ بنت فلاں کو تین طلاق دی" بعد تکمیل کے باپ نے بیٹا کو حکم دیا کہ اس پر بائیں ہاتھ کے انگوٹھا سے نشان کردے۔ چونکہ لڑکا امی تھا دستخط کر نہیں سکتا تھا اسلئے اس نے آجکل کے گورنمنٹی دستور کے موافق اس پر نشان انگوٹھا کا کر دیا اور نشان کرنیکا اسکو اقرار ہے اور اسکو طلاق نامہ کے مضمون سے بھی پوری واقفیت ھے اس حالت میں اسکی زوجہ پر تینوں طلاقیں واقع ہونگیں یا نہیں؟ اور اب اگر عمرو اس عورت سے نکاح کرنا چاھے تو بلا حلالہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ طلاق واقع نہیں ہوئی اسلئے کہ دستخط یا ختم نہیں ہے (اور انگوٹھے کی نشان مستحدث ہے) اور نکاح بلا تحلیل جائز ہے اور دوسرے ایک شخص کا خیال ہے کہ انگوٹھے کا نشان بجائے ختم کے ہے لھذا نکاح بلا تحلیل درست نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ فی الشامیۃ: (ص ۷۰۴ ج ۲) ولو استکتب کتابًا بطلاقھا وقرأہ علی الزوج فاخذہ الزوج وختمہ وعنونہ وبعث بہ الیھا فاتاھا وقع وان اقر الزوج انہ کتابہ اوقال للرجل ابعث بہ الیھا او قال لہ اکتب نسخۃً وابعث بھا الیھا وان لم یقرأ ولم یقم بینۃً لکنہ وصف الامر علی وجھہ لاتطلق قضاءً ولادیانۃ وکذا کل کتاب لم یکتبہ ولم یملہ بنفسہ لایقع الطلاق مالم یقر انہ کتابہ اھ ملخصاً۔

جب زوج کو مضمون طلاق نامہ سے خبردار ہوتے ہوئے اس کا اقرار ہے کہ وہ

نشان انگشت اس کا ہے اور نشان انگشت ہمارے عرف میں دستخط سے بھی زیادہ مستند ہے تو صورت مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہوگئیں ختم سے ہر وہ نشان مراد ہے جو کہ نسبت کرنے کیلئے کافی ہو یہ نہیں کہ ختم کے علاوہ دوسرے نشانات معتبر نہوں شریعت نے ختم کی کوئی خاص صورت متعین نہیں کی چنانچہ بعض مہر کرتے ہیں بعض دستخط صاف کرتے ہیں بعض دستخط اپنی خاص روش پر بخط طغرا کرتے ہیں تو جو شخص نشان انگشت کو ختم نہیں کہتا وہ دستخط کی قسم ثانی کو کیا کہے گا اور ختم کو ان تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے ساتھ کس دلیل سے مقید کریگا ہمارے نزدیک ختم کا مدار عرف پر ہے جس طریقہ کو عرفاً ختم سمجھتے ہوں اس سے تحریر خاتم کی طرف منسوب ہو جائیگی اور آجکل نشان انگشت سب سے زیادہ ہے فلا شک فی کونہ ختماً۔ پس عمرو کو بدون حلالہ اس عورت سے نکاح جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ
۲۶ رشوال ۴۳ھ

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۲۶ رشوال ۴۳ھ

"ایک دو تین طلاق" کہنے سے طلاق مغلظ واقع ہوگی۔

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی بیوی بدکام کرتے ہوئے دوسرے پر دوسرے نے دیکھا اور اس وجہ سے ان کے اقارب میں سے کسی نے انکو سخت مارا اور لعن طعن کیا کہ تو کیوں اسکو کچھ نہیں کہتا اب شوہر غصہ ہو کر عام مجلس میں یہ الفاظ کہنے پر اقرار کرتا ہے اور انکے ساتھ چار آدمی یہی کہتے ہیں وہ الفاظ یہ ہیں "ایک دو تین طلاق بائن" اب اس میں طلاق ہوگی یا نہیں ؟ کیونکہ لفظ "دی" رہگیا مگر ایک آدمی "دی" لفظ کہنے پر بھی گواہی دیتا ہے اب چار گواہ کے مقابل میں ایک کا معتبر سمجھا جاویگا یا نہیں اور "دی" لفظ کہنے کی صورت پر بھی طلاق ہوگی یا نہیں کیونکہ نہ بیوی کو مخاطب بنایا نہ جس سے طلاق لفظ کا مبتدا ہو جاتا اور نہ "دی" لفظ کہا جس سے طلاق کی خبر ہو بظاہر مبتدا نہ ہونے پر مہمل کلام معلوم ہوتا ہے اسلئے لوگ اختلاف کرتے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی۔ اب کتب معتبرہ سے جواب روانہ فرما کر سرفراز کریں اور اگر ایک کا قول معتبر مانا جائے تو کچھ شبہ ہی نہیں

کیونکہ اس میں "دی" لفظ موجود ہے۔

فدوی کفیل الدین عفی عنہ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

الجواب :۔ صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئیں کیونکہ تعیین عورت اور اسیطرح لفظ "دی" کے مقدر ہونے پر قرینہ موجود ہے جیساکہ ذیل کے جزئیات میں واقع ہوجاتی ہے۔

رجل شاجر امرأتہ فقال لہا بالفارسیۃ "ہزار طلاق ترا" ولم یزد علیٰ ھذا وقع علیہا ثلاث تطلیقات .(عالمگیری ص۲۰ ج-۲)

سکران ھربت منہ امرأتہ فتبعہا ولم یظفر بہا فقال بالفارسیۃ "بسہ طلاق" ان قال عنیت امرأتی یقع وان لم یقل شیئاً لا یقع کذا فی الخلاصۃ ایضاً ص۲۳

البتہ اگر وہ شخص یہ کہے کہ میں نے نیت اپنی عورت کو طلاق دینے کی نہ کی تھی تو طلاق واقع نہ ہوگی ـــــــ للروایۃ الثانیۃ ولا یقاس علی الروایۃ الاولیٰ لوجود الاضافۃ فیہ دون ھٰذہ الواقعۃ۔ اور ایک کی شہادت اول تو اس معاملہ میں کافی نہیں۔

فی العالمگیریۃ : (ج-۴- ص ۲۳۵) بشرط فیہا شہادۃ رجلین او و امرأتین سواء کان الحق مالاً او غیر مال کالنکاح والطلاق الخ ـ اور دوسرے وہ شاہد بھی اضافۃ طلاق الی المرأۃ کی گواہی نہیں دیتا لھذا حکم مذکور میں اسکی شہادت کی وجہ سے کوئی فرق نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

وفی قول الشامی تحت قول الدرر : لترکہ الاضافۃ وما ذکر الشارح من التعلیل اصلہ لصاحب البحر اخذاً من قول البزازیۃ فی الایمان۔ قال لہا لا تخرجی من الدار الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لا یقع لعدم ذکرہ بطلاقہا ویحتمل الحلف بالطلاق غیرہا فالقول لہ اھ ومثلہ فی الخانیۃ وفی ھذا الاخذ نظر فان مفہوم کلام البزازیۃ انہ لو اراد الحلف بطلاقہا یقع لانہ جعل القول لہ فی صرفہ الی طلاق غیرہا والمفہوم من تعلیل الشارح تبعاً للبحر عدم الوقوع اصلاً لفقد شرط

الاضافۃ مع انہ لواراد طلاقہا تکون الاضافۃ موجودۃ ویکون المعنٰی فانی حلفت بالطلاق منک او بطلاقک ولا یلزم کون الاضافۃ صریحۃ کلامہ لما فی البحر لو قال طالق فقیل لہ من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأتہ اھ (ص ۵۰۷-ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ قرینہ ہوتے ہوئے بھی قول زوج کی طرف رجوع کیا جائیگا۔ کیونکہ "لا تخرجی من الدار الخ" کے بعد "فانی حلفت بالطلاق" کہنے پر بھی بدون قول زوج اس مخاطبہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور سکران کے جزئیہ مذکورہ میں اس کا دوڑنا اور کامیاب نہ ہونے پر یہ کہنا قرینہ ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ ۲ محرم ۱۳۴۲ھ

دو بیویوں کو کہا "دونوں کو ایک دو تین طلاق دی ہوں"، تو دونوں پر طلاق مغلظہ واقع ہوجائیگی۔

(**سوال**) زید کی دو بیوی ہیں آمنہ وفاطمہ خانگی خصومت کی جہت سے ایک دن وہ اپنی چھوٹی بیوی فاطمہ کو تہدیداً وتشدیداً کہا کہ "تم دونوں کو طلاق دونگا"، اس وقت بڑی بیوی تیس چالیس ہاتھ فاصلہ پر بڑے گھر میں بیمار پڑی تھی۔ دو ایک لحظہ بعد بنگلہ زبان میں کہا کہ "ایک دو طلاق دیتا ہوں"، ترجمہ اس کا بزبان بنگلہ یہ ہے (ایک دوئی طلاق دیتے سی) وہ جملہ بزبان بنگلہ اس نے کہی تھی یعنی۔[1] کوئی مربی عورت اس سے روکی اور کہی کہ کیا کرتے ہو بابا اس پر وہ زید نے کہا کہ "دونوں کو ایک دو تین طلاق دی ہوں"، مگر بنگلہ میں ایں چنیں کہا (عبارت بنگلہ) "دونوں زن کے ایک دوئی تین طلاق دلیسی تماکے دیاسی"، لیکن نفس الامر میں زید نے اس سے آگے یا پیچھے کوئی بیوی کو طلاق کبھی نہیں دی ہے اب اس حالت میں زید کے دونوں کلام آخیر سے انشاء طلاق ہوتی ہے یا اخبار کذب من الطلاق؟ از روئے ہدایت پیروری کے لوجہ اللہ خلاصہ جواب شافی وکافی تحریر فرماکر سرفراز فرمائیں اور اللہ تعالٰے[1] سے اجر اس کا لیویں۔ اور صاف طور سے یہ بھی تحریر فرماویں کہ زید نے دونوں بیویاں یا کہ دونوں بیوی سے کوئی ایک بیوی مطلقہ ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع نہیں ہوئی ہے تو کونسی طلاق زیادہ چہ تصدیعہ دون — عرضگذار بندہ محمد حسن الزمان مختار غفرلہ الستار بڑتلی چاٹگام۔

[1] یہاں عبارت بنگلہ تھی ۱۲

الجواب:۔ اگر جملہ مذکورہ فی السوال سے زید خبر عن الماضی کذباً مراد لینے کا دعویٰ کرتا ہے تب بھی قضاءً مقبول نہیں بلکہ دونوں بیویوں پر تین تین طلاق ہوگئیں۔

کما فی الشامی (ص ۶۹۴ ج ۲) و اما ما فی اکراہ الخانیۃ لو اکرہ علی ان یقر بالطلاق فاقر لایقع کما لو اقر بالطلاق ھازلاً او کاذباً فقال فی البحر ان مرادہ بعدم الوقوع فی المشبہ بہ عدم دیانۃً ثم نقل عن البزازیۃ و القنیۃ لو اراد بہ الخبر عن الماضی کذباً لایقع دیانۃً الخ

اور اس امر میں عورت چونکہ بمنزلہ قاضی کے ہے اسلئے اگر عورت نے خود سن لیا یا شہادت معتبرہ سے اسکو زوج کا کہنا ثابت ہوگیا تو اس کو اس مرد کے پاس رہنا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۱۶ جمادی الاول ۴۲ھ

احقر عبدالکریم عفی عنہ خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون۔ ۱۵ جمادی الاول ۴۲ھ

طلاق مغلظہ کی ایک صورت

(سوال) ایک شخص نے حالت غضب میں اپنی بیوی سے جھگڑتے ہوئے درآنحالیکہ وہ بیوی وہاں موجود تھی یہ کہا "ایک طلاق دو طلاق دی" نیت یہ تھی کہ دو طلاق واقع ہوئی۔ اور پیچھے لیا جائے اسمیں زجر ہوجائیگی۔ اس کے بعد وہ عورت دوسری جگہ رہی اب اس میں اس عورت پر دو طلاق واقع ہوئی یا تین طلاق یعنی دو طلاق واقع ہوکر رجعت کرسکتا ھے؟ یا تین طلاق واقع ہوکر حرام ہوگئی؟

(۲) بعینہٖ سوال اول ہے فرق یہ ھے کہ "ایک طلاق دو طلاق دی میں" لفظاً خطاب کرکے کہا یعنی "تجھکو ایک طلاق دو طلاق دی" اس سوال سے غرض یہ ھے کہ واقعہ مندرجہ بالا میں لفظاً خطاب اور عدم خطاب میں حکماً کچھ فرق ھے یا نہیں؟ حالانکہ بیوی وہاں موجود تھی۔ راقم بندہ محمد عبدالرحمٰن عفی عنہ۔ بنگال۔

الجواب:۔ فی الشامی (ص ۵۹۵ ج ۲) ولا یلزم کون الاضافۃ صریحۃ فی کلامہ لما فی البحر لو قال طالق فقیل لہ من عنیت فقال إمرأتی طلقت امرأتہ اھ۔

و فی العالمگیریۃ: (ص ۷۵ ج ۲) ولو قال: "ترا یک طلاق" وسکت

ثم قال: «ودو» یقع الثلاث ولو قال: «دو» بغیر الواو، وان نوی العطف یقع الثلاث وان لم ینو یقع واحدۃ کذا فی الخلاصۃ۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ «ایک طلاق دو طلاق دی» اور «تجھکو ایک طلاق دو طلاق دی» میں کوئی فرق نہیں دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہوجائے گی، اور ایک طلاق دو طلاق، میں جب عطف کی نیت نہیں کی تو تین طلاق واقع نہیں ہوئی بلکہ دو واقع ہوئیں۔ واللہ اعلم۔

اس تحریر کے بعد شبہ ہوا اور عالمگیریہ (صـ۶۱ ج-۲) میں یہ جزئیہ ملا۔

لو قال: للمدخولۃ انت طالق واحدۃ لا بل ثنتین یقع الثلاث ولو قال: ذالک لغیر المدخولۃ یقع واحدۃ ــــــ اس بناء پر صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئیں اور عالمگیریہ کا پہلا جزئیہ اس واقعہ کے مطابق نہیں کیونکہ وہاں سکوت کی وجہ سے «دو» کا لفظ مہمل رہا جبکہ اسکے ساتھ لفظاً حرف عطف نہ ہو یا عطف کی نیت نہ کی ہو ــــ کتبہ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح: ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۹ر رجب ۴۲ھ

«یک دو سہ طلاق ہستی» سے ایک طلاق واقع ہوگی یا تین؟۔

(سوال) مولانا صاحب! السلام علیکم الخ از جانب رسول شاہ عرض آنست کہ یک مسئلہ واقع شدہ کہ در حل آن اکثر عالمان این وطن حیران ومتفکر اند جناب اگر حل آن بعبارت کتاب کنند منت واحسان باشد عند اللہ ماجور وعند الناس مشکور خواہید شد۔ آن مسئلہ این است کہ شخصے زنِ خود را گفت کہ «یک دو سہ طلاق ہستی» باین لفظ یک طلاق واقع شود یا سہ طلاق واقع شود بعض عالمان این وطن میگویند کہ یک طلاق واقع شود وبعض عالمان میگویند کہ سہ طلاق واقع شود بینوا توجروا۔ عالمان این وطن قائلین یک طلاق وقائلین سہ طلاق دلیل ندارند ہر کسے قیاساً میگوید وہرچہ میگوید اگر دلائل فریقین بودے نوشتہ ارسال کردمی بر شما امید است کہ تسلی دہندہ ارسال کنید کہ تسلیہ ہمہ ملامان شود۔

المرسل رسول شاہ موضع ڈھوڈہ مسجد کلاں ضلع کوہاٹ ڈاکخانہ خاص۔

الجواب: صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوچکیں۔

کما قال فی خلاصۃ الفتاوٰی: (ص ۸۰ ج ۲) ولو قال: « اگر فلانہ بزنی کنم از من بیک طلاق ودو طلاق وسہ طلاق »، فتزوجھا نطلق واحدۃ ولو قال: « بیکے ودو سہ »، ثم تزوجھا یقع الثلاث وتمام ھذا فی خزانۃ الواقعات اھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب لفظ طلاق کو « یک و دو وسہ » کے بعد ذکر کیا جائے تو غیر مدخولہ پر بھی تین طلاق واقع ہوتی ہیں۔ والمدخولۃ بھا بالاولیٰ اور اگر ہر عدد کے بعد لفظ طلاق مذکور ہو جیسا کہ جزئیہ اولیٰ میں ہے تو غیر مدخولہ پر ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور مدخولہ پر اس صورت میں بھی تین طلاق واقع ہونگی چونکہ صورت مسئولہ میں لفظ طلاق کو مجموعہ اعداد کے بعد ذکر کیا گیا ھے لھذا بہر حال تین طلاق واقع ہو گئیں خواہ وہ عورت مدخولہ بھا ہو یا غیر مدخول بھا۔ واللہ اعلم۔

حقررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۔ ۱۷ شعبان ۴۵ھ

طلاق مغلظہ کی ایک صورت کا حکم | **سوال**) علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔ نقل طلاق نامہ منسلکہ استفتاء ارسال حضور ہے جسکو مرد نے اپنی سوتیلی ماں کے کہنے سے رجسٹری کے ذریعہ اپنی عورت کو مورخہ ۱۴ مارچ ۲۷ء کو بھیجا جسکے ملنے کا اس نے انکار کیا۔ بعد ازاں خاوند کو معلوم ہونے پر اسی طلاق نامہ کی نقل بذریعہ پوسٹ کارڈ رجسٹری شدہ شوہر نے بھیجا اس کو بھی عورت نے لینے سے انکار کیا اور واپس کر دیا عورت بدستور باعصمت اپنی والدہ کے ساتھ اپنے میکہ میں بیٹھی ھے اور طلاق سے انکار ہے خواہش شوہر کے پاس جانیکی ظاہر کرتی ہے آیا طلاق پڑی یا نہیں پڑی تو رجوع کیسے کیا جائے وصلح کیسے ہو۔ از لکھنؤ ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۷ء۔

نقل طلاق نامہ :۔ مسماۃ فلانہ بنت فلاں صاحبہ! تم عرصہ سے اپنے طریقہ کو تبدیل کر کے بد اخلاقی و بد زبانی و نا فرمانبرداری سے پیش آتی رہیں۔ بلکہ شور وغل و بد تہذیبی کی گفتگو رہی محلہ کے مجمع عام میں بے حجابانہ کر کے طلاق مانگی آخر کار مع کل زیورات و پارچہ جات اپنی پھوپھی کی بیماری کا موقع حاصل کر کے اپنی والدہ اور نانی کے ہمراہ اپنے میکے چلی گئیں اور پھر واپس نہیں آئیں۔ ابھی تک حیلہ وحوالہ کرتی رہیں تمہارے والد بزرگوار کو بھی

خط لکھا تھا انہوں نے بھی سمجھانے نکی کوئی کاروائی نہیں کی معلوم ہوتا ہے کہ تم نے انکو بھی اپنا ہم خیال بنالیا چونکہ اس سے پیشتر بھی تم مجھ سے خواہش طلاق کر چکی ہو لھذا تمہاری مرضی کے موافق بحالت صحت وثبات عقل تمکو اپنی زوجیت سے علیحدہ کرتا ہوں۔ اور طلاق دیتا ہوں۔ اور طلاق دیتا ہوں اور طلاق نامہ ھذا بذریعہ رجسٹری روانہ کرتا ہوں۔

مسماۃ فلانہ بنت فلاں تمکو مجھ.... نے طلاق بائن دی

مسماۃ فلانہ بنت فلاں تمکو مجھ.... نے طلاق بائن دی

مسماۃ فلانہ بنت فلاں تمکو مجھ.... نے طلاق بائن دی

واضح ہو کہ جو زیور طلائی ونقرئی تم میرا لیگئی ہو اور جسکی فہرست تمہاری دستخطی موجود ہے وہ واپس کردو۔ تاکید جانو۔

العبد شوہر

مورخہ ۱۴ر مارچ ۱۹۲۷ء

گواہ ۱ زید گواہ ۲ بکر

الجواب :- صورت مسئولہ میں مسماۃ پر طلاق بائن مغلظ پڑگئی اور نکاح فسخ ہوگیا بعد عدت کے وہ دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے اور اس شوہر سے بدون تحلیل کے نکاح جائز نہیں کیونکہ طلاق نامہ میں بعد مذاکرہ طلاق کے اول یہ لفظ لکھا ہے "کہ تمکو اپنی زوجیت سے علیحدہ کرتا ہوں" اس ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اسکے بعد لکھا ہے "اور طلاق دیتا ہوں" یہ گو صریح ہے مگر اس سے دوسری طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ بظاہر یہ پہلے جملہ کی تفسیر ہے مگر یہ کہ اس سے زوج نے تکریر طلاق کا قصد کیا ہو تو دوسری اس سے بھی واقع ہو جائیگی اس کے بعد زوج نے مسماۃ کو مخاطب کرکے تین دفعہ یہ جملہ لکھا ہے "مسماۃ فلانہ بنت فلاں تمکو مجھ نے طلاق بائن دی" یہ گو طلاق بائن ہے مگر بالفاظ صریح ہے اس لئے بائن کو لاحق ہوگا اور چونکہ تین بار تکرار کیا ہے اسلئے تین طلاق واقع ہو کر ایک زائد ہو جائیگی۔

قال فی الطحاوی وفی حاشیۃ الدر : والمراد بالبائن الذی لایلحق البائن، البائن بلفظ الکنایات فلو کان بائنا بغیرھا یقع - الی قال — ولو خلعھا ثم قال: انت طالق بائن وقع الثانی وان کان بائنًا لان وقوعہ

بانت طالق وھو صریح ویلغو قولہ بائن لعدم الحاجۃ الیہ لان الصریح بعد البائن بائن اھ (ص ۲۱۸ - ج ۲) واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

خانقاہ امدادیہ۔ ۳۰ ربیع الاول ۴۶ھ

دو بیویوں کو مخاطب کرکے کہا "شمارا یک طلاق، دو طلاق، سہ طلاق دادم" تو دونوں پر طلاق مغلظ قضاءً واقع ہو جائیگی۔

(سوال) چہ می فرمایند علماء دین وفضلاء شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے مسمّٰی علی اعظم دو زن دارد روزے بمعاملہ خانگی درمیان ہر دو زن منازعت افتادہ بود دریں اثناء علی اعظم درخشم وطیش آمدہ گفت شمارا یک طلاق دادم کسے گفت این چہ طلاق دادی طلاق نشد بمجرد شنیدن این کلام قدمے چند پیش وپس رفتہ باز گفت "شمارا یک طلاق۔ دو طلاق۔ سہ طلاق دادم"، پس درصورتِ مذکورۂ بالا زنان علی اعظم مطلقہ سہ طلاق شدند یا ہر طلاق برہر دو زن منقسم شدہ جداگانہ واقع شود یا نہ؟ —— مخفی مباد کہ مطلق را پرسیدہ شد کہ نیت تو چہ بود گفت نیت من تقسیم نہ بُود۔ بینوا توجروا عند اللہ اجرًا عظیماً۔

عرضگذار۔ خاکسار عبد الرؤف مدرس مدرسہ مداری پور ضلع فرید پور۔

الجواب :۔ قال فی الھندیۃ نقلاً عن فتح القدیر، ولو قال: لاربع انتن طوالق ثلاثاً ینوی ان الثلث بینھن فھو یدین فیما بینہ و اللہ فتطلق کل واحدۃ واحدۃ اھ

وفیہ ایضاً :۔ عن المحیط للسرخسی :۔ ولو قال، لاربع نوۃ انتن طالقات ثلاثاً یقع علی کل واحدۃ ثلاثاً اھ (ص ۶۰ - ج - ۲) -

پس درصورتِ مسؤلہ قضاءً سہ طلاق برہر زن واقع شدہ واگر زوج نیت تقسیم کردی دیانۃً نیت او قبول گشتے وچون نیت تقسیم ھم نکرد پس دیانۃً نیز ہر دو زوجہ اش مطلقہ ثلاثہ مغلظہ گشتہ۔ فلا یجوز لہ النکاح باحدھما الا بعد ان تتزوجھا بزوج آخر وتنقضی عدتھما منہ بعد طلاقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ ۱۳ شعبان ۴۶ھ

مذاکرۂ طلاق میں شوہر نے کہا "ایک دو تین" تو طلاق مغلظہ واقع ہو جائیگی۔

(سوال) ایک شخص نے حالت تنازع میں اپنی بیوی سے کہا کہ "میں تجھکو کل کو طلاق تکیہ ملن کھڑے کرکے دونگا" اس نے جواب میں سب وشتم کرکے کہا کہ "تو ابھی طلاق دیدے" شوہر نے پھر جواب میں کہا کہ "ایک دو تین" اور بعد اسکے کہا کہ "جا گھر سے چلی جا" اور بعد میں لوگوں نے شوہر کو ملامت وغیرہ کی کہ تم نے کیوں طلاق دی تو اس نے کہا کہ میں نے دل سے طلاقیں نہیں کہیں بلکہ خوف اور ڈرانیکے واسطے کہی ہیں۔ آیا ایسی صورت میں طلاقیں واقع ہوگئیں یا نہیں؟ حوالۂ کتب مع عبارت ارسال فرمائیں عنایت ہوگی بینوا جزاکم اللہ رب الجلیل۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔

قال فی الخلاصة: وفی الفتاوی: قال لامرأته: "ترا یکے وتراسہ" اوقال: "تویکے توسہ" قال ابو القاسم الصغار لا یقع شئی وقال الصدر الشهید: یقع اذا نوی وبه یفتی قال القاضی: وینبغی ان یکون الجواب علی التفصیل ان کان ذالک فی حال مذاکرة الطلاق او فی حال الغضب یقع الطلاق وان لم یکن لا یقع الا بالنیة کما قال فی العربیة انت واحدة اھ (ص۹۸ ج۲) - قلت: وقد وجدت المذاکرة فی الصورة المسئول عنها واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

خانقاہ امدادیہ۔ ۱۹ صفر ۴۷ھ

دو بیویوں کو مخاطب کرکے کہا "اللہ کا حکم۔ شمارا سہ طلاق دادم" تو ہر ایک تین طلاق واقع ہوگی یا ایک ایک طلاق۔

(سوال) چہ می فرمایند علماء دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی غنومیاں دو زن می داشت روزے ہر دو زنش درامرے تنازعہ می کردند وگفتگو ہای بسیار وقال وقیل بیشمار می نمودند مسمّٰی مذکور از مسجد آمدہ چوں ایشاں را در مشاجرت ومنازعت دید گفت "اللہ کا حکم، شمارا سہ طلاق دادم" پس استفسار از علماء کرام این است آیا ہر دو زوجہ مسمّٰی مذکور سہ سہ طلاق مطلقہ خواہد شد یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اقول وباللہ التوفیق ــــــ در صورت مرقومہ ہر دو زوجۂ

غنو میاں سہ سہ طلاق مطلقہ خواہد شد چہ لفظ "اللہ کا حکم" درعرف این دیار بمعنی سوگند بخدا استعمل می شود پس حسب قاعدہ مسلمہ۔ بناء الیمین علی العرف۔ معناش این شد کہ سوگند بخدا شمارا سہ طلاق دادم پس چونکہ درقول مطلق ہر یکے از منکوحہ اش مخاطبہ مستقلہ اش ہر یکے از انیان بسہ طلاق مطلقہ خواہد گردید۔

کما فی الھندیہ:- ولو قال لاربع نسوۃ لہ انتن طالقات ثلاثاً یقع علی کل واحدۃ ثلاث ولا یخفی علی من لہ البصارۃ ان وقوع الطلاق فی ھذہ الصورۃ مبنی علی ان کل واحدۃ منھن مخاطبۃ مستقلۃً ھکذا ھٰھنا واللہ اعلم وعلمہ اعم واتم۔

حررہ الاحقر ولایت حسین عفاعنہ

المدرس فی المدرسۃ الاسلامیۃ النواکھالیۃ - ۱۲ شوال ۳۶ھ

(نوٹ) اس جواب پر اور بھی چند علماء بنگال کی تصویب اور دستخط تھے۔

تنقیح از جامع امداد الاحکام

درصورت مسئولہ از نیت زوج سوال باید کرد اگر ایقاع طلقات ثلاث بر ہر زوجہ قصد کردہ بود بر ہر زوجہ سہ طلاق واقع شد چنانچہ مفتی نوشتہ واگر ہر دو را در سہ طلاق شریک کردہ۔ نیت تقسیم کردہ بود سوال بار دیگر باید فرستاد۔

فقد قال: فی الھندیۃ: بعد العبارۃ التی ذکرھا المفتی ولو قال لاربع: انتن طوالق ثلاثاً ینوی ان الثلاث بینھن فھو یدین فیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ فتطلق کل واحدۃ واحدۃ کذا فی الفتح اھ (ص ۶۰ - ج ۲) واللہ اعلم وعلمہ اتم و احکم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ از تھانہ بھون ۱۵ محرم ۴۸ھ

"تم دونوں کو تین طلاق دیدی" کہنے سے ہر ایک بیوی پر تین طلاق واقع ہوگی یا کیسے۔

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی دو بیوی آپس میں جھگڑ رہی تھیں مرد نے طیش میں آکر کہا کہ "تم دونوں کو تین طلاق دیدی" جب مرد سے چند روز کے بعد پوچھا گیا کہ آیا ہر ایک بیوی کو تین طلاق دینا مقصود تھا یا ڈیڑھ ڈیڑھ اس نے جواب میں کہا مجھے یاد نہیں آتی کہ میری کیا نیت تھی اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں پر

کتنی طلاق واقع ہونگی ؟ ہماری ملکی اصطلاح میں جب کوئی کہے کہ تم دونوں کو تین روپیہ دیا۔ مراد اس سے نصفاً نصفی ہوتی ہے کیا طلاق میں اصطلاح ملکی ملحوظ نہ ہوگی ؟ فتاویٰ ہندیہ میں ہے۔

لو قال لثلاث نسوۃ لہ انتن طوالق ثلاثاً او طلقتکن ثلاثاً یقع علی کل واحدۃ ثلاث ولا ینقسم بخلاف لو قال : اوقعت بینکن ثلاثاً فانھا تقسم بینھن فتقع علی کل واحدۃ طلقۃ۔ مراد ایراد سے یہ ہے کہ اس مرد کے قول کی تعریب حسب اصطلاح ملک ھند " طلقتکما ثلاثاً " ہوگی یا اوقعت بینکما ثلاث تطلیقات ہوگی ؟ بینوا توجروا ۔ سائل محمد فیض الرحمٰن میمن سنگی۔

تنقیح :- ہمارے محاورہ میں صورت مسئولہ میں دونوں بیویوں پر تین تین طلاق واقع کرنا مفہوم ہوتا ہے اگر سائل کا عرف تقسیم ہکو موجب ھے تو علماء بنگال سے رجوع مناسب ھے وافضلھم عندی مولانا محمد اسحاق البردوانی استاد الدینیات بکلیہ ڈھاکہ پانچ بھائی گھاٹ لین : واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ ۱۱ ربیع الثانی ۳۸ھ

مطلقہ ثلاث اگر مرتد ہو کر پھر مسلمان ہو جائے تو طلاق ثلاثہ کا حکم باطل ہو جائیگا یا نہیں۔

(**سوال**) اگر مطلقہ بطلاق مغلظہ معاذاللہ مرتدہ ہو جائے اور پھر وہ اسلام قبول کرے تو اس ارتداد کی وجہ سے حکم طلاق ثلاثہ کا بھی باطل ہوگا یا نہیں ؟ اور ایسی صورت میں زوج اول بلا حلالہ اپنی مطلقہ سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں ؟ والسلام

نیاز مند ۔ محمد مسئول عفی عنہ ۱۱ ربیع الاول ۴۵ھ

الجواب :- فی العالمگیریہ :- (ص ۱۲۹ ج ۲) ولو ارتدت المطلقۃ ثلاثاً ولحقت بدار الحرب ثم استرقھا او طلق زوجتہ الامۃ ثنتین ثم ملکھا ففی ھاتین لایحل لہ الوطی الا بعد زوج آخر ۔ کذا فی النھر الفائق ۔

وفی الدر :- لاشتراط الزوج بالنص فلا یحلھا وطء المولیٰ ولا ملک امۃ بعد طلقتین او حرۃ بعد ثلاث وردۃ وسبی اھ ۔

وقال الشامی :- ای لو طلقھا ثنتین وھی امۃ ثم ملکھا او ثلاثاً وھی

حرۃ فارتدت ولحقت بدار الحرب ثم سبیت وملکہا لا یحل لہ الوطی بملک الیمین حتی یزوجہا فیدخل بہا الزوج ثم یطلقہا کما فی الفتح (ص ۸۶ ج ۲)

ان روایات فقہیہ سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ارتداد سے مطلقہ ثلاث کا حکم نہیں بدلتا پس جو عورت مطلقہ ثلاث مرتد ہو کر مسلمان ہو جائے اس کا نکاح بدون حلالہ کے زوج اوّل سے حرام ہے ـــ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ - ۱۴ ربیع الاول ۴۰ھ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون -

ماں کو مخاطب کر کے کہا "ماں تیری بہو کو تین طلاق" تو بیوی پر تین طلاق واقع ہو جائیگی۔

( ) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کو اس کی بیوی اور بھاوج نے کھانا لا کر دیا۔ کھانے میں کچھ خرابی دیکھکر غصہ میں زید نے اپنی والدہ کو آواز دیکر کہا "ماں تیری بہو کو تین طلاق" اس صورت میں زید کی بیوی پر طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟ زید واقعہ کے بعد سال بھر تک اپنی بیوی کے ساتھ کھاتا پیتا رہا اس خیال میں کہ بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ مہربانی فرما کر مع دلیل جواب سے مشرف فرمایا جائے اور اگر طلاق واقع ہو گئی تو زید کو کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا جزاکم اللہ تعالیٰ فی الدارین خیراً۔

الجواب:- اس صورت میں طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے اس عورت کو اب تک جو رکھا سخت گناہ کا مرتکب ہوا اب فوراً الگ کر دینا واجب ہے بڑی حیرت ہے کہ اسطرح صاف صاف الفاظ کہکر بھی یوں سمجھ لیا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ونظیرہ ما فی العالمگیریۃ: (ص ۶۱-ج ۲) ولو ضوالی امرأتہ امرأۃ اجنبیۃ وقال: احداکما طالق الی ان قال- ولو قال فی ھذہ الصورۃ طلقت احداکما طلقت إمرأتہ من غیر نیۃ ذکرہ فی طلاق الاصل- واللہ اعلم-

احقر عبدالکریم عفی عنہ- از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون-

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ ۲۸ ربیع الاول ۴۸ھ

"میں اسکو چھوڑ چکا، وہ میری بیوی نہیں ہے، مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں، وہ میری طرف سے آزاد ہے" کا حکم۔

مولائی وآقائی حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم۔ السلام علیکم۔

حضرت! اس معاملہ میں ہر ایک فریق

بحث کر رہا ہے اور حضرت استاذ مولانا محمد حسن صاحب (قاضی بھوپال) دام فیوضہم نے مکرر سہ کرر۔ شامی۔ عالمگیری وغیرہ ملاحظ فرمایا لیکن فریق مخالف اپنے خلاف فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتا ہے۔ حضرت سے عرض ہے کہ لوجہ اللہ تعالیٰ مفصل و مدلل امر حق واضح فرما دیں۔ ہر ایک فریق حضرت سے نیک عقیدت رکھتے ہیں اُمید ھے کہ حضرت کے فتویٰ سے ان میں اصلاح ہو جائیگی شبہات حسب ذیل لکھے جارھے ہیں۔

فریق اوّل :- زید کا کہنا ان الفاظ کا کسی شہادت وغیرہ سے ثابت نہیں بلکہ صرف دھوکہ سے اقرار کرا لیا گیا ھے زید کو نیت نہ تھی غایت فی الباب پہلے لفظ سے طلاق رجعی ہوئی ہے اور بقیہ سے تاکید ھے اور زید نے معافی چاہ لی ہے لھذا رجعت ہو چکی۔

فریق ثانی :- ہر ایک لفظ سے ایک ایک طلاق واقع ہو چکی ھے اور اقرار کے بعد دھوکہ اور عدم نیت وغیرہ کا حیلہ کرنا باب الطلاق میں کچھ مفید نہیں کیونکہ عاقل بالغ کا اقرار ھے اور اس اقرار کے بعد شہادت کی کوئی ضرورت نہیں پہلے لفظ سے رجعی اور بقیہ سے تاکید کہنا لغو ھے حضرت عمرؓ نے تین طلاق کو تین ھی رکھا ہے اور اسی پر عمل ھے لھذا مغلظہ ہو چکی۔ اب بلا حلالہ کے نکاح زید سے ہندہ کا نہیں ہو سکتا۔

ہر ایک فریق اپنی اپنی کہتا ہے اور حضرت قاضی صاحب کے فیصلہ سے بھی آگے جا رہا ہے حضرت کے فتویٰ سے انشاء اللہ تعالیٰ اصلاح کی اُمید ھے۔ خادم عبدالصمد۔

الاستفتاء : زید نے اپنی اہلیہ کے متعلق محکمہ قضاء بھوپال میں ۱۸ر نومبر ۳۱ء کو درخواست پیش کی اور اپنا بیان لکھوایا۔

درخواست کا مضمون میری اہلیہ مسماۃ ھندہ اور میرے درمیان کئی سال سے باہمی نزاع تھا اور اس زمانہ میں مصلحین ومفسدین کے ذریعہ سے جانبین کو اور انکے اعزہ کو مختلف اقسام کی باتیں پہنچتی رھیں جیسے کہ باھمی نزاع کی صورت میں ہوتا ہے اور معاملہ اسقدر طول پکڑ گیا تھا کہ ہر ایک فریق نے دوسرے سے بالکل ہی رشتہ داری توڑ کر قطع تعلق کر لیا تھا حتیٰ کہ اسی غصہ کی حالت میں، میں نے اپنی اہلیہ مذکورہ کے متعلق یہ بھی کہدیا تھا کہ "میں اسکو چھوڑ چکا، وہ میری بیوی نہیں ھے، مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں، وہ میری طرف سے آزاد ہے"، بالآخر میں نے اپنے خسر صاحب کے پاس جاکر معافی چاھی اور آئندہ کیلئے پھر تعلقات قائم کرنیکی استدعا کی اسپر صاحب موصوف نے مجھ سے فرمایا کہ معاملہ بہت

طویل ہو چکا ہے اور میرا دل اب تم سے رشتہ کرنیکو نہیں چاھتا خیر میں نے انکو راضی کرلیا خارجًا سنا ھے کہ خسر صاحب نے شکایت کی کوئی درخواست عالی خدمت میں آئی ہے اس لئے عرض ھے کہ چونکہ باھمی ھمارا فیصلہ طے ہو چکا ہے اور آئندہ بھی باہمی مصالحت رہیگی اور یہ درخواست نہ میں نے دی ہے نہ میرے کسی عزیز نے لھذا عرض ھے کہ اس درخواست پر کوئی کاروائی نہ فرمائی جائے بلکہ عرضی ھذا پر شرعی حکم صادر فرمادیا جائے تاکہ ھم اسپر دل وجان سے عمل کرسکیں۔

بیان کا مضمون: یہ درخواست میں نے لکھوائی ھے اسپر میرے قلمی دستخط ہیں میں نے اس وقت درخواست کو سن لیا اس میں وہ باتیں لکھی ہیں جو میں نے لکھوائی ہیں جو مثل میرے معاملہ کی تیار ہوئی تھی اسپر کوئی کاروائی نہ کی جائے اسیقدر روئداد پر فیصلہ شرعی فرمادیا جائے۔

جناب قاضی صاحب کے فیصلہ کا خلاصہ:۔ شرعًا ان الفاظ سے کہ جو الفاظ زید نے اپنی اہلیہ مسماۃ ھندہ کی نسبت کہے ہیں۔ مسماۃ پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اسلئے بدون نکاح جدید وہ مسماۃ زید کے حق میں حلال نہیں ہوسکتی۔ ۱۲ر نومبر ۳۱ء

پھر ۱۴ر نومبر ۳۱ء کو زید نے دوسری درخواست اس مضمون کی پیش کی کہ وہ ۸ر نومبر والی درخواست نہ میں نے لکھی اور نہ کسی سے لکھوائی بلکہ خسر صاحب نے کسی سے لکھوائی اور مجھے دھوکہ دیکر مجھ سے دستخط کرالئے اور مجھے یہ اطمینان دلایا کہ ھم تفریق نہیں چاھتے ہیں۔ بلکہ رخصت کردینگے انکے اعتماد اور خوف بزرگی کی وجہ سے میں نے دستخط کرکے اور پیش کردی لھذا ان حالات پر غور فرماکر فیصلہ پر نظر ثانی فرمادیجئے۔۔۔۔ اس ثانی درخواست کے ساتھ زید نے اس مضمون کا بیان لکھوایا۔ سابق درخواست میں نے جو ۸ر نومبر ۳۱ء کو پیش کی تھی درخواست مذکورہ پر میرے قلمی دستخط ہیں محکمہ قضا میں پیش کرنے پر مجھے درخواست مذکورہ پڑھ کر سنائی گئی تھی۔ میں نے درخواست مذکورہ کو سنکر یہ بیان کیا تھا کہ یہ درخواست میں نے لکھوائی ھے حقیقت یہ ھے کہ یہ درخواست میں نے نہیں لکھوائی تھی بلکہ یہ درخواست میرے خسر نے کسی سے لکھوا کر مجھ سے دستخط کرالئے تھے اور کہا تھا کہ محکمہ قضاء میں جو معاملہ پیش ہوگیا ہے اسکے واپس کرنے کیلئے یہ درخواست دی جاتی ھے۔

بعد نظر ثانی جناب قاضی صاحب کے فیصلہ کا خلاصہ :-

زید کی پہلی درخواست پر جبکہ فریقین کو فیصلہ سنا دیا گیا تو زید پھر درخواست پیش کی زید اس ثانی درخواست میں لکھتا ہے کہ میرے خسر نے مجھکو دھوکہ دیکر تحریر پر دستخط کرالئے وہ کلمات نسبت چھوڑنے اور بے تعلق ہوجانے زوجہ کے نہیں کہے لیکن زید ثانی درخواست پیش کرکے اپنے بیان میں خود تسلیم کررہا ہے کہ پہلی درخواست میں نے محکمہ قضاء میں پیش کی تھی درخواست مذکورہ پر میرے قلمی دستخط ہیں محکمہ قضاء میں پیش کرنے پر مجھے درخواست مذکورہ پڑھ کر سنائی گئی تھی میں نے درخواست مذکورہ سن کر بیان کیا تھا کہ یہ درخواست میں نے لکھوائی ہے۔ الیٰ آخرہ ۔ یہ بیان اسکی ثانی درخواست کے مضمون کے خلاف ھے بہر حال مجموعہ روئداد سے یہ تو ثابت ھے کہ الفاظ متعلق "چھوڑدینے زوجہ وبے تعلق وآزادی " کے کہدینے اور لکھوادینے کو زید تسلیم کرتا ہے خواہ برضا ورغبت ہو یا بدون رضا خسر کے بہکانے اور دھوکہ دینے سے چونکہ شریعت میں بصورت جدّ وہزل ومذاق واکراہ ہر طور پر الفاظ طلاق کہدینے یا تحریر کردینے سے طلاق واقع ہوجاتی ھے لھذا ایک طلاق بائن مسماۃ ھندہ پر ضرور واقع ہوگئی اسلئے بعد نظر ثانی فیصلہ سابق میں ترمیم یا تنسیخ کی حاجت نہیں ھے وھی فیصلہ نافذ ھے۔ اسکے بعد ۱۰ دسمبر ۳۱ء کو زید نے عدالت میں رخصتی زوجہ کا دعوٰی دائر کیا کہ میری اہلیہ اپنے باپ کے گھر سے آتی نہیں۔ رخصت کرادی جائے۔ ھندہ کی طرف سے جواب دعوٰی پیش ہوا کہ بفیصلۂ شرعی ھندہ زید پر حرام ہوچکی ہے لھذا اب رخصت کیسی ؟ ۔ اور زید کی ۸ ر نومبر والی درخواست اور اسکے ساتھ کے اول بیان کی نقل اور جناب قاضی صاحب کے فیصلہ کی نقل بھی پیش کی تو زید نے اس درخواست کو مع اس بیان کے تسلیم کی لیکن قاضی صاحب فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا پس دریافت طلب یہ ھے کہ

(۱) صورت مسئولہ میں طلاق رجعی ہوئی یا بائن یا مغلظ۔ کیا اگر زید کہے کہ میری ان الفاظ سے طلاق کی نیت ھی نہ تھی تو بھی طلاق واقع ہوجائیگی ؟

(۲) دھوکہ وغیرہ کے عذرات مذکورہ شرعًا مسموع کیوں نہیں ہیں اور محض بیانات وغیرہ مذکورہ کی بناء پر طلاق کا حکم کیوں لگایا جاتا ھے۔ شہادت سے اس کا ثبوت کیوں نہ لیا جائے کہ یہ الفاظ زید کے ہیں یا نہیں۔

(۳) بر تقدیر طلاق رجعی زید کا اپنے خسر کے پاس جاکر معافی چاھنا اور پھر تعلقات کی استدعا کرنا یہ رجعت ھے یا نہیں؟ جواب مدلل و مشرح مع حوالہ کتب صادر فرمایا جائے کہ فریقین کی تسلی کرکے انکی صلح کرادی جائے۔

خادم عبد الصمد ساکن اسلام پورہ بھوپال۔

الجواب :۔ اس سوال سے معلوم ہوا کہ خاوند نے چار جملے بحالت غصہ استعمال کرنیکا اقرار کیا ہے اسلئے اوّلاً ان چاروں جملوں کا الگ الگ حکم لکھا جاتا ھے اسکے بعد سب کو ملانے سے جو نتیجہ ہوا اسکو تحریر کیا جائیگا۔

پہلا جملہ یہ ہے کہ "میں اسکو چھوڑ چکا" اسکے متعلق عالمگیریہ میں ہے:

اذا قال الرجل لامرأته "بہشتم ترا" ولم یقل "از زنی" فان کان فی حالۃ غضب ومذاکرہ الطلاق فواحدۃ یملک الرجعۃ وان نوی بائناً او ثلاثاً فھو کما نوی وقول محمد فی ھذا کقول ابی یوسف کذا فی المحیط:۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر غصہ اور مذاکرۂ طلاق کی صورت میں یہ جملہ استعمال کیا جائے تو بدون نیت بھی رجعی طلاق واقع ہو جاتی ھے۔

دوسرا جملہ یہ کہ:۔ "وہ میری بیوی نہیں ہے" اس کا حکم یہ ہے کہ اگر خاوند نے نیت کی ہو تو رجعی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اگر نیت نہیں کی تو اس جملہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی خواہ یہ جملہ غصہ اور مذاکرۂ طلاق کی حالت میں کہا ہو خواہ بدون غصہ و تذکرۂ طلاق کہا ہو ہر حالت میں نیت شرط ہے۔

کما ھو مصرح فی الفتاوی الشامیۃ: ص۲۴۲ تحت قول الدر: لست لی بامرأۃ (الی ان قال) طلاق ان نواہ :۔ لان الجملۃ تصلح لانشاء الطلاق کما تصلح لانکارہ فیتعین الاول بالنیۃ وقید بالنیۃ لانہ لا یقع بدونھا اتفاقاً لکونہ من الکنایات واشار الی انہ لا یقوم مقامھا دلالۃ الحال لان ذالک فیما یصلح جواباً فقط وھو الفاظ لیس ھذا منھا واشار بقولہ طلاق الی ان الواقع بھذہ الکنایۃ رجعی کذا فی البحر من باب الکنایات اھ

تیسرا جملہ یہ ھے کہ "مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں" سو اس کا حکم کہیں مصرح تو ملا

نہیں مگر قواعد سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غضب ومذاکرہ کی حالت میں بلا نیت بھی اس فقرہ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوجاتی ہے۔ دلیل وقوع کی یہ ہے کہ یہ کنایہ ملحقہ ھے "اعتدی" وغیرہ کے ساتھ کیونکہ وہ متحمل سبؔ ورد نہیں بلکہ جواب محض کے واسطے ھے اور "اعتدی" وغیرہ کا یہ حکم ھے کہ غضب ومذاکرہ میں بدون نیت وقوع ہوجاتی ہے۔ کما ھو مصرح فی الدر وغیرہ من کتب الفقہ۔ اور رجعی ہونیکی یہ وجہ ھے کہ اس جملہ میں لفظ طلاق نکالنا پڑتا ہے یعنی پورا کلام یوں سمجھا جائیگا کہ "مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ میں اسکو طلاق دے چکا"۔ اور جو کنایہ ایسا ہو اس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔

کما قال صاحب البحر (ص۲۹۹ ج ۳): ولما کانت العلة فی وقوع الرجعی بھذہ الالفاظ الثلاثہ (ای اعتدی واستبرئی رحمك وانت واحدة) وجود الطلاق مقتضی او مضمرا علوان لاحصر فی کلامہ بل کل کنایة کان فیھا ذکر الطلاق کانت داخلة فی کلامہ ویقع بھا الرجعی بالاولی الخ ـــــ وایضا یعلم ذالك من کلام الشامی صراحة ولکن کلام البحر اصرح منہ فلذالك اخترتہ۔

اور چوتھا جملہ یہ ھے کہ "وہ میری طرف سے آزاد ہے"۔ اس کنایہ کا حکم درمختار میں صریح موجود ھے کہ غضب ومذاکرہ میں بدون نیت بھی طلاق بائن واقع ہوجاتی ھے ـــــ ونصہ ھذا ویقع بباقیھا ای باقی الفاظ الکنایات المذکورة البائن ص۲۶۶ ـــــ وایضا قال ویقع بالاخیرین وان لم ینو لان مع الدلالة لایصدق قضاءً فی نفی النیة لانھا اقوی لکونھا ظاہرة والنیة باطنة اھ (ص۲۶۵) ـــــ تمام جملوں کا جداگانہ حکم معلوم ہونے کے بعد اب اسکی ضرورت ھے کہ طلاق کے چند جملے جمع ہوجائیں تو کیا حکم ہوگا سو اس کا یہ قاعدہ ھے کہ۔ الصریح یلحق الصریح والبائن، والبائن یلحق الصریح لاالبائن۔ متون کی یہی عبارت ھے مگر اس کا حل کسیقدر دقت سے خالی نہیں اس واسطے بدائع کی عبارت نقل کرتا ہوں جو بالکل واضح ھے۔

وھی ھذہ المرأۃ لا تخلو اما ان کانت معتدۃ من طلاق رجعی او بائن اوخلع فان کانت معتدۃ من طلاق رجعی یقع الطلاق علیھا سواء کان صریحًا او کنایۃ لقیام الملک من کل وجہ وان کانت معتدۃ من طلاق بائن اوخلع وھی المبانۃ او المختلعۃ فیلحقھا صریح الطلاق عند اصحابنا واما الکنایۃ فھل یلحقھا یُنظران کانت رجعیۃً وھی الفاظ اعتدی واستبرئی رحمک وانت واحدۃ یلحقھا فی ظاھر الروایۃ۔ وجہ ظاھر الروایۃ ان الواقع بھذا النوع من الکنایۃ رجعی فکان فی معنی الصریح فیلحق الخلع والإبانۃ فی العدۃ کالصریح وان کانت بائنۃ کقولہ انت بائن ونحوہ ونوی الطلاق لا یلحقھا بلا خلاف لان الإبانۃ قطع الوصلۃ والوصلۃ منقطعۃ فلا یتصور قطعھا ثانیاً بخلاف الطلاق لانہ ازالۃ القید وازالۃ حل المحلیۃ وکل ذالک قائم اھ ملخصًا (ص ۱۳۴ - ج ۳)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ طلاق بائن کے بعد کنایات بوائن سے تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ باقی سب صورتوں میں طلاق کے بعد طلاق واقع ہو جاتی ھے یعنی رجعی کے بعد تو صریح کنایہ رجعی بائن سب طرح کی طلاق واقع ہوتی ھے اور طلاق بائن کے بعد صریح طلاق کی دونوں قسم واقع ہوتی ہیں۔ خواہ رجعی ہو یا بائن اور کنایہ کی فقط ایک قسم یعنی رجعی واقع ہوتی ھے۔

اب صورتِ سوال میں غور کیا جائے تو واضح ہو جائیگا کہ جملہ اولیٰ سے ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی تھی اور جملہ ثانیہ میں نیت شرط تھی جس کا خاوند کو اقرار نہیں ھے اس واسطے وہ بے اثر رہا اور جملہ ثالثہ سے دوسری طلاق رجعی واقع ہو گئی اور جملہ رابعہ سے تیسری طلاق ہو چکی جو فی نفسہ بائن تھی مگر بوجہ ثالثہ ہونیکے مغلظہ ہو گئی۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

تتمۃ الجواب: یہ بات تو جواب ہی سے معلوم ہو گئی کہ زید ان تمام جملوں میں نیت نہ ہونیکا جو عذر کر رہا ہے وہ شرعًا مسموع نہیں اب دو عذر اور باقی رہے ایک یہ کہ یہ اقرار خلاف واقع تھا۔ زید نے مصلحۃً جھوٹ بولا تھا ——— دوسرا یہ کہ پہلے جملے سے طلاق رجعی واقع مانی جائے اور بقیہ سے تاکید اور معافی مانگنے کو رجعت قرار دیا جائے سو عذر

اول کا جواب اس جزئیہ سے ہو جاتا ہے۔

ولو اقر بالطلاق کاذبًا او ھازلًا وقع قضاءً لا دیانۃً اھ شامی عن البحر وقال الشامی و یأتی تمامه۔ ثمّ بین تحت قول الدر (او ھازلًا) مستوفی۔

اور دوسرے عذر کا جواب یہ ہے۔

فی الدر المختار: لو کرر لفظ الطلاق وقع الکل وان نوی التاکید دین و قال العلامۃ الشامی رحمه الله تحته ای وقع الکل قضاءً وکذا اذا اطلق اشباہ۔

اور خسر سے معافی مانگنا اول تو رجعت نہیں دوسرے مغلظہ کے بعد رجعت سے کیا کام چل سکتا ھے۔ غرض یہ کہ زید جو اقرار پہلی درخواست میں کر چکا ہے اسکی رُو سے تین طلاق ہو چکیں اور اس کے عذر سب باطل ہیں۔ فقط والسلام۔

تنبیہ :- جو حکم شرعی اس سوال کی بناء پر ہمیں معلوم ہوا وہ مع دلائل تحریر کر دیا گیا ھے باقی جناب قاضی صاحب نے جو فیصلہ کیا ھے اس کے متعلق بدون پورا فیصلہ اور اسکی وجہ دیکھے کچھ لکھنا ممکن نہیں ہے اگر قاضی صاحب کی روئداد میں اس سوال سے زائد کوئی بات ہو تب تو اختلاف جواب کا اختلافِ واقعہ کی بناء پر ہوگا ورنہ اگر باوجود اتحاد سوال وجواب اختلاف ہو تو یہ بہتر ہے کہ یہ جواب قاضی صاحب کے ملاحظہ سے گذار دیا جائے اور ان کا جواب یہاں روانہ کر دیا جائے تاکہ جانبین کو غور کا موقع ملے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

الجواب مع التنبیہ صحیح — کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ

اشرف علی۔ ۴ رجمادی الاول ۱۳۵۱ھ — تھانہ بھون۔ مورخہ ۳ رجمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

"طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی" کہا تو باتفاق آئمہ اربعہ طلاق مغلظہ ہو جائیگی۔

(سوال) ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ زید نے حالتِ غضب میں اپنی عورت کو کہا کہ "میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی" اور تخمیناً تین چار سال سے اس عورت کا حیض بند ھے اور نہ حال میں وہ سن ایاس کی حد تک پہنچی ھے پس اس تین بار کہنے سے تین طلاق ہو نگی یا نہیں؟ اور اگر حنفی مذہب میں واقع ہوئی اور شافعی مذہب میں مثلاً واقع نہ ہوئی تو حنفی کو شافعی مذہب پر اس صورتِ خاص میں عمل کرنیکی رخصت دی جائیگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب آمدہ مع السوال :-

ھوالمصوب :- ہاں! حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب مرحوم اپنی کتاب مجموعہ فتاویٰ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاق واقع ہونگی اور بغیر تحلیل کے نکاح درست نہ ہوگا مگر بوقت ضرورت کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا دشوار ہو اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہو تقلید کسی امام کی کریگا تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا نظیر اسکی مسئلہ نکاح زوجہ مفقود و عدت ممتدہ الطہر موجود ھے کہ حنفیہ عندالضرورت قول امام مالک پر عمل کرنیکو درست رکھتے ہیں چنانچہ ردالمحتار میں مفصلاً مذکور ھے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ وہ کسی عالم شافعی سے استفسار کرکے اسکے فتویٰ پر عمل کرے۔ واللہ اعلم۔ حررہ عبدالحیٔ عفاعنہ

اور تائید اس فتویٰ کا قول صاحب درالمختار علیہ رحمۃ اللہ الغفار ھے فی ص ٦١٨

لو قضی مالکی بذالک نفذ کما فی البحر والنھر وقد نظمہ شیخنا الخیر الرملی الخ -

وفی ردالمحتار : لانہ مجتھد فیہ وھذا کلہ موافق لما فی البزازیۃ قال العلامۃ : والفتویٰ فی زماننا علی قول مالک ۔

وفی موضع آخر :- اما فی بلاد لا یوجد فیھا مالکی یحکو بہ فالضرورۃ متحققۃ -

پس مولانا عبدالحیٔ صاحب مرحوم کی رائے اور درمختار و شامی صاحب کی رائے سے مستفاد ہوتا ہے کہ ضرورۃً اگر مطلق ثلاثہ امام شافعی صاحب کے فتویٰ پر عمل کرے تو اسکی بیوی از سر نو پھر حلال ہو جائیگی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم۔

بر ضمیر مہر نظیر مخفی مباد کہ مسمیٰ سمن میاں ولد عبدالکریم مرحوم ساکن بالنگا زنِ خود را در حالت شدت غضب سہ طلاق دادہ بود و بعدہ خواست کہ بارِ دیگر آن زن مطلقہ را بعد تحلیلش اورا در نکاح خود آرد لیکن آن زن مذکورہ در ممتدۃ الطہر مبتلاست و ہنوز در منزل سن ایاس نرسیدہ و علیحدگی آن زن مطلقہ یا مرد مطلق بوجہ کثرت اولاد از بطن آن زنِ مطلقہ بسیار دشوار۔ لھذا این ہمہ ضرورتہا پیش نظر داشتہ دریں صورتِ خاص بر مذھب شافعی رحمۃ اللہ علیہ حکم دادہ شد یعنی بعد تجدید نکاح فیما بینھما باز سر نو زندگانی نماید زیراچہ " الضرورات تبیح المحظورات " کہ در اصول حضرات احناف رحمہم اللہ

تعالیٰ مشہور و معروف و اظہر من الشمس است پس از ماہرین فقہ و اصول شریعت غراء مرجو ست که دریں مسئلہ خاص از نظر تحقیق و تدقیق کاروائی فرمایند که واقعیست فہم طلیب تا از دائرہ عدل و انصاف تجاوز نفرمایند باقی عند التلاقی وانا اللہ الباقی۔

راقم الحروف ابوالحسن محمد فرقان غفرلہ ولوالدیہ المنان

ساکن سری دھرا پرگنہ پنچکھنڈ کلاں سلہٹ۔

قد علمت حقیقۃ الواقعۃ حیث کان عن ضرورۃ مُسوّغۃ واذا ثبتت الضرورۃ واشتدت الحاجۃ الی ذالک صح النقل الی ای مذہب من المذاہب الاربعۃ کما افتی بہ قاری الہدایۃ وغیرہ ولیس للحنفی ولا غیرہ ابطالہ ہذا ھو المفتی بہ عند المحققین من علمائنا۔ واللہ اعلم۔

وانا العبد الملام محمد اکرام غفرلہ ولوالدیہ اسلام من مضافات کریم گنج الموطن سری دھرا

الجواب کما حررہ المجیب صحیح — لا مریۃ فیہ

معین الدین احمد عفی عنہ — محمد محفوظ الرحمٰن عفا عنہ

لاریب فیہ — الجواب الصواب

محمد طاہر عفا عنہ — محمد شرافت علی عفی عنہ۔

جواب از خانقاہ امدادیہ

مولانا لکھنوی سے اس مقام پر سخت لغزش ہوئی ہے انکے کلام میں دو جزو ہیں۔

اول یہ کہ: زوجہ مفقود کی طرح یہاں بھی ضرورت ہے اور یہ دونوں مخدوش ہیں امام شافعیؒ کی طرف اس قول کی نسبت بالکل غلط ہے۔ ائمہ اربعہ اور جمہور خلف و سلف کا صورت مذکورہ میں وقوع ثلاث پر اتفاق ہے جیساکہ شرح مسلم للنووی اور فتح الباری سے واضح ہے اور توحد طلاق کا قول اجماع صحابہ کے خلاف ہے ہرگز قابل عمل نہیں دلائل دیکھنے کا شوق ہو تو فتح الباری اور عمدۃ القاری ملاحظہ فرمائیں۔ و نیز حضرت حکیم الامت مدظلہم العالی کا رسالہ "رد التوحد" (جو رسالہ النور ماہ شوال و ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ میں شائع ہو چکا ہے) قابل ملاحظہ ہے اور زوجہ مفقود پر اسکو قیاس کرنا بھی ہرگز صحیح نہیں کیونکہ وہاں مذہب مالک اختیار نہ کریں تو اسکے واسطے کوئی سبیل ہی نہیں اور یہاں ایسا نہیں بلکہ اس خاوند کے علاوہ دوسرے اشخاص سے نکاح کر سکتی ہے اسی شخص پر کوئی ضرورت موقوف نہیں اگر یہ مرجائے تو کیا کرے؟

اگر ایسی ضرورتوں کا لحاظ کیا جائے تو ہر شخص اس کا دعویٰ کر سکتا ہے غرض یہ کہ یہ فتویٰ بالکل غلط ہے اسپر عمل کرنا بالکل جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔ مؤرخہ ۲۱ محرم الحرام ۵۲ھ

حکم الدیانۃ ثلاثاً اذا سمعن من الازواج الطلقات الثلاث

(تنبیہ) اس جواب کا مبنی اس تشریح پر ہے جو علماء ثلاثہ نے اپنی تحریری فیصلہ میں محمد یوسف کے قول "میں تو کے طلاق دیہیوں" کے معنی کی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ "میں نے تجھکو طلاق دی"۔ اگر ان کی یہ تشریح صحیح ہے اور اسی بناء پر عورت کو یقین کلی ہے کہ محمد یوسف نے اسکو دسوں مرتبہ طلاق دی۔ تو جواب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا اور اگر یہ تشریح صحیح نہیں بلکہ اس لفظ میں اہل محاورہ کے نزدیک معنی ماضی کے ساتھ معنی مستقبل کا بھی احتمال ہے جیساکہ علماء ثلاثہ میں سے بعض نے یہ احتمال اپنی ایک تحریر میں ظاہر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ "میں نے تو کے طلاق دیہیوں" کے معنی "میں تجھکو طلاق دیدوں" بھی ہو سکتے ہیں تو اس کا فیصلہ وہاں کے اہل محاورات ہی کر سکتے ہیں کہ میں وہاں کے محاورات سے واقف نہیں اور اگر اس کلام میں یہ احتمال تھا تو علماء ثلاثہ کو اپنی تحریری فیصلہ میں اس احتمال سے تعرض لازم تھا اس احتمال کے ہوتے ہوئے جزم کے ساتھ یہ لکھنا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ "میں تجھکو طلاق دی" بہت سخت مسامحت ہے جو اہل علم واہل افتاء سے نہایت بعید ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ظفر احمد عفاعنہ از تھانہ بھون۔ ۱۴ ر ج ۲ ۵۸ھ

(نوٹ:-) اس فتویٰ پر بعض علماء نے کلام کیا ہے جو درج کیا جاتا ہے۔ ۱۲ ظفر

قسط اول باسمہ سبحانہ

خلاصہ مسماۃ صغریٰ نے دعویٰ کیا کہ میرے شوہر محمد یوسف نے مجھے دسوں مرتبہ کہا کہ "میں تو کے طلاق دیہیوں"، تین قبول کر لی تھی۔ (یعنی میں نے تجھکو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ہے) پھر میرے ساتھ جماع کیا۔ مدعی علیہ نے ایقاع طلاق کا انکار کیا۔ مدعیہ سے شہادت طلب کی گئی مگر وہ شہادت پیش کرنے سے قاصر رہی "مدعی علیہ" کو حلف دیا گیا اور اسکے حلف کے بعد حکم نے فیصلہ صادر کیا کہ طلاق ثابت نہیں ہوئی مگر کسی نے عورت مذکورہ کو فتویٰ دیدیا کہ تم عدت گذارنے کے بعد دوسرے آدمی کے ساتھ نکاح کر سکتی ہو چنانچہ مسماۃ مذکورہ نکاح پر

آمادہ ہوئی اور اس کا شوہر فوجداری مقدمہ دائر کرنیکی تیاری کرنے لگا اس لئے ذیل میں اس حادثۃ الفتوئی پر بقدر ضرورت بحث کی گئی ہے۔

(تنبیہ) "میں تو کے طلاق دیہیوں الخ"، ایک ایسا لفظ ھے جو لب ولہجہ کے ادنیٰ تغیّر سے کبھی ماضی کا صیغہ اور کبھی مستقبل کا صیغہ بن سکتا ھے جیسا کہ مقامی زبان دان حضرات کا بیان ھے۔

بیان ۱ مدعیہ "میں تو کے طلاق دیہیوں تین قبول کری تھی"، (یعنی میں نے تجھکو طلاق دی کیا تو قبول کرتی ھے) دسوں مرتبہ کہا اسکے بعد جماع کیا اور یہ کہا کہ آج آخری ھے اسکے بعد یہ کہا کہ ھم صبح مہر دیکر مبارک پور جائینگے کام کرنے نہیں جائینگے دوکان پر۔ گواہ کوئی نہیں۔

علامت نشان انگوٹھا صغریٰ بنت ولی جان بقلم محمد ادریس

بیان ۲ محمد ادریس میرے سامنے لڑکی نے بار بار وھی الفاظ کہا جو وہ بیان کرتی ھے محمد یوسف نے ایک مرتبہ انکار کیا اسکے والد کے مارنے کیلئے اُٹھنے پر اسکے علاوہ کچھ نہیں کہا۔

نشان انگوٹھا محمد ادریس پسر فتح محمد

بیان ۳ مدعی علیہ میں نے جماع کے بعد کہا کہ یہ آخری ھے۔ جماع سے پہلے میں نے طلاق کا کوئی لفظ نہیں کہا بعد میں کہا کہ میں مبارک پور صبح کو جاؤنگا وہاں ایک میرے دوست ان سے روپیہ لادونگا اگر وہ روپیہ دیں گے تو طلاق دیدونگا اور اگر نہیں دینگے تو اسکے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ میرا بیان ہے۔ محمد یوسف بقلم خود۔ تاریخ ۴، جون سنہ

فیصلۂ حکم حکم نے زبانی فیصلہ صادر کیا کہ طلاق ثابت نہیں ہوئی اور مولوی اسلام الحق صاحب نے فریقین کو ذیل کی تحریر لکھکر دیدی۔

مولوی اسلام الحق کی لکھی ہوئی تحریر ھم دستخط کنندگان کے سامنے ایک عورت مسماۃ صغریٰ بنت ولی جان نے آکر یہ بیان کیا کہ میرے شوہر مسمّیٰ محمد یوسف نے رات کے وقت دسوں مرتبہ یہ لفظ کہا کہ "میں تو کے طلاق دیہیوں"، (اس کا مطلب یہ ھے کہ میں نے تجھکو طلاق دی" اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا ہو تو اسکی عورت مطلقہ مغلظہ ہوگئی اسکو چاھئے کہ اپنی بیوی سے دیانۃً علیحدہ رھے مگر چونکہ محمد یوسف بار بار دریافت کرنے پر اس لفظ کے کہنے سے بالکل انکار کرتا ھے بلکہ حلفیہ دریافت کرنے پر بھی انکار ہی کرتا ہے اور عورت مذکورہ شرعی بینہ سے اپنے دعویٰ کو ثابت نہیں کرسکی اس لئے طلاق ثابت نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم عند اللہ۔ محمد اسلام الحق عفی عنہ مدرس مدرسہ دار العلوم مئو۔

محمد صابر۔ میرک شاہ عفا اللہ عنہ

استفتاء جو عورت مذکورہ نے مکرر کیا | کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بیان مذکورہ بالا سے طلاق ثابت نہیں ہوئی لیکن مجھے یقین کلیہ ھے کہ محمد یوسف نے مجھے دسوں مرتبہ طلاق دی اور میں پھر حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں ھے کہ محمد یوسف نے مجھے طلاق نہ دی ہو لھذا یہ امر دریافت طلب ھے اب مجھے محمد یوسف کے ساتھ رھنے میں کوئی گناہ تو نہ ہوگا؟

سائلہ مسماۃ صغریٰ بنت ولی جان۔

الجواب:- (تمہید) فریقین نے جن کا بیان ۱ تا ۳ میں درج ھے میرے پاس دعویٰ طلاق کا مرافعہ کیا۔ زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے میں نے مولانا مولوی محمد اسلام الحق صاحب اور مولانا محمد صابر صاحب کو اثناء تحقیقات میں اپنے ساتھ شامل رکھا۔ اور جو الفاظ مقامی زبان میں کہے گئے انکے ترجمہ میں بھی ان ہی دونوں حضرات کے کہنے پر اعتماد کیا۔ مدعیہ مسماۃ صغریٰ بنت ولی جان نے دعوی کیا کہ میرے شوہر نے مجھے دسوں مرتبہ کہدیا کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ھے؟ محمد یوسف شوہر مسماۃ مذکورہ نے ایقاع طلاق کا انکار کیا اور صرف اس کا اقرار کیا کہ جماع کے بعد طلاق کا وعدہ کیا بشرطیکہ مبارکپور کے دوست سے مہر ادا کرنے کیلئے روپیہ مل جائے مدعیہ کے پاس بینہ (شہادت) نہیں شوہر کو قسم کیلئے کہا گیا جو اس نے کھائی اس لئے عدم ثبوت طلاق کا حکم شرعی فریقین کو سنایا گیا اور تحریر طلب کرنے پر مولانا اسلام الحق صاحب نے فریقین کو تحریر بھی دیدی جسمیں انفرادی طور پر شوہر کو نصیحت بھی کی گئی ہے اور جانبین کو بالاشتراک عدم ثبوت طلاق کا حکم بتایا گیا اس تحریر پر میرے اور مولوی محمد صابر صاحب کے بھی دستخط کرائے گئے تحریر مذکور وصول کرنے کے بعد مسماۃ مذکورہ کی طرف سے استفتاء مندرجہ بالا ۲ میرے سامنے ونیز بعض دوسرے علماء کے سامنے پیش کیا گیا جس میں وہ دیانت کا حکم اپنے متعلق دریافت کرتی ھے چونکہ اس مسئلہ میں دیانت کے پہلو متعدد ہیں اس لئے ذیل میں انکو درج کیا جاتا ھے اور اوپر کا حکم ۲ بسلسلۂ تحکیم فریقین کو دیا گیا ہے جو اس مسئلہ میں قضاء کا پہلو ھے اور اب جو کچھ لکھا جائیگا وہ محض ان احکام شرعیہ کا اظہار ہوگا جو اس مسئلہ میں انفرادی احکام کی حیثیت سے کتب فقہ میں منقول ہیں جیسے اس مسئلہ میں دیانت کا پہلو سمجھنا چاھئے جیسا کہ آگے آتا ھے۔

رجوع باصل مقصد۔

تمہید مذکور کے بعد سائلہ مذکورہ کو بالخصوص اور ناظرین کو علی العموم اطلاع دی جاتی ھے کہ اس مسئلہ میں اختلاف واقع ہوا ھے اس لئے جس قدر مسائل واقوال ہم کو اس باب میں

معلوم ہو سکے انکو ذیل میں درج کر کے آخر میں بتایا جائیگا کہ اقوال مذکورہ میں سے سائلہ کو کونسا قول اختیار کرنا چاہئے ونیز یہ کہ سائلہ کے بیان کے متعلق کتب فقہ میں دیانۃً کیا احکام ہیں جن پر انکو دیانۃً عمل کرنا ضروری ہے مسائل واقوال یہ ہیں۔

(قول اول) جس عورت نے اپنے شوہر سے یہ سنا کہ اس نے اسے طلاق دیدی ہے ا اور عورت مذکورہ شوہر کو اپنے سے دور کرنے اور روکنے پر بجز اس کے کہ اسکو قتل کرے قادر نہیں تو اسکو شوہر کے قتل کے ارتکاب کی اجازت ہے مگر خودکشی جائز نہیں۔ (در) سمعن من زوجھا الخ

(ب ۲) اوزجندی فرماتے ہیں کہ عورت مذکورہ کو قاضی کے پاس مرافعہ کرنا چاہئے اگر وہاں شوہر نے طلاق کا انکار حلفاً کر لیا اور عورت شہادت پیش نہ کر سکی تو گناہ مرد پر ھے اور اگر ارتکاب کریگی تو وہ بھی مباح عہ ھے۔ (در) وقال الاوزجندی

(ج ۳) عورت مذکورہ کو کسی حال میں شوہر مذکور کے قتل کا ارتکاب حلال نہیں بلکہ گناہ کا ذمہ دار شوہر ہوگا۔ (در) وقیل لا تقتلہ

(د ۴، ھ ۵) اوپر کے تینوں اقوال میں سے قول ثالث کو صاحب درمختار نے مفتی بہ قرار دیا ھے اور پہلے قول کے ذیل میں شامی نے محیط سے نقل کیا ھے کہ عورت مذکورہ کو سزاوار ھے کہ اپنا مال ومتاع دیکر شوہر سے اپنے آپ کو خلاص کرے یا یہ کہ اس سے بھاگ جائے اور اگر اسکی قدرت نہیں رکھتی ہے تو اس وقت قتل کریگی جبکہ یہ یقین ہو جائے کہ وہ وطی کریگا۔ مگر دواء کے ساتھ ورنہ تیز آلہ کے ساتھ قتل کے ارتکاب کی صورت میں قصاص واجب ہوگا۔ (رد) وینبغی لہا ان تفتدی بمالہا او تھرب۔

یہ پانچ اقوال درمختار اور شامی کی عبارات ذیل سے اخذ کئے گئے۔

سمعت من زوجھا انہ طلقھا ولا تقدر علی منعھا

عہ خط کشیدہ الفاظ ص۱۰۸ غور طلب یہ ہے کہ اقرار بالطلاق اور تلفظ بالطلاق میں فرق ھے ونیز یہ کہ زیر بحث مسئلہ ثانی ھے نہ کہ اول۔

من نفسها الا بقتله لها قتله بدواء ولا تقتل نفسها، وقال الاوزجندی ترفع الامر للقاضی فإن حلف ولا بینة فالاثم علیه وان قتلته فلا شی علیها و قیل لا تقتله وبه یفتی کما فی التتارخانیه وشرح الوهبانیه عن الملتقط ای والاثم علیه کما مر (در)

(قوله لها قتله) قال فی المحیط وینبغی لها ان تفتدی بمالها او تهرب منه وان لم تقدر قتلته متی علمت انه یقربها الخ (شامی ص ۴۲۸ ج ۲)

قوله وان قتلته الخ ۱ فاد اباحة الامرین (شامی ص ۴۲۹ ج ۲)

(ق ۶) اگر عورت کو شوہر نے تین طلاق دیدیں پھر منکر ہوا تو عورت مذکورہ کو اس وقت جبکہ شوہر مذکور سفر میں ہوگا اعتداد کے بعد دیانۃً جائز ہے کہ کسی دوسرے کے ساتھ مخفی طور پر نکاح کرکے حلالہ کرے اور شوہر مذکور کی واپسی پر اس سے یہ بہانہ کرکے کہ میرے قلب میں شک پیدا ہو رہا ہے تجدید ایجاب وقبول کرا کے اسی کے پاس رہنے لگے لیکن قنیہ میں اس مسئلہ کو مختلف فیہا قرار دیدیا گیا ہے کہ بھاگ جانے پر قادر ہونیکی صورت میں عورت مذکورہ کو دیانۃً تزویج مذکور کی اجازت نہیں کیونکہ جب اسکی تفریق کے ساتھ قضاء قاضی صادر نہ ہوئے اس وقت تک وہ شوہر اول کی زوجیت کے حکم میں برابر جکڑی ہوئی رہیگی۔

(ز ۷) عورت نے شوہر سے طلاق کے الفاظ سُن لئے مگر شوہر نے حلفاً انکار کیا اور قاضی نے

(بحر) لو طلقها ثلاثاً وانکر لها ان تتزوج بآخر وتحلل نفسها سراً منه اذ غاب فی سفر فاذا رجع التمست منه تجدید النکاح لشک اھ - وقد ذکر فی القنیة خلافاً فرقم للوصل بانها ان قدرت علی الهرب لم یسعها ان تعتد وتتزوج بآخر لانها فی حکم زوجته الخ - والحاصل انه علی جواب شمس الاسلام ..... یحل لها ان تتزوج فیما بینها وبین الله وعلی جواب الباقین لا یحل - (اقول ای دیانۃً لانه نفی لما اثبت قبله عبد) ...... وقد نقل فی القنیة عن شرح السرخسی ... طلق امرأته ثلاثاً و غاب عنها فلها ان تتزج .... بعد العدة دیانۃً و نقل آخر انه لا یجوز فی المذهب الصحیح -

(بحر) وکذالک سمعته طلقها ثم جحد وحلف الخ

عورت کو شوہر کے سپرد کردیا تو عورت مذکورہ کو نہ تو اس کے ساتھ رہنا جائز ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے۔

ان دونوں قولوں ؏ کا خلاصہ بقول علامہ بدیع کے یہ ہے کہ اوزجندی نسفی وغیرھما کے نزدیک دیانۃً نکاح ثانی حلال ھے اور باقی فقہاء کے نزدیک دیانۃً بھی نکاح ثانی حلال نہیں۔

(حؔ) شوہر نے عورت کو تین طلاقیں دیدیں پھر سفر میں چلا گیا اسکی عورت عدت کے بعد دوسرا نکاح دیانۃً ایک قول کے مطابق کرسکتی ھے مگر دوسری نقل کے مطابق مذہب صحیح یہ ہے کہ دیانۃً بھی نکاحِ ثانی ناجائز ھے اور دیانۃً بھی نکاح ثانی کے عدمِ جواز اور حرمت کو مذہب صحیح قرار دینے والے علاء ترجمان ہیں۔

(طؔ) مرد نے تعلیق طلاق کرلی اور شرط بھی پائی گئی جس کا علم ویقین عورت کو ہوگیا مگر مرد کو یہ گمان ھے کہ شرط نہیں پائی گئی اور ساتھ ہی ساتھ عورت کو اس کا بھی ظن غالب ھے کہ اگر وہ مرد کو خبر دے گی تو وہ تعلیق ھی کا انکار کریگا۔ تو اس صورت میں جب کبھی مرد غائب ہوجائے یعنی کسی سبب سے عورت مذکورہ کو اعتداد کے بعد حلالہ کی اجازت دیانۃً ہوگی مگر قضاءً نہ ہوگی یہ قول تو عمر نسفی کا ھے لیکن وہ اس کے ساتھ فتویٰ دینے کی اجازت اس عورت کے ساتھ

(بحر) قال یعنی البدیع والحاصل انه علی جواب شمس الاسلام الاوزجندی ونجم الدین نسفی والسید ابی شجاع و ابی حامد السرخسی یحل لها ان تتزوج بزوج آخر فیما بینها وبین الله وعلی جواب الباقین لا یحل اھ (ای ان تتزوج بزوج آخر فی مابینها الخ عبد)

(بحر) وقد نقل فی القنیة ---- ما صورته طلق امرأة ثلاثاً وغاب عنها فلها ان تتزوج بزوج آخر دیانةً ونقل آخر انه لا یجوز فی المذهب الصحیح۔

قال حلف بثلاثه

مخصوص کرتے ہیں جو قابل وثوق واعتبار ہو ناقابل اعتبار عورت کو وہ اس حکم کے ساتھ فتویٰ نہیں دیتے ہیں کیونکہ عورت مذکورہ کو نکاح دوم کرنے کی اجازت دینے کے بارے میں ممدوح نے سید ابوشجاع سے دومرتبہ دریافت کیا آپ نے ایک مرتبہ جواز کا حکم لکھدیا دوسری مرتبہ فرمایا کہ جائز نہیں اور تطبیق کی صورت بقول عمر نسفی یہ ہے کہ جواز کا حکم صرف اس عورت کیلئے آپنے دیدیا جو قابل اعتبار اور قابل وثوق ہو۔

(۱۰) دوشاہدوں نے شہادت دیدی کہ عورت کو اس کے شوہر نے تین طلاقیں دیدیں تو اگر اس کا شوہر سفر میں ہونیکی وجہ سے اس سے غائب ہے تو اس کو نکاح دوم کی گنجائش ہے اور اگر شوہر سفر میں نہیں تو عورت مذکورہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتی ہے۔

مسئلہ کی یہ صورتیں (۶ سے ۱۰ تک) بحرالرائق کی عبارت ذیل سے اخذ کی گئیں

قالوا: لوطلقها وانكرها ان تتزوج بآخر وتحلل نفسها سرامنه اذا غاب فی سفر فاذا رجع التمسك منه تجديد النكاح لشك خالج قلبها لا لانكار الزوج النكاح وقد ذكر فی القنية خلافاً فرقم للاصل بانها ان قدرت على الهروب منه لو يسعها ان تعتد وتتزوج بآخر لانها فی حكم زوجية الاول قبل القضاء بالفرقة ثم رمز لشمس الاسلام الاوزجندی وقال: قالوا هذا فی القضاء ولها ذالك ديانةً وكذالك ان سمعته طلقها ثلاثاً ثم جحد وحلف انه لم يفعل وردها القاضی عليه لو يسعها المقام معه ولم يسعها ان تتزوج بغيره ايضاً قال يعنى البديع والحاصل انه على جواب شمس الاسلام الاوزجندی و

نجم الدین النسفی والسید ابی شجاع وابی حامد والسرخسی یحل لها ان تتزوج بزوج آخر فیما بینها وبین اللہ تعالیٰ وعلیٰ جواب الباقین لا یحل اھ ــــ قال المصنف رح و قد نقل فی القنیۃ قبل ذالک عن شرح السرخسی ما صورتہ طلق امرأتہ ثلاثاً وغابت عنها فلها ان تتزوج بزوج آخر بعد العدۃ دیانۃً ونقل آخر انہ لایجوز فی المذهب الصحیح: اھ. قلت: انما رقم لشمس الائمۃ الاوزجندی وهو الموافق لما تقدم عنه والقائل بانه المذهب الصحیح العلاء الترجمانی ثم رقم بعدہ لعمر النسفی وقال: حلف بثلاثۃ فظن انہ لم یحنث وعلمت الحنث وظنت انها لو اخبرته ینکر الیمین فاذا غابت انها بسبب من الاسباب فلها التحلل دیانۃً لا قضاءً قال عمر النسفی سألتُ عنها السید ابا شجاع فکتب انه یجوز ثم سألته بعد مدۃ فقال انه لایجوز والظاهر انه انما اجاب فی امرأۃ یوثق بها اھ کذا فی شرح المنظومۃ وفی البزازیۃ شهد ان زوجها طلقها ثلاثاً ان کان غائبًا ساغ لها ان تتزوج بآخر وان کان حاضراً لالان الزوج ان انکر احتیج الی القضاء بالفرقۃ ولایجوز القضاء بها الا بحضرۃ الزوج اھ وفیها سمعت بطلاق زوجها ایاها ثلاثاً ولا تقدر علی منعه الا بقتله ان علمت انه یقربها تقتله بالدواء ولا تقتل نفسها وذکر الاوزجندی انها ترفع الامر الی القاضی فان لم یکن لها بینۃ تحلفه فان حلف فالاثم علیه وان قتلته فلا شئ علیها. والبائن کالثلاث اھ. وفی التتارخانیۃ: وسئل الشیخ ابو القاسم عن امرأۃ سمعت من زوجها انه طلقها ثلاثاً ولا تقدر ان تمنعه نفسها هل یسعها ان تقتله فی الوقت الذی یرید ان یقربها ولا تقدر علی منعه الا بالقتل فقال لها ان تقتله وهکذا کان فتوی الامام شیخ الاسلام عطاء بن حمزہ ابی شجاع وکان القاضی الامام الاسبیجابی یقول لها ان تقتله وفی الملتقط وعلیها الفتویٰ۔

وفی فتاویٰ الشیخ الامام محمد بن الولید السمرقندی فی مناقب ابی حنیفۃ عن عبد اللہ بن المبارک عن ابی حنیفۃ ان لها ان تقتله۔

وفی المحیط فی مسئلۃ النظم: و ینبغی لھا ان تفتدی بمالھا و تھرب منہ فان لم تقدر قتلتہ متی علمت ان یقرب بھا ولکن ینبغی ان تقتلہ بالدواء و لیس لھا ان تقتل نفسھا قلت: قال فی المنتقی وان قتلتہ بالآلۃ یجب القصاص اھ (بحر، ص ۶۲-۶۳ ج ۲)

(ع۱۱) جب عورت کے پاس دو شاہد شہادت دیدیں کہ اس کے شوہر نے اسکو تین طلاقیں دیدی ہیں اور شوہر انکار کرتا ہے پھر دونوں شاہد مر گئے یا پردیس چلے گئے اور قاضی کے سامنے ان سے شہادت دلانے کا موقع نہیں ملا تو عورت مذکورہ کو نہ تو یہ جائز ہے کہ شوہر مذکور کے پاس رہے اور نہ یہ جائز ہے کہ اسکو جماع کرنے کا موقع دیدے پھر اگر قاضی کے سامنے مرافعہ ہوا اور زوج منکر نے حلف اٹھائی۔ شاہد بھی مر چکے ہیں اور قاضی نے عورت مذکورہ کو شوہر مذکور کے سپرد کر دیا تو اسکو جائز نہیں کہ شوہر مذکور کے پاس رہے بلکہ مال دیکر اپنے آپ کو خلاص کرے یا بھاگ جائے اور جب بھاگ جائیگی تو دیانۃً عدت گذار کر دوسرے نکاح کی گنجائش ھے جیساکہ محیط میں مذکور ھے۔

(نوٹ) اس صورت ع۱۱ میں وضع مسئلہ یوں ہے کہ عورت کے سامنے دو شاہد عدل (یعنی دو معتبر اور دیندار مرد) ادا شہادت کریں کہ اُسے زوج نے تین طلاقیں دیدیں اور ما نحن فیہ میں عورت نے خود اپنے شوہر سے سنا ھے کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ہے؟ اسلئے یہ مسئلہ (ع۱۱) زیر بحث حادثہ سے متفاوت ھے لیکن فی الجملۃ تشابہ کی بنا پر اس کا اندراج یہاں مناسب معلوم ہوا تاکہ مسئلہ کے دوسرا پہلو بھی سامنے آجائیں۔

یہ مسئلہ (ع۱۱) عالمگیری کی عبارت ذیل سے اخذ کیا گیا:

و اذا شھد عند المرأۃ شاھدان عدلان ان زوجھا طلقھا ثلاثاً وھو یجحد ذالک ثم ماتا او غابا قبل ان یشھدا عند القاضی لم یسعھا ان تقوم معہ وان تدعہ یقرب بھا فان حلف الزوج علی ذالک والشھود قد ماتوا فردھا القاضی علیہ. لا یسعھا المقام معہ وینبغی لھا ان تفتدی بمالھا او تھرب منہ فان لم تقدر علی ذالک قتلتہ متی علمت انہ یقرب بھا لکن ینبغی ان تقتلہ بالدواء و لیس لھا ان تقتل نفسھا واذا

هربت منه لم یسعها ان تعتد وتتزوج بزوج آخر قال الشیخ شمس الائمة الحلوائی فی کتاب الاستحسان هذا جواب الحکم و اما فیما بینها وبین الله تعالیٰ اذا هربت فلها ان تعتد وتتزوج بزوج آخر کذا فی المحیط (عالمگیری ج۲ ص۵)

تبصرہ :- اقوال مذکورہ میں سے قول اول ونیز قول دوم کی شق ثانی یعنی قتل کی اجازت کا قول بوجوہ ذیل ناقابل عمل ہے اول اسلئے کہ اجازت قتل کے مقابلہ میں حرمت وعدم جواز کے قول کو مفتی بہ قرار دیدیا گیا ہے۔ وقیل لا تقتله ---- وبه یفتیٰ، درمختار باب الرجعة۔ لا یسعها قتله وبه یفتیٰ۔ درمختار کتاب الرضاع ــــ دوسرے اسلئے کہ اگر یہی صورت بجائے عورت کے مرد کو پیش آجائے تو اسکو عورت کے قتل کی اجازت کسی قول میں نہیں دی گئی ہے جیسا کہ درمختار میں ہے۔ لو لم یقدر ہو ان یتخلص عنها ولو غاب سحرته وردته الیها لا یحل له قتلها ویبعد عنها جهده اھ ــــ لھذا عورت کو بھی قتل کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

تیسرے یہ اسلئے کہ عورت کو اس مسئلہ میں خودکشی سے منع کیا گیا ہے اور زہر کھلانے کی صورت میں حکومت وقت قتل کی سزا دے سکتی ہے۔ (جہاں تک مجھے معلوم ہے) لھذا قتل کی اجازت کسی حال میں نہیں ہونی چاہئے پس عورت کو کسی طرح بھی یہ جائز نہیں کہ شوہر کو قتل کرنیکا ارادہ کرے اور قول مذکور کو صاحب شامی کا قول معتمد قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اسکی نقل درایت صحیح ہے نہ یہ مفتیٰ بہ ہونے کے لحاظ سے اسپر عمل کرنا جائز ہے، واللہ اعلم۔

قول ششم ونیز وہ تمام صورتیں جن میں عورت کو دیانۃً اختیار دیا گیا ہے کہ حلالہ کی غرض سے کسی شخص کے ساتھ شوہر کو بے خبر رکھکر نکاح کریگی یہ سب اقوال صاحب درمختار کے نزدیک غیر صحیح ہیں جیسا کہ باب الایلاء سے پہلے درمختار میں مذکور ہے، وفیها شهدا انه طلقها ثلاثًا لها التزوج بآخر للتحلیل لو غائبًا انتهی قلت یعنی دیانةً والصحیح عدم الجواز فتیة یعنی جب دو شاہد طلاق کی شہادت دیدینگے اور شوہر غائب ہو تو عورت حلالہ کی غرض سے دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ صاحب دُر اس مسئلہ کو بزازیہ سے نقل کرکے فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ جواز نکاح

دیانت کا حکم ہے اور صحیح یہ ہے کہ عورت مذکورہ کو دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں، جیساکہ قنیہ میں مذکور ہے۔ اور صاحب دُرِّمختار کے اس قول پر علامہ ابن عابدین نے اشکال وارد کیا ھے مگر وہ محض بحث ھے اسلئے اسکے ساتھ فتویٰ دینا ہرگز جائز نہیں جیساکہ اہل فن اور اصحاب مناسبت پر واضح ھے۔ علاوہ برآن یہ بھی زیر بحث حادثہ میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ جس مسئلہ پر بحث مذکور کیگئی ہے اسکی صورت یہ ہے کہ عورت کو دو مرد و زن کی شہادت عادلہ سے طلاق کا علم ہوجائے۔ اور زیر بحث مسئلہ میں عورت کو اس کے سوا کوئی علم نہیں کہ اسکے زعم کے مطابق اسکے شوہر نے اس سے دسوں مرتبہ یہ کہدیا کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی الخ جیساکہ آگے آئیگا۔ مذکورہ بالا مقام کے علاوہ باب الرضاع کے آخر میں بھی صاحب درمختار نے نکاح ثانی کو ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ احباب سے استفسار کرنے پر معلوم ہوسکا ہے اس قسم کے فتوے دینے والے اور اس پر عمل کرنے والے سب کے سب فوجداری دفعات کی زد میں آتے ہیں اور وہ دفعات عموماً اس مسئلہ کے حکم اور قضاء کے پہلو کے اعتبار سے شریعت کے خلاف بھی نہیں لھذا ایسے فتاوے کا نتیجہ اگر ایکطرف زناکاری اور اغواء کے عموم وفشو کی صورت میں نمودار ہوگا۔ تو دوسری طرف مقدمہ بازی اور گرفتاریوں کی بھرمار قانونی گرفت۔ شیوع فتن وفساد کی شکل میں سامنے آکر اسلام اور اہل اسلام ونیز علماء اسلام کے لئے نہایت ناشائشتہ اثرات کا مثمر ہوگا۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔ ارباب فتویٰ کو ایسے مواقع پر فتح القدیر کے اس مسئلہ کا خصوصیت کے ساتھ لحاظ رکھنا چاھئے۔ والحق ان علی المفتی ان ینظر فی خصوص الوقائع ـــــ اور اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ اس قول کے مطابق فتویٰ دینے میں اخذ بالاحوط کا تحقق ہوتا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اقوال مندرجہ بالا میں سے بہت سے ایسے اقوال ہیں جو اس قول سے کہیں زیادہ احوط ہیں۔ علاوہ برآن زیر بحث حادثہ میں اخذ بالاحوط کا تحقق بھی محل تامل ھے کیونکہ اگر عورت قول ثالث کے مطابق عمل کرکے شوہر منکر کے ساتھ زوجیت کے تعلقات کو بھی قائم رکھیگی تب بھی ایسا واقعہ بہت ہی شاذ و نادر پیش آتا ہے کہ مرد اس طرح طلاق دیدے کہ وہاں کوئی شاہد نہ ہو اور پھر طلاق دینے کا انکار بھی کرے برعکس آن جب یہ فتویٰ عام ہوگا کہ جو عورت یہ کہیگی کہ مجھے علم ویقین ہے کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دیدی ہے ایسی

عورت کو دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنیکی اجازت دیدی جاتی ھے تو زمانہ کے بدمعاش اور بردہ فروش ایسے فتاویٰ کو اپنے پیشہ کا خاص ذریعہ بنائینگے کیونکہ تجربہ سے معلوم ہوچکا ہے کہ بردہ فروشوں کے گروہ اس قسم کی جعلی سرگرمیوں کو عموماً اپنے کام کا ذریعہ بناتے ہیں لیکن تمام پہلو ٹھیک کرنے میں انکو صعوبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اسلئے ایسے سہل الوصول ہتھیار کو کیوں وہ ہاتھ سے جانے دینگے۔ لھذا ایسے فتاویٰ کے اصدار سے اجتناب اولی والزم ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ ویحرم التساهل فی الفتاوٰی واتباع الحیل ان فسدت الاغراض وسوال من عرف بذالك الخ (ص ۳۷۹ ج ۳)

یعنی فتویٰ دینے میں تساھل برتنا اور اغراض فاسدہ کا ہوتے ہوئے حیلے قائم کرنے حرام ہیں اسیطرح جو لوگ ایسے فتویٰ تیار کرتے ہیں ان سے مسئلہ پوچھنا بھی حرام ہے۔

بوجوہ مندرجہ بالا مسماۃ صغریٰ کو اس قول پر عمل کرنا جائز نہیں مگر سنا گیا ہے کہ مسماۃ مذکورہ کو کسی صاحب نے ذیل کا فتویٰ دیدیا ہے جسکی نقل بعینہٖ ذیل میں درج کی جاتی ھے۔

”صورت مسؤلہ میں جب عورت کو یقین ھے کہ اسکے شوہر نے اسکو طلاق مغلظہ دیدی تو اسکو جائز نہیں کہ اس شوہر کو اپنے اوپر قابو دے بلکہ اس سے علیحدہ ہو جائے اور عدت کے بعد کسی اور سے نکاح کرے دوسرا شوہر ہم بستری کے بعد اگر اسکو طلاق دیدے اور عدت گذر جائے تو وہ پھر محمد یوسف سے نکاح کر سکتی ہے اگر اس سے نکاح کرنا چاھے اور اگر اس سے نکاح کی طلب نہ ہو تو جس سے نکاح کرے اس کے پاس رہے۔“

اس فتویٰ میں صاحب فتویٰ کا یہ فرمانا کہ جب عورت کو یقین ھے کہ اس کے شوہر نے اسکو طلاق مغلظہ دیدی ہے الخ مسئلہ مذکورہ بالا یعنی والحق ان علی المفتی ان ینظر فی خصوص الوقائع الخ کی رُو سے قابل اعتراض ھے اسلئے کہ صاحب فتویٰ کے سامنے صغریٰ نے وہ بیان رکھا جسمیں اسکے دعویٰ کے الفاظ کا ترجمہ[ع] یہ کیا گیا ھے کہ ”میں نے تجھکو طلاق دی“ پھر وہ استفتاء میں حلفیہ کہتی ھے کہ ”مجھے ذرا بھی شبہ نہیں کہ محمد یوسف نے مجھے طلاق نہ دی ہو“ اسلئے صاحب فتویٰ کو مستفتیہ کے پیش کردہ الفاظ میں غور کرنیکی ضرورت تھی کہ ایسے الفاظ کا فقہاء کے نزدیک کیا حکم ھے نہ کہ یہ لکھنا کہ جب عورت کو یقین ھے الخ کیونکہ ”جب“ اذا کا ترجمہ ھے اور

ع یہ ترجمہ خود علماء ثلاثہ نے کیا ھے وھی اسکی صحت کے ذمہ دار ہیں۔

اذا[1] کا لفظ جزم کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے گویا صاحب فتوٰی نے بھی مستفتیہ کے بیان سے اس حکم کا یقین کیا جسکا زعم بظاہر مستفتیہ نے کیا ہے حالانکہ مستفتیہ نے الفاظ پیش کر کے حکم دریافت کیا تھا چنانچہ اس سے مستفتیہ کے حواریین نے وقوع طلاق بالیقین کا حکم قطعی سمجھ لیا بہرکیف جب مسماۃ صغرٰی کو دیانت کا حکم بتلانا ھے اور اسمیں بعض احباب کو اتنا اصرار ھے کہ ہندوستان میں علماء بجز احکام دیانت کے کوئی فتوٰی ہی صادر نہیں کر سکتے ہیں تو الفاظ مذکورہ میں بھی دیانت کا پہلو ملحوظ رکھنا ضروری ہے اسلئے "میں نے تجھکو طلاق دی"، کا ترجمہ فارسی میں یہ ہے کہ "من ترا طلاق دادم"، اور قاضی خان میں مذکور ہے کہ اگر ان الفاظ سے ایقاع طلاق کی نیت کر لی تو طلاق واقع ہوگی اور اگر تفویض[2] طلاق کی نیت ہوگی تو طلاق نہیں پڑیگی اور اگر تفویض کی نیت نہ ہو تو طلاق پڑیگی۔

وان قال لھا "من ترا طلاق دادم" ان نوی الایقاع یقع وان نوی التفویض لا یقع وان لم ینو التفویض یکون ایقاعًا ولو قال لھا، لک الطلاق قال ابوحنیفۃ رح ان عنی بہ التفویض یدین واذا قامت من مجلسھا بطل (خانیۃ برھامش عالمگیری ص ۲۱۹ و ۲۲۰ ج ۲)

خلاصہ یہ کہ "میں نے تجھکو طلاق دی"، کے معنٰی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ میں تمہارے سپرد[3] طلاق کو کر دی ہے۔ پس اگر تم اپنے آپ کو مطلقہ بنانا چاھتی ہو تو ایقاع طلاق اپنے اوپر کر سکتی ہو اور اس صورت میں مجلس میں صغرٰی اپنے آپ کو مطلقہ نہ بنانا تفویض مذکور کو سلب کرتا ہے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ جو بیان مسماۃ صغرٰی کا ھمارے پاس[4] اسکے عکس انگوٹھا کے ساتھ محفوظ ہے اس سے یہی شق معلوم ہوتی ہے کیونکہ مسماۃ صغرٰی کہتی ہے کہ مجھ سے محمد یوسف نے یہ بھی دریافت کیا کہ کیا تم طلاق قبول کرتی ہو؟ اور اپنا کوئی جواب قولاً بیان نہیں کرتی ھے بلکہ اسکے جماع اور اپنی تمکین کا[5] ذکر کرتی ہے لھذا دیانت کا فتوٰی دینے والا مفتی شرعًا اس کا مکلف ہے کہ اس احتمال کو نظرانداز نہ کرے

---

[1] عربی میں نہ کہ اردو میں۔ [2] اردو میں یہ لفظ محتمل تفویض نہیں۔ [3] اردو میں یہ معنٰی غلط ہیں۔

[4] قضاءً وقانونًا ایسا شخص مردود الشہادت ہے جو اولاً بیان میں قید بیان نہ کرے بعد میں اضافہ کرے۔

[5] یہ بھی علماء ثلاثہ کے اول بیان میں نہیں ھے لھذا یہ اضافہ بھی قضاءً رد ہے۔

خصوصاً جبکہ محمد یوسف کہتا ہے کہ میں نے جماع کے بعد اس سے طلاق دینے کا وعدہ اس صورت میں کیا تھا کہ مبارکپور جاکر اداءِ مہر کیلئے رقم اپنے دوست سے وصول کرسکوں۔ بالفرض اگر الفاظ مذکورہ کو ایقاع طلاق پر ہی محمول کیا جائے تب بھی حکم دیانت اسمیں صرف وہی نہیں جو صاحب فتوٰی نے تحریر فرمایا ہے بلکہ ایک احتمال یہ ہے کہ محمد یوسف نے پہلی مرتبہ ایقاع طلاق اور دوسری و تیسری و چوتھی سے لیکر جتنے مرتبہ تکرار کیا اس سے افہام[1] کا ارادہ کیا ہو چنانچہ اگر وہ اس بیان کی تصدیق کرتا اور پھر یہی دعویٰ کرتا تو دیانۃً اسکی تصدیق کی جاتی خصوصاً اس صورت میں کہ "ما نحن فیہ" میں اس کا قرینہ موجود ھے جسکا اعتبار کرنا شرعاً ضروری ہے کیونکہ اگر ھم فرض کرلیں کہ پہلی مرتبہ کہنے سے محمد یوسف نے ایقاع طلاق مراد لی ہوگی اور باقی مرات سے افہام تو اس صورت میں جو جماع بعد میں واقع ہوا وہ حلال ہوگا اور مانا جائیگا کہ اس نے جماع کے ساتھ رجعت بالفعل کرلی۔ اور اگر ایسا نہ ہوا ہو تو صغریٰ کے بیان کے مطابق جماع مذکور[2] اس صورت میں حرام واقع ہوا ہوگا کہ الفاظ مذکورہ سے تین طلاق واقع ہوچکی ہوں۔ قاضی خان میں ھے:

رجل قال لامرأته انت طالق انت طالق و قال عنیت بالاولیٰ الطلاق و بالثانیۃ والثالثۃ افہامہا صدق دیانۃً (صـ۲۴۷ ج-۲ بر ھامش عالمگیری) راقم الحروف کہتا ہے کہ دسوں مرتبہ کہنا افہام[3] کا قرینہ ھے کیونکہ سہ طلاق واقع کرنے کیلئے تین مرتبہ کہنا یا ایک ہی مرتبہ سہ طلاق واقع کرنا کافی ہوسکتا ہے لھذا لامحالہ تین سے زائد مرات کو افہام[4] و تاکید پر حمل کرنا ضروری ھے اسلئے اس جماع کو جو مسماۃ صغریٰ کے بیان کے مطابق بعد میں واقع ہوا فعل حلال پر محمول کرنیکی غرض سے پہلی مرتبہ کے علاوہ تمام مرات کو افہام پر حمل کرنا قواعد شرعیہ کے ساتھ اوفق ہے کیونکہ مسلمانوں کے افعال کو جہانتک ممکن ہو فعل مشروع پر محمول کرنا شرعاً معمول بہ ہے ان احتمالات کے ہوتے ہوئے مسماۃ صغریٰ کو حرمتِ مغلظہ کا یقین کرنا یا اسکو ایسا یقین رکھنے پر کسی کی تصویب کرنا بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل معلوم ہوتا ھے۔

---

[1] تکرار طلاق سے عورت کو تکرار ہی سمجھنا لازم ہے المرأۃ کالقاضی لا تقبل الا الظاھر۔ [2] جماع کا ذکر قضاءً قبول نہیں کیونکہ بعد میں اضافہ کیا گیا ہے اور عورت منکر ھے۔ [3] سبحان اللہ کیسا عمدہ قرینہ ھے کیا یہ نہیں کہہ سکتے کہ غصہ میں حد سے تجاوز کرگیا۔ [4] قاضی کو اور عورت کو ایسا کرنا جائز نہیں اور فتوٰی عدت کو دیا جارہا ہے۔

و اللہ اعلم وعلمہ اتم ـــــ بلکہ اگر صغریٰ اپنے بیان میں صادقہ ہو تو اسکو صرف یہ یقین رکھنا جائز ہے کہ الفاظ مذکورہ میں نے اپنے کان سے سن لئے ہیں نہ یہ کہ ان الفاظ سے دیانت کی تاثیر حرمتِ مغلظہ پر بھی یقین کرلے کیونکہ الصریح یلحق الصریح قضاءً کا حکم ہے لھذا اگر وہ قضاء کی تابع رہنا چاہتی ہے تو اس کا دعویٰ بسبب عدم بینہ کے ساقط الاعتبار ہو چکا ہے اور اگر وہ دیانت پر عمل کرنا چاہتی ہے تو ظنوا بالمؤمنین خیراً کے مطابق اسکو اپنے شوہر کے اقوال وافعال کو سب سے پہلے اُن محامل پر محمول کرنا چاھئے جو شریعت کے مطابق ہوں ونیز جب احتمالات مذکورہ کی بناء پر وقوع طلاق مشکوک ہوا تو اسکو زوال نکاح کا یقین کرنا شرعاً ممکن نہیں کیونکہ شک سے یقین زائل نہیں ہوتا ہے۔ قال فی الاشباہ: "الیقین لا یزول بالشک" اسلئے اصول شرعیہ کے خلاف زوال نکاح کا ظن رکھنا اس کو جائز نہیں، قال تعالیٰ: ان بعض الظن اثم۔

یہاں تک فتویٰ مذکورہ کے حصہ اول پر بحث کیگئی۔ اب رہا اس کا حصہ دوم جس میں صاحب فتویٰ نے مسماۃ صغریٰ کو عدت گذار کر دوسرے نکاح کا حکم دیدیا ہے سو اسکے متعلق اوپر تفصیل بحث ہو چکی ہے اسلئے اعادہ کی ضرورت نہیں بلکہ صرف اسقدر کہنا کافی ہے کہ یہ قول صاحب درمختار کے نزدیک غیر صحیح اور علامہ ترجمانی کے نزدیک مذہب صحیح کا خلاف ھے اور اس کا مذہب صحیح کا خلاف ہونا قنیہ اور شرح وھبانیہ اور درمختار ونیز شامی میں مذکور ومنقول ھے اور صاحب درمختار نے اسکے غیر صحیح ہونے پر جزم کیا اور صاحب شامی کے نزدیک غیر ہونیکو قضاء کے ساتھ مخصوص کرنا درمختار کی صریح وصاف عبارات کو ملحوظ رکھکر خلاف ظاہر کا ارتکاب ھے (ص ۶۴۹ ج ـ ۲) علاوہ برآں اس سے مفاسد عدیدہ پیدا ہو سکتے ہیں، چنانچہ جس مقام میں زیر بحث حادثہ پیش آیا ھے وہاں کے متعلق سنا گیا ہے کہ اس مسئلہ پر کسی مولوی صاحب نے پیشتر ایک عورت کو جس کے پاس دعویٰ طلاق پر شہادت نہ تھی محض اس بناء پر شوہر مدعیٰ علیہ سے جدا ہونیکا حکم دیدیا کہ وہ کہتی ھے کہ مجھے طلاق کا یقین ھے چنانچہ عورت مذکورہ نے دوسری جگہ شادی بھی کی ھے اور اب تک وہ اس دوسرے شوہر کے ساتھ بود وباش کرتی ہے پھر کچھ عرصہ بعد دوسری عورت نے بھی یہی فتویٰ حاصل کیا مگر وہ مرگئی ورنہ وہ بھی اس وقت دوسرے مرد کے پاس ہوتی اور زیر بحث حادثہ تیسرا واقعہ ہے جس میں عورت دوسرے نکاح کی تیاری کرنے لگی تھی مگر راقم کے خلاف کرنیکی وجہ سے

اُسے قدرے جھجک پیدا ہو گئی ھے اور اسکے مآل کا کوئی فیصلہ ابھی کرنا ممکن نہیں۔ پس مفاسد عدیدہ کا وقوع بھی ہو چکا ہے تو میرے نزدیک اس جیسے حوادث میں اقوال و مسائل مذکورہ میں سے کسی ایسے قول کے ساتھ فتویٰ دینا چاہئے جو مفاسد سے خالی ہو۔ مثلاً زیر بحث مسئلہ میں صغریٰ کو اولاً یہ فتویٰ دینا[1] چاہئے کہ وہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائے اور نشوز کا ارتکاب چھوڑ دے کیونکہ اسکے وقوع طلاق پر کوئی دلیل معتبر شرعی موجود نہیں، اور اگر بالفرض وہ اس سے جدا ہونے پر ھی تل گئی ھے تو قول چہارم کے مطابق وہ صرف مال ادا کرکے اپنے آپ کو جدا کرنیکی کوشش کرے خصوصاً جبکہ زیر بحث حادثہ میں بتایا بھی جاتا ہے کہ مسماۃ صغریٰ کل کے کل زیورات لیکر شوہر سے بھاگ گئی ہے بہر کیف اسکو بحالت موجودہ کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنیکی اجازت دینا شرعاً کسی طرح بھی صحیح نہیں اور اسے قضاءً یا دیانۃً یہ جائز نہیں کہ محمد یوسف سے طلاق حاصل کئے بدون کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرے اور اگر ایسا کریگی تو وہ نکاح قواعد شرعیہ کے مطابق باطل ہوگا کیونکہ محمد یوسف کے ساتھ اس کا نکاح متحقق ہونا ایک امر متیقن ھے جسکے زوال پر مسائل دیانت[2] اور قواعد قضاء دونوں کے لحاظ سے بجز شکوک واوہام کے اور کوئی دلیل شرعی قائم نہیں لھذا دوسرے نکاح نکاح علی النکاح صادق آئیگا۔

ایضاً ایک اور وجہ بھی مسماۃ صغریٰ کو سہ طلاق کے وقوع کے دعویٰ میں کاذب ٹھرائی ھے کیونکہ اگر صغریٰ کو تین طلاق کے وقوع کا جزم و یقین ہوتا تو وہ شوہر کو وطی کرنے نہیں دیتی پس اس کا یہ اقدام (علی التمکین) اسکی تکذیب کرتا ہے، بدائع میں ایک اور مسئلہ کے ضمن میں مذکور ھے " انما یجعل القول قولھا اذا لم یسبق منھا ما یکذبھا وقد سبق منھا ما یکذبھا قولھا وھو اقدامھا علی النکاح من الزوج لان شیئاً من ذالک لا یجوز الا بعد التزوج بزوج آخر والدخول بھا فکان علمھا مناقضاً لقولھا فلا یقبل (بدائع ص۱۸۹ ج-۲)

راقم الحروف کہتا ہے کہ صغریٰ کا دسوں مرتبہ یہ لفظ سننا کہ " میں نے تجھکو طلاق دیدی الخ " پھر اسکے بعد محمد یوسف کو وطی کرنے دینا اس امر کیلئے کافی ھے کہ صغریٰ کو سہ طلاق

[1] یہ فتویٰ بالکل غلط ہوگا جبکہ عورت کو طلاق ثلاثہ کا یقین ھے اس پر کسی نے بھی فتویٰ نہیں دیا۔ ظفر [2] جب عورت خود ثلاث سن چکی ھے تو یقین زائل بیقین ہوگیا ہے الیقین لا یزول بالشک کا یہاں موقع نہیں ہے۔ ظفر۔

کے وقوع کا علم ولیقین نہیں تھا اور اگر وہ اس یقین وعلم کا دعویٰ کرتی ہے تو تمکین وطی اسکی تکذیب کرتی ہے کیونکہ وقوع ثلاث کے بعد حلالہ کے بدون یہ فعل جائز نہیں ہو سکتا ہے۔[1]

ایضاً زبان دان اور متدین علماء کے کہنے کے مطابق مسماۃ صغریٰ کا بیان کردہ لفظ (میں تو کے طلاق دیہیوں الخ) میں دیہیوں ایک ایسا لفظ ہے جو لب ولہجہ کے ادنیٰ تغیر سے کبھی ماضی اور کبھی مستقبل کا صیغہ بن سکتا ہے لھذا محمد یوسف کا بیان کہ "میں نے دعدۃ طلاق کیا" نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ھے بلکہ اس احتمال کو ناشئ عن الدلیل ماننا بھی صحیح ھے کہ مسماۃ صغریٰ نے صیغہ (لب ولہجہ کی تفاوت کی وجہ سے) صیغہ ماضی سمجھ لیا ہو۔ اور اسمیں محمد یوسف کی تصدیق کرنا شرعاً و دیانۃً بھی صحیح ھے ــــــ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھن ناقصات العقل والدین۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم اجاب بہ الملتجی الی اللہ مختار اللہ۔ (المدعو)

میرک شاہ عفا اللہ عنہ وعافاہ

خادم الطلبہ بدار العلوم مئو

ضلع اعظم گڑھ ۵-۶-۵۸ھ یوم الاحد

(نوٹ) اس کلام پر یہاں سے یہ جواب لکھا گیا۔ ظفر

الجواب

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے جو فتویٰ دیا گیا ھے اس کا اولاً وہ تحریر ھے جو علماء ثلاثہ کے دستخط سے مزین ھے (جن میں سے ایک صاحب کے یعنی آپ کے دستخط کو ہم بخوبی پہچانتے ہیں) جو انہوں نے واقعہ مذکورہ میں بطور فیصلہ کے دی ہے اس تحریر میں ھم دسوں مرتبہ یہ لفظ کہا کہ "میں تو کے طلاق دیہیوں" کی تشریح یوں کی گئی ھے کہ "میں نے تجھکو طلاق دی" اسکے بعد تین قبول کرے تھی کا اضافہ نہیں ہے جو طویل

---

[1] حفظت شیئاً وغابت اشیاء قال فی العالمگیریۃ عن النھایہ ولو قالت للاول حلت فتزوجھا ثم قالت الثانی لم یکن دخل بی فان کانت عالمۃ بشرائط الحل للاول لم تصدق والا تصدق ص۱۲۹ ج-۲ ــ بدائع کی عبارت میں یہ قید رہ گئی ہے جس پر نہایہ نے تنبیہ کی ہے پس یہاں بھی عورت کو بوجہ جہل کے صادق کہا جائے گی۔ ظفر

تحریر میں بڑھایا گیا ھے اور اس سے تفویض کا احتمال[1] پیدا کیا گیا ہے اگر یہ احتمال تھا تو فیصلہ کی تحریر میں اس کا لحاظ واجب تھا اور یہ زیادت حذف کرنا جائز نہ تھی فیصلہ کی تحریر میں علماء ثلاثہ نے اس لفظ کے تکرار کو موجب طلاق مغلظ تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا ہو تو اسکی عورت مطلقہ مغلظ ہو گئی اسکو چاھئے کہ اپنی بیوی مذکورہ سے دیانۃً علیحدہ رھے یہ بھی اسکی دلیل ھے کہ "میں تو کے طلاق دیہیوں، کے بعد اصل بیان میں "تین قبول کرے تھی،، نہیں ھے ورنہ دیانۃً بھی وقوع طلاق ثلاث کا جزم نہیں ہو سکتا کیونکہ اس زیادت سے کلام محتمل تفویض ہو جاتا ہے حالانکہ علماء ثلاثہ بر تقدیر صحتِ قول وقوع طلاق مغلظ کا دیانۃً جزم کر رہے ہیں۔ پھر یہ امر موجب حیرت ھے کہ شوہر کے واقعی ایسا کہنے کی صورت میں بھی اسکو محض دیانۃً علیحدگی کا مشورہ دینے اور قضاءً اس پر علیحدگی واجب نہ کرنے کا کیا مطلب ھے؟ کیا یہ مطلب ھے کہ عورت کو باوجود طلاق مغلظ دینے کے اپنے سے جدا کرنا مرد کے ذمہ اس وقت تک واجب نہیں جب تک قاضی تفریق نہ کردے اور اسکو یہ جائز ھے کہ دیانۃً اس سے علیحدہ رھے اور صورۃً اپنے نکاح میں باقی رکھے اگر یہ مطلب ھے تو بداھۃً باطل ھے اور اگر یہ مراد نہیں تو دیانۃً علیحدہ رہنے کا اس صورت میں کیا مطلب ھے جبکہ شوہر واقعی اسکو طلاق مغلظ دے چکا ھے۔

اسکے بعد علماء ثلاثہ نے حکم قضا بیان کیا ھے چونکہ شوہر اس لفظ کے کہنے سے انکار کرتا ھے اور عورت بینہ قائم نہیں کرسکی اسلئے طلاق ثابت نہیں ہوئی قضاءً ان کا یہ حکم صحیح ھے اس سے کسی کو انکار نہیں اسکے بعد عورت نے اپنے متعلق استفتاء کیا ھے کہ بیان مذکورہ بالا سے طلاق ثابت نہیں ہوئی۔ لیکن مجھے یقین کلیہ[2] ہے کہ محمد یوسف نے مجھے دسوں مرتبہ طلاق دی اور میں پھر حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں کہ محمد یوسف نے مجھے طلاق نہ دی ہو، چونکہ علماء ثلاثہ کی فیصلہ کن تحریر میں مسماۃ کے الفاظ مذکورہ تھے اسکی تشریح بھی علماء ثلاثہ نے کردی تھی اب مستفتیہ سے الفاظ طلاق دریافت کرنیکی ضرورت باقی نہ تھی کہ اس کا سوال اس بیان پر مبنی تھا اور وہ صاف کہتی

---

[1] یہاں یہ بتلادینا ضروری ھے کہ ھمارے محاورہ میں "میں تجھکو طلاق دی،، طلقتك کا ترجمہ ھے جس میں تفویض کا احتمال اصلاً نہیں۔ فارسی میں "ترا طلاق دادم،، اگر محتمل تفویض ہو تو اس سے اردو میں یہ احتمال نہیں چل سکتا۔ ظفر۔ [2] یقین کلی مراد ھے۔

ہے کہ مجھے یقین کلی ہے کہ محمد یوسف نے مجھے دسوں مرتبہ طلاق دی۔ اس پر مجیب کا یہ قول مبنی ھے کہ صورتِ مسئولہ میں جب عورت کو یقین ہے کہ اسکے شوہر نے اسکو طلاق مغلظ دیدی ھے الخ یہاں "جب" کے معنی "جس حالت میں" کے ہیں اسکو "اذا" کا ترجمہ قرار دیکر جزم پر محمول کرنا طرز افتاء سے نکل جاناھے دوسرے "ان و اذا" کا جو فرق لغت عربیہ میں ھے وہ اردو میں جاری نہیں یہاں بکثرت "اگر" کی جگہ "جب" اور "جب" کی جگہ "اگر" مستعمل ہوتا ہے بہرحال مستفتیہ کو خود اسکی ذات کیلئے فتویٰ دیانت کا یہاں سے یہ دیا گیا (اگرچہ وہ اپنے دعویٰ کو بینہ سے ثابت نہ کرسکی مگر) جب اسکو یقین ھے کہ شوہر نے طلاق مغلظ اسکو دیدی ھے تو اسکو جائز نہیں کہ اس شوہر کو اپنے اوپر قابو دے (یہ حکم ان تمام روایات ہیں جو جناب نے نقل کی ہیں متفق علیہ ہیں) بلکہ اس سے علیحدہ ہوجائے (یہ بھی تمام روایات میں متفق علیہ ھے) اور عدت کے بعد کسی اور سے نکاح کرے (اس میں آپ نے مختلف روایات نقل کی ہیں مگر ہمارے نزدیک محض اختلاف روایات نقل کرنا کافی نہیں درایت سے ان میں تامل لازم ہے ہم اس اختلاف کو قضاء و دیانت کا اختلاف سمجھتے ہیں یعنی قضاءً اسکو نکاح جائز نہیں کیونکہ ثبوت طلاق نہیں ہوا اور دیانۃً جائز ھے کیونکہ دیانۃً عورت کے نزدیک فیما بینھا و بین اللہ طلاق مغلظہ ثابت ھے۔ والشیٔ اذا ثبت ثبت بلوازمہ ومن لازم الطلاق المغلظ ارتفاع النکاح وحل التزوج بزوج آخر۔ اس کے کچھ معنی نہیں کہ اس صورت میں عورت کو تمکین زوج سے منع کیا جائے اور اس سے علیحدگی واجب کی جائے اور نکاح کی اجازت نہ دی جائے پس یقیناً جن لوگوں نے اسکو نکاح بزوج آخر سے منع کیا ھے ان کا قول قضاء پر مبنی ھے اور اگر کسی نے دیانۃً بھی اسکو تزوج بزوج آخر سے اس صورت میں منع کیا ھے تو اس کا قول نص کے خلاف ھے۔ قال اللہ تعالیٰ: فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ، نص میں طلاق مغلظ کے بعد عورت کو زوج اول پر حرام کرکے اسکو زوج آخر سے نکاح کا حق دیا گیا ھے جس میں تنکح کی اضافت عورت ہی کی طرف کی گئی ھے۔

اب رہی وہ مصالح ومضار جن پر اخیر میں روشنی ڈالی گئی ھے تو ان کے متعلق عرض ہے کہ جس طرح اس صورت میں عورتوں کو دیانۃً اجازت نکاح دینے میں ایک مفسدہ نظر آتا ہے اسیطرح دیانۃً اجازت نکاح نہ دینے میں دوسرا مفسدہ ھے کہ

جب شوہروں کو یہ معلوم ہوگا کہ جب تک شوہر طلاق کا اقرار نہ کرے اس وقت تک عورت اس سے علیحدہ نہ ہوسکے گی وہ طلاق کو کھیل بنالیں گے اور طلاق مغلظہ کے بعد زناکاری میں مبتلا رہیں گے اور عورتیں ان کے ظلم سے عاجز ہوکر ارتداد پر مجبور ہونگی جسکی نظائر بکثرت موجود ہیں۔ رہا یہ کہ بعض علماء نے دیانت کے اس فتوی کو عورت موثوق بہا کے ساتھ مخصوص کیا ہے تو یہ رائے قابل تسلیم ھے مگر موثوق بہا کا معیار کیا ہوگا؟ کیا مفتی اسکی تحقیق کرسکتا ہے۔ ظاہر ھے کہ دشوار ھے اسلئے ھمارے نزدیک آجکل معیار یہی ہے کہ جو عورتیں ان معاملات میں علماء سے رجوع کرتی ہیں وہ موثوق بھا ہیں فاسق عورتوں کو نہ طلاق مغلظ کی پرواھے نہ بدون طلاق حاصل کئے کسی سے تعلق پیدا کرلینے میں حجاب نہ فتویٰ شرعی پر عمل کرنیکی ضرورت پھر جب فتویٰ کو عورت کے یقین کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے کہ جبکہ اسکو طلاق مغلظ کا یقین ہے تو حکم یہ ھے اگر وہ اس میں غلط بیانی کرے گی عنداللہ خود ذمہ دار ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون

۱۲؍ جمادی الثانی ۵۸ھ

(نوٹ) اسکے بعد جواب الجواب مولوی میرک شاہ صاحب کے پاس سے موصول ہوا جو درج ذیل ھے۔

جواب الجواب مع الجواب المجمل

باسمہ تعالیٰ

قسط دوم

(تمہید) ایک عورت مسماۃ صغریٰ اور اسکے زوج نے دعویٰ طلاق میں مجھے حَکَم بنایا مگر زبان نہ جاننے کی وجہ سے میں نے مولانا محمد صابر صاحب اور مولانا اسلام الحق صاحب کو اثناء تحقیقات میں شامل کیا مدعیہ نے طلاق کا دعویٰ کیا مگر شہادت پیش نہ کرسکی مدعی علیہ کو منکر ہونیکی وجہ سے حلف دیکر میں نے زبانی فیصلہ عدم ثبوت طلاق کا دیدیا۔

(ب) ہر فریق نے تحریر مانگی تو میں نے مولانا اسلام الحق صاحب سے کہدیا کہ آپ حکم شرعی سے انکو مطلع کریں اس پر موصوف نے وہ

دستخط تمام تحریر سے متعلق

تحریر لکھدی جسے علماء ثلاثہ کی تحریر سے تعبیر کیا جارہا ہے لکھنے کے بعد فریقین کے اطمینان کیلئے میرے دستخط بھی اسپر کرائے لیکن میرے دستخط کا تعلق درحقیقت صرف عدم ثبوت طلاق کے حکم کے ساتھ تھا۔ جو میں نے بہ حیثیت حَکَم کے دیا تھا مگر مخالف کو حق پہونچتا ہے کہ وہ میرا حکم نامہ اسکو قرار دیکر مجھ پر اعتراض کرے لیکن اسکے باوجود میں نے اصلی واقعہ کو اظہار کیا تاکہ جس کو میری دیانت پر اعتبار ہو وہ اعتبار کرے اور جو اسکی پوری ذمہ داری میرے اوپر ڈالنا چاھے اسکو بھی میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ البتہ اظہار واقعہ کرنا میرے نزدیک ضروری تھا جو کیا۔

(ج) اصلی واقعہ یہ ھے کہ فریقین نے مرافعہ اس طرح کیا تھا کہ گویا ھم پر دونوں کو اعتماد ھے اسلئے تحریر مذکور کے متعلق میں نے یہ خیال نہ کیا کہ یہی تحریر محل مناظرہ ہوگی اسلئے اگر اس میں کوئی کوتاہی تھی تو اس کا خیال میں نے نہیں کیا (مثل اسکے کہ " کیا تو قبول کرتی ھے" کہ یہ عورت کے بیان میں موجود تھا مگر مولانا اسلام الحق صاحب نے اسکو حذف کیا اور میں نے اس کا کوئی خیال نہ کیا کیونکہ خیال تھا کہ فریقین کو ھماری دیانت اور تحقیق پر اعتماد ھے اسلئے وہ تحریر انکے عمل کیلئے دیدی گئی تھی۔ مگر ان میں سے جس فریق نے اسکو اپنے جذبات کا خلاف سمجھا اس نے اسکو موضوع مناظرہ بنا یا۔

(د) چونکہ اسمیں گفتگو کی طوالت کا احتمال ھے اسلئے حصہ گذشتہ کو قسط اول اور اس حصہ کو قسط دوم سے موسوم کرتا ہوں۔

(ہ) مدعیہ کا بیان قلم بند کرا کے اسپر انگوٹھا اس کا ثبت ھے اسیطرح مدعیٰ علیہ اور محمد ادریس کا بیان بھی انکے دستخطوں کے ساتھ موجود ھے صرف حکم شرعی کا اصدار میں نے اتنا ہی کیا تھا۔ اسلئے میری گذارش ھے کہ بہ حیثیت تحکیم میرا حکم صرف عدم

ہوتی ھے اگر تخصیص جزو مراد ہو تو اس کا اظہار لازم ہے خصوصاً تحریر فیصلہ میں اس کا لحاظ بہت ضروری ھے۔

مگر ہر حال میں تحریر ناقص نہ ہونا چاھئے، صاحب اعتماد کو بھی ناقص تحریر دینے کا یہ نتیجہ ہوتا ھے کہ دوسروں کو اُسے شک میں ڈالنے کا موقع ملتا ھے۔

ثبوت طلاق کو مان لیا جائے (مگر اسکی پابندی صرف ان پر واجب ھے جو میرے اظہار کو صادق وصحیح تسلیم کرنے پر آمادہ ہوں۔ انتھی التمہید۔

جواب الاجوبۃ

میری طویل تحریر کے جواب میں یہ فرمانا کہ "کیا تو قبول کرتی ھے؟" اضافہ ھے اسلئے میرے اوپر موجب اعتراض نہیں ہونا چاھئے کہ میرے قلم سے طویل تحریر سے پہلے کوئی تحریر نہیں نکلی ہاں مولانا اسلام الحق صاحب کی تحریر پر میرے دستخط ضرور ہوتے جسکی کیفیت تمہید میں لکھ دی گئی۔ اسلئے آپ (یعنی مولانا ظفر صاحب) کے پہلے فتوی میں اگر اس فقرہ کا اعتبار نہیں کیا گیا ھے تو اسپر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا بلکہ اسپر ھے جس نے سوال کیا اس کو چاھئے تھا کہ عورت کا وہ بیان جو اس کے نشان انگوٹھا کے ساتھ ھمارے پاس موجود ھے وہ سارا انکی خدمت میں بھیجدیتا۔

اسیطرح الضاقاً میرے اوپر بھی اعتراض نہ ہونا چاھئے کیونکہ میں نے جو تحریر اپنے قلم سے لکھی اسمیں میں نے فقرہ کو دکھایا۔

وہ بھی حکماً آپ ھی کی تحریر ھے کمامر۔

مگر وہ جاہل ھے اسکو آپ کے حذف سے یہ گمان ہوسکتا ھے کہ حصہ محذوفہ کو حکم میں دخل نہیں ھے۔

مگر جس پر دستخط کئے اس میں نہ دکھلایا حالانکہ وہ فیصلہ کن تحریر تھی اسلئے آئندہ ایسی ناقص تحریر پر ص۲۲

ص۲۲ دستخط کرنے سے ھمیشہ اجتناب کرنا چاھئے واقعہ یہ ھے کہ میں نے آپ کے دستخط دیکھکر ھی محمد یوسف کے الفاظ پر تنقیح کی ضرورت نہ سمجھی کیونکہ میں آپ سے واقف ہوں کہ ماشاء اللہ فہیم وسلیم ہیں بدون کافی تحقیق کے کسی تحریر پر دستخط نہ کریں گے جب آپ کی دستخطی تحریر میں الفاظ زوج کی تشریح اور اس کا بوجہ تکرار موجب طلاق مغلظ ہونا دیکھ لیا اس وقت دیانت کا فتوی دیا اور اسکو آپکے فتوی کا معارض نہ سمجھا کیونکہ آپ بطور حکم کے عدم وقوع طلاق کے فیصلہ پر مجبور تھے کیونکہ جب مسماۃ صغری کے بیان پر فتوی دینا ہے تو یہ فقرہ نہایت اھم ھے بہر حال جس تحریر کو علماء ثلاثہ کی تحریر فرمایا گیا ھے اصل

واقعہ پر مطلع ہونے کے بعد اسکی حیثیت محسوس کرکے مسماۃ صغریٰ کے بیان پر متوجہ ہونیکی ضرورت ھے لھذا موضوع بحث میری طویل تحریر کو بنانیکی درخواست کرتا ہوں۔ کیونکہ میرا مقصود مناظرہ نہیں بلکہ مسئلہ کی اصلیت واقعہ میں حکم صواب کا معلوم کرنا اور اسکو مسلمانوں تک پہونچانا ھے۔ فاقول و باللّٰہ التوفیق۔

مسماۃ صغریٰ کا یہ بیان ھے کہ میں نے اپنے شوہر سے دسوں دفعہ سنا کہ "میں نے تو کے طلاق دیہیوں کیا تو قبول کرے تھی"؟ پھر اس نے جماع کیا اور کہا کہ یہ آخری ھے الخ اور شوہر کا بیان یہ ھے کہ میں نے جماع سے پہلے طلاق کا کوئی لفظ نہیں کہا بلکہ جماع کے بعد عورت سے وعدہ کیا کہ طلاق دونگا الخ۔ عورت کے پاس شہادت نہیں شوہر نے ایقاع طلاق کا انکار کرکے حلف اٹھائی۔ حَکَم کو بحیثیت حَکَم بجز اسکے کہ وہ عدم ثبوت طلاق کا فیصلہ دیدے اور کوئی حکم صادر کرنا واجب نہیں تھا اور نہیں اس وجوب کو مولانا (ظفر صاحب) نے ظاہر کیا ھے کیونکہ حَکَم بمنزلۂ قاضی ہوتا ھے (تفسیرہ ای التحکیم) تصییر غیرہ حاکماً فیکون فیما بین الخصمین کالقاضی فی حق کافۃ الناس۔ عالمگیری صؔ ۴۲۶ ج-۳) — مگر اس وجوب کو ھمارے حاسدوں نے مولانا ظفر احمد صاحب کے فتویٰ کی تصدیق کے سلسلہ میں اسلئے لکھدیا کہ ھم پر اعتراض کریں اور جن عوام پر اس قسم کی حرکات سے انہوں نے تسلط پایا ھے انکے سامنے ھمارے فیصلۂ شرعی کو غلط ثابت کریں چنانچہ انکی تصدیق کی عبارت کا ابتدائی حصہ یہ ہے "جو بات مولانا ظفر احمد صاحب نے لکھی ھے صحیح ھے اور پہلے مفتیوں پر بھی اس کا اظہار واجب تھا الخ

چونکہ یہ فقرہ تعریضاً لکھا گیا اور اسکے بعد عوام کو سمجھایا گیا جس سے علماء ثلاثہ کو عوام نے دنیز مسماۃ صغریٰ کے حمایتیوں نے مورد سبب و شتم بنایا۔

انہوں نے مفتیوں پر وجوب کو ظاہر کیا ھے و لانزاع فیہ حکم پر واجب نہیں کہا پس ممکن ھے کہ انہوں نے علماء ثلاثہ کو مفتی سمجھا ہو قاضی نہ سمجھا ہو۔

عوام کا یہ فعل معصیت ھے۔

بلکہ ان میں سے بعض پر حملے کی سازشیں ہو رہی ہیں اسلئے یہ امر بالصراحت محتاج بیان ھے کہ کیا حَکَمْ پر اس کا اظہار بھی واجب تھا یا یہ کہ حساد کا ایسا لکھنا صحیح نہیں ہے درآں حالیکہ قاضی شریح کا یہ مقولہ بھی السنۂ علماء پر دائر و سائر ہے کہ مسند قضاء پر متمکن ہونیکی حالت میں جب کسی نے ان سے فتویٰ دریافت کیا تو یہ جواب دیا "انی اقضی و لست افتی" اس بارے میں اپنی صریح رائے تحریر فرماکر ایک نزاع بے معنیٰ کو ختم کرادیجئے۔ کیونکہ اس پیوند کو اب آپ کے فتویٰ کو جزء بناکر کام میں لایا جاتا ھے۔

حَکَمْ پر قضاء کا اظہار واجب ھے فتویٰ دیانت بوقت قضا ظاہر کرنا واجب نہیں۔ بلکہ خلاف حکم قضاء ھے۔

دیانت و قضا کا تزاحم

مسائل دیانت فقہ کی اصطلاح میں ان مسائل کو کہتے ہیں جن میں انفرادی حکم بتایا جائے اور قضاء میں نحن نحکم بالظاہر کے قاعدہ کے مطابق فریقین کو اجتماعی حیثیت سے حکم شرعی کا پابند کیا جاتا ھے ان دونوں حکموں میں کبھی تزاحم نہیں ہوتا ھے اور کبھی ہوتا ھے مثلاً کسی نے رویت ھلال کرلی اور قاضی نے اسکی شہادت رد کردی تو اسکو دیانۃً روزے رکھنے ہونگے اگرچہ تمام لوگ مفطر ہی رہیں اس میں کوئی تزاحم نہیں اور تزاحم کی صورتوں میں سے زیر بحث حادثہ بھی ھے جس میں شوہر حلفاً ایقاع طلاق کا انکار کرتا ھے اور زوجہ حلفاً بیان کرتی ھے کہ میں نے الفاظ طلاق اس سے سن لئے اس لئے قاضی اور حَکَمْ کا حکم یہ ہوگا کہ طلاق ثابت نہ ہوئی اور عورت کو شوہر کے پاس جانے کا حکم قاضی کو قضاء کے سلسلہ میں دینا پڑیگا۔ کیونکہ اس کے پاس دعویٰ ثابت نہ ہوا اور یہی منصب حَکَمْ کا بھی ھے ——(قولہ عند قاض ھل المحکم مثلہ؟- قلت: الظاھر نعم لانھما انما فرقوا بینھما فی انہ لا یحکم بقضاص و حدٍ و دیۃ علی عاقلۃ الخ (شامی ص۲۰ ج-۲) لیکن اسی حادثہ میں چار آدمی دیانت کے سلسلے میں استفتاء کرسکتے ہیں ایک وہ عورت جس نے الفاظ طلاق خود سن لئے کہ وہ اب کیا کرے جبکہ اس کا دعویٰ عدم شہادت کی وجہ سے ثابت نہ ہوا اور اگر اسکو وقوع طلاق کا فتویٰ دیا جائے تو دوسرے کے ساتھ نکاح کرسکتی ھے یا نہیں؟

دوم اس کا شوہر جس نے طلاق کا ایقاع ہرگز نہیں کیا ھے کہ وہ اس عورت کو اپنے پاس

پکڑ لیگا اور جبراً اس کو اپنی زوجہ بنائے رکھیگا یا یہ کہ جو فتویٰ اسکی عورت کو دیانۃً دیا گیا ھے وہ اسپر بھی حاوی ھے۔ تیسرا[۳] وہ مرد جس کے ساتھ عورت مذکورہ دوسری شادی کرنا چاہےگی کہ کیا اسکو شرعاً جائز ہے کہ عورت مذکورہ کو مطلقہ سمجھے (بناءً علی اقرارھا) یا اس پر یہ واجب ھے کہ اس کو منکوحۃ الغیر جان لے (بناءً علی بیانہ وانکارہ مع الیمین) چوتھے[۴] وہ تمام لوگ جو مدعیہ اور مدعی علیہ کے علاوہ ہیں کہ آیا انکو وقوع طلاق کا عقیدہ رکھنا چاھئے یا عدم وقوع کا و نیز اگر عورت نے اس فتویٰ پر عمل کرنے کا ارادہ کیا جو اسکو دیا جائے (کہ وہ شوہر مذکور سے جدا ھے یا جدا ھی رھے اور نکاح دوم بھی کر سکتی ھے) تو کیا عورت مذکورہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کو یہ جائز ھے کہ عورت کی حمایت کریں اور شوہر سے جدا رھنے میں اسکی اعانت کریں درآں حالیکہ شوہر کو اس کے بیان کے مطابق دیانت کے سلسلہ میں یہ فتویٰ دیا گیا ہوگا کہ اسکی عورت ناشزہ ہے تو اعانت کرنے والے اگر عورت کے فتویٰ کے مطابق معین علی الطاعۃ ہیں تو مرد کو جو فتویٰ دیا گیا ھے اسکے مطابق معین علی المعصیت والنشوز ہونگے اسیطرح جس مفتی نے مرد کو اسکے بیان حلفی کی بناء پر یہ فتویٰ دیا ہو کہ عورت تمہاری منکوحہ ھے اور اسکی جدائی نشوز ھے تم اسکو جبراً اپنے پاس رکھ سکتے ہو یا جس حکم نے عدم ثبوت طلاق کا حکم دیا ہو تو کیا عورت کے علاوہ کسی مسلمان کو یہ جائز ھے کہ مفتی مذکور یا حَکَمِ مذکور کو گالیاں دلائے یا دیدے اور انکے خلاف مظاہرے کرے اور انکو بدنام کرکے بازار میں انکو بدنام کرکے نیکلئے آرٹے بنائے اور لٹھ بند غنڈوں کو اپنے حمایتیوں کی معیت میں مذکورہ بالا مفتی یا حکم کی آبرو لینے کیلئے بالواسطہ یا بلاواسطہ کوشش کرے۔

یہ عمل معصیت ھے اسکی کسی حال میں اجازت نہیں۔

اسیطرح اگر مرد نے عورت مذکورہ کو اپنی منکوحۂ غیر مطلقہ سمجھکر اسکو جبراً اپنے پاس رکھنے کا ارادہ کیا تو دوسرے لوگوں کو اسکی اعانت کرنی جائز ھے یا موجب معصیت ھے؟

میرے نزدیک واللہ اعلم بالصواب ان سوالات کا جواب یہ ھے کہ علیك بخویصّۃ نفسك کے مطابق مرد کو جائز ھے کہ عورت کو فیما بینہ وبین

اللہ اپنی منکوحہ غیر مطلقہ سمجھے اور بشرط اقتدار اسکے ساتھ منکوحہ غیر مطلقہ کے معاملات برت لے اور عورت کو ضروری ھے کہ وہ فیما بینھا وبین اللہ اپنے آپ کو مرد سے جُدا سمجھے اور حتی المقدور جدا رکھے بشرطیکہ اسکو کسی نے ایسا فتوی دیدیا ہو اور ان دونوں کے علاوہ کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ واقعہ سے با خبر ہونیکی صورت میں عورت مذکورہ کے ساتھ نکاح کرے کیونکہ عورت مذکورہ کا بذریعہ نکاح کے مرد مذکور کی منکوحہ ہونا بالیقین معلوم ہے اور یہ معلوم ہونیکے بعد عورت کا حلفیہ بیان بلا شہادت کے زوال نکاح کیلئے دلیل یقینی نہیں لھذا تیسرے آدمی کو نکاح وزوال نکاح مذکورین کے متعلق الیقین لایزول بالشک کی پابندی ضروری ھے اسلئے کسی مسلمان کو اسکے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں ہونا چاھئے چنانچہ تحقق وتیقن زوجیت کے بعد بتصل زوال زوجیت کے عدم تحقق کی صورت میں بقاء زوجیت کا حکم شامی کی عبارت ذیل سے تقریبًا بالتصریح معلوم ہوتا ھے جو ایک اور مسئلہ کے ذیل میں کتاب مذکور میں مذکور ھے۔

قلت: واما الجواب بان وقوع الطلاق للاحتیاط فی الفروج فھو مشترک الالزام علی انہ لا احتیاط فی التفریق بعد تحقق الزوجیۃ بمجرد التلفظ بلفظ مھمل او مصحف بل الاحتیاط بقاء الزوجیۃ حتی یتحقق المزیل (شامی صـ۳۷۲ ج-۲)

یہی حکم مدعیہ اور مدعی علیہ کے علاوہ دیگر تمام مسلمانوں کا بھی ہونا چاھئے کہ وہ نکاح کو متحقق سمجھیں جسکی دلیل انکے لئے استصحاب حال اور الیقین لایزول بالشک ونیز الاحتیاط بقاء الزوجیۃ حتی یتحقق المزیل وغیرہ ھے اور عورت کو وقوع طلاق کی مدعیہ سمجھ لیں لیکن اسکی کسی قسم کی حمایت کرنا خلاف شرع سمجھ لیں کیونکہ مدعی کو محض اسکے دعوی کی بنا پر کچھ دینا شرعًا جائز نہیں۔

اس سے مسئلہ زیر بحث میں استدلال نہیں ہوسکتا مسماۃ نے جو الفاظ بیان کئے ہیں وہ مہمل یا مصحف نہیں وہ ایسے الفاظ ہیں جنکے تکرار کو خود علماء ثلاثہ نے موجب طلاق مغلظ دیانۃً تسلیم کیا ھے۔

حدیث کا تعلق دیانات سے نہیں بلکہ قضاء سے ھے لفظ لو یعطی الناس اس کا قرینہ ھے دیانۃً صاحب دعوی اگر حق پر ھے اسکو اپنا حق جس طرح ہوسکے وصول کرنا جائز ھے مسئلۃ الظفر بجنس

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو یعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء رجال واموالھم ولکن الیمین علی المدعی علیہ (مسلم)

اس حدیث سے ما نحن فیہ کے متعلق یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کا قسم کھا کر بیان کرنا بے اثر ھے کیونکہ اسپر حلف عائد نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا قسم کھا کر بیان کرنا اسکے لئے مضر ہوسکتا ھے۔ ویحلفون ولا یستحلفون اسیطرح یہ بھی معلوم ہوا کہ محض دعویٰ کرنے سے مدعی کو کچھ نہیں دیا جاسکتا ھے۔

اور "یہ کچھ نہ دینا" جسطرح بالاتفاق قاضی کیلئے تنفیذ کی حیثیت سے معمول بہ ھے اسیطرح غیر قاضی یعنی عام مسلمین کیلئے اعتقاد و اعانت کی حیثیت سے واجب العمل ہونا چاھئے کیونکہ الفاظ میں کوئی خصوص موجود نہیں۔ اسیطرح دوسری احادیث بھی ہیں جن میں بے سوچے سمجھے اصل واقعہ سے بے خبر ہو کر کسی کی جانبداری کی مذمت وارد ہوئی ہے۔

حقہ ملاحظ ہو دیانۃً جن لوگوں کے نزدیک قاضی کا فیصلہ اور شوہر کا بیان صحیح ھے وہ اس پر اعتقاد و عمل کے مکلف ہیں اور جن کے نزدیک عورت کا بیان صحیح ھے لکونہا ثقۃ عندھم وہ اسکے بیان پر اعتقاد و عمل کر سکتے ہیں کما سیأتی اور دیانات میں خبر واحد پر عمل جائز ھے۔

یعنی قضاءً

لیکن اگر کسی کو عورت کے بیان پر بوجہ اسکے صدق کے وثوق ہو وہ اسکے قول پر اپنے قلب کی شہادت سے عمل کرسکتا ھے قال فی الدر: قالت امرأۃ طلقنی زوجی وانقضت عدتی لاباس ان ینکحھا اھ قال الشامی عن الخانیۃ: ان کانت ثقۃ اولم تکن ووقع فی قلبہ صدقھا فلاباس بان یتزوجھا اھ

ما نحن فیہ میں مسماۃ صغریٰ کو دیانۃً کیا فتویٰ دینا چاھئے یہ مخصوص توجہ اور غور کا محتاج ھے کیونکہ اس کا شوہر ایقاع کا منکر ھے اسلئے صرف ان الفاظ پر فتویٰ کا ترتب ضروری ھے جو اس نے

منکوحۃ الغیر دعویٰ طلاق کرتی ھے اور اسکو قبول کیا جاتا ھے حالانکہ ثبوت نکاح متیقن ھے اور طلاق کا دعویٰ صرف عورت کی طرف سے ھے آپ کے قاعدہ پر یہ دعویٰ قابل قبول نہ ہونا چاھئے تھا مگر شہادت قلب سے قبول جائز ھے پھر یہ

کہدیئے ہیں۔ اور میرے نزدیک اسکو بوجوہ ذیل دیانۃً بھی وقوع طلاق کا فتویٰ نہیں دینا چاہئے، اول اسلئے کہ اگر اسکے پیش کردہ الفاظ کے معنی یہ لئے جائیں کہ میں نے تجھکو طلاق دی اور اس سے طلاق کا مفہوم لیا جائے یا اعطاء وتفویض کا تو یہ طلقتک کا مرادف ھے جو صریح طلاق کے الفاظ میں سے ھے اور صریح کے ساتھ وقوع طلاق کا حکم الصریح یلحق الصریح کے مطابق دینا قضاءً صحیح ھے دیانۃً نیت تاکید اسمیں مسموع ومقبول ھے کما فی الشامی وغیرہ۔

یہاں دسوں مرتبہ کہنا اور پھر بقول مدعیہ کے وطی کرنا (جسکی تمکین مدعیہ نے بھی کرلی) شرعی طور پر مجبور کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کو ایقاع پر اور باقی مرات کو اخبار و تاکید پر (جیسا کہ غصّہ کی حالت میں ایسا ہوا ہی کرتا ھے) محمول کرنا چاھئے جس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی پھر اس وقت جماع کرنا رجعت بالفعل پر محمول کرنے سے دو مسلمانوں کو مرتکب فعل حرام قرار دینے سے بھی بچنا ھے اور ایک فتنہ عظیمہ سے بھی نجات حاصل ہوسکتی ھے

قال فی الهندية: رجل قال لامرأته: انت طالق انت طالق انت طالق وقال عنيت بالاولى الطلاق وبالثانية والثالثة افهامها صُدق ديانةً ص٣٤٧ ج-٢)

کیسے ہوسکتا ھے کہ عورت کو تو تزوج بزوج آخر جائز ہو اور مسلمانوں کو اس سے نکاح جائز نہ ہو تو عورت کو اجازت دینا بھی لغو ہے۔

شوہر نیت تاکید کا مدعی نہیں ھے۔

گو شوہر مدعی تاکید نہ ہو

تاکید کا دعویٰ خود اختراع نہیں ہوسکتا جب تک شوہر دعویٰ نہ کرے اور جہاں تکرار کو تاکید پر حمل کرنا دیانۃً صحیح مانا گیا ھے وہاں یہ بھی تصریح ھے کہ المرأة کا القاضی عورت کو جائز نہیں ھے کہ تکرار کو تاکید پر حمل کرے عورت جب طلاق مکرر سنے اسکو طلاق متعدد پر حمل کرنا واجب ھے۔ (شامی ص۲٦٩ ج-۲ باب الکنایات)۔

وفی البدائع: الامین انما یصدق فیما لایخالفہ الظاہر فامافیمایخالفہ الظاہر فلا یقبل ص ٩٩۔

زیر بحث مسئلہ میں مدعیہ کا یہ دعویٰ نہیں کہ مجھے تین طلاق کے وقوع کا علم ھے بلکہ دسوں مرتبہ وہ الفاظ سننے کا دعویٰ کرتی ھے جن میں چند احتمالات ہیں منجملہ آں ایک احتمال کے مطابق وہ طلاق صریح کے الفاظ ہو سکتے ہیں پھر ان کا دسوں مرتبہ مکرر ہوجانا اور پھر فوراً ہی وطی کا متحقق ہوجانا اس امر کو ظاہر ٹھہراتا ھے کہ ایقاع بالواحدۃ کے بعد تکرار للافہام والتاکید ہوئی جس کے بعد رجعت کا تحقق ہوا۔

دوم، "دیہوں" کا لفظ یہاں کے اہل زبان کے کہنے کے مطابق لب و لہجہ کے ادنیٰ تغیر کے ساتھ ماضی سے مضارع اور مضارع سے ماضی بن سکتا ھے اور مدعیٰ علیہ کا یہ بیان کہ میں نے جماع کے بعد طلاق دینے کا وعدہ کیا ارادۂ مضارع کے احتمال کو تقویت دیتا ھے جس کے بعد صرف تقدم و تاخرہ جماع میں مدعیہ اور مدعیٰ علیہ کے درمیان اختلاف باقی رہتا ھے اس لئے اس شخص کو جس سے عورت اس لفظ کی بناپر حکم طلب کرتی ھے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتی ہے کہ میں نے اس کے بعد جماع بھی کیا یہ امر ضروری ھے کہ وہ ایسے لفظ کی بناء پر عورت کو وقوع طلاق کے تیقن کا فتویٰ نہ دے جس کا تیقن اس نے اہل زبان ہونے کے باوجود اس وقت خود بھی نہ کیا جیساکہ تمکین وطی سے معلوم ہوتا ھے اور اس قدر متقارب بیان (مدعی اور مدعیٰ

بدائع کی عبارت میں ایک قید رہ گئی ہے جسکو عالمگیریہ میں نہایہ سے نقل کیا ھے

قال: فان کانت عالمۃ بشرائط الحل للاول لو تصدق والا فتصدق اھ ص ١٢٩ ج۔ ٢

پس یہاں عورت کو بوجہ جہل کے صادق مانا جائیگا۔ لاسیمّا فی دار الحرب۔

میرے سامنے جو تحریر علماء ثلاثہ کے دستخط سے آئی تھی اور اس میں نہ جماع کا ذکر تھا نہ اس احتمال استقبال کا بلکہ جزم کے ساتھ اسکی تشریح صیغۂ

علیہ کا) سامنے آنیکے بعد اگر ثالث اس احتمال کو قوی قرار دیدے کہ "دیہیوں" کا تلفظ فی الواقع وہی رہا ہوگا جو مستقبل پر دلالت کرتا ہے اور جماع کے تقدم وتاخر میں اسی پر نسیان کا گمان غالب رکھنا شریعت کے مطابق سمجھے تو یہ بھی اصول شرعیہ سے مستعبد نہیں لھذا تیقن کی گنجائش یہاں بھی نہیں اور ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخرٰی ونیز ھن ناقصات العقل الخ جیسے موید ات سے اس احتمال کی تائید ہوتی ہے اور چونکہ وہ صرف ایک لفظ پیش کرتی ہے ماضی یا مضارع کا لفظ ہونیکا کوئی دعوٰی اس سے صادر نہیں ہوا پھر اس سے وطی کا اقرار بھی کرلیا اسلئے اس احتمال کو رد کرنیکی کوئی وجہ نہیں

اور اگر وہ صیغۂ ماضی کا ہی (بالفرض) دعوٰی کریگی (کیونکہ ابتک اس نے یہ دعوی نہیں کیا) تب ھی اسکی تمکین وطی اسکی تکذیب کیلئے کافی ہونی چاھئے جیسا کہ بدائع سے ابھی منقول ہوا، انما یصدق فیما لا یخالفہ الظاھر الخ

پھر مدعیہ ہی کا یہ لفظ کہ کیا تو قبول کرتی ہے؟ بتاتا ھے کہ اسکی رائے میں بھی زوج نے ایسا لفظ کہدیا ھے جس میں عورت کی رائے کو دخل ہوسکتا ھے اور یہ ظاہر ھے کہ ایقاع طلاق میں مرد مستبد علی سبیل الانشاء ومستقبل ھے اسلئے عورت کے الفاظ کے مطابق بھی "دیہوں" کو ایقاع کے علاوہ کسی اور مفہوم پر محمول کرنا ضروری معلوم

ماضی سے کی گئی تھی اسلئے یہ علماء ثلاثہ کی کوتاھی ھے کہ محتمل کی تشریح بالجزم ماضی سے کردی چونکہ میں اس محاورہ سے واقف نہیں اسلئے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ احتمال قریب ھے یا بعید قابل اعتبار ھے یا غیر مسموع

تمکین وطی عدم علم بحکم التکرار پر بھی محمول ہوسکتا ھے عورت کو معلوم نہ تھا کہ اس لفظ کے تکرار سے طلاق مغلظ ہوگئی یہ کیسے کہا جائے کہ وہ اسکو مضارع پر محمول کرتی تھی۔

ہوتا ہے۔

سوم۔ طلاق دیدی۔ یہ اردو کا ایک محاورہ ھے اور اردو فی الحقیقت کوئی مستقل زبان نہیں بلکہ ہندوستان کی قدیم زبان اور عربی و فارسی کے الفاظ سے ایک زبان بن گئی تھی جسے کہتے ہیں۔ اہل ذوق اور علماء ادب اسکی تائید کرینگے کہ طلاق دینا اردو میں طلاق داوں سے آیا ہے جو فارسی کا محاورہ ھے اور طلاق دادن فارسی میں اسیطرح ایقاع طلاق کیلئے مستعمل ھے جسطرح طلاق دینا اردو میں تطلیق کے معنیٰ میں مستعمل ھے۔ صراح میں تطلیق کے معانی میں مذکور ھے طلاق دادن زن را۔ یعنی تطلیق کا ترجمہ یہ ھے کہ طلاق دادن زن را۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو طلاق دادن کے اصلی معنیٰ تفویض طلاق کے ہی ہیں۔

یہ مسلم نہیں بلکہ اصلی معنیٰ طلاق واقع کردن ہیں اس لفظ میں تفویض کے معنیٰ اردو والے جانتے بھی نہیں پھر وہ اصل معنیٰ کیسے ہوئے۔

ہاں اس کا استعمال ایقاع طلاق میں کثیر ومتعارف ہوگیا ھے یہانتک کہ بلا قرینہ اس سے ایقاع ھی مراد لیا جاتا ھے جیساکہ معانی متعارفہ کا قاعدہ ھے لیکن چونکہ اس سے تفویض طلاق مراد لینا اصل لغت سے مستلزم خروج نہیں ھے اسلئے اگر کوئی شخص طلاق دادم کہکر یہ دعویٰ کرے کہ میری نیت تفویض طلاق کی تھی تو فقہاء کی تصریح کے مطابق اسکی تصدیق کی جاسکتی ھے۔

بل ھو خروج عن اللغة کما مرّ

وان قال لها: «من طلاق ترا دادم» ان نوى الايقاع يقع وان نوى التفويض لا يقع وان لم ينو التفويض يكون

ایقاعًا الخ (قاضی خان بر هامش عالمگیری ص ۲۱۹ و ۲۲۰ ج - ۲)

اسیطرح طلاق دینے کی اصلی معنیٰ تفویض کے ہونے چاهئے تھے جو متروک الاستعمال ہیں لیکن چونکہ اصل وضع کے لحاظ سے انکو مراد لے سکتے ہیں اسلئے اگر نیت تفویض کا دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ بھی مسموع ہونا چاهئے خصوصًا اس صورت میں کہ "تجھے طلاق ھے" کے مضمون کو ادا کرنے والے الفاظ میں بھی ابو حنیفہؒ کے نزدیک نیت تفویض کا دعویٰ دیانۃً قابل تصدیق ھے جیساکہ مسئلہ مندرجہ بالا کے ساتھ ھی قاضی خان میں مذکور ھے ولو قال لها لك الطلاق قال ابو حنيفة ان عنى به التفويض يُديّن و اذا قامت من مجلسها بطل الخ صفحہ مذکورہ۔

بہرکیف قاضی خان کے مسئلہ مذکورہ بالا کو فارسی سے مخصوص کرنا اور اردو میں تفویض کی نیت سے بھی رو کردینا اور وہ بھی دیانۃً اسلئے صحیح نہیں معلوم ہوتا ھے کہ الفاظ کی اصل وضع اس سے اباء نہیں کرتی۔

صرف استعمال متعارف مانع ھے جس کا نتیجہ مسئلہ بالا میں پہلے ہی موجود ھے یعنی یہ کہ تصدیق کو دیانت کے ساتھ مخصوص کیا گیا ھے۔ بہرکیف میں نے تجھکو طلاق دیدی الفاظ کی اصل وضع کے لحاظ سے تفویض پر محمول ہوسکتا ھے۔

پھران الفاظ کے بعد حسب بیان مدعیہ زوج کا وطی کرنا اور خود مدعیہ کا تمکین کرنا ایک

یہ بھی فارسی میں ہوسکتا ھے اردو میں تجھے طلاق میں تفویض کی نیت مسموع نہ ہوگی کیونکہ یہاں یہ لفظ تفویض میں اصلاً مستعمل نہیں

بل ھو آپ عنه لعدم معرفة اهل اللسان هذا المعنى بهذا اللفظ۔

اگر شوہر نے دعویٰ تفویض بھی نہ کیا ہو؟ انصاف کیا جائے جہاں دیانۃً نیت تفویض معتبر ھے وہاں یہ بھی تو شرط ہے کہ شوہر تفویض کا مدعی ہو۔

اگرچہ شوہر نے تفویض کا دعویٰ بھی نہ کیا ہو خواہ مخواہ اسکے سر

قوی قرینہ ھے کہ الفاظ مذکورہ کو اسلئے قاضی خان کے مسئلہ محوّلہ بالا پر محمول کرنا چاہئے۔

کہ اس صورت میں زوجین مذکورین کا یہ فعل حلال ہوگا ورنہ انکے فعل کو فعلِ حرام پر محمول کرنا پڑیگا جسکی کوئی وجہ شرعی موجود نہیں۔ یہاں تک کہ خود زوجہ بھی اس کا دعویٰ نہیں کرتی ھے کہ زوج مذکور نے ایقاع طلاق کیا تھا بلکہ وہ اس کے الفاظ کو پیش کرکے ارباب فتوٰی سے حکم شرعی طلب کرتی ھے اور ساتھ ہی یہ اقرار کرتی ھے کہ ان الفاظ کے بعد شوہر نے وطی کرلی اور میں نے تمکین کی۔ اسکے علاوہ مدعیہ کے بیان میں یہ بھی ھے "کہ کیا تو قبول کرتی ھے؟" جو تفویض کا ایک اور قرینہ ہوسکتا ھے 1 سلئے احتیاط اسی میں ھے کہ فقرۂ مذکورہ کو تفویض پر محمول کیا اور قاضی خان کا مسئلہ مذکورہ بالا جو عالمگیری وغیرہ میں بھی لیا گیا ھے معمول بھا بنایا جائے خصوصاً اس لحاظ سے کہ جن عبارات سے عورت کے جواز نکاح ثانی پر استدلال کیا جاتا ھے جیسا کہ بعض مقامی لوگ کہتے ہیں وہ عموماً صورتِ زیر بحث سے متفاوت ہیں۔ مثلاً سمعت من زوجھا انہ طلقھا و لا تقدر علی منعھا من نفسھا الا بقتلہ قتلہ الخ اس مسئلہ میں زوج کو عورت کے سامنے مقر بالطلاق قرار دیدیا گیا ھے جس میں عورت پر واجب ہوجاتا ھے کہ وہ مرد کو اسکے اقرار کی بناء پر ایقاع طلاق کا فاعل جان لے کیونکہ اقرار الانسان حجۃ علیہ ایک قاعدہ مسلمہ ھے مگر

تفویض کو لگادیا جائے۔

تمکین کا اس نے اقرار نہیں کیا اور وطی کو عدم علم بالحکم پر حمل کرنا ظاہر ھے جہلاء ایسا ہی کرتے ہیں۔

ہاں یہ قرینہ ہوسکتا ھے مگر افسوس کہ علماء ثلاثہ نے اپنی دستخطی تحریر میں اسکو حذف کردیا جس کی وجہ سے مفتی کو اس احتمال سے تعارض کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

نکہ یہ الفاظ طلاق خود اقرار ایقاعِ طلاق ھے جیسا آگے آتا ھے۔

مانحن فیہ میں زوج نے عورت کے سامنے چند الفاظ کہدئے ہیں نہ کہ اقرار بالطلاق کیا ھے اسلئے عورت کے پاس کونسا شرعی ثبوت ھے کہ وہ زوج کو ایقاع طلاق کا فاعل سمجھے خصوصاً جب زوج ایقاع کا منکر ھے اور عورت نے جو الفاظ سن لئے ہیں ان میں احتمالات موجود ہیں۔ لوطلقھا و انکر لھا ان تتزوج ویحلل نفسھا سرًا۔ اسمیں اوّلاً نکاح کی علی الاطلاق اجازت نہیں بلکہ مخفی طور پر محض حلالہ کی غرض سے جس پر زوج کو ہرگز اطلاع نہ ہونی چاھئے۔

ثانیاً طلقھا صیغہ جزم ھے جس کا مفہوم یہ ھے کہ مرد نے ایقاع طلاق بالیقین کر لیا اور مانحن فیہ میں جو الفاظ عورت نے سن لئے ان کی کیفیت اوپر گذر چکی ھے۔

شھد ان زوجھا طلقھا الخ اسمیں دو شاھد کا عورت کے پاس شہادت دیدینا مذکور ھے جو حجت شرعی ھے مگر مانحن فیہ میں یہ مفقود ھے اسیطرح عالمگیر کے مسئلہ میں بھی۔ واذا شھد عند المرأۃ شاھدان عدلان الخ مذکور ھے اسلئے صورتِ زیر بحث پر وہ مسئلہ بھی صادق نہیں آسکتا ھے غرضیکہ مذکورہ بالا چاروں عبارات میں سے تین عبارتوں کو زیر بحث صورت سے کوئی تعلق نہیں البتہ ۲ کو فی الجملہ انطباق ھے لیکن پھر بھی وہ مشکوک ھے۔

علاوہ برآں اس کا حکم کسی دوسرے کے ساتھ علی التابید نکاح کرنیکا نہیں۔ واللہ اعلم

سرًا کی قید اسلئے ھے کہ علانیہ نکاح میں شوہر دعوی کر دے گا۔ نہ اسلئے کہ علانیہ نکاح جائز نہیں جو نکاح سرًا جائز ھے وہ علنًا بھی جائز ھے سرًا کی قید محض بطور مشورہ ہے تاکہ ضرر سے محفوظ رہے۔

مگر عورت کو ایقاع طلاق کا یقین ھے جیسا کہ اس نے استفتاء میں ظاہر کیا ھے

وجہ شک کچھ نہیں۔ کما مر

علی التابید کی قید کس لئے ہے کیا نکاح

وعلمہ اتم۔

علی التسلیم

اگر تسلیم کیا جائے کہ مسماۃ صغریٰ نے جو الفاظ اپنے شوہر محمد یوسف سے سن لئے ہیں وہ ایقاع طلاق ثلاث کیلئے کافی ہیں تو سوال یہ ھے کہ عدم ثبوت کی وجہ سے جب اس کا دعوی ثابت نہ ہوا تو اس کو اقوال ومسائل منقولہ میں سے کس قول کے ساتھ فتوی دیا جاسکتا ھے؟

تحلیل مؤبد نہیں ہوتا۔ موقت ہوتا ھے؟

یہ علی التسلیم نہیں بلکہ آپکی دستخطی تحریر میں آپ کا اور آپکے اہل زبان رفقاء کا مصرح بہ ھے اس کے سوا کوئی دوسرا احتمال اس تحریر میں نہیں بیان کیا گیا کیا اہل زبان علماء کو یہ جائز تھا کہ جس کلام میں بعد کو اسقدر احتمالات نکالے جاتے ہیں اپنی فیصلہ کن تحریر میں بالجزم اسکو موجب طلاق مغلظ ظاہر کردیں اور آپ بھی اس پر دستخط کردیں اور آئندہ کیلئے مفتیوں کو غلطی میں ڈالیں تو پھر ان پر اعتراض کریں اور اپنی کوتاہی کو تسلیم نہ کریں۔

طوالت سے بچنے کی غرض سے ھم اس قول کو زیر بحث لاتے ہیں جس میں اسکو کسی دوسرے کے ساتھ عدت کے بعد نکاح کرنیکی اجازت دیدی گئی ھے اس قول کو کسی نے مفتیٰ بہ نہیں کہدیا ھے (علی ما اعلمہ بعد التتبع)۔ صاحب دُرمختار نے اس کو بالتصریح غیر صحیح قرار دیدیا ھے۔ کما قال قبیل باب الایلاء وفیہا شھدا انہ طلقھا ثلاثاً لھا التزوج بآخر للتحلیل لو غائباً اھ قلت یعنی دیانۃً والصحیح عدم الجواز۔ قنیہ۔ اس پر شامی نے بحثاً اشکال وارد کیا ھے لیکن اوّلاً وہ بحث ھے نقل نہیں۔ ثانیاً اس کا تعلق عدم تصحیح کے ساتھ ھے جس سے وجود تصحیح یا نقل تصحیح لازم نہیں آتی پھر باب الرضاع کے آخر میں اس قول کو

ھو مقتضی اطلاق المتون کما صرح بہ فی البحر وھو مقتضی اطلاق نص الکتاب کما ھو

لو سلمنا عدم صحتہ فانما ھو فیما اذا شھد عندھا اثنان لما فیہ من القضاء علی الغائب لا فیما اذا سمعت المرأۃ منہ الطلاق ھذا ھو الذی نبہ علیہ الشامی فی باب الرجعۃ فلیتنبہ لہ

بصیغۂ تمریض نقل کرکے اسکے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ وقیل: لھا التزوج دیانۃ شرح وھبانیۃ۔ شامی اس کا ضعیف عند المصنف ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ قولہ: وقیل: لھا التزوج الخ اشارۃ الیٰ ضعفہ کما فی شرح الوھبانیۃ الخ۔

پھر اسکو قضاء کے ساتھ مخصوص کرنیکی تاویل کو خلاف ظاہر قرار دیتے ہیں لھذا کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ھے کہ اس غیر مصحح قول کے ساتھ فتویٰ دیا جائے خصوصًا اس لحاظ سے کہ اس پر فتویٰ دینے سے کوئی نفع بھی نہیں ہوسکتا ھے کیونکہ عورت کے علاوہ۔ جس جس مسلمان کو معلوم ہوگا کہ مرد ایقاع طلاق کا منکر ھے کسی حال میں بھی اسکو عورت مذکورہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ نکاح متحقق ہوچکا ھے اور زوال نکاح پر کوئی شرعی بینہ اور حجت موجود نہیں جسکی پابندی عورت کے علاوہ دوسروں پر ضروری ہو۔ جیسا کہ الیقین لا یزول بالشك ودیگر اس قسم کے نصوص سے معلوم ہوتا ہے جنکو گذشتہ سطور میں نقل کیا گیا ھے اسکے علاوہ بحرالرائق کی عبارتِ ذیل سے بھی اسمیں مدد ملتی ھے جو اختلاف ثنتین وثلاث کے متعلق کتاب مذکور میں مذکور ھے وفیھا سمع رجل من امرأۃ (بزازیۃ) انھا مطلقۃ الثلاث۔ والزوج یقول لا بل مطلقۃ الثنتین لا یسع لمن سمع منھا ان یحضر نکاحھا ویمنعھا ما استطاع۔ بحر۔ (ص ۲۶۵۔ ج۔ ۴) محمول علی انہ لا یسعہ ان یحضر نکاحھا بھذا الرجل وھو الظاھر ولیس معناہ لا یسعہ ان یحضر نکاحھا بغیرہ بدلیل ما بعدہ اراد ان یتزوج امرأۃ فشھد عندہ

یعنی جس مرد نے عورت سے یہ سنا کہ وہ مطلقہ الثلاث ہے مگر اس کا شوہر کہتا ہے کہ وہ مطلقہ ثلاث نہیں بلکہ اس کو صرف دو طلاقوں سے حرام کیا گیا ھے تو جس شخص نے عورت سے قول مذکور سنا ھے اسکو حلال نہیں کہ اگر عورت دوسرا نکاح کریگی تو اسکو کرنے دے یا اس مجلس میں شامل ہو جائے۔

اسیطرح قنیہ کے یہ الفاظ بھی قابل غور ہیں وعلی جواب الباقین لا یحل (ای النکاح)۔۔۔۔ ونقل آخر انہ لا یجوز (النکاح) فی المذہب الصحیح والقائل بانہ المذہب الصحیح (ای عدم حل النکاح) العلاء الترجانی الخ کمافی البحر۔

خلاصہ یہ کہ عورت مذکورہ کو نکاح کی اجازت جس قول میں دیدی گئی ھے اسکی تضعیف میں نقول عدیدہ موجود و منقول ہیں اوراسکی تصحیح کیلئے کسی کا ایک حرف بھی نہیں ملتا اور نہ ہی کہیں اسکو وبہ یفتی وغیرہ کے ساتھ مقید کیا گیا ھے محض چند علماء کا قول اسکو قرار دیکر قنیہ میں وعلی جواب الباقین لا یحل سے ظاہر کیا گیا ھے کہ باقی علماء عدم حل نکاح کے قائل ہیں۔

لھذا عالمگیری کی وہ عبارت جو کتاب الطلاق میں ھے مذہب صحیح پر مبنی نہیں اگرچہ عالمگیری کے کتاب القضاء میں نکاح کا ذکر اس مسئلہ میں نہیں کیا گیا ھے۔ واذا ادعت المرأۃ علی زوجھا انہ ابانھا بثلاث اوبواحدۃ فجحد الزوج فحلفہ القاضی فحلف فان

او عند القاضی ان لھا زوجًا فتزوجھا لا یفرق اھ وبدلیل ما ذکرہ عن البزازیۃ ایضًا قالت طلقنی ثلاثًا ثم ارادت تزویج نفسھا منہ لیس لھا ذالک اصرت علیہ ام کذبت نفسھا اھ

وقد مر مافیہ فتذکر

علمت ان الامر کما قالت لا تسعها الاقامة معه و لا ان تأخذ میراثها کذا فی النهایة (ص ۴۲۳ ج-۳)

ایضًا :- اور اگر نکاح دوم کے قول کی تصحیح و عدم تصحیح سے قطع نظر کیا جائے تب بھی مسماۃ صغریٰ کے حق میں مسئلہ کی ترتیب یہ ہونی چاهیئے کہ وہ مال دیکر خلع حاصل کرے (جیسا کہ مولانا ظفر احمد صاحب کے دوسرے فتویٰ میں بھی مصرح ھے) اسلئے کہ محیط میں سب سے پہلے عورت مذکورہ کو افتداء بالمال کا ھی حکم دیدیا گیا ھے اور راقم الحروف بھی اول روز سے یہی کہہ رہا ہے کہ اگر مسماۃ صغریٰ کو محمد یوسف سے جدا ہونے پر اصرار ہے تو کچھ دے دلا کر اس سے اپنے آپکو خلاص کرے۔ لیکن چونکہ اس صورت میں قضاء میں سکون پیدا ہوسکتا ھے اسلئے جو لوگ فتنہ اور شور و شغب بالخصوص مخالفت کے دلدادہ وہ اسطر اسطرف آنے نہیں دیتے.

لا یخفی علی الفطن ان او للتخییر فلا یجب علیها الافتداء لو قدرت علی الهرب

وفی المحیط :- وینبغی لها ان تفتدی بمالها او تهرب منه فان لم تقدر قتلته الخ اس ترتیب کو صاحب شامیؒ نے بھی اختیار کیا ھے۔

الحاصل (الف) جو الفاظ صغریٰ نے اول والا ھمارے سامنے بیان کیا اور ھمارے دار الافتاء کے رجسٹر میں وہ مع نشانہائے انگوٹھا موجود ہیں انکو سامنے رکھکر فتویٰ دینا مطلوب ھے

کیونکہ ہمارے بغیر کسی کے پاس فریقین کے اصلی بیانات نہیں بلکہ دوسرے لوگ محض ہوائی گھوڑوں پر دوڑ رہے ہیں حالانکہ انکو ہمارے یہاں سے وہ بیانات مل بھی سکتے تھے لیکن جب تحقیقِ حق مقصود ہی نہ ہو تو ایسے راستے کیوں اختیار کیئے جائیں جس سے فتنہ فرو ہو۔

(ب) میرا فیصلہ شرعیہ جو بسلسلۂ تحکیم زبانی بتایا تھا صرف یہ ھے کہ طلاق ثابت نہ ہوئی اس سے زیادہ یہ حکم بتانا کہ صغریٰ کی طلاق چونکہ ثابت نہ ہوئی اسلئے اسکو دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا جائز ھے ہرگز میرے لئے جائز نہ تھا جس نے اس چیز کو ہمارے اوپر واجب سمجھا ھے وہ غلط کہہ رہا ھے۔

نعم لم يكن ذالك واجبا على الحكم فى مجلس الحكم ولكن كان ذالك واجباً لو استفتتہ المرأة فى غير مجلس الحكم عن حكم الديانة لها ان كانت الواقعة كما فى كتاب الحكم والا فكان الواجب الرجوع عن كتاب الحكم و الافتاء بما كان عندكم من الواقعة التى اودعتموها فى الخريطة ولم تبينوها فى الحكم۔

(ج) دیانۃً صغریٰ کو اسلئے وقوع طلاق کا یقین رکھنا جائز نہیں کہ اس نے جو الفاظ سن لئے ہیں وہ وقوع طلاق کی قطعی دلیل حادثہ کے تمام پہلوؤں اور الفاظ کی تمام کیفیات واحتمالات کو ملحوظ رکھکر نہیں ہوسکتے ہیں اسلئے زوالِ نکاح مشکوک ھے۔

(د) جس عورت کو وقوع طلاق اور زوال نکاح کا یقین حاصل ہو اسکو سب سے پہلے یہ حکم ھے کہ مال دیکر شوہر منکر سے اپنے آپ کو

مگر افسوس ھے کہ علماء ثلاثہ کی دستخطی تحریر میں ان الفاظ کو موجب طلاق مغلظ کہا گیا ھے اور کوئی احتمال ظاہر نہیں کیا گیا محض عدم بینہ کی وجہ سے عدم ثبوت طلاق کا حکم قضاءً بیان کیا گیا۔ مستفتی جاہل ھے جب علماء نے اسکے پورے بیان میں سے کچھ الفاظ حذف کردئے تو وہ یہ سمجھنے پر مجبور ھے کہ الفاظِ محذوفہ کو حکم طلاق میں کوئی دخل نہیں ھے اس لئے تو علماء نے انکو حذف کیا اگر بقیہ الفاظ سے حکم مسئلہ پر اثر پڑتا تھا تو ان کے

خلاص کرے اگر وہ ایسا نہیں کرسکتی ھے تو پھر فقہاء کے دوسرے اقوال کی طرف منتقل ہوسکتی ھے۔

حذف کی کوئی وجہ نہ تھی فیصلہ کرنے والے کا فرض ھے کہ مدعی اور مدعیٰ علیہ دونوں کا پورا بیان لکھ کر فیصلہ دے۔

۱ سکے اولاً واجب ہونیکی کوئی دلیل نہیں۔ ففی المحیط : ینبغی لھا ان تفتدی بمالھا او تھرب ای تفعل ای ذالک ان شاءت و قدرت علیہ ولہذا افتیتھا بالمفارقۃ عنہ مرۃ و بالافتداء اخریٰ۔

(ہ) دوسرے اقوال میں سے یہ قول کہ اسکو ہروب کے بعد کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا جائز ھے قول مصحح نہیں۔

قلت ھو مقتضی اطلاق المتون و نص الکتاب

اسلئے دوسرے اقوال پر اسکی ترجیح کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ ہی کسی نے اسکو راجح قرار دیا ھے۔

(و) جس عورت کو طلاق کا یقین ھے مگر شہادت سے اسکو ثابت نہ کرسکے اسکو دیانۃً اپنے آپ کو مطلقہ سمجھنا چاھئے لیکن اسکے علاوہ کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ اسکی کسی قسم کی حمایت کرے کیونکہ نکاح سابق ایک امر یقینی ھے جسکے زوال کیلئے عورت کا یقین یا دعویٰ کافی نہیں بلکہ مسلمانوں کو صرف یہ جائز ھے کہ وہ عورت مذکورہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ وقوع طلاق کا دعویٰ کرتی ھے جس کا صدق و کذب اسکے علاوہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ھے۔ ہم کو اسمیں کوئی رائے زنی کا حق نہیں اسیطرح کسی مسلمان کو یہ علم رکھتے ہوئے کہ یہ عورت فلاں آدمی کی منکوحہ تھی جو طلاق کا منکر ھے ہرگز حلال نہیں کہ اس کے ساتھ نکاح کرے بلکہ اگر یہ عورت نکاح کرنے لگ جائے تو جس کو واقعہ معلوم ھے اور مرد سے اس نے ایقاع طلاق کا انکار سنا ھے اسکو لازم ھے کہ عورت کو نکاح ثانی کرنے

سے روکے اور اگر وہ نہیں رُکتی ھے تو مجلس نکاح میں ہرگز شرکت نہ کرے جیسا کہ بحر کے مسئلہ مندرجہ بالا میں مصرح ہے۔ | وقد مر مافیہ فتذکر

الجواب المفصل وانہ لقول فصل

مکرمی المحترم مولانا محمد میرک شاہ صاحب دام فضلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ حضرت والا کو نہ فرصت ھے نہ اتنی قوت ہے کہ ایسی طویل تحریریں باریک قلم کی لکھی ہوئی ملاحظہ فرمائیں اسلئے حضرت کو آئندہ تکلیف دینا نہ چاہئے۔ جواباً معروض ہے کہ مجھے جناب کے متعلق یہ یقین ھے آپ کو حضرت والا سے تعلق ھے اور اس واسطہ سے اس ناچیز کے ساتھ بھی تعلق ہے اور یہ تعلق مانع اظہار حق نہ ہونا چاہئے بلکہ زیادہ موجب اظہار حق ہونا چاہئے کہ اس کا مبنیٰ محض حُب فی اللہ وحُب ﷲ ھے اگر میرے اظہار حق سے کسی مخالف جماعت کو خوشی کا موقع ملا ھے مجھے اسکی پرواہ نہ کرنا چاہئے کہ میرے ذمہ بہرحال اظہار حق واجب ہے خواہ اس سے کسی کو خوشی ہو یا کسی کو رنج ہو۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ الآیۃ : اور دراصل یہی تعلق جو آپ کے ساتھ ھے سبب ہوا میرے اس فتویٰ پر جواب لکھنے کا ورنہ میں چونکہ مئو۔ اعظم گڑھ کے محاورت دیہات سے ناواقف ہوں ضرور اس فتویٰ پر تنقیح کرتا اور مستفتی سے سوال کرتا کہ اس لفظ کے معنیٰ اہل محاورہ سے معلوم کرکے لکھو مگر جب استفتاء کے ساتھ آپکی دستخطی تحریر دیکھی جس میں محمد یوسف کے لفظ "میں توکے طلاق دہیوں" کی تشریح جزم کے ساتھ "میں نے تجھکو طلاق دی" سے کی گئی تھی اور اس کے بعد صاف لکھا تھا کہ اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا تھا تو اسکی عورت مطلقہ مغلظہ ہوگئی تو مجھے سائل سے طلب تشریح کی یا تنقیح کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ میرے وھم میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مدعیہ نے محمد یوسف کے الفاظ کچھ اور بھی بیان کئے تھے جو آپ کی دستخطی تحریر میں حذف کئے گئے اور دفتر میں محفوظ رکھے گئے ہیں کیونکہ اہل علم کا فرض ہے کہ فیصلہ کی تحریر میں مدعی و مدعیٰ علیہ کا پورا بیان لکھکر فیصلہ کریں تاکہ خود فریقین کو بھی یہ مغالطہ نہ ہو کہ عبارتِ محذوفہ کو حکم واقعہ میں کچھ دخل نہیں اور کسی

ذی علم کے سامنے اس تحریر کو پیش کریں تو اسکو بھی مغالطہ نہ ہو وہ کیسے سمجھ سکتا ھے کہ جس عبارت کو یہاں جزم کے ساتھ ایک معنٰی سے مشروح کیا گیا ھے وہ دفتر کی عبارت سے مل کر دوسرے معنی کو بھی متحمل ہوسکتی ہے اور جن الفاظ کے تکرار کو یہاں جزماً موجب طلاق مغلظہ کہا گیا ہے وہ عبارت محفوظہ سے لیکر جزماً موجب طلاقِ مغلظہ نہیں رہی ہے چونکہ میرے جواب کا مبنیٰ آپکی دستخطی تحریر اور اسکی تشریح تھی اسلئے میں نے مستفتی کو لکھدیا ہے کہ میرے جواب کا مبنی وہ تشریح ہے جو علماء ثلاثہ نے اپنے تحریری فیصلہ میں کی ہے اگر انکی یہ تشریح صحیح ہے اور اس بناء پر عورت کو یقین کلی ھے کہ محمد یوسف نے اس کو دسوں مرتبہ طلاق دی تو جواب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا اور اگر یہ تشریح صحیح نہیں بلکہ ان الفاظ میں اہل محاورہ کے نزدیک معنی ماضی کے ساتھ مستقبل کا بھی احتمال ہے جیسا کہ علماء ثلاثہ میں سے بعض نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے تو اس کا فیصلہ وہاں کے اہل محاورات ہی کرسکتے ہیں کہ میں وہاں کے محاورات سے واقف نہیں۔

اور یہ تنبیہ میں نے اپنے اسی فتوٰی پر لکھدی ہے جو اولاً یہاں سے دیا گیا تھا اور مستفتی نے ثانیاً اسکو حضرت اقدس کے دستخط کیلئے واپس کیا تھا امید ھے کہ میری اس تنبیہ سے شوروشر کم ہوجائیگا کیونکہ میں نے اپنے فتوٰی کو آپکی تشریح پر مبنی کیا ہے اب آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس تشریح میں ھم سے کوتاہی ہوئی کہ مدعیہ اور مدعیٰ علیہ کا پورا بیان نہ لکھا گیا اور جزم کے ساتھ صرف ایک معنیٰ کو ظاہر کردیا۔ دوسرے احتمالات سے تعرض نہ کیا گیا اور چونکہ ظفر نے ھماری تشریح پر مدار رکھا ھے تو اب ھم مدعیہ کے پورے الفاظ پر دوسری تشریح کرتے ہیں اور تشریح اول سے رجوع کرتے ہیں آپ اس تشریح اول سے رجوع کا اعلان کردیں گے تو یقیناً شوروشر جاتا رہے گا۔ اور آپ پر یہ اعلان واجب ھے۔ فان التوبة بقدر الحوبة السر بالسر والعلانية بالعلانية اور آپ کے اس اعلان کے بعد میں بھی اپنے فتوٰی سے رجوع کرلونگا کیونکہ وہ تو آپکی اس دستخطی تحریر ہی پر مبنی ھے اور اگر آپ کو اس فیصلہ کن تحریر سے رجوع کا اعلان دشوار ہو تو پھر مدعیہ کے اُن الفاظ کی بناء پر جو آپ کے دفتر میں محفوظ ہیں یہ عرض ہے کہ اگر واقعہ یہی ہے کہ محمد یوسف نے دسوں مرتبہ یوں کہا ہے کہ "میں تو کے طلاق دیہیوں تین قبول کرے بھی" اور اہل محاورہ کے نزدیک اسکے یہ معنٰی ہیں کہ "میں تجھکو طلاق دیدوں تو قبول کرتی ھے" تو اس صورت میں ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی آپ اپنے

لوگوں میں سے کسی کو فرما دیجئے کہ وہی الفاظ لکھکر استفتاء کرے میں اس کو یہی جواب دیدونگا جو اس وقت لکھ رہا ہوں جس سے میرے دونوں فتوے متعارض ہوجائیں گے۔ واذا تعارضا تساقط۔

باقی آپ نے بہ سبیل تنزل اُن الفاظ کو تسلیم کرتے ہوئے جو فیصلہ کی تحریر میں درج کئے ھیں اس تشریح کو مانتے ہوئے جو اس میں کی گئی ھے جس قدر بحث کی ہے وہ میرے نزدیک صحیح نہیں۔

سب سے پہلے آپ نے "طلاق دی" میں احتمال تفویض نکالا ھے یہ اصلاً صحیح نہیں ھماری زبان میں لفظ "تجھکو طلاق دی" بالکل صریح ھے ان الفاظ سے ھمارے یہاں تفویض نہیں کی جاتی پھر احتمال تفویض کیلئے متکلم کا دعویٰ شرط ہے متکلم تفویض کا مدعی نہیں پھر آپ نے تکرار طلاق میں دیانۃً احتمال تاکید نکالا ھے مگر قضاءً یہ احتمال رد ھے۔ والمرأة کالقاضی کما صرحوا بہ۔ پس عورت کے حق میں یہ احتمال ہرگز مفید نہیں بالخصوص جبکہ شوہر مدعی تاکید بھی نہیں۔ پھر آپ نے دعویٰ کیا ھے کہ طلاق مغلظ کے بعد عورت کو بدون تفریق قاضی کے نکاح ثانی کا اختیار ہونا جبکہ شوہر منکر ہو مفتیٰ بہ نہیں ھے۔ یہ بھی صحیح نہیں ھے۔

قال فی البحر: و اطلق فشمل ما اذا کان الزوج الاول معترفاً بالطلاق الثلاث او منکراً بعد ان کان الواقع الطلاق الثلاث ولھذا قالوا لو طلقھا ثلاثاً و انکر لھا ان تتزوج بآخر و تحلل نفسھا سراً منہ الخ۔

بحر نے انکار زوج کی صورت میں بھی عورت کو نکاح ثانی کا اختیار دیا ھے اور اسکو اطلاق متون کا مدلول قرار دیا ھے مفتیٰ بہ ہونے کیلئے اور کیا چاھئے؟ جبکہ اطلاق متون سے ایک مسئلہ ثابت ھے وہ متون سے ہی ثابت ھے اور متون کا مفتیٰ بھا ہونا معلوم، اس میں قید سراً سے آپ کا یہ کہنا کہ نکاح علی جائز نہیں یا تحلیل سے یہ مفہوم نکالنا کہ نکاح مؤبد جائز نہیں انصاف اور فقہ سے بہت بعید ھے قید سراً کا بطور مشورہ ہونا واضح ھے کیونکہ جب شوہر منکر ھے وہ علانیہ نکاح کو بذریعہ قاضی کے روکدیگا اگلی عبارت اسکی خود دلیل ھے، فلیراجع۔ ورنہ خود غور فرمالیا جائے کہ جو

چیز سراً جائز ہے اسکو اعلاناً کرنا شرعاً کیوں حرام ہوگا؟ اور نکاح تحلیل یقیناً مؤبد ہوتا ہے کیونکہ نکاح موقت باطل ہے۔ پھر میں لکھ چکا ہوں کہ نص قرآن کا مقتضی یہی ہے فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ اضاف النکاح الی المرأۃ و اطلق فلہا ان تتزوج بزوج آخر اعترف الاول بالطلاق او انکر اذا کان الواقع الطلاق الثلاث ــــــ اور صورتِ مسئولہ میں آپکی تشریح ھے کہ زوج نے "میں نے تجھکو طلاق دی" کہا اور تصریح ھے کہ اس کا تکرار موجب طلاق مغلظ ھے اور عورت اپنا یقین کلی بیان کرتی ھے کہ زوج نے مجھکو دسوں مرتبہ طلاق دی تو اب شرط "بعد ان کان الواقع الطلاق الثلاث" کے تحقق میں کیا کلام رہا؟

اسکے بعد آپکو "لو شھد عندھا عدلان علی الرضاع بینھما او طلاقھا ثلاثاً وھو یجحد الی قولہ ولا التزوج بآخر وقیل لہا التزوج دیانۃ اشار الی ضعفہ کما فی القنیۃ عن العلاء الترجمانی انہ لایجوز فی المذھب الصحیح وجزم بہ الشارح فی آخر باب الرجعۃ" سے مسئلہ مبحوث عنھا میں شبہ ہوا ھے کہ سماع مرأۃ کی صورت بھی اسکو دیانۃً نکاح ثانی جائز نہیں حالانکہ یہ قیاس مع الفارق ھے کیونکہ شہادت کی صورت میں عورت اپنے کو مطلقۃ الثلاث سمجھنے میں بظاہر قضاء علی الغائب کرتی ھے لانھا کالقاضی فی ھذا الباب۔ اور قضاء علی الغائب میں اختلاف ہوسکتا ہے اسلئے اس صورت میں اقوال مشائخ مختلف ہوگئے۔ لیکن سماع کی صورت میں اس قسم کا کوئی احتمال نہیں اسلئے وہاں یہ کہنا کہ دیانۃً عورت کو نکاح بآخر جائز نہیں صحیح نہیں۔ شامی نے صاحب در کی اس مسامحت پر تنبیہ کی ہے کہ انہوں نے صورتِ شہادت کے اختلاف کو صورت سماع میں بھی جاری کردیا حالانکہ قیاس مع الفارق ھے چنانچہ "سمعت من زوجھا[ع] انہ طلقھا (ای ثلاثاً) ولا تقدر علی منعہ من نفسھا الخ" کے تحت لکھا ھے۔

وفی الفتاوی السراجیۃ:- اذا اخبرھا ثقۃ ان الزوج طلقھا وھو غائب وسعھا ان تعتد و تتزوج و لم یقیدہ بالدیانۃ اھ۔ کذا فی شرح

ع وحملہ علی انھا سمعت من زوجھا الاقرار بطلاقھا کما فعلہ الفاضل بعید و انما معناہ انھا سمعت منہ الطلاق سواء اعترف بہ بعد ذالک او انکر فافھم۔ ظفر۔

الوهبانية ـــــ قلت :۔ هذا تائيد لقول الائمة المذكورين (شمس الائمة الاوزجندی ونجم الدين النسفی والسيد ابی شجاع والسرخسی والقائلين بانه يحل لها التزوج بزوج آخر فيما بينها و بين الله فيما اذا شهدا انه طلقها ثلاثا) فانه اذا حل لها التزوج باخبار ثقة فيحل لها التحليل هنا بالاولیٰ اذا سمعت الطلاق او شهد به عدلان عندها بل صرحوا بان لها التزوج اذا اتاها كتاب منه بطلاقها ولو علی يد غير ثقة ان غلب علی ظنها انه حق و ظاهر الا الطلاق جوازه فی القضاء حتی لو علم بها القاضی يتركها فتصحيح عدم الجواز هٰهنا مشكل الا ان يحمل علی القضاء (قلت : وای تصحيح اصرح من هذا حيث صرحوا بذالك فی مسئلة الكتاب ونحوها ۱۲۔ ظفر) نعم لو طلقها و هو مقيم معها يعاشرها معاشرة الازواج ليس لها التزوج لعدم القضاء عدتها منه كما سيأتی بيانه فی العدة (ص۸۹۶ ج ۔۲) لان العدة منه لاتنقضی الا بالمفارقة لا بالمجاعة فافهم۔

بہرحال شہادۃ عدلین کی صورت میں بھی صحیح یہی ہے کہ عورت کو تزوج بآخر جائز ہے جبکہ وہ زوج اول سے الگ ہوکر عدت گذار دی اور قضاء علی الغائب کا جو شبہ ہے وہ اسلئے باطل ہے کہ اس صورت میں عورت قضاء نہیں کررہی ہے کیونکہ بحث دیانت میں ھے کہ فیما بینھا وبین اللہ نکاح کو جائز کہا جارہا ہے شوہر پر قضاء نہیں کررہی ہے اس لئے قاضی کو بھی علم کے بعد اس میں دخل دینے کا حق نہیں (الا اذا دافع اليه الزوج فله ان يقضی بما ثبت عنده) قال الشامیؒ عن الولوالجية عن الفصولين: اخبرها عدل او غير عدل فاتاها بكتاب من زوجها بطلاق ولا تدری انه كتابه اولا ان اكبر رأيها انه حق فلا باس بالتزوج اھ۔ وتقدم قبيل الايلاء ان هذا فی الديانة ثم رأيت بخط السائحانی عن جامع الفتاوی شهدا ثنان ان الغائب طلق زوجته لا تقبل فی الحكم بطلاق الغائب وتقبل فی حق سكوت الحاكم فی انها تعتد وتتزوج بآخر اھ وحاصله انه يسوغ للحاكم السكوت لانه امر دينی لا اثبات الطلاق لانه حكم علی الغائب فلا يصح الخ ص۱۰۴ ج ۲ قبيل فصل الحداد۔

جب شہادت عدلین کی صورت میں دیانۃً یہ حکم ہے تو سماع میں بدرجہ اولیٰ اور غالباً علامہ ترجمانی نے صورتِ شہادت میں عدم جواز کو صحیح اسی بناء پر کہا ہے کہ اس صورت میں عورت قضاء علی الغائب کرتی ھے مگر یہ خیال باطل ہے بلکہ وہ ایک امرِ دیانت کا ارتکاب کر رہی ہے اثبات طلاق سے اسکے فعل کو کچھ تعلق نہیں اس لئے ائمہ مذکورین نے دیانۃً نکاح بآخر کی اجازت دی ہے اور صورتِ سماع طلاق میں تو علامہ ترجمانی کا خلاف بھی منقول نہیں فلا یصح قیاسہ علیھا فافھم۔ اور اگر اس میں بھی ان کا اختلاف کسی نے نقل کیا ھے تو یقیناً مسامحت سے خالی نہیں یا اسکو قضاء پر محمول کیا جائے گا کما قالہ العلامۃ الشامی۔

اسکے بعد آپ نے دعویٰ کیا ھے کہ صاحب بزازیہ کے نزدیک حرمت کے تمام وجوہ میں عورت کا قول قابل اعتبار نہیں۔ حالانکہ اصل جزئیہ یہ ہے۔ انھا اذا قالت: ھٰذا ابنی رضاعًا و اصرت علیہ لہ ان یتزوجھا لان الحرمۃ لیست الیھا قالوا بہ یفتی فی جمیع الوجوہ جس کا حاصل یہ ہے کہ عورت کے دعویٰ رضاع سے مرد پر وہ عورت حرام نہیں ہوتی کیونکہ ثبوت رضاع تنہا ایک عورت کے قول سے نہیں ہوتا۔ لان الحرمۃ لیست الیھا کے یہی معنیٰ ہیں نہ وہ جو آپ نے سمجھے ہیں۔ اس کے بعد صاحب دُر کا تبعًا للصدر الشھید یہ کہنا۔ مفادہ انھا لو اقرت بالثلاث من رجل حل لھا تزوجہ یقینًا۔ قیاس قلب وعکس ہے بزازیہ نے مسئلہ رضاع میں مرد کو نکاح کی اجازت دی تھی نہ کہ عورت کو اس سے یہ تو مستفاد ہوسکتا ہے کہ صورت دعویٰ طلاق ثلاث میں مرد کو اس مدعیہ سے نکاح جائز ہو جبکہ اسکے نزدیک عورت کا دعویٰ صحیح نہ ہو کیونکہ تنہا اسکے قول سے ثبوت طلاق نہیں ہوسکتا لیکن یہ اخذ کرنا کہ عورت کو بھی اس سے نکاح جائز ھے کس طرح مستفاد نہیں ہوتا۔ بس ان حضرات کے کلام کی تصحیح اسطرح ہوسکتی ھے کہ ان کے کلام کو قضاء پر محمول کیا جائے یعنی قضاءً عورت کو اقدام علی النکاح سے نہ روکا جائے گا کیونکہ قضاءً ثبوت طلقات ثلاث نہیں ہوا۔ مگر یہ کہ دیانۃً بھی عورت کو ایسا جائز ھے اور دیانۃً بھی اسکو نہ روکا جائیگا یہ ہرگز بزازیہ کے جزئیہ سے مستفاد نہیں ہوسکتا اور جو ایسا دعویٰ کرے وہ مبطل ہے صاحب بحر نے بزازیہ سے نقل کیا ہے قالت: طلقنی ثلاثًا ثم ارادت تزویج نفسھا منہ لیس لھا ذالك

اصرت علیہ ام کذبت نفسها اھ (ص۵۹ ج-۴) ھذا ھو الصحیح الموافق للاصول ـــــ اس کے بعد آپ کا یہ کہنا کہ مجموعی طور پر ان سب حضرات کی عبارات میں کہیں یہ نہیں ھے کہ عورت مذکورہ عالمہ بالطلاق ہو کر خود بخود ہی کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے الخ اس کا جواب یہ ہے کہ جن عبارات میں ان تتزوج بآخر و تحلل نفسها سرا منه الخ مذکور ہے وہ اس پر ناطق ہیں نیز جو عبارات شامی سے ابھی نقل ہوئی ہیں جو قبیل فصل الحداد میں مذکور ہیں وہ اس پر شاہد ہیں اور اطلاق متون سے صاحب بحر نے اسی کو اخذ کیا ہے اور نص، حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ بھی اس پر دال ہے فافہم اور اسی سے آپ کے اس سوال کا جواب بھی ہو گیا کہ لا یفتی بغیر الراجح فی مذهبه...... و ان الحکم و الفتیا بالقول المرجوح جهل اخرق للاجماع الخ میں مبتلا ہو چکا کہ صورتِ مسئولہ میں جواز نکاح بآخر ہی راجح اور صحیح ہے۔ صورت سماع طلاق میں اس کے خلاف کوئی قول منقول نہیں اور اگر منقول ہو تو قضاء پر محمول ہوگا نہ دیانت پر کما قاله الشامی والخلاف الذی ذکرتموه انما ھو فی الشهادة عند المرأة وقد تقدم ما فیه فتذکر

آخر میں آپ نے محمد یوسف کے قول سے احتمال استقبال وغیرہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دیانت کا فتویٰ دینے والا مفتی شرعاً اس کا مکلف ہے کہ اس احتمال کو نظر انداز نہ کرے اس کا جواب تمہید میں دے چکا ہوں کہ شرعاً آپ کے ذمہ بھی یہ اعلان واجب ھے کہ ہماری دستخطی تحریر جو مدعیہ کے پاس ہے وہ ناقص اور موجب مغالطہ ہے اسلئے اس کا اعتبار نہ کیا جائے۔ مفتیٔ دیانت نے تو آپکی اسی دستخطی تحریر پر جواب کو مبنی کیا ہے۔" فان صحیحًا فصحیح وان باطلاً فباطل؛

اسکے بعد آپ نے عورت کی تمکین کو اسکے دعویٰ طلقات ثلاث کا مکذب قرار دیا ھے اس کا بھی وہی جواب ھے کہ مفتیٔ دیانت کے سامنے جماع یا تمکین علی الجماع کا کوئی ذکر نہیں تھا اور ہوتا بھی تو اسکو مکذب قرار دینا اسلئے صحیح نہیں کہ عورت جاہل ھے ممکن ھے کہ اسکو قبل استفتاء حرمت مغلظہ کا علم نہ ہوا ہو اور دار الحرب[ع] میں ایسا جہل عفو ہے لهذا

ع بلکہ آپ نے جو "تجھکو طلاق دی" میں اور اسکے تکرار میں احتمالات واہیہ نکالے ہیں ان پر نظر کر کے تو دار الاسلام میں بھی عورت کو تمکین میں معذور سمجھنا چاہئے کیونکہ آپ کے نزدیک تو صریح لفظ طلاق کا تکرار (بقیہ اگلے صفحہ پر)

تکذیب کا دعویٰ نہیں چل سکتا۔ اب یہ بحث باقی رہ گئی کہ جب عورت طلاق ثلاث کی مدعی ہو اور مرد منکر ہو اور عورت کے پاس بینہ نہ ہو تو دوسروں کو انکے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیئے یہ تو اوپر ظاہر ہو چکا کہ اس عورت کو دوسرا نکاح جائز ھے اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو بھی اس سے نکاح جائز ہے مگر اس میں تفصیل ہے جن لوگوں کو شوہر کا انکار معلوم نہیں صرف عورت کا دعویٰ معلوم ھے کہ مجھے طلاق ہو چکی ہے یا شوہر کا انکار معلوم ہے مگر ان کے قلب کو عورت کا صدق اور مرد کا کذب لگتا ہے ان کو نکاح جائز ہے اور جن کے دل کو عورت کا کذب اور مرد کا صدق لگے یا دونوں مساوی ہوں انکو نکاح جائز نہیں آپ نے بزازیہ سے جو جزئیہ نقل کیا ھے۔ سمع رجل من امرأۃ انہا مطلقۃ الثلاث والزوج یقول لا بل مطلقۃ الثنتین لایسع لمن سمع منہا ان یحضی نکاحہا۔ ویمنعہا ما استطاع۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسے مرد سے اس عورت کا نکاح جدید کیا جائے تو اس میں حاضر نہ ہو بلکہ لوگوں کو اس سے روکے۔ یہ مطلب نہیں کہ کسی دوسرے سے نکاح ہو جب بھی روکے کیونکہ جب عورت کا مطلقہ ہونا ثابت ھے خواہ مطلقۃ الثلاث ہو یا مطلقۃ الاثنتین تو دوسرے مرد سے نکاح میں کیا اشکال ہے تو ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس عورت کا نکاح اسی مرد سے ہو جس سے عورت نے مطلقۃ الثلاث ہونے کا دعویٰ کیا ہے پس یہ جزئیہ آپکی دلیل نہیں بلکہ میری دلیل ہے کہ مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس مرد سے اس عورت کا نکاح نہ ہونے دیں جس سے اس نے مطلقۃ الثلاث ہونا بیان کیا ہے بلکہ اس سے اسکو روکیں۔ اگرچہ مرد یہ کہتا ہو کہ میں نے طلاق نہیں دی یا دو دی ہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس باب میں عورت کا قول معتبر ہے نہ مرد کا کما سیأتی صریحًا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اللّٰھم الا ان یقضی القاضی بعدم وقوع الطلاق فلا تمنع من نکاحہ قضاءً وتمنع دیانۃً فافہم
اسی کے بعد بحر میں یہ جزئیہ بھی منقول ہے۔ اراد ان یتزوج امرأۃ فشھد عندہ اوعند القاضی ان لہا زوجًا فتزوجہا لایفرق انتہٰی (ص۵۹ ج ۴)
اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ باب نکاح وطلاق میں عورت کا قول مقبول ہے جو عورت اپنی کو غیر ذات زوج کہتی ہے اس سے نکاح کرنا ہر مرد کو جائز ہے اگرچہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بھی جزمًا موجب وقوع طلاق مغلظ نہ رہا بلکہ متحمل احتمالات ہے پس اگر کوئی عورت قبل فتوی مفتی دیانت وقوع طلاق مغلظ سے جاہل رہے تو کیا تعجب ہے۔ ظفر

اس کے یا قاضی کے پاس شہادت بھی گذرے کہ اس کے شوہر ہے مگر چونکہ شہادت علی الغائب ہے جس سے نکاح کا ثبوت نہیں ہوا اس لئے اگر کوئی اس سے نکاح کرے گا تفریق نہ کی جائیگی۔ اور دیانۃً جواز اور عدم جواز کا مدار شہادت قلب پر ہوگا اگر مرد کے دل کو عورت کا قول لگے تو نکاح جائز ہے شوہر کا قول لگے تو ناجائز ھے۔

رہا یہ اشکال کہ زوج اول کا نکاح صورت مسؤلہ میں ثابت بالیقین تھا تو عورت کے دعوئ طلاق سے کیونکر مرتفع ہوگا فان الیقین لا یزول بالشک۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس کو عورت کے صدق میں شک ہو اس کو اس سے نکاح جائز نہیں اور جس کے دل کو عورت کا صدق لگے وہاں زوال الیقین بالشک کا تحقق نہیں بلکہ زوال الیقین بالیقین ہے ورنہ لازم آئیگا کہ جس عورت کے پاس ایک ثقہ خبر لائے یا کوئی ثقہ یا غیر ثقہ اسکے شوہر کا خط لائے کہ اس نے طلاق دیدی ھے اس صورت میں عورت کو مطلقاً نکاح ثانی جائز نہ ہو کیونکہ نکاح اول ثابت بالیقین تھا اور خبر واحد یا کتاب غیر موثوق بہ سے یقین زائل نہیں ہوسکتا مگر اوپر گذر چکا کہ عورت کے دل کو اگر یہ بات لگ جائے کہ خبر سچی ہے تو اسکو نکاح بآخر جائز ہے یہ قید اسی لئے لگائی ھے تاکہ یقین زائل بالیقین ہو جب خبر یا کتاب کا عورت کے دل کو لگنا اس کے حق میں مجوز نکاح ھے۔ تو دوسروں کے دل کو عورت کی بات لگنا بھی ان کے حق میں مجوز نکاح ہے۔

قال فی البحر:- واشار بقبول قولها الی انه لاعبرة بقول الزوج الثانی حتی لو قال لم ادخل بها او کان النکاح فاسدًا و کذبته فالمعتبر قولها، ولو قال الزوج الاول لها ذالك (بعد ان نکحها) یعتبر قوله فی حق الفرقة کانه طلقها لا فی حقها حتی یجب لها نصف المسمّٰی او کمالہ ان دخل بها. و اشار بقوله ان غلب علی ظنه صدقها الی ان عدالتها لیست شرطًا ولهذا قال فی البدائع و کافی الحاکم وغیرهما لا باس ان یصدقها اذا کانت ثقة عنده او وقع فی قلبه صدقها وبقبول قول المطلقة التی هی منکوحة رجل قالت للآخر: طلقنی زوجی و انقضت عدتی جاز تصدیقها اذا وقع فی الظن صدقها عدلة کانت ام لا اھ (ص۵۹ ج ۴) ولها

ع هذا اما وعدته قبل فی قولی و سیأتی صریحًا ان شاء اللّٰه تعالٰی۔ ظفر۔

نظائرکثیرۃ فی الفقہ لاتخفی علی من مارسہ

صورت مسئولہ میں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حَکَم بمنزلہ قاضی ھے عین قاضی نہیں حَکَم کا فیصلہ عام نہیں ہوتا قاضی کا فیصلہ عام ہوتا ہے پس قاضی نے اگر ایسی عورت کے متعلق جو زوج سے مطلقۃ الثلاث ہونے کی مدعی ہے غیر مطلقہ ہونے کا فیصلہ کردیا تو قضاءً سب مسلمانوں کو اس کا غیر مطلقہ ہونا ظاہر میں ماننا پڑے گا اور کسی کو اس سے نکاح کی اجازت نہ دی جائیگی مگر حَکَم کے فیصلہ سے ظاہر میں بھی سب پر ماننا لازم نہیں ومن ادعی فعلیہ البیان قال فی العنایۃ : ان الحکم ادنی منزلۃً من القاضی لاقتضاء حکمہ علی من رضی بحکمہ وعموم ولایۃ القاضی فاذارفع حکمہ الی القاضی فوافق مذہبہ امضاہ وان خالفہ ابطلہ بخلاف حکم الحاکم کما تقدم فانہ لایبطلہ الثانی وان خالف مذہبہ لعموم ولایتہ فکان قضاءہ حجۃ فی حق الکل فلا یجوز لقاضٍ آخر ان یبطلہ ویردہ اھ

جب ظاہر میں بھی فیصلۂ حکم کی مخالفت جائز ہے تو دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ بدرجہ اولیٰ جائز ہے پس عامۂ مسلمین نہ انکار زوج کی وجہ سے مدعیہ طلاق ثلاث کے نکاح سے ممنوع ہوسکتے ہیں نہ فیصلہ حکم کی وجہ سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

رقمہ بقلمہ اسیر وصمۃ ذنبہ والمہ ظفراحمد التھانوی عفا اللہ عنہ۔ ۲۰ رجب ۵۸ھ۔

از اشرف علی۔ السلام علیکم۔ نظر غائر کی نہ فرصت نہ قوت باقی سرسری نظر سے یہ تحقیق اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے لیکن آئندہ بہتر یہ ہے کہ اس سلسلہ کو ختم کیا جائے جو حق معلوم ہو عمل کیجئے اور اگر کسی وجہ سے سلسلہ کو ختم نہیں کیا جاسکتا تو اقل درجہ مجھکو واسطہ نہ بنایا جائے۔ مولوی ظفر احمد سے خود اجازت لیکر ان سے مکاتبت کی جائے۔ والسلام۔ از تھانہ بھون۔

تتمہ سوال بالا

سوال :۔ صغریٰ نے بیان کیا کہ میرے شوہر نے دسوں مرتبہ مجھے یہ الفاظ کہدئے "میں تو کے طلاق دہیوں تو قبول کری ھے"؟ ان الفاظ میں "دہیوں" کے لفظ بس ادنیٰ تغیر لب ولہجہ سے ماضی ومستقبل کا فرق پیدا ہوسکتا ہے اس تغیر کو

ملحوظ رکھکر عبارت مذکورہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ھے؟ دوسرے یہ کہ میں تجھکو طلاق دونگا کیا تو قبول کرتی ھے؟ صغریٰ کا یہ بھی بیان ہے کہ شوہر نے اس کے بعد میرے ساتھ جماع کیا اھ ــــ مگر شوہر محمد یوسف نے ایقاع طلاق کا حلفاً انکار اور وعدۂ طلاق کا اقرار کرلیا۔ صغریٰ اقامت بینہ سے قاصر رہی اسلئے محکّم نے جس کے پاس فریقین نے مرافعہ کیا تھا عدم ثبوت طلاق کا فیصلہ صادر کردیا۔ فریقین نے جب تحریر طلب کرلی تو تحقیقات صدر میں حصہ لینے والے علماء میں سے ایک صاحب نے محض اس بناء پر کہ فریقین کو بتائے ہوئے فیصلہ پر عمل کرنا ھے ایک تحریر مع تصدیقات دیگر علماء کے لکھدی جس میں عدم ثبوت طلاق کا فیصلہ مذکورہ ظاہر کردیا گیا ساتھ ہی ساتھ شوہر کو بھی نصیحت کردی کہ اگر فی الواقع اس نے یہ الفاظ کہدئے ہوں تو اسکو عورت سے اجتناب کرنا چاھئے کیونکہ ان الفاظ سے قضاءً تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں اور چونکہ تحریر مذکور دیتے وقت اس کا مطلقاً خیال نہیں تھا کہ تحریر مذکور کو فریقین میں سے کوئی فریق موضوع بحث بنائیگا اور دوسرے علماء کے سامنے پیش کریگا اسی وجہ سے عورت کے بیان کردہ الفاظ کا اہم حصہ (کیا تو قبول کرتی ہے) اسمیں درج نہیں کیا گیا۔ اسیطرح تشریح کا دوسرا پہلو بھی ظاہر نہیں کیا گیا بلکہ صرف اس پہلو کو درج کیا گیا جو مدعیہ کے حق میں زیادہ سے زیادہ مفید ہو سکتا تھا اور اسی کو بسبب عدم شہادت اور بناء برانکار و حلف شوہر کے ساقط الاعتبار قرار دیکر فیصلہ کا اظہار کیا گیا کہ طلاق ثابت نہ ہوئی۔ جس ادارہ کے علماء نے یہ تحریر صادر کی اسکے معاندین نے صغریٰ کو سکھا کر فیصلہ مذکورہ سے باغی اور منحرف بنادیا اور ادارۂ مذکورہ کو بدنام کرنیکی غرض سے تحریر بالا کو جناب کے پاس بھیجدیا (حالانکہ وہ اصل بیانات کو بھی ادارہ مذکورہ سے حاصل کرسکتے تھے۔) اور غالباً جناب کو بھی اس سے بے خبر رکھدیا گیا کہ یہ تحریر بالکل سرسری طور پر لکھدی گئی ہے اور یہ کہ اصل واقعہ اور کامل بیانات کو مکمل طور پر حاصل کرنے کی کوشش کئے بدون ہی ہم اس تحریر کو روانہ کرتے ہیں (اسکی اطلاع آپکو نہیں دی) اسلئے پورا واقعہ لکھ کر التماس ہے کہ فریقین کے بیانات میں غور فرماکر حکم شرعی سے آگاہ فرمایا جائے کہ آیا الفاظ صدر سے بصورت ثبوت بھی وقوع طلاق متیقن ھے یا مشکوک؟ اگر مشکوک ہے تو کیا اس سے محمد یوسف کا نکاح زائل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو صغریٰ کا دوسرا نکاح کرنے کے لئے تیاری کرنا اور

دوسروں کا اسکو تیار کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اس کو آمادہ کرتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

(نوٹ) بیانات مندرجۂ بالا مع نشانہائے نر انگشت و دستخط بعینہٖ موجود ہیں۔

محمد سلیم عفا اللہ عنہ۔

الجواب:۔ اگر صورتِ واقعہ وہی ہے جو اس سوال میں درج ہے تو اس صورت میں دیانۃً بھی وقوع طلاق کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا جیسا کہ قضاءً بوجہ انکار زوج وعدم اقامت بینہ از جانب مدعیہ طلاق کا ثبوت نہیں ہوا کیونکہ محمد یوسف کا یہ قول "میں تو کے طلاق دیہوں تو قبول کری ہے بظاہر تفویض کو محتمل ہے مگر بیان واقعہ میں فریقین کے درمیان سخت اختلاف ہے مستفتیٔ اول نے اولاً جب علماء ثلاثہ کی فیصلہ کن تحریر بھیجی جس میں زوج کے الفاظ وہ نہ تھے جو اس سوال میں درج ہیں وہ الفاظ "کیا تو قبول کرتی ہے" سے خالی تھی تو اسکو متنبہ کیا گیا کہ زوج کے پورے الفاظ لکھ کر بھیجو جو علماء ثلاثہ کے دفتر میں محفوظ ہیں تو اس نے یہ جواب دیا کہ "جناب والا نے تحریر فرمایا تھا کہ محمد یوسف اور صغریٰ کے اصل بیان کی نقل لیکر بھیجو اسلئے میں نے اس کے وصول کرنیکی کوشش کی اور مختلف ذرائع سے کام لیا لیکن نقل کسی طرح دستیاب نہ ہوسکی مجبور ہو کر دو آنہ کے ٹکٹ خود حضور کے پاس بھیجتا ہوں کہ تکلیف فرما کر مولوی ...... صاحب سے براہ راست طلب فرمائیں تو شاید مل جائے اتنا میں یقین دلاتا ہوں کہ محمد یوسف اور صغریٰ دونوں کا بیان میرے سامنے ہوا ہے اور میرے ساتھ ...... ساکن کیاری ٹولہ اور حافظ ...... ساکن ریاست دوباری بھی تھے اور یہ عریضہ لکھنے کے وقت بھی میرے پاس موجود ہیں ہم سب لوگ یقین کے ساتھ جانتے اور بیان کرتے ہیں کہ میاں بیوی کے اصل بیان میں مولوی ...... صاحب کی فیصلہ کن تحریر سے زیادہ کوئی بات نہیں ہے بجز اس بات کے کہ محمد یوسف نے بیان کیا کہ میں نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ کل میں مبارک پور جاؤنگا تو اپنے ایک دوست سے روپیہ

ع؎ مگر حیرت ہے کہ مطبوعہ فتویٰ میں تحریری فیصلہ کے اندر یہ لفظ "تین قبول کرتی ہے" بڑھا دیا گیا ہے جو پہلے اس میں نہ تھا اور یہ بھی نہ سوچا گیا کہ اس لفظ کے اضافہ کے بعد علماء ثلاثہ کا یہ قول کہ اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا تو اسکی عورت مطلقہ مغلظہ ہو گئی ہے سراسر غلط ہو جائیگا کیونکہ اس زیادت کے بعد ایقاع طلاق ہی کا جز صحیح نہیں چہ جائیکہ ایقاع ثلث کا بلکہ مدار نیت پر ہوگا اور زوج سرے سے طلاق کا منکر ہے فیا اسفا للعلم واھلہ۔ ظفر

لاؤنگا اور تم کو مہر خرچہ دیکر تمکو طلاق دیدونگا دوسری بات یہ کہ اسی رات میں جماع کی حالت میں کہا تھا کہ یہ آخری جماع ہے لیکن یہ بات بھی اس نے اپنے سے نہیں بلکہ مولوی ...... صاحب کے تلقین کرنے سے کہی تھی صغریٰ کے بیان میں صرف یہ بات زائد ہے کہ مولوی ...... صاحب نے اس سے پوچھا کہ اس رات کو تم نے جماع بھی کیا تھا؟ صغریٰ نے کہا ہاں اس زائد بات کا حال یہ ہے کہ جب عورتوں نے صغریٰ سے پوچھا کہ تو یوسف کے طلاق دینے کے بعد اس کے پاس سوئی کیوں؟ تو اس نے کہا کہ یہ بات کون کہتا ہے؟ میں ہرگز نہیں سوئی عورتوں نے کہا کہ تو نے جماع کا اقرار کیا ہے؟ تب اس نے کہا کہ میں نے اس کا مطلب برتن وغیرہ جمع کرکے دھونا سمجھا تھا بہرحال اصل بیان میں اس سے زیادہ اور کوئی چیز نہیں ہے جس رات کو یہ واقعہ پیش آیا اسکی صبح ہی کو صغریٰ محمد یوسف کے گھر سے چلی آئی اور جب محمد یوسف اور اس کے باپ صغریٰ کو لینے گئے تو اس نے سارا قصہ کہہ سنایا اور محمد یوسف خاموشی سے سنتا رہا ایک دفعہ بھی طلاق دینے سے انکار نہیں کیا لیکن جب اسکے باپ نے کہا کہ "تب تو سب قصہ ہی ختم ہوگیا اب اس سے مہر خرچہ وصول کرو" یہ کہا اور اٹھ کر ایک تھپڑ محمد یوسف کو مارا تب اس نے کہا کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے۔ اس واقعہ کے شاہد محمد ادریس ہیں ان کا بیان بھی مولوی ...... صاحب کے پاس قلمبند ہے اب اگر واقعہ یہ ہے جو مستفتی اول نے لکھا ہے تو دیانۃً طلاق مغلظہ ہوچکی جس کا حکم وہ ہے جو میرے پہلے فتویٰ میں ہے۔ فریقین خدا سے ڈر کر جو صورت واقعہ ہو اس کے موافق فتویٰ پر عمل کریں۔ واللہ اعلم بالصواب

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون ۲۵ رجب ۵۸ھ

قال الموفق فی المغنی: وان اختلفا فی عدد الطلاق فالقول قوله كما ذكرناه (ان البينة على المدعى واليمين على من انكر هذا هو حكم القضاء) فاذا طلق ثلاثًا وسمعت ذالك وانكر او ثبت ذالك عندها بقول عدلين لم يحل لها تمكينه من نفسها وعليها ان تفر منه ما استطاعت وتمتنع منه اذا ارادها وتفتدى منه ان قدرت قال احمد: لا يسعها ان تقيم معه وقال ايضًا تفتدى منه بما تقدر عليه فان اجبرت على ذالك فلا تزين له ولا تقربه وتهرب ان قدرت وان شهد عنده عدلان غير متهمين

ع اس کا حاصل زوج کا طلاق سے انکار ہے اور یہ بات فیصلہ کن تحریر میں بھی موجود تھی۔ فلا تعارض۔ ظفر

فلا تقیم معہ وهذا قول اکثر اهل العلم قال جابر بن زید وحماد بن ابی سلیمان و ابن سیرین تفر منہ ما استطاعت و تفتدی منہ بکل ما یمکن و قال الثوری و ابو حنیفۃ و ابو یوسف و ابو عبید تفر منہ و قال مالک لا تتزین لہ ولا تبدی لہ شیئاً من شعرها ولا عریتها ولا یصیبها الا وهی مکرهۃ - وروی عن الحسن و الزهری والنخعی یستحلف ثم یکون الاثم علیہ و الصحیح ما قالہ الاولون لان هذہ تعلم انها اجنبیۃ منہ محرمۃ علیہ فوجب علیها الامتناع والفرار منہ کسائر الاجنبیات وکذا لو تزوجها تزویجاً باطلاً و سلمت الیہ فالحکم فی هذا کلہ کالحکم فی المطلقۃ ثلاثاً"

ولو طلقها ثلاثاً ثم جحد طلاقها لم ترثہ نص علیہ احمد وبہ قال قتادۃ و ابو حنیفۃ وابو یوسف و الشافعی وابن المنذر وقال الحسن ترثہ لانها فی حکم الزوجات ظاهراً و لنا انها تعلم انها اجنبیۃ فلم ترثہ کسائر الاجنبیات وقال احمد فی روایۃ ابی طالب تهرب منہ ولا تتزوج[ع] حتی یظهر طلاقها و یعلم ذالک یجئ فیدعیها فترد علیہ و تعاقب وان مات و لم یقر بطلاقها لا ترثہ لا تأخذ ما لیس لها تفر منہ ولا تخرج من البلد ولکن تختفی فی بلدها قیل لہ فان بعض الناس قال تقتلہ هی بمنزلۃ من یدفع عن نفسہ فلم یعجبہ ذالک فمنعها من التزویج قبل ثبوت طلاقها لانها فی ظاهر الحکم زوجۃ هذا المطلق فاذا تزوجت غیرہ وجب علیها فی ظاهر الشرع[ع] العقوبۃ والرد الی الاول و یجتمع علیها زوجان هذا بظاهر الامر و ذاک بباطنہ[ع] ولم یأذن لها فی الخروج من

ع لا یخفی علی العاقل ان قولہ لا تتزوج لا یدل علی حرمۃ التزویج لو تزوجت وانما هو مجرد مشورۃ صیانۃ من العقاب الدنیوی کما یدل علی ذالک قولہ فترد علیہ و تعاقب ظفر - ع تقییدہ بظاهر الشرع دلیل علی ان لا عقوبۃ علیها فی الباطن. ظفر ع صریح فی انها لو تزوجت کان الآخر زوجها فی الباطن وهذا هو معنی صحۃ النکاح - ظفر

البلد لان ذالك يقوى التهمة فى نشوزها ولا فى قتله قصدًا لان الدافع عن نفسه لا يقتل قصدًا فاما ان قصدت الدفع من نفسها فآل الى نفسه فلا اثم عليها ولا ضمان فى الباطن فاما فى الظاهر فانها تؤخذ بحكم القتل مالم يثبت صدقها اهـ ص٢٢١ ج-٨ وفى كل ذالك دلالة على ان القول بان يستحلف الزوج ثم يكون الاثم عليه ليس من اقوال الائمة الاربعة فى شيئ واكثر اهل العلم على خلافه وانما هو قول الحسنؒ ومن وافقه والصحيح ما قاله الاكثرون فمن افتى بهذا القول ممن سماه الجهلاء بامام الهند فهو جاهل لا معرفة له بصحيح القول من سقيمه) وفيه دلالة ايضًا على ان المرأة اذا سمعت من زوجها الطلاق الثلاث او ثبت ذالك عندها بقول عدلين وانكره الزوج وجحد فالمرأة اجنبية منه محرمة عليه فى الباطن لا يحل لها تمكينه من نفسها ولا الاقامة عنده كسائر الأجنبيات (ومن ادعىٰ انه يستلزم كون الطلاق بيد المرأة وان لها ايقاعه على نفسها فقد بغىٰ على نفسه بالجهل والسفه فان الطلاق انما هو بيد الزوج وليس معناه ان لا يثبت حكمه مالم يقر به فلو طلق وجحد ثبت حكم الطلاق لعدم توقف وقوعه اعترافه به الا ترىٰ انه لو زنىٰ بام امرأته وانكر هل يحل لها ان تمكنه من نفسها؟ كلاّ فهل لاحد ان يقول ان ذالك يستلزم كون الفرقة بيد المرأة سلمنا فماذا يقول لو قبلت المرأة ابن زوجها او مكنته من نفسها وانكره الزوج فهل يجوز لها ان تقيم معه وتعاشره معاشرة الازواج؟ فافهم) وفيه دلالة ايضاً على انها لا ترثه لانها تعلم انها اجنبية عنه كسائر الاجنبيات ومقتضىٰ هذا التعليل انها لو تزوجت بآخر جاز لها ذالك ديانةً ويكون الاخر زوجها بالباطن وانما منعها احمد من التزويج مخافة ان يجيئ الاول فيدعيها فترد عليه وتعاقب وكيلا يجتمع عليها زوجان هذا بظاهر الامر وذاك بباطنه فلو امنت من مجيئى الاول وادعائه اياها لكونها فى منعة من قومها او لكونها فى بلدة لا قاضى بها لم تمنع من التزويج وهذا هو قول اصحابنا الحنفية شكر الله سعيهم قال المحقق فى فتح القدير

سئل نجم الدين النسفی عن رجل حلف بالطلاق الثلاث وظن انه لم يحنث فافتيت المرأة بوقوع الثلاث وخافت ان اعلمته بذالك ان ينكر هل لها ان تستحل بعدما يفارقها بسفر وتامره اذا حضر بتجديد العقد قال نعم ديانة اھ (ص۳۸ ج-۴) لم يذكر فيه خلافًا وابن الهمام اعرف الناس بمذهب ابی حنيفة واختلاف اصحابه (فهل يقول الجاهل الذی لقّبه السفهاء بامام الهند بان ابن الهمام ونجم الدين النسفی كلاهما جاهلان اومفسدان؟ كلا بل الجاهل من جهلهما والمفسد من نسبهما الی الفساد) وفی قوله: وخافت الخ دلالة علی انها لو لم تخف منه جاز لها ان تستحل علانيةً لان كل ماجاز سراً فهو جائز علنًا اذا لم يكن فی الاعلان به فتنة وقد عرف ان نكاح التحليل مؤبد ليس بموقت اصلاً. فمن ادعی انها لايجوز لها ان تتزوج بآخر علانيةً مطلقًا فقد خلع ربقة العلم والفقه عن عنقه وهذه حادثة الفتوی افتيت فيها بان المرأة اذا سمعت من زوجها الطلاق الثلاث لم يحل لها تمكينه من نفسها وعليها ان تفر منه وتخرج من بيته او تفتدی منه ان قدرت ولها ان تعتد وتتزوج بآخر بعد العدة وتحلل نفسها فان طلقها فلها ان ترجع الی الاول فخالفنی فی ذالك بعض من لامساس له بالفقه وتشبث باقوال مَن لقّبه السفهاء بامام الهند ونحوه وهو ملحد فی دين الله محرف لكلامه يدل علی ذالك تفسيره بالهندية ويشهد عليه اعماله واحواله واحتج بان الطلاق بيد الزوج لا بيد المرأة والزوج منكر للطلاق فهی امرأته فی القضاء فلا يجوز لها ان تعتد وتتزوج بغيره ديانةً ولا قضاءً مالم يقر الزوج بالطلاق او تختلع منه وادعی ان الافتاء بالتزوج بغيره خلاف المذهب الصحيح ولا دليل يدل علی ذالك من الكتاب والسنة واقوال الفقهاء فاجبت بان ذالك هو مقتضی قول الله عزوجل فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنكح زوجًا غيره فقد دلّ علی ان الطلاق الثلاث يحرّم المرأة علی الاوّل ويبيح لها ان تنكح زوجًا غيره مطلقًا سواء اقر به الزوج او انكر وهو قول اكثر اهل العلم ماخلا الحسن البصری ومن وافقه وهذا هو مقتضی اطلاق المتون قال فی البحر واطلق فشمل مااذا كان الزوج الاوّل معترفًا

بالطلاق الثلاث او منکراً بعد ان کان الواقع الطلاق الثلاث ولهذا قالوا لو طلقها ثلاثاً وانکر لها ان تتزوج بآخر وتحلل نفسها سراً منه (وما کان مباحًا سراً فهو مباح علناً وانما اشاروا علیها بالتحلیل سراً لان القاضی لایقبل قولها من غیر بینة ولو تزوجت علناً ردها القاضی الی الاول وعاقبها وعاقب الزوج الثانی کما هو ظاهر) اذا غاب فی سفر فاذا رجع التمست منه تجدید النکاح لشک خالج قلبها (وهذا هو ماذکره المحقق فی الفتح ولم یذکر فیه خلافاً کما مر وقد ذکر فی القنیة خلافاً) ولاعبرة بنقله مالم یتأید بنقل غیره من الثقات واما مجرد ذکر صاحب البحر وصاحب الدر قول القنیة فلا یدل علی ثبوت الخلاف فی المسئلة) فرقم للاصل بانها ان قدرت علی الهروب منه لم یسعها ان تعتد وتتزوج بآخر لانها فی حکم زوجیة الاول قبل القضاء بالفرقة ثم رمز شمس الائمة الاوزجندی وقال قالوا هذا فی القضاء ولها ذالک دیانة (هذا هو الذی افتیت به وجمعت به بین القولین وصرح به العلامة الشامی فماذا یقول الذی لقّبه السفهاء بامام الهند فی شمس الائمة الاوزجندی هل هو جاهل او مفسد ؟ قاتلهم ان یؤفکون. فتبا للعقول المعکوسة والقلوب المنکوسة حیث ردته قائلة بان ذالک من ابحاث الشامی ولاعبرة بابحاث ابن الهمام فما ظنک بمن هو دونه ولایشک عاقل فی انه لیس من ابحاث الشامی قط وانما هو من اقوال المشائخ منقول عن کثیرین منهم) قال وکذالک (ان سمعته طلقها ثلاثاً ثم جحد وحلف انه لم یفعل وردها القاضی علیه لم یسعها المقام معه ولم یسعها ان تتزوج بغیره ایضاً (لانها لو تزوجت بعد ما ردها القاضی علی الاول اجتمع علیها زوجان هذا بظاهر الامر وذالک بباطنه فلا دلالة فیه علی عدم جواز التزویج لو امنت من رد القاضی ایاها علیه لکونها فی منعة من قومه او ببلدة لا قاضی بها فافهم) قال یعنی البدیع والحاصل انه علی جواب شمس الاسلام الاوزجندی ونجم الدین النسفی والسید ابی شجاع وابی حامد والسرخسی یحل لها ان تتزوج بزوج آخر فیما بینها وبین الله تعالیٰ (فماذا یقول الذی لقّبه السفهاء بامام الهند فی

هؤلاء الاجلة الفقهاء هل كانوا كلهم مفسدين اوجهلاء ؟ فانهم قد افتوا بما افتيت به واتبعوا ما افتديت به) وعلى جواب الباقين لايحل انتهى (قلت جواب الباقين مقيد بما اذا ردها القاضى على الاول اوخافت ان يردها عليه فلاتتزوج علنًا وانما تحلل نفسها سرا كما تقدم) وفى الفتاوى السراجية : اذا اخبرها ثقة ان الزوج طلقها وهو غائب وسعها ان تعتد وتتزوج ولم يقيده بالديانة (فكيف لو شهد عندها عدلان اوسمعت الطلاق بأذنيها) قال المصنف (اى صاحب الكنز) وقد نقل ـــــ (الى) طلق امرأته ثلاثا وغاب عنها فلها ان تتزوج بزوج آخر بعد العدة ـــــ ونقل آخر انه لايجوز فى المذهب الصحيح اه قلت :- انما رقم شمس الائمة الاوزجندى وهو الموافق لما تقدم عنه (قلت : هو قول السرخسى ايضا كما مر) والقائل بانه المذهب الصحيح العلاء الترجمانى (قلت : هذا هو حجة الخصم الذى خالفنى فى حادثة الفتوىٰ وزعم ان العدول عن المذهب الصحيح باطل ولم يدر المسكين ان المذهب الصحيح لايثبت بنقل صاحب القنية وحده ولا بقول العلاء الترجمانى فحسبه فهل يجوز لعاقل ان يتهم شمس الائمة الاوزجندى ونجم الدين النسفى والسيد ابا شجاع و ابا حامد والسرخسى وهم ائمة اجلة اعلام مشهورون بنقل المذهب و معرفته بالافتاء بخلاف المذهب الصحيح ويجعل ما ذكره العلاء الترجمانى مذهبا صحيحاً ؟ كلا فان حمل على القضاء فذاك والا فهو مشكل مخالف لتصريحات الفقهاء كافة كما قاله العلامة الشامى واذا كان كذالك فلا يكون ما قاله الترجمانى مذهباً صحيحاً مالم يتبين حاله ويعرف طبقته فى الفقهاء فانه كما اظن رجل مجهول لا سيما والناقل عنه هو صاحب القنية وحده ولاعبرة بنقله مالم يتأيد بنقل غيره من الثقات كما هو معروف عند الفقهاء) ثم رقم بعده لعمر النسفى وقال حلف بثلاثة فظن انه لم يحنث وعلمت الحنث وظنت انها لو اخبرته ينكر اليمين فاذا غاب عنها بسبب من الاسباب فلها التحلل ديانةً لا قضاءً (هذا هو الذى نقله المحقق عن نجم الدين النسفى ولم يذكر فيه خلافاً وهو اعرف الناس بمذهب الحنفية و

اصولہ) قال عمر النسفی سألت عنها السید اباشجاع فکتب انہ یجوز ثم سألتہ بعد مدة فقال انہ لایجوز والظاهر انہ انما اجاب فی امرأة لایوثق بها اھ کذا فی شرح المنظومة (قلت: ویحتمل انہ افتی بالدیانة مرة وبالقضاء اخرٰی اوافتی مرة فیمن قدرت علی الفرار من الزوج الاول وامنت الرد علیہ واخری فیمن لم تقدر علی ذالك فافهم)۔

وفی البزازیة: شهد (قلت: واما اذا کانت ببلدة لاقاضی بها فحضور الزوج وغیبتہ سواء لانہ ان انکر لم یحتج الی القضاء بالفرقة کما لایخفی وھذا اذا شهد بالطلاق الثلاث واحد واما اذا شهد بہ ثقتان فهو اذا سمعتہ باذنیها یجب علیها ان تفر منہ ولها ان تتزوج بآخر سرا لتحلل بہ نفسها اذا کانت ببلدة بها قاض یخاف ان یردها علی الاول او علنًا ان امنت ذالك کلہ لانها تعلم انها اجنبیة منہ محرّمة علیہ فلها من الحکم ما للاجنبیات ومن ادعٰی غیر ذالك فعلیہ البیان) وفیها سمعت بطلاق زوجها اياها ثلاثًا ولاتقدر علی منعہ الا بقتلہ ان علمت انہ یقربها تقتلہ بالدواء ولاتقتل نفسها (صریح فی کونہ اجنبیا عنها فیما بینهما وبین اللہ تعالٰی) وذکر الاوزجندی انها ترفع الامر الی القاضی فان لم یکن لها بینة تحلفہ فان حلف فالاثم علیہ (قد تقدم انہ لیس من اقوال الائمة الاربعة فی شئ ولیس بصحیح وانما ھو قول الحسن البصری ومن وافقہ وخالفہ فی ذالك اکثر اھل العلم) وان قتلتہ فلاشئ علیها والبائن کالثلاث (صریح فی انها لاتحل للاول بعد حلفہ ایضا والالم یجز لها ان تقتلہ) وفی التتارخانیة وسئل الشیخ ابو القاسم عن امرأة سمعت من زوجها انہ طلقها ثلاثًا ولاتقدر ان تمنعہ نفسها بل یسعها ان تقتلہ فی الوقت الذی یرید ان یقربها ولاتقدر علی منعہ الا بالقتل فقال لها ان تقتلہ وھکذا کان فتوی الشیخ الامام شیخ الاسلام عطاء بن حمزة ابی شجاع وکان القاضی الامام الاسبیجابی یقول لیس لها ان تقتلہ وفی الملتقط وعلیہ الفتوی (محمول علی انها لاتقتلہ

قصداً الان الدافع لایقصد القتل ولہا ان تدفعہ عن نفسہا بما امکن ولو آل الی نفسہ فلا شئی علیہا فی الباطن کما مر فی قول احمدؒ) وفی فتاویٰ الشیخ الامام محمد بن الولید السمرقندی فی مناقب ابی حنیفۃ عن عبد اللہ بن المبارک عن ابی حنیفۃ رحؒ ان لہا ان تقتلہ وفی المحیط فی مسئلۃ النظم وینبغی لہا ان تفتدی بمالہا وتہرب منہ فان لم تقدر قتلتہ متی علمت انہ یقرب بہا ولکن ینبغی ان تقتلہ بالدواء ولیس لہا ان تقتل نفسہا قلت: قال فی الملتقی وان قتلتہ بآلۃ یجب علیہا القصاص اھ (ص۵۸ ج-۴) (لانہا فی ظاہر الحکم قتلت زوجہا عمداً وان کانت فی الباطن قد قتلت من اراد ان یزنی بہا فلا ینبغی ان تقتلہ بالآلۃ کیلا تقتل بہ وفی کل ذالک من الاقوال دلالۃ صریحۃ علی کون المرأۃ اجنبیۃ عن زوجہا محرمۃ علیہ اذا سمعت منہ الطلاق الثلاث اوشہد بہ عدلان فلہا ان تعتد وتتزوج بآخر سرا وتحلل نفسہا لو خافت ان یدعیہا فترد علیہ وتعاقب او علناً لو امنت ذالک ولم تخف ولا یجوز لہا المقام عندہ ولا ان تجدد بینہا وبینہ عقد النکاح حتی تنکح زوجاً غیرہ قال فی البزازیۃ سمع رجل من امرأۃ انہا مطلقۃ الثلاث والزوج یقول لا بل مطلقۃ اثنتین لایسع لمن سمع منہا ان یحضر نکاحہا (ای بہذا المطلق) ویمنعہا ما استطاع اھ من البحر (ص۵۹ ج-۵) واما حمل الخصم ہذا القول علی معنی انہ لایسع لمن سمع منہا ان یحضر نکاحہا بآخر غیر المطلق لکونہا زوجۃ المطلق حکما وقضاءً فتاویل باطل قطعاً اما اولاً فلان صاحب البحر انما ذکرہ فی تائید ماذکرہ قبل من قبول قول المرأۃ دون الزوج ولا یخفیٰ ان قبول قول المرأۃ انما ہو فی المنع من حضور نکاحہا بہذا المطلق لکونہا تدعی حرمتہا علیہ واما ثانیاً فلان التاویل الذی ذکرہ الخصم یردہ ما فی البحر بعد ذالک عن البزازیۃ ایضاً وفیہا قالت طلقنی ثلاثاً ثم ارادت تزویج نفسہا منہ (لکونہ ینکر الطلاق الثلاث) لیس لہا ذالک اصرت علیہ ام کذبت نفسہا اھ ص۵۹ ج-۴ واذا لم یکن لہا ذالک وجب علی من سمع منہا ان یمنعہا من النکاح بہذا المطلق ما استطاع واذا شہد عند المرأۃ شاہدا عدلان ان زوجہا طلقہا ثلاثاً وہو یجحد ذالک لم یسعہا

ان تقوم معہ وان تدعہ یقربها فان حلف الزوج علی ذالک فردها القاضی علیہ لا یسعها المقام معہ وینبغی لها ان تفتدی بما لها او تهرب منہ فان لم تقدر علی ذالک قتلتہ متی علمت انہ یقربها لکن ینبغی ان تقتلہ بالدواء ولیس لها ان تقتل نفسها واذا هربت منہ لم یسعها ان تتزوج بزوج آخر قال الشیخ شمس الائمة الحلوانی فی کتاب الاستحسان هذا جواب الحکم واما فیما بینها وبین اللہ تعالیٰ اذا هربت فلها ان تعتد وتتزوج بزوج آخر کذا فی المحیط اھ عن العالمگیریة ص۱۳۰ ج۔۲ — قلت: وهذا الذی ذکرہ من حکم الدیانة مسکوت عنہ فی قول محمد واکثر العلماء وقد صرح بہ المشائخ الاعلام وحکم القضاء هو المراد بقول العلاء الترجمانی انہ لایجوز لها التزویج بآخر فی المذهب الصحیح اھ ای هو المذهب الصحیح قضاءً لا دیانةً ولکن هذا آخر الکلام مع الخصوم الالد الخصام والعلم للہ الملک العلام والصلوة والسلام علی سید الانام سیدنا النبی محمد علی الدوام وعلی آلہ واصحابہ البررة الکرام الی یوم القیام والحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ وبنعمتہ تتم الصّلحٰت

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔ ۲۷ رجب ۵۸ھ

از تھانہ بھون

فصل فی الخلع واحکامہ والطلاق علی مال

ماں باپ کے کہنے سے عورت خلع لے سکتی ھے یا نہیں

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں (۱) کہ اپنے ماں باپ کے کہنے پر عورت خلع لے سکتی ہے؟

(۲) عورت ماں باپ کے گھر میں ہے۔

(۳) عورت مہر کے ساتھ خلع چاہتی ہے کیا درست ھے؟

(۴) شوہر کہے کہ میری شادی کا خرچہ عورت دے تو خلع دیتا ہوں اس کا کہنا جائز ہے؟

الجواب:۔ (۱) محض والدین کے کہنے سے عورت کو خلع لینا جائز نہیں بلکہ اس وقت جائز ھے جبکہ عورت یہ جان لے کہ مجھے اس شوہر کے ساتھ موافقیت اور نباہ نہیں ہوسکتا

قال فی الدر: ولا بأس بہ عند الحاجۃ للشقاق بعدم الوفاق اھ

(۲) اگر عورت ماں باپ کو وکیل بنادے تو وہ اسکی طرف سے وکالۃً خلع لے سکتے ہیں۔

(۳) اگر بضرورت خلع لے رہی ھے تو مہر کیساتھ خلع کرنا جائز ھے۔

(۴) اگر زیادتی مرد کی جانب سے ھے تو اسکو بشرط معافی مہر کرنا بھی جائز نہیں اس سے زیادہ کی شرط کرنا تو بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوگی اور اگر زیادتی عورت کی طرف سے ھے تو شرط معافی مہر تو بلاکراھت جائز ھے اور اس سے زیادہ لینا مکروہ تنزیھی ہے

قال فی الدر:۔ وکرہ تحریماً اخذ شئ ویلحق بہ الابراء عمالھا علیہ ان نشز وان نشزت لا ولمنہ نشوزا ایضاً ولو باکثر مما اعطاھا علی الاوجہ و تعبیر الملتقی بلاباس بہ یفید انھا تنزیھیۃ وبہ یحصل التوفیق اھ (ص۹۲۳)

بشرط معافی مہر طلاق کی ایک صورت

(سوال) اگر کوئی شخص یہ شرط کرلے کہ تم میری لڑکی کو طلاق دیدو وہ شخص اس شرط پر طلاق دیدے کہ "تم مہر کا دعویٰ نہ کرو تو طلاق)۔ کیا یہ طلاق مقبول ہوگی۔ اگر وہ مہر کا پھر دعویٰ کرلے تو کیا طلاق واقع ہوگی؟

الجواب:۔ ان الفاظ سے ابھی طلاق کا وقوع نہیں ہوا چاہے دوسرے فریق دعویٰ مہر کرے یا نہ کرے بلکہ وقوع طلاق اس شخص کی موت کے وقت ہوگا جسے شوہر نے

یہ کہا ہے کہ اگر تم مہر کا دعویٰ نہ کرو لانہ ح یظہر عدم ادعاءہ یا اس وقت ہوگا جبکہ دوسرا شخص مہر سے شوہر کی براءت اور اپنا لادعویٰ ہونا پوری پختگی کے ساتھ چند گواہوں کے سامنے تحریر کردے کہ عرفاً اس سے بھی دعویٰ کا عدم متحقق ہوجاتا ہے اور محاورہ کے موافق اگر اس شخص سے جس نے یہ قول زبان سے کہا ہے کہ "اگر تم مہر کا دعویٰ نہ کرو تو طلاق"، اس طرح کی تحریر کے بعد دریافت کیا جائے کہ آیا تیری شرط متحقق ہوگئی یا نہیں؟ تو وہ ضرور کہدیگا کہ ہاں، اب شرط متحقق ہوگئی کیونکہ مقصود اس قول سے کہ "اگر تم مہر کا دعویٰ نہ کرو" یہ ہے کہ مجھے عدم دعویٰ کا اطمینان ہوجائے جسکی ایک صورت موت بھی ہے اور عرفاً ایک صورت یہ بھی ہے جسکو محاورات میں عدم دعویٰ کا مصداق سمجھتے ہیں ومثل ذالك یعتبر فی الکلام وفی الفتاویٰ رجل عاتبته امرأة فی شرب الشراب فقال: ان ترکتُ شربه ابداً فانت طالق ان کان یعزم ان لایترك شربها لایحنث وان کان لایشربها کذا فی الخلاصة اھ من العالمگیریة (ص ۱۱۰-ج-۲) فقد جعل عزم الشرب شرباً مع ترکه ظاهراً تبعاً للمحاورة والعرف فینبغی ان یکون فی الصورة المذکورة ایضاً کذالك فان اقرار الرجل عند الحاکم ببرأة الخصوم من المهر والشهادة علی کتابته بالبرأة منه وان الکاتب لا یستحق دعویٰ علی ذالك اصلاً بمنزلة عدم الدعویٰ عرفاً وهذا هو الذی یریده المتکلم بقوله اگر تو دعویٰ نہ کرے

قال فی الدر وغیرہ: فی ان لم اطلقك یقع فی آخر عمرہ الخ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۹ رشعبان ۴۴ھ

شوہر بذریعہ خط اپنے باپ کو وکیل بالخلع بنادے۔ اور عورت کا اس سے خلع کا مطالبہ کرنا اور ایسی صورت میں خلع کے بعد نکاح ثانی کرنا۔

(سوال) ہمارے شہر کا ایک شخص مسمّٰی بہ میر عالم المعروف بہ فقیر محمد تقریباً دس سال سے ملک برما چھاونی رنگون پولیس میں ملازم ہے نامبردہ کاتب بھی ہے اس عرصہ میں اسکی کتابت ہم سے رہی اس کے خط سے ہم بخوبی واقف ہیں شناخت کرسکتے ہیں اسکی منکوحہ وطن میں تھی جسکو وہ بغیر شادی کے سسرال کے گھر چھوڑ گیا تھا ایک سال ہوا کہ میر عالم کی خوشدامن نے لڑکی کو دوسری جگہ دینا چاہا میر عالم کے والد سے کہا کہ یا تو اسکو بلاؤ آکر شادی کرے یا میری لڑکی کو طلاق دیدے کہ میں دوسری جگہ شادی کروں والد میر عالم نے خط وکتابت شروع کی کبھی وہ

آنیکا وعدہ کرتا اور کبھی وہ طلاق کا وعدہ کرتا آخر والد کے مجبور کرنے پر اس نے لکھ دیا کہ یہ عورت میرے کام کی نہیں میں شادی نہیں کرتا آپ میری طرف سے مختار ہیں اتنا روپیہ اگر دیوے تو بیشک کر دو آپ کا فیصلہ مجھے منظور ہوگا یہ خط سابقہ تحریروں کے موافق تھا مشابہ تام حتی کہ ھم نے اسی کا ظن کر کے والد سے طلاق دلوائی۔ اور خلع وصول کر لیا والد نے فارغ خطی لکھدی ہے اب میں مسماۃ کا دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میں شہر کا امام ہوں اور کل واقعات اور خط وکتابت سے اور مشابہت خطوط سے اور دیگر قرائن سے ظن غالب صحت ہے اور ایک مولوی صاحب دوسرے شہر کے الخط یشبہ الخط سے استدلال کر کے مختار نامہ کو غلط قرار دیتے ہیں فریقین میں کوئی نزاع نہیں فقط مولوی صاحب معترض ہیں۔

(۱) کیا مختار نامہ صحیح اور طلاق واقع ہوئی ہے اور اسکا نکاح میں دوسری جگہ پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟

(۲) اگر سابقہ تحریر غیر معتبر عند الشرع ہے تو رجسٹری خطوط سے یا اور کسی طریق سے ھم اسکی قلمی فارغخطی منگا کر دوسری جگہ نکاح کر کے دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ (۱) قال فی الخلاصۃ:۔ والکتابۃ علی ثلثۃ اوجہ ان کتب علی وجہ الرسالۃ وھو ان یکتب علی صحیفۃ مصدراً معنوناً وثبت ذالک باقرارہ وبینۃٍ فھو کالخطاب اھ

وفیہ ایضاً:۔ ولو جحد الزوج الکتاب وقامت علیہ البینۃ انہ کتب بیدہ فرق بینھما اھ (ص ۹۱ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ معاملات میں خط اس وقت حجت ہے جبکہ کاتب کے اقرار یا بینہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ اس کا خط ہے نیز اگر کاتب خط کا انکار کر دے تو محض تشابہ خط سے اسکو مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ بینہ عادلۃ (یعنی دو گواہ) اگر شہادت دی کہ یہ خط کاتب نے ھمارے سامنے لکھا ہے اس وقت اسکو مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اور باقی مکتوب الیہ کو اسکے خط کی شناخت ہونا اور اس سے غلبہ ظن ہونا یہ معاملات میں کافی نہیں البتہ دیانات میں کافی ہے پس صورت مسئولہ میں یہ خلع اس وقت صحیح ونافذ ہوگا جبکہ میر عالم اقرار کرے کہ یہ خط میرا ہی ہے یا دو مسلمان عادل گواہی دیں کہ اس نے ھمارے سامنے لکھا ہے جب تک وہ اقرار نہ کرے یا بینہ قائم نہ ہو اس وقت تک اس عورت کا نکاح دوسری جگہ نہ کیا جائے۔

(۲) رجسٹری خطوط اور قلمی فارغخطی بھی تحریر ہی ہونگی اس کے لئے بھی اقرار یا بینہ کی ضرورت ہوگی۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۵؍ ذی الحجہ ۴۴ھ

رسالہ "قطع اللجاج[عہ] فی بعض احکام الخلع والطلاق وتعدد الازواج" (خلع طلاق مغلظ اور تعدد ازواج کے متعلق چند سوالات)

(سوالات) مکرم ومحترم سیدی مولانا اشرف علی صاحب دام الطافکم:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

میں خدمت سامی میں چند استفسارات پیش کر کے آپکی اسلامی اخوت اور قومی ہمدردی سے متوقع ہوں کہ آپ اپنے اوقاتِ عزیزہ کے چند لمحہ صرف کر کے حتی المقدور جلد انکے جواب دینے کی کوشش کرینگے جواب کی آسانی کیلئے سوالات کے سامنے نصف کالم سادہ چھوڑ دیا ھے تاکہ آپکو سوالات نقل کرنیکی زحمت نہ ہو اور انکے محاذ میں صرف جواب لکھکر یہاں بھیجدیا جائے اگرچہ یہ تمام سوال ضروری معلوم ہوتے ہیں تاہم اگر آپ کو کسی سوال کا جواب دینے میں کسی وجہ سے تامل ہو تو اُسے چھوڑ کر بقیہ کا جواب تحریر فرمادیا جائے ہیں آپ کی اس تکلیف کا (منجانب ریاست) شکر گذار ہونگا۔ فقط خیر طلب ضیاء العلوم مفتی محمد انوار علی ایم اے منشی فاضل سکریٹری صحت عامہ وتعلیمات گورنمنٹ بھوپال عبدالرزاق۔ ۲۹؍ نومبر ۲۸ء

متعلق خلع:-

(۱) کیا حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰت والتحیات کے عہد مبارک میں خلع کا کوئی واقعہ ہوا تھا۔؟

(۲) اگر ہوا تھا تو اس کا فیصلہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ یا کسی اور نے؟

(۳) اس فیصلہ میں تفریق محض سائلہ کی خواہش کی بناء پر کی گئی تھی یا اسکے وجوہ واسباب کی تحقیق کرنیکے بعد اسکی بناء پر حکم صادر فرمایا گیا تھا۔؟

(۴) اس میں تفریق کا مرد کو حکم دیا گیا تھا یا اسکی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

(۵) تفریق کے ساتھ کوئی شرط لازم کی گئی تھی یا نہیں؟

(۶) زمانہ مابعد میں فتویٰ اس فیصلے کے مطابق رہا یا اس میں کچھ ترمیم کی گئی۔؟

(۷) اگر کچھ ترمیم ہوئی تو کیا اور کن وجوہ اور دلائل کی بناء پر ایسا کیا گیا؟

عہ لما صار السوال والجواب قدرا معتدا بہ جعلہ سیدی حکیم الامۃ رسالۃ مستقلۃ وسماہ بہ۔ ظفر

متعلق طلاق مغلظہ

(۱) کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں طلاق مغلظہ کے واقعات پیش آئے تھے اور اگر آئے تھے تو انکی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک کیا تھا۔
(۲) کیا ایک وقت میں تین طلاقیں دینا آیت " الطلاق مرتان " کے خلاف نہیں ہے
(۳) عہد خلفائے راشدین کا دستور العمل کیا تھا؟
(۴) آئمہ اربعہ کے اس بارہ میں اقوال کیا ہیں؟
(۵) آپ کی ذاتی رائے اس معاملہ میں کیا ھے؟

متعلق تعدد ازواج

قرآن حکیم نے ایک بیوی کے ہوتے ہوئے مزید نکاح ایک خاص شرط پر مشروط کیا ہے لیکن بالعموم اب لوگ اس کا خیال کئے بغیر محض نفسانی خواہشات کی بناء پر ایسا کرتے ہیں اور فرمان الٰہی " فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ " کو فراموش کیے ہوئے ہیں اس لئے اگر کوئی اسلامی ریاست قرآن کے فرمان کی اتباع میں قانوناً کوئی ایسی قید عائد کر دے کہ مثلاً کوئی شخص جب تک اپنی ضرورت اور استطاعت عدل کی بابت قاضی کو اطمینان دلا کر اس کی اجازت حاصل نہ کرے تب تک وہ اس کا مجاز نہ ہو۔ تو کیا آپ کی رائے میں یہ مناسب ہوگا یہاں یہ امر بھی قابل لحاظ ھے کہ ھمارے یہاں قانوناً ہر نکاح محکمہ قضا کی اجازت کا محتاج ہے اور اگر کوئی شخص اجازت کے بغیر نکاح پڑھ دے تو فریقین کے ساتھ وہ بھی ملزم قرار دیا جاتا ہے اسلئے اگر بالفرض مجوزہ بالا صورت آپ کے نزدیک نامناسب ہو تو کیا پھر مجوزہ حالت معاملات مذہبی میں مداخلت نہیں ہے۔ اسکی نسبت آپ کا کیا خیال ھے فقط

الجواب واللہ الموفق للصواب

تقریر جواب سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ھے کہ سوال جس صورت سے کیا گیا ھے وہ خلاف قاعدہ ہے کیونکہ کسی معاملہ کے متعلق یہ دریافت کرنا کہ اس کا کوئی واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیش آیا تھا یا نہیں۔ محض امر زائد ہے۔ قانون اسلام مکمل قانون ہے اسمیں قیامت تک پیش آنے والے واقعات کا حکم موجود ہے خواہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آئے ہوں یا نہ آئے ہوں اور ظاہر ھے کہ جو قانون قیامت تک کے واقعات کو محیط ہوگا وہ صرف اُن واقعات کے ساتھ مخصوص کیونکر

ہو سکتا ہے جو حضورؐ کے زمانہ میں پیش آئے ہوں

دوسرے : فاضل مستفتی کو معلوم ہے کہ اس زمانہ میں مجتہد کوئی نہیں بلکہ جملہ علماء مقلد ہیں جو اس قانون کے موافق جو مجتہدین اُمت قرآن واحادیث سے مستنبط کرکے مدون کرگئے ہیں فتوے دیتے ہیں پس ان علماء مقلدین سے یہ سوال کرنا کہ اس واقعہ میں حضورؐ نے کیا فیصلہ کیا اور یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا تھا یا نہیں ؟ امر زائد ہے بلکہ ان سے تو صرف اتنا سوال کیا جا سکتا ہے کہ ائمہ مجتہدین نے قرآن وحدیث سے مستنبط کرکے جو قانون اسلام مدون کیا ہے اس میں اس واقعہ کے متعلق کیا حکم ہے ؟ پس جس صورت کے سوال ہمارے سامنے ہے اس صورت پر جواب دینا ہمارے ذمہ لازم نہیں مگر تبرعاً محض اس غرض سے ہم فاضل مستفتی کے ہر سوال کا جواب دیتے ہیں کہ شاید کسی کو مجتہد کا ماخذ اور دلیل معلوم کرنیکا شوق ہو تو اس کا یہ شوق بھی پورا ہو جائے اس ضروری گذارش کے بعد ہم سوالات کا جواب شروع کرتے ہیں واللہ الموفق

جواب سوال اوّل متعلق خلع

محترم سائل نے اس کے متعلق متعدد سوالات کئے ہیں اور یہ کچھ ظاہر نہیں کیا کہ ان سوالات کثیرہ کا منشا کیا ہے ؟ بظاہر ہم نے جو اُن کا منشا سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ سائل محترم خلع کو اور تفریق بالخلع کو حاکم کے فیصلہ پر منحصر رکھنا چاہتے ہیں اور یہ کہ بدون فیصلہ حاکم کے خلع معتبر نہ ہو اگر یہی منشا ہے جو ہم سمجھے ہیں تو سائل محترم کو معلوم ہونا چاہئے کہ شرعاً خلع حاکم اسلام کی اطلاع اور اس کے فیصلہ پر موقوف نہیں بلکہ بدون علم حاکم وبغیر اطلاع حاکم بھی مرد اپنی بیوی سے یا زوجہ اپنے مرد سے بتراضی خلع کرسکتی ہے اور جب زوجین بتراضی باہم خلع کرلیں تو خلع سے ایک طلاق بائن عورت پر واقع ہو جائیگی اگر اس سے زائد کا نام نہ لیا گیا ہو یا زوج نے زائد کی نیت نہ کی ہو اور اگر دو یا تین طلاق پر خلع کیا گیا ہو تو جس عدد کا نام لیا گیا ہے وہی واقع ہوگا یا زوج نے لفظ خلع سے تین طلاق کا قصد کیا ہو تو تین ہی واقع ہونگی :

قال فی الھندیۃ :۔ الخلع ازالۃ ملك النكاح ببدل بلفظ الخلع كذا فی فتح القدیر ۔ وشرطه شرط الطلاق وحكمه وقوع الطلاق البائن كذا فی التبیین ویصح نیۃ الثلاث فیه ۔ حضرۃ السلطان لیس بشرط لجواز الخلع عند عامۃ العلماء والصحیح قولھم كذا فی البدائع : اذا تشاق الزوجان اوخافا ان لا

یقیما حدود اللہ فلا بأس بان تفتدی نفسہا منہ بمال یخلعہا بہ فاذا فعلا ذالک وقع تطلیقۃ بائنۃ ولزمہا المال کذا فی الھدایۃ اھ (ص ۱۳۰ ج ۲)

وفی رحمۃ الامۃ : واتفق العلماء علی ان المرأۃ اذا کرھت زوجہا بقبح منظر او سوء عشرۃ جاز لہا ان تخالعہ علی عوض وان لم یکن من ذالک بشیٔ وتراضیا علی الخلع من غیر سبب جاز ولم یکرہ الخ (ص ۱۰۷)

اب اس کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

روی مالک فی المؤطا والشافعی عنہ عن ہشام عن ابیہ عن جمھان[ع] عن ام بکرۃ الاسلمیۃ انہا اختلعت من زوجہا عبد اللہ بن خالد بن اسید ثم اتیا عثمان فی ذالک فقال ھی تطلیقۃ الا ان تکون سمیت شیئًا فہو ما سمیت اھ کذا فی التلخیص الحبیر (ص ۳۱۶ ج ۲)

اس سے صرف ثابت ہے کہ زوجین نے بدون اطلاع حاکم کے خلع کرلیا پھر حضرت عثمان کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے فرمایا کہ خلع ایک طلاق ہے مگر یہ کہ اس سے زائد کا نام لیا گیا ہو تو جو کہا گیا ہو وہی واقع ہوگا۔ معلوم ہوا کہ تفریق خلع کا مدار حاکم کی تفریق پر نہیں بلکہ لفظ خلع خود ایک طلاق ہے امام مالک نے مؤطا میں روایت کیا ہے۔ عن نافع ان ربیع بنت معوذ بن عفراء جاءت ھی وعمہا الی عبد اللہ بن عمر فاخبرتہ انہا اختلعت من زوجہا فی زمان عثمان بن عفان فبلغ ذالک عثمان فلم ینکرہ وقال عبد اللہ بن عمر عدتہا عدۃ المطلقۃ اھ (ص ۳۷ ج ۳ مع الزرقانی)

اس میں بھی تصریح ہے کہ زوجین نے بدون اطلاع حاکم خلع کرلیا جب حضرت خلیفہ کو اسکی خبر پہونچی تو آپ نے اسپر انکار نہیں کیا اور عبد اللہ بن عمر نے خلع کو طلاق قرار دیا پس خلع کو یا تفریق بالخلع کو فیصلۂ حاکم پر موقوف کرنا غلط ہے اور اگر ایسا کیا گیا تو یہ مداخلت فی الدین میں داخل ہوگا۔ اب میں محترم مستفتی کے سوالات کا جواب بھی دینا چاہتا ہوں جو خلع کے متعلق انہوں نے کئے ہیں۔

[ع] قال الحافظ وضعفہ احمد بجمھان اھ۔ قلت: قال الحافظ فی التقریب مدنی قد یقال مقبول من الثالثۃ اھ وفی تہذیب التہذیب ذکرہ مسلم فی الطبقۃ الاولیٰ من اھل المدینۃ وذکرہ ابن حبان فی الثقات (ص ۱۱۱ ج ۲) فالحدیث صحیح ولا اقل ان یکون حسنًا۔ ظفر۔

(الف) ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی خلع کا واقعہ پیش آیا ہے جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے اور اس سے پہلے اس امر کی تصریح کر دی ہے۔

و اجاز عمر الخلع دون السلطان ای بغیر اذنہ کہ حضرت عمرؓ نے خلع کو بدون اطلاع حاکم وسلطان کے بھی جائز قرار دیا ہے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں مصنف ابن ابی شیبہ سے اسکو موصولاً اسطرح روایت کیا ہے کہ بشر بن مروان (حاکم مدینہ) کے پاس ایک مرد وعورت کے خلع کا واقعہ پیش ہوا تو اس نے خلع کو جائز قرار نہ دیا، تو عبداللہ بن شہاب خولانی نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے خلع کو جائز قرار دیا ہے اور طحاوی نے کہا ہے کہ جو لوگ خلع کو اذنِ سلطان پر موقوف رکھتے ہیں ان کا قول شاذ ہے جم غفیر کے مخالف ہے اور قیاساً بھی غلط ہے کیونکہ جب طلاق بدون اذنِ حاکم کے جائز ہے تو ایسے ہی خلع ہے (ص ۳۴۷ ج ۹) تفصیل اس واقعہ کی جو حضورؐ کے زمانہ میں واقعہ ہوا تھا یہ ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا یا رسول اللہ میں ثابت بن قیس کے دین اور اخلاق میں عیب بیان کرنا نہیں چاہتی لیکن میں (اُن کے نکاح میں رہ کر) اسلام میں کفر کا اندیشہ کرتی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان کا باغ انکو واپس کر دوگی؟ کہا، ہاں، تو حضورؐ نے (ثابت بن قیس سے) فرمایا کہ باغ کو قبول کر لو اور اسکو طلاق دیدو یہ بخاری کی روایت کا ترجمہ ہے اور نسائی کی روایت میں یہ ہے کہ ثابت بن قیس نے کسی بات پر اپنی بیوی کو مارا تھا اور ہاتھ توڑ دیا تھا۔ اور عبدالرزاق کی روایت میں یہ ہے کہ بیوی نے حضورؐ سے عرض کیا کہ مجھکو خدا نے جو حسن وجمال دیا ہے وہ آپ کو معلوم ہے اور ثابت بن قیس بدصورت ہے۔ اور یہ جو کہا کہ مجھکو اسلام میں کفر کا اندیشہ ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ میں انکے ساتھ اسلامی قاعدہ کے موافق نباہ نہیں کر سکتی بلکہ اندیشہ ہے کہ اُن کی نافرمانی کروں اور شوہر کی نافرمانی اسلام کے خلاف ہے اور یہ کافر عورتوں کا کام ہے ذکرہ الحافظ فی الفتح۔ واللہ اعلم

(ب) اس واقعہ میں یہ ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع کا فیصلہ فرمایا مگر اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ بدون حضورؐ کے فیصلہ کے خلع نہ ہو سکتا تھا بلکہ اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ عورت نے اپنے شوہر سے بلاواسطہ اس معاملہ کی گفتگو کی ہی نہیں بلکہ وہ ابتداءً خود حضورؐ کے پاس آگئی۔ اور چونکہ زوجین میں باہم خلع کی کچھ گفتگو نہیں ہوئی تھی اسلئے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول عورت سے دریافت کیا کہ تم مہر واپس کرسکتی ہو جب وہ اسپر راضی ہو گئی تو حضورؐ نے مرد سے فرمایا کہ اپنا باغ لیکر اسکو طلاق دیدو۔ اور اگر زوجین میں خلع کی گفتگو پہلے ہو جاتی تو پھر طلاق کے حکم کی ضرورت نہ تھی کیونکہ خلع خود ہی طلاق ہے

(ج) اس واقعہ میں محض سائلہ کی خواہش کی بناء پر تفریق کی گئی اور اسکے وجوہ واسباب کی تحقیق کی ضرورت اسلئے نہیں ہوئی کہ سائلہ نے خود وہ اسباب بیان کردئے تھے جنکی بناء پر وہ خلع چاہتی تھی۔

(د) اس واقعہ میں مرد کو تفریق کا حکم دیا گیا تھا مگر یہ حکم وجوب کیلئے نہ تھا بلکہ بطور ارشاد و اصلاح کے تھا۔ قالہ الحافظ فی الفتح (ص ۳۵۱ ج ۹) مرد پر عورت کی درخواست کے بعد خلع کا قبول کرنا واجب نہیں بلکہ اُسکو اختیار ہے کہ قبول کرے یا نہ کرے اور حاکم شوہر کو قبولِ خلع پر مجبور بھی نہیں کرسکتا الا اذا کان ظالماً معروفاً بہٖ۔ کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ خلع طلاق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

انما یملك الطلاق من اخذ بالساق رواہ ابن ماجہ والدارقطنی (مقاصد حسنہ ص ۵۲) قلت: واسنادہ حسن۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ طلاق شوہر کے قبضہ میں ہے یہ قول اس امر کی دلیل ہے کہ حضورؐ کا واقعہ خلع میں ثابت بن قیس کو طلاق کا حکم فرمانا بطور مشورہ کے تھا بطور ایجاب کے نہ تھا۔

(ہ) اس واقعہ میں تفریق کے ساتھ صرف یہ شرط تھی کہ وہ باغ واپس کردو جو شوہر نے مہر میں دیا ہے اور یہ شرط اسلئے کی گئی کہ اس واقعہ میں خود عورت کی طرف سے مفارقت کی درخواست تھی اور اُسی کو شوہر سے نفرت تھی شوہر کو اس سے نفرت نہ تھی۔ نہ شوہر کی طرف سے اسپر کچھ زیادتی تھی ع اور اس صورت میں ائمہ مذاہب کا یہی مذہب ہے جو حدیث میں ہے کہ مرد کو مہر واپس کرلینا بلکہ اس سے زائد لینا بھی جائز ہے جبکہ عورت خوشی سے زائد دینے پر راضی ہو اور اگر مرد کی زیادتی ہو یا طرفین کی زیادتی ہو تو اس کا حکم دوسرا ہے جو فقہ میں مفصل مذکور ہے

(و) حضرات ائمہ مجتہدین نے احادیث کے خلاف فتویٰ کبھی نہیں دیا یہ اور

ع والذی ورد فی الروایات انہ ضربہا فکان ذالك بحق لکون المرأۃ نافرۃ عنہ مبغضۃ لہ ولا یبعد من مثلہا الاباء عن المضاجعۃ وللزوج حق ان یضربہا علی ذالك۔ ظفر۔

بات ہے کہ ناواقف لوگ حدیث کا غلط مطلب سمجھ کر ائمہ مجتہدین کے فتویٰ کو حدیث کیخلاف سمجھیں یا کسی مسئلہ کا مدار ایک ہی حدیث پر رکھیں اور دوسری روایات پر نظر نہ کریں۔

(ز) ترمیم کچھ نہیں ہوئی حضرات مجتہدین نے ایک ہی حدیث پر مسئلہ کا مدار نہیں رکھا بلکہ اس کے ساتھ دوسری احادیث کو اور صحابہ کے اقوال کو ملا کر قانون خلع کو مکمل طور سے مدوّن کیا ہے۔

جواب سوال دوم متعلق طلاق مغلظہ

اس مسئلہ میں جملہ ائمہ مذاہب کا قول یہ ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے تو اگر وہ مدخولہ ہے تو اسپر تین طلاق واقع ہوجائینگی خواہ تفریقاً دی یا مجموعۃً اور اگر غیر مدخولہ ہے تو اگر مجموعۃً ایک لفظ سے تین طلاق دی ہیں تو اسپر تینوں واقع ہونگی۔ اور اگر تفریقاً تین لفظوں سے تین طلاقیں دی ہیں تو اسپر ایک واقع ہوگی اور دو لغو ہوجائینگی۔

قال الزرقانی فی شرح المؤطا : والجمهور علی وقوع الثلاث بل حکی ابن عبد البر الاجماع قائلاً ان خلافه شاذ لایلتفت الیه اھ (ص ۳۵-ج ۳)

وقال الحافظ فی الفتح : ویحتمل ان یکون مراده ای مراد البخاری بعدم الجواز من قال لایقع الطلاق اذا أوقعها مجموعة للنهی عنه وهو قول الشیعة وبعض اهل الظاهر اھ (ص ۳۱۰-ج-۹)

اس سے معلوم ہوا کہ بجز شیعہ اور بعض اہل ظاہر کے تمام علماء کا اسپر اجماع ہے کہ تین طلاقیں مجموعۃً دینے سے تین ہی واقع ہونگی۔ البتہ تین طلاق مجموعۃً یا ایک مجلس میں دینا مکروہ تحریمی ہے اگر کسی کو تین طلاق ہی دینا ہو تو تفریق کے ساتھ ایک ایک طلاق ایک ایک طہر میں دے سعید بن منصور نے بسند صحیح حضرت انس رضؓ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا تو حضرت عمرؓ اسکے کمر پر دُرّے لگاتے تھے، ذکرہ الحافظ فی الفتح (صفحہ مذکور)

اب محترم مستفتی کے سوالات کا جواب دیتا ہوں۔

(الف) ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی دو واقعہ طلاق مغلظہ کے واقع ہوئے ہیں ایک واقعہ سنن نسائی میں محمود بن لبید انصاری رضؓ کی روایت سے

مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہونچی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہیں تو حضورؐ غضبناک ہوکر (خطبہ کیلئے) کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ میرے سامنے ہی کتاب اللہ کے ساتھ لہو ولعب کیا جانے لگا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا، یارسول اللہ! کیا میں اسکو قتل ہی نہ کردوں اھ؟ اسپر آپؐ خاموش ہوگئے یہ حدیث فتح الباری میں حافظ نے نقل کرکے اس کے رواۃ کو ثقہ کہا ہے اور "نیل الاوطار" میں ابن کثیر سے اسکی سند کا جید ہونا نقل کیا ہے اور جوہر نقی میں اسکو صحیح کہا ہے اس سے یہ بات تو ظاہر ہے کہ تین طلاق ایک دم سے دینا خلافِ شریعت ہے اور حرام کے قریب ہے رہا یہ کہ تین ایک دم سے دینے میں تین واقع ہونگی یا ایک؟ اس سے یہ حدیث ساکت ہے [عہ]۔

دوسرا واقعہ رکانہؓ بن عبد یزید کا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تھیں پھر انکو رنج ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا آپؐ نے پوچھا کہ تم نے کیونکر طلاق دی ہے کہا ایک مجلس میں تین طلاق دی ہیں حضورؐ نے فرمایا وہ تو ایک ہی ہے اگر چاہو رجوع کرلو چنانچہ انہوں نے رجعت کرلی اسکو محمد بن اسحاق صاحب مغازی نے روایت کیا ہے مگر ائمہ حدیث نے اسکو ضعیف کہا ہے کیونکہ اس کے الفاظ میں اضطراب واختلاف ہے بعض روایات میں یہ وارد ہوا ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو بلفظ البتۃ سے تین طلاق دی تھی اور یہ لفظ چونکہ قطع تعلق کو بتلاتا ہے اور اسی وجہ سے بعض تابعین لفظ البتۃ سے تین طلاق واقع کرتے تھے تو کسی راوی نے اسکو روایت بالمعنیٰ کرکے یوں تعبیر کردیا کہ رکانہ نے تین طلاق دی تھیں ابوداؤد نے فرمایا ھے کہ راجح یہی ہے کہ رکانہ نے طلاق بلفظ البتۃ دی تھی جیسا کہ حافظ نے فتح الباری میں ذکر فرمایا ھے اور اسکی نیت ایک طلاق کی تھی اسلئے اسکو ایک [عہ] قرار دیا اور علامہ زرقانی نے فرمایا ھے کہ رکانہ کی حدیث کے الفاظ مختلف ہیں، فاذا تعارضا تساقطا (ص ۳۱۶ ج-۳)

(ب) ہاں ایک وقت میں تین طلاق دینا خلاف کتاب اللہ ضرور ہے جو ایسا کرتا ہے سخت گناہ کا مرتکب ہے مگر اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ تین طلاق دینے سے تین واقع

عہ مگر کنز العمال میں حضرت علی کی روایت میں یہ ہے کہ جو شخص قطعی طلاق دیگا ھم اسپر تین طلاق لازم کردینگے (ص ۱۷۰ ج-۵) ظفر۔

عہ والمراد بالرجعۃ فی ھذہ الصورۃ الرجعۃ اللغویۃ ولو کانت بالنکاح لا الاصطلاحیۃ بدونہ۔ ظفر۔

نہ ہوں یقیناً تین ہونگی کمامر ذکر الاجماع علیہ

(ج) عہد خلفائے راشدین میں جو شخص تین طلاق دیتا تھا اسکی بیوی پر تین طلاق ہی واقع سمجھی جاتی تھی مگر اس کے ساتھ اس شخص کو سزا بھی دیجاتی اور صحیح مسلم میں جو ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور عہد صدیق میں اور شروع زمانہ خلافت فاروقی میں تین طلاق کو ایک شمار کرتے تھے تو اسکے اندر بعض روایات میں یہ قید بھی ہے کہ جب عورت غیر مدخولہ ہوتی تو تین کو ایک قرار دیتے تھے (رواہ ابو داؤد کمافی الفتح لابن حجر ص ۳۱۷ - ج - ۳ عہ وسکت عنہ) اور رزین کی روایت میں یہ لفظ ہے "کان ابن عباس یقول اذا قال انت طالق انت طالق فھی واحدۃ ان اراد التوکید للاولیٰ وکانت غیر مدخول بھا کذافی جمع الفوائد (ص ۲۳۱ ج - ۱) —— پس یہ حدیث جمہور کے خلاف نہیں کیونکہ تطلیق ثلاث بتفریق کلمات میں جمہور بھی اس کے قائل ہیں کہ اگر زوجہ غیر مدخولہ ہو تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور مدخولہ ہو تو دیانۃً ایک ہی ہوگی اگر وہ نیتِ تاکید کا مدعی ہو۔ اور قضاءً تین واقع ہونگی۔ واللہ اعلم

(د) ائمہ کے اقوال اوپر گذر چکے

(ہ) دین میں کسی عالم کی ذاتی رائے کی کچھ وقعت نہیں۔ فان الدین لیس بالرأی

(جواب سوال سوم متعلق تعدد ازواج)

اس مسئلہ میں یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ مرد کو چار عورتوں سے نکاح کرنا مطلقاً جائز ھے خواہ اسکو چار کی واقعی ضرورت ہو یا محض خواہش نفسانی کی بناء پر ایسا کرے گو افضل یہی ہے کہ بلاضرورت چار نکاح نہ کرے "احترازاً من الجور وادخال الغم علی الاولی" لیکن اگر کوئی محض خواہش نفسانی سے ایسا کرے تو اسکو حق جائز سے روکنے کا کسی کو حق نہیں حدیث میں ہے "لم یر للمتحابین مثل النکاح" رواہ ابن ماجہ والحاکم وسندہ صحیح (شرح جامع الصغیر للسیوطی ص ۱۹۲ ج - ۳) —— اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مرد کو کسی عورت سے محبت ہو جائے یا بالعکس تو انکو باہم نکاح کر لینا چاہئے" و

عہ ملاحظہ ہو فتح الباری ص ۳۱۵ تا ص ۳۱۹ - جلد ۹ جس میں حضرت ابن عباس وابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ سند صحیح سے نقل کیا گیا ہے اور ملاحظہ ہو کنز العمال ص ۱۶۴ ج ۵ جس میں حضرت عمرؓ وحضرت علی وامام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ طرق متعددہ سے مذکور ہیں۔ ظفر۔

اخرج الشیخان عن ابی هریرة رضؓ تنکح المرأة لمالها وجمالها وحسبها و دینها فاظفر بذات الدین تربت یداک (مقاصد حسنہ صـ۷۹) اس میں دینداری کی وجہ سے نکاح کی ترغیب دی گئی ہے مگر مال اور جمال کی بناء پر نکاح کرنے سے بھی منع نہیں کیا گیا نہ اسکو حرام کہا گیا اور خود نص میں " ما طاب لکم من النساء " وارد ہے جس میں چار نکاح کو محض دل کی خوشی اور پسندیدگی کی بناء پر جائز کیا گیا ہے۔ نیز نص میں "لا تحل لك النكاح من بعد ولا ان تبدل بهن از واج ولو اعجبك حسنهن "اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعدد ازواج محض اعجاب حسن کی بناء پر بھی جائز تھا گو آپ اس وجہ سے کوئی نکاح بھی نہ کیا ہو مگر آپ کیلئے جائز ضرور تھا پھر نو۹ بیویوں کے بعد آپ کو اس سے منع کر دیا گیا غرض نصوص شریعت سے خواہش نفسانی کی بناء پر بھی تعدد ازواج کی اجازت ظاہر ہے۔ اور اسکے ساتھ عدل کو بھی فرض کیا گیا ہے مگر عدل کو شرط صحتِ نکاح نہیں قرار دیا گیا بلکہ شریعت نے اس کے متعلق صرف وعید پر اکتفا کیا ھے۔

ففی الحدیث: عن ابی هریرة اذا كانت عند الرجل امرأتان فلو يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه مائل او ساقط رواه احمد والدارمی واصحاب السنن والحاكم واللفظ له وابن حبان وصححه الحاكم على شرط الشيخين وابن دقیق العید (ص ۳۱۴ ج - ۲ - تلخیص حبیر)

پس تعدد ازواج کی صورت میں شوہر پر جو عدل واجب ہے وہ دیانۃً واجب ھے قاضی اور حاکم کو اس میں باز پرس یا دست اندازی کا کچھ حق نہیں حکام کا صرف اتنا فرض ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر کی شکایت کرے تو شوہر کو نان و نفقہ دینے پر مجبور کریں اور عمر بھر میں ایک دفعہ مقاربت پر ۔ اس سے زائد پر حاکم شوہر کو مجبور نہیں کر سکتا (ملاحظہ شامی باب القسم صـ۶۵۲ تا صـ۶۵۴ ج-۲) ـــــ ہاں اسکو نصیحت کر دے کہ اپنی بیوی کے حقوق پوری طرح ادا کرنا چاہیئے اور اگر وہ اسپر ظلم کرتا ہو تو ظلم سے روک دے۔

اس معروض کے بعد سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلامی ریاست کو تعدد ازواج کے بارہ میں قانوناً اس قسم کی قیود عائد کرنا کہ جب تک قاضی کو ضرورت اور استطاعت عدل کا اطمینان دلا کر اسکی اجازت حاصل نہ کریں تب تک کوئی اس کا مجاز نہ ہو۔ یقیناً

مداخلت فی الدین وتضییق علی المسلمین فیما وسع اللہ لہم میں داخل ہے۔ اسی طرح ہر نکاح کا محکمۂ قضاء کی اجازت کا محتاج ہونا اور جو بدون قاضی کی اجازت کے نکاح پڑھ دے اسکو مع فریقین کے ملزم قرار دینا بھی صریح مداخلت فی الدین ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض صحابہ نے مدینہ کے اندر بدون حضورؐ کی اطلاع کے نکاح کیا ہے اور اُن پر کوئی انکار نہیں کیا گیا چنانچہ عبد الرحمٰن بن عوف کا واقعۂ نکاح مشہور ومعروف ہے۔

البتہ اگر نکاح خوانوں کی جہالت کی وجہ سے نکاحوں میں گڑبڑ ہوتی ہو تو اس قید کے عائد کرنیکا مضائقہ نہیں کہ جو شخص جب تک احکام نکاح سے واقف نہ ہو اور اسکی سند اسکے پاس نہ ہو اس وقت تک کسی کا نکاح نہ پڑھے ورنہ مجرم ہوگا کیونکہ اسکی نظیر زمانہ صحابہ میں موجود ہے حضرت عمرؓ نے قانونؑ نافذ کیا تھا "لایجلس فی سوقنا الا فقیہ اوکما قال ولا احضر الآن موضعہ"، کہ ہمارے بازار میں بجز اس شخص کے جو فقہ سے واقف ہو بیع وشراء کیلئے کوئی نہ بیٹھے باقی ہر نکاح کو محکمۂ قضا کی اجازت کا محتاج کر دینا یہ بالکل خلاف شریعت ہے اور مسلمانوں کو تنگی میں ڈالنا ہے جو یقیناً مداخلت فی الدین ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔ ۲۳-ج ۲ ۴۷ھ

ع قلت: قد اخرجہ الترمذی عن عمر بلفظ لایبیع فی سوقنا الا من قد تفقہ فی الدین کذا فی جمع الفوائد (ص۲۴۲ ج-۱) ظفر۔

فصل فی فسخ النکاح عند کون الزوج مفقوداً او عنیناً او متعنتاً فی النفقة او مجنوناً

زوجۂ مجنون کا حکم (سوال) ایک شخص دیوانہ ہوگیا ھے طلاق وغیرہ سے بے خبر ھے اسکی بیوی علیحدہ ہونا چاہتی ہے علیحدگی کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نہ مجنون کی طلاق معتبر ہے اور نہ جنون کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا حق ہے اسلئے علیحدگی کی کوئی صورت نہیں۔

کما فی الدر:۔ لا یقع طلاق المولیٰ علی امرأة عبده والمجنون الخ شامی ص۶۹۹ ج۲ ولا یتخیر احد الزوجین بعیب الآخر ولو فاحشاً کجنون و جذام الخ (ص۹۸۳ ج-۲ شامی) واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ ۱۰ر صفر ۴۵ھ

زوجۂ مجنون کا حکم (سوال) ایک مسئلہ میں پیچیدگی پڑگئی جسکی وجہ سے پریشانی بڑھ گئی ھے صورتِ واقعہ یہ ہے کہ ایک لڑکی نابالغہ کا عقد نکاح ایک نابالغ لڑکے سے فریقین کے والدین نے کردیا لڑکے کی عمر ۴ سال کی اور دختر کی عمر ۵ر سال اب اس نکاح کو عرصہ ۸ سال کا ہوگیا اب دختر کی عمر ۱۳ سال اور لڑکے کی عمر ۱۲ر سال ہے مگر اب یہ معلوم ہوا کہ لڑکا لایعقل محض ہے اس وقت تک نہ تو وہ کچھ زبان سے بولتا ہے اور نہ کچھ سمجھتا ہے اور نہ اسکو کچھ کھانے پینے کا ہوش ہے اسکی والدہ اسکو جبراً کچھ کھلا پلا دیتی ہے بچپن میں لڑکے کے نہ بولنے کا والدین کو کچھ خیال نہ ہوا جوں جوں وہ بڑھتا گیا اسکے نہ بولنے کی حالت دیوانگی معلوم ہوتی گئی۔ لڑکی کی عمر ۱۳ر سال ہے وہ ایسے دیوانہ لایعقل کے ساتھ اپنی عمر کس طرح گذار سکتی ہے؟ ایسی حالت میں مطابق شرع

شریف ان میں تفریق ہوسکتی ہے یا نہیں؟ فریقین کے والدین جنکی ولایت میں عقد ہوا زندہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ بموجب احکام شرع ان میں تفریق ہو جائے اور دختر کا عقد کسی دیگر شخص سے کر دیا جائے۔ اُمید کہ آنجناب اس معروضہ کے جواب سے جلد ممتاز فرمائیں گے۔ مکرر عرض یہ ہے کہ لڑکے کو نگرانی میں رکھا جاتا ہے اگر اسکو نگرانی میں نہ رکھا جائے تو وہ بھاگتا ہے۔ محمد حسین مینجر طلسمی پریس میرٹھ

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں ائمہ حنفیہ میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ کے نزدیک شوہر کے مجنون ہونیکی صورت میں زوجہ کو حقِ فسخِ نکاح حاصل نہیں۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک حقِ فسخ حاصل ہے، پس اگر کوئی مسلمان حاکم جس کو ایسے مقدمہ کی سماعت کا اختیار ہو خواہ حکومت انگریزی کا ہو یا ریاست دیسی کا اس نکاح کو امام محمدؒ کے مذہب کی بناء پر فسخ کر دے تو فسخ ہوسکتا ہے اور چونکہ فریقین اس نکاح کے فسخ پر رضامند ہیں اسلئے غالب ہے کہ حکام کو اسکے فسخ کرنے میں تامل بھی نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

حررہ حبیب احمد کیرانوی
مقیم تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۴ محرم ۴۰ھ

زوجہ عنین کا حکم اور اسکی عدت اور مہر کا بیان

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:۔

(۱) زید جو تقریباً ۲۸، ۳۰ سال سے محض عنین یعنی نامرد ہے اور قطعی عورت کے کام کا نہیں ہے اور اکثر معالجات کرنے کے باوجود مایوس العلاج ہے وہ اپنی بیوی کو کہ جس کے ساتھ عقد ہوا۔ ۱۵، ۱۶ سال ہوئے نفقہ نہیں دیتا اور نہ اپنے پاس رکھتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے اس وجہ سے لڑکی کے والدین اسکی بے کسی سے سخت پریشان ہیں اور مسماۃ بھی زید کے نامرد ہونیکے باعث نالاں ہے اور بعد عقد کے اپنی زندگی والدین کے یہاں گذارتی ہے اب اسکے والدین عقد ثانی کرنا چاہتے ہیں اس صورت میں شارع علیہ السلام کا کیا حکم ہے؟ اور جدائی زن وشوہر میں ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) مطلقہ عنین کو عدت کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا

مرسلہ مرزا حنیف بیگ قصبہ وڈاکخانہ سیانہ ضلع بلند شہر

الجواب :- صورت مذکورہ میں مسماۃ کو کسی حاکم مسلم کی عدالت میں زوج کے عنّین ہونیکا دعویٰ کرکے فسخِ نکاح کی درخواست کرنی چاھئے اور حاکمِ مسلم کو چاھئے کہ جب عورت ایسا دعویٰ کرے تو وہ زوج سے دریافت کرے کہ نکاح کے بعد سے ابتک تو نے کسی وقت زوجہ سے صحبت کی ہے یا نہیں ؟ اگر وہ اقرار کرے کہ میں نے ایک بار بھی اس سے صحبت نہیں کیا وہ دعویٰ کرے کہ میں نے صحبت کی ہے لیکن عورت یہ کہے کہ میں ابتک باکرہ ہوں اور ایک عورت یا دو عورتیں اپنے مشاہدہ سے اسکی تصدیق کردیں کہ بیشک یہ باکرہ ہے دونوں صورتوں میں حاکمِ مسلم شوہر کو ایک سال کی مہلت دے کہ اگر ایک سال کے اندر اندر تو نے زوجہ سے صحبت کی تو خیر ورنہ میں نکاح فسخ کردونگا پھر اگر مہلت دینے کے بعد بھی اُس نے سال بھر میں صحبت نہ کی تو حاکم عورت کو اختیار دیدے کہ چاھے تو شوہر کے پاس رہنا منظور کر یا علیحدہ ہونا منظور کر تجھے اختیار ہے حاکم کے اختیار دیدینے کے بعد جب عورت یہ کہدے کہ میں اس سے علیحدہ ہونا اختیار کرتی ہوں تو عورت کے یہ کہدینے سے طلاق بائن پڑ جائیگی اور بہتر یہ ہے کہ حاکم بھی اپنی زبان سے یہ کہدے کہ میں نے دونوں میں تفریق کردی۔

قال فی البدائع :- ص ۳۲۵ - ج - ۲ - وان اختارت الفرقۃ فرق القاضی بینھما کذا ذکرہ الکرخی ولم یذکر الخلاف وظاھر ھذا الکلام یقتضی انہ لا تقع الفرقۃ بنفس الاختیار و ذکر القاضی فی شرحہ مختصر الطحاوی: انہ تقع الفرقۃ بنفس الاختیار فی ظاھر الروایۃ ولا یحتاج الی القضاء کخیار المعتقۃ وخیار المخیرۃ اھ قلت : و اخترت ھذہ الروایۃ لکونھا ارفق بالناس

(۲) اگر عنین زوجہ کے ساتھ خالی جگہ (مکان) میں یکجا بھی نہیں ہوا اور خلوت صحیحہ کے شرائط نہیں پائے گئے ہیں تب تو عورت کو عدت نہ کرنی پڑیگی اور اگر خلوتِ صحیحہ ہو چکی ہے تو اسپر عدت لازم ہوگی عدت کے بعد وہ دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے

فی البدائع :- ولھا المھر کاملاً وعلیھا العدۃ بالاجماع ان کان الزوج قد خلا بھا و ان کان لم یخل بھا فلا عدۃ علیھا و لھا نصف المھر ان کان مسمّٰی اھ (ص ۳۲۶ ج - ۲)

اور عورت کو دونوں صورت میں مہر بھی ملیگا خلوت ہو چکنے کی صورت میں پورا

پورا مہر اور خلوت نہ ہونیکی صورت میں آدھا ملیگا۔ واللہ اعلم

(تنبیہ) حاکم مسلم اگرعدالت انگریزی کا ہو وہ بھی کافی ہے بشرطیکہ حکومت کی طرف سے اس کو اس مقدمہ میں شرعی فیصلہ کرنیکا اختیار دیدیا گیا ہو اور اگر پہلے سے اختیار نہ دیا گیا ہو تو درخواست دیکر اس کو اختیار حاصل کر لینا چاہیئے یا گورنمنٹ اس مقدمہ کو کسی عالم کے پاس بھیجدے اور اسکو حکم شرعی کے مطابق فیصلہ کا اختیار دیدے یا مسماۃ کسی اسلامی ریاست کے قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کرے سب صورتوں میں یہ نکاح فسخ ہو سکتا ہے فقط

ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۱ صفر ۴۰ھ

مفقود الخبر پر موت کا حکم کرنے کیلئے قضاء قاضی شرط ہے

(سوال) حضرت اقدس مدظلہ تعالیٰ۔ بعد آداب وتسلیمات کے گذارش ہے ایک استفتاء بریسال سے بندہ کے پاس آیا ہے۔ صورت واقعہ یہ ہے کہ ۶ آدمی بولبتر دریا کے کنارہ ایک جنگل میں جوانلوگوں کے مکان سے قریب ہے اور لب دریا ہے بڑی بڑی لکڑیاں جنگل سے کاٹ کر اور ان کو رسیاں اور درختوں کے بیل سے باندھ کر اور اس کے ساتھ ایک کشتی کو رسیوں سے باندھ کر یہ لوگ اپنے مکان کی طرف لکڑیوں کو لانے لگے یہ دریا بہت عظیم الشان اور مواج ھے اور خلیج بنگال میں جاگرا ہے طغیانی کے وقت سات آٹھ میل سے بھی زیادہ چوڑا ہو جاتا ھے جب وہ لوگ مکان کی طرف آرہے تھے قضا کا طوفان اُٹھا کشتی میں سے ہوا نے ایک چٹائی اڑاکر دور پھینکدی۔ کشتی پر دو آدمی تھے وہ دونوں کشتی کو لکڑیوں کے مجموعہ سے الگ کر کے چٹائی لینے کیلئے گئے اور چار آدمی لکڑیوں پر رہے اتنے زور سے طوفان ہونے لگا کہ کشتی اور لکڑی پھر یکجا نہ ہو سکی اور لکڑی والے الگ بے قابو اور کشتی والے الگ بے قابو۔ جو ملاح اور کشتیوں میں تھے جو ماہی گیروں کی کشتی کہلاتی ہے اور وہ بزعم ملاحان کم ڈوبتی ہیں وہ بھی ان لکڑیوں کو تھام نہ سکے اور آٹھ دس بجے رات تک مختلف جگہوں کے ماہی گیروں نے ان چاروں کی آوازیں سنیں مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی روکنے کی اور جب اخیر رات تک طوفان تھما اور روز روشن ہوا تو وہ دونوں کشتی والے کہاں کہاں سے مارے مارے پھر کر گھر واپس آئے لیکن وہ چاروں بے سراغ ہو گئے اور لکڑیوں کا بھی پتہ نہیں ماہی گیر لوگ کہتے ہیں کہ وہ لکڑیاں زور سے سمندر کی طرف جارہی تھیں اس واقعہ کو تیرہ مہینے

گذرا لیکن اول چاروں کا ابتک پتہ نہیں ان چاروں کی بیویاں جوان جوان موجود ہیں تو ان کا کیا حکم ہے؟ ۔ در مختار ص۱۱ ج۔۳ میں ہے " اختار الزیلعی تفویضہ الی الامام۔ و فی الشامیۃ :۔ علی ھذا القول و قال الزیلعی لانہ یختلف باختلاف البلاد و کذا غلبۃ الظن تختلف باختلاف الاشخاص فان الملك العظیم اذا انقطع خبرہ یغلب علی الظن فی ادنی مدۃ انہ قد مات و مقتضاہ انہ یجتھد و یحکم القرائن الظاھرۃ الدالۃ علی موتہ و علی ھذا یتبنی ما فی جامع الفتاوی حیث قال و اذا فقد فی المھلکۃ فموتہ غالب فیحکم بہ کما فقد فی وقت الملاقاۃ مع العدو او مع قطاع الطریق او سافر علی المرض الغالب ھلاکہ او کان سفرہ فی البحر و ما اشبہ ذالك حکم بموتہ لانہ الغالب فی ھذہ الحالات و ان کان بین احتمالین و احتمال موتہ ناش عن دلیل لا احتمال حیوتہ الخ۔ بموجب اس روایت کے اس حادثہ خاص میں گمان موت کا غالب ہے مہلکہ ہے، چاروں کا ایک ساتھ گم ہونا، مکان کے قریب گم ہونا، کشتی والوں کا لوٹنا اوران کا نہ لوٹنا۔ بنگال کا دریا پرخطر اور عظیم الشان ہونا بنگال میں ایسے واقعات کا ان دریاؤں میں ہوتے رہنا۔ سمندر کے دہانہ سے قریب ہونا۔ اور حسب تصریح صاحب جامع الفتاوی بحر کا واقعہ ہونا حضرت اقدس کی کیا رائے ہے اور قاضی تو ہے نہیں پس مولویان انکے قائم مقام سمجھے جائیں گے؟ اسکے سوا کیا چارہ پس حضرت والا کی رائے بھی موافق روایت مذکورہ ہو تو ابھی حکم موت کیا جائے یا چار سال بعد حسب روایت امام مالک رح؟ مگر مشکل یہ ہے کہ مدونہ میں قضائے قاضی شرط لکھی ہے۔ بہرحال حضور کے ارشاد کا انتظار ہے۔ اگر میرا خیال غلط ہے تو تنبیہ فرمایا جائے۔

الجواب :۔ اس مسئلہ میں بجز قضاء حاکم مسلم کوئی چارہ نہیں اگر کوئی حاکم مسلم انگریزی حکومت ہی کی طرف سے ہو اور اس مقدمہ کا فیصلہ کرے بشرطیکہ اس کو اختیارات بھی اس مقدمہ کے پورے حاصل ہوں اور حکم بالموت کردے تو اسی وقت وہ عورتیں نکاح سے خارج ہو کر بعد عدتِ موت نکاحِ ثانی کر سکتی ہیں مولویوں کا فیصلہ حَکَم کا فیصلہ ہوگا۔ اور حَکَم کی ولایت غائب پر نہیں ہوتی لھذا وہ حکم موت علی الغائب کا اختیار نہیں رکھتا۔ واللہ اعلم ۔ ظفر احمد عفا عنہ

مفقو الخبر کی موت کیلئے قضاء قاضی شرط ہے

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ چھ شخص مفلس دریائے شور کے کنارہ کے جنگل سے لکڑی چُن کر چار تو دے اس دریا کے پانی پر جمع کر کے سخت باندھی قضارا اندھیری رات کو سخت طوفان ہوا تند ہوا چلنے لگی ان میں سے دو شخص جو اپنے ساتھ کے توشہ لدا ہوا کشتی پر سوار تھے ہوا اور پانی کے سیلاب نے انکو تودے سے جدا کر کے سمندر کے کنارہ پر ڈالدیا یہ دونوں مع کشتی سلامت گھر واپس آئے باقی چار شخص جو تودے پر رہ گئے تھے طوفان اور طغیانی کپانی نے چاروں تودوں کو سمندر میں کہاں کہاں بہا لیگیا معلوم نہیں۔ واللہ علیم و بکل شئی خبیر، اب ایک سال سے زیادہ عرصہ ہوا ہے کہ باوجود بہت تفتیش وتلاش کے اس مہلکہ میں گرنے والوں کی کوئی خبر نہیں ملی اب ان چار شخص مہلکہ میں گرا ہوا ہیزم کش مفلسوں کیلئے شرعاً حکم مردہ کا ہوگا یا زندہ کا اور انکی بیویوں کو نکاحِ ثانی کی اجازت شریعت دیتی ہے یا نہیں؟ اور حضرات علماء کی خدمت میں یہ بھی قابل عرض ہے کہ ایسی حالت پر سمندر کے مہلکہ میں گرا ہوا کوئی کبھی زندہ رہ سکتا نہیں۔

الجواب:۔ الحمد لولیہ والصلوۃ والسلام علی نبیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔ ہاں ایسے خوفناک مہلکہ میں گرا ہو تو انکے لئے شرعاً البتہ موت کا حکم ہے جیساکہ تنقیح میں بیان کیا اسکو علامہ ابن عابدینؒ نے اور حاشیہ در المختار میں بیان مفقود کے تحت جامع الفتاوئ سے نقل کیا ہے۔ واذا فقد فی المھلکۃ فموتہ غالب فیحکم بہ کما اذا فقد فی وقت الملاقاۃ مع العدو او مع قطاع الطریق او سافر علی المرض الغالب ھلاکہ او کان سفرہ فی البحر وما اشبہ ذالك حکم بموتہ لانہ الغالب فی ھذہ الحالات وان کان بین احتمالین واحتمال موتہ ناش عن دلیل لا احتمال حیاتہ لان ھذا الاحتمال کاحتمال ما اذا بلغ المفقود مقدار ما لا یعیش علی حسب ما اختلفوا فی مقدارہ نقل عن الغنیۃ۔

مخفی ومحتجب نہیں ھے کہ اشخاص مذکورین سوال کی موت پر بڑی دلیل ہے طوفان کے وقت سمندر میں تودے ھیزم کے ساتھ بے توشہ بہجانا اور مفلس شخصوں کا حالتِ حیات میں برس روز تلک اپنے اہل وعیال سے منقطع الخبر رہنا مستبعد ہے پس

جب اشخاص مذکورین سوال کیلئے شرعاً حکم موت ہے تو البتہ انکی ازواج کیلئے بھی شرعاً تزویج ثانی کی تجویز ہے اور یہ حکم کوئی بادشاہ یا امیر کیلئے خاص نہیں بلکہ قرائن اور اجتہاد اسمیں اصل چیز ہے

کما فی الشامی :- ومقتضاہ انہ یجتهد ویحکم بالقرائن الظاهرة الدالة علی موته اھ هذا ما تیسر من الجواب مختصراً فمن شاء الاستقصاء فلیراجع الی کتب الفقه - الکاتب الحقیر الفقیر المذنب الراجی الی رحمة ربه الباری ابوسعید محمد عبد الغفور سلمه الشکور:

(الکلام علی الجواب المذکور)

مجیب سلمہ نے شامی کی جس عبارت کا حوالہ اپنے جواب میں دیا ہے اس سے صراحۃً یہ امر واضح ہے کہ صورتِ مسؤلہ میں حکم بالموت قاضی یا امام کرسکتا ہے بدون قضاء کے حکم بالموت نہیں ہوسکتا - در مختار میں ہے -

واختار الزیلعی تفویضه للامام اھ - علامہ شامی اس قول کے تحت فرماتے ہیں - (قوله واختار الزیلعی تفویضه للامام) قال فی الفتح فای وقت رای المصلحة حکم بموته قال فی النهر : وفی الینابیع : قیل : یفوض الی رای القاضی ولا تقدیر فیه فی ظاهر الروایة ، وفی القنیة : جعل هذا روایة عن الامام اھ - قلت : والظاهر ان هذا غیر خارج عن ظاهر الروایة ایضاً بل هو اقرب الیه من القول بالتقدیر لانه فسره فی شرح الوهبانیة بان ینظر ویجتهد ویفعل ما یغلب علی ظنه فلا یقول بالتقدیر لانه لم یرد به الشرع بل ینظر فی الاقران وفی الزمان والمکان ویجتهد ثم نقل عن مغنی الحنابلة حکایة عن الشافعی ومحمد وانه المشهور عن مالک وابی حنیفة وابی یوسف وقال الزیلعی لانه یختلف باختلاف البلاد وکذا غلبة الظن تختلف باختلاف الاشخاص فان الملك العظیم اذا انقطع خبره یغلب علی الظن فی ادنی مدة انه قد مات اھ

اس عبارت کا حاصل صرف یہ ہے کہ حکم بموت المفقود کیلئے تقدیر مدت

کی ضرورت نہیں بلکہ یہ امر مفوض الی رای القاضی والامام ھے قاضی اور امام کو نظر و اجتہاد سے جس وقت موت مفقود کا غلبہ ظن ہوجائے حکم بالموت کر دے اس کے بعد شامی میں وہ عبارت ہے جو مجیب سلمہ نے نقل کی ہے جس میں یجتہد و یحکم الفرائن الظاہرۃ الخ اور فیحکم بموتہ کی ضمیریں سب امام و قاضی کی طرف راجع ہیں۔ یعنی قاضی کو اجتہاد سے کام لینا چاہئے اور قرائن ظاہرہ کو حکم بنانا چاہئے اور اسی پر جامع فتاوئ کی عبارت کو مبنی کیا ہے کہ جب مفقود مہلکہ میں گم ہوجائے تو اسکی موت کا حکم لگایا جائے یعنی قاضی و امام کو یہ حکم لگا دینا چاہئے اس عبارت سے یہ کسیطرح مفہوم نہیں ہوتا کہ محض مفتی کا حکم بالموت کافی ہے اور قضاء کی ضرورت نہیں علامہ شامی رح نے اس عبارت کے خاتمہ پر لکھا ہے فلذا قلنا ان ھذا مبنی علی ما قال لہ الزیلعی تامل اھ (ص ۵۱۱ و ۵۱۲) اور امام زیلعی کا قول اوپر مذکور ہوچکا ہے کہ انکے نزدیک تفویض الی رای الامام مختار ہے اور شامی صـ۵۱۲ـ ج۔۳ میں ہے۔ قلت لکن المتبادر من العبارۃ ان المنصوص علیہ فی المذھب الثانی ثم رایت عبارۃ الواقعات عن القنیۃ ان ھذا ای ماروی عن ابی حنیفۃ من تفویض موتہ الیٰ رای القاضی نص علی انہ انما یحکم بموتہ بقضاء الخ۔ اس سے صاف ظاہر ھے کہ بصورت فقد فی المھلکۃ قضاء قاضی یا حکم امام ضروری ہے اس کے بغیر حکم بالموت نہیں ہوسکتا پس مجیب سلمہ کا یہ کہنا کہ یہ حکم بادشاہ یا امیر کیلئے خاص نہیں کسیطرح صحیح نہیں واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۰ رجادی الاولی ۱۳۴۱ھ

شوہر عنین کا حکم | (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و حامیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا لڑکا اور عمرو کی لڑکی کے درمیان قبل بلوغت شادی ہوئی اب زوجین سن بلوغ کو پہونچ گئے جسکو عرصہ چھ برس کا ہوا مگر ان دونوں میں کوئی سروکار نہیں ہے تحقیقات سے معلوم ہوا کہ لڑکا نامرد ہے عمرو ایسی حالت میں چاہتا ہے کہ دونوں میں علیحدگی ہوجائے مگر زید کا لڑکا بوجہ خفت طلاق دینا نہیں چاہتا ہے ایسی حالت میں

کیا کرنا چاہیئے مطابق شرع شریف حکم تحریر فرمایا جائے۔

المرسل۔ عبدالعظیم پارچہ فروش شہر آرہ چوک

الجواب:- صورت مسؤلہ میں لڑکی کو چاہئے کہ وہ حکومت میں استغاثہ کرے کہ میرا شوہر نامرد ہے اسلئے میں چاہتی ہوں کہ میرا مقدمہ کسی حاکم مسلم کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ شرعی حکم مطابق اس کا فیصلہ کر دے حاکم غیر مسلم کا فیصلہ اس صورت میں معتبر نہیں جب حکومت کی طرف سے کسی حاکم مسلم کے سپرد یہ مقدمہ کر دیا جائے تو عورت اسکے سامنے دعویٰ کرے کہ میرا شوہر نامرد ہے اسلئے میں اس سے علیحدگی چاہتی ہوں حاکم شوہر سے دریافت کرے اگر وہ بھی اپنے نامرد ہونیکا اقرار کرے تو حاکم اسکو پورے ایک سال شمسی کی مہلت دے جس میں عورت و مرد کے ایام مرض محسوب نہ ہونگے نہ وہ ایام محسوب ہونگے جن میں عورت شوہر سے بدون اسکے اذن کے غائب رہے اس سال کے اندر اندر اگر علاج وغیرہ کر کے ایک بار بھی شوہر نے بیوی سے صحبت کر لی تو پھر عورت کو اس دعویٰ جدائی کا حق نہ رہے گا اور اگر سال بھر وہ عورت کے پاس نہ پہونچ سکا اور صحبت نہ کرسکا اور اقرار کر لیا کہ میں نے اس عرصہ میں بیوی سے صحبت نہیں کی تو حاکم مسلم ان دونوں میں تفریق کر دے یعنی یہ کہدے کہ میں تم دونوں کا نکاح توڑتا ہوں حاکم کے اس کہنے سے عورت پر طلاق بائن واقع ہوجائیگی عدت کے بعد وہ دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے اور اگر شوہر نے اپنے نامرد ہونیکا اقرار نہ کیا بلکہ دعویٰ کیا کہ میں نے عورت سے وطی کی ہے تو حاکم مسلم معتبر دائیوں سے کہے کہ وہ لڑکی کو دیکھیں اور بتلائیں کہ وہ باکرہ ہے یا ثیبہ اگر وہ کہیں کہ لڑکی ثیبہ ہے تو پھر اس عورت کا دعویٰ جدائی صحیح نہ ہوگا اور اگر وہ باکرہ بتلائیں تو حاکم مسلم عورت کے دعویٰ کو صحیح سمجھکر شوہر کو ایک سال کی مہلت دیگا جیسا کہ اوپر گذرا اور سال تمام ہونیکے بعد اگر شوہر و عورت میں اختلاف ہوا عورت نے کہا کہ اس نے مجھ سے وطی نہیں کی اور مرد نے کہا کہ میں نے وطی کی ہے تو حاکم اس وقت بھی دائیوں سے کہیگا کہ وہ عورت کو دیکھیں اور دیکھکر بتلائیں اگر وہ کہیں کہ یہ ثیبہ ہے تو عورت کا دعویٰ جدائی صحیح نہ ہوگا اور اگر باکرہ بتلائیں تو حاکم مسلم عورت سے قسم لیکر ان دونوں میں تفریق کر دے تفریق کرنے سے عورت پر طلاق واقع ہوجائیگی اور عدت کے بعد دوسرے شخص سے وہ نکاح کرسکیگی

قال فی الفتاوی الحامدیة :۔ لا یفرق بینھما بمجرد دعواھا انه عنین مالم یثبت عنته باقرارہ او بقول النساء انھا بکر فیوجل من وقت المرافعة سنة کاملة ولا یحسب منھا ایام مرضه ولا مرضھا ولا ایام غیبتھا عنه ولو لحجھا او ھروبھا منه فان وطی والا بانت بالتفریق ان طلبت وتاجیل العنین لا یکون الا عند قاضی مصر او مدینة کما افتی بذالك الخیر الرملی ۱ھ (ص ۳۳ ج ۔ ۱) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد ۔ ۲۰ رجب سنہ ۴۱ھ

زوجہ مجنون کا حکم

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ آمنہ بنت حاجی عبدالغنی صاحب کا شوہر مسمّٰی اسماعیل عرصہ چار پانچ سال سے بالکل دیوانہ ہوگیا ہے بہت علاج معالجہ کرایا۔ لیکن اچھا نہیں ہوا اور نہ آئندہ امید ہے مسماۃ مذکورہ بالکل جوان ہے کیا ایسی صورت میں مسماۃ نکاح ثانی کرسکتی ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب تحریر فرمائیں بینوا توجروا۔

الراقم حاجی عبدالغنی صاحب از دیراول بندر کاٹھیاواڑ

الجواب :۔ صورتِ مسئولہ میں مسماۃ مذکورہ کے نکاح ثانی کی صرف ایک صورت ہے کہ کوئی مسلمان حاکم جو اس قسم کے مسائل کے فیصلہ کا اختیار حکومت کی طرف سے رکھتا ہو اپنے اختیار حاکمانہ سے تفریق کردے بعد تفریق حاکم مسماۃ عدت تین حیض پوری کرکے نکاح کرسکتی ہے اسکے بغیر کوئی صورت نکاح ثانی کی نہیں اور حاکم مسلم اس صورت میں ایک سال کی مہلت دینے کے بعد تفریق کرسکتا ہے اسکے بغیر نہیں۔

وفی العالمکیریة :۔ قال محمد ان کان الجنون حادثاً یؤجله سنة کالعنة ثم یخیر المرأۃ بعد الحول اذا لم یبرأ وان کان مطلقاً فھو کالجب وبه ناخذ کذا فی الحاوی القدسی ۱ھ (ص ۱۵۷ ۔ ج ۔ ۲) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنه

المقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۲۷ صفر سنہ ۴۳ھ

زوجۂ مفقود کے نکاح ثانی کی ایک صورت کا حکم

(سوال) ایک شخص اپنی بیوی کو گھر میں چھوڑ کر سفر میں چلا گیا تھا۔ برس دو برس کے بعد لگاتار دو تین

خبر اسکی موت کی آئی۔ پس اس کا ایک حقیقی بھائی تھا اس نے تیسری خبر کے بعد اس عورت کے ساتھ بعد انقضائے عدتِ موت نکاح کر لیا۔ پھر دو ایک برس کے بعد اس کا بھائی سفر سے بیماری کی حالت میں گھر آیا اور اپنی عورت کو اپنے پاس لے گیا مگر بسبب مرض کے اس سے ہم بستر نہ ہو سکا دو تین مہینہ کے بعد اسی بیماری میں اسکی موت واقع ہوئی اب اس صورت میں حکم شرعی کیا ہے ؟ اس عورت کو ناکحِ ثانی جو زوج اول کا بھائی ہے بغیر نکاح کے اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ صورتِ مسئولہ میں اگر مفقود کے بھائی نے نکاح اس وقت کیا ہے جبکہ متواتر خبر موت سے اسکو ظنِ غالب موت کا ہو گیا تھا تو اس صورت میں اسکو زوجہ مفقود سے نکاح کرنے میں گناہ نہیں ہوا اور اگر ان خبروں پر اسکو وثوق نہ تھا تو گناہ ہوا۔ بہر حال جب شوہر اول زندہ واپس آگیا تو معلوم ہوا کہ نکاح ثانی صحیح واقع نہ ہوا تھا لھذا اب شوہر اول کی موت کے بعد شوہر ثانی اس عورت سے بعد عدت نکاح کر سکتا ہے بدون تجدید نکاح کے اسکو نہیں لے جا سکتا اور اس وقت عورت کو پورا اختیار ہے کہ خواہ وہ شوہر ثانی سے نکاح کرے یا اسکے علاوہ کسی اور سے نکاح کرے شوہر ثانی نکاح ثانی کی وجہ سے اسکو اپنے ساتھ نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا کیونکہ علم حیاتِ مفقود سے وہ نکاح باطل و لغو ہو گیا وطی بالشبہ سے زیادہ اسکی کوئی حیثیت نہیں۔

فی الھندیۃ :۔ غاب من زوجتہ البکر سنتین فتزوجت وجاءت باولاد او نعی الیہا زوجہا فتزوجت بآخر فولدت فالولد عند الامام للاول نفاہ او ادعاہ او ادعاہ الثانی او نفاہ لاقل من ستۃ اشھر او اکثر من سنتین وللزوج الثانی ان یدفع الزکاۃ الیہم وتقبل شھادتہم لہ فی الوجیز للکردری وروی عبد الکریم الجرجانی عن ابی حنیفۃ ان الاولاد للزوج الثانی راجع الی ھذا القول وعلیہ الفتوی کذا فی التجنیس اھ (ص ۳۰ - ج - ۲) تعلم بطلاق النکاح الثانی بعلم حیاۃ الاول رأیؐ واما الاختلاف فی حکم الاولاد ورجوعہ الی انہا للثانی فلیجعل وطی الثانی وطی بشبہۃ ھذا واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۲۹ ؍ صفر ۴۳ھ

زوجۂ مفقود کے نکاح ثانی اور واپسی مفقود کی ایک صورت

(سوال) عمرو کو عرصہ تین چار سال کا ہوا کہ لاپتہ ہے اب عمرو کی منکوحہ خالدہ کے بسر اوقات کیلئے کوئی وسیلہ نہ رہا اسلئے خالدہ نے زید سے نکاح کر لیا کیا یہ نکاح صحیح ہے؟ —— بعدازیں دو ایک بچہ بھی زید کے یہاں بعد نکاح کے پیدا ہوئے اسقدر مدت گزرنے کے بعد عمرو بھی چلا آیا اس صورت میں عورت و بچہ کس کو ملینگے اور جسکو ملیں گے انکے لئے نکاح اوّل کافی ہے یا کہ نکاح ثانی کی ضرورت ہے؟

الجواب:- عمرو کا نکاح باقی ہے اور عورت اسی کی ہے دوبارہ نکاح کرنیکی ضرورت نہیں اور زید کا نکاح صحیح نہیں ہوا لیکن اولاد زید ہی کی ہے

کما فی الدر المختار:- (غاب عن امرأته فتزوجت بآخر وولدت اولاداً) ثم جاء الزوج الاول (فالاولاد للثانی علی المذهب) الذی رجع الیه الامام وعلیه الفتویٰ کما فی الخانیة والجوهرة والکافی وغیرها وقال الشامی تحت قوله (حکی اربعة اقوال) لان الولد للفراش الحقیقی وان کان فاسداً (الی ان قال): وانما وضع المسئلة فی الولد اذ المرأة ترد الی الاول اجماعاً اھ (ص ۱۰۳۸- ج ۲)-

وفی العالمگیریة:- (ص ۴۰ - ج -۲) غاب عن زوجته البکر سنتین فتزوجت وجاءت بالاولاد (الی ان قال) وروی عبد الکریم الجرجانی عن ابی حنیفة رح ان الاولاد للزوج الثانی ورجع الی هذا القول وعلیه الفتویٰ کذا فی التجنیس (الیٰ ان قال) ولو کان الاول حاضراً - والمسئلة بحالها فالولد للاول کذا فی الوجیز للکروزی —— قلت:- فما قال الشامی تحت قول الدر (فلا عدة فی باطل) اما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة ان علم انها للغیر الخ یحمل علی العلم الیقینی وهو منتف فی زوجة الغائب (المفقود) والله اعلم

اور عورت پر عدت بھی واجب ہے یعنی زوج ثانی (زید) سے علیحدگی کے بعد عدت گذرنے تک عمرو کو صحبت وغیرہ جائز نہیں

وان فرق لبعد الدخول کان علیها الاعتداد من وقت الفرقة

لامن وقت الوطی وکذا لوکانت الفرقۃ بغیر قضاء (قاضی خان ص۲۶۹ ج ۲)

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ
۵ ذی قعدہ ۴۳ھ

واللہ اعلم
عبدالکریم عفی عنہ
۵ ذی قعدہ ۴۳ھ

زوجۂ مجنون کا حکم

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ھندہ کا عقد نکاح دس سال کی عمر میں زید سے ہوگیا اور زید نکاح سے تقریباً عرصہ ایک سال کے بعد دیوانہ ہوگیا اور ابتک اسکی حالت بدستور خراب ہے اور بظاہر کوئی امید تندرست ہونیکی نہیں ہے نکاح کو ہوئے تقریباً عرصہ دس سال کا ہوگیا لڑکی کی عمر بیس سال ہے دوران شادی لڑکی صرف دس پانچ روز کیلئے شوہر کے مکان پر گئی تھی۔ باقی اس وقت اپنے والدین کے پاس ہے اور اس کے والدین ہی خورد و نوش وغیرہ کے کفیل ہیں اب ایسی صورت میں مسماۃ کا نکاح دوسری جگہ کردیا جائے یا نہیں؟ بعض علماء سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ایسے نکاح کو حاکم شرع سے فسخ کراکر دوسری جگہ نکاح کرسکتا ہے مگر یہاں کوئی حاکم شرع یا عدالت شرعی ایسی نہیں ہے جو فیصلہ مطابق شریعت کرسکے اگر کسی اسلامی ریاست کے قاضی شرع سے نکاح فسخ کرا دیا جائے تو نکاح فسخ ہوجائیگا۔ اسمیں کیا ہونا چاہئے۔ فقط عبدالشکور پٹواری بلند شہر بالائے کوٹ کھال منہاراں۔

تنقیح :۔ جنون زید کے بعد ھندہ نے نکاح زید میں رہنے پر رضامندی ظاہر کی تھی یا نہیں؟ اور اظہار رضامندی کے وقت ھندہ بالغ تھی یا نابالغ؟ مفصل لکھا جائے کہ ھندہ نے بعد جنونِ زید کیا کہا؟

جواب تنقیح :۔ ھندہ بوقت جنونِ زید نابالغ تھی اور جب بالغ ہوئی تو زید کے نکاح میں رہنے پر رضامندی ظاہر نہیں کی بلکہ اپنا عقد ثانی کرنا چاہتی ہے۔

الجواب :۔ اگر کسی اسلامی ریاست میں ھندہ اور شوہر مجنون مع اسکے ولی کے پہونچ جائیں اور ھندہ فسخ نکاح کا مطالبہ کرے اور قاضی فریقین کے سامنے عقد نکاح کو فسخ کردے تو فسخ ہوجائیگا۔ بشرطیکہ تاجیل عنین کے موافق ایک سال کی مہلت دینے کے بعد فسخ کرے۔

کما صرح فی العالمگیریۃ :۔ (باقی صرف ایک فریق کے جانے سے کچھ نہ ہوگا)

لان قضاء القاضی لا ینفذ فیما لیس فی ولایتہ واذا تحاکما وترافعا ای الخصمان کلاھما فقد دخلا فی ولایتہ - واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۵، شعبان ۴۳ھ

جس عورت کا شوہر غائب ہو اور نفقہ نہ بھیجتا ہو اس کا نکاح فسخ کرنا اور اسکے لئے عوام کی طرف سے قاضی مقرر کرنا۔

(سوال) حامداً ومصلیاً ومسلماً ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ:-

اندرینکہ در دیار ما اکثر کسان در رنگون وغیرہ رفتہ بعضے نکاح ثانی کردہ وبعضے با قلاشی وضیق دستی و شراب خوری مبتلا شدہ رخت اقامت می اندازند. برائے زوجہ ہائے آنان بوجہ خوراکی و پوشاکی چیزے نمی فرستند ونہ رجعت بسوئے خانہ ھائے می سازند ونہ طلاق می دھند وبعض در دیار خود سکونت ورزیدہ باز دواج زنی دیگر اوقات می گذارند وزن اول را نہ در خانہ دارے خود می آرند ونہ از زوجیت خود جدا می سازند پس بانو ہائے اوشان بجہت عدم حصول نفقہ وسکنیٰ والبسہ بیک قلم عاجزہ ومجبورہ گشتہ اکثر بفعل شنیع مثل زناکاری وپردہ دری مبتلا می شوند وبعضے با مرد دیگر از خانہ خود ہا بیرون شدہ بجرائم علانیہ گرفتار می گشتند پس اندریں صورت ہائے مذکورہ خاتون ہا بیچارہان راہیچ صورت مباینت ہست یانہ؟ وبوقت ضرورت شدیدہ بمذہب ومسلک امام دیگر عمل کردن جائز ہست یانہ؟ ودریں ریاست وحکومت نصاریٰ کہ قاضی شرعی مفقود ہست علماء محلہ را باتفاق ساکنان محلہ و باشندگان قریہ حسب قولِ فقہاء ویکون القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین مقرر کردہ تفریق بین اوشان میتواند کرد یانہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب ھو الموافق بالحق والصواب

درصورتِ مسؤلہ تفریق بین زوجین نزد امام ما جائز نیست کیف ما کان۔ کما فی الدر المختار: ولا یفرق بینھما بعجزہ عنھا بانواعھا الثلاثۃ الخ اما امام شافعیؒ وقتیکہ زوج معسر ومفلس باشد یا غائب گردد تفریق جائز داشتہ اند۔ کما فی فیھا ایضاً: وجوزہ الشافعیؒ باعسار الزوج وبتضررھا

ع کذا فی رد المحتار ص۲۴۲ ج ۱۔ تحت قول الدر باب الجمعۃ ولنصب العامۃ الخطیب۔ عبدالکریم

بغيبة و لو قضیٰ به حنفی لم ينفذ نعم لو امر شافعياً فقضیٰ به نفذ اذا لم يرتش الآمر و المامور بحر۔ و فی رد المحتار :۔ تحت قول الدر المختار : نعم لو امر شافعيا ثم اعلم ان مشائخنا استحسنوا ان ينصب القاضی الحنفی نائباً من مذهبه للتفريق بينهما اذا كان الزوج حاضراً۔ و ابی عن الطلاق لان دفع الحاجة الدائمة لا يتيسر بالاستدانة اذ الظاهر انها لا تجد من يقرضها و غنی الزوج مالا امر متوهم و التفريق ضروری اذا طلبته و ان كان غائباً لا يفرق لان عجزه غير معلوم حال غيبة ثم بعد نقل اختلاف الفقهاء ذكر والحاصل ان التفريق بالعجز عن النفقة جائز عند الشافعیؒ حال حضرة الزوج وكذا حال غيبة مطلقاً الیٰ قوله و ذكر فی الفتح انه يمكن الفسخ بغير طريق اثبات عجزه بل بمعنیٰ فقده و هو ان تتعذر النفقة عليها۔ و فی شرح الوقاية اما عند الشافعیؒ فالقاضی يفرق بينهما لانه لما عجز عن الامساك بالمعروف ينوب القاضی منابه فی التسريح بالاحسان و اصحابنا لما شاهدوا الضرورة فی التفريق لان دفع الحاجة الدائمة لا يتيسر بالاستدانة والظاهر انها لا تجد من يقرضها و غنی الزوج فی المال امر متوهم استحسنوا ان ينصب القاضی نائباً شافعی المذهب يفرق بينهما انتهیٰ۔

—— و بوقت ضرورتِ شدیده بر مذهب امام دیگر حنفی را عمل کردن جائز و درست است کما يفهم من رد المحتار حاشية الدر المختار : و ذكر ابن وهبان فی منظومته انه لو افتی بقول مالك فی الضرورة يجوز و اعترضه شارحها ابن الشحنة بانه لا ضرورة للحنفی الی ذالك و قال الشارح فی الدر المنتقی هذا ليس باولیٰ لقول القهستانی لو افتیٰ به فی موضع الضرورة لا بأس به علیٰ ما اظن انتهیٰ ملخصاً والله اعلم و هكذا فی النظم فلو افتیٰ به فی موضع الضرورة ينبغی لا بأس به علی ما اظن انتهیٰ —— و بناء بر قول فقهاء۔ و يصير القاضی قاضياً بتراضی المسلمين كما فی رد المحتار : اگر مسلمانان اتفاق شده عالمے متدین را قاضی مقرر سازند و فلوسے بوجه رشوت نه گیرد

وخالصۃً للہ تفرق کردہ دہند امید عند اللہ ماجور شوند۔ واللہ اعلم بالصواب و عندہ ام الکتاب۔ محمد عبد الحکیم غفرلہ الکریم۔

لیس للاحناف ان یفتوا بخلاف مذہب امامہم ولکن لما کانت الضرورۃ داعیۃ الیٰ رفع الحاجۃ الدائمۃ کما حررہ المجیب فینبغی للحنفی ان یفتی للتفریق بینہما دفعاً للضرورۃ الشدیدۃ۔ کتبہ العبد الضعیف الراجی الیٰ رحمۃ ربہ الودود ابو المحمود ومحمد عبد المعبود نکانوی الحنفی۔

لیس للمقلد ان یفتی بغیر قول امامہ وعند الضرورۃ ینبغی ان ینصب قاضیاً فی مذہبہ صورۃ واقعۃ فیقضی بما ہو واقع لہ وفیما لم یوجد قاض علی الوصف المذکور والضرورۃ داعیۃ فللحنفی ان یفتی بقول غیر امامہ دفعاً للحاجۃ: بندہ محمد ناظر غفرلہ

ان مست الحاجۃ کما حرر المفتی جداً فالحکم لغیر المذہب لرفع الضرورۃ ودفع الفتنۃ ہو عین اتباع المذہب کما لا یخفی علی ارباب الدرایۃ واللہ اعلم۔ عزیز الرحمٰن عفی عنہ از دار العلوم دیوبند۔

التنقید علی الجواب

فی رد المحتار بعد قولہ وان کان غائباً لا یفرق لان عجزہ غیر معلوم حال غیبتہ المذکورۃ فی الجواب وان قضیٰ بالتفریق لا ینفذ قضاءہ لانہ لیس فی مجتہد فیہ لان العجز لم یثبت اھ ونقل فی البحر اختلاف المشائخ وان الصحیح کما فی الذخیرۃ عدم النفاذ لظہور مجازفۃ الشہود کما فی العمادیۃ والفتح وذکر فی قضاء الاشباہ فی المسائل التی لا ینفذ فیہا قضاء القاضی ان منہا التفریق للعجز عن الانفاق غائباً علی الصحیح لا حاضراً اھ (ص ۱۰۸۰ ج-۲) پس مجیب نے "ثم بعد نقل اختلاف الفقہاء" میں ایک مختصر عبارت کے ذکر پر اکتفا کیا اور اس اختلاف فقہاء کو نقل نہ کیا اسمیں سوائے اس کے کیا مصلحت ہے کہ پوری عبارت نقل کرنے میں اپنے مدعا کے خلاف تصحیح صریح موجود تھی اسلئے مبہم لکھدیا تاکہ تصدیق کرنے والوں کو اس تحریر سے اتفاق ہوسکے۔ افسوس! کہ مجیب کی طرح مصدقین نے بھی اس عبارت متروکہ کی طرف خیال نہ فرمایا اگر اس عبارت کے

ترک سے اختصار مقصود تھا تو بعد نقل اختلاف الفقہاء کے ساتھ والصحیح عدم النفاذ بھی لکھدینا لازم تھا غرض یہ ہے کہ زوجہ غائب کی تفریق مذہب صحیح پر کسی طرح نہیں ہو سکتی باقی عاجز معسر کی زوجہ کے متعلق ضرورت شدید کے وقت قول " نعم لو امر شافعیاً فقضی بہ نفذ "، صحیح ہے ای بشرائطہ لیکن اس کے واسطے قاضی کی ضرورت ہے اور قاضی مقام سوال میں موجود نہیں اس واسطے یہ صورت بھی متصور نہیں اور مجیب نے جو صورت تحریر کی ہے کہ " یصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین "، وہ صحیح نہیں کیونکہ اس جزئیہ کو صورت مسئولہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ قول مذکور جمعہ کے باب میں ہے پوری عبارت شامی باب الجمعہ کی یہ ہے " فلو الولاۃ کفاراً یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین " اور دیگر کتب فقہ میں بھی ایسا ہی ہے پس اس " القاضی " میں لام عہد ہے یعنی قاضی جمعہ۔ اور صورت مسئولہ کو جمعہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں. لان الجمعۃ من العبادات والتفریق من المعاملات وشتان بینھما ــــ بلکہ فیصلہ کنندہ قاضی ہونے کیلئے حکومت کی طرف سے امر ضروری ہے صرف مسلمانوں کے تقرر وانتخاب سے قاضی نہیں ہو سکتا

کما فی العالمگیریۃ (ص۱۶۲ ج-۴) : اذا اجتمع اھل بلدۃ علی رجل و جعلوہ قاضیاً یقضی فیما بینھم لا یصیر قاضیاً واذا اجتمعوا علی رجل و عقدوا معہ عقد السلطنۃ او عقد الخلافۃ یصیر خلیفۃ وسلطاناً کذا فی المحیط اھ وقال العلامۃ الشامی فی کتاب القضاء :۔ تحت قول الدر : (ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر) ای الظالم وھذا ظاھر فی اختصاص تولیۃ القضاء بالسلطان ونحوہ کالخلیفۃ لو اجتمعوا اھل بلدۃ علی تولیۃ واحد القضاء لم یصح بخلاف مالو ولّوا سلطاناً بعد موت سلطانھم کما فی البزازیۃ۔ نھر وتمامہ فیہ۔ اور اسکے بعد گو علامہ موصوف نے فرمایا ھے ــــ قلت :۔ ھذا حیث لا ضرورۃ والا فلھم تولیۃ القاضی ایضاً کما یاتی بعدہ لیکن آگے چلکر درمختار میں بھی صرف تقرر والی وامام جمعہ کا ذکر ہے قاضی کا کوئی ذکر نہیں اور شامی نے بھی تاتارخانیہ و فتح القدیر سے جو عبارات نقل کی ہیں ان میں بھی براہ راست اہل اسلام کو اس کا اختیار نہیں دیا کہ معاملات کا فیصلہ کرنے والا قاضی

مقرر کر سکتے ہیں بلکہ صرف امام ذقاضی جمعہ ہی کا اختیار دیا ہے اور تقرر قاضی کی یہ صورت تجویز فرمائی گئی ہے کہ اول اہل اسلام کسی مسلمان کو والی بنادیں پھر وہ والی کسی کو قاضی کا عہدہ سپرد کرے۔ عبارات یہ ہیں۔

وفی الدر المختار :۔ ولو فقد والٍ لغلبة كفار وجب على المسلمين تعيين والٍ وامام للجمعة فتح (تاتارخانیہ) الاسلام ليس بشرط فيه اى فى السلطان الذى يقلد وبلاد الاسلام التى فى ايدى الكفرة لاشك انها بلاد الاسلام لا بلاد دار الحرب لانهم لم يظهروا فيها حكم الكفر والقضاة مسلمون والملوك الذين يطيعونهم عن ضرورة مسلمون ولو كانت عن غير ضرورة منهم ففساق وكل مصر فيه والٍ من جهتهم تجوز فيه اقامة الجمع والاعياد واخذ الخراج وتقليد القضاة وتزويج الايامى لاستيلاد المسلم عليه واما اطاعة الكفر فذاك مخادعة واما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع والاعياد ويصير القاضى قاضياً بتراضى المسلمين ويجب عليهم ان يلتمسوا والياً مسلماً منهم اه

وفی الشامية ايضًا :۔ وعزاه مسكين فى شرحه الى الاصل ونحوه فى جامع الفصولين (فتح القدير) واذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو فى بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين ان يتفقوا على واحد منهم يجعلونه والياً فيولى قاضياً او يكون هو الذى يقضى بينهم وكذا ينصبوا اماماً يصلى بهم الجمعة اه

کتب مذکورہ کے علاوہ دیگر کتب فقہ میں بھی بہت تلاش کیا گیا مگر امام جمعہ کے سوا براہ راست قاضی کا تقرر مسلمانوں کے سپرد ہونا کسی جگہ نظر سے نہیں گذرا سب یہی لکھتے ہیں کہ یا تو غیر مسلم حاکم کی منظوری سے نصب قاضی ہو سکتا ہے یا اول اہل اسلام کسی کو باقاعدہ قیود[ع] وشرائط کے ساتھ والی بنادیں پھر اس والی کی طرف سے تقرر ہو سکتا ہے۔ اور راز اس میں

ع قیود و شرائط بوقت ضرورت کتب فقہ میں ملاحظہ ہوں اس جگہ ایک شرط کا ذکر ضروری ہے وہ یہ کہ امیر و والی با اختیار و صاحب اقتدار ہو۔ دلیل اسکی یہ ہے کہ کتب مذہب میں امام کیلئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ معلوم ہوتا ہے کہ والی با اختیار کا تقرر ہونے کے بعد اگر کوئی اختلاف کرے تو وہ جرم بغاوت میں ماخوذ ہو سکتا ہے اور اگر تقرر قاضی من العامہ کے بعد کچھ لوگ اختلاف کرکے دوسرا قاضی مقرر کرلیں یا ویسے ہی اس قاضی کا حکم نہ مانیں تو اس کا کچھ علاج نہیں۔ پس اس سے واضح ہوگیا کہ قاضی کو براہ راست مقرر کیا جائے تو اسکو قوت تنفیذ حاصل نہیں ہو سکتی اور بلا قوت تنفیذ کسی کا نام قاضی رکھدینا محض بیکار ہے۔ لہٰذا جواب مولوی عبدالحلیم صاحب کا لکھا ہوا صحیح نہیں بلکہ سوال کا صحیح جواب یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں سے بعض صورتوں میں بوجہ قاضی نہ ہونے کے تفریق نہیں ہو سکتی اور قاضی خود مسلمان مقرر کریں تو وہ قاضی نہیں ہو سکتا اور بعض صورتوں میں قاضی کو بھی تفریق کا حق حاصل نہیں

(فائدہ) اس مختصر تحریر سے یہ تو واضح ہوگیا کہ روایات فقہ نصب القاضی من العامہ کی عدم صحت پر متفق ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

نعم التحقیق وبالقبول حقیق
اشرف علی ۲۶ رمضان ۴۲ھ

حررہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون ضلع مظفر نگر۔ ۲۴ رمضان ۴۲ھ

آخر الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ
۲۶ رمضان ۴۲ھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہ شرط مصرح ہے چنانچہ شرح عقائد میں ہے "سائسًا ای مالکًا للتصرف فی امور المسلمین بقوة رأیه وروینه ومعونة بأسه وشوكته قادرًا بعلمه وعدله وكفایته وشجاعته علی تنفیذ الاحکام وحفظ حدود دار الاسلام وانصاف المظلوم من الظالم۔ اور علت اسکی یہ لکھی ہے۔ اذ الاخلال بهذه الامور مخل بالغرض من نصب الامام اور ان اغراض کی مذمت لکھی ہے۔" والمسلمون لا بد لهم من امام یقوم بتنفیذ احكامهم واقامة حدودهم وسد ثغورهم وتجهیز جیوشهم واخذ صدقاتهم وقهر المتغلبة والمتلصصة وقطاع الطریق واقامة الجمع والاعیاد وقطع المنازعات الواقعة بین العباد وقبول الشهادات القائمة علی الحقوق وتزویج الصغار والصغائر الذین لا اولیاء لهم وقسمة الغنائم ونحو ذالك من الامور التی لا یتولاها احاد الامة اھ اور والی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حکم زوجۂ محبوس بحبس دوام

(سوال) کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ (۱) چودہ سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ زید ملک نیپال میں بجرم قتل عمد ماخوذ ہوا اور اب گذشتہ سال اسکو حبس دوام کی سزا ہوگئی اپیل میں بھی ناکامی ہوئی اور فیصلہ بحال رہا ابتک زید کی بیوی باوجود طرح طرح کی تکلیفوں کے صرف اس اُمید پر کہ شاید میرا شوہر رہا ہو جائے بیٹھی رہی لیکن اب جبکہ اسکی سزا ہو جانیکے باعث اسکی اُمید رہائی بالکل منقطع ہو چکی ہے تو زید کی بیوی کا مستقبل نہایت ہی تاریک نظر آتا ہے اور اسکو طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور اسکے میکہ والے بھی نان ونفقہ کا بار نہیں اُٹھا سکتے وہ سخت مصیبت میں ہے بیوی کی عمر ۲۵ ۲۶ رسال ہے اس کا شوہر زید جو ریاست نیپال میں حبس دوام کی سزا بھگت رہا ہے نہایت ہی شریر آدمی ہے اور باوجود سخت کوششوں کے بھی وہ طلاق دینے پر کسی طرح رضامند نہیں ہوتا، معاملہ چونکہ ایک دیسی ریاست کا ہے وہ بھی نیپال جیسی ریاست جہاں معمولی معمولی باتوں کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وامیر بھی انہیں اغراض کے واسطے مقرر کیا جاتا ہے اسواسطے قوت وشوکت امور متعلقہ کی تنفیذ پر شرط ہونا لازم ہے۔ کما لا یخفی علی من لہ ادنی فہم۔ اور سخت حیرت ہے کہ بعض لوگ اس شرط اعظم کو اڑاتے ہیں اور اسپر اس سے استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدا میں شوکت وغلبہ حاصل نہ تھا حالانکہ آپ اول ہی سے امام واجب الطاعۃ تھے ان حضرات کو اول تو یہ خیال فرمانا چاہئے کہ یہ زمانہ اجتہاد کا نہیں اور تصریحات مذہب کے بعد قیاس کا حق نہیں دوسرے یہ غور کرنا لازم ہے کہ انبیاء کرام مامور من اللہ ہوتے ہیں اور یہ گفتگو ھے منصوب من العباد میں ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں علاوہ ازیں ایک امر قابل توجہ یہ بھی ہے کہ اگر نصب امام ووالی کیلئے قوت وشوکت شرط نہیں تو کتب فقہ میں ایسے احکام درج کیوں کئے جن میں فقدان امام مفروض ہے بے ملکی نواب کے تقرر کا کیا شکل ہے جس کے نہ ہونے سے طرح طرح کے مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے اور علماء ھند ودیگر ممالک چین وغیرہ نے اسطرف التفات کیوں نہ کیا ایسا زمانہ تو کوئی آیا نہیں جس میں صرف زبان سے کسی کو امام یا والی وامیر کا خطاب دیدینا غیر ممکن ہو گیا ہو پھر علمائے اسلام بالخصوص مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ وغیرہ سلمہ اکابر کا اس فریضۂ مذہبی کو ترک کرنے میں کیونکر معذور ہو سکتے ہیں ایسی کھلی بات میں زیادہ گفتگو کرتے ہوئے شرم آتی ہے اس قدر تحریر کی بھی حاجت نہ تھی مگر ضرورت زمانہ نے مجبور کیا کہ غلط مسائل شائع ہو رہے ہیں اور انپر بلا سوچے سمجھے دلائل قائم کئے جاتے ہیں اسلئے بقدر ضرورت یہ مضمون حاشیہ پر لکھدیا ہے۔ فقط والسلام۔

فیصلہ کیلئے ایک طویل زمانہ درکار ہوتا ہے جس کا اندازہ اسی مقدمہ سے کیا جاسکتا ہے کہ چودہ سال میں زید کے مقدمہ کا فیصلہ ہوا اسلئے وہاں کے حکام کے ذریعہ سے زید سے جبراً طلاق حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہے اگر ایسی کوشش کی بھی جائے تو نتیجہ پیدا ہونے تک زید کی بیوی کی عمر تباہ ہو جائیگی اسلئے برائے کرم پورے غور وفکر کے بعد فرمائیں کہ آیا صورتِ مسئولہ مشرحہ میں زید کی بیوی بغیر طلاق کے نکاح ثانی کرسکتی ہے یا نہیں؟ اگر صورتِ مذکورہ میں عورت اپنا نکاح فسخ کراسکتی ھے تو اسکی شکل کیا ہوگی؟ جبکہ ہمارے یہاں انگریزی حکومت ھے اور زید ایک دیسی ریاست میں محبوس ھے

(۲) مسلمان کلکٹر ضلع یا مسلمان ڈپٹی کلکٹر قاضی تسلیم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟—

المستفتی۔ شیخ چھیدی عبدالحمید قصبہ لار محلہ دکن
ضلع گورکھپور۔ مرقومہ ۳ر جولائی ۱۹۲۷ء

الجواب:۔ یہ شخص مفقود نہیں کیونکہ مفقود وہ ہے جسکی موت وحیات کا علم نہ ہو اور اس شخص کی جگہ بھی معلوم ہے حیات بھی معلوم ہے لھذا یہ مفقود نہیں بلکہ ضار بغیبتہٖ ہے اور اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک فرقت بین الزوجین نہیں ہوسکتی اور امام مالکؒ کا قول چار سال کی مدت کا مفقود کے بارے میں ہے اور یہ شخص مفقود نہیں پس اس صورت میں امام مالکؒ کے نزدیک بھی وسعت نہیں لھذا زید کی بیوی بدون زید کی طلاق یا موت کے کسی دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی۔

قال فی الدر:۔ ولا یفرق بینھما بعجزہ عنھا بانواعھا الثلاثۃ (ای الماکول والملبوس والمسکن ۱۲۔ ش) ولا بعدم ایفائہ حقھا لوغائباً ولو موسرا (قال الشامی المناسب ولو معسراً) وجوزہ الشافعی باعسار الزوج وبتضررھا بغیبتہٖ ولو قضٰی بہٖ حنفی (ای علی الغائب) لم ینفذ لو امر شافعیاً تقضٰی بہٖ نفذ اھ (ص۱۰۷۹ ج۲)

وفیہ ایضاً:۔ فی باب المفقود۔ ھو شرعاً غائب لم یدرا حیٌّ ھو فیتوقع اُم میت اودع اللحد البلقع اھ قال الشامی عن البحر: فالمدار انما ھو علی الجھل بحیاتہ وموتہٖ لا علی الجھل بمکانہ اھ (ص۵۰۷ ج۳)

اور اس صورت میں عورت کو اور اسکے والدین کو اس مصیبت پر صبر کرنا چاہیئے

جیساکہ اس صورت میں صبر کرنے جبکہ لڑکی کا کسی جگہ سے پیغام ھی نہ آتا اور نکاح ہی نہ ہوا ہوتا۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۸ محرم الحرام ۴۶ھ

تفریق زوجہ مفقود کیلئے دارالاسلام میں قضاء قاضی شرط ہے اور یہ کہ چار سال کی مدت انتظار بعد رفع الی الحاکم سے شمار ہوگی، اور دارالحرب میں مالکیہ کا وہی مذہب ہے جو حنفیہ کا ہے۔

(**سوال**) مرجع العلماء جناب مولانا صاحب زید مجدھم ــ بعد تحفۂ تعظیمات معروض اینکہ۔ ھمارے فقہ کی کتب حنفیہ مثل جامع الرموز وغیرہ میں اور نیز حضرتِ بابرکت نے فتاوٰی امدادیہ میں افادہ فرمایا ہے کہ روز فقدان سے مفقود کی عورت بحکم حاکم مسلم زوج کو حکمی موت میں داخل کرکے عدت گذار کر نکاح کرسکتی ہے مگر مدونہ کبریٰ تصنیف امام مالک صاحبؒ جلد دوم ص۹۲ طبع مصری میں ھے کہ وہ چار برس بحکم حاکم گذرنے ضروری ہیں سوائے حکم حاکم کے مرور سنین کا کوئی اعتبار نہیں اگرچہ بیس برس گذر گئے ہوں وہ عبارت یہ ہے "ضرب اجل المفقود، قلت:۔ ارأیت امرأۃ المفقود اتعتد لاربع سنین فی قول مالک بغیر امر السلطان (قال) قال مالک: لا وان اقامت عشرین سنۃ ثم رفعت امرھا الی السلطان نظر فیھا وکتب الیٰ موضعہ الذی خرج الیہ فاذا یئس منہ ضرب لھا من تلک الساعۃ اربع سنین (سحنون) عن ابن وھب عن عبدالجبار بن عمر عن ابن شھاب ان عمر بن الخطاب ضرب للمفقود من یوم جاءت امرأتہ اربع سنین ثم امرھا ان تعتد عدۃ المتوفی عنھا زوجھا ثم تصنع فی نفسھا ما شاءت اذا انقضت۔ وقال ربیعۃ بن ابی عبدالرحمٰن: المفقود الذی لا یبلغہ السلطان ولا کتاب سلطان فیہ قد اضل اھلہ ومالہ فی الارض فلا یدری این ھو وقد تلوموا فی طلبہ والمسئلۃ عنہ فلم یوجد فذاک الذی یضرب الامام فیما بلغنا لامرأتہ الاجل ثم تعتد بعدھا عدۃ الوفاۃ اھ

زرقانی علی الموطا للامام مالکؒ میں بھی مرور چار سال بامر سلطان کو

ثابت رکھاہے اور یہی عبارت نقل کی گئی پس اب عرض یہ ہے کہ ہمارے فقہ حنفی میں مالکی مذہب کی نقل کرنے میں غلطی اور مسامحت کی ہے جیسا کہ صاحب جامع الرموز منتساح مشہور ہے اور غالباً اس مسئلہ میں سب کا پیشوا بھی وہی معلوم ہوتا ہے یا کوئی اور جواب ہو سکتا ہے جس سے کہ ہماری کتب حنفیہ کی نقل درست اور مرور چار برس کا روز فقدان زوج سے مراد ہو بامر سلطان یا نہ. بعض فضلاء رامپور وغیرہ فرماتے ہیں کہ جامع الرموز کا مطلق چار برس کا کہنا اگرچہ بغیر سلطانی امر کے ہو کتب مالکیہ کے خلاف ہے اور اپنے مذہب پر صاحب مذہب ہی کو پوری اطلاع ہوتی ہے نہ کہ غیر کو جیسا کہ ھدایہ میں نسبتِ حلتِ متعہ بطرف امام مالک۔ صاحبِ ح نسبت کرنا مخالف تھا کتب مالکیہ کے لھذا اکل احناف نے رد کر دیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب :۔ بے شک مذہب مالک کی نقل وہی معتبر ہے جو کتب مالکیہ میں موجود ہے مدونہ کی عبارت جیسا کہ سوال میں مذکور ہے اور میں نے خود بھی اسکو مدونہ میں دیکھا ہے اس امر میں صریح ہے کہ زوجۃ المفقود چار سال قضاء حاکم وامر حاکم کے بعد گذارے اس سے پہلے اس کا چار سال یا بیس سال گذارنا معتبر نہیں۔

وقال الحافظ ابن حجر فی الفتح ایضاً : ان مذهب الزهری فی امرأة المفقود انها تربص اربع سنین وقد اخرجه عبد الرزاق وسعید بن منصور وابن ابی شیبة باسانید صحیحة عن عمر وثبت ایضاً عن ابن عمر وابن عباس قالا تنتظر اربع سنین وثبت ایضاً عن عثمان وابن مسعود فی روایة وعن جمع من التابعین کالنخعی وعطاء والزهری ومکحول والشعبی واتفق اکثرهم علی ان التاجیل من یوم ترفع امرها للحاکم وعلی انها تعتد عدة الوفاة بعد مضی الاربع سنین ولم یفرق اکثرهم بین احوال الفقد الا ما تقدم عن سعید بن المسیب (قال اذا فقد فی الصف عند القتال تربصت امرأته سنة واذا فقد فی غیر الصف فاربع سنین) وفرق مالك بین من فقد فی الحرب فتؤجل الاجل المذکور (ای اربع سنین) وبین من فقد فی غیر الحرب فلا تؤجل بل تنتظر مضی العمر الذی یغلب علی الظن انه لا یعیش اکثر منه وقال احمد واسحق ان من غاب عن اهله فلم یعلم

خبرہ لا تاجیل فیہ و انما یؤجل من فقد فی الحرب و فی البحر او نحو ذالک
وجاء عن علی اذا فقدت زوجها لم تزوج حتی یقدم او یموت وقال عبد الرزاق
بلغنی عن ابن مسعود انہ وافق علیا فی امرأۃ المفقود انہا تنتظرہ ابداً ومن
طریق النخعی لا تزوج حتی ستین عمرہ وھو قول فقہاء الکوفۃ والشافعی
وبعض اصحاب الحدیث اھ (ص۳۸ ج ۹)

اس سے معلوم ہوا کہ زوجہ مفقود کیلئے ائمہ اربعہ میں سے امام احمد و مالک چار سال کے انتظار کے قائل ہیں۔ مگر دونوں کے نزدیک تاجیل امام شرط ہے بدون تاجیل امام کے چار سال گذرنا معتبر نہیں اور انکے نزدیک بھی تاجیل باربع سنین ہر مفقود کیلئے نہیں بلکہ مفقود فی الحرب ونحوھا کیلئے ہے اور مفقود فی غیر الحرب کیلئے وہ بھی امام ابوحنیفہ وشافعی کی طرح موت اقران کے قائل ہیں یہ تو اصل مسئلہ کی تحقیق تھی اور حضرت حکیم الامت نے اپنے فتاویٰ میں کسی جگہ قضاء قاضی کا مذہب مالک میں مشروط ہونا ضرور ظاہر فرمایا ھے جیساکہ مجھے یاد پڑتا ہے اور مصنفین حنفیہ کا اس شرط کو ظاہر نہ فرمانا یا تو بوجہ اختلاف روایات مالک کے ہے ممکن ہے کہ ان سے کسی روایت میں یہ شرط مروی نہ ہو جس سے حنفیہ نے اطلاق سمجھا اور مالکیہ نے دوسری روایت سے اسکو مقید سمجھا یا بوجہ قلت ممارست بفقہ مالک کے ھے اور حنفیہ کی طرح مالکیہ وشافعیہ وحنابلہ بھی حنفیہ کے مذہب کے بیان میں ایسی غلطیاں بکثرت کرتے ہیں کہ خاص کو عام مقید کو مطلق بیان کردیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ - ۲ ربیع الاول ۴۶ھ

قلت: والذی صرح بہ الشیخ حکیم الامۃ فی بعض فتاواہ ما نقلہ من
کتاب شرح الشیخ الدردیر علی مختصر الشیخ الخلیل فی المذھب المالکی و
نصہ ولزوجۃ المفقود الرفع للقاضی والوالی ووالی الماء وھو الساعی ای
جابی الزکوٰۃ والا فلجماعۃ المسلمین فیؤجل الحر اربعین سنین ان
دامت نفقتہا من مالہ والا طلق علیہ لعدم النفقۃ من حین العجز عن
خبرہ بالبحث عنہ فی الاماکن التی یظن ذھابہ لو لیہا فی البلدان بان
یرسل الحاکم رسولاً بکتاب الحاکم تلک الاماکن مشتمل علی صفۃ الرجل
وحرفتہ ونسبہ لیفتش عنہ فیہا ثم بعد الاجل الکائن بعد کشف الحاکم

عن امره ولم يعلم خبره اعتدت عدة كالوفاة (این حکم در دار الاسلام بود چنانچه درآں کتاب تصریح است وبعد چند سطر حکم مقابلش یعنی زوجہ مفقود در دار الکفر می آرد ھکذا) وبقيت زوجة الاسير وزوجة مفقود ارض الشرك للتعمير ان دام نفقتهما والا فلهما التطليق كمالو خشيا الزنا وهو (اى) التعمير سبعون سنة من يوم ولد اه ص۳۹۹ الى ص۴۰۱

وفى مقدمات ابن رشد القاضى المالكى فالمفقود هو الذى يغيب فينقطع اثره ولا يعلم خبره وهو على اربعة اوجهٍ مفقود فى بلاد المسلمين ومفقود فى بلاد العدو ومفقود فى صف المسلمين فى قتال العدو ومفقود فى حرب المسلمين فى الفتن التى تكون بينهم فاما المفقود فى بلاد المسلمين فالحكم فيه اذا رفعت امرأة امرها الى الامام ان يكلفها اثبات الزوجية والمغيب فاذا اثبت ذالك عنده كتب الى والى البلد الذى يظن انه فيه او الى البلد الجامع ان لم يظن به فى بلد بعينهٖ متبحثاً عنه ويعرفه فى كتابه اليه باسمه ونسبه وصفته ومتجره ويكتب هو بذالك الى نواحى بلدهٖ فاذا ورد على الامام جواب كتابه بانه لم يعلم له خبر ولا وجد له اثر ضرب لامرأته اجلا اربعة اعوام ان كان حرا او عامين ان كان عبدا ينفق عليها فيها من ماله وفى مختصر ابن عبد الحكم ان الاجل يضرب من يوم الرفع ص۱۱ قال: واما المفقود فى بلاد الحرب فحكمه حكم الاسير ولا تتزوج امرأته ولا يقسم ماله حتى يعلم موته او ياتى عليه من الزمان مالا يحىٰ الى مثله فى قول اصحابنا كلهم حاشا اشهب فانه حكم له بحكم المفقود فى المال والزوجة جميعًا واختلف فيمن ذهب فى البحر الى بلاد الحرب ثم فقد فقيل انه كالمفقود فى بلاد المسلمين لامكان ان تكون الريح قدرته الى بلاد المسلمين الا ان يعلم انه جاز فى بعض جهات الروم (مثلاً) ثم فقد بعد ذالك وقيل انه كالمفقود فى بلاد الحرب اه ثم فصل فى حكم المفقود فى صف المسلمين فى قتال العدو وفى القتال بين المسلمين وذكر ان فى ذالك روايات مختلفة ففى بعضها له حكم المفقود

فی دار الاسلام وفی بعضها له حکم المقتول فتتلوم امرأته سنة اونحو ذالک وفی بعضها له حکم الاسیر وقد تقدم واللّٰہ تعالیٰ اعلم ــــ قلت: وبہ تبین ان قول مالک فی المفقود کفو لنا فی غالب الاحوال الا فی الذی فقد فی دار الاسلام فیضرب لامرأته الاجل عنده بعد الرفع الی الحاکم من یوم الرفع او من یوم ورود جواب کتابه الی البلدان ولیس للمرأة عنده ان تنتظر اربعة اعوام بنفسها کما افتی بذالک بعض العلماء بالهند اخذا بقول مالک وهو خطأ صریح۔ واللّٰہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ ۷ ربیع الاول ۴۶ھ

حکم زوجۂ مجنون مفقود | (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بمبئی میں ایک شخص دیوانہ ہو گیا اور احمد آباد کے قریب میران داتار صاحب کا مزار ہے جہاں ایسے دیوانوں کو بغرض حصول شفا لوگ لیجاتے ہیں چنانچہ شخص مذکور دیوانے کی زوجہ اس دیوانے کو اپنے ہمراہ لیکر میران داتار صاحب کے مزار پر لیجانیکے واسطے ریل میں سوار ہو گئی راستہ میں عورت مذکور سو گئی جب بیدار ہوئی تو اپنے زوج دیوانے کو نہ پایا عورت نے پہلے تو خود بہت جستجو کی بعد ازاں انعامی اشتہار بھی چھپوایا بعد ازاں عورت کے اقارب نے اجمیر دہلی تک سفر کر کے بھی اس شخص دیوانے کی جستجو کی اس واقعہ کو تقریباً پانچ سال کا عرصہ ہو چکا ہے مگر ابتک اس شخص دیوانے کا کچھ پتہ نہیں ملا اب عورت مذکورہ چونکہ جوان بعمر ۳۰ سالہ ہے اور نان ونفقہ سے بھی تنگ ہے اس واسطے بصورتِ مذکورہ کسی دوسرے شخص سے وہ عورت نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

العبد ہاشم بن آدم کوسیٹی۔ العبد اسماعیل احمد۔ شاہد احمد بن محمد

الجواب:۔ نہیں کر سکتی البتہ اگر حکامِ انگریزی کسی مسلمان حاکم کو ایسے مقدمہ میں شرعی فیصلہ کرنیکا اور اس مفقود کے حکم بالموت کا اختیار باقاعدہ دیدیں تو پھر سوال کیا جائے اسکی تدبیر بتلائی جائیگی۔ اشرف علی

تتمہ سوال بالا

بعد از سلام مسنون عرض ہے کہ مفقود مذکور اور اسکی زوجہ ہر دو ریاست مانگرول کے رہنے والے ہیں بوجہ روزگار کے بمبئی میں رہتے تھے زوج کے مفقود ہونیکے بعد زوجہ

اپنے اصلی وطن مانگرول میں چلی آئی۔ اب عرض یہ ہے کہ یہاں کا رئیس مسلمان اور حاکم با اختیار ہے اپنے رعایا پر جو قانون چاہے نافذ کر سکتا ہے اور گورنمنٹ نے بھی حاکم مذکور کے اختیار مذکور کو تسلیم کیا ہوا ہے صرف سہولت کیلئے حاکم نے اپنے قلمرو میں قانون انگریزی کو جاری کر رکھا ہے اب حاکم مذکور مفقود مذکور کی نسبت (جو کہ علاقہ انگریزی میں مفقود ہوا ہے) حکم بالموت کر سکتا ہے یا نہیں؟ فتاوی امدادیہ ج ۳۔ ص ۸۰۔ سطر ۲ پس بناءً علیہ دریں ملک آں حکام کہ برائے ایں غرض از سرکار مامور کردہ می شود اگر مسلمان باشندہ در حکم قضاۃ ھستند مثل ڈپٹی وغیرہ نیز ص ۸۰۔ سطر ۲۲ اگر قاضی شرعی است کہ برائے فصل خصومات مقرر کردہ شد قضائش نافذ می شود نیز ص ۸۲ سطر ۱۳ صورت ثانیہ (یعنی جہاں کفار کی طرف سے حاکم مسلمان ہو) میں فسخ معتبر نہ ہوگا بینوا توجروا۔

الجواب من جامع امداد الاحکام

صورت مسئو لہ میں عورت اس واقعہ کا مرافعہ حاکم مسلم مانگرول کی عدالت میں کرے پھر حاکم مذکور کو چاہئے کہ مفقود کی تلاش و تفتیش کرے اگر مایوسی ہو جائے اور اسکے ظن غالب میں مفقود کی موت راجح ہو تو تاریخ مرافعہ سے چار سال کے بعد حکم بالموت کر سکتا ہے علی مذهب مالك و علی مذهبنا ايضا فان الزيلعی اختار تفويضه الی رای الحاکم (در ص ۵۱۱ ج ۳) — پھر حکم بالموت کے بعد چار ماہ دس دن عدت وفات کے پوری کرکے نکاح کر سکتی ہے۔ قلت: و لما كان المفقود فی وطنه فی ولاية هذا الحاكم المسلم يجعل كانه مفقود دار الاسلام و لو سلم انه مفقود دار الحرب فان الملك الحربی اذن له فی الحكم بين الناس الذين هم فی الاصل تحت ولايته وان سكنوا بلاد الحرب للكسب كما هو الظاهر من اصولهم والله اعلم۔

و فی المدونة: قال مالك، فی الاسير: يفقد فی ارض العدو انه ليس بمنزلة المفقود لانه فی ارض العدو وقد عرف انه قد اسر ولا يستطيع الوالی ان يستخبر عنه فی ارض العدو فليس هو بمنزلة من فقد فی ارض الاسلام اه (ص ۹۸ ج ۲)۔ قلت: وهل اذا كان فقد فی ارض الحرب وملكها مسالم للسلطان المسلم فهو كالاسير ام لا الظاهر الثانی لامكان

الاستخبار عنه فی ارض المسالمو واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ امدادیہ۔ ۱۱ رشوال ۴۶ھ

صورتِ تفریق زوجۂ عنین | (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ اندازاً تیرہ چودہ سال کا منقضی ہوا کہ محمد سعادت علی ساکن حال جہانگیر آباد بھوپال نے اپنی دختر کا عقد اپنے رشتہ دار نامی محمد وسیع ساکن ضلع میرٹھ سے کردیا تھا۔ اتفاق سے شوہر نامرد وعنین نکلا اس وجہ سے اسکو ندامت ہوئی اور وہ اپنے وطن چلا گیا۔ مدعیہ کے باپ نے بعد تین چار سال کے محکمہ قضا بھوپال میں چارہ جوئی بابت گلو خلاص کی محکمہ موصوف سے باضابطہ ذریعہ عدالت مافوق مدعا علیہ طلب کیا گیا مگر وہ باوجود طلبی اور تین چار سال گذر جانے کے حاضر نہ ہوا محکمۂ قضاء نے مقدمہ خارج فرمایا کہ بلا حاضری مدعا علیہ تصفیہ جدائی زوجین غیر ممکن ہے اور محکمہ افتاء بھوپال نے فتویٰ تحریر فرمایا کہ شریعت غرا دادرسی مظلومان وفیصلات خلائق ہر قسم سے کہیں عاجز نہیں اور علاج و غیر کی صورت میں علاج شرعی ہو سکتا ہے جو بذریعہ کتاب القاضی الی القاضی کے حسب معروض بالا کاروائیاں تکمیل ہو سکتی ہیں یعنی باضابطہ میعاد ایک سال دیکر اطلاع دیجائے اور بحالت عدم حاضری مدعا علیہ ھدایت جلد ۲ باب العنین جدائی ممکن ہے اسپر فرمانروائے بھوپال سے بنام قاضی صاحب بھوپال مکرر تحقیقات کا حکم فرمایا گیا قاضی صاحب سابق نے بعد ایک دو سال کے مکرر خارج فرمایا کہ بلا حاضری مدعا علیہ تصفیہ نہیں ہو سکتا مجبوراً باپ مدعا علیہ نے جابجا سے فتوے علماء دین سے حاصل کرکے خدمت میں قاضی صاحب حال پیش کی کہ جس میں یہ بھی تحریر تھا کہ مدعا علیہ کو باضابطہ میعادی ایک سالہ اطلاع دی جانے پر اور بحالت عدم حاضری مدعا علیہ علیحدگی زوجین بروئے شریعت شریف جائز ہے تب محکمہ قضا نے ذریعۂ اشتہارات واخبارات اعلان کیا اور ایک حکم باضابطہ اطلاعاً مدعا علیہ کو دیا کہ اگر اس مرتبہ مدعا علیہ حاضر نہ ہوا تو یہ سمجھا جائیگا کہ مدعا علیہ کو علیحدگی منظور ہے اور اُسے بروئے شریعت شریف حکم قطعی علیحدگی زوجین دیا جائیگا۔ تاہم مدعا علیہ اندر میعاد مقررہ حاضر نہ ہوا۔ بعد میعاد باپ مدعا علیہ کو بلوا لیا جائے۔ چنانچہ تب وہ حاضر ہوا اور ایک ھندو ڈاکٹر کا سرٹیفکیٹ بھی لاکر پیش کیا کہ میں اب اچھا ہوں۔ اس پر باپ مدعیہ نے جب کہا جناب کے سرٹیفکیٹ ڈاکٹر کافر کا شریعت غرا میں جائز نہیں بمقابلہ

تحقیقات شرعیہ کے اور جس حال میں آپ خود عالم وحاکم محکمہ قضا ہیں اور حکیم بھی ہیں مدعا علیہ کا معائنہ بھی کرا سکتے ہیں ایسی صورت میں یہ سرٹیفکیٹ کا فرکا دیا ہوا اور عدم موجودگی فریقین وعدالت کے حاصل کیا گیا ہے کب جائز سمجھا جا سکتا ہے اسپر قاضی صاحب نے بخیال دور اندیشی اہل برادری ہونیکے مقدمہ خارج فرما دیا اور مثل داخل دفتر فرما دی اور کوئی تصفیہ نہ فرمایا مدعا علیہ مع باپ کے واپس وطن خود چلا گیا اسی طرح زمانہ عقد سے اس وقت تک عرصہ چودہ سال کا ہوگا نہ تصفیہ کیا گیا نہ نان ونفقہ دیا گیا۔ اسی عرصہ میں والدین مدعا علیہ کا انتقال ہوگیا اور ماں مدعیہ کا انتقال ہوگیا صرف باپ مدعیہ جو ضعیف العمر بیکار خانہ نشین بیمار ھے اگر وہ بھی قضا کر گیا تو کوئی سرپرست مدعیہ کا نظر نہیں آتا ایسی صورت میں شریعت کیا حکم دیتی ہے کہ جس حالت میں مدعیہ کو نہ جانا منظور ہے نہ مدعا علیہ کو کوئی ضرورت لاحق ہوئی۔ جائے غور ھے۔ کہ اسقدر عرصہ گذر جانے پر اور جوانی مدعا علیہ اتر جانے تک کوئی برائی بھلائی یا خواہش تک نہ معلوم ہو جیسا زمانۂ ابتداء میں معصوم صفت نابالغ تھا تا این دم نابالغ موجود ہے اور نہ نان ونفقہ دے اگر دعویٰ نان ونفقہ کیا جائے تو یہ اندیشہ ھے کہ سابقہ دعویٰ پہ عرصہ چودہ سال کا گذر گیا دوبارہ پہ عمر نوح درکار ہے اس وقت بجز سرپرست وکفیل باپ خود مدعیہ کے کوئی دوسرا نظر نہیں آتا ایسی حالت میں بجز گلو خلاصی مدعیہ کیونکر اوقات بسر ممکن ہے اس واسطے براہ خدا ورسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جلد سے جلد اسبارہ میں فتویٰ مرحمت فرمایا جائے جو مدعا علیہ کو بھو نجکر مدعیہ وباپ مدعیہ جو چراغ سحر ہے تا وقت دعا گو رہیگی اور اللہ جل شانہ جزائے خیر دیگا واجب جان کر عرض کیا گیا۔

سائل۔ طفیل احمد برادر چچازاد مدعیہ ساکن جہانگیر آباد بھوپال

الجواب:۔ قال فی البدائع فی باب العنین: واذا ثبت (ای بعد التاجیل سنۃ) انہ لم یطأھا اما باعترافہ واما بظھور البکارۃ فان القاضی یخیرھا فان الصحابۃ رضی اللہ عنھم خیروا امرأۃ العنین ولنا فیھم قدوۃ فان شاءت اختارت الزوج الی ان قال فان اختارت المقام مع الزوج بطل حقھا ولم یکن لھا خصومۃ فی ھذا النکاح ابدا لما ذکرنا انھا رضیت بالعیب فسقط خیارھا وان اختارت الفرقۃ فرق القاضی بینھما کذا ذکرہ الکرخی ولم یذکر الخلاف وظاھر ھذا الکلام یقتضی انہ لا تقع الفرقۃ

بنفس الاختيار فی ظاهر الروایۃ (ای بعد تخییر القاضی ایاھا) ولا یحتاج الی القضاء کخیار المعتقہ وخیار المخیرۃ وروی الحسن عن ابی حنیفۃ انہ لا تقع الفرقۃ ما لم یقل القاضی فرقت بینکما وجعلہ بمنزلۃ خیار البلوغ ھکذا ذکر و ذکر فی بعض المواضع ان فی قول ابی حنیفۃ ما روی الحسن عنہ و ما ذکر فی ظاھر الروایۃ قولھما وجہ روایۃ الحسن ان ھذہ الفرقۃ بطلاق لا خلاف بین اصحابنا و انما المخالف فیہ الشافعی فانما فسخ عندہ والمسئلۃ ان شاء اللہ تعالیٰ تأتی فی موضعھا و القاضی یقوم مقام الزوج ولان ھذہ الفرقۃ یختص بسببھا القاضی وھو التاجیل لان التاجیل^ع لا یکون الا من القاضی فکذا الفرقۃ المتعلقۃ بہ کفرقۃ اللعان وجہ المذکور فی ظاھر الروایۃ ان تخییر المرأۃ من القاضی تفویض الطلاق الیھا فکان اختیارھا الفرقۃ تفریقاً من القاضی من حیث المعنیٰ لا منھا اھ (ص ۳۲۵ و ۳۲۶ - ج - ۲) قلت: وفیہ دلالۃ علی انہ لابد من تخییر القاضی للمرأۃ بین القیام مع الزوج والفرقۃ منہ اتفاقاً بین اصحابنا خلاف ما یوھمہ کلام الشامی فی ھذا المقام - وللہ در صاحب البدائع فما افصح بیانہ وما ابلغ کلامہ وان الخلاف فی انہ ھل یتوقف الفرقۃ بعد تخییر القاضی علی قولہ فرقت بینکما اولا فروایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ وھی التی اختارھا اصحاب المتون انہ لابد من تفریق القاضی بل تقع الفرقۃ باختیار المرأۃ نفسھا بعد ما خیرھا القاضی وھو المذکور فی ظاھر الروایۃ - واللہ اعلم

مسئلہ عنین میں قاضی کا مہلت دینا مرد کو اور مہلت دینے کے بعد عورت کو قیام مع الزوج اور آزادیٔ نفس میں مختار بنانا ضروری ہے اسکے بغیر عورت نکاح سے نہیں نکل سکتی پھر امام صاحب کے نزدیک قاضی کے اختیار دینے کے بعد جب عورت آزادیٔ نفس کو اختیار کرے قاضی کا یوں کہنا بھی ضروری ہے کہ میں نے تم دونوں میں تفریق کر دی

ع صرح بہ فی البحر والفتح والھندیہ ان تاجیل غیر القاضی باطل وکذا تاجیل المرأۃ - ظفر -

اور صاحبین کے نزدیک اسکے کہنے کی ضرورت نہیں بلکہ قاضی کے اختیار دینے کے بعد جب عورت اپنے نفس کی آزادی کو اختیار کر لے تو اسی طلاق پڑ جائیگی۔

چونکہ صورت مسئولہ میں قاضی سے عورت کو آزادی نفس اختیار کر لینے کا اختیار نہیں دیا نہ یوں کہا کہ میں نے تم دونوں میں تفریق کردی اسلئے ابھی تک یہ عورت شوہر کے نکاح میں ہے دوسرے کسی مرد سے نکاح نہیں کرسکتی فلتصبر ولتحتسب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۳ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ

رسالہ «غایۃ المقصود فی نھایۃ المفقود» تحقیق مذہب مالکؒ در زوجۂ مفقود

(سوال) کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی سید خانم صغر سنی میں محمد سرور ولد عبد الرحمٰن کو نکاح یعنی ایجاب وقبول کردی روبرو گواہاں کے بعد خطبہ اور نکاح کے محمد سرور کہیں چلا گیا ہے عرصہ قریباً چھ سال گذر چکے ہیں اسکے زندہ ہونے اور مرنے کی خبر کسی نے آجتک نہیں دی اور لڑکی اپنی جگہ کہتی ہے کہ والد نے مجھے قید کر دیا ہے کہ کہیں شادی بیاہ کر کے مجھکو نہیں دیا اور نہ دیتا ہے اور جوان چار پانچ سال کی ہوں اور نہ ہمارے خاوند مذکورہ نے کوئی خبر نیک وبد بھیجی ہے اور اسکے والدین روپیٹ کر صبر کر رہے ہیں اور ہم گرفتار والدین کے شرم وحیاء میں کب تک رہونگی یہ مشکل امر ہے بینوا توجروا فی الدارین۔

الجواب:۔ اگر مسماۃ سید خانم کا شوہر مفقود الخبر ہو گیا ہے اور کچھ پتہ اسکے مرنے، جینے کا نہیں ہے تو اسکو قاضی، اگر قاضی نہ ہو تو جماعت مسلمین، چار سال کی مہلت دیں اور شوہر کی تلاش میں کوشش کریں اگر اس عرصہ میں بھی شوہر کا پتہ نہ چلے تو چار سال کے بعد مسماۃ مذکورہ عدتِ وفات چار مہینہ دس دن پورے کر کے نکاح ثانی کو سکتی ہے بدون تاجیل قاضی یا جماعت مسلمین کے عورت کو نکاح ثانی کرنا جائز نہیں ہے اور یہ مذہب امام مالکؒ کا ہے حنفیہ نے بھی بضرورت اسپر فتویٰ دیا ہے

وفی المدونۃ الکبریٰ: قلت: ارأیت امرأۃ المفقود اتعتد بعد الاربع سنین فی قول مالک بغیر امر السلطان قال: قال مالک رحمہ اللہ: لا وان اقامت عشرین سنۃ ثم رفعت امرھا الی السلطان نظر فیھا وکتب الی موضعہ الذی خرج الیھا فان یئس ضرب لھا من

تلك الساعة اربع سنين الخ - والله اعلم

کتبہ مسعود احمد عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح

دارالعلوم دیوبند - ۱۸ محرم ۱۳۴۷ھ — محمد رسول خان عفی عنہ

(الكلام على الجواب المذكور)

سیدی ومولائی المحترم زادت معالیکم اقدم الی حضار الاعتاب تحیات منها سید الانام علیه وعلی آله افضل الصلوات واکرم التسلیمات من المفضل المنعام ومن بعد فابدی لسیادتکم ان العلماء ههنا کانوا یفتون الزوجة المفقود حسب ماذکره العلامة ابن عابدین بمذهب المالکیه کما افاده مولانا عبدالحی الکهنوی وحضرت مولانا الگنگوهی قدس الله سرهما العزیز فکانوا یقولون انه ان مضی علی فقده اربع سنین وتحقق الفقد حسب القواعد الشرعیة فلیحکم الحاکم الاسلامی اومن جعل حاکماً بالتحکیم بموت المفقود ویامر الزوجة ان تعتد عدة الوفاة ومثل هذا مذکور فی الفتاوی الامدادیة وکان مفتی هذه الدیار ویجاوز هذا ویفتی بان المسلمین اذا لم یجدوا حاکماً او محکماً کذالك فلیعملوا بفتوی الامام مالك من کبار انفسهم قد جری هذا العمل والفتوی الی ماشاء الله ثم احدث بعض العلماء ههنا تشدیداً فقال: اذا رفع امر زوجة المفقود الحاکم اوجماعة المسلمین فلیتفقدوا وانفقدا جدیداً فان لم یبین امره فلیوجل من بعد ذالك اربع سنین وان مضی قبل الرفع عشرون اواربعون سنة فاذا کملت المرأة مدة اربعین سنة تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج وقال: ان المذکور فی کتب المالکیة هکذا وقد عبارة المدونة کما هی مذکورة فی الجواب قدمت الی داعیکم هذه الفتوی للتصحیح فانکرتها ورأیت ان المدونة وان کانت من الکتب القدیمة المعتبرة لدی المالکیة ولکنها غیر مفتی بها لدیهم ولا یعتمد علیها من کل الوجوه وانما یعتمدون علی مختصر الخلیل وشرحه فینبغی ان ینظر الیه ویفتی به - قلت: ان الظن ان مراد صاحب المدونة ان امر المفقود لایتم شرعاً ای لا یتحقق فقده الشرعی الا بعد مساعی السلاطین ومن ناب منابهم فانهم فی الازمنة السالفة لدی قلة الوسائل لهم الذین کانوا قادرین علی معرفة المفقود حق المعرفة فالحاصل ان هذه القیود انما هی لتحقق الفقد فان ثبت الفقد فی زماننا الذی کثر فیه الوسائل ویقدر فیه احاد الناس علی ما کان لا یقدر علی مثله فی الماضی السلاطین والملوك فلا حاجة

حينئذ إلى التأجيل بعد رفع المسئلة و بعد مضى المدّة التى تطول على أربع سنين من لدن الفقد الشرعى ـ و كيف ما كان فإن المقصد من عبارة المدونة تحقيق الفقد فإذا ثبت الفقد الطويل قبل ذلك فلاحاجة حينئذ إلى التأجيل ثم على التسليم نقول إن الديار الهندية حيث كانت خالية عن السلطان الاسلامى و نائبه فانما يتيسر فيها الرفع بعده إلى جماعة المسلمين اذ آحادهم ولاشك أن المرأة رفعت أمرها إليهم منذ فقدت زوجها أو بعد مدّة يسيرة من حيث صاروا يفتقدونه بما تيسر لديهم فينبغى أن تعتبر المدّة منذ الافتقاد ثم بعد ذلك كله و تسليم الأمور بأجمعها صرحت المالكية أن المرأة إنما تؤمر با لتأجيل إن كان لديها نفقة من زوجها فأما إذا لم يكن لديها النفقة فليحكم عليها بالطلاق بمجرّد الرفع كما هو فى عبارة الخليل وشرحه فياسيدى إن المصائب التى تنزلت بالديار الهندية إنما ترجع عامتها إلى عدم النفقات وصعوباتها فح لاحاجة إلى التأجيل والانتظار الشديد و إنما احتجنا إلى مذهب مالك رحمه الله والافتاء به للضرورات الشديدة الحادثة فى زماننا ـ فالمرجو من مكارم أخلاقكم أن تنظروا إلى ما ذكر الداعى الحقير واطلعونا بما يلزم حتى نجرى التصحيحات والفتاوى بمقتضاها وهذه عبارة الخليل وشرحه :

فصل ولزوجة المفقود الرفع للقاضى والوالى و والى الماء وإلا فلجماعة المسلمين فيؤجل الحر أربع سنين ان دامت نفقتها والعبد نصفها من العجز عن خبره ثم اعتدت كالوفاة وسقطت بها النفقة ولا يحتاج فيها لاذن وليس لها البقاء بعدها و قدر طلاق بدخول الثانى فتحل للأول إن طلقها اثنتين فإن جاء أو تبين انه حى أو مات فكالوليين اه بقدر الحاجة ـ

وقال فى شرح الدردير: فصل لذكر المفقود وأقسامه الأربعة (قوله والمفقود) أى ببلد دار الاسلام بدليل ما يذكره فى غيره حرة أو أمة صغيرة أو كبيرة الرفع للقاضى والوالى أى حاكم السياسة و والى الماء وهو الساعى اى جابى الزكوٰة ان وجد واحد منهم فلجماعة المسلمين من صالحى بلدها و لها ان لا ترفع و ترضى بالمقام معه فى عصمته حتى يتضح امره أو تموت وظاهره انها مخيرة فى الرفع لاحد الثلاثة والنقل انها إن أرادت الرفع و وجدت الثلاثة وجب للقاضى فإن رفعت لغيره حرم عليها وصح و ان رفعت لجماعة المسلمين مع وجود القاضى بطل فان لم يوجد قاض فتخير فيها فان رفعت لجماعة المسلمين

مع وجودها فالظاهر الصحة فيؤجل الحر أربع سنين إن دامت نفقتها من ماله
وإلا طلق عليه لعدم النفقة ويؤجل العبد نصفها سنتين من حين العجز عن خبره
بالبحث عنه فى الأماكن التى يظن ذهابه إليها من البلدان بان يرسل الحاكم رسولاً
بكتاب لحاكم تلك الاماكن مشتمل على صفة الرجل وحرفته ونسبه - ليفتش عنه فيها
ثم بعد الأجل الكائن بعد كشف الحاكم عن امره ولم يعلم خبره اعتدت عدة كالوفاة
أى كعدة الوفاة للحرة بأربعة أشهر وعشر والأمة لشهرين وخمس ليال على ما
تقدم ولو غير مدخول بها لانه يقدر موته فلا نفقة لها فيها كما قال وسقطت بها
أى فيها اى العدة النفقة ولا تحتاج الزوجة فيها أى العدة بعد فراغ الأجل لإذن من
الحاكم لان اذنه حصل بضرب الأجل أولاً وليس لها البقاء أى اختيار البقاء فى عصمته
بعدها أى بعد الشروع فيها على المعتمد وبعد الفراغ اتفاقاً وقدر طلاق من المفقود
حين الشروع فى العدة يفيتها عليه يتحقق وقوعه بدخول الزوج الثانى عليها حتى لو
جاء الأول قبل دخول الثانى كان أحق وبعد الدخول بانت من الأولىٰ وتأخذ منه جميع
المهر وإن لم يكن قد دخل بها التشكيل تقدير هٰذا الطلاق بأنه لاحاجة له مع
تقدير موته وعدتها عدة الوفاة فتحل للأول وهو المفقود ان كان قد طلقها اثنين اه بقدر الحاجة
وقال فى بيان القسم الثانى من المفقود هو مفقود غير بلاد الاسلام
ما نصه وزوجته الاسير وزوجته مفقود ارض الشرك للتعمير ان دامت نفقتها
والا فلها التطليق كما لو خشيتا الزنا وهو أى التعمير أى مدته سبعون من يوم
ولد وتسميها العرب وقاقة الاعناق واختار الشيخان ثمانين وحكم بخمس وسبعين الخ
بقدر الحاجة - المتشبث بأذيال الكرام

احقر الطلبة حسين احمد غفرله من ديوبند

فى ۵ من صفر ۱۳۴۷ھ

الجواب عن مسئلة المفقود

من جامع إمداد الأحكام

أما بعد فإنى أحمد الله الكريم الذى لا إله إلا هو وأصلى وأسلم على سيدنا النبى

محمد سيد الرسل وخيره إليه من خلقه وعلى آله وأصحابه البررة الكرام إلى يوم القيامة -

وأما مسئلة زوجة المفقود فسمعت سيدى حكيم الأمة دام مجده وعلاه أنه راى فتوى بخط حضرة شيخ وقته مولانا الكنكوهى قدس الله سره وهو يعرف خطه حق المعرفة وهى منقولة بعد جوابى وفيها صرح الشيخ رحمه الله بكون ذلك مقيداً عـه بحكم الحاكم نعم قد اطلق القول فى ذلك مولانا عبد الحى رحمه الله فى فتاواه وقال: إن امرأة المفقود تتربص أربع سنين ثم تعتد بعد ذلك عدة الوفاة - ولنا فيه نظر لكون المدار فى ذلك على الافتاء بمذهب مالك وليس مذهبه كذلك مطلقاً كما صرح به فى المدونة وأما قولكم أطال الله بقاءكم ان المدونة وان كانت من الكتب القديمة المعتبرة لدى المالكية ولكنها غير مفتى بها الخ — فيخالفه قول الحافظ ابن حجر فى تعجيل المنفعة (صك) ولفه ليس الامر عند المالكية كما ذكر (الحسينى أن الموطا لمالك هو مذهبه الذى يدين الله به اتباعه ويقلدونه) بل اعتمادهم فى الأحكام والفتوى على مارواه ابن قاسم عن مالك سواء وافق ما فى الموطأ ام لا الخ ولا يخفى أن رواية ابن القاسم عن مالك هو ما فى المدونة لسحنون وأيضاً فإن عبارة المدونة صريحة فى أن امراة المفقود لاتعتد إلا أربع سنين فى قول مالك بغير أمر السلطان وإن أقامت عشرين سنة ثم رفعت أمرها إلى السلطان نظر فيها - وكتب إلى موضعه الذى خرج إليه فإذا يئس منه ضرب لها من تلك الساعة أربع سنين الخ صـ ٩٢ ج ١ - وعبارة مختصر الخليل وشرحه ليست بصريحة فى خلاف ذلك أنها لا تعتد إلا أربع سنين من وقت فقده لا من وقت الرفع وأما قولكم وكيفما كان فإن المقصد من عبارة المدونه تحقيق الفقد الخ فلا سبيل لنا إلى ذلك مالم ينص عليه الامام أو أحد من أصحابه لاحتمال أن يكون وجهه ذلك أن المعتبر هو الرفع الى السلطان دون غيره كما قال علماؤنا أن المعتبر من البينة واليمين ما

عـه فلينظر الفتوى التى رأيتموها للشيخ بالاطلاق هل هى مكتوبة بخطه أو خط غيره فإن المعتمد عليها هى التى تكون بخطه - منه

يكون منهما بين يدى القاضى فى مجلس حكمه دون ماسواه كيف لا و قد قال مالك رحمه الله و إن أقامت عشرين سنة ثم رفعت أمرها إلى السلطان نظر فيها الخ ولا يخفى أن بمثل تلك المدّة الطويلة لايكون الفقد خافياً على جماعة المسلمين من صالحى بلدها الذين تفقدوه بما تيسّر لديهم فلو كان الرفع إلى جماعة المسلمين معتبرًا عنده لم يقل ماقال لوجود الرفع الى الجماعة فى تلك المدة بلاشك و أما قولكم قد صرّحت المالكية أن المرأة إنماتؤمر بالتاجيل إن كان لديها نفقة من زوجها و إلا فيحكم عليها بالطلاق بمجرّد الرفع ففيه انالانذكر ذلك ولكن الكلام فى أن الحاكم عليها بالطلاق من هو والرفع المعتبر كيف هو والذى تحصل لنا من المدوّنة ان الرفع لا يعتبر إلا إلى السلطان (و فى حكمه نائبه) وهوالذى يوجل لها الاجل ويقع بانقضاءه الطلاق عليها والله أعلم و بعد ذلك كلّه فقد صرّح فى المدوّنة و فى المقدمات لابن رشد أن المفقود فى بلاد الحرب حكمه حكم الاسير لا تتزوّج امرأته ولا يقسم ماله حتى يعلم موته أو يأتى عليه من الزمان مالا يجيئ إلى مثله فى قول المالكية كلهم حاشا اشهب اه (ص$\frac{١٥٦}{ج-٢}$) فكيف يجوز الافتاء بأن تعتد الاربع سنين من وقت الفقد أو الرفع إلى جماعة المسلمين فى الهند مع كونها دار الحرب فليس ذلك من مذهب مالك فى شئ والذى ذكره فى مختصر الخليل وشرحه أن زوجة مفقود ارض الحرب إن لم يكن لها نفقة من زوجها فلها التطليق فهٰذا إذا كانت الزوجة فى دار الاسلام وفقد الزوج فى أرض الحرب كماهو ظاهر مماذكروه فى علة التعمير و اما إذا كان الزوج والزوجة كلاهما من اهل ارض الحرب فلم نر فيه نقلاً عن المالكية ولا يجوز الافتاء بالقياس فى مذهب الغير هذا فاللازم فى هٰذه المسئلة الاستفتاء من علماء المالكية بالحرمين فهم أعرف بمذهب مالك منّا معشر الحنفية فيستفسر عنهم حكم زوجة المفقود فى دار الحرب كالهند وهل يضرب لها الاجل أربع سنين ام لا تتزوّج حتى يأتى عليه من الزمان مالا يجئ إلى مثله و إن الرفع لا بد و ان يكون لدى القاضى أو الحاكم أو يكتفى إلى جماعة المسلمين او المحكم أيضاً فيفتى بمثل فتواهم - والله تعالى أعلم

حرره الاحقر خادمكم الاصغر ظفر احمد عفا عنه

۹ر صفر سنہ ۱۳۴۷ھ

التتمة الاولى : ثم راجعت شرح الزرقانی علی الموطأ وهو من متاخری المالکیة من اصحاب القرن الحادی عشر فوجدته قد قال فی شرح حدیث مالك عن یحیی بن سعید عن ابن المسیب ان عمر بن الخطابؓ قال : أیما امرأة فقدت زوجها فلم تدر أین هو فانها تنتظر أربع سنین الخ مانصه تنتظر أربع سنین من العجز عن خبره لأنها غایة أمد الحمل ولانها التی تبلغها المکاتبة فی بلاد الاسلام سیرًا ورجوعًا وضعف الأول بقول مالك لو أقامت عشرین سنة ثم رفعت یستأنف لها الأجل وبأنها إذا کانت صغیرة أو آیسة أو الزوج صغیرًا تضرب الأربع ولاحمل منها والثانی بقول مالك أیضًا تستأنف الأربع من بعد الیاس وانها من یوم الرفع ولو رجع الکاشف بعد سنة انتظرت تمام الأربع ولو کانت العلة کونها أمد الکشف لم تنتظر تمامها وقیل : لاعلة له إلا الاتباع واستحسن اھ (ص۵۷ ج۳)

قلت : وبهٰذا اظهر ضعف العلة التی ذکرتموها أن مراد المدوّنة ان امر المفقود لایتم شرعًا أی لا یتحقق فقده الشرعی الابعد مساعی السلاطین ومن ناب منابهم الخ بل الظاهر أن علة الاتباع لاغیر ـ وفی الزرقانی أیضًا : فی الفرق بین امرأة المفقود وبین التی بلغها طلاق زوجها وهو غائب أن الأولی تفوت علی الزوج الأول بدخول الثانی والثانیة لاتفوت بدخوله علی رای اللخمی وعلل الفرق بأنه لم یکن فی هٰذه (أی التی بلغها طلاق زوجها) أمر ولاقضیة من حاکم بخلاف امرأة المفقود اھ (ص۵۷ ج۳) وهٰذا یدلّ علی أن أمر الحاکم وقضیته فی امرأة المفقود أمرٌ متفق علیه عند المالکیة فان الفرق لایعلل إلاّ بالمتفق علیه کما هو ظاهر. والله تعالیٰ أعلم وهو أیضًا مقتضی القیاس ـ ففی الدر المختار : عن واقعات المفتین معزیًا للقنیة انه انما یحکم بموته بالقضاء لانه امر محتمل فما لم ینضم إلیه القضاء لایکون حجة اھ والقضاء الذی هو حجة إنما هو قضاء القاضی أو نائبه دون جماعة المسلمین من صالحی البلد کما لا یخفی فان جماعة المسلمین لا ولایة لهم علی أحد بخلاف القاضی او نائبه ـ

نقل جواب مسئلہ مفقود از حضرت مولانا گنگوہی جوکہ از قاضی عبدالحق حاصل شد وحضرت حکیم الامت خط مولانا شناختہ این فتویٰ را در امداد الفتاویٰ ملحق ساختہ ـ

یہ فتویٰ رسالۃ الامداد- ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ ج - ۶ ع ۱۰ ص ۲۲ میں طبع ہوچکا اور اس کا اصل مسودہ امداد الفتاویٰ قلمی میں موجود ہے۔

جس وقت سے کہ خبر زوج کی گم ہے کہ بعد تحقیق اس کا کہیں نشان نہیں ملا اس وقت سے کامل چار سال کر کے حاکم مسلمان تفریق کر دے بعد تفریق کے دس روز اور چار ماہ وہ عورت عدت کرے اور پھر نکاح دوسرے سے کر دیا جائے۔ یہ مذہب امام مالکؒ کا ہے اس پر فتویٰ اس وقت میں دیا جاتا ہے واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ گنگوہی

مہر

قلت : وفيه تصريح باشتراط قضاء القاضى للتفريق وبان الاربع سنين تبتدئ من وقت اليأس عن المفقود وبعد التفتيش عنه بقى ان هذا التفتيش يكفى من آحاد المسلمين اولابد من تفتيش الحاكم بعد المرافعة . فكلام الشيخ ساكت عنه و صرّح كلام المدوّنة بالشق الثانى ولم نر فى كتب المالكية مايخالفه صريحا فهو المعتمد حتى يحدث الله بعد ذلك أمراً - والسلام ظفر احمد عفا عنه

التتمة الثانية : فإن قيل : لو أقامت حكومة الهند لمسلميها قضاة مسلمين لفصل المقدمات التى يحتاج فيها إلى قضاء القاضى فهل لا يجوز لهؤلاء القضاة الحكم بمذهب مالك فى امرأة المفقود كما هو ظاهر ما ذكرته عن المدوّنة والمقدمات لابن رشد ان اعتداد الاربع سنين انما هو لزوجة مفقود دار الاسلام دون دار الحرب بل لها التعمير اى تربّص زمان لا يجئ إلى مثله وهو سبعون سنة - قلنا : لو وجد فى الهند قضاة مسلمون كما هو المسئول من الحكومة ونرجو الله تعالىٰ الظفر به فلا حاجة لنا إذن بالقضاء بمذهب مالك بل يقضى القضاة بمذهب أبى حنيفة المختار للزيلعى وهو أن ضرب الأجل فيه مفوض إلى رأى الامام ولا تقدير فيه فى ظاهر الرواية كما فى الينابيع قال فى الفتح : فأى وقت راى المصلحة حكم بموته (شامى ج۳ ص۵۱۱) وأيضا فعلّة الفرق بين مفقود دار الاسلام ومفقود دار الحرب عند مالك كونه فى دار العدو ولا يستطيع الولى

أن يستخبر عنه فى ارض العدو فليس هو بمنزلة من فقد فى دار الاسلام كما هو فى المدوّنة (ص ۹۸ ج-۲) واذا وجدت فى دار الحرب قضاة مسلمون انتفت علّة الفرق فالظاهر كون حكمهما سواء وأيضًا فما ذكرناه عن المدونة والمقدمات من الفرق بين مفقود دار الاسلام ودار الحرب صورته أن يكون المفقود فى ارض الحرب وزوجته فى دار الاسلام وأما إن كان كلاهما فى ارض الحرب فلم نجد فى ذلك نقلاً عن المالكية وأيضًا إذا قام ملك دار الحرب لأهلها المسلمين قضاة منهم فح لا يصح القول بكونها دار الحرب إلا على قول البعض وعند بعضهم تصير بذلك أرض الاسلام هٰذا- ولله الحمد على متواتر إحسانه والانعام وعلى سيدنا النبى محمّد صلى الله عليه وسلّم أفضل الصلاة وأزكى السّلام وعلىٰ آله وأصحابه البررة الكرام إلى يوم القيام بل إلى بقاء دار السّلام.

حکم زوجۂ مفقود وتحقیق مذہب مالکیہ سوال: سيّدى و مولائ المحترم- زادت معاليكم- أقدم إليكم تحيّات ستّها سيّد الانام عليه وعلى آله وصحبه الصّلوٰة والسلام و إظهار غاية الاشتياق للثم الأنامل والأقدام فالمعروض على سموّ مقامكم انى كنتُ أرسلتُ حسب الامر السامى استفتاء إلى علماء المالكية بالمدينة المنوّرة سابقًا فجاء الجواب المنسلك المطوى فى هٰذا الظرف فذلك مرسل إلى سيادتكم حتى تنظروا فيه فتفيدونا بما يلزم علينا لدى الافتاء وارسلوا لنا بعينه حتى يكون سندًا لدينا- هٰؤلاء يصرّحون بأن الحكم فى هذه الديار كالحكم بالديار الاسلامية للمفاقيد وازواجهم وحيث أن أكثر المفاقيد لا يتركون نفقة لازواجهم وفى غالب الاحيان يخشى عليهنّ من الفتن مالا يخفىٰ علىٰ مثل جنابكم فهل يصح ان يفتى بالتطليق ام لا؟ - حسين احمد غفرله

الجواب: از ناکارہ اشرف علی عفی عنہ بخدمت بابرکت مکرمی معظمی دام فیضہم۔ السلام علیکم زید عنایتہ، ۔ مجھ کو علم کافی تو کبھی بھی حاصل نہیں ہوا اور جب سے علم ظاہری کی خدمت سے محروم ہوں وہ ناتمام علم بھی اور زیادہ ناتمام ہو گیا اس لئے مولوی ظفر احمد کو سب سوال وجواب دیدئے ان کی تحریر پیش خدمت ہے اور وہ تحریر میرے بھی جی کو لگتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(بقیہ سوال بالا)

حیث أن ساداتنا الفقهاء افتوا بمذهب المالکیة فی زوجة المفقود لأجل الشدائد والفتن الواقعة فی زماننا وقد رأینا الافتاء بتربّص اربع سنین بعد العرض علی الحاکم أو جماعة المسلمین ثم تفتیشهم ثم حکمهم بالتربّص المذکور ثم عدّتها عدّة الوفاة ممّا لَا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ ولا یدفع المضرّة فلم لا یفتی بالتطلیق کما هو مصرّح فی کتب المالکیة ونصوصهم مقدمة بین أیدیکم.

سیّدی منذ مدّة مدیدة أشتهی الحضور علی الأعتاب ولکن الزمان لا یساعدنی حیث إن الأوان أوان آخر السنة والکتب إلی هٰذه الساعة لم تصل إلی نهایتها بل بقی لها مقدار عظیم - وبناء علیه یذهب الکثیر من الاوقات الخارجة فی التدریس حتی بعد العشاء ومع ذلك فان یسّر الله تعالیٰ أحضر لیالی الجمعة فی المستقبل وعلی الله التکلان والرجاء ان لا تنسوا اخویدمکم عن الدعوات الصالحة فانه فی غایة من الاحتیاج إلی دعواتکم وأنظارکم الفیحاء وتوجّه هممکم العالیة - لازلتم مرکز الآمال آمین

سائل بالا

الجواب : اس لطف وعنایت کا شکر گزار ہوں، گو شکر گزاری سے بھی معذور ہوں اور اس کے صلہ میں بجز دعاء کے کیا کر سکتا ہوں اگر معذور نہ ہوتا تو خود حاضر ہو کر شکر گزاری کرتا۔ آپ کی زیارت کو سعادت سمجھتا ہوں مگر کوئی حرج یا کلفت بھی گوارا نہیں اگر بدون اس کے مشرّف فرمایا جائے تو زہے قسمت۔ اگر وقت معلوم ہو جائے تو اسٹیشن پر حاضر ہوں اب تو بہت قریب ہو گیا ہے۔ باقی دعاء کی استدعا کرتا ہوں۔ والسّلام

اشرف علی

فتاوئ علماء مالکیہ از مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً ونوراً

متعلقہ زوجۃ المفقود

استفتاء

ما قول ساداتنا المالكية اطال بقاءهم و نفع المسلمين بعلومهم، آمين في هذه المسائل الآتية :

(١) امرأة مسلمة فقدت زوجها منذ سنين ولم يتبيّن امره مع كثرة التفتيش والتنقير هل يجوز لها بعد مضى أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج بزوج آخر أم لابدّ من رفع الأمر إلى الوالى أو الحاكم اوجماعة المسلمين ثم تفتيش ذلك المرفوع إليه فإذا يئس يحكم بعد ذلك بانتظارها أربع سنين فان لم يتبيّن تعتد عدّة الوفاة كما يفهم من المدوّنة ومختصر الخليل وشرحه للدردير أم كيف الحكم؟

(٢) هل يلزم حكم الحاكم أو حكم جماعة المسلمين لانتظار أربع سنين ام يصح ذلك بغير الحكم أيضًا؟

(٣) بلاد اسلامية استولى عليها الكفار منذ مدّة مديدة وفقدت مسلمة من أهلها زوجها فيها وليس هنالك حاكم اسلامى يفصل الاحكام حسب القوانين الشرعية فكيف السبيل لها هنالك؟ وفى أى قسم من الأقسام الأربعة المذكورة للمفقود فى مختصر الخليل يكون عداده؟ وهل يصح للمرأة هنالك بعد مضى أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج أم سبيلها التعمير فقط؟

(٤) هل الصورة الثانية للمفقود المذكورة فى مختصر الخليل تختص بامرأة كانت من سكان البلاد الاسلامية فذهب زوجها إلى البلاد الشركية ففقد هنالك ام تشتمل القاطنة بالبلاد التى استولى عليها الكفار وبالديار الحربية الأصلية أم كيف الأمر؟

(٥) المفقود عنها زوجها سواء كانت من البلاد الاسلامية أو الشركية اذا لم يترك زوجها عندها نفقة وهى فى غاية من الاحتياج والفاقة أو كانت بحيث يخشى عليها الفساد بالعزوبة كيف السبيل لها إذا أرادت التزوج أو أراد أهلها ذلك؟

(٦) المفقود عنها زوجها إذا لم يكن عندها النفقة وهى محتاجة او يخشى عليها من الفساد هل يصح تطليقها او فسخ نكاحها بغير حكم الحاكم الشرعى أم لابدّ من الحكم؟ وعلى الثانى كيف يعمل بالبلاد الاسلامية التى تغلب عليها الكفار؟ أفيدونا ولكم الاجر الجزيل.

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم - الحمد لله والصلاة والسلام على رسوله وآله أمّا بعد: فالجواب عن المسألة الاولىٰ هو ما فهمتم لازلتم من أهل الفهم من المدوّنة ومختصر الشيخ خليل من أن المفقود عنها زوجها لابد لها من احد الأمرين إما أن ترضى المقام مع زوجها المفقود أو تريد المفارقة فان أرادلها فلابدّ لها من رفع أمرها إمّا الى القاضى أو إلى الوالى أو إلى والى الماء وإن لم يوجدوا فلجماعة المسلمين من صالحى بلدها وجيرانها وإما انها تعتدّ أو تتزوّج برجل آخر من غير رفع أمرها إلى القاضى أو من ذكر فلا قائل بحلّيته وجوازه لما فيه مالا يخفى من الفساد ونصّ المدوّنة قلت: أى قال سحنون لابن القاسم أرأيت امرأة المفقود أتعتدّ الاربع سنين فى قول مالك بغير أمر السلطان؟ قال مالك: لا - قال مالك: وإن أقامت عشرين سنة ثم رفعت أمرها إلى السلطان نظر فيها وكتب إلى موضعه الذى خرج إليه فإن يئس منه ضرب لها من تلك الساعة أربع سنين، فقيل لمالك: أتعتدّ بعد الأربع سنين أربعة أشهر وعشرا عدّة الوفاة من غير أن يأمرها السلطان بذلك قال: نعم مالها وما للسّلطان فى الاربعة أشهر وعشر التى هى عدّة - ونصّ المختصر ولزوجة المفقود أشرح وهو من غاب فى بلاد الاسلام وانقطع خبره وأمكن الكشف عنه: الرفع للقاضى والوالى! ش! اى وحاكم البلاد و والى الماء الساعى لجلب الزكوٰة! وإلا فلجماعة المسلمين! ش! ولها عدم الرفع والبقاء فى عصمته حتى يتّضح أمره فيوجل الحرّ أربع سنين - وإن دامت نفقتها! ش! فان لم تدم نفقتها فلها التطليق بلا تأجيل وكذا إن خشيت على نفسها الفساد من يوم العجز عن خبره ثم اعتدت كالوفاة وسقطت بها النفقة ودليل ذلك ما رواه مالك عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب عن عمر بن الخطّاب رضى الله تعالىٰ عنه انه قال: أيّما امرأة فقدت

زوجها ولم تدر اين هو فانها تنتظر أربع سنين ثم تعتد أربع أشهر وعشرا ثم تحل وما روى ابن وهب عن عبد الجبار عن ابن شهاب أن عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه ضرب للمفقود من يوم جاءت اربع سنين ثم أمرها أن تعتد عدة المتوفى عنها زوجها ثم تصنع فى نفسها ما شاءت اذا انقضت عدتها وفى الحديث لا ضرر ولا ضرار.

اما المسألة الثانية فجوابها يعلم مما قبلها وهو قول مالك رح: لا تعتد الاربع سنين بغير امر السلطان ونص القاضى ابن فرحون فى كتاب تبصرة الحكام فى اصول الاقضية ومناهج الاحكام فى فصل ما يفتقر الى حكم الحاكم على ان التطليق على النائبين وغيرهم مما لا بد فيه من حكم الحاكم -

أما المسألة الثالثة: فجوابها والله اعلم أن المرأة المسلمة التى فقدت زوجها فى بلاد استولت عليها الكفار مدة مديدة كما فى مصر والشام والهند تعتد أربع سنين ثم تعتد عدة الوفاة أربعة أشهر وعشرا وزوجها يكون فى عداد القسم الأول من أقسام المفقود لانهم عرفوه بانه من غاب وانقطع خبره وامكن الكشف عنه وعرفوا القسم الثانى وهو المفقود فى ارض الحرب بانه من غاب وانقطع خبره ولم يمكن الكشف عنه لانه فقد فى ارض الحرب اما البلاد المذكورة وان كان حاكمها كافرا فلا تكون كأرض حرب من كل وجه لوجود قضاة المسلمين فيها وولاتها وامكان الكشف عنه فاتضح بهذا أن حكمها حكم من فقدت زوجها ببلاد الاسلام فلا تنتظر مدة التعمير -

وأما المسألة الرابعة: فيفهم جوابها مما قبلها أيضا وهو أنه لا فرق بين المفقود فى أرض الاسلام وبين المفقود فى البلاد المستعمرة لما قدمنا من وجود قضاة المسلمين فيها وولاتها وامكان الكشف عنه فعلى هذا لا تختص الصورة الثانية المذكورة فى المختصر بالمسلمة الكائنة فى بلاد الاسلام بل تشمل من كانت فى البلاد المستعمرة لكفار لما قدمنا من ان المراد بالشركية البلاد الحربية التى لا يمكن للمسلم الوصول اليها فلا تتمكن القضاة من التفتيش فيها لا مطلق البلاد الكفرية لانها ربما تكون مسلمة أو ذمية وأما القاطنة بالبلاد الشركية الحربية فحكمها هى وزوجها حكم المسبيين فيفديهما الامام من بيت المال ان كان والا فمن ماله بالغا ما بلغ والا فعلى جميع المسلمين.

وأما المسئلة الخامسة: فجوابها ان المفقود عنها اذا لم يترك لها نفقة واحتاجت

غاية الاحتياج اوخافت على نفسها الفساد ان لها التطليق بلا تأجيل كما هو مفهوم الشرط في قول الشيخ خليل في مسئلة المفقود وتوجل اربع سنين ان دامت نفقتها وقال شراحه قاطبة فان لم تدم نفقتها او خشيت الفساد فلها التطليق بلا تأجيل فترفع أمرها إلى الحاكم وتثبت عدم النفقة والاحتياج بما يثبت به فإما ان يطلق الحاكم بنفسه او يأمرها بالتطليق وهو قول الشيخ خليل فهل يطلق الحاكم أو يأمرها به ؟ قولان وأما ارادة اهلها تزويجها فلا عبرة به مالم تطلب الفراق بنفسها الا أن تكون سفيهة فيقوم وليها مقامها إذا تحقق لديه ضررها.

وأما المسئلة السادسة : فجوابها انه لا يحل لمن لم يكن عندها نفقة اومن خشيت الفساد من النساء ان تطلق نفسها قبل ثبوت ضررها عند الحاكم سواء عدم النفقة أوخشيت الفساد لما تقدم في الجواب عن المسئلة الأولى من جواب مالك وما تقدم في الجواب عن المسئلة الثانية : وهو قول قاضي المدينة ابن فرحون في تبصرته إن التطليق على الغائبين وغيرهم مما يفتقر إلى حكم الحاكم فلابد من ثبوت ضررها عند الحاكم فإما ان يطلق الحاكم واما ان يأمرها بتطليق نفسها وهو قولان مشهوران لكن القول الثاني أقوى لقول رسول الله صلى الله عليه وسلم لبريرة لما اعتقت أنتِ أملك بنفسك إن شئتِ أقمت مع زوجكِ وإن شئت فارقتيه.

وأما قولكم وعلى الثاني كيف يعمل فالجواب عنها ان أحكام قضاتهم نافذة ماضية وان كانت توليتهم الصادرة من الكفار بالملة وبهذا افتى الامام ابوعبدالله المازرى لما سئل عن احكام تأتي في زمنه من صقلية من عند قاضيها أوشهود عدولها فأجاب جواباً طويلاً إلى أن قال: وأما الوجه الثاني وهو تولية الكافر للقضاة والامناء لعجز الناس بعضهم عن بعض فقد ادعى بعض أهل المذهب أنه واجب عقلاً وإن كان باطلاً تولية الكافر لهذا القاضي إما بطلب الرعية له واقامته لهم لذلك فلا يطرح حكمه وينفذ كما لو ولاه سلطان مسلم. وفي كتاب الأيمان في مسئلة الحالف لأقضينك حقك إلى أجل أقام شيوخ المكان مقام السلطان عند فقده لما يخاف من فوات القضية وعن مطرف وابن الماجشون فيمن خرج على الامام وغلب على بلد فولى قاضياً عدلاً فأحكامه نافذة انتهى وفي كتاب بيان وجوب الهجرة للشيخ عثمان فودى الفلاتي المالكي - مانصه: وتولية

الکافر للقاضی باطلۃ ومع ذلك لا یقدح فی تنفیذ أحکامه اذ حجر الناس بعضهم عن بعض واجب وفی ذلك یقول الناظم :

تولیۃ الکافر للقضاۃ باطلۃ والحکم ذو اثبات لان حجر الناس بعضهم علی بعض محتم کما قد انجلی .

قلت : اقل أحوالهم أن یکونوا کالمحکمین أو بمنزلۃ جماعۃ المسلمین فقد تقدم ان المفقود زوجها ترفع أمرها للقاضی أو للوالی و إن لم یجدوا فلجماعۃ المسلمین ۔
والعلم عند اللہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وسلم

أمر بکتابته محمد الطیب ابن اسحاق الأنصاری

الجواب

فتویٰ مالکیہ مرسلہ کو دیکھ کر اس امر میں تو اطمینان ہوگیا کہ مالکیہ کے نزدیک دارالاسلام میں جماعۃ المسلمین اور جیران صالحین کی طرف مرافعہ بھی مثل مرافعہ الی السلطان کے ہے مگر کتبِ مالکیہ کی نصوص سے صراحۃً یہ معلوم ہو رہا ہے کہ مرافعہ الی السلطان او من فی حکمہ اور تطلیق و ضرب اجل زوجۂ مفقود دارالاسلام کے لئے خاص ہے اور زوجۂ مفقود ارض حرب کے لئے صرف تعمیر ہے ۔ اس کے بارہ میں مفتی مالکیہ نے فتویٰ مرسلہ میں محض اپنے قیاس سے بدون کسی نص مذہب کے حوالہ کے ہندوستان ، مصر و شام کو بحکم دارالاسلام قرار دیکر ان بلاد میں بھی نفقہ زوجہ مفقود کو مثل زوجہ مفقود دارالاسلام کے قرار دیا ہے پس اولاً تو آجکل کے علماء کا قیاس حجت نہیں ۔ دوسرے علت اس کی یہ بیان کی ہے ،، لوجود القضاۃ المسلمین فیھا وولاتھم وامکان الکشف عنہ ۔ اور علت ہندوستان میں مفقود ہے کیونکہ یہاں قضاۃ^{عہ} وولاۃ مسلمین موجود نہیں اور انگریزی عدالتوں میں جو حکام مسلمین موجود ہیں وہ مسئلہ مفقود وامثالہ من مسائل الطلاق والنکاح وغیرہ میں قانون انگریزی کے پابند ہیں قانون اسلامی کے موافق فیصلہ کے مجاز نہیں ۔ فوجودہم کالعدم ۔ البتہ اگر گورنمنٹ

عہ لا یقال العلۃ فی الاصل امکان الکشف وھی موجودۃ فی الھند وان لم یکن لنا فیھا قضاۃ وولاۃ مسلمون لانا نمنع امکان الکشف بدون القضاۃ والولاۃ فان العامۃ لا تیسر لھا من أسباب الکشف ما یتیسر للحکام کما لا یخفی فان عمال الحکومۃ إذا امروا بالکشف عن أحد ولو کان مختفیاً من کل وجہ یکشفونہ بالجھد البلیغ والعامۃ لا یجھدون ولو جھدوا لا یقدرون کما ھو شاھد ۔ منہ

ہندوستان میں بھی محکمہ قضا کو قائم کر دے اور قضاۃ کو ان مسائل میں قانون اسلام پر فیصلہ کا اختیار دے تو پھر بے شک ہندوستان کے مفقود کو بحکم مفقود دار الاسلام کہنا صحیح ہوگا پس ہندوستان میں مذہب مالکؒ کے موافق زوجہ مفقود کے لئے تطلیق وضرب اجل متصور نہیں وهذا ما قلناه قبل و نشكركم على ما مننتم به علينا من تجشم الاستفتاء من مالكية الحرم النبوى لازلتم عونا للمسلمين وغياثاً للمسترشدين ۔ والسلام

حررہ خویدمکم ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خانقاہِ امدادیہ

۲۵ر جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ

(نوٹ) اس کے بعد مولانا حسین احمد صاحبؒ نے مالکیہ کے دوسرے فتاویٰ بھیجے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں ۔ ظفر

استفتاء

بسم الله الرحمن الرحيم ۞

ماقول سادا تنا المالكية اطال الله بقاءهم ونفع المسلمين بعلومهم في هذه المسائل الآتية :

(۱) امرأة مسلمة فقدت زوجها منذ سنين ولم يتبين امره مع كثرة التفتيش والتنقير هل يجوز لها بعد مضى أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج بزوج آخرام لابد من رفع الامر الى الوالى أو الحاكم أوجماعة المسلمين ثم تفتيش ذلك المرفوع اليه فاذا يئس يحكم بعد ذلك بانتظارها أربع سنين فان لم يتبين تعتد عدة الوفاة كما يفهم من المدونة ومختصر الخليل وشرحه للدردير أم كيف الحكم؟

(۲) هل يلزم حكم الحاكم اوحكم جماعة المسلمين لانتظار اربع سنين ام يصح ذلك بغير الحكم ايضاً؟

(۳) بلاد اسلامية استولى عليها الكفار منذ مدة مديدة وفقدت مسلمة من اهلها زوجها فيها وليس هناك حاكم اسلامى يفصل الاحكام حسب القوانين الشرعية فكيف السبيل لها هناك؟ وفى أى قسم من الاقسام الاربعة المذكورة للمفقود فى

مختصر الخليل يكون عداده ؟ وهل يصح للمرأة هناك بعد مضى اربع سنين ان تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج أم سبيلها التعمير فقط ؟

(٤) هل الصورة الثانية للمفقود المذكورة فى مختصر الخليل تختص بامرأة كانت من سكان البلاد الاسلامية فذهب زوجها إلى البلاد الشركية ففقد هناك أم تشمل القاطنة بالبلاد التى استولى عليها الكفار وبالديار الحربية الاصلية أم كيف الأمر ؟

(٥) المفقود عنها زوجها سواء كانت من البلاد الاسلامية أو الشركية اذ لم يترك زوجها عندها نفقة وهى فى غاية من الاحتياج والفاقة أو كانت بحيث يخشى عليها الفساد بالعزوبة كيف السبيل لها إذا أرادت التزوج أو أراد أهلها ذلك ؟

(٦) المفقود عنها زوجها اذا لم يكن عندها النفقة وهى محتاجة أو يخشى عليها من الفساد هل يصح تطليقها أو فسخ نكاحها بغير حكم الحاكم الشرعى أم لابدّ من الحكم وعلى الثانى كيف يعمل بالبلاد الاسلامية التى تغلّب عليها الكفار؟ أفيدونا ولكم اجر الجزيل

فتوىٰ علامہ سعید بن صدّیق مالکی مفتی مالکیہ مدینہ منورہ

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

(١) الجواب، والله أعلم بالصواب ومن فضله نرتجى الثواب هو أنّ نصوص المذهب مطبقة على أن المفقود على ستّة أقسام كما ستمرّ مفصلة الأحكام وعلى أن زوجته لابدّ لها من الرفع إلى القاضى أو الوالى أو من يقوم مقامهما عند عدمهما من والى الماء أو جماعة المسلمين لأنهم يقومون مقام الحاكم العدل عند عدمه ولكن عند وجود الثلاثة لا ترفع إلا للقاضى فان رفعت لغيره مع التمكّن من الرفع له حرم عليها ذلك وان مضى ما فعله ان كان

هو الوالى لا جماعة المسلمين . هذا ما يظهر من كلام ابن عرفه كما قاله الاجهورى وأمّا لو رفعت لجماعة المسلمين مع وجود الوالى فالظاهر مضى فعلهم وفى النهورى وتبعه اللقانى أن ظاهر كلام خليل ان الثلاثة فى مرتبة واحدة الا أن القاضى أضبط ووجود القاضى أوغيره ممن ذكر مع كونه يجور أو ياخذ المال الكثير بمنزلة عدمه فترفع لجماعة المسلمين من صالحى جيرانها وعدولهم وغيرهم لانهم كالامام عند عدمه وما يفهم من تعبيرهم بجماعة المسلمين ان الواحد لا يكفى وكذا الاثنان وبه صرّح الاجهورى فعلم أنها إن أرادت الرفع فى شان زوجها ووجدت الثلاثة وجب الرفع للقاضى فان رفعت لغيره حرم وصح و ان رفعت لجماعة المسلمين لم يصح وإن لم يكن قاضٍ خُيّرت فيهما فان رفعت لجماعة المسلمين صحّ على الظاهر وان لم يوجد واحد من الثلاثة رفعت لجماعة المسلمين . وأهلها منهم وكذا القضاة والأمناء المولون للأحكام من الكفار المستولين على بلاد المسلمين لعجز الناس بعضهم عن بعض وقد ادعى أهل المذهب أنه واجبٌ عقلاً وإن كان باطلاً تولية الكافر لهؤلاء القضاة إمّا بطلب الرعية له أو إقامته لهم للضرورة لذلك فلا يطرح حكمهم بل ينفذ كما لو ولأهم سلطان مسلم فتمضى أحكامهم للضرورة و لئلا يزهد الناس فى قبول توليتهم فتضيع الحقوق وفى كتاب الايمان فى مسئلة الحالف ليقضينّك حقك إلى أجل أقام شيوخ المكان مقام السلطان عند فقده لما يخاف من فوات القضية وعن مطرف وابن الماجشون فيمن خرج على الامام وغلب على بلد فولّى قاضياً عدلاً فأحكامه نافذة وقال ابن عرفة : لم يجعلوا قبول الولاية للمتقلب المخالف للامام جرحة لخوف تعطيل الاحكام .

(٢) واما المفقود فى بلاد الاسلام فقد عرفه ابن عرفة بقوله هو من انقطع خبره ممكن الكشف عنه فالاسير ونحوه ممن لا يمكن الكشف عنه لا يسمّى مفقوداً فى إصطلاح الفقهاء فالمفقود فى بلاد الاسلام فى غير مجاعة ولا وباء إن لم ترض زوجته بالصبر إلى قدومه فلها أن ترفع أمرها إلى الخليفة أو القاضى أو من يقوم مقامهما فى عدمهما ليفحصوا عن حال زوجها بعد أن

تثبت الزوجية و غيبة الزوج والبقاء فى العصمة الى الآن وإذ اثبت ذلك عندهم كتبوا كتاباً مشتملاً على اسمه ونسبه وصفته إلى حاكم البلد الذى يظنّ وجوده فيه وإن لم يظن وجوده فى بلد بعينه كتب إلى البلد الجامع واستصوب ابن ناجى ان أجرة الرسول الذى يفحّص عن المفقود على الزوجة فاذا انتهى الكشف ورجع إليه الرسول وأخبره بعدم وقوفه على خبره فالواجب أن يضرب له أجل أربع سنين للحر وسنتان للعبد وهذا التحرير محض تعبد لفعل عمر بن الخطّاب وأجمع عليه الصحابة ومحل التأجيل المذكور إن كان للمفقود مال تنفق منه المرأة على نفسها فى الأجل ويزاد على ذلك عدم خشيتها الزنا بلاولى لشدّة ضرر ترك الوطئ الناشئ عن الزنا ألا ترى أنها لو أسقطت النفقة على زوجها يلزمها الاسقاط وإن أسقطت عنه حقها فى الوطء لايلزمها ولها أن ترجع فيه وأيضًا النفقة يمكن تحصيلها من غير الزوج بتسلف ونحوه بخلاف الوطء وإن دامت النفقة ولم تخش الفتنة فيؤجل الاجل المذكور من يوم ترفع ذلك للحاكم ويرسل فى النواحى للكشف عنه ولا يضرب له الاجل بمجرّد الرفع بل بعد تمام الكشف وإلى جميع ماسبق اشار خليل بقوله ولزوجة المفقود الرفع للقاضى والوالى ووالى الماء وإلّا فلجماعة المسلمين فيؤجل أربع سنين إن دامت نفقتها والعبد نصفها من العجز عن خبره ثم اعتدت كالوفاة وهى أربعة أشهر وعشراً للحرّة وشهران وخمس ليال مع أيامها إن كانت رقيقة ويلزمها مايلزم المتوفّى عنها من الاحداد زمن عدّتها ولا نفقة لها زمن عدّتها وأمّا فى مدّة الاجل فتنفق من مال الزوج وإليه أشار خليل بقوله وسقطت بها النفقة وليس لها البقاء بعد انقضاء العدّة فى عصمة المفقود لأنها أبيحت لغيره ولا حجّة لها فى أنه أحق بها ان قدم لأنها على حكم الفراق حتى تظهر حياته إذ لو ماتت بعد العدّة لم يوقف له إرث منها واما إن لم يكن له مال فلها التطليق عليه بالاعسار من غير تأجيل لكن بعد اثبات ما تقدّم تزيد اثبات العدم واستحقاقها للنفقة وتحلف مع البيّنة الشاهدة لها أنها لم تقبض منه نفقة هذه المدة ولا اسقطتها عنه وبعد ذلك يمكنها الحاكم من تطليق نفسها بأن توقعه ويحكم به أو يوقعه الحاكم ومثل المفقود من علم

موضعه وشكت زوجته عدم النفقة يرسل إليه القاضى إما أن تحضر أو ترسل النفقة أو تطلقها و إلا طلقها الحاكم بل ولو كان حاضرًا وعدمت النفقة ثم بعد الطلاق تعتد عدة الطلاق بثلاثة أقراء للحرّة وقرئين للأمة فيمن تحيض و إلا فثلاثة أشهر للحرّة والزوجة الأمة لاستوائهما فى الأشهر.

(٣) واما زوجة مفقود ارض الشرك ومثلها زوجة الاسير فانهما يبقيان لانقضاء مدة التعمير ووالى مالهما واختلف فى قدرها فقيل سبعون سنة وهو قول امام مالك وابن القاسم واشهب قال القاضى عبد الوهاب هو الصحيح و قيل ثمانون سنة وحكم بخمس وسبعين سنة وانما لم يضرب لهما اجل كزوجة مفقود ارض الاسلام لتعذّر الكشف عن زوجيهما ومحل بقائهما إن دامت نفقتها كغيرها و إلا فلهما التطليق وأمّا زوجة المفقود فى القتال الواقع بين المسلمين والكفّار فإنّها تعتد بعد مضى سنة كائنة بعد الفحص عن حاله وأما زوجة المفقود فى معترك المسلمين فتعتدّ بعد الفراغ من القتال والاستقصاء فى الكشف عنه ولا يضرب لها أجل لأنه يحمل امره على الموت ولذلك يقسم ماله حين شروعها فى العدّة أمّا لو شهدت البيّنة على أنه خرج من الجيش ولم نشاهده فى المعترك فانه يكون كالمفقود فى بلاد المسلمين فيجرى فى زوجته ما تقدّم وأمّا زوجة المفقود فى زمن المجاعة أو الوباء او الكبة او اسعال فتعتدّ بعد ذهاب ذلك المرض وبقى من شك فى حاله هل فقد فى بلاد المسلمين أو الكفار لا نصّ فى حاله. قال الاجهورى: وينبغى العمل بالأحوط فتعامل زوجته معاملة زوجة مفقود ارض الشرك بخلاف من سافر فى البحر فانقطع خبره فسبيله سبيل المفقود إلا أن يكون فقد فى شدّة ريح والمراكب فى المرسى ولم يتبيّن له خبر فيحكم بموته لغلبة الظن بغرقه - هذا ملخص أحكام المفقود بأقسامه.

حرره ٧ جمادى الاولى سنة ٤٧ه

سعيد بن صديق أحسن الله إليه فى الفانية والدائمة

ومنّ عليه وعلى المسلمين بحُسن الخاتمة

سعيد بن صديق مهر

فتوى علامه محمد الفا هاشم مالکی مفتی مالکیه مدینه منوره

استفتاء

بسم الله الرحمن الرحيم

ماقول ساداتنا المالكية أطال الله بقاءهم ونفع المسلمين بعلومهم فى هذا المسائل الآتية :

(١) امرأة مسلمة فقدت زوجها منذ سنين ولم يتبين أمره مع كثرة التفتيش والتنقير هل يجوز لها بعد مضى أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج بزوج آخر؟ أم لا بد من رفع الامر إلى الوالى أو الحاكم أو جماعة المسلمين ثم تفتيش ذلك المرفوع إليه فإذا ايئس يحكم بعد ذلك بانتظار أربع سنين فإن لم يتبين تعتد عدة الوفاة كما يفهم من المدونة ومختصر الخليل وشرحه للدردير أم كيف الحكم ؟

(٢) هل يلزم (إن يشترط) حكم الحاكم أو حكم جماعة المسلمين لانتظار أربع سنين أم يصح ذلك بغير الحكم أيضًا ؟

(٣) بلاد اسلامية استولى عليها الكفار منذ مدة مديدة وفقدت مسلمة من أهلها زوجها فيها وليس هناك حاكم اسلامى يفصل الأحكام حسب القوانين الشرعية فكيف السبيل لها هناك؟ وفى أى قسم من الأقسام الاربعة المذكورة للمفقود فى مختصر الخليل يكون عداده؟ أو هل يصح للمرأة هناك بعد مضى أربع سنين سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج أم سبيلها التعمير فقط ؟

(٤) هل الصورة الثانية للمفقود المذكورة فى مختصر الخليل تختص بامرأة كانت من سكان البلاد الاسلامية فذهب زوجها إلى البلاد الشركية ففقد هنالك ام تشمل القاطنة بالبلاد التى استولى عليها الكفار وبالديار الحربية الاصلية أم كيف الامر

(٥) المفقود عنها زوجها سواء كانت من البلاد الاسلامية أو الشركية اذا لم يترك زوجها عندها نفقة وهى فى غاية من الاحتياج والفاقة او كانت بحيث يخشى عليها الفساد بالعزوبة كيف لها إذا أرادت التزوج أو أراد اهلها ذلك ؟

(٦) المفقود عنها زوجها إذا لم يكن عندها النفقة وهي محتاجة أو يخشى عليها من الفساد هل يصح تطليقها أو فسخ نكاحها بغير حكم الحاكم الشرعي ام لا بدّ من الحكم؟ وعلى الثاني كيف يعمل بالبلاد الاسلامية التي تغلب عليها الكفار؟ أفيدونا ولكم الأجر الجزيل.

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

ألحمد لمستحقه اتم الصلاة والتسليم على خير خلقه وآله وصحبه وتابع ماوصّى به.

أما السوال الأوّل: عن مسلمة فقدت زوجها سنين وبولغ في التفتيش عنه ليتبيّن فلم ينفع ذلك ولم يظهر أسالم هو أم هالك؟ فجوابه إذا كان الفقد في أرض الاسلام وله مال ينفق منه على زوجته المتروكة في المقام هو ما في المؤطأ والمدوّنة وغيرهما عن مالك عن يحيى بن سعيد أن عمر بن الخطّاب قال: أيما امرأة فقدت زوجها فلم تدر أين هو فانها تنتظر أربع سنين ثم تعتد أربعة أشهر وعشرا ثم تحل وعن ابن وهب أن عمر عمل بذلك ورواه الائمة مالك والشافعي وأحمد وابن أبي شيبة والبيهقي والدارقطني عن عمر وعثمان وعلي وابن عباس وابن الزبير رضي الله عنهم. وقال مالك: ينفق على امرأة المفقود من ماله في الأربع سنين لا في العدّة. وقال: لا يقسم ميراث هذا المفقود حتى يأتي موته أو يبلغ من الزمان مالا يجيئ إلى مثله وهو سبعون أو خمس وسبعون أو ثمانون ذكره الشيخ خليل وغيره وفي هذا قال الناظم محمد بن عاصم في تحفة الحكام

ومن بأرض المسلمين يفتقد فاربع من السنين الأمد وباعتداد الزوجة الحكم جرى تبعصا والمال فيه عمرا.

وقول السائل: هل تعتد لنفسها بعد الاربعة الأعوام عدة الحمام أم ترفع أمرها للحكّام أو جماعة الاسلام فجوابه ما في المدوّنة لسحنون قلت: أرأيت امرأة المفقود أتعتدّ الأربع في قول مالك بغير امر السلطان. قال ابن القاسم قال مالك: لا وان أقامت عشرين سنة. ثم ذكر أنها ترفع أمرها للسلطان فيبحث عنه وبعد اليئس

يضرب أربع سنين و فى مختصر الشيخ خليل المالكى وشروحه وحواشيه أن لزوجة المفقود الرفع للقاضى والوالى ووالى الماء أى جابى الزكوة و إلا فلجماعة المسلمين قيل : أقلهم ثلاثة من الصلحاء أو واحد عدل عارف يرجع إليه فى المهمات والرجاء. أما مفقود ارض الشرك والاسير فلا يورث مالهما ولا تنكح زوجتهما إلا بعد التعمير. وفى حاشية العدوى على الرسالة أن زوجة مفقود أرض الشرك و زوجة الاسير تبقيان مدة التعمير لتعذر الكشف عن زوجيهما ان دامت نفقتهما و إلا فلهم التطليق كما إذا خشيتا على أنفسهما الزنا ومثله فى شرح المختصر وغيرها اعتاق ام ولده بعد منها النفقة أيضاً دفعاً للضرر أو تتزوج بمن ينفق عليها. و فى هذا قال الناظم محمّد بن عاصم : وحكم مفقود بأرض الكفر فى غير حرب حكم من فى الاسر تعميره فى المال و الطلاق ممتنع ما بقى الانفاق،

أما المفقود فى حرب المسلمين مع بعضهم أو فى زمن الطاعون فيورث و تعتد زوجته عدة الوفاة بعد انفصال الصفين ورجوع الخبر إلى البلدين و فى ذلك قال الناظم محمد بن عاصم وحكم مفقود بأرض الفتن - فى المال والزوجة حكم من فنى مع التلوم لأهل الملحمة - بقدر ما تنصرف المنهزمة -

و اما المفقود فى حرب المسلمين للكفار فتعتد زوجته عدة الوفاة و يقسم ماعنده من التركات بعد سنة وشئ من الانتظار و فى ذلك قال الناظم محمد بن عاصم:

وإن يكن فى الحرب فالمشهور — فى ماله والزوجة التعمير
و فيه أقوال لهم معينة — أصحها القول سبعين سنة
وقد أتى القول بضرب عام — من حين يأس منه لا القيام
ويقسم المال على مماته — وزوجه تعتد من وفاته
و ذا به القضا فى اندلس — لمن مضى فمقتضيهم مونس

أما السوال الثانى : وهو هل يلزم حكم الحاكم أو جماعة المسلمين بانتظار الاربع سنين أو يصح بلا حكم من المذكورين؟ فجوابه ما فى شرح الدردير وحاشيته ان رفعت أمرها للقاضى يجيب فان رفعت لوالى السياسة أو والى الماء الجابى الزكوة مع وجود القاضى حرم عليها ذلك وصح الحكم وإن

رفعت لجماعة المسلمين مع وجود القاضى بطل الحكم وان لم يوجد قاضٍ خُيرت فى الرفع للوالى أو السامى فان رفعت لجماعة المسلمين مع وجودهما فالظاهر الصحة اما ان كانوا جائرين بأخذ مال منها ظلماً ليكشفوا لها عن حال زوجها فلها الرفع لجماعة المسلمين أمّا أجرة المبعوث لطلب الزوج فقيل على الزوجة وقيل على بيت المال، و قيل: إن كان لها مال فعليها و إلّا فعلى بيت المال. وعند الحنابلة لايفتقر فى ضرب المدّة إلى حاكم البلدة (فائدة عن المسئولة عنه زائدة) عند الحنفية لاتطلق زوجة المفقود ولايورث ماله الّا بعد سن التعمير مائة وعشرين أوتسعين أو ثمانين أو سبعين أو ستين أو برأى حاكم المسلمين وعند الحنابلة ان كان ظاهر غيبة السلامة لاتطلق امرأته ولايورث فى تركته إلا بعد تسعين سنة وإن كان ظاهر الهلاك فبعد أربع سنين وعند الشافعية فى قول الشافعى القديم تطلق بعد أربع سنين و يورث بعد مدة لايعيش إلى مثلها - وفى الجديد: لاتطليق ولاتوريث إلا بعد ثبوت موته أوطلاقه لما رواه الشافعى عن على رضى الله عنه امرأة المفقود ابتليت فلتصبر حتى يأتى يقين موته ولحديث امرأة المفقود امرأته حتى يأتيها البيان. رواه الدارقطنى والبيهقى عن المغيرة بن شعبة لكن الشافعية والحنابلة كالمالكية فى جواز تطليقها لعدم النفقة

و أما السوال الثالث: عن مسلمة فقدت زوجها فى بلاد اسلامية استولى الكافر عليها وحازها وليس هناك حاكم اسلامى كيف تعمل إذا ارادت زواجها؟ فجوابه مافى الشرح أقرب المسالك للدردير: أن زوجة المفقود فى ارض الاسلام تعتد عدة وفاة ان رفعت أمرها للحاكم ان كان ثمه أو لجماعة المسلمين عند عدمه ولوحكماً قال: كمافى زماننا بمصر اذ لاحاكم فيها شرعى فيكفى الواحد من جماعة المسلمين ان كان عدلاً عارفاً شانه أن يُرجع إليه فى مهمات الامور بين الناس لامطلق واحد وعند الحنابلة لاتفتقر امرأة المفقود إلى حكم حاكم البلدة كما فى كشاف القناع و شرح المنتهى للشيخ منصور الحنبلى، وقول السائل: وفى أىّ قسم للمفقود يكون هذا؟ جوابه هو أنه من الفقد فى بلد الاسلام إذا كانت شعائره فيها تقام - وفى حاشية الصاوى والدسوقى أن بلاد الاسلام لاتصير دارحرب بأخذ الكفّار لها

بالقهر مادامت شعائر الاسلام قائمة بها وعليه يكون اعتدادها عدة الوفاة بعد أربع سنين وانتهاء الكشوفات ويختص حكم المفقود بزوجته الساكنة فى بلاد الاسلام اوفى التى استولى عليها الكفار مع إقامة شعائر الاسلام فيها بين الانام أمـا الساكنة فى البلاد الحربية الاصلية فلا موالاة لنا فى أمورها بالكلية .

أمّا السوال الرابع عن فسخ نكاح المفقود بعدم النفقة فى زمن التربّص والقعود فجوابه مافى شرح الدردير وعبد الباقى والخرشى وغيرها أن المفقود انما يؤجل لامرأته مادامت نفقتها وإلّا طلقت عليه بعدم النفقة وقضى صلى الله عليه وسلم فى الرجل لايجد ماينفق على امرأته بأن يفرق بينهما - رواه الدارقطنى والبيهقى وذكره مالك والشافعى وعلماء الحنابلة عن سعيد بن المسيب واخبران ذلك من السنة وعلى ذلك المالكية والشافعية والحنابلة واستحسن متأخروا الحنفية نصب غير حنفى يحكم بذلك للضرورة فى حضور الزوج. ذكره صدر الشريعة والكواكيبى وابن عابدين وغيرهم.

أمّا السوال الخامس عن فسخ نكاح امرأة المفقود بخشية الفساد والزنـا فجوابه مافى حاشية العدوى على الرسالة والصاوى على أقرب المسالك وشرحـه للدردير أن ضرب الاجل لامرأة المفقود إنماهو إذا دامت نفقتها من ماله ولم تخش الفتنة والزنا وإلّا فلها التطليق بعدم النفقة او بخوف الزنا -

أمّا السوال السادس وهوهل يصح تطليقها أوالفسخ بغير حاكم شرعى و كيف العمل فى ذلك فى البلاد الاسلامية التى تغلب عليها الكفار بالقوة الظلامية فجوابه مافى الحاشية الصاوى المالكى على أقرب المسالك وكتب الشافعية أن الفسخ بعدم النفقة ونحوها إنما يكون بحكم الحاكم أو المحكم وان لم يكن حاكم فجماعة المسلمين العدول يقومون مقامه فى ذلك وفى كل أمر يتعذّر فيه الوصول إلى الحاكم العـادل والواحد منهم كافٍ إن كان عدلاً عارفاً يرجع اليه فى المهمات عمرنا الله بخبره فى الحياة وبعد الممات - وصلى الله وسلم على صاحب المعجزات والكرامات -

العبد الفقير محمد الشهير بألفا هاشم بن احمد لازال

مع الاخوان فى عناية الصمد .

آخر الجواب

بعد النظر فی جمیع الفتاوٰی الواصلة من المدینة المنورہ فی الباب، أقول وباللہ التوفیق۔ فتوٰی علامہ سعید بن صدیق مالکی وفتوٰی علامہ محمد الفاھاشم مفتی مالکیہ مدینہ منورہ سے امور ذیل مستفاد ہوتے ہیں اور زوجۂ مفقود کے لئے اس کے موافق فتوٰی دینے کا مضائقہ نہیں۔

(۱) زوجۂ مفقود ارض حرب کے لئے جو حکم تعمیر ہے[ع] وہ مطلقاً نہیں بلکہ وجود نفقہ وصبر علی البقاء فی العصمۃ کے ساتھ مقید ہے اور اگر نفقہ نہ ہو یا ہو مگر زوجۂ مفقود بقاء فی العصمۃ پر صابرہ نہ ہو بلکہ اپنے نفس پر ابتلاء بالزنا کا اندیشہ رکھتی ہو تو اس کے لئے اس صورت میں حکم تعمیر نہیں بلکہ اس کے لئے حکم تطلیق ہے۔ ملاحظہ ہو فتوٰی علامہ سعید بن صدیق من قولہ و حمل التأجیل المذکور ان کان للمفقود مال إلی قولہ و ان دامت النفقة ولم تخش العنت فیؤجل الاجل المذکور ومن قولہ وأما زوجة مفقود ارض الشرك و مثلها زوجة الاسیر فانهما یبقیان لانقضاء مدة التعمیر إلی قولہ وحمل بقائهما إن دامت نفقتهما بغیرهما والا فلهما التطلیق۔ نیز ملاحظہ ہو فتوٰی علامہ محمد الفاہاشم من قولہ اما مفقود أرض الشرك والأسیر إلی قولہ وإلا فلهما التطلیق وإلی قولہ تعمیرہ فی المال والطلاق ممتنع ما بقی الانفاق» ومن قولہ اما السؤال الرابع عن فسخ نکاح المفقود بعدم النفقة إلی قولہ والاطلّقت علیہ بعدم النفقة وإلی قولہ فجوابہ ما فی حاشیة العدوی علی الرسالة والصاوی علی أقرب المسالك وشرحہ للدردیر أن ضرب الاجل لامرأة المفقود الخ

(۲) دارالاسلام میں بھی چار سال کی مدت مقرر کرنا اور اس کے بعد عدت وفات کا پورا کرنا اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ زوجۂ مفقود کے لئے نفقہ موجود ہو اور وہ اندیشۂ ابتلاء بالزنا سے محفوظ ہو۔ ملاحظہ ہو عبارات متقدمہ جن کا حوالہ ع۱ میں دیا گیا ہے اگر نفقہ موجود نہ ہو یا ہو مگر عورت بقاء فی العصمۃ پر صابرہ نہ ہو تو دارالاسلام میں بھی حکم تطلیق مثل زوجۂ مفقود دارالحرب ہے البتہ بقاء نفقہ وصبر علی البقاء فی العصمۃ کی صورت

ع مراد مجموعہ عبارات ذیل ہے جس میں حکم تعمیر بھی ایک جزو ہے۔

میں دار الحرب و دار الاسلام کا حکم مختلف ہے اور دار الحرب میں اس صورت میں حکم تعمیر ہے اور دار الاسلام میں حکم یہ ہے کہ عورت جس وقت حاکم مسلم ومن بحکمہ کی طرف مرافعت کرے تو حاکم مسلم اول مفقود کی تلاش کرے اور مفتش کی اجرت بیت المال کے ذمہ ہے اگر بیت المال ہو ورنہ عورت کے ذمہ ہے پھر بعد یأس کے زوجۂ مفقود کے لئے چار سال کی مدت مقرر کرے بعد تمام ہونے چار سال کے عورت عدّتِ وفات چار ماہ دس دن مع احداد کے پوری کرے اور عدتِ وفات کے لئے حکم حاکم ومن بحکمہ شرط نہیں ۔

(۳) حکم تطلیق زوجۂ مفقود ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اگر شوہر کا مقام معلوم ہو مگر نفقہ نہ پہنچا تا ہو جب بھی یہی حکم ہے ۔ ملاحظہ ہو فتویٰ علامہ سعید بن صدّیق من قولہ ومثل المفقود من علم موضعه وشكت زوجته عدم النفقة إلى قوله بل ولو كان حاضرًا و عدمت النفقة الخ وفتویٰ علامہ محمد ہاشم الفا من قولہ طريق تطليق زوجة المفقود الى آخر الكلام.

(۴) تطلیق یا فسخ بعدم النفقۃ یا بخوف ابتلاء بحکم حاکم مسلم ہو گا اگر حاکم مسلم نہ ہو تو بحکم محکم مسلم یا بحکم جماعت مسلمین عدول ہو گا ۔ اور ایک .... عادل مسلمان بھی حکم کر سکتا ہے جبکہ وہ ایسا شخص ہو جس کی طرف مہمات میں رجوع کیا جاتا ہو پھر یا تو حاکم مسلم (ومن بحکمہ) عورت پر خود طلاق واقع کر دے یا اس کو اختیار دیدے کہ اپنے نفس پر طلاق واقع کرے اور حاکم مسلم (ومن بحکمہ) اس طلاق کو جائز کر دے ۔ ملاحظہ ہو فتویٰ علامہ محمد الفا ہاشم کی الحاقی عبارت ۔ لیکن علامہ سعید بن صدّیق نے عدم نفقہ کی صورت میں تطلیق بلا تاجیل کو بھی جائز کہا ہے اور علامہ الفا ہاشم نے ایک ماہ کا انتظار یا جو مقدار اجتہاد حاکم میں مناسب ہو ضروری قرار دی ہے اور خوف عنت کی صورت سے علامہ سعید نے تعرض نہیں کیا کہ اس میں تاجیل ہے یا نہیں ۔ اور علامہ ہاشم نے کم از کم ایک سال تک صبر کرنا ضروری فرمایا ہے ۔ ملاحظہ ہو فتوی علامہ ہاشم مع عبارت الحاق وفتویٰ علامہ سعید بن صدیق من قوله و أما إن لم يكن له مال فلها التطليق عليه بالاعسار ومن غير تاجيل اور علامہ محمد طیب نے عدم نفقہ وخوفِ زنا دونوں حالتوں میں تطلیق بلا تاجیل بیان کی ہے وهذا لفظه وقال شراحه يعني شراح مختصر الخليل قاطعة فان لم تدم نفقتها أو خشيت الفساد فلها التطليق بلا تاجيل الخ

واللہ تعالیٰ اعلم ۔

(۵) طریقۂ تطلیق یہ ہے کہ عورت حاکم مسلم یا جماعت مسلمین یا واحد عدل مرجوع الیہ فی المہمات کے سامنے دو شاہدوں کی شہادت سے اس بات کا ثبوت دے کہ فلاں شخص سے اس کا نکاح ہوا ہے وہ اس کا شوہر ہے اور وہ اتنی مدت سے غائب ہے اور اس کے لئے کچھ نفقہ نہیں چھوڑا، نہ کسی کو وکیل بالنفقہ بنایا اور نہ عورت نے نفقہ کو معاف وساقط کیا اور عدم عفو واسقاط پر حلف کرے اس کے بعد حاکم مسلم یا جو بحکم حاکم ہو یوں کہے کہ میں نے نکاح کو فسخ کر دیا یا یوں کہے کہ میں نے تجھ پر مفقود کی طرف سے طلاق واقع کر دی یا عورت کو امر کرے کہ تو اپنے اوپر طلاق واقع کر لے یا اپنے نکاح کو فسخ کر دے پھر حاکم مسلم عورت کے فعل پر فیصلہ وحکم کر دے۔ یہ صورت تو تطلیق وفسخ بعدم النفقہ کی ہے اور بصورت خوفِ زنا یہ حکم ہے کہ عورت اول شہادتِ شاہدین سے اپنی زوجیت مع الغائب کا ثبوت دے اور اس کی غیبت کو ثابت کرے اس کے بعد حلف کرے کہ میں اپنی عصمت کی حفاظت سے عاجز ہوں اور ابتلاء بالزنا کا اندیشہ قوی رکھتی ہوں۔ پس اگر عورت نے ایک سال تک صبر کر کے مرافعہ کیا ہو تب تو اس وقت حاکم مسلم ومن بحکمہ اس پر طلاق واقع کر دے۔ یا اس کو ایقاعِ طلاق کا امر کرے اور اگر سال پورا نہ ہوا ہو تو اس کو ایک سال پورا کرنے کا امر کرے بعد سال تمام[1] ہونے کے پھر اس پر طلاق واقع کر دے یا اس کو ایقاع کا امر کرے اور حاکم مسلم ومن بحکمہ اس کے ایقاع کے بعد حکم طلاق کر دے اور اس کے بعد عورت عدتِ طلاق تمام کر کے دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔ ھذا ما ذکرہ العلامۃ محمد الفاھاشم فی فتواہ ص۴ عبارت الحاق ومثلہ فی فتوی سعید بن صدیق ص۱ عبارت مخطوطہ۔ ومثلہ فی فتوی العلامۃ محمد الطیب بن اسحاق ص۲ س۱۵۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تتمہ: یہ حکم نکاح وطلاق زوجۂ مفقود کا ہے رہا تقسیم ترکہ ومیراث کا حکم تو اس میں مالکیہ وشافعیہ وحنابلہ سب کے سب حنفیہ کے موافق ہیں الا فی بعض صور المفقود وھو ما اذا کان الفقد فی حالٍ یغلب علی الظن ھلاکہ۔ فافھم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

۴؍ رجب ۴۷ھ

---

[1] ھذا اما ذکرہ الفاھاشم و اما علی ما ذکرہ الآخران فلھا التطلیق بلا تأجیل کما مر ولکن الاحوط ما قالہ الفاھاشم إلا أن یضطر إلی العمل بقول الآخرین فلا بأس بہ أیضاً۔ ظفر

الجواب الاخیر صحیح
بندہ محمد مرتضی حسن عفی عنہ

الجواب الاخیر صحیح
حسین احمد غفرلہٗ
صدر مدرس دار العلوم دیوبند

الجواب صحیح
محمد رسول خان عفا عنہ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع غفرلہٗ

الجواب الاخیر صحیح
بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ

الجواب الاخیر هو الصحیح
محمد اعزاز علی غفرلہٗ

الحاق : طریق تطلیق زوجة المفقود أو الغائب الذی تعذر الارسال الیه أو أرسل إلیه فتعاند ان کان بعدم النفقة فان الزوجة تثبت بشاهدین أن فلانا زوجها وغاب عنها ولم یترك لها نفقة ولا وکیلاً بها ولا اسقطتها عنه وتحلف علی ذلك فیقول الحاکم فسخت نکاحه أو طلّقتك منه أو یأمرها بذلك ثم یحکم به وهٰذا بعد التلوم بنحو شهر او باجتهاده عند المالکیة وفورًا او متراخیاً عند الحنابلة وبعد ثلاثة أیام عند الشافعیة وان کان لخوفها الزنا وتفردها بعدم الوطئ والغنا مع وجود النفقة والغنا فبعد صبرها سنة فاکثر عند جل المالکیة وبعد ستة أشهر عند الحنابلة۔ وفقنا الله إلی الأعمال الزکیة۔

العبد الفقیر محمد الفاهاسم بن احمد

تلخیص المعلومات فی تلخیص المظلومات

سوال :۔ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔ ما قولکم علماء دین (۱) زید کہتا ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ فلاں شخص اپنی بیوی کو چھوڑ کر بے یار و مددگار مفقود الخبر ہوگیا یا فلاں شخص اپنی بیوی سے بے پرواہ ہوگیا اور غیر عورت سے ناجائز تعلق پیدا کر لیا اور عورت گھر میں محبوس اپنی مصیبت کے دن بسر کر رہی ہے بالخصوص مفقود الخبر کی عورت کا تو کوئی دوسرا نکاح مذہب فقہ حنفیہ کی رُو سے ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ نہ تو شوہر نے طلاق دی اور نہ اس کے مرنے کی خبر مصدّقہ طور پر معلوم ہوئی لہٰذا ضرورت ہے کہ عورتوں کو اس ضروری مسئلہ سے آگاہ کیا جائے وہ یہ ہے کہ شریعت صاف حکم کرتی ہے کہ اگر عورت نکاح کے وقت شوہر سے یہ شرط کرے کہ میں نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ جب میں چاہوں گی خود طلاق لے لوں گی

اور مرد قبول کرے تو نکاح بھی صحیح ہو جائیگا اور نیز ایسی عورتوں کو حق حاصل ہوگا کہ جب اس قسم کی کوئی ایذا رسانی کا سامان بہم پہنچایا جائے اور بجز علیحدگی کوئی صورتِ مفر باقی نہ رہے تو عورت جب چاہے طلاق لے سکتی ہے۔ یہ مسئلہ تمام کتبِ فقہ میں موجود ہے۔ چنانچہ درمختار (باب الامر بالید میں ہے: "نکحها على أن أمرها بيدها صح"

(شامی باب الامر بالید) مقيد بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوّجت نفسى منك على أن امرى بيدى أطلّق نفسى كلما أريد أو على أنى طالق فقال الزوج: فعلت۔

(البحر الرائق) فصل فى الامر باليد۔ ولو بدأت المرأة فقالت زوّجت نفسى منك على أنى طالق أو على أن أمرى بيدى أطلق نفسى كلما أريد فقال الزوج: قبلت وقع الطلاق وصار الامر بيدها.

(قاضی خان جلد ۱) فصل فى النكاح على الشرط: وان ابتدأت المرأة فقالت زوّجت نفسى منك على أنى طالق أو على أن يكون الأمر بيدى أطلّق نفسى كلماشئت فقال الزوج: قبلتُ جاز النكاح.

(عالمگیری) الباب الثانى فيما ينعقد به النكاح ومالا ينعقد: ان ابتدأت المرأة فقالت زوّجت نفسى منك على أنى طالق أو على أن يكون الأمر بيدى أطلّق نفسى كلماشئتُ فقال الزوج: قبلتُ جاز النكاح ويقع الطلاق ويكون الامر بيدها.

اور احتیاط یہ ہے کہ نکاح کے وقت یہ شرط کی جائے کہ فلاں فلاں اشخاص جو متدیّن اور معتبر ہوں ان کے ہاتھ میں عورت کا معاملہ ہوگا جب وہ چاہیں طلاق دیدیں اگر شوہر عورت کے حقوقِ زوجیت ادا نہ کرے یا تکلیف پہنچائے یا آئندہ جیسا موقعہ محل ہو تو عورت کو اختیار دیا جائے۔ زید کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟ مع حوالۂ کتب تحریر فرمایا جائے میں نے مختصر کر کے لکھا ہے اصل کتاب جو زید نے چھپوا کر شائع کی ہے وہ بھی برائے مطالعہ ہدیۃً ارسال ہے واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقط

محمد احمد ناظم کتب خانہ احیاء الدین
محلہ شاہ گنج الہ آباد ۱۴۵

الجواب

اس رسالہ مرسلہ کو دیکھا گیا مسئلہ بالکل صحیح ہے۔ واقعی عورتوں کی بہت سی تکالیف کا اس صورت میں انتظام وانسداد ہو جائے گا مگر اس مسئلہ "الامر بالید" کے جزئیات بہت دقیق ہیں اس لئے ہر عورت کو وہ الفاظ بتلائے جائیں جن میں کوئی خلجان پیش نہ آئے ہمارے نزدیک بہتر لفظ یہ ہے کہ نکاح کے وقت عورت یا اس کا ولی یا عورت کا وکیل (قاضی نکاح خوان) یوں کہے کہ میں نے مسماۃ فلاں دخترِ فلاں کا نکاح تم سے کر دیا اس شرط پر کہ مسماۃ کو اختیار ہو کہ وہ جس وقت چاہے اپنے خاندان یا بستی کے دوسرے برآوردہ نیک آدمیوں سے مشورہ کو موافقتِ رائے کر کے اپنے اوپر ایک طلاق بائن ایک دفعہ واقع کرے بدون دوسرے برآوردہ نیک آدمیوں کے مشورہ اور موافقت رائے کے عورت کو یہ اختیار نہ ہوگا اھ اگر الفاظ اختیار مثلاً اس طرح ہوئے کہ اگر شوہر نے سال بھر نفقہ وغیرہ نہ دیا یا سال بھر غائب رہا یا اس نے دوسری عورت سے تعلق کر لیا تو مسماۃ کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا تو ان لفظوں سے جو اختیار حاصل ہوتا ہے وہ اس ساعت کے ساتھ مقید ہوتا ہے جس ساعت میں سال تمام ہو کر دوسرا سال شروع ہوا یا اس مجلس سے مقید ہوتا ہے جس میں دوسری عورت سے تعلق کا علم ہوا ہے اگر اس ساعت یا اس مجلس میں عورت نے اپنے اوپر طلاق واقع نہ کی تو اب اختیار اس کے ہاتھ میں نہ رہیگا۔ اسی طرح بعض لوگ ایجاب وقبول کے وقت شرطِ اختیار کو ظاہر نہیں کرتے بلکہ نکاح سے پہلے کابین نامہ لکھواتے ہیں اور بعد نکاح کے شوہر سے دستخط کرا لیتے ہیں۔ یہ صورت بھی بعض دفعہ بیکار ثابت ہوتی ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ شرط اختیار ایجاب وقبول کے ساتھ ساتھ ہو اور الفاظِ اختیار میں صیغۂ شرط عام ہو کہ جس وقت عورت چاہے، اور ایک طلاق بائن سے زیادہ کا اختیار دینا فضول ہے اور ایک دفعہ سے زیادہ اختیار دینا بھی زائد از ضرورت ہے اور عورت کے سوا کسی دوسرے کو بھی اختیار دینا مضر ہے بلکہ عورت ہی کو اختیار دیا جائے مگر اس کے اختیار کو دوسرے برآوردہ نیک آدمیوں کے مشورہ وموافقت رائے سے مشروط کر دیا جائے۔

الدلائل: قال فی العالمگیریۃ ص۸۶ ج۲: إذا قال لھا طلقی سواء قال لھا إن

شئت أو لا فلها ان تطلق نفسها فی ذلك المجلس خاصةً وليس له ان يعزلها اھ

وفیہ ص۹۴ ج-۲ : الفاظ الشرط - إن وإذا - و إذاما - وكل وكلما - ومتى - ومتى ما ففی هٰذه الالفاظ إذا وجد الشرط انحلت اليمين وانتهت لانها لا تقتضی العموم والتكرار فبوجود الفعل مرّة تم الشرط وانحلت اليمين فلا يتحقق الحنث بعده إلّا فی كلما لانها توجب عموم الافعال اھ

وفیہ أیضاً : ولو قال لها : أنت طالق متى شئت او متى ما شئتِ واذا شئتِ واذاما شئتِ فلها ان تشأ فی المجلس وبعد القيام عن المجلس ولو ردت لم يكن ردًا ولا تطلق نفسها إلا واحدة ولو قال : أنت طالق زمان شئتِ أو حين شئتِ فهو بمنزلة قوله إذا شئتِ فلا يقتصر على المجلس اھ ص۸۹ ج۲ ولو قال : إن شئتِ وشاء فلان تعلق بمشيتهما - كذا فی الكافی.

وفیہ أیضاً : ولو قال : اذا مضى هٰذا الشهر فأمرها بيد فلان فمضى الشهر فأمرها بيده فی مجلس علمه وإن علم بعد شهرين لأن التفويض معلق بمضی الشهر والمعلق بالشرط يصير مرسلاً عند وجود الشرط ولو ارسل التفويض بعد مضی الشهر يقتصر على مجلس علمه فكذا هٰذا اھ ص۸۲ ج-۲

ولو قال : أمرك بيدك إلى عشرة أيام فالأمر بيدها من هٰذا الوقت إلى مضی عشرة أيام ويحفظ قضاء العشرة بالساعات - والله تعالىٰ أعلم .

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون - ۲۵ رمضان ۴۷ھ

تتمہ سوالِ مذکور سوال :- ماقولکم علماء دین رحمکم اللہ - زید کہتا ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بیچاری عورتیں شوہر کے ظلم سے پریشان رہتی ہیں اس طرح کہ کوئی شخص عورت کو چھوڑ کر مفقود الخبر ہوگیا اور عورت نہایت تکلیف و مصیبت سے گھر کی چار دیواری میں اپنے انتظار کے دن بسر کر رہی ہے اور مذہبِ حقہ حنفیہ کی رو سے اس کا کوئی دوسرا نکاح نہیں ہوسکتا کیونکہ نہ تو شوہر نے طلاق دی، نہ اس کے مرنے کی خبر مصدقہ طور سے معلوم ہوئی۔ نیز ایسا واقعہ بھی ہوتا رہتا ہے کہ فلاں شخص اپنی منکوحہ سے بے پرواہ ہوگیا غیر عورت سے ناجائز تعلق کرلیا نہ تو نان نفقہ کی کفالت

کرتا ہے نہ طلاق دیتا ہے۔ علی ہذا القیاس بہت سے واقعات ہیں کہ جس سے دل دُکھتا ہے اس لئے ضرورت سمجھی گئی کہ اس مسئلہ سے آگاہ کیا جائے وہ یہ ہے کہ اگر نکاح کے وقت عورت شوہر سے یہ شرط کرے (خواہ بذریعۂ وکیل یا خود) کہ میں نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ جب میں طلاق چاہوں گی طلاق لے لوں گی اور مرد قبول کرلے تو نکاح بھی صحیح ہوجائیگا اور عورت کو بھی یہ حق حاصل رہے گا کہ جب اس قسم کی کوئی ایذارسانی کا سامان بہم پہنچایا جائے اور بجز علیحدگی کوئی صورتِ مفر باقی نہ رہے تو جب چاہے طلاق لے سکتی ہے اور یہ مسئلہ تمام کتبِ فقہ میں موجود ہے۔ بحر الرائق میں ہے: ولو بدأت المرأة فقالت: زوّجتُ نفسی منك علی انی طالق أوعلی أن أمری بیدی أطلّق نفسی کلما أرید فقال الزوج: قبلتُ وقع الطلاق وصار الأمر بیدها (فصل فی الامر بالید۔ قاضی خان جلد اول) وان ابتدأت فقالت زوّجت نفسی منك علی أنی طالق أوعلی أن یکون الأمر بیدی أطلّق نفسی کلّما شئتُ فقال الزوج: قبلتُ جاز النکاح ویقع الطلاق ویکون الامر بیدها.

(فصل فی النکاح علی الشرط) عالمگیری الباب الثانی فیما ینعقد به النکاح و ما لا ینعقد و إن ابتدأت المرأة فقالت زوّجت نفسی منك علی أنی طالق أوعلی أن یکون الامر بیدی أطلّق نفسی کلماشئتُ فقال الزوج: قبلتُ جاز النکاح و یقع الطلاق ویکون الامر بیدها۔ انتهیٰ کلام زید

اور بکر کہتا ہے کہ افسوس ہے کہ زید نے تحقیق نہیں کی یہ قول جو اس نے نقل کیا ہے نہ تو امام اعظمؒ کا قول ہے نہ امام محمدؒ کا بلکہ یہ فقیہ ابو اللیثؒ کی رائے ہے۔

قاضی خان میں ہے: تزوّج امرأة علی أنها طالق أوعلی ان امرها بیدها ذکر محمّد فی الجامع أنه یجوز النکاح و الطلاق باطل ولا یکون الامر بیدها۔ و ذکر فی النقاوی عن حسن بن زیاد إذا تزوّج امرأة علی أنها طالق إلی عشرة أیام أوعلی أن یکون الأمر بیدها بعد عشرة أیام ان النکاح جائز والطلاق باطل ولا تملك أمرها.

عالمگیری میں ہے: رجلٌ تزوّج امرأة علی أنها طالق أوعلی أن امرها فی الطلاق بیدها ذکر محمد فی الجامع انه یجوز النکاح والطلاق باطل۔

بحر الرائق میں ہے: تزوّج امرأة علی أنها طالق أوعلی أن أمرها بیدها تطلّق نفسها کلما ترید لا یقع الطلاق ولا یصیر الامر بیدها۔

تمام کتبِ فقہ میں ہے کہ عقد میں وہ شرط لگانا جو منافی عقد نکاح ہو وہ شرط قابلِ قبول نہیں لہٰذا زید نے جو نقل کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ بکر کے قول کی مصلحت یہ ہے کہ اگر زید کے قول کو صحیح مانا جائے تو اس میں ایک فساد برپا ہو جائے گا وہ یہ کہ عموماً عورتوں میں آزادی کا مادہ آجکل موجود ہے بس وہ ذرا ذراسی بات پر طلاق لے لیا کریں گی اور شوہر بیوی میں جو تعلقات رہنا چاہیئے وہ نہ رہ سکیں گے۔ نیز نیا چہرہ جو عورتوں کی آزادی کا خواہاں ہیں ان کو اور تقویت ہو جائیگی نیز وہ عورتیں جن کا نکاح بالشرط نہیں ہو رہے وہ بھی طلاق لے لیا کریں گی اگرچہ ان کا طلاق لینا زید کے قول پر صحیح نہ ہوگا مگر غلط فہمی سے شوہر بیوی میں جھگڑا پڑ جائیگا۔ علیٰ ھٰذا القیاس اور بہت سے فساد پیدا ہوں گے۔ غرض یہ کہ عورتیں آزاد ہو جائیں گی اور وہ مرد جو عورتوں پر ظلم کرتے ہیں ان کے لئے قاضی مقرر ہو جو ان کا فیصلہ کر دیا کرے تو کوئی فساد نہ رہے۔ انتہی کلام بکر۔

سائل عرض کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں یہاں دونوں طرف سے مضمون شائع ہو گئے ہیں کوئی امر محقق طے نہیں ہوتا ہے عوام سخت خلجان میں ہیں ایک کا معتقد دوسرے کی بدگوئی کرتا ہے اس لیے احقر نے جناب والا کو یہ تمام تحریر نقل کر کے تحقیق اصل مسئلہ کی چاہی ہے۔ حضرت کے نزدیک جو امر محقق اور مفتیٰ بہ ہو مع حوالہ کتب تحریر فرمایئے تاکہ یہاں الہ آباد میں جو جناب کے خدام ہیں ان کو خصوصاً اور دوسرے لوگوں کو عموماً اطمینان حاصل ہو اللہ تعالیٰ جناب کو اجر عظیم عطا فرمادے۔ السائل: عبدالودود

رانی منڈی الہ آباد فاسٹ کمپنی۔ درزی کی دکان

الجواب

بکر نے مسئلہ میں غور نہیں کیا اور قاضی خان وغیرہ کی ادھوری عبارتیں نقل کر کے خواہ مخواہ لوگوں کو مغالطہ میں ڈالا۔ دراصل جس صورت میں طلاق اور تفویض کو باطل کہا گیا ہے یہ وہ صورت ہے جبکہ مرد ابتداءً یوں کہے کہ میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں اس شرط پر کہ تجھے اپنی ذات کے معاملہ میں اختیار ہوگا اور عورت بعد میں یوں کہے کہ میں نے قبول کیا تو اس صورت میں نکاح صحیح اور تفویض باطل ہے اور اگر عورت کی طرف سے ابتداءً ہو کہ عورت ابتداءً یوں کہے کہ میں تجھ سے نکاح کرتی ہوں اس شرط پر کہ مجھے

اپنے معاملہ کا اختیار ہوگا کہ جب چاہوں طلاق لے لوں تو اس صورت میں جب مرد اس کو بعد نکاح قبول کریگا تو نکاح اور شرط دونوں صحیح ہیں بکر کا یہ کہنا کہ یہ قول صرف فقیہ ابو اللیث کی اپنی رائے ہے بالکل غلط ہے یہ محض اگر ابو اللیث کی رائے ہے اور مذہب ابو حنیفہؒ و محمدؒ و ابو یوسفؒ اس کے خلاف ہے تو وہ اس صورتِ خاص میں جبکہ شرط کی ابتداء عورت کی طرف سے ہو اور مرد بعد میں قبول کرے کوئی جزئیہ دکھلادے جس میں تصریح ہو کہ نکاح اور شرط دونوں باطل یا صرف شرط باطل ہے اور نکاح صحیح ہے مگر وہ ہرگز اس کی جرأت نہیں کرسکتا اور جتنے جزئیات بکر نے پیش کئے ہیں وہ اس صورت میں ہیں جبکہ بداءت بالشرط مرد کی طرف سے ہو اور زید نے جس صورت کا اعلان کیا ہے وہ وہ ہے جس میں بداءت بالشرط عورت کی طرف سے ہے۔ چنانچہ زید نے اپنے رسالہ میں جو عبارات فقہیہ بعبارت عربیہ نقل کی ہیں ان میں بداءت بالشرط من الرجل وبداءت بالشرط من المرأۃ کے احکام مختلف ہونے پر اشارہ موجود ہے البتہ اتنی کمی رہ گئی کہ زید نے اردو میں اس فرق پر تنبیہ نہیں کی تاکہ ناقص الاستعداد بھی فرق کو سمجھ جائے۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے: لو بدأت المرأۃ فقالت: زوّجتُ نفسی منك علی أنی طالقٌ أو علی أن الأمر بیدی أطلق نفسی کلما أرید فقال الزوج: قبلتُ وقع الطلاق وصار الأمر بیدھا ومطلقۃ الثلاث ینبغی أن تقول ھکذا حتی ینقطع طمع المحلل اھ ص $\frac{29}{ج-2}$

قاضی خان میں ہے: وعن ھذا قالوا: مطلقۃ الثلاث إذا أرادت أن تزوج المحلل وخافت أن لا یطلقھا فالحیلۃ لھا فی ذلك أن تقول زوّجت نفسی منك علی أن أمری بیدی أطلق نفسی کلما أرید ثم یقبل الزوج فیکون الأمر بیدھا بعد النکاح تطلق نفسھا متی شاءت اھ (ص ۱۵۵ - ج ۱) خلاصہ میں ابتداء تعلیق من المرأۃ کی صورت کو بدون ذکر اختلاف بیان کیا ہے اسی طرح خلاصہ میں اور قاضی خان میں مطلقۃ الثلاث کے مسئلہ کو جزماً بدون ذکر خلاف بلکہ سب فقہاء و مشائخ کی طرف منسوب کرکے ذکر کیا ہے پس اس کو صرف فقیہ ابو اللیث کی رائے بتلانا غلط ہے اور بکر نے جو یہ قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے کہ عقد میں وہ شرط لگانا جو منافی عقد ہو قابلِ قبول نہیں "کَلِمَۃُ حَقٍّ أُرِیْدَ بِھَا الْبَاطِلُ" کا مصداق ہے۔ نکاح میں اصل یہ ہے کہ نکاح کو معلق

بالشرط کرنا تو باطل ہے اور مقرون بالشرط کرنا جائز ہے۔ معلق بالشرط تو بالکل باطل ہے کہ اس صورت میں نکاح ہی نہ ہوگا جیسے یوں کہے کہ میں نکاح کرتا ہوں اگر میرا باپ راضی ہو یا عورت یوں کہے کہ میں قبول کرتی ہوں اگر میرا باپ راضی ہو مثلاً۔ اور مقرون بالشرط میں حکم یہ ہے کہ شرطِ صحیح کے ساتھ نکاح مقرون ہو نکاح بھی صحیح اور شرط بھی، اور شرط فاسد کے ساتھ مقرون ہو تو نکاح صحیح اور شرط لغو ہے۔ مثلاً یوں کہے کہ میں اس شرط سے نکاح کرتا ہوں کہ عورت کے لئے مہر نہ ہوگا تو نکاح صحیح اور شرط باطل ہے اور شوہر کے ذمہ مہر مثل ہوگا گو عورت نے عدم مہر کی شرط کو قبول بھی کر لیا ہو کیونکہ نکاح بلا مہر امت کے لئے مشروع نہیں اب اگر بکر کے نزدیک نکاح بشرط تفویضِ طلاق میں اس لئے شرط باطل ہے کہ وہ اس شرط کو فاسد سمجھتا ہے تو اس کے فساد کی دلیل بیان کرے کیا اس کے نزدیک نکاح کے اندر طلاق مشروع نہیں یا تفویض الی المرأۃ جائز نہیں یقیناً ہر شخص جانتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں جس طرح نکاح مشروع ہے طلاق بھی مشروع ہے اور جس طرح بعض اوقات نکاح واجب ہو جاتا ہے اسی طرح بعض دفعہ طلاق بھی واجب ہو جاتی ہے جبکہ مرد حقوق ادا کرنے سے عاجز ہو جائے اور عورت صبر نہ کرنا چاہے۔ جب یہ ہے تو وہ اس شرط کو کس دلیل سے فاسد کہتا ہے اور کیا اس کے نزدیک بیع بشرط الخیار[1] صحیح نہیں اور کیا شرط خیار سے من لہ الخیار کو بیع کے ابقاء و فسخ کا اختیار حاصل نہیں ہوتا اگر بیع میں شرط خیار جائز اور من لہ الخیار کو اس سے ابقاء و فسخِ عقد کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے تو نکاح میں اگر عورت یہ شرط کرے کہ مجھے اختیار ہوگا جب چاہوں اپنے اوپر طلاق واقع کر لوں تو اس کے باطل کرنے کی کیا وجہ ہے۔ نیز وہ بتلائے کہ نکاح سے پہلے اجنبیہ کی طلاق کو معلق علی النکاح کرنا صحیح ہے یا نہیں مثلاً اِن تزوّجتکِ فانتِ طالِقٌ۔ پھر اس میں اور صورتِ متنازعہ میں کیا فرق ہے اگر شرط طلاق نکاح سے جمع نہیں ہو سکتی تو یہ تعلیق باطل ہونا چاہیئے اخیر میں ہم بکر کو بتلانا چاہتے ہیں کہ نکاح بشرط تفویض الی المرأۃ جبکہ ابتداء بالشرط عورت کی طرف سے ہو صرف فقیہ ابو اللیث کا

---

[1] اس تمثیل سے یہ مقصود نہیں کہ جو احکام بیع بشرط خیار کے ہیں بعینہ وہی احکام نکاح میں جائز ہیں بلکہ صرف یہ مقصود ہے کہ بکر کا نکاح بشرط تفویض مشروط بشرط منافی کہنا غلط ہے کیونکہ یہ نظیر بیع بشرط خیار کی ہے اور اس کو کسی نے شرط فاسد یا شرط منافی نہیں کہا۔ منہ

قول نہیں بلکہ فقیہ نے صرف بداءت من المرأۃ وبداءت من الزوج کے فرق کو ظاہر کیا ہے ورنہ نفسِ مسئلہ کہ اگر بداءت من المرأۃ ہو تو نکاح وشرط دونوں صحیح اور بداءت من الزوج ہو تو نکاح صحیح اور شرط لغو ہے، مسلّم بین الفقہاء ہے۔ فقیہ نے ان دونوں صورتوں میں فرق کو واضح کردیا ہے۔ ملاحظہ ہو عالمگیری۔

وفی الهندية : كتاب الحيل ج۶ ص۴۲۷ وحيلة اخرى فى اصل المسئلة أن تقول المرأة لمحلل زوّجتُ نفسى منك على أن أمرى بيدى أطلق نفسى كلما أريد ثم يقبل الزوج فيصير الامر بيدها تطلق نفسها كلما أرادت ولو بدأ المحلل فقال تزوّجتك على أن أمرك بيدك تطلق نفسك كلما تريدين فقبلت صحّ النكاح ولا يصير الأمر بيدها وحيلة أخرى أن يقول المحلل للمرأة تزوّجتك على أن أمرك بيدك بعد ما تزوّجتك وطلّقى نفسك كلما تريدين فقالت المرأة قبلت يصير الأمر بيدها أيضًا اھ

کتاب الحیل میں زوجۃ المحلل کے لئے یہ حیلہ بلا ذکر خلاف مذکور ہے جس کو فقیہ ابو اللیث کے ساتھ خاص کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اب فقیہ نے بداءت من المرأۃ وبداءت من الزوج کے حکم میں اختلاف کی یہ وجہ بیان کی ہے :

لأن البداءة إذا كانت من الرجل كان الطلاق والتفويض قبل النكاح فلا يصح أمّا إذا كانت من المرأة يصير التفويض بعد النكاح لأن الزوج لما قال بعد كلام المرأة قبلت والجواب يتضمن إعادة ما فى السوال صار كأنه قال قبلت على أنك طالق أو على أن يكون الأمر بيدك فيصير مفوضًا بعد النكاح اھ قاضى خان (ج۲ ص۲۹) وشامى (ج۲ ص۶۹۹) قلت : ولذا ان قال الزوج ابتداءً تزوّجتك على أن أمرك بيدك بعد ما تزوّجتك وقبلت يصير الامر بيدها أيضاً لكونه علّق التفويض على النكاح فيكون مفوضًا بعدهٗ لا قبله فافهم۔

رہا بکر کا یہ کہنا کہ اس مسئلہ کو صحیح مان لیا جائے تو فساد برپا ہو جائیگا کیونکہ عورتوں میں آزادی کا مادہ آجکل موجود ہے اور نئے چہرے کی اس سے تائید ہوگی جو آزادی نسوان کے خواہاں ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فساد اس مسئلہ کی صورت پر متفرع نہیں کیونکہ یہ مسئلہ تو کتب میں بہت عرصہ سے موجود ہے اور اب تک اس سے کوئی فساد نہیں ہوا فساد کا اصلی

سبب عورتوں کی اصلاح و تعلیم کا اہتمام نہ کرنا ہے۔ نیز مردوں کا دین سے آزاد ہونا اور بہت سے بہت اگر اس مسئلہ کی وجہ سے کچھ فساد ہوگا بھی تو کیا ہوگا اس سے زیادہ تو نہ ہوگا کہ عورت جب چاہے گی طلاق لے لیگی تو طلاق لے لینا کچھ فساد نہیں اور اس سے زیادہ فساد یہ ہوسکتا ہے کہ طلاق کی کثرت ہو جائے گی تو نکاح و طلاق کی کثرت بھی فساد نہیں بلکہ کثرتِ زنا فساد ہے اور اس مسئلہ کی اشاعت سے زنا کا انسداد ہو جائے گا کیونکہ جو عورت مرد سے راضی نہ ہوگی یا مرد اس کو تنگ کریگا یا نفقہ نہ دیگا وہ ان صورتوں میں بسہولت اس کے نکاح سے آزاد ہو کر دوسرا نکاح کر سکے گی یہ تو نہ ہوگا کہ عورت مفقود و زوجۃ العنّین و زوجۃ الظالم خواہشِ نفس سے مجبور ہو کر دوسرے شخص سے ناجائز تعلق کر لیتی ہے اس کی کیا وجہ کہ بکر کو مردوں کی اس بے رحمی پر غصّہ نہیں آتا اور عورتوں کی مظلومیت دور ہونے سے وہ ناخوش ہے اور جو صورت بکر نے عورتوں کے لئے بیان کی ہے کہ ہندوستان میں قاضی مقرر کیا جائے سو اول تو یہ علماء کے ہاتھ میں نہیں برسوں سے علماء حکومت کو اس طرف متوجہ کر رہے ہیں مگر حکومت توجہ نہیں کرتی اور قاضی مقرر ہو جانے کے بعد بھی عورتوں کی تکالیف کا بالکلیہ انسداد نہیں ہو سکتا گو ایک حد تک کم ہو جائیں گے کیونکہ قضاۃ و حکام کا مرتشی نہ ہونا یہ بکر کے ہاتھ میں نہیں اور کسی کے بھی قبضہ میں نہیں۔ اب اگر قاضی مرتشی ہوا اور اس نے مرد سے رشوت لے کر عورت کی فریاد پر توجہ نہ کی تو کیا سبیل ہوگی اس لئے بہتر صورت یہی ہے جو زید نے بیان کی ہے اور اگر ہم تسلیم کر لیں کہ زید نے جس مسئلہ کو ظاہر کیا ہے اس سے فساد بھی برپا ہوں گے تو یہ فساد نفس مسئلہ کی صحت کا نتیجہ نہیں بلکہ اس مسئلہ کی اشاعت کا نتیجہ ہوگا۔ پس بکر کو لازم تھا کہ نفسِ مسئلہ کا ابطال نہ کرتا بلکہ زید سے یوں کہتا کہ مسئلہ تو صحیح ہے مگر یہ زمانہ اس کی اشاعت کا نہیں کیونکہ اس پر یہ فسادات متفرع ہوں گے مگر اس کے بعد بکر کو ان فسادات کا بھی کوئی سہل انتظام بتلانا چاہیے جو مردوں کے ظلم اور بے پروائی سے عورتوں میں رونما ہو رہے ہیں کہ تمام مدارس کے مفتی عورتوں کی فریاد سنتے سنتے تھک گئے۔ واللہ المستعان فقط

ظفر احمد عفا عنہ۔ از تھانہ بھون

۲ر ذی قعدہ ۴۷ھ

الجواب صحیح

اشرف علی

۲۲ر ذی قعدہ ۴۷ھ

واپسی مفقود کی ایک صورت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ کلثوم حنفی المذہب کا شوہر سولہ برس سے مفقود الخبر رہا اور مفقود الخبری سے سات برس بعد اس نے فتویٰ لے کر اپنے شوہر کے حقیقی چھوٹے بھائی سے نکاح کر لیا اور اس شوہر کے نطفہ سے دو بچے موجود ہیں۔ پہلا شوہر اب آیا اور عورت کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے اور عورت اس کے ساتھ رہنے پر رضامند ہے تو اب عورت کو اس کے ساتھ رہنا چاہیئے یا نہیں اگر رہنا چاہیئے تو کیا اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت ہے یا وہی اول نکاح کافی ہے؟

واضح رہے کہ عورت اپنے پہلے شوہر کے ساتھ دو چار مرتبہ رہی۔ جواب باصواب عنایت فرمائیں۔ سائل: اللہ دین سبزی فروش محلہ حیدر گنج صدر ضلع سلطان پور اودھ

الجواب

یہ عورت اپنے پہلے شوہر کے ساتھ ہی رہے دوسرے شوہر سے الگ ہو جائے پہلے شوہر کے پاس رہنے کے واسطے دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں بلکہ پہلا نکاح باقی ہے لیکن اس عورت کو دوسرے شوہر سے الگ ہو کر عدّت گزارنا ضروری ہے بدون عدّت گزارے ہوئے پہلے شوہر کے پاس نہ جائے اور عدّت اس کی تین حیض ہے اگر حمل نہ ہو اور حمل ہو تو عدّت وضع حمل ہے اور دوسرے نکاح کے بعد جو اولاد ہوئی ہیں وہ دوسرے شوہر کی اولاد ہیں اور حلالی ہیں جو دوسرے شوہر کی وارث شرعی ہیں۔ فقط

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۲۹ ربیع الثانی ۴۸ھ

حکم زوجۂ مجنون

سوال: ایک دوست کی سالی ہے اور اس کے شوہر کو عرصہ گیارہ بارہ سال کا ہوا پاگل ہو گیا ہے کبھی تو گفتگو ہوشیاروں کی سی کرتا ہے کبھی بالکل پاگلوں کی سی۔ مسماۃ علیحدہ ہیں اور کئی بچے بھی ہیں، مسماۃ کی عمر ۲۵ سال ہے۔ کیا اس کی علیحدگی کی کوئی شرعی صورت ہو سکتی ہے؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ عدالت سے تو علیحدگی ہوگی وہ ہندو کی عدالت ہے یا انگریز کی مسلمان کی نہیں

کیا کوئی صورت ایسی ہوسکتی ہے کہ شرعی علیحدگی تو یہاں ہوجائے اور عدالتی عدالت میں بسماۃ واقعی بہت پریشان ہیں اکثر ملاقات کے وقت وہ دوست تذکرہ کرتے ہیں اور پریشانی بیان کرتے ہیں۔ آپ غور کریں اگر کوئی صورت سمجھ میں آجائے تو اس سے مطلع فرمادیں۔

المرسل : محمد عثمان دریبہ کلاں دھلی

الجواب

اگر مجنون ایک مرتبہ بھی ہم بستری کرچکا ہو خواہ جنون سے قبل یا جنون کے بعد تو پھر اس عورت کو تفریق کا حق نہیں رہتا۔ پس صورت مسئولہ میں جب وہ صاحب اولاد ہے تو تفریق کا حق حاصل نہیں، نہ غیر مسلم حاکم کرسکتا ہے نہ مسلم حاکم۔ اور غیر مسلم حاکم کی کسی صورت میں بھی تفریق معتبر نہیں۔ اور یہ صورت بھی کافی نہیں کہ شرعی فیصلہ عالم کردے اور تفریق غیر مسلم حاکم کردے الّا آنکہ وہ حاکم کسی عالم کو اختیار فیصلہ کا باقاعدہ دیدے۔

فقط والسلام - احقر عبدالکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۲ رجب ۴۸ھ

ایضاً ایضاً ایضاً سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ سے نکاح کرنے کے پندرہ سولہ روز کے بعد سفر کو چلا گیا ایک سال کے بعد وہ سفر سے مجنون ہوکر گھر واپس آیا اور اسی حالت پر اس کو متواتر پانچ سال گزر گئے ہیں کہ اس کو اپنی زوجہ سے کسی قسم کا تعلق زوجیت نہیں ہے لہذا ہندہ اپنے مجنون زوج کے زیر نکاح رہنے میں اس کے مجنون ہونے کے بعد ہی سے لے کر اس وقت تک برابر ناراضگی ظاہر کرتی ہے۔ حتیٰ کہ اولیاء جب زوج کے مکان پر جانے کے لئے مجبور کرتے ہیں اس وقت جواب دیتی ہے کہ میں خودکشی کرلوں گی مگر اس زوج کے مکان پر ہرگز نہیں جاؤں گی اور ہمیشہ یہ چاہتی ہے کہ کسی طرح اس زوج سے نکاح فسخ ہوجائے۔ اب استفتاء اس امر کا ہے کہ مطابق مذہب حنفی کے اس زوجہ سے نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوسکتا ہے تو اس کو مفصلاً دلائل وبراہین کے ساتھ تحریر فرمایا جائے۔ بیّنوا

تو جروا ۔ المستفتی : محمد عنبر علی عفی عنہ

الجواب وھو الموفق للصواب

امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف علیہما الرحمۃ کے نزدیک تو مجنون کی زوجہ کا نکاح جنون کی وجہ سے فسخ نہیں ہو سکتا اور عموماً کتبِ فقہ میں انہیں کے مذہب کو لیا ہے۔ فتح القدیر نے اس کی ادلہ اور اس کے خلاف کی ادلہ کا جواب نہایت بسط سے دیا ہے۔ شامی نے بھی اس کو پسند کیا ہے۔ غرض حنفیہ کا قوی و راجح مذہب یہی ہے کہ جنون موجبِ فسخ و تفریق نہیں ہے۔ البتہ امام محمدؒ کے نزدیک جنون کی وجہ سے تفریق ہو سکتی ہے اور بعض فقہاء نے اس پر فتویٰ بھی دیا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے :

قال محمد : إن كان الجنون حادثاً يؤجله سنة كالعنة ثم تخير المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ او ان كان مطبقاً فهو كالجب، وبه نأخذ كذا في الحاوي القدسي (ص ۱۵۷ / ج ۲)

اس لئے اس قول کو لینے کی بھی گنجائش ہے اور تفریق کا طریقہ یہ ہے کہ عورت قاضی کے پاس درخواست دے، قاضی مجنون کو ایک سال مہلت علاج کے واسطے دے دے۔ بعد ایک سال گزر جانے کے دیکھا جائے اگر تندرست ہو جائے تو فبہا ورنہ عورت اگر چاہے تو تفریق کر دی جائے اور تفریق کے بعد عدت گزار کر کسی شخص سے نکاح ہو سکتا ہے اور گو اس ملک میں بقاعدۂ شرعیہ قاضی نہیں ہیں لیکن جو مسلمان حاکم ایسے امور کا فیصلہ کرنے کے واسطے سرکار کی طرف سے اختیار رکھتے ہیں وہ بھی مثل قاضی کے ہیں اس واسطے ایسے جج وغیرہ کے ہاں درخواست دی جائے۔ اور اگر اس جگہ کوئی مسلمان حاکم ایسا نہ ہو جو شریعت کے موافق فیصلہ کر سکے تو پھر اس صورت میں فقہ حنفی کی رو سے تو کوئی صورت تفریق کی معلوم نہیں ہوتی البتہ مالکیہ کے نزدیک ایسی صورت میں دیندار مسلمانوں کی پنچایت جس میں کوئی معاملہ فہم عالم بھی ہوں ایسے امور کا فیصلہ کر سکتی ہے۔

كما قال الخليل في مختصره : ولزوجة المفقود الرفع للقاضي والوالي و والي الماء والا فجماعة المسلمين اھ (از فتویٰ سعید صدیق مدنی)

اور ضرورت کے موقعہ پر دوسرے ائمہ کے مذہب پر فتویٰ ہو سکتا ہے جبکہ اپنے مذہب میں کوئی گنجائش نہ نکل سکے اس واسطے اگر اس علاقہ میں مسلمان حاکم ان امور میں اختیار رکھنے والا نہ ہو تو

محلہ یا شہر کی پنچایئت میں معاملہ پیش کردیا جائے وہ باقاعدہ تحقیقات کرکے ایک سال کی میعاد مقرر کردیں اور سال گزرنے پر پھر جمع ہوکر زوج کے حال کی تفتیش کی جائے اگر اس کا جنون زائل نہ ہوا ہو تو عورت کو اس کے نکاح سے الگ کردیا جائے اور اس تمام کارروائی میں کم از کم ایک معاملہ فہم عالم پنچایئت کے ہمراہ ضرور ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

تنبیہ ضروری: امام محمدؒ کے قول میں کہ جس کو لیکر یہ فتویٰ دیا گیا ہے جنونِ حادث و مطبق کا حکم جداگانہ لکھا ہوا ہے مگر ہم نے مطلقاً ایک سال کی مہلت لکھی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جنون مطبق کی تفسیر نماز روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ کے بارہ میں تو موجود ہے مگر زوجۃ المجنون کے بارے میں جنون مطبق کی تفسیر کہیں نہیں ملی اور قیاس کی جرأت نہیں ہے خاص کر جب مطبق کو حادث کا مقابل گردان کر کہیں تفسیر نہ ہو اور محض مطبق کی تفسیر سے یہ لازم نہیں آتا کہ حادث کے مقابلہ میں جب مطبق ہو تب بھی اس کی تفسیر یہی ہے پس احتیاط اس میں ہے کہ مطلقاً تاجیل پر عمل کیا جائے خصوصاً جبکہ پنچایئت فیصلہ کرنے والی ہو کیونکہ پنچایئت کا فیصلہ معتبر ہونا فقہ حنفی میں تو ہے نہیں فقہ مالکی سے اس کا فتویٰ دیا گیا ہے اور مالکیہ کے مذہب میں جنونِ مطبق وغیر مطبق میں کوئی تفصیل نہیں بلکہ صاحبِ تحفہ نے لکھا ہے: وھو معنی قول خلیل و مجنونھما وان مرۃ فی الشھر قبل الدخول وبعدہ الخ

(از فتویٰ صالح تونسی مدرس مسجد نبوی) فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم از خانقاہ امدادیہ

تھانہ بھون ۔ مورخہ ۱۰ ر جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ

فصل فی احکام الحرمۃ المصاھرۃ

سوتیلی ماں کے مس کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی پہلی بیوی مسماۃ زینب ایک لڑکا مسمیٰ خالد کو چھوڑ کر مرگئی تو زید نے اپنا نکاح ثانی ہندہ سے کیا اور کچھ دنوں کے بعد زید اپنا بیٹا خالد جس کی عمر ۲۵ سال ہے اور بیوی ثانی ہندہ کو چھوڑ کر پردیس چلا گیا تو بارہا دیکھا گیا کہ خالد اپنی سوتیلی ماں ہندہ کی چارپائی پر راتوں کو سو رہا ہے اور اکثر مکان خلوت میں دونوں رہا کئے یہاں تک کہ غلبۂ نیند سے صبح ہوگئی اور دونوں ایک ہی

چارپائی پر دونوں پائے گئے اس حرکت سے خالد پر زنا کا جرم عائد ہوتا ہے یا کس گناہ کا مرتکب ہوگا اور ہندہ اپنے شوہر زید کی قابل ہے یا حرام ہوگئی ؟

سائل : مخلص حسین مدرس مدرسہ اسلامیہ
قصبہ جلال پور ضلع فیض آباد

الجواب

صورتِ مسئولہ میں خالد پر زنا کی تہمت بلا ثبوت شرعی کے نہیں لگائی جاسکتی۔ اور ہندہ اپنے شوہر پر جب حرام ہوگی جبکہ چند باتوں میں سے ایک بات ثابت ہو جائے

۱ یہ کہ خالد نے ہندہ کو یا ہندہ نے خالد کو شہوت کے ساتھ چھوا تھا اور جس حصۂ جسم کو چھوا تھا وہ موٹے کپڑے سے مستور نہ تھا

۲ یا یہ کہ خالد نے ہندہ سے معانقہ کیا تھا اور معانقہ کے وقت اس کے عضو میں انتشار تھا۔

۳ یا ایک نے دوسرے کا بوسہ لیا تھا۔

۴ یا خالد نے ہندہ کے پستان چھوئے تھے۔

قال فی العالمگیریة : (ص ۵ و ۶ و ۷ - ج ۲) ولا تثبت بالنظر إلی سائر الاعضاء إلا بشهوة ولا بمس سائر الأعضاء إلا عن شهوة بلا خلاف. کذا فی البدائع

و فیه أیضاً : ثم لا فرق فی ثبوت الحرمة بالمس بین کونه عامداً أو ناسیاً أو مکرهاً أو مخطئاً. کذا فی فتح القدیر - أو نائماً - کذا فی معراج الدرایة - و اذا قبّلها ثم قال لم یکن عن شهوة أو لمسها أو نظر إلی فرجها ثم قال لم یکن بشهوة فقد ذکر الصدر الشهید فی التقبیل یفتی بثبوت الحرمة مالم تتبین أنه قبّل بغیر شهوة وفی المسّ و النظر لا یفتی بالحرمة إلا إذا تبیّن أنه فعل بشهوة لأن الاصل فی التقبیل الشهوة بخلاف المس والنظر - کذا فی المحیط - و لو أخذ ثدیها و قال : ما کان عن شهوة لا یصدق لأن الغالب خلافه - و فی البقالی و یصدق إذا أنکر الشهوة فی المس إلا أن یقوم وآلته منتشرة فیعانقها - کذا فی المحیط اھ

پس اگر ان تین باتوں میں سے ایک کا بھی ثبوت ہوگیا تو ھندہ زید پر حرام ہوگئی

اور اگر یہ باتیں ثابت نہ ہوئیں اور نہ ہندہ و خالد نے اقرار کیا تو زید کو اپنے وجدان سے اگر ظن غالب یہ ہو کہ ہندہ و خالد بہ نیتِ فاسد ایک پلنگ پر لیٹے تھے تو اس کو ہندہ کو طلاق دیدینا چاہئے۔ اور اگر ایسا گمان نہ ہو تو نکاح باقی ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد

خسر کے اپنی بہو سے زنا کر لینے سے فسخ نکاح کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ چھکن کا نکاح بزمانہ نابالغہ ہمراہ مسمیٰ عمر پسرِ عبد الغنی سے ہوا تھا اس وقت مسماۃ چھکن بعمر سولہ سالہ ہے اور وہ بالغہ ہو گئی اور مسمیٰ عمر بعمر ۱۲ سال نابالغ ہے۔ مسماۃ چھکن سے اس کا خسر زنا کرتا ہے اور جس کے زنا کرنے کی تصدیق زوجہ خسر و داماد خسر و دیگر معتبر مردمان سے ہوئی تو کیا از روئے شریعت مسماۃ چھکن کا نکاح ہمراہ عمر اس کے شوہر کے رہا یا نہیں؟ از طرف مسماۃ سوئی۔ پانی پت مخدوم زادگان

الجواب

قال فی الدر: وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة اھ

وفی الشامیة: (قوله إلا بعد المتاركة) أی وإن مضى عليها سنون كما فی البزازية وعبارة الحاوی إلا بعد تفريق القاضی أو بعد المتاركة اھ (ص ۴۶۳ ج ۲)

وفی الشامیة ایضاً: قال شمس الائمة السرخسی زعم بعض مشائخنا أن هذا الحكم (ای الطلاق) غير مشروع أصلاً فی حق الصبی حتى ان امرأته لا تكون محلاً للطلاق وهذا وهم عندی فإن الطلاق يملك بملك النكاح إذ لا ضرر فی إثبات أصل الملك بل الضرر فی الايقاع حتى إذا تحققت الحاجة أی صحة إيقاع الطلاق من جهته لدفع الضرر كان[1] صحيحاً فاذا اسلمت زوجته وابی فرق بينهما وكان طلاقاً عند ابی حنيفةؒ ومحمدؒ وإذا ارتد والعياذ بالله وقعت البينونة وكان طلاقاً فی قول محمدؒ واذا وجدته مجبوباً فخاصمته فرق بينهما وكان طلاقاً عند بعض المشائخ اھ۔ قلتُ: حاصله أنه كالبالغ فی وقوع الطلاق منه

[1] قلت: ولا شك فی تحقيق الحاجة إليه فی الصورة المسؤلة لدفع الضرر عنه ۱۲ منه

بہٰذہ الاسباب إلا أنہ لا یصح ایقاعہ منہ ابتداءً للضرر علیہ ومثلہ المجنون اھ
(ص ۶۳۹ - ج ۲)

وفی الدر : وجوزہ (أی طلاق الصبی) الامام احمد قال الشامی أی إذا کان ممیزًا یعقلہ بأن یعلم أن زوجتہ تبین منہ کما ہو مقرر فی متون مذہبہ فافہم الخ
(ص ۷۰۰ - ج ۲)

صورتِ مسئولہ میں مسماۃ چھکن اپنے شوہر عمر پر حرام ہوگئی اب زندگی بھر وہ اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی لیکن اس حرمت سے نکاح نہیں ٹوٹا عمر کا نکاح چھکن سے ابھی باقی ہے اس لئے جب تک عمر بالغ ہو کر طلاق نہ دے یا کوئی قاضی شرع ان دونوں میں تفریق نہ کر دے چھکن کا نکاح کسی دوسرے سے نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی مسلمان حاکم جس کو اس مقدمہ کے فیصلہ کا اختیار دیا گیا ہو (گو وہ انگریزی حکومت ہی کی طرف سے ہو) زوجین کے درمیان تفریق کرے اور یہ فیصلہ کر دے کہ میں نے اس نکاح کو توڑ دیا تو شوہر کی نابالغی میں بھی مسماۃ چھکن پر طلاق پڑ جائے گی پھر وہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔

تتمۃ الجواب

قال الشامی : وقد علمت أن النکاح لا یرتفع بل یفسد وقد صرحوا فی النکاح الفاسد بأن المتارکۃ لا تتحقق إلا بالقول إن کانت مدخولًا بہا کترکتک أو خلیت سبیلک وأما غیر المدخول بہا فقیل تکون بالقول وبالترک علی قصد عدم العود إلیہا وقیل لا تکون إلا بالقول فیہما الخ (ص ۴۶۳ - ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مسماۃ چھکن کا شوہر اس سے ہم بستر نہ ہوا ہو اور بلوغ کے بعد بھی ہم بستر نہ ہو اور اس کو چھوڑ رکھے اور زبان سے اتنا کہدے کہ میں اس سے تعلق رکھنا اور اس کے پاس جانا نہیں چاہتا تب بھی یہ نکاح بلوغ کے بعد ٹوٹ جائیگا گو بالغ ہو کر شوہر طلاق نہ بھی دے پس اگر نابالغی کے زمانہ میں کسی حاکم مسلم نے اس نکاح کو فسخ بھی نہ کیا اور عمر کو بالغ ہونے کے بعد سمجھا دیا جائے کہ یہ لڑکی تجھ پر حلال نہیں رہی اور وہ باتوں باتوں میں وہ اتنا کہدے کہ میں اس سے ہم بستر ہونے اور تعلق رکھنے کا ارادہ نہیں رکھتا تو اتنا کہدینے سے بھی مسماۃ چھکن اس کے نکاح سے نکل جائے گی والله اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۹ ؍ صفر ۴۱ھ

حرمتِ مصاہرت میں نفی شہوت کی تحقیق اور مس بالشہوت کا حکم

سوال: زید نے اپنی خوشدامن سے کچھ چاول نمونہ (دیکھنے) کے لئے مانگے اس نے چاول لیکر زید کے ہاتھ پر رکھدیئے زید کے دل میں یہ خیال تھا کہ اگر اس کے یعنی خوشدامن کے ساتھ ذرا بھی مس بالشہوت ہو جائے تو زوجہ حرام ہو جاتی ہے اس لئے وہ بہت احتیاط کرتا تھا لیکن اس وقت جب خوشدامن نے اس کے ہاتھ پر چاول رکھے تو اُسے معاً یہ خیال آیا کہ یہی مس بالشہوت باعثِ حرمت ہو جاتا ہے کہیں ایسا نہو جائے اس خیال کے آتے ہی اس کے آلہ تناسل میں خفیف سا احساس پیدا ہوا مگر یہ احساس قیام آلہ کی حد تک نہیں پہنچا صرف خفیف سا احساس تھا اور میلانِ قلب الی المباشرۃ بھی ہرگز ہرگز نہ تھا صرف تصور سے یہ احساس پیدا ہوا۔ زید نے ٹٹولا تو آلہ سُست اور افتادہ تھا مگر کچھ قلیل سی حس تھی جس کے قوی ہونے سے قیام اور انتشار ہو جاتا ہے ممکن ہے کہ اس حس سے پہلے کی نسبت کچھ تغیّر پیدا ہوا ہو مگر قیام کی صورت نہ تھی صرف ضعیف سا احساس تھا۔ کتبِ فقہ میں حدِ شہوت یہ لکھی ہے "وحد الشهوة انتشار الآلة او ازدياده ان كانت منتشرة" عالمگیری ملخصاً وحدّ الشهوة تحرّك الآلة أو ازدياده (درمختار) زید یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ انتشارِ آلہ کے کیا معنی ہیں اور کیا حد ہے۔ آیا ذرا سا احساس اور تغیر بھی اس میں آجاتا ہے یا نہیں؟ قاموس میں لکھا ہے: "انتشر في الرجل الغظ" اور لغوظ کے معنوں میں لکھا ہے: "لغظ ذكره قام، والغظ الرجل والمرأة علاها الشَّبق - شبق: اشتدّت غلمته - اور غلمہ میں لکھا ہے: غلم واغتلم: غلب شهوة - غلم البعير: هاج" اس عبارت سے تو معلوم ہوا کہ انتشار کے معنی سخت شہوت کے ہیں معمولی خیال یا احساس اس میں داخل نہیں لیکن یہ معلوم نہیں کہ فقہاء رحمہم اللہ نے یہ معنی مراد لئے ہیں یا نہیں؟ اور صورتِ مذکورہ میں حرمتِ مصاہرہ ثابت ہوتی ہے یا نہیں۔ نیز زید کو یہ قلیل احساس اس سے پیدا نہیں ہوا کہ وہ خوشدامن کی طرف مائل ہو گیا تھا۔ حاشا وکلاّ، یہ خیال اسے عمر بھر کبھی نہیں گزرا بلکہ اس تصوّر سے کہ ساس سے ایسا فعل باعثِ حرمت ہے۔ اسی تصوّر سے یہ احساس پیدا ہو گیا۔ از راہِ عنایت دونوں باتوں کا جواب دیں کہ انتشار اور تحرّک آلہ کے معنی قیامِ آلہ اور غالب شہوت کے ہیں جیسا کہ قاموس سے سمجھا جاتا ہے یا کچھ اور ہیں اور وہ کیا ہیں اور صورتِ مذکورہ میں زید کی زوجہ کے متعلق کیا حکم ہے؟ والسّلام

الجواب

اس صورت میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہے اور خفیف سا احساس حدِ شہوت میں داخل نہیں ہے جبکہ میلانِ قلب بھی نہ تھا اور بظاہر چاول ہاتھ میں رکھنے کے وقت بھی نہ تھا بلکہ بعد میں خیال مذکور آکر خفیف احساس سا ہوا جو کہ حدِ شہوت میں داخل نہیں ہے

قال فی الدر المختار : والعبرة للشهوة عند المس والنظر لا بعدهما - قال فی الشامی : فیفید اشتراط الشهوة حال المسّ فلو مسّ بغير شهوة ثم اشتهی عن ذلك لا تحرم علیه ردالمحتار ص۲۸۰ - ج ۲ - فقط واللہ اعلم

کتبہٗ عزیز الرحمٰن عفی عنہ

مفتی دار العلوم دیوبند

۷ ربیع الاول ۴۵ھ

تنقیح

ع۱ یہ شخص جوان ہے یا بوڑھا ؟

ع۲ سوال میں یہ مذکور نہیں کہ خوشدامن سے چاول لیتے ہوئے اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے مس ہوا یا نہیں ؟ اس کی تشریح کی جائے ۔

ع۳ سوال میں یہ بھی مذکور نہیں کہ آلۂ تناسل میں خفیف سا اثر چاول لیتے وقت ہوا یا اس کے بعد میں ؟ اس کو بھی واضح کیا جائے

ع۴ سوال میں یہ تو مذکور ہے کہ میلان الی المباشرت ہر گز نہ تھا مگر کیا چاول لیتے ہوئے اس کو التذاذ اور شہوت بھی بالکل نہیں ہوئی کیونکہ التذاذ بدون میلان الی المباشرت کے بھی ہو سکتا ہے ۔ ان تنقیحات کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائیگا ۔ یہ پرچہ بھی واپس کیا جائے ۔ فقط ظفر احمد از تھانہ بھون

جناب مولانا صاحب !

صاحبِ واقعہ کے مستفسرہ حالات یہ ہیں :

ع۱ یہ شخص جوان ، قادر علی المباشرت ہے اور بوقتِ شہوت اچھی طرح سے انتشار

ہوتا ہے۔

ع۲ چاول لیتے وقت تھوڑا سا مس بلا حائل خوشدامن کے ہاتھ سے ہوا۔

ع۳ اس کے متعلق یقین نہیں کہ یہ خفیف سا اثر کب پیدا ہوا۔ خیال راجح یہ ہے کہ پہلے تصوّر کی وجہ سے طبیعت میں کچھ ذرا سا اثر تھا اور مسِ ید کے وقت یقین نہیں کہ اس اثر میں اضافہ ہوا یا نہیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ اس شخص نے اپنی بیوی سے جو پاس ہی چارپائی پر پڑی تھی اور یہ شخص اس کے پاس دوسرے چارپائی پر بیٹھا تھا چاول دیکھنے کے لئے مانگے، بیوی نے اپنی والدہ کو کہدیا کہ چاول لادے اس شخص کو فوراً یہ تصوّر آیا کہ ساس سے مس بالشہوت ہونے سے (یا مباشرت کا وقوع ہونے سے) عورت حرام ہو جاتی ہے۔ اس نے بہترا اِدھر اُدھر دیکھا کہ چاول کپڑے رکھا لوں مگر اور کوئی چیز نہ تھی ناچار اس نے ہاتھ پھیلایا اور ساس نے چاول رکھدی اس وقت طبیعت میں خفیف سا اثر تھا اور غالباً پہلے سے پیدا ہوا تھا اور یہ معلوم نہیں کہ مس کے وقت اضافہ ہوا یا نہیں ؟

ع۴ التذاذ کے متعلق بھی کچھ یقینی یاد نہیں کہ واقع ہوا یا نہیں ؟ صرف تصوّر سے کچھ التذاذ قلب بھی ہوا ہو تو بعید نہیں یقینی امر اتنا ہے کہ خفیف سا احساس تھا فقط جو کچھ یاد تھا اور یاد آیا وہ سب لکھ دیا ہے۔ شاید بے اختیاری سے کچھ ذرا سا التذاذ ہوا ہو مگر یقین اس کے متعلق نہیں۔ والسلام

الجواب من جامع امداد الاحکام

صورتِ مسئولہ میں حرمتِ مصاھرت ثابت نہیں ہوئی۔ کیونکہ مس کے وقت اضافہ شہوت کا یقین نہیں۔

قال فی الدر المختار : وفی المس لا تحرم مالم تعلم الشهوة لأن الأصل فی التقبیل الشهوة بخلاف المس (ص ۴۶۲ - ج ۲)

اور شہوت کے معنی باب مصاہرت[ع۵] میں تحرکِ آلہ ہے یا ازدیادِ تحرک۔ اگر پہلے سے تحرک موجود ہو اور یہی مراد انتشار سے ہے۔ باقی لغوظ قوی یا قیام کامل مراد نہیں جیسا کہ

ع۵ اس مسئلہ کی مزید تفصیل جلد تاسع کے فتاوی ماہ ذیقعدہ ۴۸ھ میں موجود ہے۔ وہاں ملاحظہ کیا جائے۔ ظفر احمد

سائل نے سمجھا ہے کہ سخت شہوت مراد ہے۔

قال الشامي : عن الفتح وفرع عليه لو انتشر وطلب امرأته فأولج بين فخذي بنتها خطأً لا تحرم أمها مالم يزدد الانتشار اھ (ص ۴۵۹ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر عمداً فخذِ بنت میں ایلاج ہو تو زیادتِ انتشار کی ضرورت نہ تھی یا پہلے سے منتشر نہ ہوتا اور خطأً فخذِ بنت میں ایلاج ہو کر انتشار ہو تب بھی زیادت انتشار کی ضرورت نہ ہوتی والمراد بالإيلاج ماكان بدون المس باليد بلا حائل والا فهو كافٍ للحرمة۔ والله أعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہِ اشرفیہ

۱۶ / جمادی الاولی ۱۳۴۵ھ

بیٹی سے زنا کیا تو بیوی حرام ہو جائے گی

سوال : مکرم جناب مولوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ایک شخص پوچھتا ہے کہ عرصہ دس سال کا ہوا کہ مجھ سے بیٹی کے ساتھ زنا کا گناہ ہو گیا اور اب تک اس کی ماں میرے پاس ہے اور اولاد بھی ہو رہی ہے۔ میں اس گناہ کا اقرار کرتا ہوں اور جو سزا میری ہو اس کے لئے تیار رہوں۔ اس کی ماں کو الگ کروں تو گھر بار نہ اجڑنے کے لئے یہ بھی ممکن ہے کہ میں اس سے بالکل علیحدہ رہوں لیکن وہ گھر میں رہے اور وہ بال بچوں کی پرورش کرے اور اس کو خرچ دیتا رہوں میں اس سے پردہ کروں یا اس کو طلاق دیکر بالکل کوئی تعلق نہ رکھوں؟

الجواب : خانقاہ امدادیہ ۲۰ / جمادی الاول ۴۳ھ

بیٹی کے ساتھ زنا کرنے سے اس کی ماں مرد پر حرام ہو گئی۔ اب اس سے وطی اور جماع جائز نہیں۔ باقی نکاح بدون فسخِ قاضی یا متارکت احد الزوجین کے نہیں ٹوٹتا اور متارکت کے معنی یہ ہیں کہ طلاق دیدے یا مرد و عورت میں سے کوئی یہ کہدے کہ میں تجھ سے علاقہ نہیں رکھنا چاہتا۔ سو جب تک تفریقِ قاضی یا متارکت کا تحقق نہ ہو نکاح نہیں ٹوٹتا پس یہ شخص اپنی بیوی کو اسطرح گھر میں رکھ سکتا ہے کہ اس کے پاس نہ جائے اور نان ونفقہ دیتا رہے بشرطیکہ اس صورت میں یہ اندیشہ نہ ہو کہ کسی وقت مبتلائے جماع ہو جائیگا اور بیوی سے ترکِ جماع کر کے بدون نکاح رہنے میں اس کی عفت پر بھی اندیشہ نہ ہو اور بیوی

کی عفت پر بھی اندیشہ نہ ہو۔ والسلام

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

حرمتِ مصاہرہ کی ایک صورت کے متعلق مدرسہ سہارنپور و خانقاہِ امدادیہ کے دو مختلف فتویٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شریر لڑکا جو سنِ بلوغت کو نہ پہنچا تھا، عادت شرارت سے اکثر جو لڑکیوں میں کھیلا کرتا تھا بطور کھیل کے لڑکیوں سے زنا کی نقل کیا کرتا تھا۔ ایک روز اپنی سوتیلی چچی کے پاس جو جوان تھی لیٹ گیا، رات کا وقت تھا اور چچی اس کی بالکل برہنہ ہوتی تھی اس سے حسبِ عادتِ شرارت ہاتھ کی انگلی سے زنا کیا۔ اگر یہ بالغ ہوتا یا اس کو تندی ہوتی تو اصلی زنا کرنے میں اس کے کوئی شک نہ تھا۔ اور عمر کا حال اس عرصہ کا پورے طور سے معلوم نہیں کہ عمر دس برس کی تھی یا کچھ کم و بیش۔ چونکہ اس بات کو اس وقت عرصہ ۴۲ سال بلکہ زیادہ گزر چکا ہے۔ بالغ نہ ہونے کا تو پتہ خوب یاد ہے نہ تو اس عرصہ میں کبھی احتلام ہوتا تھا نہ انزال ہوتا تھا بلکہ تندی بھی شاید نہ ہوتی ہو اگر تندی ہوا کرتی تو ضرور اس وقت بھی ہوتی جس وقت یہ امر انگلی سے ہوا حالانکہ اس وقت اس لڑکے کی چچی کی جب آنکھ کھلی اس نے یہ معاملہ دیکھ کر اس لڑکے کو اپنے پیٹ پر لٹا لیا تب بھی اس کو تندی نہیں ہوئی۔ اس معاملہ کے دس بارہ برس بعد اس کی چچی کی لڑکی پیدا ہوئی۔ جوان ہونے پر اس کی شادی کر دی اب وہ لڑکی بیوہ ہے اس لڑکی سے اس شخص کا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے حسب قانونِ شریعت نکاح درست ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

حامداً و مصلیاً و مسلماً

اقل مدت بلوغ لڑکے کی بارہ سال ہے اس سے پیشتر لڑکا بالغ نہیں ہوتا۔ بارہ۱۲ برس کے بعد جو زمانہ ہوگا وہ زمانہ مراہقیت کا ہوگا جو وطی وغیرہ کے بارہ میں بالغ کا حکم رکھتا ہے۔ چونکہ لڑکے کی عمر اس وقت بارہ۱۲ برس سے کم تھی اس لئے اس کے اس فعل سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوگی، اس کا نکاح اس عورت کی لڑکی سے شرعاً جائز ہے۔

فی الشامی تحت قولہ: فلو جامع غیر مراھق زوجۃ أبیہ لم تحرم (فتح)

تتحصل من هذا أنه لابد فى كل منهما من سن المراهقة واقله للأنثى تسع وللذكر اثنا عشر لأن ذلك أقلّ مدة يمكن فيه البلوغ اھ واللہ أعلم

رقمہٗ ضیاء احمد عفی عنہ

مورخہ ۱۹ر جمادی الاول ۴۴ھ

صحیح

عبد اللطیف عفا اللہ عنہ

مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

الجواب صحیح

خلیل احمد عفی عنہ

سوال مکرّر از سائل بالا

جناب مولانا صاحب ، دام ظلکم ۔ بعد سلام مسنون کے عرض پرداز ہوں ۔ چونکہ اس واردات کو عرصہ ۲۴ سال سے زیادہ گزر چکا ہے اس لئے عمر کا حال پورے طور سے معلوم نہیں ۔ آیا عمر لڑکے کی بارہ ۱۲ سال سے کم تھی یا کچھ زیادہ تھی عمر کی نسبت احتمال ہے ۔ البتہ نابالغ ہونے کا اطمینان پورے طور سے ہے ۔ چونکہ بالغ ہونے کا ثبوت انزال ہونے پر منحصر ہے اس عرصہ میں انزال مطلق نہ ہوتا تھا یہ خوب یاد ہے اور عمر کی نسبت اس لئے احتمال ہے کہ اکثر ہم لوگوں میں لڑکے پندرہ سال سے بھی زیادہ عمر میں بالغ ہوتے ہیں ۔ بارہ تیرہ برس کی عمر میں اکثر شہوت اور انتشار بھی نہیں ہوتا اس لئے قیاساً یہ احتمال ہے کہ شاید عمر ۱۲ سال کی ہوگئی ہو یا اس سے زیادہ یا کم ہو ۔ اس صورت میں علماء دین اور مفتیان شرع متین کی نکاح کر لینے کی نسبت کیا رائے ہے ؟ اگر قانونِ شریعت کے موافق کوئی صورت نکاح درست ہونے کی ہو تو کر لیا جائے ۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جیسا کہ بلوغ کی اقل مدت بارہ سال ہے ایسا ہی مراہقیت کی بھی اقل مدّت بارہ سال ہے ۔ مراہق اس کو کہتے ہیں جو قریب البلوغ ہو ۔ اور ثبوتِ حرمت کی اصلی علت وجودِ شہوت ہے ۔ چونکہ درصورتِ مسئولہ عمر شخصِ مذکور کی متعین نہیں اور عدم شہوت متیقّن ہے اس لئے اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی پس زید کا نکاح اس عورت کی لڑکی سے شرعاً جائز ہوگا ۔ رقمہٗ ضیاء احمد عفی عنہ ۔ مورخہ ۷ر جمادی الاول ۴۴ھ

صحیح
عبداللطیف
مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

صحیح
خلیل احمد عفی عنہ

الجواب من الخانقاہ الامدادیۃ

صورتِ مسئولہ میں جب عمر کا حال مشکوک ہے کہ بارہ برس سے زیادہ تھی یا بارہ برس تھی یا اس سے کم تھی تو اس شخص کا عمر کے اعتبار سے تو مراہق ہونا مشکوک ہے مگر اس کے افعال سے مراہق ہونا غالب ہے کیونکہ چچی کے ساتھ یہ حرکت بدون شہوت کے عادۃً نہیں ہوسکتی ایسی شرارت اپنے ہم عمروں کے ساتھ ہوا کرتی ہے وہ بھی جاگتے ہوئے اور بڑے کے ساتھ سوتے ہوئے اس کا منشا محض شرارت نہیں بلکہ شہوت کو بھی دخل ہے اور مراہقیت مشکوک بھی اور موجب بھی باب فروج میں احتیاط لازم ہے۔

قال فی الشامیۃ: مسّ المراهق کالبالغ۔

وفی البزازیۃ: المراهق کالبالغ لو جامع اولمس بشهوة تثبت حرمة المصاهرة له (ص ۲۶۱)

وفی الاشباه: إذا کان مراهقاً تتحرّك آلته ویشتهی النساء اهـ (۳۲۹)

قال الحموی: الظاهر أن تحرّك الآلة یستلزم الاشتهاء فالاشتهاء علة التحرك فی نفس الامر والتحرّك علة العلم بالاشتهاء اهـ

اس سے معلوم ہوا کہ مراہق ہونے کے لئے عورتوں کی طرف خواہش ہونا اصل ہے اور تحرکِ آلہ مطلق ہے اسمیں تندی ہونا ضروری نہیں۔

وفی الشامیۃ: ولوشك اطلق واحدة أم أکثر بنی علی الاقل اهـ وعن الامام الثانی إذا کان لایدری أثلاث أم أقل یتحرّی وان استویا عمل بأشدّ ذلك علیه اشباه قال ط: وعلی قول الثانی اقتصر قاضی خان ولعلّه لأنه یعمل بالاحتیاط خصوصًا فی باب الفروج اهـ ـ قلتُ: ویمکن حمل الاول علی القضاء والثانی علی الدیانة ویؤیّده مسئلة المتون فی باب التعلیق لو قال: إن ولدت ذکرًا فأنت طالق واحدة وان ولدت أنثیٰ فانت طالق ثنتین فولدتهما ولم یدر الأول تطلق

واحدة قضاءً وثنتين تنزهاً أى ديانةً اھ (ص ۷۴۵ - ج ۲)

پس صورتِ مسئولہ میں یہ شخص خوب سوچے کہ اس وقت اس کی عمر بارہ سال تھی یا نہیں ؟ اور بچی کے ساتھ یہ حرکت کرتے ہوئے شہوت تھی یا نہیں ؟ اگر غالب گمان یہ ہو کہ عمر بارہ سال سے کم تھی اور اس فعل کے وقت شہوت نہ تھی تب تو اس کی لڑکی سے قضاءً و دیانۃً نکاح درست ہے اور اگر کسی ایک طرف گمان غالب نہ ہو بلکہ بارہ سال یا زیادہ یا کم سب کی طرف برابر خیال ہو۔ اسی طرح شہوت و عدمِ شہوت کا خیال بھی برابر ہو تو اس صورت میں دیانۃً اس لڑکی سے نکاح درست نہیں اور اگر غلبۂ خیال کا بارہ سال اور شہوت کے وجود کی طرف ہو تب تو کسی طرح بھی نکاح درست نہیں هكذا ينبغى التفصيل فى المقام والحمد لله الملك المنعام۔

حرّرہ ظفر احمد عفاعنہ ۔ از تھانہ بھون

۲۹ رجمادی الثانی ۴۲ھ

شوہر اس اقرار کے بعد کہ "اس کے باپ نے اس کی بیوی سے زنا کیا ہے" انکار کرے اور عورت بھی مدعیہ زنا ہو جبکہ خسر انکار کرتا ہے تو اس صورت میں حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں۔

خلاصۂ سوال : اگر زوج اپنی عورت کے متعلق اس امر کا اقرار کر چکا ہو کہ میرے باپ نے اس سے زنا کیا ہے اور بعد میں انکار کر دے اور عورت بھی دعوی زنا کا کرتی ہو اور اس کا خسر منکر ہو تو حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جائے گی یا نہیں ؟

الجواب

فى العالمگيرية : (ص ۶ ج ۲) ولو أقر بحرمة المصاهرة يؤاخذ به ويفرق بينهما (إلى أن قال) والاصرار على هذا الاقرار ليس بشرط حتى لو رجع عن ذلك وقال كذبت فالقاضى لا يصدّقه الخ

اس سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں مسماۃ غلام بی بی شیخ غلام پر حرام ہو گئی لھذا اس سے الگ کرا دی جائے یعنی قاضی تفریق کر دے یا زوج خود طلاق دیدے یا بدون طلاق ہی یہ ظاہر کر دے کہ میں نے اس کو ترک کر دیا ہے۔

كما فى الدر مع الشامى : (ص ۶۳۴ - ج ۲) وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة ۔ قال الشامى تحت قوله (إلا بعد المتاركة)

أی و إن مضی علیها سنون کما فی البزازیة وعبارة الحاوی الابعد تفریق القاضی أو بعد المتارکة اھ وقد علمت أن النکاح لایرتفع بل یفسد وقال صاحب الدر (ص ۱۰۶) (او) المتارکة ای اظهار العزم من الزوج (علی ترك وطئها) بان یقول بلسانه ترکتك بلاطئ ونحوه ومنه الطلاق وانکار النکاح لو بحضرتها والالا، لامجرد العزم لو مدخولة اورچونکہ حَکَمْ بمنزلہ قاضی ہوتا ہے اس لئے اگر زوج خود جدانہ کرے تو حَکَمْ کے ذمہ بعد ثبوتِ شرعی تفریق واجب ہے۔

کمافی الدر المختار : بل یجب علی القاضی التفریق بینهما۔

وقال الشامی تحت قولہ (علی القاضی) ای ان لم یتفرقا (ص۵۲۶ ج۲) واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

۲۶ محرم ۱۳۴۴ھ

خسر نے شہوت کے ساتھ بہو کا ہاتھ پکڑا تو عورت خاوند پر حرام ہو جائے گی۔

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ باپ نے اپنے بیٹے کی عورت کا ہاتھ شہوت سے پکڑا عورت ہاتھ چھڑا کر بغرض بچانے عزت کے پڑوس کے مکان میں چلی گئی حالتِ مذکورہ میں عورت اپنے شوہر پر حلال ہے یا نہیں؟ اور نکاح قائم ہے یا نہیں؟

تنقیح : ہاتھ پر کپڑا تو نہ تھا؟

جوابِ تنقیح : ہاتھ پر کپڑا نہ تھا۔

الجواب

اگر خسر شہوت کے ساتھ بدون کپڑے کے ہاتھ پکڑ لے تو عورت خاوند پر حرام ہو جاتی ہے لیکن جب تک حاکم اسلام علیحدہ نہ کرے یا زوج طلاق وغیرہ سے جدا نہ کرے اور اس کے بعد عدت نہ گزرے اس وقت تک اور کسی سے نکاح جائز نہیں۔

فی العالمگیریة (ص ۵ ج ۲) وکذا تحرم المزنی بها علی آباء الزانی واجداده وإن علوا وأبناءه وإن سفلوا۔ کذافی فتح القدیر۔

وفیه بعد أسطر: وکما تثبت هذه الحرمة بالوطی تثبت بالمس والتقبیل

عہ لیس فی سائر النسخ ولعله غلط ما قاله شیخنا

والنظر إلى الفرج بشهوة كذا في الذخيرة سواء كان بنكاح أو ملك أو فجور عندنا كذا في الملتقط۔

وفی الدر المختار : وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة۔ واللہ اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ

۱؍ جمادی الاول ۴۴ھ

جواب میں تفصیل کی ضرورت ہے وہ یہ کہ بیٹے کی عورت شہوت سے پکڑنے کا دعویٰ کرتی ہے اب خسر سے پوچھا جائے اگر شہوت سے انکار کردے تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہے۔

قال الشامی نقلاً عن الجوهرة للحداوی : لومس أو قبل وقال لم اشته صدق إلا اذا کان المس علی الفرج والتقبیل فی الفم اھ (ص ۴۶۲ ج ۲)

اور اگر شوہر کا باپ خود سرے سے واقعہ ہی کا انکار کرے تو اب یا تو عورت کے پاس بیّنہ ہے (یعنی دو گواہ) یا نہیں ؟ اگر بیّنہ ہے تو اس کے متعلق سوال دوبارہ کیا جائے۔ اور بینہ نہیں ہے تو اس عورت کا خاوند اگر عورت کو سچا سمجھے اور اس کا دل گواہی دے کہ اس کا قول سچا ہے تب تو یہ اس پر حرام ہو جائے گی اور اگر اس کا دل واقعہ کی تصدیق نہ کرے یا باپ کے متعلق عورت کے ادعاءِ شہوت کو دل قبول نہ کرے تو حرمت نہ ہوگی۔ کذا یظھر من الشامیة (ص ۴۵۷ ج ۲) واللہ أعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۳؍ جمادی الاول ۴۴ھ

حرمتِ مصاہرہ کے متعلق ایک استفتاء

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے اپنے والد عمر کی منکوحہ ہندہ سے حسب ذیل واقعات کیا جن کی تفصیل یہ ہے کہ زید عمر کا لڑکا ہے جو کہ پہلی منکوحہ سے ہے جب زید کی عمر تقریباً سات سال یا اس سے کچھ کم و بیش ہوئی اس وقت عمر نے دوسرا نکاح ہندہ سے کیا جب ہندہ اپنے خاوند کے گھر آئی تو زید چونکہ چھوٹی عمر کا لڑکا تھا اس لئے ہندہ اس کو اپنے لڑکے کی طرح محبت کرنے لگی اور زید کو بھی ان سے غایت

اُنسیت ہوگئی اور چونکہ ھندہ نہایت حسینہ جمیلہ نوجوان تھی اس وجہ سے بھی زید کو ان کی طرف طبعی میلان تھا اور بہت ممکن ہے کہ اس میں کچھ کچھ بدنگاہی کا بھی آمیزش ہو۔ غرض جبکہ زید ہمیشہ ھندہ کے پاس سہنے رہنے لگا اور عمر کی زیادتی کی وجہ سے کچھ کچھ شہوت میں بھی زیادتی ہونے لگی اور پھر زید بدچلن لڑکوں کے ساتھ رہکر (جو کہ اس سے عمر میں بڑے تھے اور بعض اس میں بالغ یا قریب البلوغ بھی تھے) بُری بُری باتیں سیکھنے لگا اور دن بدن زید میں بھی ان لڑکوں کی صحبت کی وجہ سے خباثت کی باتیں پیدا ہونے لگیں جب اس نے اپنے باپ کی منکوحہ ھندہ کو بھی بدنگاہی سے دیکھنے لگا اور جتنا اشتہا بڑھتا گیا اتنا ہی اس مرض میں زیادتی ہونے لگی چنانچہ انہی اثناء میں جبکہ اس کی عمر نو یا دس سال کی ہوتی ھندہ نے ایک دفعہ زید کو بوجہ تنہا ہونے کے رات کو اپنے پاس لیا تھا کیونکہ اس وقت زید سے عورتیں نہیں شرماتی تھیں اور ھندہ کو بھی زید کو اپنی طرف میلانِ بد کا اندیشہ نہ تھا پس زید نے اس کے پاس لیٹ کر غالباً ایک دفعہ سو جانے کے بعد جب آنکھ کھلی تو ھندہ کو سوتی ہوئی پایا تو یہ شرارت کی کہ اپنے رخسار کو ھندہ کے رخسار کے ساتھ اور غالباً اپنے ہونٹ اس کے ہونٹ یا رخسار کے ساتھ اشتہا کے ساتھ ملایا اور ہاتھ سے بھی دیگر اعضاء کے ساتھ مس کیا علاوہ فرج کے اور غالباً پستان کو بھی بوجہ خوف بیدار ہونے کے مس نہیں کیا مگر اس واقعہ کے وقت زید کو انزال تو بالکل نہیں ہوتا کیونکہ منی اس وقت پیدا نہ ہوا تھا البتہ اتنی بات تھی کہ پہلے سے لڑکوں کو دیکھا دیکھی جلق کرنے لگا تھا اول اول تو زید کا کچھ بھی خارج نہ ہوتا تھا مگر شاید اس واقعہ کے وقت ایک دو قطرہ مذی کی طرح رقیق یا اس سے کچھ کم و بیش نکلنے لگا تھا۔ کچھ اچھی طرح زید کو یاد نہیں۔ ہاں اس وقت عورت سے وطی کرنے کو جی چاہتا تھا اور غالباً اس واقعہ کے بعد (گو اس کو بعدیت میں ایک گونہ تردّد ہے مگر اغلب بھی یاد آتا ہے کہ یہ واقعات پہلے مذکورہ واقعہ کے بعد میں ہوئے اور ممکن ہے کہ بعض دفعہ قبل ہو اور بعض دفعہ بعد میں ایسا ہوا ہو بلکہ اغلباً یہی صورت معلوم ہوتی ہے) بعض بعض دفعہ گھر کے کاموں میں کہ جس میں دو آدمی کی ضرورت ہوتی ہے زید ھندہ کے ساتھ ملکر کام کرتا تھا اور اس میں زید کو حظ آتا تھا اور اگر موقع پاتا تو اپنے بدن کو ھندہ کے بدن کے ساتھ لگا دیتا گو اغلب یہ ہے کہ ملانا کپڑے کے اوپر سے ہوتا تھا اور یاد آتا ہے کہ غالباً ھندہ کے ہاتھ کی چوڑیاں دیکھنے کے بہانے سے اپنے ہاتھ سے بلا حائل کپڑا وغیرہ کے اس کے ہاتھ سے مس کیا تھا لیکن مس کرتے ہی

جب اپنے اندر کچھ اشتہا کی زیادتی دیکھا تو فوراً ہاتھ کو علیحدہ کر لیا تھا اور غلبۂ ظن یہی ہے کہ ان تمام واقعات کے وقت زید کی عمر دس یا گیارہ سال سے متجاوز نہ تھی اور برس چھ مہینہ کی زیادتی کمی کا بھی احتمال ہے گو احتمال کمی کا زیادہ ہے شاید تحقیق کرنے کی کوشش کرنے سے کچھ صحیح اندازہ لگ جائے ان واقعات کے بعد جب زید میں آثارِ بلوغ ظاہر ہونے لگے اور غالباً ھندہ کو بھی اس امر کا احساس ہوگیا کہ زید کو میری طرف بُری میلان اور بدنگاہی ہے، تب وہ زید سے بہت احتیاط کرنے لگی اور زید بد صحبت لڑکوں کے ساتھ رہ کر رات دن شہوت رانی کے قصّوں میں مبتلا ہوگیا چونکہ زید کو مع اس کے ہم مشربوں کے ھندہ پر پہلے سے نگاہ بد جم چکی تھی لیکن اپنی خواہش پوری کرنے کی اور تو کوئی صورت قابو میں نہ تھی آخر میں یہ بات طے کی کہ کسی طرح ھندہ کی فرج کو دیکھ کر اس پر تصور کر کے جلق وغیرہ کیا جائے۔ چنانچہ ایک دفعہ جبکہ ھندہ کے خاوند مکان پر نہ تھا اور رمضان شریف کا زمانہ تھا زید مع اپنے ایک ہم مشرب کے ھندہ کے پاس ارادہ مذکورہ سے جانے کا قصد کر کے چلا۔ لیکن دوسرا بوجہ خوف وغیرہ کے پیچھے رہ گیا اور زید ہندہ کے پاس پہنچا تو دیکھتا ہے کہ ھندہ جلتی چراغ چھوڑ کر سو رہی ہے اور چونکہ ھندہ کے وضع حمل کا زمانہ نہایت قریب تھا غالباً اس واقعہ کے پندرہ بیس روز بعد ہی ولادت ہوئی شاید اس لئے بھی بہت غافل ہو کر پڑی رہی اور زید نے اس کے پاس آہستہ سے بیٹھ کر مقامِ مخصوص سے کپڑا اٹھا کر خود گھور گھور کے فرج خارج کو دیکھا اور دوسرے اعضاء کو بھی شہوت کے ساتھ مس کرتا رہا یہاں تک کہ جب ان امور سے ھیجان بہت زیادہ ہوگیا اور خود انزال ہونے کا خوف ہوگیا تو زید وہاں سے بالکل چلے آنے کے ارادہ سے اٹھا لیکن ابھی تک ھندہ کے بستر سے علیحدہ ہونے نہ پایا تھا از خود انزال ہوگیا اور انزال کے وقت ھندہ زید کی ملموس بھا اور منظور الیھا نہ تھی۔ اس کے بعد جب ہیجان کم ہوگیا تو پھر دیکھنے کے ارادہ سے عود کیا کیونکہ مقصود تو صرف فرج کو دیکھنا تھا لیکن دوبارہ جا کر نہ تو ابھی تک کسی عضو کو ہاتھ وغیرہ سے مس کیا اور نہ فرج کو دیکھا اتنے میں ھندہ کو خبر ہوگئی اور ممکن ہے کہ جب وہاں سے جانے لگا تھا اس وقت خبر ہوگئی ہو۔ غرض جاتے ہی جب اس نے زید کو دیکھا دھمکایا تو زید وہاں سے بھاگ گیا اس واقعہ کے بعد کوئی ایسی بات نہیں کی کہ جس سے حرمتِ مصاہرۃ کا شبہ ہو پس ان واقعاتِ مذکورہ سے زید کا ھندہ سے موافق مذہب حنفیہ حرمت مصاہرۃ ثابت ہوگئی یا نہ؟ بر تقدیرِ اول عمر جو کہ زید کا والد ہے اس سے ھندہ کی تفریق واجب ہو گی یا نہیں؟ اور

زید ان گناہوں سے توبۃ النصوح کیونکر حاصل کر سکتا ہے۔ بیّنوا توجروا

الجواب

زید کے جو واقعات دس یا گیارہ سال کی عمر کے لکھے ہیں ان سے تو حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں کیونکہ بارہ سال سے پہلے شرعاً لڑکا مراہق نہیں مانا گیا۔ لانہ لا یتصور منہ الاحبال وھو الاصل فی حرمۃ المصاھرۃ اور جو ایک واقعہ بلوغ کے زمانہ میں نظر الی الفرج اور مساس کا لکھا ہے اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی بوجہ مساس کے نہ بوجہ نظر الی الفرج کے کیونکہ نظر الی الفرج الخارج موجب حرمت نہیں فی الاصح اگر زید کو بعد مساس کے انزال نہ ہو جاتا مگر چونکہ اس کو مساس کے بعد انزال ہو گیا اس لئے اس سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔

قال فی الشامیۃ: لابد فی کلّ منھما من سن المراھقۃ وأقلہ للأنثی تسع وللذّکر اثنا عشر لأن ذلک أقل مدۃ یمکن فیھا البلوغ کما صرّحوا بہ فی باب بلوغ الغلام وھٰذا یوافق ما مرّ من أن العلّۃ ھی الوطیٔ الذی یکون سبباً للولد أو المس الذی یکون سبباً بھٰذا الوطیٔ ولا یخفی أن غیر المراھق منھما لا یتأتی منہ الولد اھ (ص ۲۶۱ ج ۲)

وفی الدر: ھٰذا إذا لم ینزل فلو أنزل مع مسّ أو نظر فلا حرمۃ، بہ یفتی ابن کمال وغیرہ اھ

قال الشامی: لأنّہ بالانزال تبین أنہ غیر مفضٍ إلی الوطیٔ (ھدایہ)

قال فی العنایۃ: ومعنی قولھم ھٰذا أن الحرمۃ عند ابتداء المس بشھوۃ کان حکمھا موقوفاً إلی أن یتبین بالانزال فان أنزل لم تثبت والا ثبتت اھ (ص ۴۵۹ - ج ۲)

وفی التحریر المختار: قول الشارح: ھٰذا إذا لم ینزل اھ أطلق فی الانزال فشمل ما إذا لو أنزل بمجرّد المسّ أو بعدہ ولو بجماع فی زوجتہ الأخری اھ (سندی عن غایۃ البیان ص ۱۸۲ ج ۱) قلتُ: فیہ تصریح بأن مقارنۃ الانزال (أی قبل سکون شھوۃ حادثۃ بالمس) بالمس غیر شرط ویؤیدہ ما فی فتح القدیر تحت قول الھدایۃ: ولو مس فأنزل فقد قیل أنہ یوجب الحرمۃ والصحیح أنہ لا یوجبھا الخ ما نصّہ ثم شرط الحرمۃ بالنظر أو المسّ أن لا ینزل فان أنزل فالمختار لا تثبت کقول المصنف وشمس الائمۃ والبزدوی بناءً علی أن الأمر موقوف حال المسّ إلی ظھور عاقبتہ إن

ظهر انه لم ينزل حرمت وإلا لا اھ (ص۱۳۱ ج۳) - قلت : وعاقبة الشئ مايعقبه لاما يقارنه فظهر أن مقارنة الانزال بالمس ونحوه ليس بشرط بل الشرط معاقبته وتفسيره ماذكره السندی عن غاية البيان - وأيضًا فقد صرحوا بأن الافضاء والاتيان فی الدبر لا يوجبان حرمة المصاهرة ولم يقيدوهما بأن لايكون قبلهما مسّ ولا نظر وإن كان شئ منهما فلا ينفصل جسمه عن جسمها حتی ينزل وان انفصل جسمه عن جسمها بعد المس ولو لحل اللباس ثم جامعها وأفضاها أو أتاها فی دبرها حرمت حيث سكتوا عن كل ذلك تبين ان المقارنة بين المس والانزال وبين المس والافضاء وبين المس والاتيان فی الدبر ليس بشرط بل تكفی تعقب شئ منهما عن المس والنظر لنفی الحرمة للعلة التی ذكرها فی العناية -

تتمّہ : یہ تو معلوم ہو گیا کہ انزال مس کے بعد بھی مسقطِ حرمت ہے اور مقارنت شرط نہیں لیکن کیا اس بعدیت کی کوئی حد بھی ہے یا نہیں تو قواعد سے مفہوم ہوتا ہے کہ جب تک اس شہوت کو سکون نہ ہو جو مس ونظر سے پیدا ہوئی ہے اس مدت میں اگر انزال ہو گیا تو مسقطِ حرمت ہے ورنہ مسقطِ حرمت نہیں کیونکہ انزال کو عاقبۃ المس جب ہی کہہ سکتے ہیں جبکہ مس کو انزال میں دخل ہو اور سکونِ شہوت کے بعد جو انزال ہو گا وہ اس مس کی عاقبت نہیں بلکہ کسی دوسرے فعل کی عاقبت ہے اور غالباً درمختار کی عبارت میں "مَعَ مسّ او نظر" بلفظ معیت اسی کی طرف اشارہ کرنے کے واسطے اطلاق کیا گیا ہو ولم اره صریحاً۔ واللہ اعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۲ شوال ۴۶ھ

مصاہرت کی ایک خاص صورت کا حکم

سوال : ایک شخص نے اپنے لڑکے کی عورت سے فعل بد کرنے کی نیّت سے اپنے دل کا راز بیان کیا اور کسی وقت موقع پا کر اس عورت سے جو اس کے بیٹے کی زوجہ ہے اس کا ہاتھ پکڑا لیکن دل کی مراد پوری نہ کر سکا اور کتنی راتوں کو اس عورت کے بستر کو خالی پا کر اس کے بستر پر جا کر سویا اور اس کے بدن پر ہاتھ رکھا لیکن جب عورت مذکور نیند سے بیدار ہوئی فوراً اٹھ کر بھاگی اور اپنی حرمت وعزت کو بچائی کسی وقت وہ مرد اس کو اپنے قابو میں نہ لا سکا اور ایک بار اس عورت کو ان کے والد کے مکان سے لاتے وقت اسی مرد مذکور نے یعنی اس عورت کے خاوند کے والد نے راستہ

میں اکیلا پاکر اس دن بھی اپنے دل کی باتیں بیان کیں اور بعض بعض دفعہ ہاتھ پکڑا لیکن عورت نے اپنی عزت کو بچائی اور مرد مذکور اس معاملہ کا انکار کرتے ہوئے قرآن شریف کی قسم کھانے کا وعدہ کرتا ہے۔ اب اس عورت کے بارے میں شریعتِ محمدیہ کا کیا حکم ہے؟ یعنی اس عورت کو رکھنا اس مرد کے لڑکے کے لئے جائز ہے یا نہیں اگر رکھے تو اس کے واسطے نکاح دوبارہ کرنا ہوگا یا نہیں۔ نیز اس عورت پر طلاق ہوئی ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی ان ساری باتوں کا جواب عنایت فرمائیں۔

عرضگزار: خادم، غلام، محمد منصور علی
ساکن مرزاپور ڈاکخانہ ٹیٹوش ضلع شیرہ

تنقیح

۱۔ مندرجہ بالا تینوں واقعات میں عورت کے ہاتھ اور بدن پر کپڑا تھا یا نہیں؟ اور کپڑا باریک تھا یا موٹا؟

۲۔ یہ عورت بالغہ ہے اور یہ جو بیان لکھا ہے تمام عورت کی زبان سے سنا ہے ان سب باتوں کا کوئی گواہ نہیں؟

۳۔ اس عورت نے اپنے شوہر سے بھی یہ قصّہ بیان کیا یا نہیں اور اس شوہر نے کیا جواب دیا اس کو سچّا سمجھا یا جھوٹا؟

جوابِ تنقیح

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عورتِ مذکورہ نے یہ تمام قصہ اپنے شوہر سے بیان کیا تھا اور عورت کی باتوں سے شبہ ہونے کے سبب سے اس عورتِ مذکورہ کے شوہر نے اپنے والد سے یہ تمام قصہ دریافت کیا تھا اسی سبب سے اس لڑکے کے والد نے ان تمام باتوں سے انکار کرکے قرآن شریف کی قسم کھانے کا وعدہ کیا اور یہ واقعہ جب ہوا تھا ان ایام میں عورت مذکورہ کے پہناوے میں (لباس میں) ہمارے اس ملک کے جولاہے کا بنا ہوا موٹا کپڑا تھا اور عورت مذکورہ کے بدن میں کپڑا لپٹا تھا اور یہ جو واقعہ عورت نے بیان کیا حضور کے ۱ و ۲ کے اس قصّہ کو قریب ایک برس سات ماہ گزر گئے اور ۳ کے قصے کو بھی ایک برس دو ماہ گزر گئے اور یہ عورت اتنی مدت تک اپنے شوہر کی خدمت میں تھی اور شوہر نے اپنی عورت کی تمام باتوں کو جھوٹا جانا اس وجہ سے شوہر نے اس عورت کو اپنی خدمت میں رکھا تھا۔

عورت کے ہاتھ میں کپڑا تھا یا نہیں اس کو عورت بھی نہیں کہہ سکتی اُسے یاد نہیں ہے۔ یہ عورت مذکورہ اور مرد مذکور ایک دوسرے پر جھوٹ بات بیان کرتے ہیں۔ اب حضور مہربانی فرماکر شریعت کے موافق جواب تحریر فرماکر دل خوش کیجئے

الجواب

تنقیح : عورت صرف چھونے اور ہاتھ پکڑنے کی مدعی ہے یا تقبیل واخذ ثدی ومس فرج، ومعانقہ بانتشار آلہ بلا حائل کی بھی مدعی ہے

اگر صرف چھونے اور ہاتھ پکڑنے کی مدعی ہے اور خسر شہوت کا منکر ہے تو خسر کا قول مع الیمین معتبر ہے عورت کا قول معتبر نہیں بلکہ اس پر بیّنہ ہے۔ اور اگر تقبیل واخذ ثدی و مس فرج ومعانقہ بلا حائل کی بھی مدعی ہے یا ان میں سے کسی ایک کی مدعی ہے تو اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ خسر ان افعال کا اقرار کر کے شہوت کا منکر ہے یا ان افعال ہی کا منکر ہے اگر ان افعال کا اقرار کر کے شہوت کا منکر ہے تو عورت کا قول معتبر ہے اور اگر ان افعال ہی کا منکر ہے تو خسر کا قول مع الیمین معتبر ہے اور عورت کے ذمّہ بیّنہ ہے پس صورت واقعہ مفصل لکھ کر سوال کیا جائے۔

قال فی الدر : و ان ادعت الشهوة فی تقبیله أو تقبیلها ابنه وأنكرها الرجل فهو مصدق لاهی (لانه ینكر ثبوت الحرمة والقول للمنكر، شامی) إلا أن یقوم الیها منتشرًا آلته فعانقها أو یأخذ ثدیها أومسّ فرجها أو یقبلها علی الفم والحق الكمال الخدّین بالفم اھ (ص۴۶۴ ج۲) والله أعلم

ظفر احمد

تتمۃ الجواب

قال فی البحر وفی فتح القدیر : وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن یصدقها ویقع فی اكبر رأیه صدقها وعلی هذا ینبغی أن یقال : ان فی مسه إیاها لا تحرم علی أبیه و ابنه إلا أن یصدّقاها أو یغلب علی ظنهما صدقها ثم رأیت عن أبی یوسف ما یفید ذلك اھ (ص۱۰۰ ج۳)

قلت : ولما كان ثبوت الحرمة مشروطًا بالتصدیق و إذا فات الشرط

فان المشروط فلا تثبت الحرمة بدون التصديق واذا لم تثبت يحل للمرأة القيام مع زوجها ولكن يحتمل أن يكون المراد الثبوت قضاءً ويؤيده ما فى الفتح بعد كلامه المذكور ثم رأيت أبا يوسف أنه ذكر فى الامالى قال امرأة قبلت ابن زوجها وقالت كان عن شهوة ان كذبها الزوج لا يفرق بينهما ولو صدقها وقعت الفرقة اھ (ص ۱۳۰ ج ۳) وأمّا ديانةً فينبغى أن تفتى المرأة بحرمة تمكينها إياه على نفسها فلا تمكنه بالرضاء وتسعى فى الامتناع منه بالهرب أو بالخلع كما اذا طلقها ثلاثاً و أنكر تطليقةً إياها ولا بيّنة لها فانه لا يفرق بينهما قضاءً ويفتى فى حق المرأة بالتحريم ووجوب الامتناع منه ۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۔ از تھانہ بھون

۱۷ ذی الحجہ ۴۶ ھ

خلاصہ یہ کہ صورتِ مسئولہ میں اگر عورت کو خسر کے متعلق شہوت و بدنیتی کا دعویٰ ہے کہ اس نے شہوت سے اس کو مس کیا ہے اور عورت کے پاس بیّنہ نہیں ہے اور خسر اور شوہر دونوں عورت کی تکذیب کرتے ہیں تو قضاءً اس صورت میں حرمت ثابت نہیں ہوتی اور ظاہر میں نکاح صحیح ہے لیکن چونکہ عورت کو اپنا سچا ہونا معلوم ہے اس لئے اس کو اپنے حق میں اس نکاح کو فاسد سمجھنا چاہئے اور اگر ممکن ہو تو شوہر سے علیحدہ ہوجائے اور اپنی رضا سے شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے بشرطیکہ ایسا کرنے پر وہ قادر ہو اور ضررِ عظیم کا اندیشہ نہ ہو اگر ضررِ عظیم اور تکلیف کا اندیشہ ہو تو وہ معذور ہے اسلئے تحمّل ضررِ عظیم کی وہ مکلّف نہیں

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۷ ذی الحجہ ۴۶ ھ

حدیث سے حرمت مصاہرت بالزنا کا ثبوت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بہو یعنی اپنے بیٹے کی بیوی سے جبراً زنا کیا تو کیا وہ بیٹے پر حرام ہوجاتی ہے یا نہ؟ اب بیٹے کو اپنی بیوی سے جماع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کسی صورت سے اس عورت کو خاوند کے گھر میں رہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو اس کا نکاح فسخ سمجھا جائیگا یا ضرورت طلاق کی ہوگی؟ بیّنوا توجروا ۔

عہ أفتينا بذلك أخذاً بقول الشافعى دفعاً للحرج ۔ ظفر

الجواب

حنفیہ کے نزدیک زنا سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اس لئے صورتِ مسئولہ میں بیٹے کی بیوی بیٹے پر حرام ہوگئی اور اس کو اس سے جماع و مقدماتِ جماع سب حرام ہو گئے لیکن نکاح فسخ نہیں ہوا بلکہ فاسد ہوا جس کا طلاق یا متارکت سے قطع کر دینا بیٹے پر واجب ہے اگر اس کی زوجہ دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہو۔ اور اگر وہ بخوشی اس کے گھر رہنا چاہے اور دونوں احتیاط من المقاربت و من مقدماتہا پر قادر ہوں اور بے احتیاطی متعلق سترِ عورت و خلوت وغیرہا کا اندیشہ نہ ہو اور گھر میں اس کو رکھنے کی سخت ضرورت ہو مثلاً وہ صاحبِ اولاد ہے جن کی پرورش کے لئے اس کا رہنا ضروری ہے کیونکہ شوہر پرورشِ اولاد کا کوئی دوسرا سامان نہیں کر سکتا۔ یا کر سکتا ہے مگر خود عورت کو دوسرے سامان پر اطمینان نہیں تو ان قیود کے ساتھ یہ بھی جائز ہے کہ بیٹا اپنی بیوی کو طلاق و متارکت سے الگ نہ کرے بلکہ اپنے ہی گھر میں رکھے اور دونوں باہم پوری احتیاط رکھیں۔ عورت وجہ و کفّین کے سوا باقی جسم کو شوہر سے ہمیشہ مستور رکھے اور کبھی خلوت کا بھی موقع نہ دے بلکہ ہمیشہ کسی معتبر عورت کے ساتھ گھر میں رہے اور جن لوگوں کو واقعۂ زنا کی اطلاع ہو چکی ہو ان کو اس سے بھی اطلاع کر دیا جائے کہ اب اس عورت کو اس صورت سے گھر میں رکھا گیا ہے۔ بیوی بنا کر نہیں رکھا گیا۔

وهذا مما يعرف ولا يعرف وإنما ذكرناه توسعة على المضطر وليس في قيام المرأة في بيت الزوج بعد حرمتها عليه إلا مثل ما في قيام المستأجرة لخدمة البيت في بيت المستاجر۔ اللّٰهم إلا أن يقال فرق بينهما وهو أن الرجل يحتشم من غير منكوحته وكذا تحتشم هي منه بخلاف ما اذا كانا زوجين قد اختلطا زماناً قلنا فلأجل ذلك قيّدناه بالقدرة على التوقي والاحتياط والاضطرار الى ذلك وإلا فلا يجوز ويمكن الاستيناس بقوله تعالیٰ : فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ۔ الآية۔ حيث أباح الاسترضاع من المطلقات بعد انقضاء عدّتهنّ فافهم۔ والاصل في ثبوت حرمة المصاهرة بالزنا قوله صلى الله عليه وسلم لسودة في ولد جارية زمعة : واحتجبي منه يا سودة ! الحديث، وهو متفق عليه:

لأنه صلى الله عليه وسلم لما رأى الشبه بعتبة علم أنه من مائه فاجراه في الاحتياط مجرى النسب. قال ابن حزم وهو قول الثوري. وفي المعالم للخطابي وهو مذهب أصحاب الرأى والاوزاعى وأحمد. قال وفي قوله صلى الله عليه وسلم: احتجبى منه ياسودة! حجة لهم. كذا في الجوهر النقى (ص ۸۵ - ج ۲)

وفيه أيضًا قبله (ص ۸۴ - ج ۲) قال ابن حزم: وروينا عن ابن عباس أنه فرق بين رجل وامرأته بعد ان ولدت له سبعة رجال كلهم صار رجلاً يحمل السلاح لانه كان أصاب من أمها الا يحل. وروى عبد الرزاق في مصنفه عن عثمان بن سعيد عن قتادة عن عمران بن حصين في الذي يزني بأم امرأته قال حرمتا عليه جميعاً اهـ اسناده حسن وهذا أن صحابيين قد صرحا بما دل عليه الحديث المرفوع وأقوال الصحابة عندنا حجة وقد رواه ابن حزم عن سعيد بن المسيب وأبي سلمة بن عبد الرحمن وعروة بن الزبير (وهؤلاء كبار التابعين) ورواه ابن أبي شيبة بسند صحيح عن ابن المسيب والحسن وعبد الرزاق وعن عطاء وطاؤس وابن ابي شيبة عن قتادة وأبي هاشم في الرجل يقبل أم امرأته أو ابنتها قالا حرمت عليه ابنته. وعن ابن مغفل (وهو عبد الله صحابي) وعن عكرمة مثله كذا عن الجوهر النقي ملخصًا صحته او الحسن كما ذكرنا في مقدمة إعلاء السنن، نقلاً عن الحافظ ابن حجر في الفتح والتلخيص. والله تعالى أعلم.

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۹ محرم ۴۷ھ

جب تک مس بالشہوت نہ ہو مطلق مس موجب حرمت نہیں

سوال: ایک شخص مسمّی سوم بیان کرتا ہے کہ میری ساس یعنی میری منکوحہ کی ماں ایک شب کو جس میں میں نیند میں تھا میرے اوپر آکر چارپائی کے نزدیک کھڑے ہو کر ایک ہاتھ میرے سینہ کے اوپر رکھا اور منہ اپنا میرے منہ سے ملایا اس وقت میں بیدار ہو گیا اور مجھ کو کہا کہ میں تیرے ساتھ سوتی ہوں میں نے ان کو کہا کہ یہ کام مجھ سے نہ ہو گا۔ پھر وہ چلی گئی۔ مجھ کو اس وقت شہوت کا انتشار وغیرہ کچھ نہ تھا اس کے بعد ایسے ہی زبانی میرے ساتھ محبت بہت کرتی

ہے اور دیگر لوگوں میں ان دونوں کی آپس میں ظاہری محبت دیکھ کر بُری محبت کی شہرت ہو گئی ہے عورت سے پوچھا گیا کہ تو اپنے داماد کے ساتھ منہ ملایا اور ہاتھ سینے کے اوپر رکھا کہ وہ ایسا کہتا ہے۔ عورت نے کہا کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا وہ میرا داماد ہے مجھ کو اسی کی وجہ سے اس سے محبت ہے، میں نے ہاتھ یا منہ اس پر نہیں لگایا، وہ جھوٹ کہتا ہے اب چونکہ سوھر خود اس بات کا مدعی ہے کہ میرا منہ لگایا اور سونے کے واسطے خواہش کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو شہوت تھی۔ کیا سوھر پر منکوحہ کی حرمت ثابت ہوئی یا نہیں؟

بندہ فخر الدین۔ گھوٹکی ضلع سکھر (سندھ)

الجواب

صورتِ مسئولہ میں مرد تقبیل کا مدعی نہیں بلکہ صرف اس کا مدعی ہے کہ عورت نے میرے منہ سے منہ لگایا اور یہ تقبیل نہیں بلکہ صرف مس ہے اور مس میں اس وقت تک حرمت نہیں ہوتی جب تک مس بالشہوت نہ ہو اور جب عورت شہوت کی منکر ہے تو اس سے قسم لے لی جائے اگر وہ قسم کھالے تو حرمت نہ ہوگی

منہ یا رخسار پر بوسہ لیا تو انکارِ شہوت معتبر نہیں

سوال: اگر عورت یا مرد ہاتھ لگانے یا بوسہ دینے کا اقرار کرے اور شہوت کا انکار کرے تو فقط ماس کا قول کافی ہے یا قسم پر اس کی شہوت کا انکار قبول ہوگا؟

① اگر دو شاہد گواہی دیں مس اور بوسہ کی مرد اور عورت پر اور وہ عورت یا مرد شہوت کا انکار کریں تو حرمت ثابت ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ مرد کا انتشار بھی شاہدوں کو دیکھنا مشکل ہے اور عورت کی شہوت تو ان کو دیکھنا ناممکن ہے شاید بظاہر مس یا بوسہ کی گواہی دیں گے پھر شہوت کا اقرار یا انکار تو عورت یا مرد پر منحصر رہا اس صورت میں گواہی پر حرمت ثابت ہوگی یا ان کے انکار پر حلت بدستور قائم رہیگی؟

بندہ فخر الدین۔ گھوٹکی ضلع سکھر (سندھ)

الجواب

① بوسہ اگر منہ یا رخسار پر لیا ہے تو صحیح یہ ہے کہ انکارِ شہوت معتبر نہیں اور بوسہ کے معنی منہ چومنا یا رخسار چومنا ہے صرف منہ سے منہ ملانا یا رخسار پر منہ لگانا بوسہ نہیں اور ہاتھ لگانے میں انکارِ شہوت معتبر ہے مع الیمین۔ بدونِ یمین کے منکر کا قول معتبر نہیں۔

(۲) شاہدین کو شہادت علی المس میں مرد کے انتشار اور عورت کی حرکات کا مشاہدہ ضروری ہے اگر وہ مس کی شہادت بدون انتشار کے بیان کریں تو مرد کا انکار معتبر ہوگا مع الیمین

مساحقت موجب حرمتِ مصاہرت ہے یا نہیں؟

سوال: زید کی بیوی نے اس کی لڑکی بالغہ یا نابالغہ سے چپٹی کی یعنی جس طرح صحبت کرتے ہیں اسی طرح اس نے بھی کسی طریقے سے اس کے ساتھ ایسا فعل کیا اور اس کے جسم کو دیکھنے سے اس فعل کا یقین ہے تو کیا لڑکی کا حکم بھی مثل لڑکے کے ہے؟ کہ جس طرح ابن الزوج کے ساتھ ایسا فعل کرنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اس صورت میں بھی ہوگی یا نہیں بحوالہ کتاب تحریر فرمائیں۔

الجواب

اس صورت میں یعنی مساحقت میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہو سکتی۔

قال فی الدر: أما غیرها أی غیر المشتهاة المزنیة فلا تثبت الحرمة بها اصلاً کوطی دبر مطلقاً أی سواء کان بصبی اوامرأة اتی رجل رجلاً له ان یتزوج بابنته لأن هذا الفعل لو کان فی الاناث لایوجب حرمة المصاهرة ففی الذکر أولی۔ قال الشامی: ان العلة هی الوطأ السبب للولد ولم یتحقق فی الصورتین اھ (ص۲۶۱ ج۲)

قلت: وکذا لم یتحقق الوطأ السبب للولد فی المساحقة اصلاً فلا حرمة بها۔

واللہ أعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۱۳ ذی قعدہ ۴۷ھ

هل یجوز للحنفی الافتاء بقول الشافعی فی مسئلة المصاهرة ام لا؟

سوال: غب إهداء السلام والتحیة اللائقة بالمقام۔ فیاسیدی! قد جاءنا سوال بواقعة تخیرنا فیها ان افتینا فیها بحرمة المصاهرة تخشی الفتن وإن لم نفت بها لم نجد لها مساغاً فی المذهب حسب فهمنا فرفعنا الامر إلی علو مقامکم کی تطمئن الخواطر فهل یجوز لنا ان نفتی فیها بقول الامام الشافعی رحمه الله تعالیٰ؟ فالمرجو من مکارم أخلاقکم البهیة أن تفیدونا بما أراکم الله تعالیٰ لا زلتم حلالی المعاقد داعیکم حسین احمد غفرله من دیوبند

الجواب: الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ۔ ثم السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

وبعد فانا لا نجيز العمل بقول سيدنا الشافعی رحمه الله فی مسئلة حرمة المصاهرة بوجوه:

الاول: عدم الحاجة إليه فانه لاضرر ولاحرج فی طلاق امرأة بعينها والمفارقة عنها والتزوج بغيرها۔

والثانی: كثرة المفاسد وتفاقم الفتن فی ترك قول الامام فی المسئلة فان العوام إذا علموا بجواز العمل بقول غيره فيها تهوروا علی المساس والنظر بشهوة إلی أمهات أزواجهم ونحوهن وعلی ارتكاب الزنا ومقدماته بحلائلهم او بأزواج آبائهم ونحوها والآن يرتدعون من ذلك مخافة علی النكاح۔

والثالث: قوة قول الامام فی المسئلة فقد أجمع الصحابة علی حرمة الوطی بامة قد وطيت امها أو بنتها قبلها وما ذلك الا لحرمة المصاهرة وبسط الدلائل فی الجوهر النقی فليراجع۔ والله تعالی أعلم

حرّره الاحقر ظفر احمد عفا عنه

۱۸؍ ذی قعدہ ۴۲ھ

عورت دعوی کرے کہ خسر نے اس کے ساتھ بارہا زنا کیا ہے اور شوہر اس کی تصدیق نہ کرے تو کیا دو گواہوں کی شہادت سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی۔

سوال: یہ ہے کہ ایک عورت نے دعوی و نالش کی کہ عورت کے زوج کے باپ نے اس سے بارہا جبرًا زنا کیا جس کے دو گواہ بھی موقع کے ہیں۔ اس سے زنا تو ثابت نہیں ہوا مگر حرمت مصاہرت یعنی وہ عورت اس شخص کے بیٹے پر حرام ہوگی یا نہیں؟ جبکہ اس عورت کا شوہر عورت کے بیان کو بالکل تصدیق نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میرے کسی دشمن نے یہ جھوٹی تہمت میرے باپ پر کرنے کو میری زوجہ کو تعلیم دی ہے تاکہ وہ مجھ پر حرام ہوجائے اور وہ دشمن خود اس سے نکاح کرسکے اس حالت میں جبکہ شوہر عورت کے بیان کی تصدیق نہیں کرتا حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں؟ اور اس عورت کو زوج سے تفریق کی جائیگی

ع فان من العوام من لايخاف الله تعالی ولايتقيه حق تقاته ولكن اكثرهم يهابون من فساد انكحتهم أو أنكحة أقربائهم من الاباء والابناء

یا نہیں ؟ جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔

سائل : ظہور الحق

میرج رجسٹرار و قاضی پوسٹ قاضی پور

الجواب

صورتِ مسئولہ میں قضاءً حرمتِ مصاہرت کا ثبوت نہیں کیونکہ یہ دو گواہ زنا کے شاہد ہیں اور زنا کے گواہوں کے لئے چار گواہوں سے کم کافی نہیں اس لئے یہ گواہ شرعاً حد کے قابل ہیں۔ اگر قاضی اسلام ہوتا تو ان پر حد جاری کرتا پس ان کی گواہی سے نہ زنا کا ثبوت ہوا نہ حرمت مصاہرت کا۔ البتہ چونکہ صورت مسئولہ میں عورت خود مدعی ہے اس لئے دیانۃً عورت کو یہ فتویٰ دیا جائیگا کہ اگر وہ اپنے بیان میں سچی ہے تو اس کو اپنے شوہر سے الگ ہو جانا واجب ہے مگر دوسرے شخص سے نکاح کرنا اس کو جائز نہیں۔ جب تک زوج اس کو طلاق نہ دے یا متارکت کے الفاظ استعمال نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون - ۱۹ ربیع الثانی ۵۸ھ

بیوی کی سوتیلی ماں سے زنا کیا تو بیوی حرام نہیں ہوگی

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین متین و مفتیانِ شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی بکر کی لڑکی زبیدہ کے ساتھ ہوئی ہے کچھ دنوں کے بعد زبیدہ کی ماں کا انتقال ہو جاتا ہے اور بکر دوسری شادی کرتا ہے پھر زید اپنی اہلیہ کی سوتیلی ماں سے مرتکب زنا کا ہوتا ہے یا اس کو شہوت کے زور سے ہاتھ لگاتا ہے تو ان دونوں صورتوں میں زبیدہ اپنے خاوند زید پر حرام ہوتی ہے یا نہیں اگر حرام ہوگئی ہے تو حرام ہو جانے کے بعد اگر زید اپنی بیوی زبیدہ سے صحبت کرے تو اس کا کیا حکم ہے ؟ عرض کہ ان صور کے متعلق فقہ حنفیہ کی رُو سے مفصل جوابات مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

سائل : عبدالرحمٰن عفا عنہ

الجواب

بیوی کی سوتیلی ماں سے زنا اور مس بالشہوت کرنے سے بیوی شوہر پر حرام نہیں ہوئی مگر زید کو سخت گناہ ہوا جلد اس گناہ سے توبہ کرے ورنہ وبال دنیا و آخرت کے لئے تیار رہے۔ فقط واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ ۲۹ ربیع الثانی ۵۸ھ

وطی ربیبہ سے بیوی کا حرام ہونا

سوال : اگر کوئی شخص پہلے ایک عورت سے نکاح کرے اور وطی کرتا رہے پھر اس عورت کی پہلے خاوند کی لڑکی سے یعنی ربیبہ سے نکاح جہالۃً کرے اور وطی کرے تو دونوں حرام ہوں گی یا نہیں؟ احمد علی۔ از ہوشیار پور محلہ سنہری مدرسہ سبیل الرحمۃ

الجواب

جس شخص نے اپنی ربیبہ عورت سے ہم بستری وغیرہ کی ہے اس پر اس کی بیوی بھی حرام ہوگئی جیساکہ پہلے سے ربیبہ حرام ہے

کما فی العالمگیریہ : و تثبت (أی حرمة المصاهرة) بالوطی حلالاً کان أو عن شبهة أو زنا کذا فی فتاوی قاضی خان : فمن زنا بامرأة حرمت علیه أمها وإن علت وابنتها وان سفلت (ص۵ ج۲)

البتہ اگر وطی اور اس کے دواعی میں سے کوئی امر واقع نہ ہوتا تو محض نکاح بنت الزوجہ سے زوجہ حرام نہ ہوتی۔

کما فی العالمگیریة ایضًا : وتثبت حرمة المصاهرة بالنکاح الصحیح دون الفاسد کذا فی محیط السرخسی۔ فلو تزوجها نکاحًا فاسدًا لا تحرم علیه أمها بمجرد العقد بل بالوطی هکذا فی البحر الرائق

وفیه بعد أسطر : وکما تثبت هذه الحرمة بالوطی تثبت بالمس والتقبیل والنظر إلی الفرج بشهوة۔ کذا فی الذخیرة سواء کان بنکاح أو ملك او فجور عندنا کذا فی الملتقط قال أصحابنا : الربیبة وغیرها فی ذلك سواء هکذا فی الذخیرة ۔ واللہ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ ضلع مظفر نگر تھانہ بھون

۱۵ ر صفر ۱۳۴۵ھ

حرمتِ مصاہرت کے متعلق چند سوالوں پر مشتمل ایک استفتاء

سوال : ایک غلطی یہ سرزد ہوئی کہ ایک مرتبہ زید کے سینہ میں درد ہونے لگا زید کی پھوپھی جو (زید کی بیوہ بھاوج کی ماں ہیں) ازراہِ شفقت فرمایا کہ لاؤ میں تمہارے سینہ میں دوا یا تیل کی مالش کردوں تاکہ درد موقوف ہو جائے چنانچہ زید چت لیٹ گیا اور زید کی پھوپھی

نے زید کے کمر کی دونوں طرف اپنے دونوں پیروں کو ڈال کر جھکے ہوئے زید کے سینہ پر دوا مالش کرنا شروع کر دی اس ہیئتِ کذائی سے مالش ہونے کی وجہ سے زید کے عضو مخصوص میں خود بخود ایک خفیف سا انتشار پیدا ہو گیا یعنی عضو میں خفیف ایستادگی پیدا ہو گئی اور مالش برابر ہوتی رہی اس وقت زید اپنی طبیعت اور اپنے خیال کو دفع کرنے اور دوسری طرف متوجہ کرنے کی برابر کوشش کرتا رہا اس مالش ہونے کے وقت نہ زید کی کوئی نیت خراب تھی اور نہ زید کی پھوپھی کی اور نہ اس قسم کا خیال طرفین میں کبھی پیدا ہوا۔ اور نہ ایسا ہو سکتا تھا اس لئے کہ زید ہمیشہ سے اپنی پھوپھی کو بزرگوں کی طرح سمجھتا ہے مگر اس مالش کے دوران میں محض پیروں کے حمائل کر دینے اور اس خاص صورت سے ایک عورت ذات کے ہاتھ سے مالش ہونے کی وجہ سے خود بخود زید کے دل میں کسی خفیف خیال کے گذرنے سے یہ کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

دوسری غلطی یہ ہوئی کہ زید کی پھوپھی غسل کر رہی تھیں یا خانہ میں تھیں زید نے بے احتیاطی سے بغیر آواز دیئے ہوئے اندر مکان کے چلا آیا۔ یا بغیر کھانسے ہوئے پاخانہ کے اندر چلا گیا ایسی حالت میں زید نے اپنی پھوپھی کو برہنہ دیکھ لیا مگر زید نے اپنی نگاہ کو جمنے نہیں دیا۔ بلکہ فوراً نظر ہٹا لیا اور الٹے پیروں فوراً واپس ہوا جبکہ زید کو یہ معلوم ہو گیا کہ پاخانہ کے اندر کوئی شخص موجود ہے زید کی نظر خاص حصۂ جسم یعنی شرمگاہ پر نہیں پڑی بلکہ دیگر حصہ جسم برہنہ پر پڑی۔

تیسری غلطی یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ زید کی پھوپھی کو اپنے پیروں یا ہاتھوں کے کپڑے اُتروانا مقصود تھا چونکہ کپڑے کسی قدر سخت تھے لہذا زید سے یہ کہا کہ بھیا! میرے یہ کپڑے اپنے ہاتھ سے ذرا ڈھیلا دو تاکہ آسانی سے اُتر جائیں زید نے اس کی تعمیل کی مگر کپڑے اتارتے وقت زید نے اپنی پھوپھی کی پنڈلی کھلی ہوئی دیکھی۔ مگر کوئی شہوانی خیال طرفین میں قطعی نہیں تھا اور نہ اس کا گمان ہو سکتا ہے لہذا زید ان مذکورہ بالا وجوہات کے واقع ہو جانے سے یہ خیال کرتا ہے کہ شاید سسرالی رشتہ قائم ہو گیا ہو اور اب اپنی پھوپھی کی اولاد یعنی بیوہ بھاوج سے نکاح کرنا ناجائز ہو۔ لہذا حضور والا از راہِ کرم اس مسئلہ پر توجہ فرمائیں اور مفصل جواب جلد ارسال فرمائیں تاکہ زید اس پر کاربند ہوئے اور اگر خدانخواستہ اب اس کے لئے یہ نکاح از روئے مذہبِ حنفیہ ناجائز ہے تو مذہبِ شافعیہ سے اجازت مل سکتی ہے یا نہیں؟

اور کوئی حنفی امام، امام شافعیؒ کے کسی مسئلہ پر عامل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب

① اس واقعہ میں چونکہ اس شخص کا خیال اس عورت کی جانب نہ تھا بلکہ محض خیال کی وجہ سے شہوت ہوئی اس لئے اس واقعہ سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔

لما فی الشامیة: (ص ۴۵۹ - ج ۲) قلت: ویشترط وقوع الشهوة علیها لا علی غیرها لما فی الفیض لو نظر إلی فرج ابنته بلا شهوة فتمنّی جاریة مثلها فوقعت له الشهوة علی البنت تثبت الحرمة وان وقعت علی من تمنّاها فلا۔

البتہ اگر وہ عورت کہتی ہو کہ اس کو اس وقت شہوت تھی تو مفصل بات لکھ کر دوبارہ سوال کریں اور یہ بھی لکھیں کہ زید کو اس عورت کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے یا نہیں ؟

② اس واقعہ میں نہ شہوت ہوئی نہ نظر جسم خاص کی طرف اور یہ دونوں شرط ہیں پس کوئی وجہ حرمتِ مصاہرت کی نہیں۔

③ اس میں بھی مس بلا شہوت ہونے کی وجہ سے حرمتِ مصاہرہ کا احتمال نہیں ہے غرض ان ہر سہ واقعات میں کوئی واقعہ ایسا نہیں جس سے حرمتِ مصاہرہ ثابت ہوتی ہو۔ پس زید اس عورت کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۶ر شوال ۴۸ھ

الجواب صحیح

و إن ادعت المرأة الشهوة لما فی الدر المختار: وان ادعت الشهوة فی تقبیله أو تقبیلها ابنه (وانکر الرجل فهو مصدق) لاهی الخ

وفی الشامی (ص ۴۶۴ - ج ۲) (قوله فهو مصدق) لانه ینکر الحرمة، والقول للمنکر وهٰذا ذکره فی الذخیرة - فی المس لا فی التقبیل کما فعل الشارح فانه مخالف لما مشی علیه المصنف اولا من أنه فی التقبیل یُفتٰی بالحرمة مالم یظهر عدم الشهوة وقد منا عن الذخیرة نقل الخلاف فی ذلك فما هنا مبنی علی ما فی بیوع العیون اھ

ظفر احمد عفا عنہ

مسئلہ مصاہرت | سوال: واقعہ یہ ہے کہ ایک منکوحہ نے بوجوہ متعددہ تکالیفِ

خانہ داری اپنے شوہر کے مکان سے جاکر اپنے سسر پر تہمت لگادی کہ اس کے سسر نے اس کے ساتھ زنا کیا منکوحہ مذکورہ کا خاوند بغرض تحصیل علم دین غیر ملک گیا تھا جب وہ پردیس سے مکان میں آیا منکوحہ کے عم حقیقی نے داماد سے کہا کہ لڑکی قرآن مجید پکڑ کر حلف کرتی ہے کہ اس کے سسر نے اس سے زنا کیا لڑکی کی زبان بندی میرے نزدیک باور ہوئی اگر تم کو باور نہ ہو لڑکی سے دریافت کرو۔ تب داماد نے جواب دیا کہ میں بسواس کرتا ہوں کہ آپ نے میری زوجہ کی زبان بندی لی ہے لیکن میں اس وقت کچھ نہیں پوچھوں گا۔ چچا نے کہا یہ لڑکی تمہارے لئے عند القاضی حرام نہ ہوئی کیونکہ کوئی شاہد نہیں تم جاسوس کی طرح گواہ تلاش کرو۔ القصہ! لڑکی کے چچا نے داماد کو حکم دیا کہ تمہاری بیوی ہے کہ تم لے جاؤ۔ لیکن لڑکی کے سوتیلے باپ نے نہیں دیا۔ پھر چچا نے ایک کاغذ بطور زبان بندی کے اپنے ہاتھ سے لکھ کر اس پر داماد کا نام جعلی دستخط کر کے ایک مولوی صاحب کے پاس بھیجا اور اس کاغذ میں لکھا ہوا تھا کہ داماد نے واقعہ زنا کی تصدیق کی پس مولوی صاحب مذکور نے لڑکی اور اس کے سسر یعنی مدعیہ و مدعا علیہ سے کچھ بھی دریافت نہ کیا اور ان کی زبان بندی بھی نہیں لی فقط داماد کو بلا کر کہا کہ مطابق نوشتۂ ہذا کے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے واقعۂ زنا کی تصدیق کی داماد نے جواب دیا نہیں صاحب! میں نے ہرگز واقعۂ زنا کی تصدیق نہیں کی بلکہ اپنے چچا سسر کو فقط اتنا بولا ہوں کہ "میں بسواس کرتا ہوں آپ نے میری زوجہ کی زبان بندی لی ہے"، پس مولوی صاحب مذکور نے اس کاغذ ہی پر اعتماد کر کے زنا کے دعویٰ پر ثبوت حرمتِ مصاہرت کا ایک فتویٰ لکھ دیا۔ اس مولوی صاحب کے فتویٰ نویسی سے پیشتر دیگر دو مولوی صاحبان یہ حکم دے چکے کہ صورتِ مسئول عنہا میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔

پس استفتاء یہ ہے کہ صورتِ مرقومۃ الصدر میں بلا ثبوتِ زنا فقط لڑکی کے چچا کے نوشتہ پر معتمد ہو کر حرمتِ مصاہرہ کا فتویٰ دینا صحیح ہے یا نہیں؟ اور نفس الامر میں بھی صورت مرقومہ میں حرمت ثابت ہوگی یا نہیں؟ جبکہ دو مولوی صاحبان نے عدم ثبوت حرمت کا حکم دیدیا پھر دوسرے مولوی صاحب کو اس کی تردید کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ سوالات زائد ہیں اصل واقعہ کا حکم یہ ہے کہ اس قاضی یا مسلمان حاکم کے پاس

مقدمہ پیش کیا جائے جس کو اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کرنیکا حکومت کی طرف سے اختیار دیا گیا ہو اگر حاکم مسلم اور قاضی نہ ہو تو کسی کو بتراضی طرفین سے حَکَم بنا لیا جائے جس کے پاس مقدمہ پیش ہو وہ عورت کا دعویٰ سُنے اور گواہ طلب کرے اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ یعنی خاوندؔ اور خسر سے حلف لیا جائے اگر گواہوں سے حرمتِ مصاہرہ ثابت ہو جائے یا خسر اور خاوند یمین سے انکار کردیں تو قاضی حاکم یا حَکَم تفریق کردے اور تفریق کے بعد عدت گزار کر عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے بدون تفریق دوسری جگہ نکاح کرنا حرام ہے الا آنکہ خاوند کی طرف سے متارکت ہو جائے۔

کما قال صاحب الدر : لا یحل لها التزوّج بآخر إلا بعد المتارکة۔

وفی الشامی عن الحاوی : إلا بعد المتارکة أو تفریق القاضی اھ (ص ۴۶۳ ج ۲)

اور اگر مدعا علیہما حلف کرلیں تو نکاح قائم رہنے کا حکم دیدیا جائے لیکن نکاح قائم رہنے کا حکم دیدینے سے صرف قضاءً حلت کا فتویٰ دیا جائے گا مگر دیانۃً حلال ہونے میں تفصیل ہے یعنی جس کو حرمتِ مصاہرت کا علم ہو اس کے لئے تعلق ازدواج رکھنا حلال نہ ہوگا۔ اور جس کو علم نہیں وہ دیانۃً بھی معذور ہے پس واقعہ مسئولہ میں اگر خاوند درحقیقت عورت کی تصدیق کرچکا ہو تو قضاء قاضی کے بعد بھی اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح اگر کوئی امر موجب حرمت مصاہرت کا خسر سے سرزد ہوگیا ہے تو اس کو اخفاء جائز نہیں اور چونکہ عورت ایسے واقعہ کی مدعیہ ہے جس سے یقیناً حرمت مصاہرت ہو جاتی ہے اس لئے اس کے واسطے کسی حال میں تمکین جائز نہیں لیکن اگر کوئی صورت ایسی ہوتی جس میں احتمال ہوتا تو قضاء قاضی کے بعد اس کو تمکین جائز ہو جاتی۔ مثلاً خسر کی جانب سے تقبیل واقع ہوتی اور عورت شہوت ہونے کا دعویٰ کرتی اور خسر حلف سے کہدیتا کہ شہوت سے ہرگز نہ تھا تو تمکین حلال رہتی۔

والمسئلة مصرحة فی البدائع : حیث قال بعد نقل الاختلاف بین الامام و صاحبیه فی نفاذ القضاء باطناً بشهادة الزور فیما هو له ولایة انشائیة فی الجملة وأجمعوا علی انه لو ادعی نکاح امرأة وهی تنکر وتقول أنا أخته من الرضاع أو أنا فی

؎ خسر سے تو اس بات پر حلف لیا جائے کہ اس نے کوئی فعل موجب حرمتِ مصاہرہ کا نہیں کیا اور خاوند سے اس پر لیا جائے کہ مجھ کو عورت کی بات پر یقین نہیں آیا۔ منہ

عدة من زوج آخر فشهد بالنكاح شاهدان وقضى القاضي بشهادتهما والمرأة تعلم أنها كما أخبرت لا يحل لها التمكين (ص ۱۵ ج ۷)

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ یکم ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ

حسن المحاضرة فی تحقیق بعض شرائط حرمة المصاهرة

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی ایک رشتہ کی پھوپھی جو کہ عمر میں ادھیڑ اور زید سے بہت زیادہ عمر میں بڑی ہیں۔ زید اپنی ان پھوپھی کی اپنی ماں کے برابر عزت کرتا ہے اور اسی طرح سے پھوپھی بھی زید کو اپنے لڑکے کی طرح سمجھتی ہیں زید کی پھوپھی کی ایک لڑکی کا زید کے ایک سگے بڑے بھائی کے ساتھ نکاح ہوا تھا مگر عرصہ تین چار سال کا ہوا کہ زید کے بڑے بھائی کا انتقال ہوگیا اب زید کی یہ بھاوج بیوہ ہیں اور زید کے بھائی مرحوم کی اولاد زید کی نگرانی و زیر پرورش ہیں۔ زید اور زید کی بیوہ بھاوج اور اس کی اولاد وغیرہ ایک ہی گھر میں رہتے سہتے ہیں اور سبھوں کا ایک گھر میں کھانا پینا ہے زید کے دوست و احباب عزیز واقارب کی یہ دلی خواہش ہے اور بہت کوشاں ہیں کہ زید کا نکاح زید کی اس بھاوج بیوہ کے ساتھ ہوجائے تاکہ یہ بیوہ زید کے گھر ہی میں رہے اور گھر کا شیرازہ نہ بکھرنے پائے اور زید کے بھائی مرحوم کی اولاد جو اس بیوہ سے پیدا ہو ہیں ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور بدستور زید کی زیر نگرانی رہیں۔ اعزہ کا یہ خیال ہے کہ اس بیوہ کا نکاح اگر کسی غیر جگہ ہوگا تو گھر کا یہ سارا انتظام منتشر ہوجائیگا اور بچوں کو بھی تکلیف ہوگی نیز بیوہ کا ایسی صورتوں میں کسی دوسری جگہ نکاح ہونا بھی ایک امر محال سمجھا جاتا ہے۔ اگر اس بیوہ کا نکاح زید کے ساتھ نہ ہوا تو پھر یہ بیوہ ہمیشہ کے لئے نکاح کرنے سے محروم رہے گی اور ساری زندگی اس کی یوں ہی گذر جائے گی۔ بیوہ بیچاری ابھی نوجوان ہے اور اندازے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بھی یہ خواہش ہے کہ گھر ہی میں نکاح زید (دیور) کے ساتھ ہوجائے تو بہتر ہے۔ عزیز واقارب، دوست واحباب کے مجبور کرنے پر زید بھی راضی ہوگیا ہے کہ وہ اپنی اس بیوہ بھاوج کے ساتھ جو کہ کسی غیر جگہ مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر نکاح کرنے سے مجبور ہوا ہی ہے نکاح کرکے خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرے مگر افسوس ہے کہ زید چند خاص وجوہات و مشکلات کی بناء پر جو کہ اس سے نادانستگی

اور غلطی سے عرصہ ہوا سرزد ہو گئی تھیں کہ جس کے باعث اس نکاح سے تامل کر رہا ہے تاوقتیکہ کوئی شرعی حکم صادر نہ ہو اور اطمینان نہ ہو جائے۔

پہلی غلطی یہ سرزد ہوئی کہ ایک مرتبہ زید کے سینہ میں درد ہونے لگا زید کی پھوپھی مذکورہ نے جو (زید کی بیوہ بھاوج کی ماں ہیں) از راہِ شفقت فرمایا کہ لاؤ میں تمہارے سینہ میں دوا یا تیل مالش کر دوں تاکہ درد موقوف ہو جائے۔ چنانچہ زید چت لیٹ گیا اور زید کی پھوپھی نے زید کے کمر کی دونوں طرف اپنے دونوں پیروں کو ڈالکر جھکے ہوئے زید کے سینہ پر مالش شروع کر دی۔ اس ہیئتِ کذائی میں مالش ہونے کی وجہ سے زید کے عضو مخصوص میں خود بخود ایک خفیف سا انتشار پیدا ہو گیا یعنی عضو میں خفیف ایستادگی پیدا ہو گئی اور مالش برابر ہوتی رہی۔ اس وقت زید اپنی طبیعت اور اپنے خیال کو دفع کرنے اور دوسری طرف متوجہ کرنے کی برابر کوشش کرتا رہا۔ اس مالش ہونے کے وقت نہ زید کی کوئی نیت خراب تھی اور نہ زید کی پھوپھی کی۔ اور نہ اس قسم کا خیال طرفین میں کبھی پیدا ہوا اور نہ ایسا ہو سکتا تھا اس لئے کہ زید ہمیشہ سے اپنی پھوپھی کو بزرگوں کی طرح سمجھتا ہے۔ مگر اس مالش کے دوران محض کمر میں پیروں کے حائل کر دینے اور اس خاص صورت سے ایک عورت ذات کے ہاتھ سے مالش ہونے کی وجہ سے خود بخود زید کے دل میں کسی خفیف خیال کے گزرنے سے یہ کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

دوسری غلطی یہ ہوئی کہ زید کی پھوپھی غسل کر رہی تھیں یا خانہ میں تھیں زید بے احتیاطی سے بغیر آواز دئے ہوئے اندر مکان کے چلا آیا یا بغیر کھانسے ہوئے پاخانہ کے اندر چلا گیا۔ ایسی حالت میں زید نے اپنی پھوپھی کو برہنہ دیکھ لیا مگر زید نے اپنی نگاہ کو جمنے نہیں دیا بلکہ فوراً نظر ہٹا لیا اور اُلٹے پیروں فوراً واپس ہوا جبکہ زید کو یہ معلوم ہو گیا کہ پاخانہ کے اندر کوئی شخص موجود ہے زید کی نگاہ خاص حصۂ جسم یعنی شرمگاہ پر نہیں پڑی بلکہ دیگر حصۂ جسم برہنہ پر پڑی۔

تیسری غلطی یہ ہوئی۔ ایک مرتبہ زید کی پھوپھی کو اپنے پیروں یا ہاتھوں کے کڑے اتروانا مقصود تھا چونکہ کڑے کسی قدر سخت تھے لھذا زید سے یہ کہا کہ بھیا! میرے یہ کڑے اپنے

ہاتھ سے ذرا پھیلا دو تاکہ آسانی سے اُتر جائیں۔ زید نے اس کی تعمیل کی مگر کپڑے اتارتے وقت زید نے اپنی پھوپھی کی پنڈلی کھلی ہوئی دیکھی مگر کوئی شہوانی خیال طرفین میں قطعی نہیں تھا اور نہ اس کا گمان ہو سکتا ہے لھذا زید ان مذکورہ بالا وجوہات کے واقع ہوجانے سے یہ خیال کرتا ہے کہ شاید سسرالی رشتہ قائم ہوگیا ہو اب اپنی ان پھوپھی کی اولاد یعنی بیوہ بھاوج سے نکاح کرنا ناجائز ہو۔ لھٰذا حضور والا از راہِ کرم اس مسئلہ پر توجہ فرمائیں اور مفصل جواب جلد ارشاد فرمائیں تاکہ زید اس پر کاربند ہوجائے۔ اور اگر خدانخواستہ اب اس کے لئے یہ نکاح از روئے مذہب حنفیہ ناجائز ہے تو مذہب شافعیہ سے اجازت مل سکتی ہے یا نہیں۔ اور کوئی حنفی امام شافعی کے کسی مسئلہ پر عامل ہو سکتا ہے یا نہیں؟

فقط والسّلام۔ خادم فضل حق صدیقی

متعلم گورنمنٹ ہائی اسکول بہرائچ (اودھ) درجہ نہم سکشن (ب)

تنقیحات

(۱) پاؤں کس جگہ رکھے اور زید کے بدن سے اس عورت کا کون کون جسم لگا ہوا تھا؟

(۲) آخر کچھ نہ کچھ خیال تو دل میں اس وقت ہوگا خواہ اس عورت کا یا کسی اور عورت کا؟

(۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاً خود بخود اسی کی طرف خیال ہوا تھا بعد میں دوسری طرف متوجہ کیا ہے جو واقعہ ہو مفصل لکھا جائے۔

(۴) کیا یہ اندازے سے لکھا ہے یا اس سے دریافت کر کے لکھا ہے؟

(۵) اس خیال کی تشریح کی جائے جب مسئلہ لکھا جا سکتا ہے۔

جوابِ تنقیح

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مسئلہ دریافت طلب میں جو خاص باتیں دریافت فرمائی گئی ہیں اس کے متعلق عرض ہے:

(۱) زید اپنے سینہ پر مالش کرانے کے لئے زمین پر ایک چٹائی پر پیر سیدھا کر کے چت لیٹ گیا اور زید کی پھوپھی نے اپنا ایک پاؤں زید کے ایک کولے کے قریب اور دوسرا پاؤں دوسرے کولے کے قریب رکھا اور گھٹنے اور سرین اٹھائے ہوئے کمر سے خمیدہ ہو کر جس طرح زمین پر سے کوئی چیز جھک کر اٹھاتے ہیں زید کے سینہ پر ہاتھوں سے مالش کرنے لگیں یعنی زید عورت کے دونوں پیروں کے درمیان لیٹا ہوا تھا اور عورت کے دونوں

پاؤں زمین پر تھے صرف دونوں ہاتھ زید کے سینہ پر مالش کر رہے تھے اس کے سوا کوئی اور حصۂ جسم زید کے بدن سے نہیں لگا ہوا تھا۔

(۲) چونکہ اس واقعہ کو ہوئے بہت عرصہ ہوچکا ہے تاہم زید اپنی یاد داشت اور ذہن پر زور دیکر یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ اسوقت دل میں کسی عورت کا خیال نہیں ہوا تھا نہ اس عورت کا اور نہ کسی دوسری عورت کا لیکن جسطرح کسی شہوت انگیز خیال سے کسی حیوان یا انسان کی شہوت انگیز کوئی حرکت کی طرف دیکھنے سے یا عضو مخصوص میں کسی کا ہاتھ لگ جانے سے از خود یہ کیفیت پیدا ہو جایا کرتی ہے حالانکہ اس وقت دیکھنے والے کی یہ نیت نہیں ہوتی کہ جس کی طرف دیکھا ہے یا عضو میں جس کا ہاتھ چھو گیا ہے اس سے کوئی ناجائز فعل کرے اگر عورت زید کے سرہانے بیٹھ کر سینہ پر مالش کرتی تو یہ کیفیت ہرگز پیدا نہ ہوتی لیکن چونکہ عورت اس خاص شکل سے زید کے جسم کے مقابل کھڑی ہوگئی اس لئے زید نے اسوقت اپنے دل میں یہ محسوس کیا کہ جسطرح ایک عورت ایک مرد کے اوپر آئی ہے اسی طرح مرد بھی عورت کے جسم کے اوپر آیا کرتا ہے بس ان وسوسات نے زید کے خیال کو منتشر کر دیا اور اسی وجہ سے زید میں یہ کیفیت خود بخود پیدا ہوئی اور اسی پیدا شدہ خیال کو دفع کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر جو باتیں خاص جوش وشہوت کی حالت میں پیدا ہوا کرتی ہیں یعنی کامل ایستادگی یا بے خودی وغیرہ وہ قطعی نہیں تھیں۔ زید شروع سے آخر تک بے حس وحرکت زمین پر لیٹا رہا چونکہ زید کی پھوپھی ایک دیندار اور پابندِ صوم وصلوٰۃ عورت ہیں حج بھی کر چکی ہیں سن رسیدہ ہیں اور گھر میں مثل بزرگوں کے سمجھی جاتی ہیں۔ مگر جاہل ہیں۔ انہوں نے محض اپنی سادہ لوحی، سے اور زید کو اپنا چھوٹا بیٹا خیال کر کے اس کے سینہ پر اس طرح بے احتیاطی سے مالش کرنے لگیں۔ بتقاضائے سن اور ان کی خداترسی کی وجہ سے ان کی نیت وارادہ پر یہ کسی طرح شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے دل میں ذرہ برابر بھی کوئی بُرا خیال پیدا ہوا ہوگا اور نہ کبھی اس قسم کی کوئی حرکت ان سے ظہور میں آئی اس لئے ان کا خیال دریافت کر کے نہیں لکھا گیا۔ بلکہ یقینی طور پر اندازہ کر کے لکھا گیا۔ زید اپنی پھوپھی سے اس قسم کی شرمناک بات کو بسبب ان کی بزرگی کے دریافت بھی نہیں کر سکتا ہے۔ فقط والسلام۔

خادم فضل حق صدیقی

الجواب

صورتِ مسئولہ میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔

بدلیل ما فی الشامیۃ: فتمنی جاریۃ مثلها فوقعت الشهوة على من تمناها فلا اھ (ص۴۵۹ ج۲)

پس سائل کو اس پھوپھی کی لڑکی سے نکاح جائز ہے۔ اور سوال اول کے واقعہ ۲ و ۳ سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی

وأيضاً فإن حد الشهوة في حق الشاب ان ينتشر عضو أو يزداد انتشاراً ومعنى الانتشار الانفاظ كما في القاموس ونفظ ذكره أى قام والفظ الرجل علاه الشبق ولم يوجد في الصورة المسئول عنها الانتشار وانما وجدت حركة خفيفة من غير شبق وقيام فقط

وفي قاضي خان: ودليل الشهوة على قول أبي الحسن القمي انتشار الآلة عند ذلك ان لم يكن منتشراً قبل ذلك وان كانت منتشرة قبل ذلك فعلامة الشهوة زيادة الانتشار والشدة ثم ذكر معنى الشهوة في حق الشيخ والعنين ثم قال، وقال عامة العلماء: الشهوة أن يميل قلبه إليها ويشتهي أن يواقعها اھ (ص۱۶۸ ج۱) والله تعالیٰ أعلم

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۵ ذی قعدہ ۳۸ھ

تنبیہ: جواب مذکور لکھنے کے بعد حضرت حکیم الامت دام مجدہم کی خدمت میں بغرضِ ملاحظہ پیش کیا گیا تو فرمایا کہ جواب کا مدار دو باتوں پر ہے:

ایک یہ کہ شہوت محرمہ میں انتشار بمعنی نفوظ تام شرط ہے مجھے اس میں کلام ہے۔

دوسرے یہ کہ: انتشار کے ساتھ عورت ملموسہ یا منظورہ الی فرجہا کی طرف رغبتِ جماع و خواہش مواقعت شرط ہے۔ مجھے اس میں بھی کلام ہے بلکہ صرف لمس و نظر سے دل میں ہیجان ہو جانا اور عضو میں حرکت پیدا ہو جانا شہوت محرمہ کے لئے کافی ہے گو ملموسہ و منظورہ کے جماع سے ذہن خالی ہو۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ یہ ہیجان

غیر ملموسہ وغیر منظورہ کی طرف منصرف نہ ہوا ہو اگر لمس ہوا اور خواہشِ جماع غیر ملموسہ سے ہوئی تو حرمت نہ ہوگی اور اگر کسی سے بھی خواہش جماع نہ ہوئی مگر لمس سے دل میں ہیجان اور عضو میں حرکت پیدا ہوئی تو حرمت ہو جائیگی، احقر نے عرض کیا کہ قاضی خان کی عبارت اس باب میں صریح ہے کہ ملموسہ ومنظورہ کے ساتھ شہوت جماع شرط ہے فرمایا، ممکن ہے کہ "یشتھی ان یواقعھا" بطور تمثیل کے لکھدیا ہو۔ اس کے بعد رائے ہوئی کہ اس سوال کو دوسرے علماء کے پاس بھیجا جائے تو یہ سوال بعبارتِ ذیل مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے علماء کے پاس بھیجا گیا جو مع ان کے جوابات کے درج کیا جاتا ہے۔

سوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء دین اس مسئلہ میں کہ حرمتِ مصاہرت کیلئے جو مس بالشہوۃ حنفیہ کے نزدیک کافی ہے اس میں شہوت کی حقیقت کیا ہے۔ یعنی جن علماء نے صرف اشتہاءِ قلب ومیلانِ قلب کو کافی نہیں سمجھا بلکہ انتشارِ عضو یا زیادت انتشارِ عضو کو شرط قرار دیا ہے ان کے نزدیک انتشار سے کیا مراد ہے؟ آیا عضو میں کسی قدر حرکت پیدا ہوجانا جو پہلے نہ تھی کافی ہے یا پوری طرح عضو کا قائم ہو جانا شرط ہے اور ازدیادِ انتشار کے یہ معنی ہیں کہ حرکتِ سابقہ کے بعد عضو کو قیام ہو جائے یا یہ مراد ہے کہ قیام کے بعد عضو میں شدت آجائے۔

دوسری بات قابلِ تحقیق یہ ہے کہ کیا شہوت کے یہ معنی ہیں کہ جس عورت کو چھولے ہے اس کی طرف میلان ہو اور اس سے مجامعت کی خواہش ہو؟ یا چھونے کے بعد گو یہ خیال پیدا نہ ہوا ہو مگر اس سے لذت حاصل ہوئی اور اس سے عضو میں انتشار پیدا ہوگیا۔ یہ بھی حرمت کے لئے کافی ہے؟ کیونکہ بعض دفعہ مس کرنے والے کو ممسوسہ کی طرف کسی قسم کا خیال نہیں ہوتا مگر جوانی کی وجہ سے خود مس کی لذت سے عضو میں انتشار ہو جاتا ہے جیسا کہ دو جانوروں کو مجامعت کرتے ہوئے دیکھ کر جوان کو انتشار ہو جاتا ہے حالانکہ ان میں کسی کے ساتھ مجامعت کا خیال اس کو نہیں ہوتا۔ عباراتِ فقہیہ اس باب میں مختلف ہیں اس لئے تردد ہوگیا۔

عالمگیری میں ہے: وحدّ الشھوۃ انتشار الآلۃ اوازدیادہ ان کانت منتشرۃ

قاضی خان میں ہے: ودلیل الشھوۃ انتشار الآلۃ عند ذلک ان لم یکن منتشرًا وان کانت منتشرًا فعلامۃ الشھوۃ زیادۃ الانتشار والشدۃ (ص ۱۶۸ ج ۲)

اور قاموس میں ہے: انتشر الرجل انعظ ذکرہ اور نعوظ کے معنی لکھا ہے نفط ذکرہ

قام و انفط الرجل و المرأة علاهما الشبق ۔ شبق اشتدت غلمته ۔ اور غلمه میں لکھا ہے
غلم و اغتلم غلب شهوته۔ غلم البعیر هاج ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہوت کی تفسیر انتشار ہے اور انتشار لغت میں قیامِ ذکر کو کہتے ہیں اور قاضی خان نے ازدیادِ انتشار کی تفسیر شدت سے کی ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر مس بالشہوۃ ہو مگر عضو میں قیام پورا نہ ہو بلکہ کسی قدر حرکت ہو تو حرمت مصاہرت نہ ہوگی ۔ مگر در مختار میں ہے : الشهوة تحرك الآلة او ازدیادہ ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عضو میں حرکت پیدا ہو جانا شہوت محرمہ کے لئے کافی ہے ۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ در مختار کی عبارت میں تحرک سے مراد انتشار کا درجۂ مذکورہ ہے یا عالمگیری و قاضی خان کی عبارت میں انتشار سے مراد تحرک ہے ۔ نیز یہ کہ فقہاء کی عبارت میں انتشار سے وہی مراد ہے جو لغت میں مذکور ہے ۔ یا ان کے نزدیک انتشار کلی مشکک ہے کہ قیامِ کامل سے کم درجہ پر بھی صادق آسکتا ہے ۔

نیز شامی میں ہے : قلت : ويشترط وقوع الشهوة عليها لا على غيرها لما في الفيض : لو نظر إلى فرج ابنته بلا شهوة فتمنى جارية مثلها فوقعت له الشهوة على البنت ثبتت الحرمة و إن وقعت على من تمناها (مع بقاء النظر إلى فرج البنت كما في قاضي خان) فلا اھ (ص۲۵۹ ج۲) وقاضی خان ص۱۶۸ ج۲ میں ہے : وقال عامة العلماء : الشهوة ان يميل قلبه إليها و يشتهي أن يواقعها اھ ۔ قاضی خان کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شہوت محرمہ میں عورت ملموسہ کی طرف قصد جماع کے ساتھ میلان ضروری ہے ۔ شامی کی عبارت بھی بظاہر اس کی مؤید ہے ۔ مگر شامی کی عبارت میں یہ احتمال جاری ہو سکتا ہے کہ وقوع الشہوۃ علیہا اس وقت شرط ہے جبکہ خلو ذہن نہ ہو بلکہ دوسری طرف ذہن کو منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہو ۔ اگر مس و نظر سے شہوت پیدا ہونے کے وقت ذہن خالی ہو کہ نہ منظورہ و ملموسہ سے مجامعت کا خیال ہو نہ غیر سے مگر مس و نظر سے شہوت پیدا ہو گئی اس کے حکم سے عبارت شامیہ ساکت ہے ۔ امید ہے کہ ہر دو سوال مراجعتِ کتب کے بعد واضح طور سے حل کئے جائیں کہ اس میں خلجان ہے ۔ فقط

المستفتی : ظفر احمد عفا عنہ خادم دار الافتاء

۹ ذی قعدہ ۴۸ھ بالخانقاہ الامدادیہ تھانہ بھون

الجواب

حامداً ومصلّیاً ومسلّماً۔ مس اور نظر میں شہوت کی حد جو کہ درمختار میں لکھی ہے "وحدّها فیما تحرّك آلته أو زیادته به یفتی"، علامہ شامی اس کے تحت لکھتے ہیں "قوله أو زیادته أی زیادة التحرك ان کان موجوداً قبلهما علی هٰذا" عالمگیری کی عبارت "وحدّ الشهوة إنتشار الآلة أو ازدیاده إن کانت منتشرة" اور اس کے بعد قاضی خان کی عبارت "ودلیل الشهوة انتشار الآلة عند ذلك ان لم یکن منتشراً وإن کان منتشراً فعلامة الشهوة زیادة الانتشار والشدة" ہر سہ کتب مذکورۂ بالا کی عبارات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر پہلے شہوت بالکل نہ ہو تو ابتدائے حدِ شہوت یہ ہوگی کہ انتشار پیدا ہوجائے۔ چنانچہ عالمگیری و قاضی خان کی عبارتوں میں صریح انتشار کا لفظ واقع ہے۔ صاحبِ درمختار نے انتشار کی بجائے "تحرّک الآلۃ" اور "زیادتہ" بولا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انتشار سے اس موقع میں تحرک الآلۃ ہی مراد ہے اور چونکہ تحرک الآلۃ کے بعد دو درجہ اور باقی ہیں ایک قیامِ ذکر دوسرا شدت پس تحرک الآلۃ کے بعد زیادہ التحرک یا زیادہ انتشار سے یقیناً قیامِ ذکر مراد ہوگا یعنی اگر تحرک آلہ پہلے سے ہو تو حرمت کے تحقق کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ نظر اور مس کی وجہ سے قیامِ ذکر ہوجائے اور اگر قیامِ ذکر پہلے سے موجود ہے تو اب تحققِ حرمت کے لئے شدت ضروری ہوگی۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ مس اور نظر سے پہلے جو حالت تھی اگر بعد المس والنظر وہی حالت رہی تو حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوگی اور اگر اس میں تغیر ہوکر ترقی ہوگئی تو حرمت ثابت ہوجائے گی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ انتشار عرف میں عام ہے شہوت کی تینوں حالتوں پر انتشار کا اطلاق ہوتا ہے اس لئے فقہاء کے کلام میں دوسری مرتبہ کو زیادۃ الانتشار کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اگر انتشار ایک حالت کے ساتھ مخصوص ہوتا تو اس سے اعلیٰ مرتبہ کو زیادۃ الانتشار کے ساتھ تعبیر نہ کرتے بلکہ شدت یا کسی اور لفظ سے تعبیر کرتے دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر انتشار کو قیامِ ذکر کے ساتھ خاص کیا جائے اور زیادتِ انتشار سے شدت مراد لی جائے تو انتشار کے اول مرتبہ یعنی تحرکِ آلہ کا کوئی حکم نہیں نکلتا اس وجہ سے کہ شہوتِ معتبرہ کے مقابل جو قول ذکر کیا ہے وہ یہ ہے

فی الشامی: وقیل حدّها أن یشتهی بقلبه ان لم یکن مشتهیاً أو یزداد إن کان مشتهیاً ولا یشترط تحرّك الآلة (ص۲۸۱ ج۲)

پس جبکہ شہوت غیر معتبرہ کی تعریف میں صرف اشتہاء قلب کو لیا گیا ہے اگر شہوت معتبرہ میں تحرکِ آلہ معتبر نہ ہوتا تو وہ یقیناً غیر معتبرہ میں داخل کیا جاتا۔ پس شہوت غیر معتبرہ میں اس کو داخل نہ کرنا خود اس امر کا قرینہ ہے کہ ابتدائی مرتبہ شہوت معتبرہ کا تحرک آلہ ہے۔ اس توجیہ پر یہ شبہ البتہ ہوتا ہے کہ فقہاء کی عبارات سے شہوت معتبرہ کے دو درجے معلوم ہوتے ہیں تحرکِ آلہ یا زیادتِ تحرک۔ یا یہ کہا جائے کہ انتشار اور زیادت انتشار اور مذکورہ بالا توجیہ کی بناء پر تین درجے ہو گئے ہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ تحقق حرمت کے لیے چونکہ ایک جبکہ پہلے سے شہوت نہ ہو یا شہوت قلبی ہو یا دو کا وجود (اس صورت میں جبکہ پہلے سے تحرک آلہ یا قیامِ ذکر ہو) کافی ہے۔ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے اسی لئے صرف دو لفظوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اور چونکہ ہر دوسری حالت پہلی حالت سے اور کچھ زیادتی پر مشتمل ہوتی ہے اس لئے فقہاء کے کلام میں زیادہ کے ساتھ دوسری حالت کو تعبیر کیا گیا ہے پس اگر پہلے سے تحرک نہ ہو تو زیادت سے مراد قیام ہو گا اور اگر پہلے سے قیام ہو تو زیادت سے مراد شدت ہو گی جیساکہ قاضی خان کی عبارت سے واضح ہے۔

امر ثانی کے متعلق درمختار کا یہ قول: «والعبرة للشهوة عند المس والنظر لا بعد» کافی ہے۔ علامہ شامی اس کے تحت لکھتے ہیں:

عن الفتح: وقوله بشهوة فی موضع الحال لیفید اشتراط الشهوة حال المسّ ولو مسّ بغیر شهوة ثم اشتهیٰ عن ذٰلك المسّ لاتحرم علیه اھ وکذا فی النظر کما فی البحر: لو اشتهی بعد ماغضّ بصره لاتحرم قلت: ویشترط وقوع الشهوة علیها الخ

پس اگر ابتداءً شہوت بالکل نہ ہو اور مس اور نظر کے وقت شہوت پیدا ہوئی، یعنی حالتِ مس اور حالتِ نظر موجود ہے اور اس سے تحرک آلہ پیدا ہو گیا تو حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر مس کے بعد ہاتھ علیحدہ کر دیا یا نظر دوسری طرف کر لی اور پھر تحرک آلہ ہوا تو اب حرمت ثابت نہیں ہو گی۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ جس عورت کو ہاتھ لگا یا ہے میلان اسی کی طرف ہو اگر دوسرے کی طرف ہو گا تو حرمت ثابت نہ ہو گی جیساکہ مثال کی مندرجہ بالا عبارت سے واضح ہے۔ پس ثبوتِ حرمت کے لئے دو شرطوں کا وجود ضروری ہے ایک شہوتِ معتبرہ کا وجود عند المس اور عند النظر دو ملموسہ اور منظورہ کی طرف

میلان اور مجامعت کی خواہش دونوں میں سے اگر کوئی شرط فوت ہوجائے گی حرمت ثابت نہ ہوگی اور مثال کا مقصود اس جزئیہ کے ذکر کرنے سے "ویشترط وقوع الشھوۃ علیھا لا علی غیرھا" کا اثبات ہے جو عام ہے کہ خلو ذہن ہو یا نہ ہو جیسا کہ مثال سے ظاہر ہے کیوں کہ نظر الی فرج البنت مطلقاً موجب حرمت نہیں جب تک خاص اسی کی طرف میلان نہ ہو اگر میلان دوسری طرف ہو تو حرمت نہ یہاں ثابت ہوگی اور نہ اس کے حق میں جس کی طرف میلان ہے کیوں کہ جس کی طرف نظر ہے اس کی طرف میلان نہیں اور جس کی طرف میلان ہے اس کی طرف نظر نہیں۔ پس اگر مس اور نظر سے شہوت پیدا ہونے کے وقت ذہن خالی ہو اور حالتِ مس اور نظر کی بقاء کے وقت ہی ملموسہ اور منظورہ سے مجامعت کا خیال پیدا ہوجائے تو حرمت ثابت ہوجائے گی اور اگر ملموسہ اور منظورہ سے مجامعت کا خیال نہیں ہو خواہ غیر سے ہوا ہو یا نہ ہوا ہو تو حسبِ تصریح "وقوع الشھوۃ علیھا" اس شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔ کما ھو الظاھر۔ واللہ اعلم

رقمہ ضیاء احمد عفی عنہ

۱۵ر ذی قعدہ ۴۸ھ

الجواب الثانی

از مولانا عبد الرحمٰن صاحب صدر المدرسین مظاہر العلوم سہارنپور

① بظاہر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی خان کی عبارت میں انتشار سے مراد تحرّک عضو ہے۔ چنانچہ بدائع الصنائع (ص ۲۶۰ ج ۲) کی عبارت میں انتشار کو بطورِ عطف تفسیر کے ذکر کیا ہے "وتحرّك الآلۃ وانتشارھا ھل ھو شرط تحقق الشھوۃ اختلف المشائخ فیہ الخ" صاحبِ بحر کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے (ص ۱۰۱ ج ۳) ولم یذکر المصنّف حدّ الشھوۃ للاختلاف فقیل لابد أن تنتشر آلتہ إذا لم تکن منتشرۃ أو تزداد انتشارًا إن کانت منتشرۃ۔ و قیل حدّھا أن یشتھی بقلبہ إن لم یکن مشتھیاً أو یزداد إن کان مشتھیاً ولا یشترط تحرّك الآلۃ وصحّحہ فی المحیط الخ ہر دو قولین کے تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قول میں انتشار سے مراد تحرّک ہے ورنہ دوسرے قول میں بمقتضائے تقابل ولا یشترط انتشار الآلۃ کہنا چاہیئے تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقہاءؒ کے کلام میں

انتشار سے مراد تحرک ہے جو کلی مشکک ہے استرخاء عضو کے بعد شدت قیام تک کے جتنے مراتب ہیں سب پر صادق ہے یعنی استرخاء کے بعد تشنج اور اس کے مابعد کے سب مراتب تحرک کے افراد ہوں گے۔ اور جمیع مراتب پر انفراداً اور اجتماعاً حرمت مصاہرت مرتب ہوگی۔ اور انتشار سے مراد وہ نہیں ہے جو لغویین نے لکھا ہے۔ یعنی قیام عضو۔

۲ شامی اور قاضی خان دونوں "اشتراط وقوع الشہوۃ علیہا لا علی غیرہا" میں متفق اللسان ہیں۔ بلکہ لا علی غیرہا سے نفی وقوع الشہوۃ علی الغیر کی طرف قاضی خان نے تعرض نہیں کیا جس سے قاضی خان کی عبارت مشعر عموم ہوگئی "ای یمیل قلبہ الیہا ویشتھی ان یواقعہا اھ اعم من ان یکون قلبہ فی ھٰذہ الحالۃ مائلاً الی غیرہا ام لا" شامی کی عبارت میں صرف ایک ہی احتمال ہے "یمیل قلبہ الیہا ولا یمیل الی غیرھا" البتہ شامی نے جو استدلال میں فیض کی عبارت پیش کی ہے اس عبارت میں وہ احتمال جاری ہوسکتا ہے جس کے متعلق مولانا ظفر احمد صاحب فرماتے ہیں مگر علامہ شامی کا عبارت فیض کے نقل کرنے کے بعد قید عدم خلو الذھن عند حدوث الشہوۃ کی طرف تعرض نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ علامہ شامی کے نزدیک اس قید کا اعتبار نہیں (کما ھو دابہؒ فی أمثال ھٰذہ العبارۃ من ذکر مفاہیم العبارات) ورنہ نقل عبارت کے بعد اس کی طرف حسب عادت تعرض فرماتے۔ نیز شامی کا "قلت: ویشترط الخ" درمختار کی اس عبارت کے ذیل میں "والعبرۃ للشہوۃ عند المس الخ" کہنا بظاہر اسی غرض کے لئے ہے کہ مصنف کی عبارت میں شہوت کا لفظ عام تھا یعنی شہوت منظورہ وملموسہ وغیرہا دونوں کو شامل تھا۔ شامی صرف اس اطلاق کی تقیید کے لئے "قلت الخ" فرمارہے ہیں جس سے بظاہر مقصود صرف عموم کا ابطال ہے اور تقیید ہے۔ باقی عدم خلو الذھن عند حدوث الشہوۃ او عند عدمہ اس کی طرف درمختار کی عبارت میں اشارہ نہ شامی کا مقصود ہے بلکہ اس کے لحاظ سے تعمیم ہی شامی کا مقصود ہے کما مرّ واللہ اعلم

نوٹ: اس کے بعد یہ سب تحریرات مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی کو دی گئیں کہ وہ بھی ان کو دیکھ کر اپنی رائے لکھیں۔ انہوں نے جو کچھ تحریر فرمایا وہ بھی درج کیا جاتا ہے۔ ظفر احمد عفاعنہ

الجواب الثالث: من مولانا حبیب احمد کیرانوی

تحقیق متعلق بہ حرمت مصاہرہ باللمس والنظر:

خواہش جماع کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے خواہش اکل اور شہوت کی مثال ایسی ہے

جیسے بھوک ۔ پس جس طرح کبھی کسی شئے کو بے بھوک کھانا چاہتا ہے یوں ہی کبھی آدمی بلا شہوت جماع کی خواہش کرتا ہے۔ پس شہوت نام ہے جماع تقاضائے طبعی کا۔ جیسے بھوک نام ہے خواہش غذا کی تقاضائے طبعی کا۔ اور خواہشِ جماع نام ہے تقاضائے نفس اور اس کی رغبت الی الجماع کا اور نہ ثبوت کے لئے رغبت الی الجماع لازم ہے اور رغبتِ جماع کیلئے شہوت ضروری ہے۔ کبھی یہ دونوں جمع ہوتے ہیں اور کبھی ایک دوسرے سے منفک۔ پھر چونکہ جماع ایک ایسا فعل ہے جو کہ طرفین کے ساتھ قائم ہے اس لئے رغبتِ جماع میں خیال طرفِ آخر ضروری ہے اور یہ خیال کبھی علی وجہ التعیین ہوتا ہے جیسے یوں کہ فلاں عورت کے ساتھ میں ایسا کروں اور کبھی لا علیٰ وجہ التعیین۔ مثلاً یوں کہ اسوقت کوئی عورت ہو جس سے میں ایسا کروں۔ جب یہ تفصیل معلوم ہو گئی تو اب سمجھنا چاہئے کہ اگر مس و نظر فی حال الشہوۃ ہے تو اس کی چند صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ وہاں شہوت کے ساتھ رغبتِ جماع نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ رغبتِ جماع ہو مگر طرفِ آخر متعیّن نہ ہو۔

تیسرے یہ کہ طرفِ آخر متعیّن ہو مگر ملموسہ و منظورہ نہ ہو۔ بلکہ غیر ملموسہ و منظورہ ہو۔

چوتھے یہ کہ وہ خاص ملموسہ و منظورہ ہو۔ پہلی تین صورتوں میں بالاتفاق حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہوگی اور چوتھی صورت میں بالاتفاق حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی کیونکہ یہاں شہوت و رغبت دونوں جمع ہیں "و تحرّك الآلة لا تنفك عن الشهوة في حال صحة المزاج و في حال فساد المزاج كالعنّين أو عدم الآلة كالمرأة والمجبوب" ہو غیر ضروری اور اگر مس فی حال الرغبۃ الی الجماع بلا شہوت ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک تو اصلاً حرمت نہ ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک رغبت کے ساتھ شہوت شرط ہے اور بعض کے نزدیک اس میں تفصیل مذکور ہے۔ یعنی اگر خاص ملموسہ و منظورہ سے جماع کی خواہش ہو اور اسی حالت میں لمس و نظر ہو تو حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔ قائلین بالشہوۃ والانتشار کا قول: "و يشترط وقوع الشهوة عليها" اور قائلین بالرغبۃ کا قول: "و حدّ الشهوة أن يميل قلبه إليها و يشتهي جماعها" اس کی کافی دلیل ہیں۔ خلاصہ یہ کہ لمس و نظر عن شہوۃ میں ملموسہ و منظورہ کا متعیّن للجماع ہونا بالاتفاق ضروری ہے اور اختلاف صرف تفسیرِ شہوت میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شہوت صرف خواہشِ جماع کا نام ہے خواہ

تحرکِ آلہ یا تحرکِ قلب یا ازدیادِ تحرکِ آلہ یا قلب پایا جائے یا نہ پایا جائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ شہوت میں میلانِ قلب ورغبتِ نفس کافی نہیں ہے بلکہ شہوت ایسی میلان ورغبتِ جماع کا نام ہے جس کے ساتھ ہیجان وجوش ہو جس کے لئے بحالت موجودگی آلہ وصحتِ مزاج تحرکِ آلہ اور بحالت عدم احد الشیئین تحرکِ قلب ضروری ہے۔ یہ دو مشہور قول ہیں۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ شہوت صرف اس خواہشِ جماع کا نام ہے جس کے ساتھ تحرکِ آلہ ہو اور تحرکِ قلب اس کے لئے کافی نہیں۔

" ذهب إليه محمد بن مقاتل الرازی وقال فی العناية هو أقرب إلى الفقه والظاهر انه ليس بقول ثالث بل هو داخل فی القول الثانی لأن عدم تحرّك الآلة إما أن يكون بسبب انعدامها كما فی المجبوب والمرأة أو يكون بسبب فساد مزاج الآلة مع صحة مزاج المرأ كما فی المجلوق أو يكون بسبب فساد مزاج المرأ كما فی الشيخ الكبير والعنين الاصلی والذی صار مثله لغلبة المرض وهو يقول بانتفاء الحرمة فی الصورة الثالثة فقط لا فی الصورتين الاولیين فيكون قوله مثل قول الآخرين لا غيره ثم أقول ومن جملة ما يدلّ على اشتراط وقوع الشهوة عليها انه صرّح فی فتح القدير : بانه لو استيقظ فطلب امرأته فأولج بين فخذی بنتها خطأً لا تحرم عليه الأم مالم يزداد الانتشار اهـ لان هٰذه الشهوة لم تكن واقعةً عليها ولما ازداد الانتشار بالايلاج وقع الشهوة عليها وإن كان مخطئاً فی ظنّه أنها امرأته وقال أيضاً : لو أيقظ زوجته ليجامعها فوصلت يده إلى بنته منها فقرصها بشهوة وهی ممن تشتهی بظن أنها امرأته حرمت عليه الام حرمة مؤبدة ومعناه أنه إن كان الشهوة موجودة قبل وقوع اليد فلا تحرم له لمجرّد وقوع اليد لأن الشهوة لم تكن عليها حينئذٍ بل تحرم بالقرص بالشهوة لوقوع الشهوة عليها اذ ذاك وان لم تكن الشهوة موجودة اذ ذاك فعدم الحرمة بوقوع اليد والحرمة بالقرص ظاهر بوقوع الشهوة عليها حين القرص لا قبلها۔

(۱) قال فی البدائع : وتثبت باللمس فيهما عن شهوة وبالنظر إلى فرجها عن شهوة ولا تثبت بالنظر إلى سائر الأعضاء بشهوة ولا بمسّ سائر الأعضاء إلّا عن شهوة بلا خلاف۔ وتفسير الشهوة هی أن يشتهی بقلبه ويعرف ذلك باقراره

لانه باطن لاوقوف عليه لغيره وتحرك الآلة وانتشارها هل هو شرط تحقق الشهوة اختلف المشائخ فيه قال بعضهم: شرط، وقال بعضهم: ليس بشرط هو الصحيح لأن المسّ والنظر عن شهوة يتحقق بدون ذلك كالعنّين والمجبوب ونحو ذلك اه وقال أيضًا: لأن الحرمة انما تثبت عن النكاح لكونه سبباً داعياً إلى الجماع اقامة للسبب مقام المسبب في موضع الاحتياط والقُبلة والمباشرة أولى بالتسبب والدعوة من النكاح فكان أولى باثبات الحرمة اه

ان عبارتوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نظر ولمس وہی موجبِ حرمت ہیں جو کہ مسبب عن الشہوۃ ہوں "واللمس فی حال الشهوة مسبب عن الشهوة" نہیں ويدلّ عليه قول اللمس عن شهوة والنظر عن شهوة فان معناه كون اللمس مسببا عن شهوة والنظر مسبباً عن شهوة قوله: والقبلة والمباشرة في التسبيب والدعوة أبلغ من النكاح۔ پھر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبلہ ولمس جو محرم ہیں تو وہ اس لئے محرم ہیں کہ وہ داعی الی الجماع ہیں اور لمس فی حال الشہوۃ من غیر میلان القلب الی الملموسۃ داعی الی جماع الملموسۃ نہیں لہذا وہ محرم ملموسہ بھی نہیں۔ اور عبارتِ شامی: "ويشترط وقوع الشهوة عليها لا على غيرها" میرے نزدیک اس باب میں نص ہے اور یہ احتمال ہے کہ یہ اس وقت شرط ہے جبکہ حدوثِ شہوت کے وقت خلو ذھن نہ ہو بلکہ دوسری طرف ذھن کے منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہو اور اگر مس ونظر سے شہوت پیدا ہونے کے وقت ذہن خالی ہو نہ منظورہ وملموسہ سے مجامعت کا خیال ہو نہ غیر سے اس میں خلجان ہے اھ

صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں اگر شہوت علی غیرھا متحقق نہیں تو شہوت علیہا بھی تو متحقق نہیں ويشترط وقوع الشهوة عليها مصرح ہے ولا فرق بين ان يكون متعلق الشهوة غيرها أو لم يكن هناك متعلق الشهوة اصلا بعد ان لم يكن متعلق الشهوة هي الملموسة او المنظورة لانه لا دخل لمتعلق الشهوة بغير الملموسة والمنظورة وعدمه في حرمة الملموسة والمنظورة كما لا يخفى۔

(۲) قال في رد المحتار: أمّا الشيخ والعنين فحدهما تحرك قلبه أو زيادته ان كان متحرّكاً لا مجرّد ميلان النفس فانه يوجد فيمن لا شهوة له أصلاً كالشيخ الفاني اه

اس سے معلوم ہوا کہ شہوت اور میلانِ نفس میں فرق ہے اور مدارِ حرمت شہوت ہے نہ کہ میلانِ قلب اور چونکہ عادۃً شہوت تحرکِ آلہ سے منفک نہیں ہو سکتی اسلئے انہوں نے شہوت اور میلانِ قلب میں امتیاز کے لئے تحرکِ آلہ کی شرط لگائی ہے اور کہا ہے کہ اگر تحرکِ آلہ ہوا تو سمجھا جائیگا کہ شہوت ہے ورنہ سمجھا جائیگا کہ شہوت نہیں بلکہ صرف میلانِ نفس ہے جو کہ بلا شہوت کے بھی ہوتا ہے۔ جب یہ حقیقت معلوم ہوگئی تو معلوم ہوا کہ قیام شرط نہیں بلکہ تحرک کافی ہے

وقال فی خلاصة الفتاوىٰ: قال فی المحیط: إن کان شیخاً أو عنیناً فحد الشهوة أن یتحرك قلبه بالاشتهاء ان لم یتحرك وان تحرك زاد الاشتهاء وان کان شاباً ان ینتشر آلته ویزداد ان کان متحرکاً حکاه العمی عن أصحابنا - وإلیه مال الامام خواهر زاده والامام السرخسی وکثیر من أصحابنا وهم یشترطون الانتشار وجعلوا الحد أن یشتهی جماعها اھ (ج-۲ ص۸) والظاهر من قوله: أن المشترطین للانتشار جعلوا حد الانتشار أن یشتهی جماعها وقال فی فتح القدیر وماذکر فی حد الشهوة من أن الصحیح أن تنتشر الآلة أو تزداد الانتشار هو قول السرخسی وشیخ الاسلام وکثیر من المشائخ لم یشترطوا سوی أن یمیل قلبه الیها ویشتهی جماعها اھ وهذه العبارة أن ما وقع فی الخلاصة عن قوله: وکثیر من المشائخ وهم یشترطون الخ من خطأ الکاتب والصحیح أن کثیرًا من المشائخ لایشترطون الانتشار وجعلوا الحد أن یشتهی جماعها وبالجملة ظهر من عبارة فتح القدیر أن المشائخ متفقون علی أنه یشترط أن یمیل قلبه إلیها ویشتهی جماعها وإنما الاختلاف فی إشتراط الانتشار وعدمه ویظهر منه أمران: أحدهما: اشتراط وقوع الشهوة علی الملموسة والمنظورة، والثانی: عدم اشتراط النعوظ التام لان اشتراط الانتشار انما هو للتمییز من میلان القلب وتمنی الجماع والشهوة - والله أعلم

وقوله: ماقال ابن همام: انه فرع علیه مالو انتشر وطلب امرأته فأولج بین فخذی بنتها خطأ لاتحرم أمها مالم یزداد الانتشار اھ فلا یصح عندی هذا التفریع علی مذهب من المذهبین لأنه إذا أولج بین فخذیها بالشهوة ظانًا أنها أمها فقد وقع الشهوة علی البنت حقیقة ولا یوثر الخطأ فی الظن لأنه قصد جماعها مع وجود الشهوة والانتشار فینبغی أن تحرم أمها علی کلا القولین،

والذين شرطوا زيادة الشهوة عند اللمس والنظر وقت وجود الشهوة قبلهما فمقصودهم انه يشترط ذاك إذا لم تكن الملموسة والمنظورة مقصودة بالجماع إذ ذاك وإن كانت هى المقصودة بالجماع كما فى مسئلة البنت فلا يشترط فيه الزيادة بل الشهوة الموجودة عند اللمس والنظر كافٍ فى التحريم لوقوع الشهوة عليها فى الواقع بعد ما كانت واقعةً على غيرها فى الخيال وح ينبغى أن يقيد المسئلة الذى طلب امرأته للجماع فوقع يده على بنته فقرصها بالشهوة بانه لم يكن مشتهياً عند الطلب والا تحرم عليها أمها بمجرد وقوع اليد عليها لوجود وقوع الشهوة عليها فى الواقع وان كانت واقعة على أمها فى الخيال أو يقال هذا إذا كان يعلم أنها بنته لم يكن قصد لمسها ولكن وقع يده عليها خطأ فانه لا تحرم عليه أمها بمجرد وقوع اليد لعدم وقوع الشهوة على البنت لا فى الواقع ولا فى الخيال والظن لكن لما قرصها بالشهوة وقع الشهوة عليها حقيقة فح تحرم عليه أمها. فتدبر فيه.

وليعلم أنه إذا هيجت مرأة نفس رجل بحسنها أو كلاهما أو لوجه من الوجوه بحيث انتشر آلته وظهرت فيه آثار الشهوة ثم دعاه ذلك الهيجان إلى تقبيلها فقبلها تثبت الحرمة سواء أراد الجماع أولا لأن قصد الجماع وارادته ليس بشرط فى الحرمة وإنما الشرط هو الانبعاث الطبعى إلى جماعها وقد وجد ذلك لانه لا شك فى أنه وجد ههنا شهوة لوجود آثارها ولا شك أيضاً فى أن معنى الشهوة هو الاقتضاء الطبعى للجماع وايضاً فى ان هذه الشهوة عليها لا على غيرها ولا شك أيضاً فى أن هذه الشهوة دعته إلى التقبيل فلا شك فى ثبوت الحرمة لتحقق سببها وهو اللمس بالشهوة ولا تلتفت إلى قوله أى لم أشته جماعها وانما اشتهيتُ تقبيلها فقط لأنه إن اراد أنه لم يشته جماعها طبعًا فوجود الشهوة عليها مكذب له لأن الشهوة إنما هو الاقتضاء الطبعى للجماع وهى لا تنفك عن اقتضاء الجماع كما لا ينفك الجوع عن اقتضاء الغذاء وان أراد أنه لم يرده اختيارًا ولم يحس بذلك الاقتضاء الطبعى فلا يفيده هذا شيئاً لأنه ليس من شرط الحرمة إرادته وقصده للجماع ولا شعوره بالاقتضاء الطبعى، نعم إن كانت الشهوة وقعت على

غیرها ثم قبلها من غیر ان تدعوه هٰذہ الشهوة الی التقبیل لاتثبت الحرمة بهٰذا التقبیل لانّ هٰذا التقبیل لیست بالشهوة بل فی حالة الشهوة ومع الشهوة و فرق بینهما فاحفظہ ینفعك ان شاء اللّٰه تعالیٰ ۔ انتهی ۔

خلاصہ یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی صرف علت میں گفتگو ہے ۔ احقر نے دو علتیں بیان کی تھیں ایک نفوط تام نہ ہونا ۔ دوسرے عورت لامسہ پر شہوت واقع نہ ہونا ۔ علماءِ ثلاثہ نے پہلی علت کو تسلیم نہیں کیا دوسری علت کو تسلیم کیا ۔ احقر بھی اس معاملہ میں ان کے ساتھ اتفاق کرکے پہلی علت سے رجوع کرتا ہے اور پہلے میں بھی نفوط تام کو شرط نہ سمجھتا تھا جیسا احقر کا فتویٰ مندرجہ امداد الاحکام جلد ۲ ص ۲۸۱ سے ظاہر ہے جس میں مفتی صاحب دیوبند کے اس امر کو رد کیا گیا ہے کہ حرمتِ مصاہرت کے لئے شہوت مع نفوط تام شرط ہے مگر بعد میں مجھے مفتی صاحب دیوبند کی رائے کی طرف میلان ہوگیا مگر اب علماءِ ثلاثہ کے بیان سے اپنی پہلی رائے کی صحت و پختگی واضح ہوگئی فالحمد للّٰہ علی ذٰلک

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۳۰ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ

(امور تنقیح طلب در حرمتِ مصاہرت)

۱۔ شہوت مس سے پہلے ہوئی یا مس کے ساتھ یا مس کے بعد؟

۲۔ اگر شہوت مس سے پہلے تھی تو مس سے حالت اولیٰ پر رہی یا زیادہ ہوگئی ؟

۳۔ عضو میں شہوت سے حرکت ہوئی یا نہیں ؟

۴۔ شہوت ملموسہ یا لامسہ پر واقع ہوئی یا نہیں یا اس سے جماع کی خواہش ہوئی یا نہیں یا اس کو چھو کر کسی دوسری عورت سے خواہشِ جماع ہوئی؟

۵۔ مجلس میں انزال تو نہیں ہوا ۔ یا مجلس کے بعد سکون شہوت سے پہلے تو انزال نہیں ہوا

۶۔ لمس و مس کن مواقع پر ہوا کیونکہ بعض مواقع کے مس میں دعویٰ عدم شہوت قضاءً مسموع نہیں ۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم ۔

۳۰ ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ

حکم حرمتِ مصاھرت از تقبیلِ فم و معانقہ | سوال : ایک عورت دعویٰ کرتی ہے کہ اس کے خسر نے اس کے لب کا بوسہ لیا اور سینہ سے لگایا اور ایک مرتبہ مٹھائی بھی اس کے قبل زبردستی دبا کر سینہ سے لپٹا کر کھلائی تھی جو اس نے باہر حجرہ سے اگل دی۔ عورت ان واقعات کو شہوتِ نفسانیہ سے بتلاتی ہے اور خسر ان کا منشأ محبت و شفقتِ پدری بتلاتا ہے مگر خسر کی ایک تحریر جو خفیہ طور سے بہو کے نام آئی ہے یہ بتلاتی ہے کہ ان واقعات کا منشأ شہوتِ نفسانیہ ہے۔ پس صورتِ مسئولہ میں حرمتِ مصاھرت ثابت ہوئی یا نہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

۱- قال فی الدر : تزوّج بکرًا فوجدھا ثیبًا وقالت ابوك فضنی ان صدقھا بانت بلا مھر اھ (ص ۴۵۷ ج ۲) والعبرۃ للشھوۃ عند المس والنظر لابعدھما وحدھا فیھما تحرّك آلتہ او زیادتہ بہ یفتٰی اھ (ص ۴۵۹ ج ۲)

۲- قبّل امّ امراتہ فی ایّ موضع کان علی الصحیح جوھرۃ حرمت علیہ امرأتہ مالم یظھر عدم الشھوۃ ولو علی الفم کما فھمہ فی الذخیرۃ وفی المس لاتحرم مالم تعلم الشھوۃ لانّ الاصل فی التقبیل الشھوۃ بخلاف المس والمعانقۃ کالتقبیل وکذا القرص والعضّ بشھوۃ (ص ۴۶۲ ج ۲)

قال الشامی : وفی بیوع العیون خلاف ھذا اذا اشتری جاریۃ علی انہ بالخیار وقبّلھا او نظر الی فرجھا ثم قال لم یکن عن شھوۃ واراد ردّھا صدّق ولو کانت مباشرۃ لم یصدّق ولو قبّل ولم تنتشر آلتہ وقال کان عن غیر شھوۃ یصدّق وقیل لایصدّق ولو قبّلھا علی الفم وبہ یفتٰی۔ فھذا کما تریٰ صریح فی ترجیح التفصیل واما تصحیح الاطلاق الذی ذکرہ الشارح فلم ارہ بغیرہ ثم ذکر الشامی عن القھستانی مایدل علی الحرمۃ فی التقبیل مطلقًا واستواء فی الفم والخدّ والذقن والرأس وقیل ان قبّل الفم یفتٰی بھا وان قبّل غیرہ لایفتٰی بھا الا اذا ثبتت الشھوۃ اھ

قال الشامی : وظاھرہ ترجیح الاطلاق فی التقبیل لکن علمت التصریح بترجیح التفصیل تامّل اھ (ص ۴۶۲ ج ۱)

اقول وباللہ التوفیق : صورتِ مسئولہ میں احقر کے نزدیک حرمتِ مصاھرت اس وقت ثابت ہوگی جبکہ عورت یہ دعویٰ بھی کرے کہ جس وقت خسر نے اس کا بوسہ لیا

یا گلے سے لگایا یا سینہ سے لپٹا کر مٹھائی کھلائی اس وقت خسر کے عضوِ خاص میں انتشار پیدا ہوگیا تھا یا اگر پہلے سے انتشار تھا تو بوسہ لینے اور لپٹانے اور گلے لگانے کے وقت انتشار زیادہ ہوگیا تھا اگر عورت یہ دعویٰ نہیں کرتی تو حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔ اگر وہ انتشار یا زیادتِ انتشار کا دعویٰ کرے اور شوہر کا دل قبول کرے کہ یہ سچی ہے تو شوہر پر یہ عورت حرام ہوگئی۔ للجزئیۃ الأولیٰ ۔ اور اگر وہ یہ سب دعویٰ کرے اور شوہر کا دل اس کے صدق کو قبول نہ کرے تو مرد پر عورت حرام نہیں۔ مگر اس صورت میں خود عورت کو شوہر سے علیحدگی واجب ہوگی کہ اپنی خوشی سے شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے۔ لان المرأۃ کالقاضی لا یسع لھا الا الحکم بعلمھا اور گو بعض فقہاء نے تقبیل و معانقہ میں مطلقاً فتویٰ حرمت کا دیا ہے مگر واقعات پر نظر کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گو بعض دفعہ تقبیل و معانقہ بالمحارم کا داعیہ شہوت سے پیدا ہوتا ہے مگر بعض دفعہ وقت تقبیل و معانقہ کے شہوت باقی نہیں رہتی بوجہ حیا و خوف وغیرہ کے۔ اور شرط حرمتِ شہوت عند المس والتقبیل ہے نہ شہوتِ سابقہ نہ لاحقہ ولھذا قید حد الشھوۃ بزیادۃ الانتشار اذا کان منتشراً قبل المس (جزئیہ ثانیہ) واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور اس صورت میں بیٹے کو واجب ہے کہ اپنی بیوی کا باپ سے پردہ کرادے اور خلوت کا کبھی موقع نہ دے اور جس گھر میں بیٹا اور اس کی بیوی رہتے ہیں وہ گھر اگر باپ کی مِلک ہے تو اس گھر میں آنے سے باپ کو روکنے کا حق نہیں بلکہ بیٹے پر واجب ہے کہ دوسرا مکان کرایہ پر لے کر رہے یا بیوی کو اس کے باپ کے یہاں رکھے۔ نیز بیٹے کو باپ کا ادب و تعظیم لازم ہے اس میں کوتاہی عملاً نہ کرے گو دل کو نفرت ہو کہ طبعی نفرت معاف ہے۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون

۱۵ر ذی قعدہ ۴۹ھ

فصل فی ارتداد الزوجین او احدھما

عورت کا "من شریعتِ تو نخواہم" کہنے کا حکم۔ نیز زوجین کے بت پرستی کرنے اور تین طلاقوں کے بعد ارتداد کا حکم

سوال : چہ می فرمایند علماء دین و مفتیانِ شرع متین اندرین مسئلہ کہ زوجۂ زید مسماۃ زبیدہ ہمیشہ تماشا می بیند بارے زید اورا زجر نمود وگفت تو تماشا مبین زیرا کہ تماشا در شریعتِ ما نامشروع است زوجہ گفت من تماشا دیدم و آئندہ نیز بینم، شریعتِ تو نخواہم حتی کہ زبیدہ بتقریبِ تماشا نیروز کفار ہمدران روز از شوہرش پنہان گشتہ بتماشاگاہ شامل گردیدہ علانیہ تماشا بدید درین متنازعہ زید وطن اقامتش کہ ملک برھما است فروھشتہ بوطن اصلی خود کہ ملک بنگالہ است برفت۔ و بوقت نکاح ثانی افواہ افتاد کہ زید زوجۂ اولی را ہر کہ مسماۃ بزبیدہ است ۳ سہ طلاق داد اما گاھے او انکار کند و گاہے اقرار حالانکہ شاید برآن طلاق یافتہ نشود بعد ازان بملکِ برھما آمدہ بزبیدہ زناشوئی آغاز نہاد و اہل محلہ گرفت نمودند زید بتعلیم کدام جاھل بمصاحبت زبیدہ بیت خانہ برمار فتہ پیشِ بت سجدہ نمودند و بعد توبہ ہر دو تجدیدِ نکاح ساختہ زناشوئی می نمایند و بعد مرورِ ایام بتحریرِ سوالات سہ گانہ آئندہ نزدیک مفتی بنگالہ خط نوشت۔

۱۔ استخفاف و انکارِ شریعت زبیدہ۔

۲۔ بت پرستی زوجین۔

۳۔ سہ طلاق دادنِ زید زبیدہ را۔ ومفتی سوالِ اول را بالکل ترک ساختہ سوال دوم وسوم تحریر نمودہ جواب داد کہ بہ سہ ۳ طلاق یک طلاقِ رجعی واقع گردد فقط ومفتی ثانی ہر سہ سوال تحریر ساختہ جواب داد کہ شریک شدنِ زبیدہ بتماشا نیروزِ کفار وانکارِ شریعت ہر دو کفر اند۔ وبمجرد وقوعِ این افعال نکاحِ ایشان باطل گردید و بعد ازان بر تقدیرِ راستی طلاقِ زید بزبیدہ واقع نشود۔ دلیلش قولِ ردّ المحتار است ومحلہ المنکوحۃ ای لو معتدۃ عن طلاق رجعی او بائن غیر ثلاث فی حرۃ وثنتین فی امۃ اوعن فسخ لتفریق لاباء احدھما عن الاسلام او بارتداد احدھما الخ وزبیدہ انکارِ شریعت وتماشا بینی خود را اقرار کند وگواہ نیز موجود است اما بعضے از مخالفان

باعث عدم شمول سوال اول در فتویٰ اول سوال اول را دروغ میگویند اما دلیل شان
ہیچ نیست اکنون بر زید مذکور چہ حکم مترتب شود بیّنوا بالدلیل۔

الجواب

اگر زبیدہ کی حالت مجموعی بے پابندی شرع ظاہر ہوتی ہے اور غالب گمان یہ ہو کہ اس کے قلب میں شریعت کا استخفاف و بے حرمتی نہیں ہے تو اس کے قول "شریعتِ تو نخواہم" کا مطلب یہ ہوگا کہ زبیدہ کو شوہر کے قول پر اطمینان اور کامل وثوق نہیں ہوا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے یہی حکم شرعی ہے اس لئے اس نے جواب دیا کہ میں تیری شریعت کو نہیں جانتی اصل شریعت کی تحقیر مراد نہیں اور اگر پہلے سے اس کے افعال سے شریعت کے ساتھ لاپروائی اور بے اعتنائی آشکارا ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے اور ہنود کے میلہ کی شرکت سے کافر ہونا تغلیظاً فقہاء نے لکھا ہے پس جو لوگ اس کو کفر جانتے ہیں پھر ایسا کرتے ہوں وہ کافر ہیں اور جو جاہل ایسا کرتے ہیں ان کو کافر کہنے میں جلدی نہ کی جائے۔

۲ جیسا زید کے تین طلاق دینے پر گواہ نہیں ہیں تو اس کے اقرار پر بھی گواہ ہیں یا نہیں۔ اگر اس کے اقرار پر دو گواہ ہوں تو ان گواہوں کو زید کی زوجہ کو مطلع کر دینا واجب ہے، کہ زید نے ہمارے سامنے تین طلاق کا اقرار کیا ہے اس صورت میں زبیدہ پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ جو شخص تین طلاق سے واحدہ رجعی کا وقوع بتلاتا ہے وہ غیر مقلّد گمراہ ہے اور اگر اقرار پر بھی دو گواہ نہ ہوں اور اقرار زبیدہ کے سامنے بھی نہیں ہوا تو اس صورت میں زبیدہ پر تین طلاق واقع ہونے کا کوئی ثبوت نہیں زبیدہ کو زید کے پاس رہنا جائز ہے۔ لیکن اگر زید نے واقع میں تین طلاق دی ہیں تو اس کو زبیدہ کے ساتھ شوہر کی طرح رہنا حرام ہے

۳ اس کے بعد جو زید اور زبیدہ نے بت کے سامنے سجدہ کیا ہے اس سے دونوں مرتد ہو گئے ان پر توجہ واستغفار وتجدیدِ ایمان لازم ہے۔ وفّقهما الله له و ثبّتنا عليه الى يوم الممات۔ آمین ـــ اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر تین طلاق کا ثبوت پہلے ہو چکا ہے یعنی اقرار زید پر کم از کم دو گواہ موجود ہوں تو اس ارتداد سے حلالہ ساقط نہ ہوگا حلالہ پھر بھی کرنا پڑے گا بدون حلالہ کے تین طلاق کے بعد کسی حال میں نکاح نہیں ہو سکتا۔

قال فی الدر: او حرّة بعد ثلاث وردة اھ

قال الشامی : ای لو طلّقها ثنتین وھی امۃ ثم ملکھا او ثلاثًا وھی حرّۃ فارتدّت ولحقت بدار الحرب ثم سبیت، وملکھا لا یحل لہ وطؤھا بملک الیمین حتی یزوّجھا فیدخل بھا الزوج فیطلقھا اھ (ص۸۸۶ ج۱)

ظفر احمد عفا عنہ

حکم نکاحِ مرتدّہ کہ بعد ازاں اسلام آوردہ اور اس سے متعلق مزید چند سوالات

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین ان مسائل میں کہ زید مسلمان نے ہمراہ مسماۃ زینب مسلمہ نکاح کیا چند سال کے بعد زینب نے رابطہ ناجائز دوستی کا ہمراہ خالد مسلمان پیدا کر لیا اور زینب خالد کے گھر بارادۂ بد آنے جانے لگی ایک دن زید نے زینب کو کہا کہ چونکہ خالد تمہارا نامحرم ہے اس کے گھر مت جایا کرو اس پر زینب نے اس کو جواب دیا کہ میں جایا کروں گی اور ہرگز خالد سے باز نہ آؤں گی اس بات کو سن کر خالد کو بھی غصہ آیا اس لئے خالد نے زینب کو کہا کہ تو مذہب نصرانیت (عیسائیت) اختیار کرلے پھر مذہب عیسائیت اختیار کر لینے کے بعد حکّامِ وقت کے محکمہ میں دعویٰ منسوخیِ نکاح کا کر لینا جب تمہارے نکاح کو حکّام وقت توڑ دیں گے تو بعدہٗ پھر تم مسلمان ہو جانا پھر تو (یعنی زینب) اور میں (یعنی خالد) آپس میں نکاحِ شرعی کر لیں گے۔ الغرض خالد نے یہ حیلہ مسمّاۃ زینب کو سکھلایا بعدہٗ زینب نے خالد کے کہنے پر مدرسہ عیسائیوں کے گرجا گھر میں جا کر مذہبِ عیسائیت اختیار کر لیا اور بعدہٗ حکّام وقت کی عدالت میں بایں مضمون دعویٰ دائر کر دیا کہ میں نے مذہب عیسائیت اختیار کر لیا ہے میرا نکاح زید سے قانونًا توڑ دیا جائے۔ اب التماس ہے کہ براہِ نوازش و کرم مندرجہ ذیل مسائل کے جواب سے مشکور و ممنون فرمایا جائے۔

۱ جبکہ زینب نے مذہب عیسائیت اختیار کر لیا ہے کیا بروئے شرعِ محمدی کے زید اور زینب کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے یا نہ؟ فقہاء تو فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اور مرتدہ کا نکاح نہیں ٹوٹتا بطور مفتیٰ بہ کے۔

۲ جبکہ خالد نے مسمّاۃ زینب کو مذہب عیسائیت اختیار کرنے کے لئے کہا اور اس کے کہنے پر زینب نے مذہب عیسائیت اختیار کر لیا تو خالد بروئے شرع محمدی کے کافر ہو جاتا ہے یا نہ؟ اگر نہیں ہوتا تو رضا بالکفر، کفر کا مطلب کیا ہے؟

۳ صورت متذکرہ میں علاوہ خالد کے جو شخص مسلمان مسماۃ زینب کی امداد دربارۂ فسخ نکاح کے کر رہے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے کیا ان کو مسماۃ زینب کی امداد کرنی چاہیئے یا کہ نہ؟

۴ اگر حکامِ وقت زید اور زینب کے نکاح کو توڑ دیں اور بعدہٗ پھر زینب مسلمان ہو جائے تو کیا زینب بروئے شرع محمدی کے خالد ترغیب دہندہ متذکرہ کے نکاح میں آسکے گی یا نہ؟

۵ کیا اگر زینب کسی وقت مذہب عیسائیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو جائے تو کیا اس کی توبہ منظور ہوگی یا نہ؟ اور بصورتِ توبہ منظور ہونے کے اگر زینب مسمّٰی زید کو نکاح کرنا چاہے تو تجدیدِ نکاح کی جائے گی یا کہ نہ؟

۶ اگر بالفرض زینب نے عمداً زباناً تو مذہب عیسائیت اختیار کر لیا ہو لیکن اس کا اعتقاد مذہبِ اسلام کا ہو تو پھر زینب کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ فقہاء تو فرماتے ہیں کہ اعتقاد کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا کما فی البحر: من تکلّم بکلمۃ الکفر ھازلاً او لاعباً کفر عند الکل ولا اعتبار باعتقادہٖ الخ بیّنوا بالصحۃ وبالکتاب توجروا۔

الجواب

۱ نکاح تو ٹوٹ گیا مگر زینب کو زید کے سوا کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے کا حق نہیں بلکہ زید جبر وقہر سے اُس کو اپنے قبضہ میں باندی بنا کر رکھے مگر اس سے مقاربت نہ کرے۔ کیونکہ اس میں روایات مختلف ہیں اس لئے احتیاط کے خلاف ہے اور اس عورت کو مجبور کیا جائے کہ مذہب اسلام کی طرف رجوع کرے اگر وہ اسلام کی طرف رجوع کرلے تو پھر زید اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے۔ والمسئلۃ فی الدر مع الشامیۃ ص ۴۲۶ ج ۲ والعالمگیریۃ (ص ۱۵۷ ج ۳)

۲ خالد صورتِ مسئولہ میں کافر ہوگیا۔ تلقینِ کفر کفر ہے صرح بہ فی العالمگیریہ (ص ۱۵۸ ج ۳)

۳ نکاح تو فسخ ہوگیا لیکن جو لوگ زینب کو زید سے الگ کرنے کی سعی کر رہے ہیں وہ گناہگار ہیں اور اگر وہ زینب کے کفر سے راضی ہیں تو ان کا بھی وہی حکم ہے جو خالد کا اوپر گزرا۔

۴ زینب کو زید کے سوا کسی سے بھی نکاح کرنے کا حق نہیں اس کو زید ہی کے پاس

رہنے پر مجبور کیا جائیگا۔ اگر وہ مرتدنہ ہوتی بلکہ طلاق یا خلع سے الگ ہوتی تو پھر کسی دوسرے سے نکاح کرنے کا حق تھا اب یہ حق ہرگز نہیں۔

۵ ہاں۔ توبہ ہر وقت قبول ہے اور وہ زید سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح کر دیا جائے بلکہ زینب کو اسی پر مجبور کیا جائے

۶ زبان کا اعتبار اکراہ میں نہیں ہوتا اور جو شخص بدونِ اکراہ کے محض نفس کی خواہش یا لعب کے طور پر زبان سے کلمۂ کفر نکالے وہ کافر ہے اس وقت اعتقاد کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ دین کے ساتھ لعب اور کھیل کرنا خود کفر ہے واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ از تھانہ بھون ۔ ۲۹ ربیع الثانی ۴۷ھ

عورتوں کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا۔

سوال: ایک عورت کافرہ کو ایک مجمع عام میں مسلمان بنایا گیا بعد از مسلمان بنانے کے ایک شخص زید اہل اسلام سے اسی مجمع میں نکاح کر دیا گیا یہ عورت بحالتِ کفر کافر کے نکاح میں تھی یعنی شادی شدہ تھی مگر اسلام سے قبل چھ ماہ اس عورت کی باقاعدہ ان کی جماعت میں فارغ خطی یعنی ان کے قواعد کے موجب طلاق ہوگئی تھی عین وقت اسلام وہ کسی کے نکاح میں نہ تھی اسلام سے مشرف کر کے اسی مجمع میں نکاح شرعی باقاعدہ پڑھایا گیا یہ عورت تخمیناً ۴ سال شوہر اسلامی کے ہمراہ رہی اولاد بھی ہوئیں۔ گردشِ زمن سے ایک اسلامی نے اس سے ناجائز تعلق پیدا کرنے کی غرض سے اس کی بہن کافرہ کو ورغلایا اس نومسلمہ کو اس کی بہن کافرہ کی معرفت و وساطت سے بہکا ورغلا کر نکلوایا۔ زید ناکح نومسلمہ نے اس شخص پر بھگا کر لیجانے کا مقدمہ دائر کیا اور ناجائز تعلق کرنے کا عورت کو ملزم چھوٹے بچوں کی وجہ سے نہیں بنایا صرف گواہی کے لئے بچا لیا تھا۔ بھگا کر لیجانے والے کو سخت جرم کی سزا میں مبتلا کر دیا جاتا مگر عورت نے اس کو بچانے کی خاطر مصلحت وقت دیکھ کر کورٹ میں کہدیا کہ مجھے یہ بھگا کر نہیں لے گیا۔ مجھ سے بدفعلی نہیں کی۔ اور میں تو اس کے نکاح میں نہیں ہوں اور نہ ہی مسلمان ہوئی ہوں اس کے اسلام کا کورٹ کو ثبوت پہنچایا گیا مگر چونکہ مقدمہ دوسرے پر تھا اس کے بھگانے سے انکار پر اس کو رہا کر دیا۔ اس شخص نے موقع پاکر چند اشخاص کے ہمراہ اس عورت کو نائب قاضی کے پاس لیکر پہنچا، کہا کہ اس کو مسلمان کر کے نکاح پڑھا دیجئے۔ نائب قاضی نے دریافت کیا عورت سے کہ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام سکینہ ہے قاضی کو شبہ ہوا کہ یہ لوگ تو مسلمان کر کے

نکاح کرنے کو کہتے تھے اور یہ تو مسلمان معلوم ہوتی ہے۔ نائب قاضی نے نکاح سے انکار کر دیا وہ لوگ قاضی شہر کے پاس گئے وہاں سے رقعہ لکھوا کر لائے کہ ان کا سردست نکاح پڑھا دو تب قاضی نے نکاح پڑھایا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ دوسرا نکاح شرعاً صحیح ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر کوئی عورت مسلمان یا نومسلمہ کسی اور مسلمان سے نکاح کرنا چاہے اور خاوند نہ چھوڑے تو مسلمان عورت مندر میں چلی جائے یا کفر کا کام کرلے اسی طرح نومسلمہ اپنے اسلام کا انکار کرے آیا یہ عورتیں اپنے یار بہکانے والے سے شرعاً نکاح کر سکتی ہیں یا نہیں؟ اور اسی طرح اسلام سے انکار کرنے سے ان کی مراد پوری ہوگی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

(۱) اس عورت کا پہلا نکاح تو صحیح ہوگیا کیونکہ وہ اسلام لانے سے پہلے کافر مرد کے نکاح سے علیحدہ ہو چکی تھی اور دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا بلکہ یہ عورت بدستور زید کے نکاح میں ہے بوجہین الاول التردّد فی ارتدادھا[۱] بقولھا "اور نہ ہی مسلمان ہوئی ہوں" فان الظاھر انما نفت عنھا الاسلام کاذبۃ لمصلحۃ ولم ترد بذلك الخروج عن الاسلام۔ والثانی ما فی ردالمحتار[۲] (ص ۴۶۹ ج ۳) من فتوی الدبوسی والصفار وغیرھما بعدم وقوع الفرقۃ بارتداد الزوجۃ عن زوجھا واللہ تعالیٰ اعلم ــ غرض دوسرے شخص سے اس کا نکاح باقی نہیں رکھا جا سکتا مگر احتیاط یہ ہے کہ دوسرے خاوند سے جبراً طلاق لیکر بعد عدت کے زید سے دوبارہ نکاح کر دیا جائے بشرطیکہ وہ اس عورت کو اب بھی رکھنا چاہتا ہو اور اگر نہ رکھنا چاہتا ہو تو سوال دوبارہ لکھا جائے وھٰذا کلہ بالقواعد ولم نرہ صریحًا۔

(۲) جو عورت اپنے خاوند سے علیحدہ ہونے کے لئے مرتد ہو اس کا نکاح دوسرے شخص سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کو جبر کر کے پہلے ہی خاوند سے نکاح کرنے پر مجبور کیا جائیگا وافتی الدبوسی والصفار بعدم وقوع الفرقۃ ردًا علیھا بارادتہ کما تقدم۔

واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ۔ از تھانہ بھون
خانقاہِ امدادیہ

---

[۱] ھدایہ باب الاکراہ اور عالمگیریہ میں اخبار عن الکفر کاذبًا سے مرتد ہو جائے گی تصریح موجود ہے۔

[۲] انما ذکرنا ھٰذا القول تأییدًا واعتضادًا للتردد فی ارتداد المرأۃ ولا نفتی بہ فیما اذا کان الارتداد قطعیا - ظفر

فصلٌ فی الظہار والایلاء واللعان

شوہر نے کہا "اگر تیرے ساتھ جینا کروں تو تیرے پیٹ سے پیدا ہوئے سر یکا کر کے"

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ ایک شخص اپنی عورت سے جھگڑا کرتے ہوئے عین جھگڑے میں یہ کہا کہ "اگر میں تیرے ساتھ جینا کروں تو تیرے پیٹ سے پیدا ہوئے سر یکا کر کے" یہ قول اس کا کیسا ہے؟ اس قول سے نکاح فاسد ہوتا ہے یا طلاق واقع ہوتی ہے یا ظہار واقع ہوتا ہے یا لغو ہے؟

بیّنوا توجروا

تنجاور کیل واسل کوچۂ عطّاران متصل مسجد

مدرس حافظ محمد عبدالجبار علاقہ مدراس

الجواب

یہ قول لغو ہے مگر ایسا کہنا مکروہ ہے اس سے گناہ ہوتا ہے باقی ظہار یا طلاق کچھ نہیں ہوا۔

قال فی الھندیۃ: لو قال: ان وطئتك وطئت امّی فلا شئ علیه اھ

(ص۱۴۷ ج - ۲)

"تمہارے گھر جاؤں تو ماں کے گھر جاؤں" نہ طلاق ہے نہ ظہار

سوال: عرض یہ ہے کہ ایک آدمی نے غصّہ کی حالت میں اپنی بیوی کو کہا کہ میں اگر تمہارے گھر میں جاؤں تو اپنی ماں کے گھر جاؤں۔ اور مخفی نہ رہے کہ میں نے بھی اس کے جواب میں کہا کہ میں اگر تم کو بلاؤں تو اپنے باپ کو بلاؤں۔ اس مسئلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ امید ہے کہ بالتوضیح ومدلل بیان کرنے سے غایت درجہ کی مسرّت ہوگی۔

سائل: محمد عبدالباری

۵ گوراچاند مین مسجد کلکتہ

الجواب

اس لفظ سے کچھ نہیں ہوا نہ ظہار نہ طلاق کیونکہ عورت کے گھر کو ماں کے گھر سے تشبیہ

دینا نہ الفاظ ظہار سے ہے نہ الفاظِ طلاق سے۔

قال فی الدرّ : وان نوٰی بانت علی مثل امّی او کامّی وکذا الوحذف علیّ خانیة، برا او ظهارًا او طلاقًا صحت نیّته ووقع مانواه لانه کنایة والاینو شیئًا أو حذف الکاف (بان قال : انت امّی یدل علیه ماذکره عن الفتح من انه لابدّ من التصریح بالاداة (شامی) لغا ویکره قوله : انت امّی یا ابنتی ویا اختی ونحوه اهـ (صفحہ ۵۹۹ ج ۲) قلت : وقوله : ان دخلت بیتك دخلتُ بیت امّی اهون من قوله : انتِ امّی فلما لغا هٰذا العدم اداة التشبیه فإلغاء ذلك اولیٰ والسرّ فیه ان بحذف اداة التشبیه لایفید اللفظ معنی التحریم شرعًا وهو المدار لصحة الظهار والطلاق۔ والله اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔ از تھانہ بھون

۲۱ر رجب ۱۳۴۶ھ

بَابُ العِدَّةِ

نومسلمہ کی عدت کا حکم

سوال : ایک ہندو عورت مسلمان ہوئی اور وہ کسی شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہے دو روز ہوئے ہیں مسلمان ہوئی تو اس کا نکاح پڑھایا جائے یا کہ نہیں؟ اور اگر پڑھایا جائے تو کب؟ کیا اس کے لئے بھی عدت ہے۔ جو حکم ہو اطلاع بخشیں۔ فقط

محمد حسین عفی عنہ بھاٹا پارہ

الجواب

جب کوئی ہندو عورت مسلمان ہو جائے تو اگر وہ پہلے سے کسی ہندو کے نکاح میں نہ تھی تب تو مسلمان ہوتے ہی اس کا نکاح ہو سکتا ہے اور اگر کسی ہندو کے نکاح میں تھی تو تین حیض گزرنے کے بعد اس کا نکاح پہلے شوہر سے ٹوٹیگا اس سے پہلے وہ اسی کافر کے نکاح میں ہے لھذا اس مدت میں اس کا نکاح کسی مسلمان سے بالکل درست نہ ہوگا۔ پھر تین حیض گزرنے کے بعد جب نکاح ٹوٹ گیا تو اگر کافر نے اس سے صحبت نہ کی تھی صرف نکاح ہی ہوا تھا تو اب دوسری عدت کی ضرورت نہیں اور

اگر صحبت بھی کی تھی تو صاحبینؒ کے نزدیک دوسری عدت کی اور ضرورت ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک ضرورت نہیں۔

قال فی العالمگیریۃ : واذا اسلم احد الزوجین فی دار الحرب[1] ولم یکونا من اھل الکتاب اوکانا والمرأۃ ھی التی اسلمت[2] فانہ یتوقف انقطاع النکاح بینھما علی مضی ثلاث حیض سواء دخل بھا اولم یدخل بھا کذا فی الکافی۔ (الی ان قال) وھذہ الحیض لاتکون عدۃ ولھذا یستوی فیھا المدخول بھا وغیر المدخول بھا ثم اذا وقعت الفرقۃ قبل الدخول بذلک فلاعدۃ علیھا وان کان بعد الدخول والمرأۃ حربیۃ فکذلک وان کانت ھی المسلمۃ فکذلک الجواب عند ابی حنیفۃ رح اھ

ظفر احمد

۶ر جمادی الاولی ۵۴ھ

حاملہ کی عدت مطلقاً وضع حمل ہے

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کی بدفعلی دیکھ کر عرصہ تین سال کا ہوا چھوڑ کر پردیس چلا گیا۔ معلوم ہوا کہ اپنے ملک سے تھوڑے فاصلہ پر ہی ہندہ کے رشتہ دار وہاں جاکر زید کو لے آئے ہندہ نے اپنا مہر جو زید نے دیا تھا بخش کر خلع کرلیا۔ ہندہ مذکورہ فعلِ زنا سے حاملہ بھی ہے ایا اب پہلے شوہر کی عدت کے اندر جس سے وہ زنا کے سبب حاملہ ہوئی ہے اس کے ساتھ نکاح کردینا جائز ہے۔ یا بعد گزرنے عدت کے؟ اس کا جواب بحوالۂ کتب جلد از جلد عنایت فرمائیں

راقم پیش امام عبدالحفیظ عفی عنہ کلمبندر
پوسٹ ضلع شمالی ارکاٹ

الجواب

صورتِ مسئولہ میں وضع حمل سے پہلے اس عورت کا نکاح کسی سے نہیں ہوسکتا کیونکہ

---

[1] قولہ فی دار الحرب وکذلک فی دار الاسلام فالقید اتفاقی

[2] قولہ والمرأۃ ھی التی اسلمت الخ اما اذا اسلم الزوج فقط لاینقطع النکاح بعد مضی ثلاث حیض ایضاً لصحۃ النکاح بالکتابیۃ بخلاف المشرکۃ فان زوجھا اذا اسلم یقع بینھما فرقۃ بعد ثلاث حیض

وضع حمل سے پہلے وہ عدّت کے اندر ہے اور عدّت میں شوہرِ سابق کا نکاح مرتفع نہیں ہوتا

قال فی الدر: والحامل مطلقاً ولو امة او کتابیة او من زنا تعتد بالوضع اھ

قال الشامی عن الحاوی الزاھدی: اذا حبلت المعتدة وولدت تنقضی به العدة سواء کان من المطلق او من زنا اھ (ص ۹۹۴ ج ۲)

اور اس حمل کو حملِ زنا اور اس کے پیدا ہونے کے بعد بچہ کو ولد الزنا نہیں کہہ سکتے۔ اگر شوہرِ اول اس کو حملِ زنا نہیں کہتا جب تو ظاہر ہے اور اگر وہ اس کو حملِ زنا کہتا ہے تو اس کا حکم لعان ہے۔ قاضی شرعی کے سامنے لعان ہو کر جب تفریق ہو جائے اس وقت یہ حمل اور ولد زوج اول سے منقطع النسب ہوگا اور بدون اس کے شوہر اول ہی کا شمار ہوگا۔

ففی الحدیث المشہور: الولد للفراش وللعاھر الحجر۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۸ محرم ۴۵ھ

عنّین کی زوجہ مطلقہ غیر مدخولہ پر خلوتِ صحیحہ کی وجہ سے عدّت لازم ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا نکاح اس کے ماں باپ نے ایک مادر زاد نامرد کے ساتھ کر دیا اس نے کئی سال تک اس کے ساتھ نباہ کیا۔ خواہش نے مجبور کیا۔ طلاق لے لی۔ اب اس عورت کو نکاح ثانی کی بہت عجلت ہے اور خواہش نے مجبور کر رکھا ہے۔ وہ عدّت پورا کرنے کو نہیں مانتی، وہ کہتی ہے کہ جب میں اس کے ساتھ کبھی ہم بستر نہیں ہوئی تو پھر عدّت کو کیوں پورا کروں

کاندھلہ ضلع مظفر نگر شمشیر جنگ

الجواب

قال فی الدر: والخلوة بلا مانع حسّی وطبعی وشرعی کالوطئ ولو کان الزوج مجبوباً او عنّیناً او خصیاً او خنثیٰ ان ظهر حاله فی ثبوت النسب وتاکد المهر والنفقة والسکنیٰ والعدة اھ (ص ۵۵۹ ج-۲)

اس سے معلوم ہوا کہ عنّین کی بیوی پر بھی عدّت واجب ہے جبکہ وہ تنہا مکان میں ایک بار شوہر کے پاس رہ چکی ہو گو ہم بستری نہ ہوئی ہو۔

حررہ الاحقر ظفر احمد۔
۱۴ صفر ۴۵ھ

مسئلہ ممتدۃ الطہر | سوال : کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی پس اس حالت میں ایک سال گزرا حیض نہیں آیا عمر اس کی ۲۵ سال ہے اب اس عورت نے دوسرے سے نکاح کرلیا۔ نکاح کرنے کے بعد اس مرد کے گھر میں دو حیض آیا اور ایک قبل نکاح کے آیا تھا پھر حیض نہ آنے لگا اب اس نے بھی طلاق دیدی پس اس حالت میں چھ یا سات ماہ گزرا حیض نہیں آیا اب اس عورت سے مرد اول نے نکاح کرلیا۔ نکاح اس کا صحیح ہوا یا نہیں ؟ حکم صادر فرمائیں .

تنقیح : اس سوال میں امورِ ذیل دریافت طلب ہیں ان کا مفصل جواب آنے پر جواب دیا جائیگا۔

① مرد اول نے کتنی طلاق دی ایک یا دو یا تین ؟

② اس عورت کو حیض طلاق دینے سے قبل کبھی آیا تھا یا نہیں ؟

③ طلاق کے کتنے روز بعد وہ حیض آیا جو نکاح ثانی سے قبل لکھا ہے ۔

نوٹ : اول تو یہ لکھا ہے کہ ایک سال گزرا حیض نہیں آیا اب دوسرے نے نکاح کرلیا پھر لکھا کہ ایک حیض قبل نکاح کے آیا۔ اس میں صریح تعارض ہے ۔ لہذا صاف طور پر صحیح واقعہ لکھنا لازم ہے ۔

عبدالکریم عفی عنہ۔ خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون
۱۵ر جمادی الاولےٰ ۱۳۴۴ھ

جوابِ تنقیح

① مرد اول نے تین طلاق دی ۔

② اس عورت کو حیض طلاق دینے کے قبل کبھی نہیں آیا۔

③ طلاق کے ایک سال بعد ایک حیض آیا پس دوسرے نے نکاح کرلیا پھر نکاح کے بعد اور دو حیض آیا۔ اب مرد ثانی نے تین طلاق دی پس اس طلاق کے بعد چھ ماہ گزرا بدون حیض کے مرد اول نے نکاح کرلیا۔

الجواب

مرد اول نے جو نکاح کیا ہے وہ صحیح نہیں ہوا کیونکہ زوج ثانی کی طلاق کے بعد عدت (یعنی تین حیض) پوری نہیں ہوئی حالانکہ اس عورت کی عدت تین حیض ہے ۔

کما فی الدر المختار : (او بلغت بالسن) وخرج بقولہ (ولم تحض) الشابۃ الممتدۃ

بالطهر بان حاضت ثم امتد طهرها فتعتد بالحيض الى ان تبلغ بسن الاياس۔ جوهرة

وقال الشامی : (قوله : بلغت بالسن) ای خمسة عشر سنة عن العناية ومثلها لو بلغت بالانزال قبل هٰذه المدة۔

یہ تو جب ہے کہ زوجِ ثانی کا نکاح صحیح ہو گیا ہو ورنہ اس کی طلاق کے بعد تین حیض گزر جانے پر بھی زوجِ اول سے نکاح جائز نہیں کیونکہ تحلیل کے لئے نکاح صحیح ہونا شرط ہے۔

کمافی الدر المختار مع الشامی ص۸۸۸ (لامطلقة بها) بالثلاث (لوحرة وثنتين لو امة حتی يطأها غيره ولو مراهقًا بنكاح) نافذ خرج الفاسد والموقوف۔

اور نکاح زوجِ ثانی کی صحت اور بطلان کی تحقیق کی ضرورت پڑے تو امورِ ذیل مفصل لکھ کر سوال کیا جائے۔

(۱) جب زوجِ اول نے طلاق دی تو عورت کی کیا عمر تھی؟

(۲) اگر عمر ۱۵ سال سے کم تھی تو کوئی نشانِ بلوغ پایا گیا تھا یا نہیں؟

(۳) جو حیض طلاق سے سال بھر بعد آیا اس سے قبل کیا عمر بھر کبھی حیض نہیں آیا؟ فقط واللہ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ
۱۹ رجادی الثانی ۴۴ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ
۱۹ رجادی الثانی ۱۳۴۴ھ

مرضعہ کی عدت کس طرح شمار ہوگی جبکہ بوجہ رضاع حیض بند رہتا ہے

سوال : مرضعہ (جس کو بوجہ رضاعت حیض بند رہتا ہے) کی عدت کس طرح شمار ہوگی بوجہ ارضاعِ ولد جو عورت طاہر ہو اس طہر ممتد میں وطی کے بعد طلاق دیجائے تو کوئی گناہ تو نہیں۔ آیا یہ طلاق سُنی ہو سکتی ہے؟

محمد امام مدوری مددگار مدرس مدرسہ اسطانیہ
قصبہ مدور تعلقہ چرٹیال ضلع نلگیڈھ حیدر آباد دکن

الجواب

مرضعہ مطلقہ کی عدت تین حیض ہے چاہے وہ تین حیض تین سال میں آئیں لانّ ذوات الحیض عدتھن ثلاثۃ قروء اور مرضعہ کو طلاق دینا طلاق فی الطہر ہے۔ پس اگر مرضعہ سے حالتِ

ارضاع میں وطی نہ کی ہو تو یہ طلاق سنت ہوگی ورنہ نہیں لان طلاق السنۃ ما کان فی الطہر لاوطی فیہ ولا یصح قیاسہ علی الحمل فان حبل الحامل لا یتصور ولا کذلک المرضعۃ۔ ولہذا استثنی الفقہاء الآیسۃ والصغیرۃ والحامل فقط حیث قالوا بجواز طلاقہن عقب الوطی لفقد توہم الحبل ولم یستثنوا المرضع کما یظہر من الدر والشامی ص ۶۸۷ ج ۲

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

خانقاہ اشرفیہ ۔ ۲۰ شعبان ۴۶ھ

| خلع کی عدت ایک حیض ہے یا تین حیض |

سوال : خلع کی عدت کتنی ہے؟ تین حیض ہے یا ایک حیض؟ زید کہتا ہے کہ خلع کی عدت ایک حیض ہے اور نیل الاوطار کے ص ۱۷۲ و ۱۷۳ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ خلع کی عدت تین حیض ہوگی کیونکہ خلع سے طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے حکم شرعی کس کے قول کے موافق ہے؟ مع حوالہ کتب حدیث جواب عنایت فرمائیں

الجواب

خلع کی عدت طلاق کی طرح تین حیض ہے جس کی دلیل مؤطا مالک رح کی یہ روایت ہے

مالك عن نافع ان ربیعۃ بنت معوذ بن عفراء جاءت ھی وعمتھا الی عبداللہ بن عمر فاخبرتہ انھا اختلعت من زوجھا فی زمن عثمان فبلغ ذلك عثمان بن عفان فلم ینکرہ قال عبداللہ بن عمر: عدتھا عدۃ المطلقۃ۔ مالك انہ بلغہ ان سعید بن المسیب وسلیمان بن یسار وابن شہاب کانوا یقولون عدۃ المختلعۃ مثل عدۃ المطلقۃ ثلاثۃ قروء اھ (ص ۲۱۵)

اور جن لوگوں نے خلع کی عدت ایک حیض بتلائی ہے وہ ابن ماجہ کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ اس میں محمد بن اسحاق عبادۃ بن الولید بن عبادۃ بن الصامت سے راوی ہے اور وہ مجہول ہیں۔ دوسرے اس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عثمان نے ربیعہ بنت معوذ بن عفراء کو ایک حیض کی عدت بتلائی اور ان کا یہ فیصلہ ثابت بن قیس کی بیوی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے موافق تھا اور ثابت بن قیس کے متعلق بخاری میں یہ الفاظ ہیں: "قال لہ: اقبل الحدیقۃ وطلقھا تطلیقۃ" جس سے خلع کا حکم طلاق ہونا صاف ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ ظفر احمد عفا عنہ

۲۰ ربیع الثانی ۴۸ھ

وجوب عدت ثبوتِ نسب کے تابع ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ صغرسنی میں اس کا نکاح دوسرے شخص سے ہوچکا تھا اور دخول نہ ہوا تھا بلکہ مساس بھی نہیں ہوا پس شوہرِ اول کو کچھ مال دیکر طلاق حاصل کی گئی اب زید جو اس سے نکاح کی تجدید کرے تو آیا انقضائے عدت کا انتظار واجب ہے یا نہیں؟ اور عدت واجب ہے یا نہیں؟ شبہ اس سے یہ ہوا کہ لڑکی کا پیدا ہونا حکماً موطوئۃ الأول ہونے کی خلامت ہے یا نہیں؟ والسلام۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں چونکہ نکاحِ اول کے بعد زوجین میں مقاربت نہیں ہوئی بلکہ اصلاً مساس نہیں ہوا اور اس کے بعد دوسرے شخص سے نکاح لاعلمی میں ہوا اور لڑکی نکاح ثانی سے چھ ماہ بلکہ مدت زائدہ کے بعد پیدا ہوئی جو قولِ مفتی بہ کے موافق زوجِ ثانی سے ثابت النسب ہے تو اس لڑکی کا تولد وطی زوجِ اول کی دلیل نہ ہوگی اور طلاق زوج اول کے بعد عدت بھی واجب نہ ہوگی کیونکہ وجوب عدت ثبوتِ نسب کے تابع ہے جب اول سے ثبوتِ نسب نہیں تو عدت بھی واجب نہیں۔

قال فی الدر: غاب عن امرأته فتزوجت بآخر وولدت اولاداً فالاولاد للثانی علی المذہب (ان اتت بہ لاکثر من ستۃ اشہر من عقد الثانی۔ شامی) وعلله ابن الملك بانه المستفرش حقیقۃ فالولد للفراش الحقیقی وان کان فاسداً اھ (ص ۱۰۳۸ ج ۲)

وفی البحر عن الفتح: واذا لم یثبت النسب لم تجب العدۃ اھ۔ (ص ۱۴۳ ج ۴)

قلت: واذا لم تجب العدۃ لم تجعل موطوءۃ للزوج الاول۔ واللہ اعلم

حررہ ظفر احمد عفا عنہ

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ

مطلقہ ثلاث بعد انقضائے عدتِ نکاح ثانی اور صحبت کرانے کے مرتد ہوگئی مسلمان ہونے کے بعد زوج اول کے ساتھ بدون عدت پوری کئے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

سوال: تین طلاق والی عورت نے عدت گزار کر دوسرے خاوند سے نکاح کیا اور دوسرے شوہر سے صحبت کرانے کے بعد یہ عورت کافرہ ہوگئی تو پہلے شوہر سے جس نے تین طلاقیں دی ہیں اب بلا عدت پوری کئے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: عدت پوری کئے بغیر پہلے شوہر سے نکاح نہیں کر سکتی۔

ففی الدر المختار عن کافی الحاکم : و ان لحقت المرتدۃ بدار الحرب کان لزوجها ان یتزوج اختها قبل ان تنقضی عدتها و ان عادت مسلمۃ کان لها ان تتزوّج من ساعتها اھ (ص ۳۱۳ ج ۲) قلتُ : فقید اللحاق یشعر بانها لاتتزوّج من ساعتها بدون اللحاق و تباین ۔ و اللہ اعلم ۔ ظفر احمد عفا عنہ

۱۴ / ۱۲ / ۴۸

زنا کی عدّت نہیں ہے

سوال : بے شوہر والی عورت نے زنا کیا کرنے والے کے سوا اور مرد سے بلا عدت پوری کئے نکاح کرنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب

بدون عدت کے نکاح کر سکتی ہے کیونکہ زنا کی کوئی عدت نہیں مگر زنا کے بعد سے ایک حیض آنے تک شوہر اس کے ساتھ جماع نہ کرے (صرح بہ فی الدر) ۔ اور اگر اس کو زانی کا حمل رہ گیا ہو تو مجامعت وضع حمل تک جائز نہیں ۔ و اللہ اعلم

حررہ ظفر احمد عفا عنہ
۱۴ / ذی الحجہ ۴۸ھ

فصل فی الحداد

بغرض دفعِ غم معتدۂ وفات کا گھر سے باہر نکلنا درست ہے یا نہیں ؟

سوال : معتدہ وفات جس کو شوہر کی وفات کا بہت صدمہ ہے ، تخفیفِ غم اور دل بہلانے کے لئے صبح سے شام تک کے واسطے اپنے والدین کے مکان پر جا سکتی ہے یا نہیں ؟ شب کے وقت شوہر کے مکان پر رہے گی ۔ نیز دن میں کسی رشتہ دار بیمار کو دیکھنے یا اس کی تجہیز و تکفین میں شرکت کے لئے جا سکتی ہے یا نہیں ؟

محمد کفایت اللہ عفی عنہ

الجواب

قال فی الدر : و تعتدان ای معتدۃ طلاق و موت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج او ینہدم المنزل او تخاف انہدامہ او تلف مالها او لاتجد کراء البیت و نحو ذلک من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیہ اھ

وفیہ ایضاً قبلہ : ومعتدۃ موت تخرج فی الجدیدین وتبیت اکثر اللیل فی منزلہا لان نفقتہا علیہا فتحتاج للخروج حتی لوکان عندھا کفایتہا صارت کالمطلقۃ فلا یحل لہا الخروج "فتح" اھ (ص۱۰۲۱ ج ۲)

صورتِ مسئولہ میں اگر طبیبِ حاذق مسلم یہ تجویز کردے کہ اس بیوہ کو تخفیفِ غم کے لئے اس گھر سے نکلنا اور دوسرے گھر میں جاکر دل بہلانا ضروری ہے ورنہ یہ بیمار ہوجائے گی یا ہلاکت کا اندیشہ ہے تو خروج من البیت جائز ہے۔ پھر اگر دن میں نکلنا کافی ہو تو رات کو مکانِ زوج پر آنا واجب ہوگا ورنہ جب تک ضرورت ہو اس وقت تک رات اور دن بھی دوسرے مکان میں رہ سکتی ہے کیونکہ ضرورتِ شدیدہ اور حاجت کے وقت خروج جائز ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۲۵ شوال ۱۳۴۴ھ

حکم خروج معتدۂ وفات از خانۂ شوہر بعذر

سوال: کیا فرماتے علماء دین اس مسئلہ میں عرصہ دو ماہ کا ہوا کہ زید کا انتقال ہوگیا۔ ایک زوجہ اور دو خورد سال بچے اور کچھ اثاثہ چھوڑا زوجۂ زید عدت میں ہے بچے اس کے پاس ہیں جو کچھ اثاثہ تھا وہ سب زید کے بہن بھائیوں نے اپنے قبضہ میں کرلیا زید کی زوجہ اس وقت ہر طرح سے تنگ ہے اور زید کے بھائی اس کو ہر طرح کی تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ زید دوسرے شہر میں رہتا تھا چونکہ زید کی زوجہ کے والدین دوسرے شہر میں سکونت پذیر ہیں اس لئے وہ غیر شہر میں کسی طرح سے بھی اپنی دختر (زوجۂ زید) کی امداد نہیں کرسکتے۔ اور نہ زوجۂ زید کے والدین کے رشتہ داروں میں وہاں کوئی ایسا ہے کہ عدت تمام ہونے تک زوجۂ زید اور اس کے بچوں کی خورد و نوش اور ضروری اخراجات کی خبرگیری کرسکے۔ زوجۂ زید کے والدین اب یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنی دختر (زوجۂ زید) کو اپنے شہر میں لاکر اس کی اور اس کے بچوں کی خبرگیری کریں۔ از روئے شرع شریف ایسی حالت میں زوجۂ زید اور اس کے بچوں کو وہاں سے اپنے شہر میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

قال فی الدر : وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج او ینہدم المنزل او تخاف انہدامہ او تلف مالہا او لا تجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورات فتخرج الی اقرب موضع الیہ

(وحکم ما انتقلت الیہ حکم المسکن الاصلی فلا تخرج منہ شامی صـ ۱۰۲۲ ج ۲)

صورتِ مسئولہ میں زوجۂ زید اپنے والدین کے شہر میں جاسکتی ہے کیونکہ مجبوری کی حالت ہے پھر اس کو چاہیئے کہ والدین کے گھر پہنچ کر عدت پوری کرے اور اس گھر سے قبل اتمام عدت بلا ضرورت دن کو بھی نہ نکلے اور رات کو نکلنا تو ضرورت سے بھی نہ چاہیئے لیکن اضطرار کی حالت مثل خوف ہدم وغیرہ ہر حال میں مستثنیٰ ہے۔ فقط

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۰ محرم ۱۳۴۵ھ

ضرورتِ نفقہ کے علاوہ معتدۂ وفات دوسری ضروریات کے لئے گھر سے نکل سکتی ہے یا نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین درین مسئلہ کہ ایک عورت عدتِ موت گزار رہی ہے اس کا لڑکا اور بہن بیمار ہیں اور علاج وغیرہ کے لئے کوئی مرد وغیرہ گھر میں ہے نہیں تو وہ حکیم کو مریضوں کی اطلاع کے لئے اور دوا کے لئے جاسکتی ہے یا نہیں؟ فقط والسلام

حافظ ولی محمد قنوجی

الجواب

ضرورتِ نفقہ کے علاوہ نکلنے میں اختلاف ہے اس لئے احتیاط اس میں ہے کہ صورتِ مذکورہ میں مکان سے باہر نہ جائے لیکن جب دوا وغیرہ کا انتظام کوئی اور نہ کرے اور دوا نہ کرنے سے مرض بڑھنے کا اندیشہ ہو یا خود اس عورت کو بدون علاج کے پریشانی ہو تو دوسرے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ سخت ضرورت کی مقدار چلی جایا کرے

ففی البحر الرائق (صـ ۱۵۳ ج ۴) بعد نقل کلام فتح القدیر (حتی لو کان عندھا کفایتھا صارت کالمطلقۃ فلا یحل لھا ان تخرج لزیارۃ ولا لغیرھا لیلاً ولا نھاراً) فالظاھر من کلامھم جواز خروج المعتدۃ عن وفاۃ نھاراً ولو کانت قادرۃ علی النفقۃ الخ واللہ اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ

۱۱ رشوال ۴۴ھ

دو بیویوں میں سے ایک کے مکان پر شوہر کا انتقال ہو جائے جبکہ دوسری بیوی بھی بغرضِ عیادت وہیں مقیم ہو تو وہ عدت کہاں پوری کرے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس صورت میں کہ

حمد اللہ خاں مرحوم کی دو بیویاں ہیں اور دونوں بیویوں کو ان کے شوہر حمد اللہ خاں نے دو مکانات ان کی سکونت کے واسطے علیحدہ علیحدہ بنا دیئے ہیں جن میں وہ رہتی ہیں اور دونوں مکانات میں فاصلہ تقریباً دو سو قدم کا ہے۔ ایک بیوی مرض الموت حمد اللہ خاں میں دوسری بیوی کے مکان میں جس میں حمد اللہ خاں فوت ہوئے تیمار داری کے واسطے گئی تھی کہ حمد اللہ خان فوت ہو گئے اور دونوں بیویوں میں موافقت بھی نہیں ہے اب جو بیوی دوسری کے مکان میں اپنے مکان سے گئی ہوئی ہیں ان کو اپنے مکانِ مسکونہ میں آکر عدت پوری کرنی جائز ہے یا نہیں؟ یا اسی مکان میں جس میں حمد اللہ خاں کی فوتی ہوئی عدت پوری کرنی چاہئے۔ بیّنوا توجروا۔ فقط

سائل: احسان اللہ ولد حمد اللہ خان مرحوم
از گڑھی عبد اللہ خان، ضلع مظفر نگر

الجواب

صورتِ مسئولہ میں اس بیوی کو اپنے مکان میں چلا جانا جائز ہے[1]۔

قال فی الدر: طلقت او مات وھی زائرۃ فی غیر مسکنھا عادت الیہ فوراً لوجوبہ علیھا و تعتد ان ای مطلقۃ او معتدۃ الموت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج الخ

قال الشامی: (قولہ فی بیت وجبت فیہ) و ما یضاف الیھا بالسکنیٰ قبل الفرقۃ الخ

فیہ ایضاً: قبل ذلک تحت قولہ (ولا تخرج من بیتھا الخ) ما نصّہ والمراد ما یضاف الیھا بالسکنیٰ حال وقوع الفرقۃ والموت (ھدایہ ص $\frac{۱۰۲۱}{ج۔۲}$) واللہ اعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون
۷ ، جمادی الاول ۱۳۴۶ھ

---

[1] بلکہ واجب ہے، اشرف علی

بَابُ ثبوت النّسب و مُدّة الحمل

حکمِ نکاحِ زن مطلقہ کہ حاملہ شد و بیانِ نسب ولدِ آن کہ از زوج باشد یا نہ در صورت اقرار و انکارِ او۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین بابت مسئلہ صورتِ ذیل کے وہ یہ کہ زید ہندہ کو جو کہ باقر کی منکوحہ ہے باقر کے گھر سے پوشیدہ نکلوا کر بھگا لایا۔ غالباً عرصہ دو سال سے زید ہی کے پاس ہے اور باقر کو بھی پتہ چل گیا۔ جھگڑا آپس میں یا شاید قانونی چارہ جوئی کی ہوگی، عرصہ سے چلا آرہا ہے آخر نتیجہ یہ نکلا کہ زید کی جانب سے باقر کو کچھ روپیہ دے کر اس سے طلاق لے لی ہے۔ اس عرصہ میں (یعنی بحالتِ نزاع) ہندہ کو حمل رہا اور ساقط بھی ہو گیا جو کہ نہ معلوم باقر سے تھا یا زید سے وہ تو کہتی ہے کہ زید سے تھا اب وہ دوبارہ پھر حاملہ ہے بظاہر تو یہی خیال گزرتا ہے کہ یہ حملِ ثانی تو ضرور زید ہی سے ہوگا اور چونکہ خود بھی اقرار کرتی ہے اور نیز دوسرے باقر کا رہنا دور دوسرے شہر میں ہے اور زید کے گھر میں بلا تکلیف آنا بھی مشکل ہے اب ہندہ اور زید چاہتا ہے کہ ہم دونوں کا نکاح ہو جائے۔ لھٰذا عرض یہ ہے کہ اس ہندہ کی عدت کیا ہوگی تین حیض یا وضعِ حمل اور اس صورت میں یہ حملِ ثانی زید کا قرار دیا جائیگا یا باقر کا۔ اور چونکہ ثبوتِ نسب میں احتیاط مزید ہے جیسا کہ حضرت مولانا نے ایک دفعہ رسالہ "الامداد" میں تشریح کی تھی کہ میاں کو پردیس میں برسیں گزر گئیں اور گھر میں بچہ پیدا ہو گیا تو اسی کا کہلائیگا اس طرح یہاں بھی یہ احتمال ہو سکتا ہے یا نہیں؟ کہ عجب نہیں ہندہ کا خاوند کسی طریق سے اس سے ہم بستر ہو گیا ہو اور وہاں ہندہ کے اس قول کا اعتبار ہوگا یا نہیں کہ یہ موجودہ حمل زید کا ہے۔ یا باقر سے معلوم کرنے کے بعد باقر کے قول کا اعتبار ہوگا۔ اگر باقر کا قول معتبر ہوگا تو انکار کی صورت میں تہمت کی وجہ سے لعان تو نہ ہوگا اول تو بایں وجہ کہ چونکہ پیشتر اس تحقیق کے طلاق وہ دے چکا۔ غرضیکہ باقر سے تحقیق کی ضرورت ہے یا محض زید اور ہندہ کے قول کا اعتبار ہوگا۔ امید کہ ان کے نکاح و عدت وغیرہ کے متعلق بالتشریح مطلع فرمائیں گے اور اگر حضرت مولانا مدظلہم اللہ تعالیٰ کے دستخط بھی کرا دیں تو عوام کے لئے بھی مزید باعثِ اطمینان ہوگا اور اگر اتفاق سے حضرت سفر میں ہوں تو آں جناب ہی جواب باصواب سے جلد مشرف فرمائیں۔ اور وہاں کیا طلاق میں طلاق نامہ تحریر

شدہ مع ثبت انگوٹھا مُہر دستخطوں کے ہو تو محض تحریر کا اعتبار کرلیا جائیگا یا نہیں؟
بینوا توجروا۔ فقط

الجواب

صورتِ مسئولہ میں اس عورت کی عدّت وضع حمل ہے قبلِ وضع حمل زید کو اس سے نکاح کرنا جائز نہیں اور اگر وقتِ طلاق سے چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو وہ باقر ہی سے ثابت النسب ہوگا خواہ وہ اقرار کرے یا انکار کرے اور اگر وقتِ طلاق سے چھ ماہ کامل یا زیادہ میں پیدا ہوا مگر دو سال کے اندر اندر ہی پیدا ہوگیا اور اس عرصہ میں عورت نے اپنی عدت تمام ہونے کا بھی دعویٰ نہ کیا تھا تو اس صورت میں بھی لڑکا باقر ہی کا ہوگا خواہ یہ مطلقہ رجعی ہو یا مطلقہ بائنہ۔ اور اگر وقتِ طلاق سے دو سال پورے یا زیادہ میں پیدا ہوا تو مطلقہ بائنہ ہونے کی صورت میں بدون اقرار باقر ثبوتِ نسب نہ ہوگا اور مطلقہ رجعیہ ہونے کی صورت میں اس وقت بھی نسب زوج سے ثابت ہوگا۔ اور اگر عورت وضع حمل سے پہلے انقضاء عدّت کا دعویٰ کردے دراں حالیکہ یہ دعویٰ طلاق سے ساٹھ دن یا زیادہ گزرجانے کے بعد ہو تو اگر اس دعویٰ کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا تب بھی شوہر اول ہی سے ثابت النسب ہوگا اور اگر دعویٰ انقضاء عدت کے بعد چھ ماہ کامل یا زیادہ میں بچہ پیدا ہوا تو پھر باقر سے ثبوتِ نسب نہ ہوگا۔ باقی اس صورت میں ھندہ اور زید کے اس قول کا اعتبار نہ ہوگا کہ یہ حمل باقر کا نہیں بلکہ زید کا ہے اور باقر سے پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ وضع حمل سے پہلے ھندہ کا نکاح کسی طرح زید سے درست نہیں۔ اور جن صورتوں میں ثبوتِ نسب کا حکم دیا گیا ہے ان میں اگر باقر اس حمل کو اپنے سے نفی کرے تو مطلقہ رجعیہ ہونے کی صورت میں لعان کا حکم ہے اور مطلقہ بائنہ کی صورت میں لعان بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ لعان کے لئے بقاءِ زوجیت شرط ہے۔ بلکہ ہندوستان میں مطلقہ رجعیہ سے بھی لعان نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کے لئے دارالاسلام اور قاضی شرط ہے۔ وھما منتفیان ھٰھنا۔ اور جب لعان نہ ہوسکے تو ولد زوج اول سے ہی ثابت النسب ہوتا ہے اب اس کی نفی کسی طرح نہیں ہوسکتی۔ البتہ جن صورتوں میں ثبوت النسب من الباقر کا حکم دیا گیا ہے اگر ولادت کے بعد باقر ولادت ہی کا انکار کردے اور یہ کہدے کہ اس عورت نے کچھ نہیں جنا یہ جھوٹ کہتی ہے کہ میں نے بچہ جنا ہے تو ثبوتِ نسب کے لئے اس میں یہ شرط ہے کہ یا تو طلاق کے وقت حمل ظاہر ہو یا ظاہر نہ ہو مگر زوج نے حمل کا اقرار کرلیا ہو یا اقرار نہ کیا ہو مگر مدت کے اندر ولادت واقع ہونے پر شہادت قائم ہوجائے جس میں صرف دایہ کی شہادت کافی نہیں بلکہ

دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ضروری ہیں اور جب وہ حمل کا یا مدت کے اندر ولادت کا اقرار کرے تو پھر اس کا یہ کہنا کہ یہ بچہ میرا نہیں یا حمل مجھ سے نہ تھا معتبر نہ ہوگا بلکہ لعان کی ضرورت ہوگی مطلقہ رجعیہ میں اور مطلقہ بائنہ میں اس کی بھی ضرورت نہیں اور ہم کہہ چکے ہیں کہ ہندوستان میں لعان نہیں ہو سکتا۔ اس لئے نفی ولد کی کوئی صورت نہیں۔

الدلائل

قال فی الدر : فیثبت نسب ولد معتدۃ الرجعی ولو بالاشہر لإیاسہا وان ولدت لاکثر من سنتین ما لم تقر بمضی العدۃ والمدۃ تحتملہ (ای تحتمل المضی بان تکون ستین یوماً علی قول الامام وتسعۃ وثلاثین علی قولہما ثم جاءت بولد لایثبت نسبہ إلا اذا جاءت بہ لاقل من ستۃ اشہر من وقت الاقرار فانہ یثبت نسبہ للتیقن بقیام الحمل وقت الاقرار فیظہر کذبہا وکذا ہذا فی المطلقۃ البائنۃ والمتوفی عنہا اذا ادعت انقضائہا ثم جاءت بولد لتمام ستۃ اشہر لایثبت نسبہ ولاقل یثبت اھ شامی) کما یثبت بلا دعوۃ احتیاطاً فی مبتوتۃ جاءت بہ لاقل منہما من وقت الطلاق لجواز وجودہ وقتہ ولم تقر بمضیہا کما مر ولو لتمامہما لا الا بدعوتہ لانہ التزمہ وان لم تصدقہ المرأۃ لا فی روایۃ (ای فی ان الولد منہ اھ شامی) وہی الاوجہ اھ

(ص ۱۰۲۶ تا ۱۰۲۸ - ج ۲)

وفیہ ایضاً : ویثبت نسب ولد المعتدۃ بموت او طلاق ان جحدت ولادتہا بحجۃ تامۃ واکتفیا بالقابلۃ قیل وبرجل او حبل ظاہر وہل تکفی الشہادۃ بکونہ کان ظاہراً فی البحر بحثاً نعم او اقرار الزوج بہ ای بالحبل ولو انکر تعیینہ تکفی شہادۃ القابلۃ اجماعاً اھ

(ص ۱۰۳۰ ج ۲)

وفیہ ایضاً : وسیجیٔ فی الاستیلاد ان الفراش علی اربع مراتب (ضعیف، وہو فراش الامۃ لایثبت النسب فیہ الا بالدعوۃ۔ ومتوسط، وہو فراش ام الولد فانہ یثبت فیہ بلا دعوۃ لکنہ ینتفی بالنفی۔ وقوی، وہو فراش المنکوحۃ ومعتدۃ الرجعی فانہ فیہ لاینتفی الا باللعان۔ واقوی، کفراش معتدۃ البائن فان الولد لا ینتفی فیہ اصلاً لان نفیہ متوقف علی اللعان وشرائط اللعان الزوجیۃ اھ شامی (ص ۱۰۲۷ ج ۲)

وفی الدر: فمن قذف فی دار الاسلام زوجتہ (اخرج دار الحرب لانقطاع الولایۃ اھ شامی) العفیفۃ عن فعل الزنا تہمتہ او من نفی نسب الولد وطالبتہ بہ لاعن اھ۔ ویسقط اللعان بالطلاق البائن ثم لا یعود وکذا یسقط بزناھا ووطیھا بشبہۃ اھ

وفی الدر ایضاً: ومتی سقط اللعان بوجہ ما (کعدم صلاح احدھما للشھادۃ اوعدم الاحصان شامی) لم ینتف نسبہ ابداً اھ (ص ۹۷۴ ج ۲ باب اللعان)

ھٰذا واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ از تھانہ بھون

۱۷ رجب ۴۲ھ

مدّتِ حمل حنفیہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ دو سال ہے اس پر شبہ اور اس کا جواب

سوال: عرض اینکہ درمیانِ زنان مشہور است کہ حملِ زن گاہے خشک شود، بعضے ۳ سال خشک باشد، بعضے چار سال بعضے زیادہ ازان ہم خشک باشد باز در شکم تازہ شود و بچہ تولّد شود این سخن درست است یانہ حال آنکہ در کتب مسطور است کہ "اکثر مُدّۃ الحمل سنتان"، واین ہم مشہور ست کہ تا زمانیکہ حمل خشک باشد زن را حیض ہم میشود این سخن ہم راست است یانہ؟ مع آنکہ در کتب مذکور است کہ "ما رأتہ الحامل من الدّم فھو استحاضۃ" بیّنوا توجروا۔

السائل: رسول شاہ۔ ڈاکخانہ و ضلع کوہاٹ موضع ڈھوڈھ

الجواب

قال الزیلعی: واخرج الدارقطنی ومن جھتہ البیھقی عن الولید بن مسلم قال: قلت: لمالک بن انس ای حدیث عن عائشۃ انھا قالت: لاتزید المرأۃ فی حملھا علی سنتین قد رظل المغزل فقال: سبحان اللہ من یقول ھٰذا ھٰذہ جاءتنا امرأۃ محمد بن عجلان امرأۃ صدق وزوجھا رجل صدق حملت ثلاثۃ البطن فی اثنی عشر سنۃ کل بطن فی اربع سنین اھ (ص ۵۱ ج ۲، نصب الرایہ)

اس سے معلوم ہوا کہ دو سال سے زیادہ مدت تک حمل کا بطن میں رہنا امام مالک رح

کے نزدیک بھی ممکن ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ عورتوں میں جو حمل کے خشک ہو جانیکا قصہ مشہور ہے یہ بھی کسی درجہ میں اصل رکھتا ہو۔ مگر حنفیہ نے حضرت عائشہ رضؓ کے اثر کی وجہ سے مدتِ حمل کو دو سال سے زائد نہیں مانا۔

اخرج البیهقی ثم البیهقی فی سننها من طریق ابن المبارک عن داؤد بن عبدالرحمٰن عن ابن جریج عن جمیلة بنت سعد عن عائشة رضؓ قلت: ما تزید المرأة فی الحمل علی سنتین قدر ما یتحول ظل عمود المغزل اھ (زیلعی ص ۵۱ ج-۲) قلتُ: سند صحیح رجاله رجال الصحیح وجمیلة بنت سعد صحابیة استشهد ابوها یوم احد وهی حمل تزوجت زید بن ثابت الامام ذکرها الحافظ فی الاصابة فی القسم الاول (ص ۴-ج ۸) - وفی حاشیة الهدایه والظاهر ان عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالته سماعًا لان العقل لا یهتدی الی معرفة المقادیر اھ (ص ۴۱۳ ج - ۲)

پس جس صورت میں عورتیں یہ دعوی کریں کہ حمل خشک ہو گیا تھا حنفیہ وہاں یہ کہیں گے کہ خشک ہونے سے پہلے جس کو تم نے حمل سمجھا تھا وہ حمل ہی نہیں تھا بلکہ نفخ یا پانی ہوگا جس کو غلطی سے حمل سمجھ لیا گیا پھر اس کو خشک مان کر خواہ مخواہ مدتِ حمل دو سال سے بڑھادی کیونکہ حمل میں نفخ کا احتمال بھی کچھ بعید نہیں۔

قال فی الفتح: اذ یحتمل کونه نفخًا او ماءً وقد اخبرنی بعض اهلی عن بعض خواصها انه ظهر بها حمل واستمر الی تسعة اشهر ولم یشککن فیه حتی تهیأت له بتهیئة ثیاب المولود ثم اصابها طلق وجلست الدایة تحتها فلم تزل تعصر العصرة بعد العصرة وفی کل عصرة تصب الماء حتی قامت فارغةً من غیر ولد اھ (شامی ص ۹۷۲ ج ۲) - قلتُ: وهذا هو جوابنا عن واقعة امرأة محمد بن عجلان وهو ظاهر التقریر - والله اعلم

اکثر مدّتِ حمل کے بعد اور نکاحِ ثانی سے اقل مدّتِ حمل کے اندر بچّہ پیدا ہوا تو اس کا نسب شوہر متوفی سے ثابت ہوگا یا ناکح ثانی سے؟

سوال: ہمارے اطراف میں ایک منکوحہ کا حمل چھ یا سات مہینہ کی مدت کے بعد سوکھ گیا اور تین مہینہ کے بعد اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا پھر تین برس کے بعد جس کے اندر مہینہ دو مہینہ کے فاصلہ پر کبھی کبھی خون بھی ظاہر ہوا دوسرا ایک مرد سے بغیر اطلاع دیئے صورت

صورہ کے ایک قاضی صاحب اور دو گواہ کے مقابل میں نکاح کیا اور نکاح ثانی سے دو مہینہ بعد پھر اگلا حمل ظاہر ہوا خوب احتمال ہے کہ چھ مہینے کے اندر ہی وضع حمل ہوگی۔ اب بحسب شرع شریف کہ اس منکوحہ اور ناکحِ ثانی پر کیا حکم ہے اور وہ ولد جو کہ مدتِ مذکورہ میں پیدا ہوئے ثابت النسب کس سے ہے اور حالتِ مذکورہ میں نکاح منعقد ہوا یا نہیں اگر نہیں ہوا تو قاضی صاحب پہ کیا حکم ہے؟ لوجہ اللہ جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں توجروا عنداللہ العزیز۔ زیادہ آفتابِ ہدایت بر سرِ عالمان تابان و درخشان باد۔ بالنّون والصّاد۔

الجواب

اگر نکاحِ ثانی کے بعد چھ ماہ سے قبل بچہ پیدا ہوا تو زوج ثانی کا نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ زوجِ اول کی وفات سے دو سال بعد اس کی پیدائش ہے اس لئے اس کی طرف بھی منسوب نہیں ہو سکتا۔

فی الدر: (واقلّها ستّة اشهر اجماعاً ص۱۰۲۵) (و) یثبت نسب ولد معتدة (الموت لاقل منهما من وقته) ای الموت و قال الشامی تحت قوله لاقل منهما: ای من سنتین ص ۱۲۹ ج-۲)

اور جب عدتِ وفات ختم ہو چکی کیونکہ تین سال گزر چکے وفاتِ زوج کو اور دو سال سے زائد زوجِ اول کا حمل نہیں رہ سکتا تو اس کا نکاح ثانی جائز ہو گیا مگر چونکہ محض روایات اس کے خلاف بھی ملی ہیں اس لئے احتیاطاً اس عورت کا نکاح بعد وضع حمل کے دوبارہ پڑھ لینا ضروری ہے اگر وضع حمل زوج ثانی کے دخول سے ۶ ماہ سے پہلے ہو۔ اور یہ جواب قواعد سے دیا گیا ہے جزئیہ نہیں ملا لھٰذا دوسرے علماء سے بھی دریافت کر لیا جائے۔ واللہ اعلم

کتبہٗ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ
۱۶ / محرم ۴۲ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۶ / محرم ۴۲ھ

تفصیل الجواب

قال فی البحر: (ص ۱۴۳ ج-۱) وان کان (الوضع) لاکثر من سنتین منذ طلقها الاول ولاقل من ستة اشهر منذ دخل الثانی لم یلزم الاول

ولا الثانی یقی مالو جاءت بہ لاقل من سنتین من طلاق الاول وستة اشہرمن دخول الثانی و ینبغی الحاقہ بالاول اھ

وفی العالمگیریة : عدة الحامل ان تضع حملها کذا فی الکافی سواء کانت حاملاً وقت وجوب العدّة اوحبلت بعد الوجوب کذا فی قاضی خان وسواء کانت عن طلاق او وفاة او متارکة او وطیٔ بشبھة کذا فی النھر۔ وسواء کان الحمل ثابت النسب ام لا۔ و یتصوّر ذلك فیمن تزوّج حاملاً من الزنا کذا فی السراج الوھاج اھ (ص ۱۵۹ - ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ۱ زوج اول کی طلاق یاموت سے دوسال بعد اور زوجِ ثانی کے دخول سے ۶ ماہ پہلے اگر بچہ پیدا ہوا تو وہ کسی سے ثابت النسب نہ ہوگا ۲ انقضاء عدت حاملہ کے لئے وضع حمل شرط ہے خواہ حمل ثابت النسب ہو یا نہ ہو۔ اب رہا یہ کہ نکاح ثانی صحیح ہوا یا نہیں توچونکہ قبل موت زوج اول یہ عورت حاملہ تھی جوخشک ہو گیا تھا اس لئے اس کی عدّت وضع حمل کے سوا کچھ نہ تھی اور اس کا نکاح ثانی عدت میں ہوا اس لئے صحیح نہیں۔ رہا یہ کہ حنفیہ کے یہاں تو اکثر مدتِ حمل دوسال ہے تو اس صورتِ مسئولہ میں تین سال تک اس کو حاملہ من الاول کیسے مانا جائیگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مدت لزوم نسب کے لئے ہے کہ اس سے زائد میں نسب زوج پر لازم نہ ہوگا باقی انقضاءِ عدت کے لئے نص سے وضع حمل معین ہے پس خشک حمل کے وضع کے بغیر مقتضاءِ نص یہ ہے کہ عدّت تمام نہوگی

قال ابن عابدین فی حاشیة البحر : قال فی النھر : فرع لومات الحمل فی بطنها و مکث مدة بماذا تنقضی عدتها لم ار المسئلة وینبغی ان تبقی معتدة الی ان ینزل او تبلغ مدّة الایاس اھ۔ قال بعض الفضلاء قوله اوتبلغ مدة الایاس فیه انه مناف الآیة فتأمل اھ

وفی حاشیة الرملی نقلاً عن کتب الشافعیة لاتنقضی مع وجوده بعموم الآیة قال : ولا مبالاة بتضررها بذلك کما فی شرح المنهاج للرملی۔

وفی حاشیة المنهج لابن قاسم : قال شیخنا الطبلاوی رحمه الله : افتی جماعة عصرنا بتوقف انقضاء عدّتها علی خروجه والذی اقوله عدم التوقف اذا یئس من خروجه لتضررها بمنعها من التزوج اھ ولاشیٔ من قواعد مذهبنا یدفع ما قالوه فاعلم ذلك اھ ملخصاً (ص س ۱۳۳ ج - ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ وجود حمل خواہ میت ہی مانع انقضاء عدت ہے اور یہ کہ انقضاء عدت میں دو سال کی مدت معتبر نہیں اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حمل میت حمل ہی نہیں کیونکہ جماعتِ فقہاء نے اس کو عموم آیت "حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ" کے تحت میں داخل کرکے مانع انقضاء کہا ہے پس حمل خشک بھی اسی کے مثل ہے بلکہ اس کا حمل ہونا بہ نسبت میت کے اظہر ہے اور جب وہ بوجہ حمل ہونے کے مانع ہے تو اس کا مانع ہونا اولیٰ ہے۔ اور علامہ خیر الدین نے فتویٰ شافعیہ کو نقل کرکے کہا ہے کہ یہ ہمارے قواعد کے خلاف نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انقضاء عدت کا دو سال سے زائد مدت پر موقوف ہونا ہمارے قواعد کے خلاف نہیں اس سے اس تاویل کی تائید ہوتی ہے جو احقر نے اول میں لکھی ہے کہ یہ تخصیص مدّت لزوم نسب کے لئے ہے۔

وقال فی رد المحتار بعد ذکره الاقوال المذکورة وبه ظهر انّ المراد من قوله او تبلغ حدّ الایاس هو الایاس من خروجه وهل المراد منه نهاية حدّ الحمل وهو اربع سنين عند الشافعية وسنتان عندنا او اعم من ذلك محتمل والذی ینبغی العمل بما قاله الجماعة لموافقته صریح الآیة اھ (ص۹۹٦ ج ٢)

اس سے بھی ظاہر ہوا کہ علامہ شامی کے نزدیک راجح یہی ہے کہ صورتِ مذکورہ میں انقضاء عدّت وضع حمل وخروج ما فی البطن پر مطلقاً موقوف ہو اس میں نہایت مدّتِ حمل کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ صریح آیت یہی ہے کہ عدت حاملہ وضع حمل ہے

وقد ذکرنا عن العالمگیریة: ان کون الحمل ثابت النسب غیر ضروری قلتُ: وهذا هو الراجح عندی ای ما قاله العلامة الشافعی۔ البتہ بحر میں خانیہ سے ایک جزئیہ نقل کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو سال جو مدتِ حمل مقرر ہے وہ لزومِ نسب کے لئے بھی ہے اور انقضاء عدت کے لئے بھی

ونصّه فی الخانیة: المتوفی عنها زوجها اذا ولدت لاکثر من سنتین من وقت الموت یحکم بانقضاء عدتها قبل الولادة بستّة اشهر وزیادة فتجعل کانها تزوّجت بزوج آخر بعد انقضاء عدتها وحبلت من الثانی اھ (ص۱۳٦ ج۔۴) ای لا نسیئ الظن بها بل نجعلها متزوّجة سرا کمسئلة الشرقی مع المغربية ولا نجعلها حاملا اکثر من سنتین وهذا اوسع والاول احوط۔

اس روایت کا مقتضاء یہ ہے کہ صورتِ سوال میں مسماۃ مذکورہ کا نکاح ثانی صحیح

ہو گیا۔ بہر حال صحت نکاح ثانی مختلف فیہ ہے لھذا دوبارہ نکاح پڑھ لینا خروج عن الخلاف کے لئے ضروری ہے باقی نکاح خوان کو تو کسی صورت میں بھی گناہ نہیں ہوا کیونکہ اس کو صورت حال کی اطلاع ہی نہ تھی۔ والذی قلنا من صحۃ النکاح وعدمہ کلہ من القواعد ولم نجد جزئیۃ صریحۃ فیہ فلیتحقق ولیحرر من غیرنا ایضاً۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ۔

از تھانہ بھون۔ ۲۵ محرم ۱۳۴۴ھ

حکم نفی نسب بتہمتِ زنا وبیان احکامِ نسب | **سوال**: زید نے اپنی بیوی ھندہ حاملہ کو یہ کہہ کر طلاق دیدی کہ یہ حمل حرام کا ہے میرا نہیں۔ ھندہ اپنے میکہ چلی آئی اور وہیں اس کی لڑکی پیدا ہوئی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ لڑکی زید سے ثابت النسب ہوگی یا نہیں؟ زید اور زید کی والدہ اور اس کے دیگر اعزّہ سے بطور وراثت کے کچھ پائے گی یا نہیں؟ قول مفتیٰ بہ تحریر فرمائیں۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں زید پر لعان واجب ہوتا۔ اگر یہ جگہ دار الاسلام میں ہوتی اور یہاں قاضی اسلام موجود ہوتا جب، بوجہ دار الحرب اور قاضی اسلام نہ ہونے کے لعان نہیں ہو سکتا بلکہ اب تو چونکہ زوجہ طلاق کی عدت پوری ہونے سے مطلقہ بائنہ ہو چکی ہے تو دار الاسلام میں بھی لعان نہیں ہو سکتا۔ تو شوہر کے نفی کرنے سے حمل یا ولد منتفی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ لڑکی زید ہی کی لڑکی ہے اور شرعاً وہ زید سے اور زید کے خاندان سے حقِ وراثت پانے کی کامل مستحق ہے۔

قال فی الدر: الفراش علی اربع مراتب: (الی ان قال) وقوی وھو فراش المنکوحۃ ومعتدۃ الرجعی فانہ فیہ لا ینتفی الا باللعان۔ واقویٰ، کفراش المعتدۃ البائن فان الولد لا ینتفی فیہ اصلاً لان نفیہ متوقف علی اللعان ومن شرائط اللعان الزوجیۃ اھ (ص ۱۰۲۷ ج ۲)

وفیہ ایضاً: متی سقط اللعان بوجہ ما (کعدم صلاح احدھما للشھادۃ او عدم الاحصان) لم ینتف نسبہ ابداً اھ (ص ۹۷۴ ج ۲، باب اللعان مع الشامی)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ از تھانہ بھون

۲۷ رجب ۱۳۴۵ھ

ثبوتِ نسب کی ایک صورت کا حکم | **سوال**: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے وطن سے پردیس چلا گیا وہ کہتا ہے کہ قبل روانگی میری، میری

اہلیہ ۵-۶ یوم پیشتر حیض سے فارغ ہوئی بعد فراغت مواصلت ہوتی رہی بعدازان ۱۵ ذی الحجہ کو میں پردیس چلا گیا۔ بعد میرے جانے کے ماہِ محرم الحرام میں میری زوجہ کو گم ہیضہ ہو گیا زندگی کی امید باقی نہ رہی تین مرتبہ دم رُک گیا لیکن بفضلہٖ تعالیٰ چھ یوم کے بعد رُو بصحت ہوئی مگر صحت کلی نہ ہوئی کبھی حالت ان کی اچھی اور کبھی طبیعت ناساز ہو جایا کرتی رہی علاج ابتداء سے ہوتا رہا یعنی قرب وجوار کے حکماء واطباء کا علاج نہایت سعی وکوشش کے ساتھ ہوتا رہا۔ یہ کیفیت مسلسل ایک سال چھ ماہ تک رہی مرض وبا پھر ترقی پذیر ہوا۔ میری زوجہ جب بالکل لاغر ہو گئی اور نشست وبرخاست سے مجبور ہو گئی تو مجھے مطلع کیا اور میری طلبی کے خطوط روانہ کئے۔ میں پردیس سے پورے ایک سال پانچ ماہ ۲۰ یوم کے بعد اپنے وطن پہنچا اور گردونواح کے حکماء سے دربارۂ علاجِ مریضہ تذکرہ ومشورہ کیا مگر چونکہ وہ حضرات علاج کرکے پہلے ہی سے مایوس ہو چکے تھے اس لئے ان لوگوں نے مجبوری ظاہر کی مگر ایک صاحب نے جو کہ فی الحال شہر جونپور کے شفاخانہ میں سول سرجن ہیں اور ان کا نام ڈاکٹر محمد حفیظ اللہ ہے مجھے یہ مشورہ دیا کہ تم مریضہ کو اعظم گڈھ کے زنانہ شفاخانہ میں داخل کردو کیونکہ وہاں ایک تجربہ کار لیڈی ڈاکٹر اس وقت موجود ہے علاج معقول ہو جائیگا ساتھ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اگر خدانخواستہ وہاں صحت یاب نہ ہو تو پھر جونپور کے شفاخانہ میں کہ جہاں میں خود موجود ہوں لیکر آنا میں وہاں کے زنانہ اسپتال میں داخل کرادوں گا ڈاکٹر موصوف کے مشورہ پر میں نے عمل کیا اور مریضہ کو لیجاکر زنانہ اسپتال شہر اعظم گڈھ میں داخل کر دیا اور بحکم لیڈی ڈاکٹر چند ایام وہیں مریضہ کے قیام کا انتظام کر دیا اور علاج ہونا شروع ہو گیا بعد چند روز کے لیڈی ڈاکٹر نے کہا کہ اب مریضہ کو مکان میں لیجاؤ اور ہر چوتھے روز یہاں سے دوا لیجایا کرو میں نے کچھ مدت تک ایسا ہی کیا اس طرح مریضہ کو رفتہ رفتہ صحت معلوم ہوتی رہی اسی اثناء میں پہلی لیڈی ڈاکٹر کا تبادلہ کسی دوسرے مقام پر ہو گیا اور ان کے قائم مقام دوسری لیڈی ڈاکٹر آئی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ مریضہ کو لاکر اس کو بھی معائنہ کرا دینا چاہیئے۔ چنانچہ پھر دوبارہ چند ایام وہیں قیام کرکے علاج کیا تو بظاہر کافی صحت معلوم ہونے لگی۔ ایک دن جدید لیڈی ڈاکٹر نے کہا کہ وہ بیماری یعنی ورمِ جگر تو جاتا رہا مگر ابھی اور بیماریاں باقی ہیں اور ان بیماریوں کا علاج بھی ممکن ہے مگر چونکہ مریضہ حمل سے ہے اسلئے تا وضع حمل علاج میں ترددات ہیں۔ ورنہ بچہ ضائع ہونے کا اندیشہ ہے اس وجہ سے میری اہلیہ نے کہا کہ ابھی علاج تا وضع حمل ملتوی رکھا جائے

یہ سوچ کر اہلیہ کو مکان میں لایا اور پھر پردیس چلا گیا۔ اس عرصہ میں بھی صحبت گاہے گاہے ہوئی اور میرے پردیس جانے کے ۴۔۵ یوم کے بعد دختر تولد ہوئی۔ میں نے ہر طرح حساب کیا تو میرے سفر کو ایک برس گیارہ ماہ کئی دن ہوئے ہیں اور دوسری مرتبہ مکان جانے پر صرف پانچ ماہ اٹھارہ یوم قیام رہا۔ اب عرض یہ ہے کہ یہ لڑکی حرامی ہے یا حلالی؟ مفصل و مستند طریقہ سے ساتھ دلیل کے ارسال فرمایا جائے۔ کیونکہ اس کا جھگڑا و فساد کی حالت روز بروز خطرناک ہوتی جارہی ہے اس لئے دلیل طلب ہے، اگر کوئی رسالے اس کے متعلق ہوں تو بذریعہ وی۔ پی ارسال فرمائیں ورنہ اس کا نام بھی تحریر میں لایا جائے۔ ممکن ہے کہ فریقین میں صلح قائم ہوجائے لہٰذا نہایت ادب کے ساتھ عرض خدمت بابرکت ہوں کہ گستاخی معاف فرما کر جواب باصواب میں بہت عجلت فرمائی جائے۔ واجب تھا عرض کیا۔ عورت سے اس کے شوہر کو خاطری ہے کہ یہ عورت فرمان بردار اور پارسا ہے۔

المرقوم: ۱۵ جنوری ۲۹ھ

الجواب: اس لڑکی کے حرامی ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ حنفیہ کے یہاں اکثر مدتِ حمل دو سال ہے۔ ایک حمل دو سال تک پیٹ میں رہ سکتا ہے اور اس کی بہت سی نظائر موجود ہیں اور یہ لڑکی شوہر کی مواصلت سے دو سال کے اندر اندر پیدا ہوئی ہے پس اس کی حلالی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ محض مدّت کے زیادہ ہونے سے بلاوجہ شبہ کرنا جائز نہیں چونکہ زوجہ بعد قیامِ حمل کے سخت بیمار ہوگئی اور اس کی بیماری مسلسل رہی اس لئے بچہ رحم میں جلدی پرورش نہ ہوسکا، دیر میں پرورش ہوئی اس لئے دیر سے پیدا ہوا اور امام شافعیؒ امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تو چار سال تک بھی حمل پیٹ میں رہ سکتا ہے پس جو لوگ دیر میں بچہ ہونے سے عورتوں پر شبہ کرنے لگتے ہیں اور ان کی اولاد کو حرامی سمجھنے لگتے ہیں وہ سخت جرم و گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔

قال الله تعالىٰ: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ط وقال: اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝

وفی الدر المختار ورد المحتار والعالمگیریة وغیرها من کتب الفقه: اکثر مدة الحمل سنتان بخبر عائشة رضی الله عنها (ما تزید المرأة فی الحمل علی سنتین)

وعند الأئمة الثلاثة اربع سنين (ص ۱۰۲۵ ج ۲) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ از تھانہ بھون

خانقاہِ امدادیہ

۱۰ شعبان ۴۷ھ

بدون لعان کے نسب منتفی نہیں ہوسکتا

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی منکوحہ کو طلاق دیدی بعد ایک سال دوماہ کے اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا لیکن اس نے ایک شخص کو بوقتِ حمل تہمتِ زنا کی لگائی تھی وہ قسم کھاکر بَری ہوگیا ہے اب نسب اس لڑکے کا اس کے شوہر سے ثابت ہوگا یا نہیں بیّنوا توجروا

المستفتی : محمد عبدالغفور۔ مقام خنڈل بہار پاڑہ

پوسٹ آفس خنڈل نیاپاڑہ ضلع اکیاب ملک برما

الجواب

صورتِ مسؤلہ میں لڑکے کا نسب اس طلاق دینے والے سے ثابت ہے کیونکہ بدون لعان کے نسب منتفی نہیں ہوسکتا اور واقعۂ مذکورہ میں لعان ہوا نہیں بلکہ ان دیار میں بوجہ قاضی نہ ہونے کے لعان ہوتا ہی نہیں (گو حاکم مسلم جو انگریزوں کے مقرر کئے ہوئے ہیں وہ قاضی کے حکم میں ہیں مگر جہاں تک مجھ کو معلوم ہے کہ گورنمنٹ نے حکام کو لعان کا حکم نہیں دیا تاہم اگر لعان ہوا ہو تو سوال دوبارہ بھیجا جائے)

فی العالمگیریہ (ص ۱۵۳ ج ۲) وکذلك اذا کان من أهل اللعان فلم یتلاعنا فانه لاینتفی النسب کذا فی شرح الطحاوی۔

علاوہ ازیں جو علماء کرام اس ملک کو دارالحرب کہتے ہیں ان کے نزدیک نفی ولد کی کوئی صورت ممکن نہیں کیونکہ دارالحرب میں لعان نہیں ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ از خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون

مورخہ ۱۲ ربیع الثانی۔

غیر منکوحہ (داشتہ) کی اولاد کا ثابت النسب نہ ہونا عورت اور اس کی اولاد کا میراث سے محروم ہونا

سوال : زید متوفی کے ایک لڑکا اور لڑکی تو اصلی منکوحہ سے ہیں اور تین لڑکے

ایک لڑکی عورت داشتہ غیر منکوحہ (بغیر نکاح والی) سے ہیں۔ عورت غیر داشتہ اپنے اصل خاوند سے جبرًا طلاق لے کر اور کسی جگہ غیر مردوں سے حرام کر کے ڈھائی تین ماہ کا حمل لیکر زید متوفی کے گھر میں رہی اور عورتِ داشتہ کو جو غیر حرام کا حمل تھا وہ زید متوفیٰ کے یہاں رہ کر ایک حرام کا لڑکا جنا۔ اور اس عورت داشتہ نے زید متوفیٰ کے یہاں رہ کر دو لڑکے اور ایک لڑکی زید متوفی کے نطفہ سے جنا۔ یہ تین لڑکے اور ایک لڑکی زید متوفیٰ کے گھر میں موجود ہیں اور عورت داشتہ کو زید متوفیٰ کے یہاں رہتے ہوئے عرصہ ۳۵ سال کے قریب ہو گیا اور اس عرصہ تک یہ عورت داشتہ زید متوفیٰ کے یہاں بغیر نکاح کے رہی اور اب زید متوفیٰ کا انتقال ہوئے چند ماہ گزر گئے بعد انتقال متوفیٰ کے اس کی اولاد حقیقی اور اولاد عورت داشتہ میں جھگڑا ہوا وراثت پہ یہاں تک کہ جھگڑا عدالت میں چلا گیا۔ یہاں پر نکاح خوانی کا یہ قاعدہ ہے، جتنے بھی جے پور میں نکاح ہوئے وہ سب شہر قاضی کے رجسٹر میں درج ہوتے ہیں چیف، عدالت سے نکاح کا رجسٹر طلب کیا تو عورت داشتہ کا مرحوم زید متوفی سے کہیں نکاح ثابت نہیں ہوا۔ اب انصاف عدالت میں یہ ہے کہ شرع محمدی ایک کتاب ہے انگریزی میں، اردو میں اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت ۳۰ یا ۳۵ سال بغیر نکاح کے رہے تو اس کا نکاح سمجھا جائیگا اور وہ اور اس کی اولاد ورثہ کی مالک ہوگی۔ اب آپ سے دست بستہ گذارش ہے کہ بحوالہ کتب مع نامِ کتب اور صفحہ کے ارشاد فرمائیں کہ ایسا نکاح جائز سمجھا جائے گا یا ناجائز؟ ورنہ ورثہ کا مالک کون کون ہو سکتا ہے۔ زید متوفیٰ کے ذمہ ایک مہاجن کا کچھ روپیہ قرض تھا۔ زید متوفیٰ نے بوجہ قبضہ جائیداد مہاجن کے اپنے مکانوں کو اس عورت داشتہ کے مہر میں مصنوعی طور پر لکھ دیا کہ مہاجن قبضہ نہ کر سکے اب جس وقت اولاد زید متوفیٰ میں جھگڑا ہوا تو صرف اس سندِ مصنوعی کے علاوہ اور کوئی نکاح کا ثبوت نہیں۔

السائل: محمد بخش بورچر۔ جے پور

الجواب: خدا کی پناہ! کس قدر تحریف ہے جو فقرہ کتاب "شرع محمدی" کا درج سوال ہے اس کو دیکھتے ہوئے وہ کتاب "برعکس نہند نام زنگی کافور" کی مصداق ہے۔ یہ قانون صراحۃً شریعتِ مقدسہ کے خلاف ہے۔ جب تک شرائط کے موافق نکاح نہ ہوا اس وقت تک وہ حرام کاری رہے گی، ہرگز نسب اور نکاح

ثابت نہ ہوگا زیادہ زمانہ گزرنے سے جرم اشد ہوجائیگا نہ کہ اس میں تخفیف۔ یہ بات تو عقل کے بھی بالکل خلاف ہے۔ اس قانون کا خلافِ شرع ہونا ایسا بدیہی ہے کہ اس کے لئے کسی حوالہ کی ضرورت نہیں۔ جملہ اہل اسلام کے نزدیک یہ مسئلہ غلط ہے اور ہر کتاب میں اس کے خلاف مسئلہ موجود ہے۔ حتی کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّاوَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ۔ غرض یہ کہ یہ عورت اور اس کی اولاد ہرگز وارث نہیں ہوسکتی۔ باقی رہا دوسرا معاملہ یعنی فرضی طور پر مہر میں جائیداد دیدینا سو اس کے متعلق مفصل واقعہ لکھا جائے تو حکم شرعی بتلایا جائیگا۔ یعنی اس کاغذ کی نقل اور اس تحریر کا واقعہ مفصل لکھا جائے تب اس کاغذ کے معتبر ہونے نہ ہونے کا مسئلہ بتلایا جائے گا۔ البتہ اتنا ظاہر ہے کہ جب تک نکاح ثابت نہ ہوجائے اس وقت تک مہر کا ثبوت ممکن نہیں۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ، تھانہ بھون

۴ ربیع الاول ۵۱ھ

تین طلاق ملنے کے بعد ایک عورت نے نکاحِ ثانی کیا۔ زوج نے قبل دخول طلاق دیدی پھر تیسرے شخص سے نکاح کیا، اس نے دخول کے بعد طلاق دی اور انقضاءِ عدّت سے قبل زوج اول نے اس کے ساتھ وطی کیا اور عورت حاملہ ہوگئی تو یہ حمل کس سے تصوّر ہوگا۔

سوال: ما قولکم رحمکم اللہ تعالی اندر اینکہ شخصے زوجۂ خود را سہ طلاق دادہ اند باز نکاح خواہد کرد لھٰذا نکاح ثانی دادہ اند باؤ دخول نیافت طلاق دادہ است چنانچہ بموافق مذہبِ ابوحنیفہ درست نشد لھذا نکاح ثالث دادہ اند باؤ وطی یافت نشد و آن ناکح ثالث طلاق داد بعد انقضاء یک حیض زوج اول مطلق وطی نمود نطفہ قرار گرفت و عدت زوج ثالث تمام نیافت و آن حمل آیا آن زوج او باشد یا زوج ثالث بیّنوا بدلیل الکتاب وتوجروا عند اللہ الملک الوہاب

الجواب

درصورت مسئولہ چونکہ عدّت زوج ثالث تمام نشدہ کہ درمیان عدت آثارِ حمل ظاہر گشت لھذا عدّتِ این مطلقہ وضع حمل است قبل از وضع حمل نکاح زوج اول باین مطلقہ صحیح نخواہد شد واین حمل از زوج ثالث باشد لان الولد للفراش وللعاھر الحجر۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد۔ از تھانہ بھون۔ ۲۶ ذیقعدہ ۴۸ھ

کتابُ الرّضاع

مسئلہ رضاعت کی ایک صورت

سوال : زینب اور رقیہ دو عورتیں ہیں زینب کا ایک لڑکا بعمرِ دو سال اور رقیہ کی تین لڑکیاں ہیں اور ایک لڑکا ہے۔ رقیہ کے لڑکے نے زینب کا دودھ پیا اب زینب کے لڑکے کا نکاح رقیہ کی لڑکی سے درست ہے یا نہیں ؟

الجواب

رقیہ کے جس لڑکے نے زینب کا دودھ پیا ہے وہ تو زینب کی کسی لڑکی سے نکاح نہیں کر سکتا لیکن زینب کا لڑکا رقیہ کی لڑکیوں میں سے جس سے چاہے نکاح کر سکتا ہے کیوں کہ اس نے رقیہ کا دودھ نہیں پیا۔

اگر ایک لڑکے نے دودھ پیا ہے تو جس نے دودھ پیا ہے وہی حرام ہو گیا یا سب ؟

سوال : اگر ایک لڑکے نے دودھ پیا ہے تو جس نے دودھ پیا ہے وہی حرام ہو گیا یا سب حرام ہوں گے ؟

الجواب

جو لڑکا کسی عورت کا دودھ پیتا ہے اس کی اولاد پر وہی حرام ہوتا ہے اس لڑکے کا دوسرا بھائی جس نے دودھ نہیں پیا اس دودھ پلانے والی کی لڑکیوں پر حرام نہ ہو گا۔

رضاعت کی ایک صورت اور اس کا حکم

سوال : مسماۃ احمدیہ اور مسماۃ کلثوم دو عورتیں ہیں۔ مسماۃ احمدیہ کا ایک لڑکا بنامِ محمد حسین اور مسماۃ کلثوم کا ایک لڑکا بنامِ محمد صدیق اور تین لڑکیاں عظیمہ، کلیمہ، فسیحہ۔ مسماۃ کلثوم نے اپنے بیٹے محمد صدیق کو مسماۃ احمدیہ کا دودھ پلایا اس حال میں کہ محمد حسین کی عمر دو ڈھائی سال کی تھی اور محمد صدیق کی عمر چار یا چھ ماہ کی تھی اس صورت میں نکاح محمد حسین کا مسماۃ کلثوم کی کسی لڑکی سے بلا تفصیل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب

محمد حسین کا نکاح مسماۃ کلثوم کی کسی ایک لڑکی سے جس کو وہ چاہے جائز ہے کیونکہ محمد حسین نے مسماۃ کلثوم کا دودھ نہیں پیا ہے اس کے لئے مسماۃ کلثوم کی اولاد حرام نہیں

ایضًا، ایضًا، ایضًا

سوال : مسماۃ فاطمہ کی ایک لڑکی بنامِ سائرہ اور مسماۃ فاخرہ

کا ایک لڑکا بنام عین الحق ہے۔ فاطمہ نے عین الحق کو دودھ پلایا اس حال میں کہ عمر عین الحق کی ۵ ماہ کی تھی اور عمر لڑکی فاطمہ کی چھ سال کی تھی اور ایک لڑکا فاخرہ بعمر دس سال ہے۔ علاوہ عین الحق کے اب نکاح دخترِ فاطمہ اور لڑکا فاخرہ جو کہ علاوہ عین الحق کے ہے، درست ہے یا نہیں؟ اس لڑکی سے جس کی عمر ۶ سال کی تھی۔ بیّنوا بسند الکتاب توجروا عند اللہ الوہاب۔

عبد العزیز مدرس مدرسہ اسلامیہ مہوا
بسم اللہ خان۔ ضلع بستی۔ ڈاکخانہ بھنڈریار بازار

الجواب

فاخرہ کا جو لڑکا عین الحق کے علاوہ جس نے فاطمہ کا دودھ نہیں پیا اس کا نکاح فاطمہ کی جس لڑکی سے چاہے درست ہے اور عین الحق کا نکاح فاطمہ کی کسی لڑکی سے جائز نہیں۔

قال فی الدر: وتحل اخت اخیہ رضاعًا یصح اتصالہ بالمضاف کان یکون لہ اخ نسبی لہ اخت رضاعیۃ وبالمضاف الیہ کان یکون لاخیہ رضاعًا اخت نسبًا وبھا وھو ظاھر اھ (ص ۶۶۹ ج-۲)

۱۳ شعبان ۱۳۸۱ھ

| رضاعی خالہ سے نکاح حرام ہے |

سوال: بسمہٖ تعالیٰ، نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم۔ امّا بعد کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے خالدہ کا جھوٹا دودھ پیا خالدہ بقضائے الٰہی فوت ہو گئی اس کے ۳ سال بعد مادر خالدہ سے دوسری لڑکی آسیہ متولد ہوئی پس اس سے زید کا عقد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور خالدہ مرحومہ سے ایک بڑی بہن ہے اس سے زید کا عقد ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

جب زید نے خالدہ کا دودھ پیا تو خالدہ کی ماں اس کی جدہ رضاعیہ اور خالدہ کی بہنیں اس کی رضاعی خالہ ہو گئیں لہٰذا زید کا نکاح خالدہ کی کسی بہن سے نہیں ہو سکتا نہ چھوٹی سے نہ بڑی سے۔ "لانہ یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب"

| تنہا مرضعہ کی شہادت سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی |

سوال: نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس صورتِ مسئلہ میں کہ زید کی دو خالہ زاد بہنیں ہیں ایک چھوٹی خالہ سے جس کا نام "زکیہ" ہے اور دوسری بڑی خالہ سے جس کا نام "علیہ"

ہے اول زید کی نسبت شادی کا خیال اس کے بزرگوں نے "زکیہ" سے کیا مگر والدۂ زید رضامند نہ ہوئی اس زمانہ میں زید کی بڑی خالہ نے زید کی پھوپھی سے کہا کہ میں نے ہر چند والدۂ زید کو سمجھایا کہ وہ زید کی شادی "زکیہ" سے کردیں مگر اس کی حماقت ہے وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئی اس کے بعد بزرگانِ زید نے اس کی دوسری خالہ زاد بہن "علیہ" سے اس کی شادی کرنا چاہا مگر اس کی پھوپھی کو شبہ تھا کہ ایک بار "والدۂ علیہ" نے زید کو شیرخوارگی کی حالت میں گود میں لیکر اوپر سے آنچل ڈھک لیا تھا تو شاید دودھ پلادیا ہو "والدۂ علیہ" سے اس شبہ کو ظاہر کیا تو اس نے صاف انکار کیا کہ میں نے زید کو دودھ نہیں پلایا اور اس وقت میری لڑکی کی عمر ساڑھے تین سال تھی اور میرے پستان میں دودھ مطلق نہ تھا اس بیان کے گواہ تین عورتیں اور ایک مرد ہے اب زید کی والدہ "زکیہ" ہی سے زید کی شادی پر رضامند ہیں۔ اس پر زید کی بڑی خالہ یعنی "والدۂ علیہ" نے یہ کہا کہ میں نے زید اور زکیہ دونوں کو دودھ پلایا ہے دونوں کی شادی کیسے ہوسکتی ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ آیا اس صورت میں "والدۂ علیہ" پہلے زید اور زکیہ کی شادی میں ساعی تھی اور نیز اپنی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کے لئے وہ زید کو دودھ پلانے سے صراحۃً انکار کرچکی تھی اب ان کا یہ دعویٰ کہ میں نے زید اور زکیہ دونوں کو دودھ پلایا ہے شرعاً معتبر ہوگا حالانکہ زید کو دودھ پلانے کا دعویٰ نہ اس سے پہلے انھوں نے کہیں کیا اور نہ کوئی اس کا گواہ ہے بلکہ خود مدعیہ اس کے خلاف پہلے صاف صاف کہہ چکی ہے۔ بیّنوا توجروا

شریف الحسن عفی عنہ۔ مقیم میرٹھ

مبسملاً وحامداً ومصلیاً

صورتِ مسئولہ میں زید کا نکاح مسماۃ "زکیہ" سے بلاشبہ درست ہے۔

قال فی البحر عن الخانیۃ: وکما لا یفرق بینہما بعد النکاح ولا تثبت الحرمۃ بشہادتہن وکذلک قبل النکاح اذا اراد الرجل ان یخطب امرأۃ فشہدت امرأۃ قبل النکاح انہا ارضعتہا کان فی سعۃ من تکذیبہا کما لو شہدت بعد النکاح اھ (ص ۲۳۲ ج ۲) (الی ان قال) فی (ص ۲۳۳ ج ۳) والحاصل ان الروایۃ قد اختلفت فی اخبار الواحدۃ قبل النکاح وظاہر المتون انہ لا یعمل بہ وکذا الاخبار برضاع طار فلیکن ہو المعتمد فی المذہب اھ

وفی تنقیح الفتاوی الحامدیة عن التنویر والبحر وغیرهما عن القنیة : امرأة کانت تعطی ثدیها صبیة واشتهر ذلک بینهم ثمّ تقول لم یکن فی ثدیي لبنٌ حین القمتها ثدیي ولا یعلم ذلک الاّ من جهتها جاز لابنها ان یتزوج بهذه الصبیة اهـ

وفیہ أیضاً : حجة الرضاع حجة المال وهو شهادة عدلین أو عدل وعدلتین ولا تثبت بشهادة النساء وحدهن لکن ان وقع فی قلبه صدق المخبر ترک قبل العقد او بعده کما فی البزازیة - قال المنقح الشامی : ای ترک احتیاطا اهـ (ص۳۵ ج۲-۱)

قلت : ولا احتیاط فی الصورة المسئولة لظهور کذبها وغلبة الظنّ به لوقوع التناقض فی اقوالها فقد اقدمت اولاً علی نکاح زیدٍ بهذه الصبیة وسعت له ثم اقدمت علی نکاحه ببنتها - وانکرت صریحاً أن تکون أرضعته ثم ادعت الارضاع بعد مدّة فلا یُقبل قولها والحال هذه لأنها أقرت بعدم إرضاعها زیداً ثم ادعته رجوع عن الاقرار والرجوع بعد الاقرار فی المعاملات لا یصح وصل ام فصل کما فی حاشیة الهدایة (ص۲۲۳ ج-۳)

وفی الدر من باب الاقرار : اذا أقر بشیءٍ ثم ادعی الخطأ فیه لم یُقبل إلا فی مسئلة وهذا اقرار الطلاق بناءً علی إفتاء المفتی ثم تبین عدم الوقوع لم یقع دیانةً اهـ (ص۲۳ ، ج-۴) لکونها لا یعلمات الرضاع الا من غیرها ولیست المرضعة کذلک فان الارضاع فعلها لا فعله من غیرها فرجوعها عن اقرارها الاول لا یصح ولا یوجب ایضًا - وفی عدة ارباب الفتوی فی نظیر هذه المسئلة ان امرأة ادعت الارضاع ثم انکرت ثم اقرّت ما نفته لا یعمل بالاقرار بعد رجوعها عنه کما فی شرح التنویر للعلائی والرأی له فی الاقدم والاجتناب ولا یجب علی الحاکم الشرعی منعه بل لو قضی بالتفریق بشهادة امرأتین فی الرضاع لم ینفذ قضاءه کما فی شرح التنویر اهـ (ص۲۲ ج-۱)

حاصل تمام عبارات کا یہ ہے کہ ایک عورت یا چند عورتوں کے قول سے ثبوتِ رضاعت نہیں ہوسکتی ۔ پس اگر کوئی شخص کسی لڑکی کو پیغام نکاح دے اور ایک عورت یہ دعویٰ کرے کہ میں نے ان دونوں کو دودھ پلایا ہے تو مرد کو جائز ہے کہ اسے جھوٹا سمجھ لے

بحر الرائق نے لکھا ہے کہ حاصل یہ ہے کہ ایک عورت کا قول باب رضاع میں ظاہر روایت کے موافق معتبر نہیں، یہی معتمد ہے مذہب میں۔ فتاویٰ حامدیہ، بحر اور تنویر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ ایک عورت کسی لڑکی کے منہ میں اپنی پستان دیتی ہو اور یہ بات مشہور ہو جائے پھر وہ یہ ہے کہ میری پستان میں دودھ نہ تھا تو اس عورت کے لڑکے کو اس لڑکی سے نکاح جائز ہے۔ فتاویٰ حامدیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ رضاع کا ثبوت دو عادل (نیک) مرد و زن یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں سے ہو سکتا ہے۔ فقط عورتوں کے قول سے نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر مرد کے دل میں مخبر واحد کا صحیح ہونا غالب ہو تو احتیاط یہ ہے کہ نکاح نہ کرے۔ میں کہتا ہوں کہ صورتِ مسؤلہ میں احتیاط کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ جو عورت اب دعویٰ ارضاع کرتی ہے وہ اس سے پہلے خود زید اور زکیہ کے نکاح میں ساعی تھی اور والدۂ زید کو اس پر آمادہ کرتی تھی۔ نیز یہی عورت اپنی لڑکی کے ساتھ زید کے نکاح پر راضی اور آمادہ تھیں اور اس وقت یہ کہہ چکی تھی کہ میں نے زید کو دودھ نہیں پلایا اور جب اُسے گود میں لیکر آنچل ڈھکا لیا اس وقت میری پستان میں مطلق دودھ نہ تھا کیونکہ اس وقت میرے لڑکی کی عمر ساڑھے تین سال تھی۔ پس جب پہلے صراحۃً ارضاعِ زید سے انکار کر چکی ہے تو اب اس کا یہ قول جو پہلے قول کے صریح مناقض ہے، قابلِ قبول نہیں، نہ اس سے کچھ شبہ جوازِ نکاح میں ہو سکتا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفاعنہ
۲۰؍ ربیع الاول ۴۳ھ

نعم الجواب وھو عین الصواب
اشرف علی
۲۰؍ ربیع الاول ۴۳ھ

رضاعت کی ایک صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور ھندہ کا نکاح ہوا سات سال کا عرصہ ہو چکا اب چند ماہ سے یہ ظاہر ہوا کہ زید اور ھندہ کو حامدہ نے جو ھندہ کی بھاوج ہے اور زید کے چچا زاد بھائی کی بیوی ہے ان دونوں کو ایامِ رضاعت کے اندر دودھ پلایا حامدہ کا بحلف شرعی بیان ہے کہ میں نے ان دونوں کو متواتر دودھ پلایا جبکہ ان دونوں کی عمریں ایک سال کے اندر تھیں۔ ھندہ کے والدین کے حکم سے اور اس حالت میں کہ مجھے

دودھ کی سخت تکلیف تھی اس کے بعد اپنے شوہر کو بھی دودھ پلانے کی اطلاع دے کر ان سے اجازت حاصل کرلی تھی والدہ زید کا بحلف شرعی بیان ہے کہ حامدہ کا زید کو ایک بار دودھ پلانا بذریعہ اس کی کہلائی مجھے معلوم ہے مگر ہندہ کے دودھ پینے کی بابت مجھ کو کوئی علم نہیں۔ نہ میں نے کسی سے سُنا۔ شوہر حامدہ کا بحلف بیان ہے کہ حامدہ کا ھندہ کو دودھ پلانا مجھے معلوم ہوا تھا اور مجھ سے اجازت بھی لی گئی تھی لیکن زید کے دودھ پینے کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ اور کوئی شہادت اس رضاعت کے متعلق موجود نہیں ہے پس اس صورت میں رضاعت کے ثبوت یا عدم ثبوت اور اس نکاح کے جواز یا عدمِ جواز کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور چونکہ یہ مسئلہ حلّت وحرمت کا ہے لھٰذا جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں۔

المکرر - دوسرے روز ہندہ نے ایک عورت مسمّاۃ ظہورن ملازمۂ حامدہ کو پیش کیا کہ زید کو ایک بار اور ھندہ کو متعدّد بار حامدہ کو دودھ پلاتے ہوئے میں نے اپنی آنکھ سے دیکھی ہے اور اس زمانہ میں بھی میں حامدہ کی ملازمہ تھی۔

الجواب

ثبوتِ رضاعت کے لئے ایک مرد عادل (نیک پابندِ شرع) اور دو عورتیں عادلہ (نیک پابندِ شرع) یا دو مرد عادل ہونے چاہئیں۔ صورتِ مسئولہ میں حامدہ کے ہندہ اور زید دونوں کو دودھ پلانے پر شرعی شہادت موجود نہیں لہٰذا زید اور ھندہ کا نکاح فتوٰی شرعی سے جائز ہے اور ان دونوں کو تعلقِ زوجیت بھی رکھنا جائز ہے لیکن احتیاط اسمیں ہے کہ زید حالتِ موجودہ میں ھندہ کو طلاق دیکر الگ کردے۔ یہ احتیاط استحباب کا درجہ ہے زید پر ایسا کرنا واجب ولازم نہیں بشرطیکہ زید وھندہ حامدہ کے فعل کی تصدیق نہ کرتے ہوں اور اگر دونوں یا فقط زید حامدہ کے قول کی تصدیق کرتا ہو تو نکاح فاسد ہوجائیگا۔ اگر دونوں تکذیب کرتے ہوں یا صرف زید تکذیب کرتا ہو تو اس صورت میں وہ حکم ہے جو مذکور ہوا کہ نکاح بحالہ باقی ہے گو احتیاط پھر بھی علیحدگی میں ہے اور اگر ھندہ تصدیق کرے اور زید تکذیب کرے تب بھی نکاح جائز ہے لیکن اس صورت میں ہندہ زید سے قسم لیگی کہ تو قسم کھاکر کہہ کہ حامدہ نے ہم دونوں کو دودھ نہیں پلایا اگر وہ اس صورت میں قسم کھانے سے انکار کرے تو قاضی شرع ان میں تفریق کردے۔ اگر قاضی شرع نہ ہو تو مسلمان زید کو طلاق دینے پر مجبور کریں۔ واللہ اعلم

اور اگر وہ قسم کھالے تو پھر اس صورت میں ھندہ کو زید کے پاس رہنا ضروری ہوگا۔ فقط
قال فی الدر : و حجتہ حجۃ المال وھی شھادۃ عدلین او عدل وعدلتین لکن لا تقع الفرقۃ الا بتفریق القاضی (ای ان لم توجد المتارکۃ۔ شامی)
قال فی رد المحتار عن الھندیۃ : تزوج امراۃ فقالت امرأۃ ارضعتکما فھو علی اربعۃ اوجہ : ان صدقاھا فسد النکاح وان کذباھا وھی عدلۃ فالتنزہ المفارقۃ ویسعہ المقام معھا وکذا لو شھد غیر عدول او امرأتان او رجل وامرأۃ وان صدقھا الرجل وکذبتھا فسد النکاح وان بالعکس لا یفسد ولھا ان تحلفہ ویفرق اذ نکل اھ (ص ۶۷۸ ج ۲) واللہ اعلم

حررہ ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون
۴ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

تحقیق اختلاف روایات دربابِ ثبوت رضاع

سوال : ایک عورت مسماۃ زینب کہتی ہے کہ میں نے مسماۃ کریمہ کو بسنِ صغری اپنا دودھ پلایا ہے اور ایک عورت دوسری بھی گواہی دیتی ہے کہ ہم نے زینب کو کریمہ کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھا تھا دوسرا کوئی گواہ نہیں اب اس زینب کے قول اور دوسری عورت کی گواہی سے اخ زینب کو کریمہ کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور رضاعت ثابت ہے یا نہیں اگر نہیں تو ذیل کی عبارت کا کیا مقصد ہے

ففی الفتاوی الھندیۃ والمصریۃ : و إذا قالت ھذا ابنی رضاعًا و اصرت علیہ جاز لہ ان یتزوجھا لان الحرمۃ لیست الیھا قالوا: وبہ یُفتی فی جمیع الوجوہ کذا فی البحر الرائق (ص ۳۷۱ ج ۱)

اور فتاویٰ قاضیخان میں ہے : وان اراد الرجل ان یخطب امرأۃ فشھدت امرأۃ قبل النکاح انھا ارضعتھما کان فی سعۃ من تکذیبھا کما لو شھدت بعد النکاح

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے : ولا تثبت بشھادۃ الواحدۃ سواء کانت اجنبیۃ او ام احد الزوجین۔ انتھی۔

اگر درست ہے تو زیرین عبارتوں کا کیا مقصد ہے؟ :

ففی البزازیۃ : صغیر وصغیرۃ بینھما شبھۃ الرضاع ولا یعلم ذلک حقیقۃ

لاباس بالنكاح بينهما اذا لم يخبر به واحد فان اخبرہ واحد عدل ثقة يؤخذ بقوله ولا يجوز النكاح بينهما و ان اخبر بعد النكاح فالاحوط ان يفارقها الخ

اور ردالمحتار میں ہے: لو شهدت به امرأة قبل النكاح فهو فى سعة من تكذيبها لكن فى محرمات الخانية ان كان قبله والمخبر عدل ثقة لا يجوز النكاح وان بعده وهما كبيران فالاحوط التنزه انتهى. بيّنوا توجروا

احقر غلام محمد ملک۔ قریہ قادر بخش سندھ

الجواب

اصل یہ ہے کہ ثبوتِ رضاع میں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات سے شہادتِ عادلہ واحدہ کا کافی ہونا بھی معلوم ہوتا ہے جیساکہ اخیر کی عبارات سے مفہوم ہوتا ہے اور ظاہر روایت جو متون میں مذکور ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ بدون دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کے ثبوتِ رضاع نہیں ہو سکتا اور مذہب میں معتمد بھی یہی ہے۔

قال فى الدر: وحجته حجة المال وهى شهادة عدلين او عدل وعدلتين اھ

قال الشامى: وافاد انه لا يثبت بخبر الواحد امرأة كان او رجلاً قبل العقد او بعده وبه صرّح فى الكافى والنهاية تبعاً لما فى رضاع الخانية الى ان قال بعد نقل الروايات المفيدة لثبوته بخبر الواحد لكن قال فى البحر بعد ذلك ان ظاهر المتون انه لا يعمل به مطلقاً فليكن هو المعتمد فى المذهب۔ قلتُ: وايضاً هو ظاهر كلام الكافى للحاكم الذى جمع كتب ظاهر الرواية وفرّق بينه وبين قول خبر الواحد بنجاسة الماء او اللحم۔ فراجعه من كتاب الاستحسان اھ (ص ٦٧٨ ج ٢)

پس صورتِ مسئولہ میں فتویٰ کی رُو سے ان دونوں میں نکاح درست ہے لیکن تقویٰ اور ورع یہ ہے کہ نکاح نہ کیا جائے اور ہو گیا ہے تو مفارقت کر لی جائے

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ۔ از تھانہ بھون

۲۳ ذی الحجہ ۴۴ھ

مدّتِ رضاعت کے بعد دودھ پلانے سے رضاعت کا معتبر نہ ہونا

سوال: تین برس کی لڑکی اگر نکاح کے بعد داماد کی ماں یعنی نابالغہ بیٹی نے شوہر کی ماں

کی پستان میں منہ میں ڈالا بشرطیکہ اس پستان میں مطلقاً دودھ نہیں اب فقط خوشدامن کی پستان میں منہ دینے سے رضاعی بہن ہوگی یا نہ اور حرام ہوگی یا نہیں ؟

الجواب

صورتِ مسئولہ میں رضاع متحقق نہیں ہو کیونکہ رضاع مدتِ رضاع میں دودھ پینے کو کہتے ہیں اور یہاں نہ دودھ پیا گیا اور نہ وہ بچی اتنی عمر کی ہے جو رضاع کے لئے شرط ہے

وفی تنویر الابصار : حولان ونصف عنده وحولان عندهما وهو الاصح (شامی ص۶۶۱ ج۲)

وایضاً فیه : ویثبت التحریم فی المدة وقال الشامی تحت قوله فی المدة فقط اما بعدها فانه لا یوجب التحریم - بحر (ص ۲٦۲ ج ۲)

وقال الشامی تحت قول الدر : (فلو التقم الخ) وفی القنیة امراة كانت تعطی ثدیها صبیة واشتهر ذلك بینهم ثم تقول لم یكن فی ثدیي لبن حین القمتها فی ثدیي ولم یعلم ذلك الا من جهتها جاز لابنها ان یتزوج بهذه الصبیة اه

(ص ٦٦۴ ج -۲) والله اعلم

الاجوبة صحیحة

ظفر احمد عفا الله عنه

۲٦ ر ذی قعدہ ۴۳ھ

مسئلہ رضاعت | **سوال** : کیا رضاعت کے ثبوت کے لئے شہادت اس قدر کافی ہے کہ بچہ کو ایک عرصہ تک گود میں پستان منہ میں لیتے دیکھا ہے یا دودھ کا معاینہ ضروری ہے اگر معاینہ ضروری نہیں تو بعض کا کہنا کہ پستان دوھنے سے رقیق سا پانی نکلتا تھا دودھ نہیں تھا اور بعض کا کہنا ہے کہ کچھ بھی نہیں نکلتا تھا مخل فی الشہادة ہے یا نہیں مرضعہ کا انتقال ہوگیا ہے

الجواب

اگر رضاع کا دعویٰ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں کرتی ہوں (جن میں ایک دایہ بھی ہوسکتی ہے) تو ان کا بیان لکھا جائے کہ وہ کیا کہتی ہیں پھر جواب دیا جائیگا .

احقر عبد الکریم عفا اللہ عنہ
۸ ر ربیع الثانی ۴۴ھ

الاجوبة صحیحة
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۸ ر ربیع الثانی ۴۴ھ

بیٹے کی اختِ رضاعیہ سے نکاح جائز ہے

سوال: ایک عورت ایک شیر خوار لڑکا چھوڑ کر مرگئی وہ لڑکا اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا اور لڑکے کی ایک نابالغہ خالہ ہے اس خالہ کے ساتھ لڑکے کے باپ نے نکاح کیا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

محمد یاسین خان

موضع الکدیہ پوسٹ بوگیہ ضلع جبر

الجواب

فی الدر: (فیحرم منہ مایحرم من النسب الاام اخیہ واختہ واخت ابنہ وبنتہ الخ" اس سے معلوم ہوا کہ وہ شخص اپنی سالی سے نکاح کر سکتا ہے

صحیح

احقر عبدالکریم　　　　ظفر احمد عفاعنہ

۵ ر ذی قعدہ ۴۲ھ

آٹا گوندھتے وقت پستان سے دودھ گر کر آٹے میں مل گیا تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں شوہر اس کو کھا سکتا ہے

سوال: ایک عورت آٹا گوندھ رہی تھی اور اس کی پستان سے دودھ نکل کر آٹے میں گر کر مل گیا اب وہ اس گھر کا آٹا کھا سکتی ہے یا نہیں اور کون کون کھا سکتا ہے۔ سنا ہے کہ خاوند کو حرام ہے اور عورت کو مکروہ ہے اور بچوں کو جائز ہے۔ اس مسئلہ سے تفصیل کے ساتھ مطلع کریں۔ فقط زیادہ حد ادب۔ پٹیالہ خادم فتح محمد

الجواب

آٹے میں دودھ گرنے سے اس آٹے کا کھانا موجب حرمت نکاح نہ ہوگا لانہ لیس فی معنی الرضاع لاسیما بعد اقرانہ بالخبز اور نہ اس سے رضاع ثابت ہوگا البتہ دودھ جزو انسان ہے جس کا استعمال قصداً جائز نہیں چاہے کھانے ہی میں ہو پس اس سے احتراز اولیٰ ہے لیکن چونکہ وہ پکنے میں جل جائیگا اور شئی قلیل ہے اس لئے احتراز واجب نہیں اس کی روٹی سب کو کھانا جائز ہے۔ لما فیہ من الحرج وھو مرفوع عن الامۃ۔ واللہ اعلم　　　　ظفر احمد از تھانہ بھون

۱۶ ر شعبان ۴۵ھ

رضاع کے متعلق ایک مفصل فتویٰ

سوال : بخدمت اقدس حضرت مخدومی و معتمدی جناب مولانا اشرف علی صاحب ادام اللہ بقاء کم و رزقنا اللہ لقاء کم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مرجو کہ عنایت مربیانہ فرمودہ از ارسال اجوبہ اسئلہ بندہ را مفتخر و ممتاز فرمایند۔ امید کہ در ارسال اجوبہ دیر نہ فرمایند۔ اجوبہ مدلل و مؤید بعباراتِ فقہیہ ارشاد فرمایند کہ جمیع علماء در اسئلہ ذیل رجوع بآں حضرت بابرکت نمودہ اند صرف بہ آمدنِ اجوبہ از آں حضرت نزاع و مخاصمہ دینی ایشان مدفوع و مرفوع خواہد شد۔

حقیقت ہمین طور است کہ درمیانِ ولی محمد نامی و مسماۃ حوا رضاع مشتہر شدہ بود از یکی مولوی صاحب پرسیدند مولوی صاحب تفحص نمود نزد مولوی صاحب مادرِ ولی محمد و خواہرِ مرضعہ گفتند کہ مارا مسماۃ خواہرِ مرضعہ اولیٰ کہ اکنون فوت شدہ است گفتہ بود کہ من ولی محمد را شیرِ خود در مدتِ رضاع دادہ ام مولوی صاحب گفت چونکہ شاہدان دیگر نیستند لہذا ولی محمد را میرسد کہ باخواہر حوا کہ ہم حوا نام دارد نکاح می تواند کرد ہمین تحریر را ولی محمد نزد مولوی صاحب دیگر برد، مولوی صاحب دیگر ولی محمد را گفت تو درین بارہ چہ میگوئی ولی محمد قرآن شریف بہ سر برداشتہ ہمین اقرار و تصدیق نمود

اقرار و تصدیقِ ولی محمد وھو ھٰذا

مرا مسماۃ نائل کہ زنِ برادرِ من است گفتہ کہ تو طفلِ شیر خوارہ بودی و گریہ میکردی برائے تسلی تو ترا پیش خواہرِ خود کہ مسماۃ حوا بود می بردم و حوا را می گفتم کہ ولی محمد را پستانہائے خود بدہ پس مرا حوا می گفت کہ اکنون ولی محمد را شیرِ خود نوشانیدم یعنی پستانہائے خود دادم او را زیر دار و مرا عام مردمان دیگر ہمسایگان و خویشان ماہستند ہم گفتہ کہ تو در صغر (مدت رضاع) پستانہای حوا با خان محمد کہ پسرِ حوا بود نوشیدۂ اکنون آں مردمان مردہ اند۔ اکنون من میگویم کہ آں کسان را کہ مرا گفتہ کہ تو پستانہائے مسماۃ حوا نوشیدۂ حکایت و شہادتِ ایشان صدق است تا ھنوز نکاحِ من باحوا ثانیہ (خواہرِ حوا مرضعہ) نشدہ است باقی نامزدگی ہست نشانِ انگشت چپ ولی محمد ☐ پس مولوی صاحب دیگر گفت رضاع ثابت است، ولی محمد را نمیرسد کہ با خواہرِ مسماۃ حوا کہ ہم حوا نام دارد نکاح کند حوا ثانیہ خالہ رضاعیہ ولی محمد می شود و ولی محمد اقرار مع الثبات و تصدیق شرعیہ نمودہ است۔

درین اثناء برگفتۂ مولوی صاحب اول اعتماد نمودہ واز گفتۂ مولوی صاحب دیگر بی اعتنائی

کردہ ولی محمد باخواثانیہ کہ خواہرِ مرضعۂ اوست نکاح نمود - آخرالامر ولی محمد وپدر حواثانیہ برائے فیصلہ شرعیہ محکم گرفتند محکم اولاً از ولی محمد پرسید کہ تو این اقرار وتصدیق نزد مولوی صاحب فلاں (دیگر) کردہ ومحکم آن اقرار وتصدیق خواند ولی محمد گفت ہرچہ درین بیان مرقوم می باشد مرا ثابتے نمی شود کہ ہمان بیان است یا نہ باقی نشان ترا انگشتِ من پس محکم از حافظ عبداللہ کہ شاہد بر اقرار وتصدیقِ او بود پرسید حافظ عبداللہ دست بر قرآن شریف داشتہ گفت من شاہدے میدہم کہ پیش من ولی محمد نزد مولوی صاحب دیگر ہمین اقرار ...... الخ نمودہ است ودر اقرار خود ولی محمد گفتہ کہ بقسم صدق است ودستخط بر شہادت اقرار من است بعدہ محکم از مولوی شفیع محمد پرسید آن گفت کہ من شاہدے می دہم بقسم کہ نزد من ولی محمد تحریر مولوی صاحب اول بیاورد چونکہ در آن تحریر بیان ولی محمد مرقوم نہ بود از و پرسیدم او قرآن شریف بر سر داشتہ اقرار وتصدیق نبشتہ ..... الخ بعینہ نمود پس محکم صاحب خدا می داند بر کدامین دلیل حکم بجواز نکاح نمود ہرچند کہ گفتہ شد محکم صاحب تعجیل در حکم نباید تفتیش نمودہ وباعلماء دیگر صفائی کردہ حکم باید کرد مگر محکم صاحب نہ صفائی وتفتیش منظور کرد ورنہ از حکم جواز باز ماند - از جوابات مسئولہ ہمیں ہم مرھون منّت فرمایند -

سوالِ اوّل : در فتاوای عالمگیریہ است در باب رضاع ولو جحد الاقرار فشھد اثنان علی الاقرار فرق بینھما - مراد ازین اقرار مطلق اقرار است یا اقرار مع الثبات است ؟ گرفتن شہود عند انکار الاقرار در مطلق اقرار است یا در اقرار مع الثبات ؟ اگر اقرار رضاع بدون ثبات کرد پس در انکار ازین اقرار ھم قاضی را میرسد از گواہان گواھی شرعی گرفتہ تفریق نماید یا اقرار مع الثبات شرط گرفتن شہود عند الانکار است و بدون اقرار مع الثبات در صورت انکار اقرار مطلق شود نمی تواند گرفت -

سوال دوم : در رجوع عن اقرار الرضاع وجحود عن الاقرار فرق است یا نہ ؟

سوال سوم : چنانچہ تصدیق زوج مرمرضعہ را نکاح را فاسد میگرداند کذٰلک تصدیقِ زوج مر شہودِ رضاع را نکاح را فاسد می گرداند -

سوالِ چہارم : اگر زوج زوجہ خود را گفت ھٰذہ اختی وبعدہ بلا انقطاعِ نفس گفت وھو صدق اقرار مع الثبات خواہد شد یا نہ یا در اقرار مع الثبات

درمیان کلام " هذہ اختی " ومیان کلام " ھو صدق مع انقطاع نفس وتاخیر... ومجلس دیگر شرط وضروری است ۔

سوالِ پنجم : ثبات چنانچہ بالفاظ " ھو حق او صدق او کما قلت ونحوہ " متحقق می شود یا نہ ؟ ۔ دراشباہ است در بابِ شہادات " وھذا مشروط بما اذا لم یثبت علی اقرارہ بان قال ھو حق او صدق او کما قلت او شہد[عہ] علیہ بذلک شہود الخ "

السائل : بندہ شفیع محمد مسجدی پوسٹ قاضی محمد عارف
تعلقہ میہڑ ضلع لاڑکانہ سندھ بمعرفت قاضی عبدالکریم

الجواب

صورتِ مسئولہ میں چونکہ ولی محمد نے ایک عالم کے سامنے قرآن سر پر رکھ کر اقرارِ رضاعت کیا ہے اور یوں کہا ہے کہ : " من میگویم کہ آن کسان کہ مرا گفتہ اند کہ تو پستان ہائے مسمّاۃ حوا نوشیدۂ حکایت وشہادتِ ایشان صدق است الخ ۔ اور اس اقرار پر دو گواہ موجود ہیں ۔ تو اگر یہ دونوں گواہ عادل ہوں تو مسمّٰی ولی محمد کا نکاح حوا ثانیہ سے درست نہیں ہوا دونوں کو ایکدوسرے سے متارکت وتفریق واجب ہے

قال فی البحر : وینبغی ان یکون الفساد فی الرضاع الطاری علی النکاح امّا لو تزوّج امرأۃ فشہد عدلان انہا اختہ ارتفع النکاح بالکلیۃ حتی لو وطئہا یحد ویجوز لہا التزوّج بعد العدّۃ من غیر المتارکۃ (ص۲۳۰ ج-۳)

وقال فی ردالمحتار : بخلاف ما اذا شہد علی اقرارہ او قال ھو حق او نحوہ فانہ یدل علی علمہ بصدق المخبر وانہ جازم بہ فلا یقبل رجوعہ بعدہ اھ (ص ۶۷۷ ج-۲)

سوالات زائدہ کا جواب حسب ذیل ہے

۱ عبارت عالمگیریہ میں اقرار سے مطلق اقرار مراد ہے اگر کوئی شخص اقرار رضاع کا منکر ہو جائے تو مطلق اقرار پر شہادت قبول کی جائیگی مگر مشہود علیہ رجوع کرسکتا ہے

عہ عطف علی قولہ قال ھو حق تحت قولہ بان فافہم

اقرار مع الثبات پر شہادت لینے کی ضرورت نہیں اگر مشہود علیہ رجوع نہ کرے اگر مطلق اقرار پر شہادتِ عادلہ قائم ہوگئی تو قاضی تفریق کر سکتا ہے کیونکہ حجیت اقرار کے لئے ثبات شرط نہیں اگر مقر نے رجوع نہ کیا ہو بلکہ ثبات کی شرط صرف عدمِ صحت رجوع کے لئے ہے۔ کما یظہر من الدر والشامیۃ وغیرہما من المتون والشروح۔

۲ جحود عن الاقرار اور رجوع عن الاقرار میں فرق ظاہر ہے۔ جحود کے یہ معنی ہیں کہ یوں کہے کہ میں نے اقرار ہی نہیں کیا اور رجوع عن الاقرار میں اقرار کو تسلیم کر کے اس اقرار کی تکذیب و تغلیط کرتا ہے کہ میں نے اس اقرار میں غلطی کی تھی صحت رجوع عن الاقرار میں یہ شرط ہے کہ اقرار سابق مع الثبات نہ ہو اور اگر شہادتِ عادلہ سے اقرار سابق کا مع الثبات والاصرار ہونا ثابت ہو جائے تو رجوع معتبر نہ ہوگا۔

۳ ہاں تصدیقِ مرضعہ و تصدیق شہود رضاع دونوں موجبِ اقرار رضاع و مستلزم فساد نکاح ہیں لافادتہما اقرار الرضاع واثباتہ واللہ اعلم

۴ جب اقرار رضاع کے بعد "ھو صدق او حق او ھو کما قلت ونحوہ من الالفاظ المؤکدۃ استعمال کئے جائیں خواہ متصلاً یا منفصلاً تو یہ اقرار مع الثبات ہوگا

لما فی الدر: ولو ثبت علیہ بان قال بعدہ ھو حق کما قلت ونحوہ اھ (ص ۶۲۶ ج ۲)

وقولہ بعدہ یعم المتصل والمنفصل کلیھما وانما لم یشترط اتحاد المجلس لان التاکید من بیان المقرر وبیان التفسیر والتقریر یجوز موصولاً ومفصولاً کما حققہ الاصولیون (ص ۲۰۳ نور الانوار)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۹ ربیع الثانی ۳۶ھ

ضمیمۂ متعلق سوال بالا

سوال: در حق شخصے ولی محمد نسبت رضاع از حوا مشہور بود ولی محمد از جہت تحقیق نسبت یک مولوی محمد ملوک نامی را گرفتہ آورد کہ شرعی تحقیق کردہ حکم نماید اگر رضاع ثابت بحجت شرعیہ شود فبہا والا ہمشیرۂ حوا را نکاح کند مولوی محمد ملوک آمدہ تحقیق کرد و خوب تفتیش نمود معلوم شد کہ مسماۃ ہاتل را خبر است ہاتل را طلبید ہاتل گفت کہ من ولی محمد را در خوردگی نزد حوا بردم کہ او را حفاظت کند بعدہ وقتیکہ از جہت برداشتن می آمدم حوا می گفت کہ من او را پستان دادہ ام من بچشم خود گاہے ولی محمد را شیر نوشاندہ از حوا ندیدم بنا بہ خبرِ حوا حکایت رضاع مشہور کردم دبجز ہاتل ہیچ

شاہد پیدا نشد کہ از رضاع خبر دہد و شہادت ادا کند مولوی صاحب حکم کرد رضاع ثابت نیست و ولی محمد را میرسد کہ ہمشیرۂ حوا را النکاح کند و تحریر نوشتہ داد کہ از مولوی صاحب شفیع محمد تصحیح کنانید آید مولوی شفیع محمد ولی محمد را گفت کہ من ترا حلف دادہ می پرسم کہ تو چہ میگوئی ؟ بعدہ مولوی صاحب او را بہ مسجد شریف بردہ کلام اللہ شریف بر سرش دادہ پرسید کہ چہ حال ہست ۔ در جواب مولوی صاحب الفاظیکہ مولوی صاحب در اقرار نامہ نوشتہ از و نشانِ قبولیت گرفت اقرار نامہ بعینہ در زیر ثبت است بنا برین اقرار مولوی محمد شفیع تحریر کرد کہ رضاع ولی محمد از حوا ثابت است کہ نزدم تصدیقِ مخبران کردہ و تصدیق اقرار بعدہ ولی محمد بر آن اقرار مستقیم نماند و اصرار نہ کرد بلکہ گفت کہ من اقرار نہ کردہ ام مرا نسبتِ رضاع ہیچ خبر نیست مولوی صاحب بر سرم قرآن شریف در مسجد داد از ہیبتِ کلام اللہ شریف پریشان شدم و ندانستم کہ چہ گفتم بعدہ از اقرار جحود کردہ ہمشیرہ خود را نکاح کرد از جہت تصفیۂ این فیصلہ یک محکمے مقرر کردند محکم از ولی محمد پرسید کہ تو نزد مولوی شفیع محمد تصدیق کردۂ گفت نہ ، مولوی شفیع محمد شہادت داد کہ ولی محمد نزدم تصدیق کردہ و دیگر یک شاہد حافظ عبدالصمد نامی گفت کہ من یاد ندارم کہ اقرار رضاع و تصدیق کرد یا نہ ؟ بعدہ چون اقرار نامہ شنید گفت بلے این چنین در جواب مولوی شفیع محمد گفت محکم حکم کرد کہ رضاع ثابت نیست آیا درین صورت حکم محکم صحیح است یا نہ ؟ و رضاع ولی محمد از حوا ثابت می گردد یا نہ واقرار و تصدیق کہ ولی محمد کردہ بدون اصرار و دوام مثبت رضاع قابل اخذ شہادت میشود یا نہ ؟ بلکہ از جہت عدم اصرار و ثبات حجّت نیست و اخذ شہادت بی سود ۔ بیّنوا توجروا

الجواب

درصورتِ مسئولہ خود اقرارِ ولی محمد مثبت حکم حرمت رضاع و مفید محرم نیست فضلاً عن التکلّف لاثباتہ علیہ ، زیرا کہ ولی محمد بزبانِ خود نہ گفتہ است کہ من شیرِ حوا نوشیدہ ام یا خواہر حوا خالہ رضاعیہ ام می باشد بلکہ غایۃ الامر آن است کہ تصدیق گواہان بگفتن مولوی شفیع محمد نمودہ و آن نیز اگرچہ بموجب تفوّہ بما لا یتفقّہ کلامی بود کہ قائل از حقیقتِ آن آگاہ نبود امّا اگر تنزّل ازان کردہ تسلیم تصدیقِ او کنیم تاہم اقرار رضاع بدان ثابت نمی گردد چہ اقرار بہ تصدیق آن شہود ثبوت می پذیرد کہ شہادتِ اوشان نیز مثبت رضاع باشد و درصورتِ مسئولہ شہادتِ اوشان کہ حسب سماع است و فقط بہ اشاعت ناقل خبر بہ اسماع آنان رسیدہ و خود ناقل نیز مقر بردیت خود نیست بلکہ خبر سماع از خواہرِ خود حوا میکند

چنانکہ فیصلۂ مولوی محمد ملوک صاحب وبیانِ ولی محمد برآن دلالت می دارد لهذا بتصدیقِ چنین شہود اقرار برضاع ثابت نخواهد شد واگر ازان ہم تنزل نمائیم وفرض کنیم کہ این تصدیق شہود عیانی است وتصدیقِ شہود اقرار است چنانکہ صاحبِ درالمختار تصدیقِ شہود را اقرار گفتہ است۔

حیث قال فی کتاب الشہادۃ واما قولہ صدقوا اوهم عدول صدقۃ فانہ اعتراف بالحق فیقضی باقرارہ انتہٰی (ص ۱۵۷ جلد رابع رد المحتار مطبع مصری)

تاہم مفید مقصود محرم نیست زیرا کہ بعد اقرار ثبات مقر بر اقرار نیز شرط برائے تفریق بین الزوجین است وآن درین صورت مفقود است۔

قال فی الدرالمختار (ص ۴۷۲ جلد ثانی رد المحتار مطبع مصری) فی باب الرضاع قال لزوجتہ هٰذہ رضیعتی ثم رجع عن قولہ صدق لان الرضاع مما یخفی فلا یمنع التناقض فیہ ولو ثبت علیہ بان قال بعدہ هو حق کما قلت ونحوہ هکذا فسر الثبات فی الهدایۃ وغیرها فرق بینهما انتهی

وولی محمد را کہ مولوی شفیع محمد اقرار بہ اجراء کلام کنانیدہ است دران فقط اقرار است کہ رجعت ازان صحیح است وثبات براقرار کہ بعد از اقرار باشد چنانکہ لفظ بعدہ در عبارتِ مذکورہ برآن دلالت می دارد یافتہ نمی شود پس حکم مولوی شفیع محمد بحرمت رضاع باوجود انکار ولی محمد وگفتنِ او مرا خبرے از سخنِ او نیفتادہ کہ چہ گفتہ من فقط الفاظ را حسب گفتنِ او می گفتم خلافِ شریعت است

والحاصل ان الثبات علی الاقرار هو ان یقول بعد الاقرار انہ حق او هو کما قلت او ما یفید ذلک المعنیٰ کما تبین من عبارۃ الدرالمختار التی نقلناها سابقاً وکما صرح بہ فی فتح المعین حاشیۃ المسکین شرح الکنز حیث قال: قال لزوجتہ هی امی او اختی او بنتی من الرضاع و اصر علی ذلک بان قال بعدہ هو حق کما قلت فرق بینهما ولم یصر بل قال أخطأت او نسیت لم یفرق انتهیٰ فالبعدیۃ المصرح بها فی هاتین العبارتین تستلزم ان یکون الاقرار سابقاً علی الثبات ومن المعلوم ان غایۃ ما یثبت فیما نحن فیہ من کلام ولی محمد هو تصدیق الشہود فان ولی محمد قال (ان شہادۃ الشہود صادقۃ) فلو جعلتم هٰذا التصدیق اقراراً کما تشهد بہ عبارۃ الدر فی کتاب الشہادۃ فاین اللفظ الدال علی الثبات الذی یکون بعد الاقرار

وان جعلتموه ثباتاً علی الاقرار فاین الاقرار السابق علی الثبات فعلم انه لیس ههنا الا الاقرار المعرّی عن الثبات۔ قد تقرر انه یجوز الرجوع عنه۔ هذا ما ظهر لی فی هذا الباب واللہ اعلم بالصواب۔

حرّرہ الفقیر محمد ابراهیم الیاسینی تجاوز اللہ عنہ

هذا هو الحق الصریح والجواب الصحیح وانا المصدق

الفقیر محمد قاسم المتوطن فی گڑھی یاسین نشان مهر

برسر کوثر محمد قاسم است

نقل اقرار نامہ ولی محمّد

مرا مسماۃ ہاتل کہ زن برادرِ من است خبر کردہ بود کہ ترا از جہت نظرداری نزد ہمشیرۂ خود مسمّاۃ حوا می بُردم وحوا را می گفتم کہ ولی محمد را پستان بدہ بعدہ مرا می گفت کہ الحال پستان اورا دادہ ام وشیر نوشانیدہ ام باخود برداشتہ ببردم مرا و دیگر آدمیان از جوار واقرباء نیز عام می گفتند کہ تو از حوا بمعہ خان محمد در صغارت پستان نوشیدۂ الحال آن آدمیان مردہ اند درین وقت میگویم کہ آن آدمیان کہ مرا گفتہ اند کہ تو از حوا شیر نوشیدۂ حکایتِ اوشان وشاہدے راست ست، من تاہنوز بہ حوا صغیرہ (ہمشیرۂ حوا کلان کہ ازو نسبت رضاع مشہور بود) نکاح نکردہ ام باقی نامزدگی شدہ است۔

الجواب من جامع امداد الاحکام

اس سوال میں اور پہلے سوال میں جو مولوی شفیع محمد صاحب نے بھیجا تھا فی الجملہ تخالف ہے۔ پہلے سوال میں مسماۃ ہاتل کو لکھا ہے کہ مر گئی ہے، اب زندہ نہیں اور اس سوال میں مسمّاۃ ہاتل کو زندہ ظاہر کیا ہے اور یہ کہ اس کو طلب کر کے اس سے بیان نیا گیا لیکن بہر حال قاعدۂ فقہیہ یہ ہے کہ "المرأ یؤخذ باقرارہ" مسمّٰی ولی محمد نے مسمّاہ ہاتل کا جو بیان اپنے اقرار میں ظاہر کیا ہے اور اس پر قسم کھائی ہے وہی اس پر حجت ہے۔ بیّنہ اور شہادت کی ضرورت تو وہاں ہو جہاں مقر کا اقرار موجود نہ ہو۔ پھر مسمّٰی ولی محمد نے اپنے اقرار میں صرف مسمّاہ ہاتل پر مدار نہیں رکھا بلکہ دوسروں سے بھی سماعِ رضاع بیان کیا ہے کہ مرا دیگر آدمیان از جوار واقرباء نیز عام می گفتند کہ تو از حوا بمعہ خان محمد در صغارت پستان نوشیدۂ الحال آن آدمیان مردہ اند اور مسمّٰی ولی محمد اگر اسی بیان پر اکتفا کرتا تو اس سے اقرار رضاع بحوا ثابت ہو جاتا کیونکہ ولی محمد نے

یہ سب بیان حلف کے ساتھ دیا ہے مگر اس کے بعد وہ کہتا ہے "درین وقت من میگویم
کہ آن آدمیان کہ مرا گفتہ اند کہ تو از جو اشیر نوشیدۂ حکایت اوشان وشاھدے راست است"
اور یہ ثبات ہے مجیب کا اسی کو اقرار سمجھنا اور یہ کہنا کہ اس کے بعد ثبات کہاں ہے نہایت
عجیب ہے اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ یہی اقرار ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اقرار مع الثبات ہے اور اس
نے جو درمختار کے قول "ولو ثبت علیہ بان قال بعدہ الخ" سے یہ سمجھا ہے کہ ثبات
کے لئے اقرار کے بعد ہونا ضروری ہے، صحیح نہیں بلکہ بعدہٗ کی قید محض تمثیل و توضیح ہے ورنہ
ثبات مع الاقرار بھی ہو سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ ابن عابدین علی البحر (ص۲۳۴ ج۔۳)

صریح ھذہ النقول و منطوقھا مع العلم بوقوع العطف التفسیری فی الکلام الفصیح
شاھد بان المراد بالثبات والدوام والاصرار واحد۔ و بان الثبات علیہ لا یحصل
الا بالقول بان یشھد علی نفسہ بذلک او یقول حق او کما قلت او فی معناہ کقولہ ھو صدق
او صواب او صحیح او لا شک فیہ عندی و لا ریب ان قولہ ھو صدق اکد من قولہ ھو کما
قلت اھ

اس میں صاف بتلایا گیا ہے کہ شہادت علی الرضاع یعنی قسم اور شہادت کے لفظ سے
رضاع کا اقرار بھی ثبات میں داخل ہے اور ظاہر ہے کہ قسم و شہادت مقسم بہ سے مقدم ہوتی
ہے نہ مؤخر اور بحر و درر وغیرہ میں بھی کسی نے "بعدہٗ" کی قید بیان نہیں کی۔ بس ہمارے
نزدیک تفسیر ثبات کی یہی ہے کہ اقرار مؤکد ہو چنانچہ عبارتِ بحر میں "ھو صدق" کو "ھو
کما قلت" سے مؤکد ہونے ہی کی وجہ سے ثبات میں داخل کیا ہے۔ پس اگر اقرار مؤکد ہوگا خواہ
یمین سے خواہ اس قول کے ساتھ کہ یہ بیان صحیح ہے تو ثبات کا تحقق ہو جائیگا اور رجوع قبول
نہ ہوگا کیونکہ ثبات تاکید ہے اور تاکید مفیدِ جزم ہے۔

قال الشامی: بخلاف ما اذا شھد علی اقرارہ او قال ھو حق او نحوہ فانہ
یدل علی علمہ بصدق المخبر وانہ جازم بہ فلا یقبل رجوعہ بعدہ الخ (ص۶۶ ج۔۲)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ ثبات کے بعد اس لئے رجوع صحیح نہیں کہ وہ علم بصدق مخبر
اور جزم بہ پر دال ہے اور یہ فائدہ ہر اس کلام سے حاصل ہو سکتا ہے جس میں تاکید موجود
ہو خواہ اقرار کے ساتھ تاکید ہو یا اقرار سے منفصل ہو۔ پس صورتِ مسئولہ میں اقرارِ ولی محمد مع
الثبات متحقق ہے۔ اب اس کا اس بیان سے رجوع کرنا اور یہ کہنا کہ میں نے قرآن کی دہشت سے

یہ کہا تھا اور بے خبری میں کہا تھا سب لغو ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۹ر جمادی الاول ۴۶ھ

مسئلہ رضاعت | سوال: اگر کسے کہ درحق او البتہ نسبت رضاع مشہور بود ازو پرسیدہ شد کہ تو چہ می گوئی؟ او قرآن شریف بر سر داشتہ گفت کہ مرا ایک زن خبر کردہ کہ رضاع ہست تصدیق آں قول نہ کرد نہ تکذیب این را اقرار بہ رضاع گفتہ شود یا نہ؟ بلکہ از جہت اقرار تصدیق ضرور است؟

الجواب

اس صورت میں محض اخبار رضاع ہے اقرار ثبوت رضاع نہیں۔ کیونکہ قائل نے یہ نہیں کہا کہ میں اس کے قول کی تصدیق کرتا ہوں اور محض ایک عورت کا بیان ثبوت رضاع میں حجت نہیں اور قرآن سر پر رکھنا بدون لفظ قسم کے قسم نہیں اور ہو بھی تو اس سے محض اخبار مراۃ پر جزم کا اظہار ہوا اس کی تصدیق پر تو جزم نہیں ہوا۔ ھٰذا ما علمتہ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۸ر شعبان ۴۶ھ

رضاعی بھتیجی سے نکاح حرام ہے | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو آپس میں ایک دوسرے کے علی الترتیب حقیقی ماموں بھانجے ہیں عمرو نے ایام طفولیت میں زید کی والدہ یعنی اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا ہے اس وقت نانی کی عمر ۳۵ سال کی تھی اور جس زمانے میں عمرو نے اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا اس زمانہ میں زید کی عمر دو سال کی تھی اب تجویز یہ ہے کہ زید کی جو ایک ہندہ نامی لڑکی ہے اس کو عمرو کی زوجیت میں دیا جائے لھذا اس مسئلہ کا جواب باصواب مع حوالہ کتب مستند تحریر فرما کر ارسال کریں فقط بیّنوا توجروا۔ المستفتی: محمد حشمت اللہ ایاضی چوک برہانپور

الجواب

عمرو کا نکاح زید کی کسی لڑکی سے بھی جائز نہیں کیونکہ زید و عمرو رضاعاً بھائی ہو گئے پس زید کی لڑکی عمرو کی بھتیجی ہوئی اور بھتیجی سے نکاح حرام ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب" متفق علیہ

والمسئلة مصرحة فی سائر کتب الفقه   واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہِ امدادیہ

۲۴ رشوال

تنہا مرضعہ کی شہادت ثبوتِ رضاعت کے لئے کافی نہیں ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ ھندہ کے ہاں دختر تولد ہوئی۔ ولادت کے وقت اس لڑکی کے منہ میں دانت بھی دو عدد موجود تھے ایسے بچہ کو عام طور پر منحوس خیال کیا جاتا ہے اس لڑکی کے ماموں مسمّٰی زید کی منشا اپنے بیٹے کے ساتھ اس لڑکی کو منسوب کرنے کی تھی ہندہ بھی رضامند تھی مگر عام طور پر یہ مشہور ہوگیا کہ زید کی بیوی نے ہندہ کی بیٹی کو دودھ اپنا پلا دیا ہے۔ ہندہ فوت ہوگئی ہے اور اس کا خاوند بھی فوت ہوگیا۔ گویا عام خیال کے مطابق اس لڑکی کا منحوس ہونا بھی مسلّم ہوگیا مگر زید اپنے خیال پر قائم ہے اور ان خیالات کو لغو قرار دیتا ہے چنانچہ اپنے لڑکے کے ساتھ ھندہ کی لڑکی کا عقد کرنے کا سب انتظام زید نے درست کرلیا۔ برات آموجود ہوئی مگر چونکہ سب میں یہ بات مشہور ہوچکی تھی کہ اس لڑکی کو زید کی بیوی نے دودھ پلایا ہے۔ پس ناکح نے عدم جواز کا فتویٰ دیکر نکاح پڑھانے سے انکار کردیا۔ زید اور دیگر معتبر اشخاص کہتے تھے کہ دراصل دودھ نہیں پلایا گیا۔ یہ صرف اس لڑکی کی نحوست سے بچنے کے لئے زنانہ وہم کی بناء پر ایک چال کی گئی لوگ کہتے تھے کہ خود زید کی عورت کہہ چکی ہے کہ میں نے دودھ پلایا ہے۔ آخر زید کی بیوی سے دریافت کیا گیا۔ پہلے تو وہ کچھ ہچکچائی پھر اس نے بھری مجلس میں بہ ایں الفاظ اقرار کیا کہ ھندہ کی اس لڑکی کو جبکہ وہ بیس [۲] یوم کی تھی ضرور گود میں لیکر اپنی چھاتی اس کے منہ میں دی تھی صرف اس بناء پر کہ یہ منحوس لڑکی میرے بیٹے سے منسوب نہ ہوسکے اور میں نے یہ بات اس غرض سے عام لوگوں میں مشہور کردی تھی لیکن درحقیقت نہ اس لڑکی نے میری چھاتی دبائی نہ کوئی گھونٹ دودھ کا اس نے پیا۔ فوراً ہی میں نے گود سے ہٹا کر الگ لٹا دیا بعد ازاں ہرگز ہرگز کبھی چھاتی بھی اس کے منہ میں نہیں دی۔

زید کی بیوی نے حلفیہ برسرِ مجلس مذکورہ بیان دیا جب اس کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا گیا اور ایمان جاتے رہنے کا خوف دلایا گیا جب بھی اس نے مذکورہ بیان ہی کی تائید کی اور یہ بھی کہا کہ یہ بیان میرا اگر غلط ہو تو میرا منہ کالا ہو اور جہنم نصیب ہو۔ اس پر ناکح نے ہندہ کی لڑکی کا نکاح زید کے بیٹے کے ساتھ پڑھا دیا کہ از روئے فقہ تین گھونٹ دودھ کے پی لینے

سے بھی مانع نکاح نہیں چہ جائیکہ مرضعہ کے قول کے موافق مطلق کوئی گھونٹ دودھ کا پیا ہی نہیں۔ اگر یہ جھوٹ کہتی ہے تو اس کا وبال اس کی گردن پر ہوگا۔ ہم نے حجت تمام کردی پس کیا یہ نکاح صحیح ہوگیا یا نہیں ؟ نیز کیا یہ بات ٹھیک ہے کہ تین گھونٹ تک ممانعت یا حرمتِ نکاح ثابت نہیں ؟

الجواب

یہ نکاح صحیح ہوگیا کیونکہ ثبوتِ رضاع کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے اور صورتِ مسئولہ میں صرف ھندہ کی شہادت بیان کی جاتی ہے جو ناکافی ہے پھر ھندہ نے بھی صرف چھاتی کا منہ میں دینا بیان کیا ہے، دبانے اور دودھ نکلنے کا اور بچی کے دودھ پینے سے وہ حلف کے ساتھ منکر ہے لہذا رضاع کا ثبوت کسی درجہ میں نہیں ہوا اور افواہی شہرت قابلِ اعتبار نہیں۔ اسی طرح اس لڑکی کو منحوس سمجھنا ہی جائز نہیں۔ شریعت میں اس نحوست کی کوئی اصل نہیں اور جو لوگ ایسی بے اصل باتوں کے معتقد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کبھی بطورِ سزا کے دنیا میں ان پر کوئی وبال واقع کردیتے ہیں پس اس عقیدے سے توبہ کرنا چاہئے۔
حضرات تابعین و تبع تابعین میں بعضے بچے ماں کے پیٹ سے دانت نکالے ہوئے پیدا ہوئے اور بڑے درجہ کے عالم ہوئے جن سے آج تک برکتیں پھیل رہی ہیں (منھم الضحاک الراوی عن ابن عباس روی عنہ التفسیر والحدیث والقرأۃ) نیز ناکح کا یہ قول بھی غلط ہے کہ تین گھونٹ سے حرمتِ رضاع نہیں ہوتی۔ حنفیہ اس کے قائل نہیں۔ ہمارے مذہب میں ایک گھونٹ سے بھی حرمتِ رضاع ثابت ہوجاتی ہے۔ جبکہ بیّنہ سے ثبوت ہوجائے۔ والمسئلۃ مشھورۃ فی الفقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ از تھانہ بھون
۱۶ محرم الحرام ۴۶ھ

رضاعت کا ایک مسئلہ

سوال : دو سگی بہنیں ہیں جن دونوں کا نکاح دو سگے بھائیوں سے ہوا ان میں سے ایک کا لڑکا ہے اور دوسری کی ایک لڑکی ہے ان کا ارادہ تھا کہ آپس میں ہی اپنی اولاد کی شادی کریں ان کی نند ہے جس کے تعلقات دونوں بھاوجوں سے کشیدہ ہیں۔ وہ گوارا نہیں کرتی کہ ان کی آپس میں رشتہ داری ہوکر اتحاد بڑھے۔ ایک روز لڑکا والی عورت (بڑی بہن) اپنے بچہ کو سوتا چھوڑ کر کسی کے یہاں چلی گئی بعد میں لڑکا جاگ اٹھا۔ چھوٹی

بہن اور نند مذکورہ اس کے پاس تھی نند نے باصرار ادھر اُدھر کی باتیں ملا کر لڑکے کو اس کی خالہ سے (جو لڑکی کی ماں ہے) دودھ پلوادیا جو اپنی لڑکی اس لڑکے کے نکاح میں دینا چاہتی تھی۔ دودھ پلاتے وقت اس کو بالکل یاد نہ رہا کہ مجھے تو اس لڑکے کے یا اس کے بھائی سے اپنی لڑکی کا رشتہ کرنا ہے۔ بعد میں دوسری بہن نے آکر یاد دلایا۔ مگر لڑکا دودھ پی چکا ہے اور نند اپنا کام کر چکی تھی۔ اب فتوی درکار ہے کہ جیسے روزہ میں بھولے سے کھانا کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیا یہ بھول شرعاً معاف ہو کر اب بھی ان دونوں بہنوں کے بچوں کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ والسلام

السائل: عبدالمتین۔ از تھانیسر ضلع کرنال

الجواب

صورتِ مسئولہ میں حرمتِ رضاع ثابت ہوگئی۔ اب اس لڑکے کا اس خالہ کی کسی لڑکی سے نکاح جائز نہیں، قطعاً حرام ہے۔ بھول چوک کا اول تو اس قصہ میں کچھ لگاؤ ہی نہیں ہے بلکہ قصداً پلایا ہے۔ بھول چوک تو اس کو کہتے ہیں کہ مثلاً اپنا بچہ سمجھ کر اندھیرے وغیرہ کی وجہ سے دوسرے بچہ کو دودھ پلا دیا جائے۔ دوسرے اس بارے میں بھول چوک معاف نہیں ہوتی۔ البتہ جس لڑکے نے دودھ پیا ہے اس کے بھائی کا اس لڑکی سے نکاح جائز ہے۔

واللہ اعلم۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔

۲۷ جمادی الاول ۴۸ھ

الجواب صحیح

وما تضمّنه كلام السائل من ان الحرام لايباح الا لامرٍ واجبٍ غير مسلم فان الفطر فى رمضان حرامٌ ومع ذلك نيباح لامرٍ جائزٍ كسفر۔ كذا فى فتح البارى (ص۲۹۱ ج۔۱) قلتُ: والاصل فيه ماقاله فقهائنا قد يفتقر ضمناً مالا يفتقر قصداً (الاشباه ص۹۶) واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

۲۷ جمادی الاوّل ۴۸ھ

مسئلہ رضاعت **سوال:** کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس بارے میں کہ ہندہ اور صابرہ دونوں حقیقی بہنیں ہیں اور رشید و قادر دو حقیقی برادر۔ صابرہ نے قادر

کی والدہ کا دودھ پیا جبکہ اس کی والدہ بیمار تھی یہاں پر قادر کو صابرہ کی ماں کا دودھ انہیں ایام میں جبکہ اس کا سینہ پکا ہوا تھا کھینچانے کی غرض سے ایک دن دیا گیا کہ قادر ہوشیار ہو گیا تھا طاقت دودھ نکالنے کی رکھتا تھا ممکن ہے کہ پیا بھی ہو لیکن دوسرے دن علیحدہ کر لیا گیا ۱ کیا یہ دونوں (صابرہ وقادر) بھائی بہن ہوئے جبکہ صورت شک کی ہے ۲ اور نیز کیا ھندہ اور رشید بھی رضاعی بھائی بہن ہوئے جنہوں نے دودھ بالکل ایک دوسرے کی ماں کا نہیں پیا؟ - صورتِ مسئولہ ۲ میں عقدِ ہندہ ورشید کا ہو چکا ہے ایک بچی بھی موجود ہے یہ عقد جائز ہوا یا نہیں اولاد کا کیا حکم ہے؟ اگر یہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہوئے تو کیا اب طلاق کی ضرورت بھی ہوگی؟ بیّنوا توجروا - خادم محمد نور عفی عنہ

الجواب

ہندہ سے رشید کا نکاح جائز ہے گو قادر کا دودھ پینا متیقّن یا مظنون بھی ہو۔

کما فی الشامی (ص ۴۱۹ ج-۲) فرع فی البحر عن آخر المبسوط لو کانت ام البنات ارضعت احد البنین وامّ البنین ارضعت احدی البنات لم یکن للابن المرتضع من امّ البنات ان یتزوّج واحدۃ منھن وکان لاخوتہٖ ان یتزوّجوا بنات الاخریٰ الا الابنۃ التی ارضعتھا امّھم وحدھا لانھا اختھم من الرضاعۃ فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

از خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

۲۹ ربیع الثانی ۵۰ھ

دو برس سے زائد کی بچہ کو دودھ پلانے سے حرمتِ رضاع ثابت نہیں ہوتی

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ولیما اور رسول بخش دونوں حقیقی بہن وبھائی ہیں مسماۃ ولیما کا ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شمس الحق رکھا گیا جب شمس الحق کی عمر تین سال کی ہوئی اس وقت شمس الحق کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ اسی دوران رسول بخش کی بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوا اور ضائع ہو گیا اس وقت رسول بخش کی بیوی نے شمس الحق کو دودھ پلایا جس وقت رسول بخش کی بیوی نے دودھ پلایا اس وقت شمس الحق کی عمر تین سال کی تھی بعد ازاں رسول بخش کی بیوی کے دو تین لڑکے پیدا ہو کر ضائع ہو گئے اس کے بعد رسول بخش کی بیوی سے لڑکی پیدا ہوئی۔ اب دونوں میں عقد شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ فقط رسول بخش

۲۱ ذیقعدہ ۵۰ھ

الجواب

اگر یہ بات صحیح ہے کہ رسول بخش کی بیوی نے جس وقت شمس الحق کو دودھ پلایا تھا اس وقت شمس الحق کی عمر تین سال کی تھی تو اس صورت میں شمس الحق کا نکاح رسول بخش کی لڑکی سے درست ہے کیونکہ دو برس سے زائد کی بچہ کو دودھ پلانا جائز نہیں اور نہ اس سے حرمتِ رضاع ثابت ہوتی ہے ـــــ فانہ لارضاع بعد الحولین و انما الرضاعۃ من المجاعۃ صرح بہ اصحاب المتون من اھل المذھب ۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفاعنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۶ ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ

باب الحضانۃ

نابالغ کے حقِ حضانت وولایت مال میں دادی، ہمشیرہ اور پھوپھی زاد بھائی میں کون مقدم ہے

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ محمد اختر نابالغ پسرِ منظور حق مرحوم کے عزیز حسب ذیل ہیں :

۱ مسماۃ شمس النساء۔ حقیقی دادی ۔ ۲ مسماۃ حسینہ ۔ حقیقی ہمشیرہ۔ ۳ انوار احمد۔ حقیقی بہنوئی اور محمد اختر کا پھوپی زاد بھائی ۔ ان میں شرعًا محمد اختر کا ولی فی النکاح یا ولی فی المال کون ہے اور اس ولی کو کیا کیا اختیارات حاصل ہیں ۔ ولی فی النکاح اور ولی فی المال دونوں کے متعلق شرعًا جو کچھ حکم ہو مفصل بیان فرمائیں ۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں محمد اختر کا ولی فی النکاح اس کی حقیقی دادی ہے ۔

قال فی الدر : فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام ثم لأم الاب وفی القنیۃ عکسہ اھ (ص ۵۱۲ ج-۲)

اور ولی فی النکاح کے اختیارات یہ ہیں کہ بلوغ سے پہلے بدون اس کی اجازت کے بچہ کا نکاح صحیح نہیں ہوسکتا اور ولی فی المال ان ورثاء مذکورین میں سے کوئی نہیں ۔

قال فی الشامی : فان الولی فیہ الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی و نائبہ فقط اھ (ص ۵۰۹ ج-۲)

پس اگر نابالغ کے باپ نے کسی شخص کو وصی بنایا ہو خواہ انہی ورثہ میں سے یا کسی اور کو وہ ولی فی المال ہوگا ورنہ پھر ولایتِ مال اس کو ہوگی جس کو حقِ حضانت حاصل ہو اور صورتِ مسئولہ میں حقِ حضانت بھی دادی ہی کو حاصل ہے۔

لما فی الدر: ثم ای بعد الام ام الام ثم ام الاب اھ (ص ۱۵۰ ج ۲)

وقال فی الکفایة: وان لم یکن احد من ھؤلاء الاربعة (ای الأب ووصیه والجد ووصیه) جاز قبض من کان الصبی فی عیاله وحجرہ ولم یجز قبض من لم یکن فی عیاله لانه اذا کان فی عیاله فله علیه ضرب ولایة الخ (ص ۴۹۴ ج ۷ ۔ مع الفتح)

وفی الهدایة: ونوع آخر ما کان من ضرورة حال الصغار وھو شراء مالا بدّ للصغیر منه وبیعه واجارة الاظآر وذلك جائز ممن یعوله وینفق علیه کالاخ والعم والام والملتقط اذا کان فی حجرھم (ج ۴ ص ۲۶۰)

وفی الحامدیة: قولهم: ان عائل الیتیم یملك بیع مالا بد منه خاص بغیر العقار من نحو المنقولات امّا العقار فلیس له بیعه اھ (ص ۲۹۶ ج ۲)

ولی فی المال کے اختیارات یہ ہیں کہ یتیم کو کوئی شخص کچھ ھبہ کرے تو اس پر قبضہ کر کے اس کی حفاظت کرے یتیم کی جائیداد وغیرہ کی حفاظت کرے۔ خود یا بواسطہ وکیل کے اور جس چیز کی اُس کے لئے خریدنے کی ضرورت ہو خریدے اور اس کی اشیاءِ منقولہ میں سے جس چیز کا بیع کرنا مصلحت ہو اس کی بیع کر دے لیکن جائیداد و مکاناتِ غیر منقولہ کی بیع نہیں کر سکتا واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۱۶ر محرم الحرام ۱۳۴۵ھ

اس صورت میں حق حضانت حقیقی خالہ کو اور ولایتِ نکاح نانا حقیقی کو حاصل ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلم سُنّی حنفی نے تین نابالغ لڑکیاں (۱۰ر سال، ۸ر سال، ۵ر سال) اور ایک نابالغ لڑکا (۶ر سال) بوقتِ انتقال چھوڑا۔ اور پھر شخصِ مذکور کی موت کے چھ ماہ بعد ان کی اہلیہ یعنی ان چار بچوں کی ماں بھی گذر گئیں۔ فی الحال ان نابالغ بچوں کے قرابت داروں میں ایک حقیقی پھوپھی نانا حقیقی ایک حقیقی خالہ ہیں۔ حقیقی نانا کے بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں بچوں کی حقیقی نانی ۲۵ر سال قبل گذر گئیں سوتیلی نانی موجود ہیں اور سوتیلی نانی ہی کے سارے بچے حقیقی نانا کے ساتھ ہیں۔ خالہ حقیقی

کے شوہر جو ہمیشہ سرکاری ملازمت میں ہیں شہر بشہر بدلتے رہتے ہیں ایک شہر میں دو تین سال بھی مستقل طور پر قیام نہیں کر سکتا۔ پھوپھی نابالغ بچوں کے ساتھ ہمیشہ بیوہ ہوکر رہ رہی ہیں اور ہمیشہ اپنے بھائی مرحوم (بچوں کے والد) کے ساتھ رہی ہیں اور ایک شہر ہی میں مستقل رہنے والی ہیں، لاولد ہیں خالہ کے بچے متعدد چھوٹے چھوٹے ہیں لہٰذا صورتِ مذکورہ بالا میں بچوں کا ولی شرعاً کون مقرر ہو سکتا ہے اور حقِ ولایت اور حقِ حضانت کس کو حاصل ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر خالہ حقیقی کے شوہر ان لڑکیوں کے محرم ہوں اور خالہ حقیقی باوجود ایسی ملازمت کے بھی حضانت پر راضی ہو تو خالہ حقیقی حقِ حضانت میں مقدم ہے ورنہ پھوپھی کو حقِ حضانت حاصل ہوگا۔

قال فی الدر: ثم الخالات کذلک ای لابوین لام ثم لاب ثم العمّات کذلک اھ (ص ۱۰۵۰ ج ۲ مع الشامی)

وفیه: والحاضنة یسقط حقها بنکاح غیر محرمه ای الصغیر وکذا بسکناها عند المبغضین له اھ (ص ۱۰۵۲ ج ۲)

اور حقِ ولایت نکاح نانا حقیقی کو ہے۔

قال الشامی بعد کلام طویل عن فتح القدیر و قیاس ما صحّح فی الجدّ والاخ من تقدّم الجد تقدم الجد الفاسد علی الاخت اھ فثبت بهٰذا ان المذهب ان الجدّ الفاسد بعد الام قبل الاخت اھ کلام البحر (ج ۲ ص ۵۱۳) باب الولی

واللّٰه اعلم — حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۱۶ محرم ۴۵ھ

احکامِ حضانت اور یتیم کے مال و زمین میں حاضنہ کے تصرف کا حکم

سوال مسـ

محمد اسماعیل

زوجہ۔ ابنین صغیرین۔ عم و صہر۔ عم۔ ابن العم

عبدالمجید شفاعت اللہ عبدالغفور

اب سوال یہ ہے کہ محمد اسماعیل مرحوم کی زوجہ ان کے نابالغ دونوں لڑکوں کی ماں ہے اب ان دونوں لڑکوں کی پرورش کے ولی صورتِ مرقومہ بالا میں سے کون ہوں گے اور نکاح کے کون اور مال و جائیداد کے انتظام و حفاظت

کے ولی کون ہون گے تحریر فرماکر عند اللہ ثواب حاصل فرمایئں۔

الجواب ھوالموفق للصدق والصواب

من بعض علماءِ بنگال

محمد اسماعیل مرحوم کے نابالغ دونوں لڑکوں کی پرورش کے ولی لڑکوں کی ماں ہے۔ کذا فی کتاب الحضانۃ۔ اور نکاح کے واسطے مرحوم کے دونوں چچے شفاعت اللہ وعبد المجید ولی ہیں مگر عبد المجید ذوالقرابتین ہونے کی وجہ سے اقرب ہے۔

درمختار باب الولی میں ہے: الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ وھو من یتصل بالمیت بلا توسط انثیٰ علیٰ ترتیب الارث والحجب۔

اور مال وجائیداد کے انتظام وحفاظت کے بارے میں ردالمحتار باب الولی میں مذکور ہے:

الولی فیہ الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی ونائبہ وقال الطحطاوی فی باب الولی تحت قول صاحب درالمختار (لا المال) اما الولی فیہ فالاب ووصیہ و وصی وصیہ والجد کذلک والقاضی ووصیہ کما ذکرہ المصنّف متناً کما سیأتی۔

پس صورتِ مسئولہ میں بوجہ فقدانِ وصیِ اَب وَجَد کے مال کے انتظام وحفاظت قاضی یا نائبِ قاضی کے ساتھ متعلق رہیگا۔

اب دوسرا سوال یہ ہے کہ: محمد اسماعیل مرحوم کی اولادِ صغار ریاست پٹرہ غیر مسلم راجہ کے عملداری میں رہنے والے ہیں اور یہاں مسلمان حاکم یا قاضی وغیرہ کچھ نہیں ہیں۔ اب مرحوم کے ترکہ کس کے حوالہ کیا جائے۔

الجواب

مرحوم کے کنبہ والے ومحلہ دار سب ملکر کسی کو حَکَم مقرر کر کے ترکہ کو حَکَم کی ذمہ داری میں رکھیں کیونکہ حَکَم اموال کے بارے میں مثل قاضی کے ہے۔ درمختار بابِ التحکیم میں ہے:

والحاصل انہ کالقاضی الا فی مسائل۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ: عبد المجید محمد اسماعیل مرحوم کے چچا اور سُسر ذوالقرابتین ہے اور کنبہ اور محلہ کے معتمد لوگوں میں سے بھی ہے لہٰذا ان کو نابالغوں کے مال وجائیداد کی حفاظت وانتظام کے لئے حَکَم بنانے میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر عبد المجید واقعی اوصافِ مذکورہ فی السوال کے ساتھ متصف ہے

تو محلہ والوں کے مشورہ سے مرحوم کی اولادِ صغار عاقل بالغ ہونے تک ان کے مال وجائیداد کی حفاظت و انتظام کے لئے عبدالمجید ہی کو حَکَم بنانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ افضل معلوم ہوتا ہے

واللہ اعلم

راقم سید واجد علی عفا اللہ عنہ ساکن اسلام آباد

ڈاک خانہ کھوالی ضلع ٹپرہ اسٹیٹ

۳۰ / ۱ / ۴۵ھ

تفصيل الجواب من جامع امداد الاحكام

قال فی الهداية : و اذا وهب لليتيم هبة فقبضها وليه وهو الاب ووصى الاب او جدّ اليتيم او وصيه جاز لأنّ لهؤلاء ولاية عليه لقيامهم مقام الاب. وان كان فی حجر أمّه فقبضها له جائز لأنّ لها الولاية فيما يرجع الى حفظه وحفظ ماله وهذا من بابه لانه لا يبقى الا بالمال فلابد من ولاية التحصيل. و قال صاحب الكفاية تحت قوله " لأنّ لهؤلاء الخ" وان لم يكن من هؤلاء اربعة جاز قبض من كان الصبى فی حجره وعياله ولم يجز قبض من لم يكن فی عياله لانه اذا كان فی عياله فله عليه ضرب ولاية الخ (مع فتح القدير ص ۴۹۴ ج-۷)

وفی الهداية ايضاً : ونوع آخر ما كان من ضرورة حال الصغار وهو شراء ما لابدّ للصغير منه وبيعه واجارة الآظار و ذلك جائز ممن يعوله وينفق عليه كالاخ والعم والام والملتقط اذا كان فی حجرهم و اذا ملك الملتقط هذا النوع فالولی اولی به الا انه لايشترط فی الولی ان يكون الصبی المذكور فی الفرع الاول (ص ۲ ج ۴)

وفی الفتاوی الحامدية : نعم ويجوز شراء ما لابد للطفل منه وبيعه لاخيه و عمّه و امّه و ملتقطه ان هو فی حجرهم دفعاً للضرر عنه وتوجّر امّه فقط وكذا ملتقطه على الاصح (الى ان قال) وجاز ايضاً شراء ما لابد للصغير منه كالنفقة والكسوة واستيجار الظئر ونحو ذلك وبيعه ای بيع ما لابدّ منه ايضاً للصغير لاخ وعم وام هو ای الصغير فی حجرهم دفعاً للضرر عنه اھ (ص ۲۹۵ ج ۲)

وفيه ايضاً : ثم ان ما مرّ من ان عائل اليتيم يملك بيع ما لابدّ منه خاص بغير العقار من نحو المنقولات فليس له بيعه ولو مع وجود المسوغات لما فی الدر المختار:

وهذا ای بیع العقار للمسوغ لو البائع وصیاً لا من قبل ام واخ فانهما لایملکان بیع العقار مطلقاً ولاشراء غیر طعام وکسوۃ الخ (ص ۲۹۶ ج ۲)

مجیب اول کا یہ جواب تو بالکل صحیح ہے کہ ان صغیرین غیر بالغین کا حقِ حضانت ماں کو حاصل ہے البتہ اس میں اتنی تفصیل ہے کہ اگر یہ صغیرین دونوں لڑکے ہیں تو ماں کو حقِ حضانت سات برس کی عمر تک ہے۔ جب یہ لڑکے سات سال کے ہوجائیں اس کے بعد حقِ حضانت ولی اقرب عصبہ کو ہے اور اگر ان میں سے کوئی لڑکی بھی ہے تو حقِ حضانت لڑکی کے بالغ ہونے تک ہے

قال فی الدر: والحاضنة اما او غیرها أحق به ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبه یفتی والام والجدة احق بها ای بالصغیرة حتی تحیض ای تبلغ فی ظاهر الروایة اھ (ص ۱۰۵۴ ج ۲)

نیز مجیب اول کا یہ جواب بھی صحیح ہے کہ ولایت نکاح صغیرین میت کے دونوں چچا کو حاصل ہے مگر مجیب نے ایک چچا کو بوجہ ذوالقرابتین ہونے کے جو ترجیح دی ہے اس ترجیح کی کوئی دلیل بیان نہیں کی اور قواعد سے یہ ترجیح صحیح نہیں کیونکہ علاقۂ مصاہرت کو ولایتِ نکاح میں کچھ دخل نہیں اسکی وجہ سے ایک عصبہ کو دوسرے عصبہ پر کیونکر ترجیح ہوسکتا ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان صغیرین کا ولی ہر چچا بدرجہ مساوی ہے ان میں سے جو بھی صغیرین کا نکاح اول کرے گا نافذ و معتبر ہوگا بشرطیکہ کفو سے کرے اگر یہ صغیر لڑکی ہو اور صغار ذکور میں رعایت کفاءت مختلف فیہ ہے۔

قال فی الدر: ولو زوجها ولیان مستویان (کأخوین شقیقین) قدم السابق فان لم یدر او وقعامعاً بطلا اھ (ص ۵۱۵ ج ۲)

قال الشامی تحت قول الدر وان کان المزوج غیرهما لایصح النکاح من غیر کفوء مثل قول الکنز ولو زوج طفله غیر کفوء او بغبن فاحش صح ولم یجز ذلك لغیر الاب والجد ومقتضاه ان الاخ لو زوج اخاه الصغیر امرأة ادنی منه لایصح وفیه مامر عن الشرنبلالی من ان الکفاءة لاتعتبر للزوج اھ (ص ۵۰۰ ج ۲)

اور مجیب اول نے ولایتِ مال وحفظِ جائیداد کے متعلق جو تکلف کیا ہے اس کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ بر تقدیر فقدان اب وجد ووصی ایشان ولایتِ حفظ مال وانتظام جائیداد اس ولی کو حاصل ہے جس کو حقِ حضانت حاصل ہے جیساکہ جزئیاتِ مذکورہ سے

مستفاد ہوتا ہے پس صورتِ مسؤلہ میں ولایت حفظِ مال و انتظام جائیداد بھی صغیرین کی ماں کو حاصل ہے جب تک کہ اس کو حقِ حضانت حاصل ہے جس کی حد اوپر مذکور ہو چکی خواہ وہ خود انتظام کرے یا کسی معتبر شخص کو وکیل بنا کر اس کے ذریعہ انتظام کرائے البتہ ماں کو صغیرین کی جائیداد کی بیع کا حق حاصل نہیں اور منقولات میں سے بھی بلا ضرورتِ شدیدہ کسی شئ کو بیع نہیں کر سکتی۔ فقط واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔

۸ رصفر ۴۵ھ

بچے کے غیر محرم سے حاضنہ کا نکاح مُسقطِ حقِ حضانت ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین رحمکم اللہ اس مسئلہ میں کہ دو لڑکیاں نابالغ یتیم ہیں ماں باپ کا انتقال ہو گیا ہے نانی، دادی بھی زندہ نہیں ہیں لیکن خالائیں اور پھوپھیاں، تین چچا بھی ہیں اور ماموں بھی۔ ابتداء سے ان لڑکیوں کی مجھلی خالہ نے ان کو پالا ہے ان کی والدہ مرحومہ کی زندگی میں بھی اور ڈھائی تین مہینہ تک بعد انتقال کے بھی۔ مرتے وقت ان کی والدہ نے اسی خالہ کے حوالہ بھی ان کو کیا تھا۔ یہ مجھلی خالہ ان لڑکیوں کی والدہ مرحومہ سے عمر میں بھی بڑی ہے اور شادی بھی مرحومہ کی شادی سے ۵/۶ سال قبل ہوئی ہے۔ اس خالہ کی کوئی اولاد نہیں ہے، لاولد ہے۔ اب ان لڑکیوں کو ان کی والدہ مرحومہ کے انتقال کے ڈھائی تین مہینہ کے بعد ان کی پھوپھیوں نے اپنے یہاں بلا کر روک لیا ہے اور خالہ کے پاس بالکل آنے نہیں دیتیں خالہ ان کے فراق میں بہت بے قرار ہے۔ اس نے مثل اولاد کے بچپن سے اب تک پالا ہے محبت کے باعث آب دیدہ رہا کرتی ہے۔ یہ لڑکیاں اپنی والدہ مرحومہ کے ساتھ اور خالائیں سب ایک ہی مکان میں جو ان کے نانا کا ہے اب تک رہتی تھیں اور خالائیں اب بھی اس مکان میں بدستور ہیں، خالہ دعویدار ہے کہ میرا حق سب سے زیادہ ہے یہ لڑکیاں مجھ کو بغرضِ پرورش ملنی چاہئیں۔ ایک پھوپھی جس کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے اور دوسری پھوپھیوں سے چھوٹی ہے اس کے پاس یہ لڑکیاں اب ہیں وہ پھوپھی بھی اب دعویدار ہوئی ہے کہ لڑکیوں کی پرورش میں کروں گی میرا سب سے زیادہ حق ہے اس واسطے کہ جو خالہ دعویدار ہے و نیز دیگر خالہ پھوپھیاں سب شادی شدہ ہیں اور سب کے شوہر لڑکیوں کے غیر محرم ہیں لھذا سب کے حقوق جاتے رہے صرف اب میں حقدار ہوں جو خالہ دعویدار ہے اس نے بھی شادی کر لی ہے اس کا شوہر بھی لڑکیوں کا محرم نہیں ہے۔ خالہ یہ جواب

ہے کہ میں نے اب دوسرا شوہر نہیں کیا۔ میری شادی کو سولہ برس ہو چکے ہیں پہلے شوہر ہونے سے گو وہ لڑکیوں کا نا محرم ہی ہو حق پرورش نہیں جا سکتا کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کو ان کی خالہ کے سپرد فرمایا تھا جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں پیشتر سے تھیں۔ اور فرمایا تھا کہ خالہ بمنزلہ ماں کے ہے۔ اگر پہلے کے شوہر غیر محرم ہونے سے حق جاتا رہتا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیسے اس خالہ کو حوالہ فرماتے حالانکہ حضرت جعفر حضرت حمزہ رضی کی صاحبزادی کے غیر محرم اور چچیرے بھائی تھے۔ حضرت شاہ اہل اللہ صاحب برادر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے بھی کنز الدقائق کے ترجمے میں جس کا نام "احسن المسائل کامل ترجمہ کنز الدقائق" ہے اور جو مطبع مجیدی کانپور میں ۱۹۱۹ء کو چھپی ہے، اس بات کو خوب صاف فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں: پھر اسی (سگی سوتیلی کے) ترتیب سے خالائیں۔ اگر خالائیں بھی نہ ہوں تو اس ترتیب سے پھوپھیاں اور جو عورت بچہ کے غیر محرم سے نکاح کرے تو اس کا حق جاتا رہے گا۔ (ف) یعنی جس سے اب اس عورت نے دوسرا نکاح کیا ہے وہ اس بچہ کا قریبی رشتہ دار نہیں ہے تو اب اس بچہ کی پرورش کرنے میں اس عورت کا حق نہ رہا۔ ص ۱۲۶

تو سوال یہ ہے کہ مذکورۂ بالا صورت میں لڑکیاں کس کو بغرض پرورش ملنی چاہئیں۔ کس کا حق ہے؟ اور خالہ اور پھوپھی میں کس کس کی بات صحیح اور شرع کے موافق ہے؟ جواب مدلّل، مشرح اور مفصّل درکار ہے۔ بیّنوا توجروا

حسین محمد صالح محلا از مولمین پوسٹ بکس ۱۰۸

الجواب

چھوٹی پھوپھی کا یہ قول صحیح ہے کہ خالہ کا شوہر چونکہ یتیم لڑکیوں کا محرم نہیں ہے اس لئے خالہ کا حقِ حضانت ساقط ہو گیا۔

قال فی الدر: تثبت للام الا ان تکون مرتدۃ أو فاجرۃ او متزوجۃ بغیر محرم الصغیر اھ

قال فی الشامی: ومثلہ (فی سقوط حقّ الحضانۃ) لو تزوّجت باجنبی وصارت الحضانۃ لغیرھا کالاخت فانہ لا یلزمھا ان تربیہ او ترضعہ عند الام (ص۱۰۴۴ ج ۲)

اور خالہ نے جو دلیل بیان کی ہے اس کی صحت اس پر موقوف ہے کہ اول یہ ثابت کر دے کہ بنت حمزہ کی کوئی پھوپھی بغیر نکاح کے اس وقت موجود تھی اور جب خالہ اور پھوپھی

سب کے سب صغیر یتیم کے نامحرم کے نکاح میں ہوں تو اس صورت میں خالہ مقدم ہوگی پس بصورتِ موجودہ چھوٹی پھوپھی ان یتیم لڑکیوں کی پرورش کا زیادہ حق رکھتی ہے بشرطیکہ وہ بالغ ہو اور پرورش کے قابل ہو اگر اس چھوٹی پھوپھی نے کسی وقت ان یتیم لڑکیوں کے نامحرم سے نکاح کرلیا تو حقِ حضانت پھر چچا کی طرف عود کریگا اگر اس وقت بھی یہ لڑکیاں نابالغ ہوں۔

قال فی الدر: ثم الخالات ثم العمات ثم العصبات بترتیب الارث الخ (۲۷۔۱۰۵)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۲ رجب ۱۳۴۵ھ

لڑکا سات سال کا ہو تو ماں کو اس کی پرورش کا حق نہیں بلکہ ولی عصبہ کو ہے

سوال: عبد الغفور ایک شخص ہے جو اپنے حقیقی چچا کے پاس رہتا تھا بعد انتقالِ چچا کے عبد الغفور کی چچی نے دوسرے شخص سے شادی کرلی جو کہ عبد الغفور کی مرضی کے خلاف ہوئی۔ لیکن یہ عقد ہونے پر کیا کرسکتا تھا چچا کے صرف دو لڑکے ہیں جو نابالغ ہیں ایک کی عمر دس برس ہے اور دوسرے کی عمر بارہ یا تیرہ برس ہے۔ اب عبد الغفور لڑکوں کی پرورش خود کرنا چاہتا ہے اور جس شخص سے عبد الغفور کی چچی نے عقد کیا ہے اس کے ذریعہ سے وہ پرورش کرانا نہیں چاہتا اور یہ ہی عدالت میں عبد الغفور کو بھتیجا قرار دیا گیا ہے سوائے اس ایک بھتیجے کے اور کوئی حقیقی رشتہ دار نہیں ہے۔ اب عدالت نے فتویٰ طلب کیا ہے کہ تم فتویٰ پیش کرو کہ آیا تم اپنے چچا کے لڑکوں کے اور کل مال و جائیداد وغیرہ کے شرعی حقدار ہو یا نہیں؟ لہٰذا براہ کرم جواب سے فوراً مطلع فرمائیں کہ یہ شخص یعنی عبد الغفور اپنے چچا کے لڑکوں کو شرعاً ان کی والدہ سے لیکر خود پرورش کرسکتا ہے یا نہیں؟ عبد الغفور کے چچا کو مرے ہوئے تین برس ہوگئے ہیں اور لڑکے دونوں اپنی والدہ کے پاس ہیں بعد انتقال والد ان کی پرورش آج تک ان کی والدہ ہی نے کی ہے اور جو کچھ مال اسباب جائیداد چچا کا ہے اس کا مالک کون ہے؟ اور کس کے تحت میں وہ رہے جب تک لڑکے بالغ نہ ہوں۔

عبد الغفور تھانوی بیرون جالوری دروازہ حویلی جوشی
ابنا داس جی۔ جودھ پور

الجواب

قال فی الدر: والحاضنة اما أو غیرها أحق به ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبه یفتی لانه الغالب اھ

قال الشامی : وفی شرح المجمع : واذا استغنی الغلام عن الخدمة الاب او الوصی او الولی علی أخذه لانه أقدر علی تادیبه وتعلیمه اھ

وفی الخلاصة وغیرھا : واذا استغنی الغلام وبلغت الجاریة فالعصبة اولی یقدم الاقرب فالاقرب اھ (ص ۱۰۵۴ ج ۲)

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ صورتِ موجودہ میں جب نابالغ بچوں کی عمر ۷ سال سے زیادہ ہے تو اب ماں کو ان کی پرورش کا حق نہیں بلکہ ان بچوں کے ولی عصبہ کو یعنی میت کے بھتیجے عبدالغفور کو ان کی پرورش کا حق ہے اور وہی میت کی جائیداد کی حفاظت وانتظام کا حقدار ہے باقی ملکیت کا اس جائیداد میں اس کو کوئی حق نہیں کیونکہ جب میت کے لڑکے موجود ہیں تو ان کے سامنے بھتیجے کو میراث کچھ نہیں مل سکتی۔ ہاں وہ ان کے بلوغ تک جائیداد وغیرہ کا انتظام کر سکتا ہے اور اس انتظام کا معاوضہ حاکم کی رائے میں جتنا مناسب ہو وہ پا سکتا ہے اس سے زیادہ اس کو اور کچھ حق نہیں سب میت کے لڑکوں کا ہے جو فرائضِ شرعی سے معلوم ہو سکتا ہے۔

از خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون
۱۴ شعبان ۴۲ھ

بالغ ہونے تک لڑکیوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے

سوال : جناب مولانا صاحب۔ السلام علیکم!

طلاق دی ہوئی عورت کے پاس لڑکیاں جن میں ایک کی عمر چھ سال اور دو کی عمر تین سال ہے رکھنا جائز ہے یا نا جائز؟ اور طلاق دی ہوئی عورت اپنے میکے یعنی اپنی ماں کے گھر رہتی ہے مرد کے مکان سے کوئی نسبت نہیں اور نہ کبھی آئندہ رہ سکتی ہے دونوں لڑکیوں کی نانی وغیرہ کہتی ہیں کہ ابھی بالکل بچہ ہے یہیں رہیں گی۔ مرد اس وجہ سے دریافت کرنا چاہتا ہے کہ طلاق دی ہوئی عورت کی بڑی بہن جس کی بیوہ ہونے کو آٹھ دس برس ہوا اس نے ابھی تک دوسرا نکاح نہیں کیا اس وجہ سے اس کی ساس وسسر بہت کرتے ہیں اور محبت سے پہلے کی طرح رکھ رہے ہیں اسی وجہ سے وہ دوسرا نکاح کرتی ہے اسی خیال سے اگر مرد لڑکیوں کو طلاق دی ہوئی عورت کے پاس رکھے اور وہیں خرچ بھیجے تو خرچ کی بدولت اور بچوں کی محبت کی وجہ سے دوسرا نکاح نہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے لڑکیوں کو طلاق دی ہوئی عورت کے پاس رکھے یا اپنے ماں باپ یعنی لڑکیوں کے دادا، دادی کے گھر رکھے اور مرد کو پورا یقین ہے کہ اگر خرچ طلاق دی

ہوئی عورت کے پاس گھر جائیگا بچوں کے واسطے تو وہ ہرگز ہرگز دوسرا نکاح نہیں کرسکتی ہے فقط۔ خاکسار محمد عزیز خطوط نویس الہ آباد سٹی پوسٹ آفس الہ آباد

۱۶ر اپریل ۱۹۳۰ء یوم چہارشنبہ

الجواب

جب تک زوجہ مطلقہ دوسرا نکاح نہ کرے اس وقت تک وہ ان لڑکیوں کے بالغ ہونے تک ان کی پرورش کا حق رکھتی ہے۔ باپ کو لازم ہے کہ اس سے لڑکیوں کو بلا وجہ الگ نہ کرے بلکہ لڑکیوں کا خرچ ان کی ماں ہی کے پاس بھیجتا رہے اور جو وجہ شبہ کی سائل نے بیان کی ہے اس سے ماں کا حقِ پرورش باطل نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ اپنی اولاد کی محبت اور پرورش کی وجہ سے دوسرا نکاح نہ کرے تو اس میں حرج کیا ہے بلکہ اس کو صبر کا اجر ملیگا نکاح ثانی اس عورت پر لازم ہے جو رسم ورواج کی وجہ سے اس سے رُکتی ہو حالانکہ اس کو اپنی عفت محفوظ نہ رہنے کا خطرہ ہو اور جس کو یہ خطرہ نہ ہو بلکہ اپنی اولاد کی پرورش کرنے کے لئے اپنے کو خاک میں ملادے اس پر نکاحِ ثانی لازم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہِ امدادیہ

۱۹ر ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ

باپ، ماں کی خالہ، دادا، دادی میں کون احق بالحضانت ہے؟

سوال: ایک عورت سات برس کی لڑکی چھوڑ کر اور اس کو اپنی خالہ کے سپرد کر کے مرگئی اور اس لڑکی کے حسب ذیل اقارب ہیں: ایک ماں کی خالہ مذکورہ جو لڑکی کو خوشی سے پرورش کر رہی ہے اور باپ جو اس مذکورہ کی پرورش پر راضی ہے اور دادا، دادی جو کہ لڑکی کو اس مذکورہ پرورش کنندہ سے لینا چاہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا صورتِ مذکورہ میں دادا۔ دادی اس لڑکی کو جبراً اس مذکورہ پرورش کنندہ سے شرعاً لے سکتے ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

فی الدر: فی باب الحضانۃ ثم بعد الام أمّ الام ثم أمّ الأب وان علت ثم الاخت ثم الخالات ثم العمات ثم خالۃ الام ثم خالۃ الاب ثم عمات الامھات والآباء ثم العصبات بترتیب الارث اھ (ص ۱۰۵ ج ۲)

پس صورتِ مسئولہ میں اس لڑکی کا حقِ حضانت دادی کو ہے ماں کی خالہ اور باپ کو نہیں

ہے وہ اگر بچہ کی پرورش کرنا چاہیں تو دادی کی اجازت سے کر سکتے ہیں بدون اس کے نہیں فان لمن لہ حق الحضانۃ لہ اسقاط ھٰذا الحق ایضاً۔ واللہ اعلم

از خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون

۲۳ ر ذی قعدہ ۴۸ھ

حاضنہ ایام حضانۃ میں بچے پر صرف کی ہوئی رقم بچے کے مال سے اس کی ملک میں اگر مال ہو لے سکتی ہے ورنہ باپ کے ذمہ ایام حضانۃ کا خرچ لازم ہوگا

سوال: فاطمہ مرحومہ کے تعلقات آخر میں خراب ہو گئے تھے کیونکہ اس کا شوہر باوجود بلانے کے نہیں آیا تھا۔ چنانچہ مرتے وقت فاطمہ مرحومہ نے اپنی والدہ کو یہ وصیت کی تھی کہ میرا تمام سامان اور روپیہ پیسہ اور میرا لڑکا ان سب کو اپنے پاس رکھنا اپنے شوہر کے متعلق یہ کہا تھا کہ اس کو کچھ نہ دینا جب لڑکا جوان ہو جائے تو سب کچھ اس لڑکے کو دیدینا۔ مرحومہ کی ماں یعنی بچہ کی نانی نے پرورش کرتے وقت یہ نیت کی تھی کہ اگر لڑکے کے باپ نے مجھ سے اچھے تعلقات نہ رکھے تو میں اس سے پرورش کا پورا صرفہ لوں گی۔ چنانچہ بچے کے باپ نے تعلقات خراب کر لئے، ملنا جلنا ترک کر دیا، بچے کو جب دس سال کا ہو گیا تو زبردستی بذریعہ عدالت بچے کی نانی سے لے لیا بچے کی نانی نے صرفہ پرورش کا مطالبہ بچے کے باپ سے کیا تو بچے کے باپ نے انکار کر دیا۔ بچہ کی نانی نے پرورش میں اور تعلیم میں اور عقیقہ و ختنہ کی تقریب میں کافی رقم صرف کی اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بچے کی نانی زرِ مہر اور مرحومہ کے دیگر ترکہ سے مذکورۂ بالا رقم سے لے سکتی ہے یا نہیں ؟

خادم عبد المجید

الجواب

چونکہ نانی کو اس صورت میں حقِ حضانت حاصل تھا اس لئے اس نے جسقدر رقم بچے کے کھانے کپڑے میں اور تعلیم میں صرف کی ہو وہ بچہ کے حصہ میں سے جو اس کو اپنی ماں کے ترکہ میں سے ملا ہو لے سکتی ہے اور جو رقم تقریبات میں خرچ کی ہے وہ نہیں لے سکتی اور شوہر کے حصے میں سے اس وقت لے سکتی ہے جبکہ بچہ کا حصہ نفقہ کے لئے کافی نہ ہو۔

والمسئلۃ فی الشامیۃ ص ۱۴۵ ج ۲ - واللہ اعلم - از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۶ ر محرم ۴۹ھ

باپ حاضن اپنے مالدار صغیر بیٹے کا کھانا اپنے ایندھن سے پکائے تو ایندھن کے عوض اس میں سے باپ کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال:- ایک شخص اپنے صغیر لڑکے کا حاضن ہے، اور صغیر مالدار ہے اور صغیر کے مال سے صغیر کے لئے باپ اپنا ایندھن لکڑی وغیرہ جلا کر کھانا پکاتا ہے تو کیا باپ کے لئے جائز ہے کہ اس کھانے میں سے اپنی مؤنت اور ایندھن کے عوض میں کچھ کھالیا کرے یا نہیں؟

الجواب

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ

اگر باپ غنی ہے تو اس کو صغیر کے مال میں سے نہ کھانا چاہیئے ہاں ایندھن کا عوض نقد لے سکتا ہے جبکہ ایندھن کی مقدارِ معین صغیر کے لئے جلانے سے پہلے الگ کردی جائے باقی مؤنت کے عوض نہیں لے سکتا لعدم تحقق الاجارۃ۔ اور فقیر ہے تو مؤنت کا عوض بھی لے سکتا ہے لا لکونہ اُجرۃ بل لکون الاَبِ مُحتَاجًا اِلیٰ مالہ۔ اور بدون مؤنت کے بھی حاجت کے وقت بقدرِ ضرورت کھا سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۷ / ذی الجحہ ۴۹ھ

کتاب النفقات

فصل فی نفقۃ الزوجۃ وسکناھا

زوجہ شوہر کی اجازت کے بغیر اسکا مال خرچ نہیں کرسکتی۔

سوال: ھندہ زوجۂ زید ہے اور زید پچاس روپیہ ماہوار پیدا کرتا ہے تو کیا پورا پچاس روپیہ ماہوار ھندہ کا نفقہ زید کے ذمہ واجب ہیں یا کس قدر؟ اور اگر اس کی پوری آمدنی پچاس روپیہ کی ہندہ کے پاس امانت رہتی ہو تو کیا وہ ان سب کے صرف کر دینے کی بلا رضامندی شوہر خود مالک ومختار ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر ھندہ کو سب رقم خرچ کرنے کی زید نے اجازت دیدی ہو تو وہ سب صرف کر سکتی ہے ورنہ نہیں اور اجازت دینے کی صورت میں زید کو اپنے باپ کی حق تلفی کا گناہ ہوگا اور اگر ھندہ زید کو اغوار کرتی ہے کہ تو اپنے باپ کی خدمت نہ کر تو اس کو بھی گناہ ہوگا اور بھائی بہن اگر اپاہج نہیں ہیں تو زید کے ذمہ ان کا نفقہ نہیں ہے واللہ اعلم

۲۷ ربیع الثانی

عورت کے ناشزہ ہونے کی صورت میں اسکا نان نفقہ اور مہر کا مطالبہ کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا۔ بعد چار پانچ ماہ کے ھندہ نے اپنے والدین کے گھر جانے کی غرض سے زید سے دو روز کی مہلت چاہی زید نے دو روز کے بعد آنے کے اقرار پر ہندہ کو اس کے والدین کے گھر روانہ کیا۔ ہندہ اپنے ماں باپ کے گھر جاتے وقت زیورات وغیرہ جو نکاح کے وقت ڈالے گئے تھے ہمراہ لے کر گئی لیکن ہندہ اپنے اقرار کے موافق دو روز کے بعد نہیں آئی۔ یہاں تک کہ چار پانچ مہینہ تک آئی نہیں۔ زید بھی ھندہ کے اقرار پر نہ آنے کی وجہ سے خفا ہو کر خاموش ہو گیا بعد دو چار ماہ کے زید نے کسی کو یوں کہلا بھیجا کہ اس وقت تیری مرضی کیا ہے کہ اس طرح اپنے والدین کے گھر بیٹھی ہوئی ہے تو اس کے جواب میں ھندہ یوں کہتی

ہے کہ میں زید سے ناراض ہوں، میرا اس کے پاس آنا نہ ہو سکے گا، مجھے نان نفقہ اور مہر ادا کرنا چاہیئے اور زیورات وغیرہ جو بوقتِ روانگی ہمراہ لے گئی تھی اس سے انکار کرتی ہے کہ میں کچھ نہیں لایا۔ تمام زیورات وغیرہ زید کے گھر میں ہیں وہ بھی مجھے دینا چاہیئے۔ تو زید کہتا ہے کہ ھندہ تو اپنے اقرار پر ثابت نہیں رہی کہ دوروز کے بعد آنے کے اقرار پر ماں باپ کے گھر بیٹھ گئی۔ دوسرے بلوانے پر بے باکانہ طور پر نان ونفقہ اور مہر چاہنا۔ زیورات وغیرہ ہمراہ لیجاکر اس سے انکار کرنا اور پھر زیورات کا چاہنا لہٰذا یہ نان ونفقہ اور مہر کی حقدار نہیں اور کوئی حق اس کا میرے پاس ثابت نہیں پس دریں صورت زید کا قول صحیح ہے یا ہندہ کا؟

بیّنوا بالتفصیل توجروا بالآخرۃ۔

الجواب

اگر مہر کل مؤجل ہے تب تو عورت کو قبل از موتِ زوج یا طلاق، مطالبۂ مہر کا کوئی حق نہیں اور اگر بعض معجل ہے تو مہر معجّل کے مطالبہ کا ھندہ کو حق حاصل ہے۔ اور نفقہ کا حکم یہ ہے کہ اگر مہر کُل مؤجل ہے تو اس کے وصول کرنے کے لئے ھندہ کو زوج سے رُکنے کا حق نہیں اس صورت میں وہ ناشزہ ہے جس کے لئے نفقہ نہیں۔ اور اگر کل مہر یا بعض معجل ہے اور ھنوز ھندہ کو وصول نہیں ہوا تو اس کے وصول کرنے کے لئے شوہر سے رُکنے کا اُسے حق حاصل ہے۔ اس صورت میں وہ ناشزہ نہ ہوگی اس کو نفقہ بھی ملیگا۔ اور اگر مہرِ معجّل اس کو مل چکا ہے تو اب اس کو رُکنے کا حق حاصل نہیں ہے وہ ناشزہ ہے جس کے لئے نفقہ نہیں۔

قال فی الخلاصۃ: ولو کان المھر الیٰ أجل لیس لھا ان تمنع نفسھا لاستیفائہ لا قبل حلول الاجل ولا بعدہٗ وکذا لو کان البعض عاجلاً والبعض آجلاً فاستوفت العاجل (ص ۳۳ ج ۲) واللہ اعلم

۱۸ رجادی الاولیٰ ۴۰ھ

اگر عورت شوہر کے ساتھ سفر میں جانے سے انکار کر دے تب بھی اس کے لیے نفقہ واجب ہے،

سوال: زید "گیا" کا رہنے والا ہے۔ اب اس کو تھانہ بھون میں مدّتِ طویلہ قیام کرنے کا ارادہ ہے۔ اس نے اپنی زوجہ کو بھی ساتھ لانا چاہا اس نے انکار کر دیا اور ساتھ نہیں آئی۔ اس صورت میں زوجہ کے لئے نفقہ ہے یا نہیں؟

سائل۔ اکرام الحق گیاوی

الجواب

صورتِ مسئولہ میں زوجہ کے لئے نفقہ ہے۔

قال فی الدر : ویسافر بها بعد اداء کله مؤجلاً ومعجلاً اذا کان مامونًا علیها والا یؤدکله او لم یکن مامونًا لایسافر بها وبه یفتٰی کما فی شرح المجمع واختاره فی ملتقی الابحر ومجمع الفتاوٰی واعتمده المصنف وبه افتٰی شیخنا الرملی لکن فی النهر والذی علیه العمل فی دیارنا انه لا یسافر بها جبرًا علیها وجزم به البزازی وغیره وفی المختار وعلیه الفتوٰی اه

قال فی الشامیة ومثله فی الابحر : ذکر اولاً انه اذا اوفاها المعجل فالفتوٰی علی انه یسافر بها کما فی جامع الفصولین — وفی الخانیة : وفی الولوالجیة انه ظاهر الروایة ثم ذکر عن الفقیهین ابی القاسم الصغار وابی اللیث انه لیس له السفر مطلقًا بلا رضاها لفساد الزمان لانها لاتأمن علی نفسها فی منزلها فکیف اذا خرجت وانه صرح فی المختار بان علیه الفتوٰی - وفی المحیط : انه المختار- وفی الولوالجیة : ان جواب ظاهر الروایة کان فی زمانهم اما فی زماننا فلا وقال فجعله من باب اختلاف الحکم باختلاف العصر والزمان ثم قال فقد اختلف الافتاء والاحسن الافتاء بقول الفقیهین من غیر تفصیل واختاره کثیر من مشائخنا کما فی الکافی وعلیه عمل الفقهاء فی زماننا - کما فی انفع الوسائل اه ولا یقال انه اذا اختلف الافتاء لایعدل من ظاهر الروایة لان ذلک فی مالایکون مبنیاً علی اختلاف الزمان - کما افاده کلام الولوالجیة - وقول البحر فجعله اه

وفیه : وبعد ایفاء المهر اذا اراد ان یخرجها الی بلاد الغربة یمنع من ذلک لان الغریب یؤذی ویتضرر لفساد الزمان -

ے ۔ ما اذن الغریب ما اسقاه ❊ کل یوم یُهَیِّنُه من یراه

کذا اختاره الفقیه وبه یفتٰی - قال القاضی : قول الله تعالٰی : اَسْکِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ من قول الفقیه - قیل : قوله تعالٰی : وَلَا تُضَارُّوْهُنَّ فی آخره دلیل قول الفقیه لانا قد علمنا من عادة زماننا مضارة قطعیة فی الاغتراب بها اه (ص ۵۹۰ و ۵۹۱ - ج ۲)

وفی الدر فی باب النفقۃ : بخلاف ما اذا خرجت من بیت الغصب او ابت الذھاب الیہ او السفر معہ او مع اجنبی بعثہ لینقلھا فلھا النفقۃ الخ

قال الشامی : قولہ : او السفر معہ ای بناءً علی المفتٰی بہ من انہ لیس لہ السفر بھا لفساد الزمان فامتناعھا بحق قولہ او مع اجنبی الخ ھذا مفھوم بالاولٰی لانھا اذا استحقت النفقۃ عند امتناعھا عن السفر معہ فمع الاجنبی بالاولی الخ واللہ اعلم

(ص ۱۰۶۵ ج ۲)

۲۶ صفر ۱۳۸۱ھ

ناشزہ مطلقہ کے نان ونفقہ کا شوہر کے ذمہ واجب نہ ہونا

سوال : بکر نے اپنی زوجہ ہندہ کو اپنے گھر سے اپنی خوشی سے اپنے حقیقی بھائی بڑے زید کے گھر بھیجا۔ جب بکر لینے گیا تو ھندہ نے بکر کے ساتھ چلنے سے انکار کیا اور ہندہ خلاف مرضی بکر اپنے شوہر کے، زید کے ساتھ جو ھندہ کا نامحرم ہے اور پردہ ضروری ہے رہنا چاہتی ہے بکر نے حسبِ حکم شرعی ہندہ کو بذریعہ نوٹس اطلاع دیدی کہ زید تیرا نامحرم ہے، پردہ کیا جائے اور ھندہ کا زید کے ساتھ رہنا ناجائز ہے اور جب تک ھندہ زید کے گھر رہیگی خلاف مرضئ شوہر ہے اور شرعًا ناجائز ہے، نان ونفقہ نہیں دیا جائیگا اس نوٹس بکر کی ہندہ نے کچھ پرواہ نہ کی اور نہ حکم شرع کی تعمیل میں پردہ کیا بدستور زید کے ساتھ ہندہ رہتی ہے اور نہ زید اس کو رکھا ہوا ہے لانے نہیں دیتا۔ بکر سے جھگڑا کرنے کو تیار ہے جبکہ شرعًا زید کو ھندہ کے رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے اور جس کی اطلاع زید کو دی گئی ہے مگر زید حکم شرع کی کچھ پرواہ نہیں کرتا یہ گمان غالب ہے کہ زید اور ھندہ کا ناجائز تعلق ہوگیا ہے اسی وجہ سے ھندہ خلاف مرضی شوہر وخلاف حکم شرع نامحرم کے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو ایسی صورت میں اگر بکر ھندہ کو طلاق دیدے تو ایام ِعدت طلاق کا نان ونفقہ دینا ہوگا یا نہیں؟ سید محمد عابد حسین۔ از آگرہ

الجواب

نفقہ واجب نہ ہوگا البتہ اگر وہ طلاق کے بعد شوہر کے گھر میں چلی آئے تو پھر عدت کا بھی واجب ہوگا۔

قال فی الدر : بخلاف حرّۃ نشزت فطلقت فعادت۔

وفی ردالمحتار: ای ان المرأة اذا نشزت فطلقها زوجها فلها النفقة والسکنیٰ اذا عادت الی بیت زوجها (الی ان قال) ونکاح الحرة حال الطلاق سبب لوجوب النفقة الا انها فوتت بالنشوز فاذا عادت وجبت اھ (ص ۱۰۹۰ ج ۲) واللہ اعلم

۱۸ رجادی الاولی ۱۳۸۶ھ

زوجہ اور والدین میں نا اتفاقی کی صورت میں اگر زوجہ علیحدہ گھر کا مطالبہ کرے

سوال: والدین اور زوجہ کے درمیان نا اتفاقی کی صورت میں کیا شوہر اس امر کا مجاز رکھتا ہے کہ والدین سے علیحدگی اختیار کرے؟

الجواب

قال فی الدر، وفی البحر، عن الخانیة: یشترط ان لایکون احد من احماء الزوج یؤذیھا اھ ۔ قال الشامی وذکر الخصاف ان لھا ان تقول لا اسکن مع والدیك واقربائك فی الدار فافرد لی دارًا۔ قال صاحب الملتقط ھٰذہ الروایة محمولة علی الموسرة الشریفة وماذکرنا قبله ان افراد بیت فی الدار کافٍ انما ھو فی المرأة الوسط اعتبارًا فی السکنیٰ بالمعروف اھ (ص ۱۰۹۲ ج ۲)

اگر زوجہ غنیہ اور شریفہ ہے اور وہ والدین زوج کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی ان سے الگ رہنا چاہتی ہے تو شوہر کے ذمہ واجب ہے کہ اس کو الگ مکان میں رکھے اور اگر زوجہ متوسط الحال ہے تو شوہر پر اس کو جدا گھر میں رکھنا واجب نہیں۔ لیکن اگر وہ اپنی راحت کے لئے جدا رہنا چاہے تو جائز ہے بلکہ اگر ساتھ رہنے میں والدین کے حقوق تعظیم وغیرہ ضائع ہونیکا اندیشہ ہو یا نزاعات کی وجہ سے قطع رحم کا خوف ہو تو الگ ہو جانا ضروری ہے

واللہ اعلم

۸ رشعبان ۱۳۸۶ھ

حکم نفقہ زوجۂ ناشزہ اور کن امور میں زوج کی اطاعت زوجہ پر واجب ہے،

سوال: کوئی امر خواہ بروئے شریعت ہو یا خلاف شریعت وہ قول علماء ہو، جو کچھ شوہر بیوی کو حکم کرے وہ حکم بیوی کو ضرور اس پر حق بجانب عمل کرنا چاہئے ورنہ اس کی حکم عدولی پر شوہر کو حق ہے کہ وہ اس عورت کا نان و نفقہ ضرور بند کر دے۔

اس لئے بہ امید طلب جواب شافی درین امور مرقومۂ بالا مستدعی خدمت عالی

ہوں کہ تردیدِ فتویٰ اس کے معہ قلمی دستخط ومعہ حوالہ آیتِ قرآنی وحدیثِ صحیح وقولِ علماء سے ضرور پتہ مرحمت فرماکر احقر کو مشکور فرمائیں گے۔

الجواب

عورت کو شوہر کی اطاعت انہی امور میں واجب ہے جو شرعاً مباح ہوں اور اگر وہ نافرمانی کرے تو صرف نافرمانی اور عدول حکمی سے شوہر کو نان ونفقہ بند کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ جب وہ بلا اجازتِ شوہر کے اس کے گھر سے چلی جائے جب ناشزہ ہوگی۔

قال العلامة عبدالحی فی فتاواہ ناقلاً عن شرعة الاسلام وعلیہا ان تطیعہا فی الامور الشرعیة ولو امر ان تنقل الحجر من جبل وان لا تخرج من بیتہ الا باذنہ اھ (ص ۲۳ ج ۲ مع الخلاصة

قلت: ولکن لو خرجت الی ابویہا او الی محارمہا فی المدة التی لہا الخروج فیہا وقد ذکرناہا فی الجواب الثانی فلا تکون ناشزة فی الاثم نعم لا تکون لہا نفقة حینئذٍ واللہ اعلم

یکم رجب ۱۳۴۰ھ

سال بھر میں زوجہ کے والدین اور عزیز واقارب سے ملنے کی مدت اور اس عرصہ کے نفقہ کا حکم

سوال: اور یہ بھی تحریر فرمائیں گے کہ شوہر کی نارضامندی پر عورت اپنے خویش واقارب خصوصاً اپنی خالہ کے یہاں اور اپنے حقیقی بھائی کے یہاں جاسکتی ہے یا وہ لوگ مرقوم بالا اس کے یہاں آمد ورفت کرسکتے ہیں یا نہیں ویا خط وکتابت کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر وہ لوگ طرفین میں سے یہ تعلقات بروئے شریعت رکھ سکتے ہیں تو آمد ورفت کتنے کتنے عرصہ پر کرسکتے ہیں۔ سال بھر میں ایک بار یا دوبار یا مہینہ میں ایک بار یا ہر ہفتہ میں۔ امید کہ شافی جواب سے مطلع فرمائیں گے۔

فقیر حاجی محمد عبداللطیف القادری عفاعنہ

از کلکتہ۔ از ضمیمہ ۵۴

الجواب

والدین سے ایک شہر میں ہفتہ میں ایک بار اور شہر سے باہر ہر مہینہ میں ایک بار عورت کو ملنے کا حق ہے اگر والدین نہ آسکتیں تو وہ خود جاسکتی ہے اور وہ آسکیں تو ہر ہفتہ خود وہیں آکر

مل جائیں ہاں سال میں دو چار دفعہ جس طرح عرف و دستور ہے خود بھی جاسکتی ہے اور محارم غیر والدین سے شہر کے اندر اور شہر سے باہر سال بھر میں ایک بار ملنے کا عورت کو حق ہے اور محارم کو خط و کتابت کا بھی حق ہے اور وہ عورت عہ کے پاس خود بھی آسکتے ہیں اور شوہر کو یہ حق البتہ ہے کہ ان کو اپنے گھر کے اندر رہنے سے روک دے پس وہ اگر اس سے مل لیں اور بات چیت کرلیں اور کچھ دیر بات کر کے واپس چلے جائیں اگر رات کو بھی رہنا چاہیں تو زوج سے اجازت لینے کی ضرورت ہے۔

قال فی الدر: ولا یمنعها من الخروج الی الوالدین فی کل جمعة ان لم یقدرا علی اتیانها علی ما اختاره فی الاختیار ولو کان ابوها زمناً فاحتاجها فعلیها تعاهده ولو کافراً وان ابی الزوج اهـ

قال الشامی: وهل لها النفقة الظاهر لا وان کانت خارجة من بیته بحق کما لو خرجت لفرض الحج اهـ (ص ۱۹۹۴ ج ۲)

وقال الشامی: فقوله المختار مقابلة القول بالشهر فی دخول المحارم کما افاده فی الدر والفتح الی ان قال بعد کلام طویل عن البحر أن الصحیح المفتیٰ به من أنها تخرج للوالدین فی کل جمعة باذنه وبدونه وللمحارم فی کل سنه مرّة باذنه وبدونه اهـ - وقال قیل ذلك وقد اختار بعض المشائخ منعها من الخروج الیهما واشار الی نقله فی شرح المختار والحق الاخذ بقول ابی یوسف إذا کان الابوان بالصفة التی ذکرت (ای لا یقدران علی اتیانها) ولا ینبغی ان یأذن لهما فی زیارتها فی الحین بعد الحین علی قدر متعارف اما فی کل جمعة فهو بعید اهـ (ص ۱۰۹۳ ج ۲) وجمعت بین روایتی الشهر والجمعة بکونهما فی بلد الزوج او خارجه ولعلّه جمع حسن۔

لیکن اگر عورت بلا اذنِ زوج کے جائے گی تو ظاہر یہ ہے کہ نفقہ کی مستحق

عہ قال فی الدر ولا یمنعهما من الدخول علیها فی کل جمعة وفی غیرهما من المحارم فی کل سنة۔ (قلت: صححه الشامی خلافاً لمن قال له المنع من الدخول) لها الخروج ولهم الدخول، زیلعی ویمنعهم من الکینونة وفی نسخة من النبویة ولفظ مسکین من القرار۔

نہ ہوگی اگرچہ وہ حق جانے کا رکھتی ہے۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون ۲۹ رجمادی الثانی سنہ

ایسی دو بیویوں کے نفقہ کا حکم جن میں ایک کی اولاد زیادہ ہو

سوال : فیض گنج، فیض رساں حضرت مولانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ احقر کی دو زوجہ ہیں ایک زوجہ سے ایک لڑکی ہوئی اور دوسری زوجہ سے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ پانچوں لڑکوں میں بڑا لڑکا تقریباً ۱۴ سال ہے اور سب اس سے چھوٹے ہیں۔ میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ میری جو کمائی ہے اس میں سے دونوں زوجہ کو کس طرح سے دوں اور دونوں زوجہ علیحدہ علیحدہ مکان میں رہتی ہیں اور جو لڑکے لڑکیاں ہیں ان کے رشتہ وشادی وغیرہ کا جو خرچ ہوئے دونوں گھروں میں سے کیا جائے یا کہ جن بیوی کی اولاد ہو اس گھر سے خرچ کیا جائے اور زمینداروں میں عام رواج ہے کہ کپاس وغیرہ کھیتوں میں سے چن کر لاتی ہیں دونوں زوجہ اپنی چنی ہوئی علیحدہ علیحدہ رکھیں یا کہ کس طرح تقسیم کیا جائے۔ تحریر فرمائیں۔ فقط والسلام

مرسلہ احقر میاں چتن الدین از مقام مونہ ڈیبودر
جھلا چوہدری محمد حیات خان صاحب ضلع گجرات

الجواب

جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور دونوں صاحب کی اولاد ہوں ان کو زوجین میں مساوات اس طرح کرنا چاہیئے کہ ہر زوجہ کا نفقہ الگ مقرر کرے اور اس میں دونوں بیویوں کو برابر رکھے اور اولاد کا نفقہ علیحدہ مقرر کرے اور دونوں کی اولاد کو فرداً فرداً حاجت کے لحاظ سے برابر رکھے یعنی ایک کی ضروریات دس روپے میں مہیا ہو سکتی ہوں اس کے دس روپیہ اور ایک کی ضروریات پانچ روپیہ میں مہیا ہوں اس کے پانچ روپیہ مہیا کرے گو مجموعہ ایک کی طرف زیادہ ہو مثلاً ہر بیوی کا ماہوار پندرہ روپیہ مقرر کر دے اور ہر لڑکے لڑکی کا دس روپیہ ماہوار۔ اس

عـہ اور اگر عورت شوہر کی اجازت سے جائے چاہے کہیں جائے تو ظاہر یہ ہے کہ عورت مستحقِ نفقہ ہے مگر یہ کہ شوہر شرط کرے کہ میں نفقہ نہ دوں گا۔ قال فی العالمگیریۃ : الکبیرۃ اذا طلبت النفقۃ وھی لم تزف الی بیت الزوج فلھا اذا لم یطالبھا الزوج بالنقلۃ فان کان الزوج طالبھا بالنقلۃ فان لم تمتنع عن الانتقال۔

صورت میں زیادہ اولاد والی کی طرف جو زیادہ رقم جائے گی وہ بیوی کا کے نفقہ میں زیادتی نہیں بلکہ یہ زیادتی اولاد کی وجہ سے ہے اس پر دوسری بیوی اگر اعتراض کرے تو لغو ہے اور متفرق اخراجات شادی وغیرہ کے اس ضابطہ سے علیحدہ ہیں جن میں یہ شخص مختار ہے۔ اس جواب سے سائل کے سب سوالات کا جواب نکل آیا۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون۔ خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ

۳ ؍ رجب ۴۶ھ

فصل فی نفقۃ الأولاد والآباء والاُمھات

دوسرے شوہر پر بیوی کی پہلی اولاد کا نفقہ شرعاً واجب نہیں۔

(**سوال**) ہندہ کہتی ہے کہ زوجہ کی اولاد جو دوسرے خاوند رافضی ہے وہ شوہر حال اہل سنت کی اولاد ہے اور شوہر اہل سنت کو مثل اولادِ خود زوجہ کی خدمت واجب ہے۔

الجواب:۔ دوسرے شوہر پر بیوی کی پہلی اولاد کی خدمت شرعاً واجب نہیں واللہ اعلم

۲۷ر ربیع الثانی

باپ اگر حاجتمند ہو تو اس کا نفقہ غنی اولاد کے ذمہ واجب ہے

(**سوال**) شوہر کے باپ بھائی اہل سنت جو زوجہ کی اولاد دختری بالغہ منکوحہ والدہ مستطیعہ سے ہر طرح زیادہ حاجت مند ہیں غیر مستحق بتلاتی ہے۔

الجواب:۔ جب ماں باپ حاجت مند ہوں تو اس کا نفقہ غنی اولاد کے ذمہ واجب ہے۔

واللہ اعلم

۲۷ر ربیع الثانی

رسالہ "خیر الارشاد فی العدل بین الاولاد" یعنی اولاد میں برابری اور مساوات کی تحقیق

(**سوال**) (۱) اولاد کے ساتھ برابری کرنا کس کس امر میں اور کس حد تک شرعاً ضروری ہے اور کس درجہ کی ضروری ہے؟ اگر نابالغ اور بالغ لڑکی اور لڑکے کے حکم میں فرق ہو تو اسکو بھی ظاہر فرما دیا جائے۔ اور آیا یہ برابری ماں کے ذمہ بھی، یا صرف باپ کے ذمہ ہے؟ اور صرف اولاد کے حق میں ہے یا دیگر وارثان شرعی کے حق میں بھی ہے؟

(۲) تبرعات اور نفقات میں برابری کے احکام جدا جدا تحریر فرمائے جائیں۔

(۳) اس قسم کی برابری بوجہ اولاد کے مختلف الحال ہونے کے بظاہر بہت دشوار ہے، مثلاً ایک کی کم عمر ہے ایک کی زیادہ عمر ہے ایک اپنے پاس ہے ایک دور ہے ایک غنی ہے ایک محتاج ہے ایک کی ضروریات زیادہ ہیں، مثلاً کالج میں پڑھتا ہے ایک کی کم ہیں، مثلاً مکتب میں پڑھتا ہے ایک کی شادی میں کم خرچ ہوتا ہے، ایک کی شادی میں زیادہ، ایک لڑکی ہے جس کو جہیز اور

زیور کی ضرورت پڑتی ہے ایک لڑکا ہے جسکی شادی میں ان اخراجات کی ضرورت نہیں، ایک کی شادی آج ہے ایک کی دس برس یا کم وبیش مدت کے بعد ہے غرض حاجات اور حالات اسقدر متخالف ہوتے ہیں کہ عطا میں برابری کرنا نہایت دشواری ہے، اگر واجب ہو تو اسکی سہل صورت تجویز فرمائی جائے، اگر ایک بچہ کو اسکی ضد پر ایک پیسہ یا چیز دی تو کیا سب بچوں کو خواہ حاضر ہوں یا غائب ایک ایک پیسہ تقسیم کیا جائے؟

(۴) نانی نانا یا دادی، دادا وغیرہ کے ذمہ تو اس قسم کی برابری ضروری نہیں؟

(۵) اوپر تو صرف چند جزئیات کا حوالہ ہے، دیگر صدہا جزئیات اس معاملہ میں ہو سکتی ہیں علاوہ جواب کلی کے جہاں تک ممکن ہو سکے جزئیات کے متعلق بھی احکام تحریر فرمائے جائیں تاکہ عمل کے وقت دشواری یا خلط نہ ہو چونکہ اس معاملہ میں عام طور پر غفلت ہے اسلئے مفصل اور اگر ضرورت ہو تو مدلل احکام قلمبند فرما دینے کی بظاہر ضرورت معلوم ہوتی ہے تاکہ ہر عاملین کو اس طرف توجہ ہو اور عاملین کو ادائے حقوق میں سہولت ہو۔ بینوا توجروا۔

السائل: خواجہ عزیز الحسن صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر
مدارس اسلامیہ لکھنؤ فرنگی محل۔

الجواب:۔ قال فی الدر، عن الخانیۃ: ولا بأس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبۃ لانہا عمل القلب وکذا فی العطایا ان لم یقصد بہ الاضرار وان قصدہ یسوی بینہم یعطی البنت کالابن عند الثانی وعلیہ الفتوی ولو وہب فی صحتہ کل المال للولد جاز واثم اھ (ص ۷۸۵ ج ۴)

وفی البدائع: وینبغی للرجل ان یعدل بین اولادہ فی النحلی بقولہ سبحانہ وتعالی: اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ، ولما روی ان بشیرًا ابا النعمان اتی بالنعمان الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث وھذا اشارۃ الی العدل بین الاولاد فی النحلۃ وھو التسویۃ بینہم ولان فی التسویۃ تالیف القلوب والتفضیل یورث الوحشۃ بینہم فکانت التسویۃ اولی ولو نحل بعضاً وحرم بعضاً جاز من طریق الحکم لانہ تصرف فی خالص ملکہ لا حق لاحد فیہ الا انہ لا یکون عدلاً سواء کان المحروم فقیہاً تقیاً او جاھلاً فاسقاً علی قول المتقدمین من مشائخنا واما علی قول المتاخرین

منهم لا بأس ان یعطی المتأدبین والمتفقهین دون الفسقه الفجره اھ (ص١٢٧ ج ٦)

وفی البحر: یکره تفضیل بعض الاولاد علی البعض فی الهبة حالة الصحة الا لزیادة فضل له فی الدین وان وهب ماله کله لواحد جاز قضاءً وهو آثم کذا فی المحیط، وفی الخلاصة: المختار التسویة بین الذکر والأنثیٰ فی الهبة ولو کان ولده فاسقاً فاراد ان یصرف ماله الیٰ وجوه الخیر ویحرمه عن المیراث هذا خیر من ترکه لان فیه اعانة علی المعصیة ولو کان ولده فاسقاً لا یعطی له اکثر من قوت یومه ولو اتخذ لولده ثیاباً ثم اراد ان یدفع الیٰ آخر لیس له ذالك الا ان یبین وقت الاتخاذ انه عاریة اھ وقال محشیه: قال الرملی: وفی الحاوی الزاهدی دفع لولده الصغیر قرضاً فاکل نصفه ثم اخذه منه ودفعه لآخر یضمنه اذا کان دفعه لولده علی وجه التملیك واذا دفعه علی وجه الاباحة لا یضمن قال عرف به ان مجرد الدفع من الاب الی الصغیر لا یکون تملیکاً وانه حسن اھ (ص ٢٨٨ - ج ٧)

وفی الخلاصة: رجل له ابن وبنت اراد ان یهب لهما شیئاً فالافضل ان یجعل للذکر مثل حظ الانثیین عند محمد وعند ابی یوسف بینهما سواء هو المختار لورود الآثار ولو اعطیٰ بعض ولده شیئاً دون البعض لزیادة رُشده لا بأس به وان کانا سواء لا ینبغی ان یفضل اھ (ص ٤٠٠ ج ٤ کتاب الهبة)

قلت: ویلحق بالرشد فقره ایضاً کما لا یخفیٰ۔

وقال العینی فی شرح البخاری: وقال المهلب: وفی الحدیث دلالة علی انه لا تلزم المعدلة فیما یهبه غیر الاب لولد غیره اھ (ص ١٤٧ - ج - ٦)

وفیه ایضاً: احتج به ای بحدیث النعمان بن بشیر من اوجب التسویة فی عطیة الاولاد وبه صرح البخاری وهو قول طاؤس والثوری واحمد واسحاق وقال به بعض المالکیة ثم المشهور عند هؤلاء انها باطلة وعن احمد یصح ویجب علیه ان یرجع وعنه یجوز التفاضل ان کان له سبب کاحتیاج الولد لزمانته او دینه اونحو ذالك وقال ابو یوسف: تجب التسویة ان قصد بالتفضیل الاضرار وذهب الجمهور الیٰ ان التسویة مستحبة

فان فضل بعضاً صح وکرہ وحملوا الامر علی الندب والنہی علی التنزیۃ واجاب عن حدیث النعمان من حمل الامر بالتسویۃ علی الندب بوجوہ نذکرہا بالتفصیل الیٰ ان قال الخامس ان عمل الخلیفتین ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی عدم التسویۃ قرینۃ ظاہرۃ فی ان الامر للندب اما اثر ابی بکر فاخرجہ الطحاوی (بسند صحیح) عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ و ان ابا بکر الصدیق نحلہا جاد عشرین وسقاً من مالہ بالغابۃ فلما حضرتہ الوفاۃ قال: واللہ یا بنیۃ ما من احد من الناس احب الیٰ غنیٰ بعدی منکِ ولا اعز علی فقرا بعدی منک وانی کنت نحلتک جاد عشرین وسقاً فلو کنت جددتہ واحرزتہ کان لک وانما ہو الیوم مال الوارث الحدیث قال الشافعی وفضل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عاصماً بشیٔ وفضل ابن عوف ولد ام کلثوم اما اثر عمر فذکرہ الطحاوی ایضاً کما ذکرہ البیہقی عن الشافعی واخرج عبد اللہ بن وہب فی مسندہ قال بلغنی عن عمرو بن دینار ان عبد الرحمٰن بن عوف نحل ابنتہ من ام کلثوم بنت عقبۃ اربعۃ الآف درہم ولہ ولد من غیرہا اھ (ص ۲۷۵، ۲۷۶ ج ۶)

ان نصوص سے امور ذیل مستفاد ہوئے

(۱) تسویہ بین الاولاد عطایا اور ہبات میں ہے نفقات میں نہیں کیونکہ احادیث و اقوال فقہاء لفظ عطیہ وہبہ سے مقید ہیں نفقات میں کسی نے وجوب یا استحباب عدل کی تصریح نہیں کی وقیود الفقہ احترازیۃ، تسویۃ فی النفقۃ زوجات میں واجب ہے اولاد کے متعلق اسکی کوئی تصریح نہیں ملی باوجود تتبع کثیر کے۔

(۲) تسویہ بین الاولاد عطایا میں بھی حنفیہ وجمہور آئمہ کے نزدیک واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور ترک تسویۃ مکروہ تنزیہی ھے اور اگر قصد اضرار ہو تو مکروہ تحریمی ھے وعلیہ یحمل قول المحیط اثم فیجتمع مع قول العینی وحملوا النہی علی التنزیہ۔

(۳) اگر ایک لڑکے یا لڑکی کو کسی خاص وجہ سے ہبہ کیا جائے یا زائد دیا جائے اور دوسروں کو نہ کیا جائے اور اضرار آخرین کا قصد نہ ہو تو جائز ھے۔

(۴) اگر ایک لڑکے یا لڑکی کو اسکی دینداری یا طلب علم دین وغیرہ کی وجہ سے زیادہ

دیا جائے تو مضائقہ نہیں اسی طرح ایک کو بوجہ فقر کے زیادہ دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔
(۵) فاسق اولاد کو صالح کے برابر دینا لازم نہیں بلکہ فاسق کو قوت سے زیادہ نہ دیا جائے

اب سوالات کے جوابات معروض ہیں

(۱) اولاد کے ساتھ برابری کرنا ان عطایا وھبات میں مستحب ہے جو ان کی ملک کر دی جائیں باقی نفقہ یعنی ماکول ومشرب وملبوس میں بقدر حاجت متفق علیہ جو کہ مقدار واجب نفقہ کی ھے تسویہ واجب ومستحب نہیں اگرچہ تملیکاً ہو اور قدر واجب قدر کفایت ھے یعنی مایتضرر بالنقص منہ اور قدر واجب سے زائد نفقہ میں بھی اگر وہ بطور ھبہ کے نہ ہو بلکہ بطریق اباحت و عاریت کے ہو تسویہ نہ لازم ھے نہ مستحب بلکہ باپ کو اختیار ھے کہ جسکو جیسا چاھے کھلائے اور جیسا چاھے پہنائے البتہ اگر بطور ھبہ کے قدر واجب سے زائد نفقہ دیا جائے تو رعایت تسویہ مستحب ہے اور قدر واجب سے زائد نفقہ کی اباحت وعاریت میں بھی اگر تفضیل سے اولاد میں وحشت وکراھت کا اندیشہ ہو تو اس میں بھی تسویہ مستحب ہوگا،، لان علۃ التسویۃ فی العطایا ھی الاحتراز عن الوحشۃ بینھم والحکم یدور مع علتہ،،
اور یہ تسویہ ماں باپ دونوں کے حق میں ہے دیگر وارثان شرعی کے حق میں نہیں۔ دوسروں کو بلا کراھت جائز ہے کہ ایک شخص کے ایک لڑکے کو دیں یا زائد دیں اور دوسروں کو نہ دیں۔
(۲) اس کا جواب نمبر ایک کے جواب سے معلوم ہوگیا۔
(۳) اس سوال میں نفقات وتبرعات کو خلط کیا گیا ہے سو اوپر گذر چکا کہ نفقات میں تسویہ ضروری نہیں نہ وجوباً نہ استحباباً پس اگر ایک لڑکا کم عمر ہے دوسرا بڑا ھے تو ان دونوں میں نفقہ واجبہ کے اندر کمی وزیادتی بلا کراھت جائز ہے اسیطرح ایک اپنے پاس ھے ایک دور ھے ان میں بھی نفقہ واجبہ کے اندر کمی زیادتی جائز ھے کیونکہ نفقہ واجبہ ہر بیٹے کی قدر کفایت سے مقدر ھے اور اس صورت میں قدر کفایت ہر ایک کی جدا ھے پس رعایت تسویہ ضروری نہیں نہ مستحب۔ رہا یہ کہ ایک غنی ھے، ایک محتاج ھے تو نفقہ واجبہ میں تو تسویہ ضروری نہیں جبکہ نفقہ واجبہ ہر ایک کا متفاوت ہوتا ہو اگر نفقہ واجبہ متفاوت نہ ہو تو جب بھی محتاج کو نفقہ واجبہ سے زائد دینا جائز ہے جبکہ مقصود اسکو نفع پہونچانا ھے اور دوسرے کا اضرار مقصود نہیں۔ اور اگر ایک کالج میں پڑھتا ہے اور ایک مکتب میں تو اگر ان دونوں کا نفقہ واجبہ بھی متفاوت ہو تو اس میں کمی زیادتی کا مضائقہ نہیں اور اگر نفقہ واجبہ متفاوت نہ ہو تو محض کالج میں پڑھنا

زیادت استحقاق کا سبب نہیں کیونکہ یہ طلب دین یا رشد و احتیاج سے خارج ہے اس صورت میں مستحب ہے کہ دونوں کو نفقۂ واجبہ سے زائد میں برابر رکھا جائے جسکی سہل صورت یہ ہے کہ جتنی رقم کالج والے کو زائد دی جاتی ہے اسی کے برابر دوسرے کیلئے بعد تملیک کے رقم جمع کر دی جائے یا اسکو محفوظ رکھکر آئندہ برابری کا قصد رکھا جائے اور شادی میں جو خرچ ہوتا ہے وہ محض تبرع و ھبہ ہے اسمیں اولیٰ یہ ہے کہ اسکی رعایت رکھی جائے کہ ایک لڑکے کی شادی میں جتنا خرچ ہوا اتنا ہی دوسرے لڑکے کی شادی میں کیا جائے اور جتنا ایک لڑکی کو جہیز دیا جائے اُتنا ہی دوسری کو دیا جائے یعنی ذکور کو ذکور کے برابر اور اناث کو اناث کے برابر رکھا جائے اور یہ رعایت اس خرچ میں مستحب ھے جو والد اپنے اختیار سے کرتا ہے اضطراری میں نہیں، مثلاً ایک کی شادی قریب جگہ ہوئی۔ دوسرے کی دور جگہ ہوئی جسکی وجہ سے کرایہ آمد و رفت میں تفاوت ہو گیا باقی اس کا مضائقہ نہیں کہ لڑکی کی شادی میں بوجہ جہیز دینے کے لڑکے کی شادی سے زیادہ خرچ ہو جائے کیونکہ یہ تفاوت بھی مثل اضطراری کے ھے لڑکیوں کو بوجہ اُنکی احتیاج کے کہ وہ کسب سے عاجز ہیں جہیز دیا جاتا ہے اور لڑکوں کو اسکی ضرورت نہیں ہوتی اور عموماً لڑکوں کو اس سے اعتراض بھی نہیں پیدا ہوتا البتہ اگر کسی جگہ لڑکوں کو اسپر اعتراض ہوتا ہو، وہاں مستحب ھے کہ ذکور و اناث کی شادی میں بھی تسویہ کیا جائے، بہر حال مدار تسویہ خوف وحشت و عدم خوف پر ہے اگر کہیں زیادت سے باھم وحشت کا خطرہ ہو وہاں تسویہ مستحب ہے ورنہ زیادت بلا کراہت تنزیھیہ جائز ہے جبکہ قصد اضرار نہ ہو اور ایک کو کسی خاص وجہ سے جو شرعاً وجہ معتبر ہو مثلاً رشد و علم و تقویٰ و احتیاج وغیرہ ہو، زیادہ دیا جائے پس اگر ایک بچہ کو اسکی ضد پر پیسہ دیا جائے تو دوسرے چھوٹے بچوں کو بھی دیا جائے جو حاضر ہوں باقی بڑوں کو دینا یا صغار غائبین کو دینا ضروری نہیں کیونکہ ان کو نہ دینے سے توحش وغیرہ کا خطرہ نہیں۔

(۴) نانا، نانی، یا دادا، دادی کے ذمہ باپ کی موجودگی میں یہ تسویہ ضروری نہیں اور باپ کی عدم موجودگی میں جسکی پرورش میں یہ لڑکے ہوں وہ بمنزلہ باپ کے ھے اُسکو تسویہ مستحب ہے بالتفصیل الذی قدمر اور جس کی پرورش میں نہ ہوں ان پر تسویہ لازم نہیں، وھذا بالقیاس ولم ارہ صریحاً لان العائل کالاب فی کثیر من

الاحکام، البتہ اگر نانا، نانی، یا دادا، دادی ایک لڑکی یا لڑکے کی اولاد کو زائد دیں دوسرے کی اولاد کو کم یا دوسرے کی اولاد کو بالکل نہ دیں اور اس تفضیل سے باہم خود نانا، نانی، یا دادا، دادی کی اولاد میں توحش و نفرت پیدا ہونیکا اندیشہ ہو تو قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ رعایت تسویہ ان پر بھی لازم ہے یعنی استحباباً اسلئے کہ عرفاً نواسوں اور پوتوں کو دینا اپنی بیٹی یا بیٹے کو دینا شمار ہوتا ہے فرجع الی تفضیل بعض ولدہ علی الآخر۔

(۵) چونکہ یہ تسویہ حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے جبکہ قصدِ اضرار نہ ہو اسلئے جتنی سہولت سے رعایت ہو سکے کی جائے اور زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ

۱۷ ربیع الثانی ۴۵ھ

فصل فی نفقۃ ذوی الارحام

بہن کا نفقہ اور اس کے مصارفِ نکاح بھائی کے ذمہ ہیں یا نہیں

(سوال) ہندہ کا شوہر تقریباً پچاس روپیہ ماہوار پیدا کرتا ہے اور سوائے اسکی زوجہ اور زوجہ کی اولاد کے باپ بھائی حاجتمندوں کو کچھ نہیں دیتا۔ اب شوہرِ ہندہ نے اپنی بہن کی شادی اپنے باپ اور اپنی رائے سے بلاشرکتِ دیگر برادران مفلوک کر دی ہے۔ اب وہ اس شادی کا صرفہ باپ بھائی سے لینا چاہتا ہے تو کیا باپ بھائی اسکے ذمہ دار ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر اس نے یہ کہکر خرچ کیا تھا کہ میں باپ اور بھائیوں سے یہ رقم وصول کر لونگا اور انہوں نے بھی اسکو قبول کر لیا تھا تب تو ان سے لینے کا حقدار ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ واللہ اعلم

چچا کے ذمہ بھتیجے کے نفقہ کا حکم

(سوال) زید کی بیوی کا نواسہ جو اس کے ماں باپ رافضی سے ہے اور جسکو بعد پرورش ہونے کے وہ ماں باپ اپنے پاس رکھیں گے

اور زید کے برادر زادہ حقیقی ہے تو زید کی بیوی اپنے نواسہ کو متبنّٰی بنلاکر اپنے شوہر کی آمدنی سے اس کی تعلیم دلاتی ہے اور اگر اہل سنت زید کا بھائی چاہے کہ میرے بچہ کو بھی تعلیم دی جائے تو زوجۂ زید حارج و مانع ہے تو کیا ایسی صورت میں زید کی زوجہ کا نواسہ، زید کی آمدنی سے تعلیم پانیکا مستحق ہے؟ یا برادر زادہ زید مستحق ہے؟ یا دونوں نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: ظہور الحق لُسپیری ڈاکخانہ تترون ضلع سہارنپور

الجواب:- زید کے ذمہ اسکی بیوی کے نواسہ کا کوئی حق نہیں اور اگر برادر زادہ کا باپ زندہ ہے تو اس کا بھی کچھ حق نہیں اور اگر اس کا باپ زندہ نہیں اور اس کی خبر لینے والا زید کے سوا کوئی نہیں تو زید کے ذمہ اپنے برادرزادہ کی خبر گیری لازم ہوگی واللہ علم

۲۷ ربیع الثانی

یتیم کے مال سے اس کے معلم کو تنخواہ اور ضیافت کرنا جائز ہے یا نہیں۔

(سوال) عرض یہ ہے کہ مسئلہ ذیل کے حکم سے واقف فرماکر مسرور فرماویں وہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں محلہ کے سب لوگ ملکر بچوں کی تعلیم کیلئے معلم رکھتے ہیں اس میں یتامٰی بھی شامل رہتے ہیں۔ اس میں دریافت یہ ہے کہ جو یتیم کا مال علیحدہ ہے اُس سے اس کے وارث بالغ چچا یا بھائی کیلئے اس یتیم کے مال سے معلم کی تنخواہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو یتیم اپنے بھائی یا چچا کے ساتھ مخلوط ہیں وہ بھائی یا چچا کیلئے یتیم کے مال مخلوط سے معلم کی تنخواہ اور خورد و نوش دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- قال فی الدر: لہ ان ینفق فی تعلیم القرآن و الأدب ان تأھل لذالک و الا فلینفق علیہ بقدر ما یتعلم القراءۃ الواجبۃ فی الصلوٰۃ مجتبٰی اھ

قال الشامی: و فی الخلاصۃ وغیرھا: ان کان صالحاً لذالک جاز و صار لوحی ماجوراً و الا فعلیہ ان یتکلف فی تعلیم قدر ما یقرأ فی صلاتہ اھ فلم یقیدہ بالقراءۃ الواجبۃ تامل۔

و فی القنیۃ: و لا یضمن ما انفق فی المصاھرات بین الیتیم و الیتیمۃ وغیرھا فی خلع الخاطب او لخطیبۃ و فی الضیافات المعتادۃ و الھدایا

المعهودة، وفی الاعیاد ان کان له منه بد وفی اتخاذ ضیافة لختنه للاقارب والجیران مالم یسرف فیه وکذا المؤدبه ومن عنده من الصبیان وکذا العیدین وقال بعضهم: فی ضیافة المؤدب والعیدین اھ (ص ۱۰۷ ج ۵)

اگر یتیم لڑکا تعلیم قرآن وادب کے قابل ہو یعنی جو پڑھایا جاتا ہے اسکو پڑھ سکتا ہو یا پڑھ سکنے کی امید بظن غالب ہو تو اسکی تعلیم میں اس کے مال سے معلم کی تنخواہ دینا ولی کو جائز ہے اور معلم کو تنخواہ لینا بھی جائز ہے اور اگر اس میں تعلیم حاصل کرنیکی قابلیت نہ ہو تو صرف اتنی مقدار کی تعلیم دی جائے جس سے اسکو نماز پڑھنا آجائے اور اس مقدار میں اس کے مال سے ولی کو تنخواہ دینا جائز اور معلم کو لینا جائز ہے اسکے بعد جائز نہیں اور اس میں یتیم مختلط وغیر مختلط دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ واللہ اعلم

۲۹ ربیع الثانی ۴۵ھ

حکم نفقۂ ذوی الارحام

(سوال) میری ایک اخیافی بہن گیارہ بارہ برس کی ہے اسکے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ شادی ہو گئی ہے خاوند چھوٹا ہے اور لڑکی بھی بالغ نہیں ہوئی اور اس کے چار بھائی حقیقی ہیں بڑا بھائی میں ہوں اور حقیقی بھائی میں سے جو بڑا ہے اسکی شادی ابھی ہوئی ہے معمولی کاروبار کر کے بچوں کا گذارہ کرتا ہے۔ اور بہن اسکے ہمراہ رہتی ہے مگر بھابی سے جنگ وجدال ہوتی ہے اور بھابی مارتی رہتی ہے اور خدمت بھی زیادہ لیتی ہے اس لئے بہن پریشان غمگین رہا کرتی ہے اور احقر کو یاد کرتی رہتی ہے اور حقیقی بھائی میں سے دوسرا بھائی ڈابھیل فارسی وغیرہ پڑھتا ہے بیس برس کی عمر ہے اور اس سے چھوٹا ملازمت کرتا ہے اور فضول خرچی کرتا ہے ان صورتوں میں ہر ایک پر اس کا نان ونفقہ وغیرہا اور نگرانی وغیرہ ضروری اور فرض ہے یا کسی پر زیادہ ہے؟ اور میں آئندہ سال تعلیم وغیرہ کی غرض سے رہنا چاہتا ہوں اور اسیطرح دوسرا بھائی جو ڈابھیل پڑھتا ہے تعلیم کیلئے رہے تو بہن کا کوئی حق آنکی وجہ سے گناہگار تو نہ ہونگے؟ بینوا توجروا

عبدالرحمٰن اناوادطی غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی، رجب

الجواب:۔ والنفقة لکلّ ذی رحم محرم (الی قوله) ویجب ذالك علی قدر المیراث (هدایه ص۴۲۵ ج ۲)

مسئلہ لصـ ۲۴

ہندہ

م

اَخ لہما	اَخ لہما	اَخ لہما	اَخ لہما	اَخ لاُم
۵	۵	۵	۵	۱/۴

صورت مسئولہ میں اس بہن کے نان ونفقہ کے چھ سہام میں سے پانچ حصہ اسکے حقیقی بھائیوں کے ذمہ ہیں اور ایک حصہ اسکے اخیافی بھائی کے ذمہ ہے یعنی جو ان میں سے غنی ہو یا غنی نہ ہو لیکن کمانے والا ہو اگر کوئی حقیقی بھائی اس کا نان ونفقہ نہ دے تو پھر وہ کالعدم قرار پاکر باقی بھائیوں پر اسی نسبت سے نفقہ ہوگا اگر حقیقی بھائی سب کے سب نفقہ نہ دیں تو پھر اخیافی بھائی کے ذمہ کل نفقہ ہوگا جبکہ وہ غنی یا کمانے والا ہو اور سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بہن کو اس کا حقیقی بھائی ساتھ رکھتا ہے اور نان نفقہ دیتا ہے تو اگر وہ تنہا اسکے کل نفقہ کا خوشی سے متحمل ہے تو باقی بھائیوں پر وجوب نفقہ نہیں اور اگر وہ تنہا کل نفقہ دینے پر راضی نہ ہو تو بقیہ حقیقی بھائیوں پر چھ سہام میں سے پانچ سہام میں علی السواء اسکے نفقہ میں شرکت واجب ھے اور اخیافی بھائی پر چھٹے حصہ کی شرکت واجب ھے نیز سب بھائیوں پر اس بہن کو بھاوج کے عذاب سے بچانا واجب ہے اور اس میں حقیقی اور اخیافی بھائی سب برابر ہیں انکو چاھیئے کہ بڑے بھائی کو سمجھائیں کہ اپنی بیوی کو ان افعال سے روکے اور کوشش کے ساتھ اس کا انتظام کریں کہ اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو بہن کو کسی اور معتبر عورت کے پاس رکھیں اور سب بھائی حقیقی چھ سہام میں سے پانچ سہام میں شرکت کرکے علی السواء اس کا نفقہ بھیجتے رہیں اور اخیافی بھائی چھٹا حصہ نفقہ کا ادا کرے بشرطیکہ ان میں سے کوئی معسر معذور نہ ہو اور اس وقت غنی ہو نہ کمانے پر قدرت رکھتا ہو اور جب تک حقیقی بھائی نفقہ میں کوتاہی کریں اخیافی بھائی پر کل نفقہ کا وجوب نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

قال فی الحامدیہ: بعد التفصیل فی نفقات الاقارب، القسم السابع اذا کانوا حواشی فقط (ومرادنا بالحواشی من لیس اصلاً ولا فرعاً) یعتبر فیہ الارث ای اہلیتہ وحقیقتہ (اذ لا یتحقق الا بعد الموت) وعند الاستواء فی المحرمیۃ واھلیۃ الارث یترجح الوارث حقیقۃ ففی خال وابن عم علی الخال لانہ رحم محرم اھل للارث عند عدم ابن العم ولا شئ علی ابن العم وان کان المیراث کلہ لہ لانہ غیر محرم ولا تجب نفقۃ علی غیر محرم اصلاً اھ (ص۶۱ ج-۱)

قلت: وفی الصورۃ المسئولۃ الاخوۃ کلھم سواء فی المحرمیۃ

واهلیۃ الارث فالنفقۃ علی کلھم علی قدر میراثھم من الاخت کما قال فی الحامدیۃ فی العمۃ والخالۃ ان النفقۃ علیھما اثلاثاً کارثھما اھ (صفحہ مذکور) واللہ اعلم۔

(تنبیہ) واعلم ان الفقھاء جعلوا المعسر العاجز عن الکسب کالعدم ولم یجعلوا الموسر الممتنع عن اداء النفقۃ ولا العاجز المکسوب کذالک کالعدم لان القاضی یجبرھما علیھا ولکن بلادنا لا قاضی فیھا ولا یمکن اجبار الممتنع علیھما اصلاً فجعلنا الممتنع ایضاً کالعدم واوجبنا کل النفقۃ علی الباقین بقدر ارثھم وھذا ھو الظاھر عندی ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً واللہ اعلم

۱۱ رجب ۳۶ھ
